وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون (الحديث)

مجموعۂ کتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۳



مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ، ملتان فون : 061-4783486

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

مجموعۂ کُتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۳

۲۵ ارشاد العلماء الٰی تحقیق مسئلہ سماع الموتٰی وحیات الانبیاء علیہم السلام

۲۶ رحمت کائنات (عقیدہ حیات النبیؐ کے متعلق لکھی جانے والی پہلی مدلل اور جامع کتاب)

۲۷ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن سے ثبوت

۲۸ عقیدۃ المحدثین علٰے حیوۃ النّبیین

۲۹ (منتخب) مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

۳۰ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۳۱ حیات انبیاء کرام علیہم السلام

مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
[illegible] روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام (جلد سوم)

مصنفین : حضرت مولانا محمد عبدالقدیر رحمۃ اللہ علیہ اٹک
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا الحاج قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا سید میرک شاہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مدنی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۵۷۶

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : نومبر ۲۰۲۴ء

اسٹاکسٹ : ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان
0322-6180738

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ
حضوری باغ روڈ ملتان
0301-7500173 0303-7396203
0301-7904257 0344-7121967

اجمالی فہرست

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

اِرشادُ العُلماءُ

الیٰ تحقیق

مسئلہ سماع الموتیٰ وحیات الانبیاءؑ علیہم السلام

تالیف: شیخ الحدیث

حضرت مولانا عبدالقدیر رحمۃ اللہ علیہ

(اٹک)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ الآیۃ (القرآن)

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (الحدیث)

ارشاد العلماء

الی تحقیق

مسئلہ سماع الموتی و حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

از قلم تلمیذ رشید رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ
و شاگرد فہیم شیخ الاسلام حضرۃ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جامع المنقول والمعقول حضرۃ مولانا عبدالقدیر صاحب
دامت برکاتہم سابق مدرس حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل و حال شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ ۰ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

استاذ العلماء مولانا عبدالقدیر رحمۃ اللہ

پیدائش: ۱۹۰۱ء ...... وفات: ۴؍ دسمبر ۱۹۹۰ء

آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ ڈابھیل، دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں پڑھاتے رہے۔ جید اکابر اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ سے شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے بھی پڑھا ہے۔ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تسکین الصدور بھیجی جس کی حضرت الاستاذ مولانا عبدالقدیر رحمہ اللہ نے بھرپور تائید وتوثیق کی اور اس کے ساتھ ٹھوس علمی مواد بھی بھجوایا۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اس کی ترتیب وتہذیب کر کے اپنے ادارہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شائع کیا۔ یہ نومبر ۱۹۸۷ء کی بات ہے۔ بعد میں اس کے عکس شائع ہوتے رہے۔ کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ ہمیں اس مجموعے میں اس کو شائع کرنے کی سعادت سے قدرت حق سرفراز فرما رہی ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مبسملا و محمدلا و مصلیا و مسلما امابعد!

راقم اثیم نے کتاب ''تسکین الصدور'' حضرت الشیخ استاذنا المحترم مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم سابق مدرس حدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (انڈیا) وحال شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کی خدمت اقدس میں پیش کی کہ اس کے بارے اپنی زریں رائے مبارک سے آگاہ فرمائیں جس میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم السلام فی القبور اور عندالقبور ان کے صلوۃ وسلام کے سماع اور استشفاع عندالقبور کے متعلق باحوالہ مبسوط بحث ہے اور ۱۳۷۴ھ تک اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہ تھا اور تمام اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اس پر متفق تھے اور یہ ان کا اجماعی مسلک تھا ملت مرحومہ کی بدقسمتی کی وجہ سے اپنے کو دیوبندی کہلانے والے بعض حضرات نے (جن میں جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی سرفہرست ہیں) اس اجماعی مسئلہ میں اختلاف پیدا کیا اور بایں ہمہ اپنی کڑی دارالعلوم دیوبند سے جوڑنے کا ادعا بھی ہے اور عام اموات کے سماع اور عدم سماع کے قرن اول سے اختلافی مسئلہ کو آڑ بنا کر قائلین سماع موتی کو لوئر مشرک بلکہ مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا اور ثواب وعذاب قبر کو جس کا متواتر احادیث سے ثبوت ہے اور یہ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے محض شکوک وشبہات اور اپنی نارسا عقل سے باطل تاویل کی بھینٹ چڑھا دیا کہ ثواب وعقاب تو صرف روح یا جسد مثالی کو ہوتا ہے اور اسی طرح توسل کی جائز اور مشروع شق کا بھی نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ اسے شرک وبدعت قرار دیا، غرضیکہ امت مسلمہ اور علماء دیوبند سے منسلک حضرات کے لئے ایک نئے اور شدید فتنے کا دروازہ وا کر دیا۔ بحمداللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ المحترم (مولانا عبدالقدیر) نے باوجود تعلیمی مشاغل، نگاہ کی کمزوری اور پیرانہ سالی کے شفقت کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ تسکین الصدور میں درج شدہ مسائل اور دلائل کی تائید وتصویب ہی فرمائی بلکہ مزید ٹھوس حقائق اور علمی نکات پیش کئے زبان اگرچہ عالمانہ ہے مگر متوسط فہم والا غیر متعصب بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت کے اس علمی اور تحقیقی مواد کو کتابی صورت میں منضبط کر دیا جائے تاکہ علماء کرام اور طلبہ اور دین سے گہری دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سے استفادہ کر سکیں بناء بریں توکلا علی اللہ تعالیٰ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اسے شائع کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کو فی الدارین جزاء خیر عطاء فرمائے اور ان کے لئے اسے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین!

''وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ خیر خلقہ خاتم الانبیاء والمرسلین

وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ واتباعہ الی یوم الدین''

احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وخطیب جامع مسجد گکھڑ

۲۹/ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ، ۲۵/اگست ۱۹۸۷ء

باب اوّل

مسئلہ سماع موتی

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

عرصہ ہوا کہ محترم شیخ الحدیث محمد سرفراز صاحب مداللہ ظلہ نے رسالہ طیبہ تسکین الصدور خزینۃ المعقول والمنقول دیا کہ اس کے متعلق اپنا تاثر لکھیں! لیکن مجھے تعلیمی شغل کی وجہ سے اور بالخصوص نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے موقع نہ ملا علاوہ ازیں یہ دیکھا کہ اس گلدستہ علم کے متعلق گرامی قدر افاضل علماء کرام اور بعض اساتذہ عظام کی تصدیقات ثبت ہو چکی ہیں۔ ان حضرات گرامی قدر و فضلاء کی توثیق کے بعد اور لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟

مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

کتاب تسکین الصدور کو دیکھنے والا واقعی اس کتاب کو اسم با مسمیٰ اور صحیح سمجھ کر انشراح صدر پائے گا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء ووفقہ اللہ لما یحب ویرضی: کتاب نہایت سنجیدگی سے لکھی گئی ہے۔ مقصد کے لئے وافی اور کافی ہے۔ مزید لکھنے کی حاجت نہیں۔ نسخہ شفاء ہے لیکن شفاء اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ''انک لاتھدی من احببت'' آ ہی چکا ہے۔ اجمالا ہمارا فیصلہ وہی ہے، جو حضرت علامہ مہدی حسن رحمہ اللہ مفتی دارالعلوم دیوبند کا (تسکین الصدور ص ۵۰) پر مرقوم ہو چکا ہے۔ جس کی تائید اور کئی حضرات محققین راسخین فی العلم فرما چکے ہیں۔ مزید لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ''خیر الکلام ما قل ودل'' بزرگوں کا فرمان ہے۔ خیال تو یہی تھا لیکن جانب مخالف کے بعض حضرات کی روش نے مجبور کیا کہ کچھ معروضات عرض کروں، قوم کو دانستہ یا نادانستہ مغالطات اور الجھنوں میں ڈالا گیا ہے وہ بزرگان دین کے کلام کو نقل کرتے ہیں اور عمل اپنے ضمیر کے مطابق الٹا ہی کرتے ہیں۔ جمنا الٹی چل رہی ہے۔ سنتے تھے اب دیکھ بھی لیا۔

فریق ثانی کے بعض حضرات نے سماع موتی کے رد میں رسالہ لکھا ہے اس کے مرتب اس فریق کے دو محقق عالم ہیں۔ مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی اور مولانا سید احمد حسین شاہ صاحب سجاد بخاری مولف تفسیر جواہر القرآن کلاں، اس کے ص ۶ پر حضرت علامہ نانوتوی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ حضرت نے عوام کے سامنے اس مسئلہ کے ذکر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بے شک آپ کا فرمان ٹھیک ہے۔ کیونکہ ''کلم الناس علی قدر عقولھم'' آیا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کے .... نازک پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے عوام کی خیر خواہی اور بہبود یہی ہے کہ اس کے دلدل میں ان کو نہ پھنسایا جائے۔ بالخصوص کہ یہ مسئلہ قرن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف فیہ رہ چکا ہے۔ اس فریق کے وکیل نے اسی رسالہ کے ص ۷ پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل میں مختلف ہوا۔ اسی صفحہ میں تین جگہ اس فرمان کو دہرایا گیا ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں آپ نے فرمایا کہ قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ کسی ایک فریق کو ضلال پر نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! اجتہادی درجہ میں ترجیح کی گنجائش ہوتی ہے۔ افسوس کہ فریق ثانی کے بعض حضرات ہر جلسہ میں اس کا ذکر ادا واجب جانتے ہوئے اس کو خدمت دین سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا ان کو مزا ہی نہیں آتا۔ ایسے نازک مسئلہ کو معرکہ جنگ بنانا منبروں پر بیٹھ کر طعن وتشنیع کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ سنجیدہ

طبائع اس غلط رویہ کی مذمت کرتی ہیں۔ اس پر نالاں اور شاکی ہیں۔ لیکن ان کی بلا سے۔ حالانکہ روز محشر میں اس عقیدہ کی نہ پرسش ہوگی نہ جزاء وسزا ملے گی۔ آپ لوگوں نے سماع موتی کو قرآن کے مخالف عقیدہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ابھی آپ کے وکیل نے مسئلہ سماع موتی کو حضرت گنگوہی کے کلام سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلافی اور اجتہادی نظریہ نقل کیا ہے لیکن آپ کے عقیدت مند طبائع مخالفین کو قرآن کا منکر سمجھ کر تلخ لسانی کرنے لگتے ہیں یہ تو ''بل سول لھم الشیطان اعمالھم ''والی بات نظر آتی ہے اور اس سے بجائے خیر کے شروفساد زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (آپ کیا کوئی صحیح روایت پیش کر سکتے ہیں کہ یہ مسئلہ تابعین یا تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں علی روس المنابر معرکۃ الاراء محاذ جنگ کبھی بنا ہو؟ اگر انہوں نے خاموشی کا راستہ اختیار کیا ہے تو آپ بھی ''فبھدٰھم اقتدہ'' کا راستہ اختیار کیجئے۔ اسی میں خیر ہے۔''وما علینا الا البلاغ ''فریق ثانی کے بعض مدعیان فضل وکمال کو میں نے دیکھا کہ اگر کسی نے سماع موتی کا قول کیا تو جھٹ اس کے برخلاف آیت:''انک لاتسمع الموتی ''پڑھ دی کہ تم تو قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف کہتے ہو، اس پر فتویٰ جڑنے لگتے ہیں جیسے کہ ان کی عام عادت ہے۔ نادان نہیں دیکھتا کہ آیت میں مزید کا صیغہ ہے اور تم مجرد کے صیغے کے دعوی دار ہو۔ جس کا مفہوم ہے:''الموتی لایسمعون'' آیت کریمہ:''انک لاتسمع الموتی'' کا معنی تو یہ ہے کہ تم مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ حالانکہ جس کے تم قائل ہو، وہ ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ دیکھئے قرآن کریم میں فرمایا:''لھا ماکسبت'' مجرد کا صیغہ ہے اور اس کے بعد فرمایا: ''وعلیھا ما اکتسبت'' یہ مزید کا صیغہ ہے دونوں میں فرق ہے۔ اوّل کی جگہ ثانی غلط ہوگا اور ثانی کی جگہ اوّل غلط ہے۔ اسی طرح یہاں مجرد اور مزید کے اور اور اور جدا جدا معنی ہیں مزید تفصیل نہیں کر سکتا۔

ایک خیال فاسد اور اس کی تردید

فریق ثانی کے بعض مدعیان علم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سماع موتی کا قول گمراہی پھیلانے کا راستہ ہے۔ اس سے لوگ بزرگوں کی قبروں پر جا کر ان سے مرادیں مانگیں گے جو شرک ہے۔ اس لئے انکار سماع واجب ہے اسی میں سلامتی ہے۔ سماع موتی شرک کا راستہ ہے۔ اس کا بند کرنا دین ہے، کار خیر ہے، توحید کا تقاضا ہے اور یہ انجمن اشاعت التوحید والسنت کا وظیفہ ہے۔ اسی وجہ سے ہم مخالفین کو کوستے ہیں، اس نظریہ سے روکتے ہیں۔

جواب باصواب

یہ بہانہ ایک فسانہ ہے جو مطلب سازی کے لئے گھڑا گیا تاکہ جال میں شکار پھنس جائے۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بات کیوں نہ سمجھی؟ آپ نے ابھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرمان میں دیکھا پڑھا کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل میں مختلف فیہا رہا ہے۔ بلکہ اس کی اصلی بنیاد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک ہی بنا ہے۔ یعنی''ما انتم باسمع لما اقول منھم ''یعنی تم سے یہ مردے میری بات اچھی سنتے ہیں۔

اگر آپ کہیں کہ یہ معجزہ کے طور پر ہوا اور ان کے ساتھ مخصوص ہے حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:''احیاھم اللہ'' اور یہی سبق پڑھایا سکھایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات مسلم نہیں یہ دعوی تخصیص بلا دلیل ہے۔ اگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو بطور معجزہ مخصوص سمجھتے تو ان کا قول سماع موتی کا نہ ہوتا اور یہ مسئلہ ان میں مختلف فیہا نہ

ہوتا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کے بیان کو بعض لوگ بطور معجزہ ہونا مخصوص کرتے ہیں کہ کفار بدر کی یہ زندگی خاص حضور ﷺ کی نداء و پکار سننے کے لئے ہوئی۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں! ممکن ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ مردوں کا سننا چونکہ عالم اسباب سے نہیں محض بمشیئہ اللہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہ: ''ولٰکن اللہ یسمع من یشاء'' کے فرمان خداوندی سے معلوم ہوتا ہے۔ اس موقع میں اسی ضابطہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے آپ کی پکار ان کو سنا دی تا کہ ان کو حسرت اور ندامت حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ اور مواقع میں بھی جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو کسی کا سلام اور کسی کا کلام ان کو سنا دیتے ہیں۔ ''یسمع من یشآء'' اسی عموم کی طرف اشارہ ہے یہ بدر کا واقعہ اس ضابطے کا ایک فرد ہے۔ اس کی تخصیص نہیں اگر معجزہ کے طور سے یہ سننا سنانا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انکار ہی کیوں کرتیں اور سماع کو علم سے کیوں بدلتیں اور ''انھم لیعلمون ان ما اقول لھم'' حق کیوں فرماتیں؟ وہ انکار تو اس لئے کرتی تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ جمہور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شد و مد سے سماع موتی کے قائل تھے۔

(۱) علاوہ ازیں اس احیاء موتی کو بطور معجزہ نبی ﷺ ان کفار بدر کے ساتھ مخصوص کرنا اس لئے بھی غلط ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا گیا تو اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کی مصلوب لاش کے پاس اظہار حسرت و افسوس کے لئے جانا ہوا تو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے درد دل کی آواز سے تین مرتبہ السلام علیک کہا۔ اس کے بعد مزید فرمایا کہ اے عبداللہ رضی اللہ عنہ میں تمہیں ان ظالموں سے بچاؤ کرنے کا کہتا تھا یہ جملہ بھی تین مرتبہ فرمایا۔ چنانچہ (مشکوۃ ص ۵۵۲) پر موجود ہے: ''مر علیہ ابن عمر فوقف علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب'' تین مرتبہ سلام کے بعد فرمایا: ''اما واللہ لقد کنت انھاک عن ھذا'' یہ بھی تین مرتبہ کہا: ''وقال (صاحب المشکوۃ) رواہ مسلم'' یہ روایت (مسلم ج ۲ ص ۳۱۲) میں موجود ہے۔ اس معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس فرمان رسول کو جو بدر والوں سے خطاب فرمایا ہے۔ ان سے مخصوص نہیں کرتے تھے وہ عام سماع موتی کے قائل تھے۔ ہاں! اسماع کے بعد سمع کا ترتب بمشیئۃ اللہ ہی کہا جائے گا۔

غرضیکہ یہ قرن اوّل کا اختلافی مسئلہ ہے۔ اس میں دوٹوک فیصلہ نہیں ہو سکتا جیسے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فرمان گزرا۔ صرف انہیں کا نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات کا یہی فرمان ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ نبی علیہ السلام کا یہ فرمان سماع موتی پر دال ہے۔ تخصیص کا دعویٰ اجتہادی نظریہ ہے۔ آپ کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ تخصیص ضرور ماننی پڑے گی۔ بلکہ آپ کو اس کے لئے شارع علیہ السلام کی نص صریح بتانی ہوگی اور اگر کوئی ایسی نص ہوتی تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کیسے بے خبر رہ سکتے تھے۔ بے شک مردوں سے مرادیں مانگنا جرم ہے، غلط کاروائی ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ سنتے نہیں وہ سنیں یا نہ سنیں یہ باتیں فی نفسہ شرک ہیں۔ خواہ زندوں سے اس طرح کی مرادیں مانگیں یا مردوں سے...... مسئلہ سماع موتی بعض احادیث کی روشنی سے مسلم ہے۔ آپ کو تردید کرنی ہے تو شرکیہ باتوں کی کریں مردوں سے مرادیں مانگنے کے عقیدے سے روکیں لیکن اتنا تو ملحوظ رہے کہ مردوں کے سننے کے عقیدے نے یہ باتیں ان کو نہیں سکھائیں۔ یہ باتیں عقیدہ شرک سے ناشی ہیں خواہ زندوں سے کہی جائیں یا کسی مردے مدفون سے باقی یہ بات کہ اے بزرگ صاحب قبر۔ میرے لئے تم خدا سے دعا کرو یہ زندہ شخص سے کہنی جائز ہے تو مردہ مدفون سے بھی جائز ہوگی لیکن بے سود۔ کیا معلوم کہ اس کو یہ بات پہنچی یا نہیں۔ ''ان اللہ یسمع من یشآء'' آیا ہوا ہے اسباب

وصول کے کارآمد نہیں بنتے کیونکہ دارالاسباب سے میت نکل چکی ہے۔ براہ راست خداوند کریم سے مانگنا ہی اسلم طریقہ ہے۔ ہاں! زندہ صالح شخص سے یہ استدعا درست ہونے کے ساتھ مفید بھی بنتی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مصیبت میں مبتلاء ہونے والے آنحضرت ﷺ سے دعا کی التجا کرتے اور آپ دعا فرماتے تھے۔ مثلاً (بخاری ج ۱ ص ۱۳۷) میں بارش کے نزول کے لئے ایک سائل نے آپ ﷺ سے درخواست کی "فادع اللہ ان یغیثنا قال فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ" الحاصل سماع موتی کا عقیدہ منجر شرک کی طرف نہیں بنتا۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے قائل نہ ہوتے اور احادیث میں اس کا تذکرہ نہ ہوتا جیسے کہ گزر چکا۔

(۲) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر یہ فرمان نبوی ﷺ "ما انتم باسمع لما اقول منھم" نقل کر رہے ہیں جو سماع موتی کی راہ نمائی کرتا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار فرما رہی ہیں لیکن محدثین کرام رحمہم اللہ کا اس بارے میں محاکمہ یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بوقت فرمان اس موقع پر موجود ہی نہ تھیں۔ یہ تخطیہ محض اپنے گمان اجتہادی سے کر رہی ہیں۔ انہوں نے کوئی مرفوع روایت بالمقابل پیش نہیں کی۔ ایسے موقع میں مرفوع روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال والی ہی قابل قبول ہوگی۔ بالخصوص کہ یہ فرمان: "ما انتم باسمع" اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے "انھم الآن لیسمعون ما اقول لھم" (بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) کا ارشاد صحیح اور مرفوع حدیث سے ثابت ہے اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے نقل کر رہے ہیں۔ حسب قواعد شرعیہ ترجیح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہی کو ہوگی۔ چنانچہ (بذل المجہود ج ۲ ص ۴۷۸) میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے: "ھذا مصیر من عائشۃ رضی اللہ عنہا الی رد روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ المذکورۃ و قد خالفھا الجمھور علیٰ ذالک و قبلوا روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ لموافقۃ من رواہ غیرہ" اس سے مسئلہ سماع موتی کی حقانیت ثابت ہو رہی ہے۔ کیونکہ صحیح اور صریح روایت اس کی شہادت دے رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال لنفی سماع موتی پر جو "انک لا تسمع الموتیٰ" سے انہوں نے کیا تھا اس کو ناتمام سمجھا کہ اس میں اسماع یعنی صیغہ مزید کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے نفس سماع صیغہ مجرد کی نفی نہیں ہوتی۔ آیت میں صرف یہ بیان ہے کہ تم اپنے طور سے مردوں کو اپنا کلام پہنچا نہیں سکتے کیونکہ وہ اس جہان عالم اسباب سے نکل چکے ہیں۔ چنانچہ علامہ شبیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۶) پر فرماتے ہیں: "نفی القرآن العزیز الاسماع من العباد و ما افصح بنفی السماع من الاموات" یہی بات (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷ اور ۴۶۸) میں حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے۔ "قیل بالفرق بین السماع والاسماع المنفی ھو الثانی دون الاول" یعنی آیت میں اسماع کی نفی کی گئی ہے نہ کہ نفس سماع کی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ فریق ثانی کے بزرگوں کا سماع موتی کے انکار میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنا محض بے سود اور بے محل ہو کر ایک مغالطہ ہی ہے اور وہ لوگوں کو غلط اثر دیتے ہیں کہ سماع موتی کا عقیدہ قرآن کے مخالف ہے۔ معاذ اللہ تعالیٰ! اگر ایسا ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع کے قائل کیسے ہوتے۔ جب کہ بعض حضرات اہل تحقیق یہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں منفی وہ اسماع ہے جو نافع بنتا ہے۔ یعنی "لا تسمعھم سماعا ینفعھم" اس قید سے اصل سماع کی نفی ثابت نہیں ہوگی اور یہ معنی اس صورت میں زیادہ اقرب ہوں گے۔ جب آیت مذکورہ کو کفار کے بارے میں نازل کہا

جائے یعنی موتی سے مراد کفار ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد آیت کریمہ: ''ان تسمع الا من یؤمن بایٰتنا'' بھی اسی کا قرینہ ہے کہ آپ کا سنانا مومنوں کو ہی نافع ہے کہ وہ مان کر رضائے الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ نیز اس معنی کے اقرب ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ کفار سنتے تو ہیں لیکن یہ سماع ان کے حق میں نافع نہیں۔ فرمان خداوندی ''وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما وعلوا'' بھی اسی کی شہادت ہے۔ کیونکہ یقین سننے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں ہے: ''والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر'' یعنی فی الجملہ سمع اموات کے متعلق احادیث تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ اس لئے مطلقا سماع موتی کا انکار کرنا غلط محض اور خلاف شرع ہوگا۔ لہٰذا آیت میں قید سماعا ینفعھم کی ضروری ہوگی۔ یعنی زندہ کفار آپ کا کلام سنتے تو ہیں لیکن نفس سننا ان کو نافع نہیں۔ جب تک انشراح صدر کے ساتھ قبول نہ کریں جس طرح مردے جو مر گئے اور دار الجزاء کو جا چکے ہیں۔ اس وقت صرف سننا ان کو بھی نافع نہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا فرمان

بعض جاہل یہ کہہ دیتے ہیں کہ آیت قطعی ہے۔ لہٰذا سماع موتی قطعا منفی ہوگیا اور یہ حدیث سماع خبر واحد اور ظنی ہے۔ لہٰذا قرآن کے مقابلے میں متروک ہوگی۔ دوسرے ہم خیال بھی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں مگر یہ بھی ایک مغالطہ ہے اور دھوکا ہے۔ فریب سے عوام کو ہم عقیدہ بناتے ہیں یہ بات خواہ کوئی بھی کہے جہالت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو غریق رحمت فرمائے وہ عقدہ کشائی فرما گئے ہیں لیکن سمجھنے کے لئے علم اور عقل کی ضرورت ہے۔ ''ومن اللہ الھدایۃ'' حضرت گنگوہیؒ کا یہ فرمان (سماع موتی ص ۷) پر مذکور ہے۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث: ''ما انتم باسمع لما اقول منھم'' خود حضور علیہ السلام سے سنی ہے تو ان کے لئے یہ حدیث بھی قرآن کی طرح قطعی ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے جو معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر قرآن میں تخصیص کریں تو کر سکتے ہیں۔ یعنی اگر سماع اور اسماع میں فرق نہ کیا جائے اور نہ سماعا کے ساتھ ''ینفعھم'' کی قید لگائی جائے بلکہ مطلق سماع کو منفی کہا جائے اور مدلول آیت بنایا جائے تب بھی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مروی روایت جو سماع موتی پر دال ہے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام اموات کا سماع سمجھا۔ تخصیص عموم آیت کے لئے کافی ہے کیونکہ یہ حدیث انہوں نے خود براہ راست جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ حدیث ان کے لئے ایسے ہی قطعی ہے جیسے آیت کریمہ اپنے مدلول میں قطعی ہے تو قطعی فرمان قطعی آیت کے لئے مخصص ہوگیا۔ ظنیت تو بعد میں نقل سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی جواب اس کا دیا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ ورثہ کے جواب میں فرمایا کہ حضور کا فرمان ہے: ''نحن معاشر الانبیاء لا نورث'' پیغمبر کے مال میں ورثہ نہیں دیا جا سکتا۔ حالانکہ آیت کریمہ میں بیٹی کا حصہ قطعی مذکور ہے مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کو اس سنی ہوئی حدیث سے مخصوص کر دیا کیونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قطعی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (بدائع الفوائد ج ۴ ص ۴۴) میں فرماتے ہیں کہ بعض نے خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے عام کی تخصیص کے جواز پر اسی واقع سے

ل یہ ان کے اصل الفاظ ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے ''ما انتم باسمع منھم'' سنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی جو معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں ہو سکتا ہے۔ (لطائف رشیدیہ ص ۸)

استدلال کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے فرمان: ''لا نورث ما ترکناہ صدقۃ'' سے آیت میراث کی تخصیص کی ہے۔ لیکن بقول حافظ ابن القیم رحمہ اللہ ابن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا استدلال مستدل کی بے وقوفی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آیت میراث کی تخصیص بالمشافہ سنتے ہوئے کلام نبی ﷺ سے کی ہے اور وہ کلام نبی ان کے حق میں قطعی ہے اور دلیل قطعی سے عموم قرآن کی تخصیص میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سنا ہوا فرمان نبوی ﷺ آیت کریمہ کا مخصص بن گیا۔ اسی کو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں تو کر سکتے ہیں۔ ''مامن عام لا وقد خص عنہ البعض'' کا مقدمہ مشہور ہی ہے۔ اس کے بعد اصول فقہ کا مسلم قانون ہے کہ عام مخصوص منہ البعض ظنی ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر اخبار آحاد صحیح ہوں یا حسن کے درجے کی ہوں مخصص بن سکتی ہیں۔ اس لئے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو برحال رکھتے ہوئے تخصیص کی صحت کا قول کیا ہے اور ''خالفھا الجمھور علیٰ ذالک'' بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں گزر چکا ہے۔ یہی مطلب ہے حضرت کاشمیری رحمہ اللہ کے اس فرمان کا جو نقل کیا گیا: ''والضابطۃ عدم السماع الا ان المستثنیات فیھا کثیرۃ او کما قال'' یعنی سماع موتی کو ضابطہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ضابطہ وہ ہوتا ہے جس پر فروع بالیقین اور ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں سمع اصوات کا ترتب نہ کلی کہا سکتا ہے نہ اغلب بلکہ محض بمشیۃ اللہ ترتب ہوتا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ سماع قطعاً منفی ہے جیسے کہ منکرین کا خیال ہے، انہیں الفاظ سے منکرین نے حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ کو منکرین سماع موتی میں شمار کیا ہے۔ یہ محض نافہمی ہے عنقریب مزید بیان آنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا جلسے جلوسوں میں عدم سماع موتی کے ڈنکے بجانا اور دوسروں کو قرآن مجید کے مخالف بنانے کی مذموم و نا مشکور سعی کرنا قابل افسوس ہے۔ یہ تو ''ضرہ اقرب من نفعہ'' والی بات ہے۔

اطلاع: بعض محدثین کرام رحمہم اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام پر تنقید بھی کی ہے کہ ان کا حدیث: ''ما انتم باسمع منھم'' کا انکار کرنا اس لئے درست نہیں کہ وہ علم اموات کا مانتی ہیں کہ حضور کا فرمان: ''انھم لیعلمون الآن ان ما اقول لھم'' حق ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) اور علم کا ثبوت محل کی حیوۃ کو چاہتا ہے تو یہ سماع موتی کے مخالف نہیں۔ بلکہ ہر دو موافق ہیں۔ انکار جب صحیح ہوتا کہ ان میں تنافی ہوتی۔ ہر چہ باد اباد۔

فرمان حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''و خالفھا الجمھور علی ذالک'' گزر چکا ہے۔ نتیجہ الکلام وخلاصۃ المرام ان حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اصل مسئلہ سماع موتی کا اعتراف کیا جائے لیکن اس کو ضابطہ کے درجے میں دائمی نہ رکھا جائے بلکہ بمشیۃ اللہ سے مقید کیا جائے اور نہ صرف معجزہ کے طور سے کہا جائے جیسے کہ مورد حدیث کے ساتھ بعض نے خاص کر دیا ہے یہ تخصیص بلا وجہ ہے[۱]۔

حدیث میں اس کے موارد اور بھی ثابت ہیں اور نہ صرف سلام بھیجنے کے وقت کی تخصیص کی جائے اور نہ اوّل زمانہ دفن کے ساتھ مقید کیا جائے جیسے کہ شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ حدیث قرع النعال کی توجیہ میں فرما گئے ہیں۔ اگر سماع ان مذکوری جزئیات کے ساتھ ہی مخصوص کیا جائے تو اس طرح کرنے سے تو وہی بات بن جائے گی جیسے ظاہریہ

---

[۱] (بخاری ج ۲ ص ۵۲۶) قیل أنّہ خاصٌ فی حقِّ ھٰؤُلَاءِ وَرَدَّ عَلَیْہِ الْقَاضِیْ وَقَالَ یُحْمَلُ سَمَاعُھُمْ عَلٰی مَا یُحْمَلُ عَلَیْہِ سَمَاعُ الْمَوْتٰی فِی أَحَادِیْثِ عَذَابِ الْقَبرِ (الی) قال الشیخ ھٰذا ھو المختار۔ (مرقاۃ المصابیح)

نے ربوا کو اشیاء ستہ میں بند کر ڈالا ہے۔ کیونکہ حدیث: ''البر بالبر و اشعیر باشعیر و الملح بالملح و التمر بالتمر و الذهب بالذهب و الفضة بالفضة'' میں صرف چھ چیزوں ہی کا ذکر ہے مگر تمام ائمہ دین رحمہم اللہ ان کے خلاف ہیں۔ ہاں! سماع کو بمشیئۃ اللہ کے ساتھ مقید کہا جائے کیونکہ دارالاسباب سے باہر کی بات ہے۔ جمہور کا یہی قول ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں آپ کے کلام میں آپ نے پڑھ لیا ہے اور ''اتبعوا السواد الاعظم'' حکم رسول ﷺ بھی آپ نے پڑھا سنا ہوگا جمہور اسی سواد اعظم کا نام ہے؟ جمہور کو زنبور کہہ کر اس سے جان چھڑانا دین کی خدمت نہیں دین کی تباہی کہی جاسکتی ہے۔ آپ کے پڑھائے سبق کو اپنایا گیا تو خطرہ ہے کہ کہیں فرمان رسول ''من سن سنة سيئة فله وزرها و وزر من عمل بها'' کا مصداق نہ بن جائے۔ ''اعاذنا اللہ من ذلک!

صاحب (ندائے حق ص ۲۰۳) میں جمہور کو زنبور کہہ چکے ہیں یہ ضد اور عناد کا ثمرہ نہیں تو اور کیا ہے (تسکین الصدور ص ۳۵۱) میں اس کا شکوہ کیا گیا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ سماع موتی کا انکار کیا جائے۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کو دیکھنے والوں نے یہ راستہ اختیار کیا ہے اور اس کو حجت بنایا ہے لیکن اس صورت میں بھی اس نفی کو ''الا ان یشآء اللہ'' سے مقید کرنا پڑے گا۔ نفی علی الاطلاق قطعاً باطل ہے۔ مستثنیات کثیرہ حدیث میں آچکی ہیں۔ بہرصورت یہ اجتہادی نظریہ ہے نہ قرون اولیٰ میں اس طرح اس کو اچھالا گیا۔ نہ دنگل بنایا گیا نہ اب اس کو محاذ جنگ بنایا جاسکتا ہے۔ بزرگوں کی قبروں پر جا کر بے شک بعض لوگ غلط اقوال کہتے ہیں اور ناجائز اعمال کرتے ہیں۔ اس کی اصلاح یہ ہے کہ ان اقوال و اعمال سے انہیں روکا جائے یہ جائز نہیں کہ ان کو قبور صلحاء کی زیارت سے ہی روکا جائے۔ اسی طرح موجودہ صورت میں سماع موتی کا مسئلہ لوگوں کو غلطی میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ لوگ اعمال شرکیہ بدعقیدت اور جہالت سے کرتے ہیں پہلے بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ اس کے بعد مزید ایک مثال عرض کرتا ہوں اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انفرادی رائے خواہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی کیوں نہ ہو جمہور کے مقابلے میں قابل قبول نہ ہوگی۔

مسجد میں جنازہ پڑھنا

فقہاء کرام رحمہم اللہ اس کو مکروہ کہتے ہیں بعض احادیث بھی اس بارے میں نقل کرتے ہیں اور صاحب شرح وقایہ ''یحتمل تلویث المسجد'' کی علت بیان کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ علت قاصرہ اور ناتمام ہے لیکن مسئلہ دلائل سے ثابت ہے حضرت سعد بن ابی وقاص فوت ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لایا جائے تاکہ ہم بھی اس کار خیر میں شریک ہوسکیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو خلاف اصول سمجھتے ہوئے ناپسند سمجھا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام ہمیشہ جنازہ گاہ میں جا کر جنازہ پڑھاتے رہے حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ نجاشی بادشاہ حبشہ کا غائبانہ جنازہ بھی جنازہ گاہ میں ادا کیا گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگ بھول گئے کیونکہ حضور ﷺ نے سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا حقیقت یہ ہے کہ وہ بھولے نہیں تھے ایک تو نہیں تھا کہ بھول گیا ہو۔ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے بھول گئے وہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کا ہمیشہ کا معمول یہی تھا کہ جنازہ گاہ میں ہی نماز جنازہ ادا کی جائے لیکن سہیل رضی اللہ عنہ بن بیضاء کے واقعہ میں کسی خاص عذر سے نماز مسجد میں پڑھی تھی کسی نے اعتکاف کا عذر بیان کیا کہ آپ معتکف تھے کسی نے بارش کا عذر بیان کیا۔ اس جگہ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان چھوڑ کر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستہ کو لیا ہے اور متفقہ مسئلہ لکھا ہے کہ مسجد میں جنازہ نہ پڑھا جائے۔''الا لعذر'' آپ بھی شاید فقہاء کے اس نظریہ کو صواب کہتے ہوں گے۔ اس پر عمل کرتے ہوں گے یہی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کا مسلک ہے۔ مناسب ہے کہ اس کے مطابق سماع موتی کے مسئلہ میں بھی جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے کو اپنائیں بالخصوص کہ اس جانب صریح اور صحیح روایات بھی ثابت ہیں آدھا تیتر اور آدھا بٹیر نا مناسب ہے۔

نوٹ: نجاشی کا جنازہ صرف حضرات کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں غائبانہ تھا۔ ورنہ ان کا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا۔ چنانچہ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶) میں بسند صحیح حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''ولا نظن الا انہ بین یدیہ'' نیز یہ بحث (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۵) اور (نیل الاوطار ج ۴ ص ۵۴) میں بھی ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ اس جگہ بعض لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درایت کا سہارا لے کر سماع موتی کا انکار کرتے ہیں کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہی مختار تھا مزید تائید کرتے ہیں کہ وہ موتی کو حقیقی معنوں میں لیتی ہیں اور مخالف لوگ موتی سے کفار مراد لیتے ہیں کہ تشبیہا بالموتی ان کو موتی سے تعبیر کیا گیا ہے اور حقیقی معنی مجازی سے اولیٰ ہوا کرتا ہے حقیقت پر حمل کرتے ہوئے وہ اس سے سماع موتی کی نفی کرتی ہیں۔

الجواب: ہم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت تفقہ سبقت علمی کا انکار نہیں کرتے لیکن یہ جب ہوتا کہ بالمقابل کسی ایک صحابی کا قول اور رائے ہوتی۔ ہم نے تو یہ عرض کیا ہے کہ بالمقابل صحیح اور صریح مرفوع روایت ہے اور راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت وابو طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ قول جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔''خالفھا الجمھور من الصحابۃ رضی اللہ عنہم'' کا حوالہ گزر چکا ہے۔ رہا یہ کہنا کہ وہ حقیقی معنی لیتی ہیں لہٰذا یہی اولیٰ بالقبول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی معنی مراد نہیں جیسے ''صم بکم عمی فھم لا یرجعون'' میں کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں آیت کریمہ میں: ''انک لا تسمع الموتیٰ'' کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ مراد موتی سے کفار ہیں۔ دیکھئے (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۸۸) کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اندازہ ہوا کہ میری موت عنقریب ہے تو فرمایا کہ میرے لئے نئے کپڑوں کا جوڑا تیار کر کے مجھے پہناؤ جب ان سے پوچھا گیا کہ اس وقت نئے لباس کی کیا حاجت ہے۔ تو فرمایا کہ حدیث میں ہے: ''المیت یبعث فی ثیابہ التی یموت فیھا'' میت کا حشر روز قیامت ان کپڑوں میں ہوگا جن میں اس کی وفات ہوئی۔ اس لئے میں نے یہ نیا لباس طلب کیا ہے۔ غور فرمائیں اگر حدیث کا یہ مطلب ہوتا تو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی اس پر ہوتا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات قریب ہوئی تو فرمایا کہ یہ میری پرانی چادر دھو کر اس کو کفن میں لگا دینا۔ گھر والوں نے کہا یہ تو پرانی ہے تو فرمایا کہ زندہ نئے کپڑے کا زیادہ حقدار ہوتا ہے مجھے نئے کی کیا ضرورت ہے۔ (محصلہ بخاری ج ۱ ص ۱۸۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان ثیاب کو حقیقی معنوں میں لینے سے ہوا۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ ثیاب سے مراد مجازی طور پر اعمال ہیں ورنہ اس پر بقیہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی ہوتا اور وفات سے قبل ان کو جدید لباس پہنایا جاتا۔ اسی لئے ''وثیابک فطھر'' آیت کریمہ میں بعض نے یہی اعمال اور پاکیزہ اخلاق مراد لئے ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتیٰ'' میں عموماً محدثین ومفسرین حضرات نے کفار مراد لے کر اس کی توجیہہ کی ہے کہ کفار کو موتی سے تشبیہ دے کر ان پر موتی کا لفظ اطلاق ہوا ہے اور آیت کریمہ میں نفی سماع سے مراد نفی انتفاع ہے جیسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''آیۃ النفی معناھا

سماع ھدی '' یعنی کفار کو آپ ہدایت یافتہ نہیں کر سکتے یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوگا اور (نطق انور ص ۱۰۶) پر حضرت شیخ انور صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا ہے۔ ''آیة النفی فی نفی انتفاعهم ای اجابتهم '' یعنی کفار آپ کے مواعظ حسنہ سے نفع یاب نہیں ہو سکتے مگر جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فیضیاب کر دے جیسے ''انک لا تهدی من احببت ولکن اللہ یهدی من یشآء '' میں ہے۔ اسی طرح اموات چونکہ دوسرے جہاں میں جا چکے ہیں۔ آپ اپنی باتیں ان کو نہیں پہنچا سکتے۔ بایں طور کہ وہ انہیں تسلیم اور قبول کر لیں۔ ہاں! مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے آپ کی بات ان تک پہنچا دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ آیت کریمہ کو نفی سماع موتی پر محمول نہیں کرتے بلکہ نفی انتفاع مراد لیتے ہیں۔ حقیقت حال بھی یہی ہے کہ نفی سماع کی جیسے مشبہ کی جانب معتبر نہیں کیونکہ کفار سنتے تو ہیں مگر سننے پر عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح مشبہ بہ کی بھی ہے کہ اموات سنتے تو ہیں لیکن دوسرے جہاں کا معاملہ ہونے کی وجہ سے انتفاع نہیں کر سکتے۔ یہ بمشیۃ اللہ ہوگا اور یہ سننا ہمارے ادراک سے ماوراء ہے۔ اسی لئے جب کسی نے ''لا اکلم فلانا '' کی قسم کی ہو تو بعد از مرگ فلاں کلام کرنے والا حانث نہیں ہوتا۔ مزید بیان ان شاء اللہ! بعد میں آئے گا۔ اس بیان سے اتنی بات معلوم ہوگئی کہ آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتی '' اور '' وما انت بمسمع من فی القبور '' کو سماع موتی کے انکار کی دلیل صریح اور قاطع بنانا اور اس کا ڈھنڈورا پیٹنا ایک غلط بیانی ہے۔ اگر حقیقت حال یہی ہوتی جو آپ حضرات کا دعویٰ ہے تو مذکورہ حضرات اس کو ظاہر سے صرف کر کے آیت کا رخ دوسری طرف کیوں موڑتے۔ صرف عن الظاہر دلیل ہے کہ وہ حضرات ظاہر پر محمول نہیں کرتے جیسے ابھی گزرا کہ: ''المیت یبعث فی ثیابه التی یموت فیها '' میں حقیقت مراد لینا اسی طرح مردود ہے جیسے آیت میں حتمی طور پر حقیقت مراد لینا مردود ہے۔ ہاں! اس معنی کو احتمال کے درجہ میں رکھیں تو ہم بھی انکار نہیں کرتے پہلے گزر چکا ہے کہ مسئلہ اختلافی ہے۔ انکار تو ہماری طرف سے اس بات کا ہے کہ یہ آیت کریمہ پڑھ کر سماع موتی کے قائلین کو بزور الفاظ قرآن کا مخالف اور دیوبندیت کے سلسلہ سے خارج اور مبتدع کہا جاتا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ہدایت پر عمل کیا جاتا کہ عوام کی مجالس میں اس کا تذکرہ نہ کیا جائے تو کوئی فتنہ نہ بنتا جماعت میں افتراق پیدا نہ ہوتا اصلاح کے لئے اور مسائل متفقہ کثیر التعداد ہیں۔ اس لئے عدم سماع موتی صرف ہمت محمود نہیں نفع سے زائد نقصان ہوتا ہے اور مزید ہوگا پہلے بھی جیسے کہ گزر چکا۔ ہاں! آپ کے پاس سماع موتی کے انکار پر کوئی صحیح صریح شرعی حجت ہے تو پیش کیجئے یہ آیت تو محتمل کے درجے میں ہے۔ اسی لئے صدر اول میں اختلاف ہوا۔ اس مقام میں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ سمع کے معنی جیسے گوش گزار کرنا ہوتے ہیں۔ اس طرح سمع کے معنی مال لینا اور قبول کرنا کے بھی آتے ہیں۔ اردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں کو یہ بات کہی لیکن اس نے میری نہ سنی اے فلاں تم خود کہو تو وہ سنے گا۔ قرآن کریم میں بھی فرمایا کہ قیامت کے دن کفار افسوس کرتے ہوئے کہیں گے: ''لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر '' یعنی اگر ہم نے دوسروں کی نصیحت کی باتیں مانی ہوتیں یا اپنے عقل و دانش سے کام لیا ہوتا تو ہم جہنم میں کیوں عذاب اٹھاتے۔ یہاں سمع سے ماننا اور قبول کرنا ہی مراد ہے۔ کیونکہ صرف سننا تو عذاب سے نہیں بچاتا۔ اگر آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتی '' میں یہی معنی لیا جائے تو معنی ہوں گے کہ آپ کفار کو اپنی باتیں منوا نہیں سکتے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے جس کے دل میں آپ کی بات ڈال دے وہ مان لے گا اور قبول کرے گا۔ یہ اس کی مہربانی ہوگی۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ''ونطبع علٰی قلوبھم فھم لا یسمعون'' (الاعراف:۱۰۰) اور ہم نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے۔

یعنی نہیں مانتے اور نہیں قبول کرتے۔ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کے مقابلے میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تب عادتاً اصلاح حال وقبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ (فوائد عثمانیہ) اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وما انت بمسمع من فی القبور'' یعنی بسبب مہر جباریت کے مردے ہو گئے ہیں۔ قبول کرنے ایمان۔ کے سے ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا ہے۔ (تفسیر بلغۃ الحیران ص ۲۷۹)

اس صورت میں مزید قید ''لاتسمع سماء ینفعھم'' کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر سماع موتٰی ضابطہ نہیں کہ ہر وقت سننا پایا جائے بلکہ ان شاء اللہ کے ساتھ مقید ہو تو اسی طرح عدم سماع بھی کلیہ نہیں ذخیرہ احادیث فی الجملہ سماع پر دال ہے۔ یہاں بھی ''الا ان یشاء اللہ'' سے مقید کرنا ضروری ہوگا۔

تعجب کی بات: کہ مصنف رسالہ (سماع موتٰی ص ۵) پر سماع موتٰی کے غلط ہونے کی تعلیم وتلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک مرنے کے بعد روح کو اس کے مستقر علیین یا سجین پہنچا دیا جاتا ہے۔ قبر میں مدفون بدن ہے جو سننے کی صلاحیت سے محروم ہے اور روح جو سنتی ہے وہ وہاں موجود نہیں۔ سبحان اللہ! کیا ہی عجیب تحقیق ہے۔ شاید معتقدین ومریدین واہ واہ بھی کی ہوگی۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ علیین اور سجین جیل خانے کی شان رکھتے ہیں۔ دروازے کے اندر روح کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔ پہرہ دار بھی باہر بٹھا دیئے گئے کہ کوئی روح نکلنے نہ پائے پھر قبر کی طرف ارواح کب لوٹ سکتی ہیں۔

کیوں جناب؟ قبر میں جو مردہ دفن کیا جاتا ہے کیا یہ وہی تو نہیں ہوتا جو جنازہ کی چارپائی پر لوگوں کے کندھوں پر قدمونی کہا کرتا ہے اور ''یاویلھا این تذھبون بھا'' کہتے ہوئے چیختا چلاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''یسمع صوتھا کل شئی الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق'' (بخاری ج ۱ ص ۱۷۶) اگر روح علیین سجین میں بند ہے اور واپس نہیں ہوتی تو یہ چیختا چلاتا کون کرتا ہے یہ تو قبر کو پہنچانے سے بھی پہلے آ گئی۔ آپ نے تو وہی بات کہہ دی جو منکرین عذاب قبر کہا کرتے ہیں۔ اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ روح سنتی ہے جو وہاں موجود نہیں تو قبر پر جانے کے وقت سلام کس کو سنایا جاتا ہے۔ حدیث میں تو صرف یہ ہے کہ مرنے کے وقت روح کو اس کے دفتر میں لے جاتے ہیں تاکہ اس کا نام وہاں اندراج کیا جائے۔ ''اکتبوا کتاب عبدی فی علیین'' اسی طرح سجین بھی۔ ہاں! ان دونوں کو فی الجملہ مستقع اور ٹھکانہ کہا جا سکتا ہے۔ پھر سوچئے کہ اگر روح کا قبر میں بدن سے تعلق نہیں تو کیا محض دھڑ کو بلا تعلق روح کے عذاب ہوتا ہے اور محض دھڑ سے سوال وجواب قبر میں ہوتا ہے۔ آپ نے (رسالہ سماع ص ۷) پر لکھا ہے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بدن نہیں سنتے روح زندہ ہے وہ سنتا ہے۔ اگر قریب ہو آپ کے (ص ۵) والے قول کے روح وہاں موجود ہی نہیں تو قریب ہونے کے کیا معنی اور سنتا ہے کا لفظ تو سماع موتٰی پر دال ہے تو یہ آپ کے دعوٰی کے مناقض ہے۔ یہ بھی خیال فرمائیں کہ حدیث میں اس وقت میت کا بولنا چیختا چلانا آتا ہے تو اس سے اس کی حیاۃ معلوم ہوتی ہے۔ جب بول سکتا ہے تو سن کیوں نہیں سکتا۔ کئی لوگ بولنے کی طاقت نہیں رکھتے لیکن بات سن لیتے ہیں۔ بیماروں میں ایسا واقعہ دیکھا سنا ہوگا۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ اس وقت روح کا اعادہ بدن کی طرف ہو چکا ہے اور وہ بھی سننے سے اتم درجے کا اگرچہ اعادہ کا وہ درجہ نہیں ہوا جس سے بدن حرکت کر سکتا تھا، کھانی

سکتا تھا، اب وہ دوسرے جہان کی زندگی میں ہے، جہاں یہ عوارض نہیں ہیں۔ اس اندازے کا اعادہ ہوتا ہے کہ منکر ونکیر کے سوالات کے جواب دے سکے اور آرام وتکلیف کا احساس کر سکے۔ آپ نے (ص ۵) پر فرمایا کہ قبر میں مدفون بدن ہے جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور روح سنتی ہے جو وہاں موجود نہیں۔ جب روح وہاں موجود ہی نہیں تو سوال وجواب منکر ونکیر کا کس سے ہوگا؟ اور عذاب وثواب کس کو ہوگا جو تواتر سے ثابت ہے۔

نتیجہ کلام: گزشتہ مفصل بیانات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ سماع موتی میں لب کشائی فائدہ مند نہیں بنتی دو ٹوک فیصلہ حق و باطل کا نہیں ہو سکتا۔ رسالہ سماع موتی والے اور ان کے ہم خیال دوست حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا سہارا لیتے ہیں لیکن دوسری جانب بھی اکابر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مرفوع روایات کی شہادت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ بھی رسالہ (سماع موتی ص ۱۸) کے حوالہ کے مطابق ان کی اکابر کی تصدیق فرماتے ہوئے تخصیص کے قائل ہیں۔ الغرض! آپ کا گواہ بھی آپ کے خلاف ہی گواہی دے رہا ہے۔ رہا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول جو آپ نے نقل کیا ہے کہ وہ اس سماع کو جو قلیب بدر والی روایت میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ بطور معجزہ نبوی تھا۔ اس واقعہ کے ساتھ سماع کو مخصوص کرتے ہیں۔ سود مند نہیں۔ کیونکہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس پر مطمئن نہیں۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسئلہ میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ تو فیصلہ کر چکے ہیں کہ سماع موتی کے قائلین قرآن کے خلاف ہیں۔ ''وغیر ذالک من القبائح'' کے مرتکب ہیں۔ لیکن آپ کا گواہ آپ کے خلاف بیان دے رہا ہے کہ فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی شہادت بھی آپ کے خلاف ہے کہ روح زندہ ہے وہ سنتی ہے۔ جب قریب ہو قائلین سماع بھی قریب کی قید لگایا کرتے ہیں۔ دور سے سننا کوئی نہیں کہتا۔

صورت فیصلہ

صورت فیصلہ کی تشکیل سے پہلے یہ معروض خدمت ہے کہ میں جانبین کی گروہ بندی میں نہیں ہوں۔ نہ ایک جانب کا رکن نہ دوسری جانب کا معتمد علیہ ممبر۔ میری تحریر کو نہ کوئی امداد سمجھے نہ کوئی مخالفت پر محمول کرے۔ ''والله علی ما نقول وکیل'' میں ایک ایسی عظیم شخصیت کا نام پیش کروں گا جو جانبین کے شیخ استاذ یا شیخ الشیخ ہیں جس کے فرمان سے کوئی بھی سرتابی نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا منظر دیکھ لے گا۔ جس شخصیت کے بارے میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا فرمان آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔ علامہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں: ''لم یر مثلہ ولم نر مثلہ'' کہ نہ تو انہوں نے کبھی اپنے جیسا شخص دیکھا اور نہ ہم نے ان جیسا کوئی پایا وہ شخصیت حضرت شیخ مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی گرامی قدر ہستی ہے۔ حضرت کو قرآن وحدیث کی واقفیت کے ساتھ ائمہ دین مجتہدین کے علوم کی گہرائیوں سے بھی پوری خبرداری تھی۔ اس کے بعد مشائخ فقہائے کرام رحمہ اللہ کی آراء وافکار سے بھی پورے باخبر تھے۔ حضرت مشائخ دیوبند رحمہ اللہ کے مسلک کو نہ صرف جاننے والے بلکہ بنانے والے تھے۔ اسی وجہ سے آپ مرجع الخواص والعوام رہے۔ آپ کا فرمان آخری فیصلہ قرار دیا جاتا تھا۔ چاہئے کہ آپ حضرات بھی اس پر آمین کہیں۔ آہ! مسائل اختلافیہ کو قصداً چھیڑا نہیں کرتے تھے۔ ہاں! حدیث میں جب بھی تذکرہ آ گیا، اس جگہ مالہ وما علیہ بیان فرما دیتے تھے اور اپنا رجحان بھی مختصر انداز میں بیان فرما جاتے تھے۔ ایک مسئلہ میں فرمایا اس میں مشائخ

دیوبند کا اختلاف ہے تھانہ بھون کا فتویٰ اور دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مختلف ہے۔ وجہ دونوں کی بیان فرمادی اور مجمل انداز میں ترجیح بھی بیان فرمادی کوئی سمجھا ہوگا۔ کوئی نہ سمجھا ہوگا اور یہ اس لئے کہ کہیں لوگ اس کو کھینچ تان کر ممبروں پر نہ لے جائیں۔ پارٹی بازی نہ شروع کردیں۔ الحمدللہ کہ اس مسئلہ میں ابھی تک قیل وقال کا میدان نہیں بنا۔ مسئلہ سماع موتی کا جب بخاری شریف اور ترمذی شریف دونوں میں آتا تو بقدر ضرورت تحقیق فرماتے۔ بندہ نے بخاری شریف دو سال ۱۳۴۸ و ۱۳۴۹ھ میں پڑھی سنی اور آپ کا فرمان ضبط کیا۔ فللہ الحمد!

ایک اور مسئلہ میں فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے تھے اور میرا یہ خیال ہے بعض مسائل میں آراء کا اختلاف دلائل اور مصالح کے پیش نظر آہی جاتا ہے یہ توہین نہیں ہوتی۔ دیکھئے کہ حضرات صاحبین امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ دونوں یا ایک اپنے شیخ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرجاتے ہیں۔ کبھی مشائخ فقہاء فتویٰ بھی صاحبین کے مذہب پر دے دیتے ہیں۔ اس وقت مثالوں کی ضرورت اور موقع نہیں اہل علم جانتے ہی ہیں۔ میں تو وہ دو مسئلے بھی بیان نہیں کرنا چاہتا جو ابھی مجمل انداز میں بیان کردیئے ہیں۔ کسی نے دریافت کئے تو عرض کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ! اس وقت ان کا بیان مقصد میں دوری پیدا کردے گا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا رویہ آپ نے دیکھا سنا کس قدر محتاط تھے اور شاگردی کا دعویٰ کرنے والوں کو دیکھئے کہ ایک ایسے مسئلہ میں جس میں اختلاف حق و باطل جائز و ناجائز کا ہے ہی نہیں بلکہ راجح اور مرجوح کا ہے۔ دونوں جانب اہل سنت کے شیوخ ہیں۔ ہر ایک کا مستدل کتاب و سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء ہیں۔ انہوں نے اس مسئلہ کو پارٹی بازی تک پہنچادیا ہے۔ جلسوں کی زینت اور طعن و تشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی طرف سے نقل کردہ حضرات مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات خود ان پر حجت بن رہی ہیں۔ شائد وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں عقل و شعور نہیں جو ہم لکھ دیں گے یا کہہ دیں گے عوام کی طرف سے آمنا و صدقنا کا جواب مل جائے گا۔ بے شک غلط چال سے آنکھوں پر اندھیرا آجاتا ہے عقل کام نہیں کرتی۔

دیکھئے سماع موتی کے رسالہ (ص ۷) پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہوسکتا لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں۔ مان لیجئے کہ انہوں نے عدم سماع موتی کو پسند کیا اختیار کیا لیکن اس کو احوط ہی فرما کرلیا۔ اس کو صواب اور مقابل کو باطل تو نہیں فرمایا اور یہ بھی آپ جانتے ہی ہیں جب کہ احوطیت کا حکم اجتہادی مرحلہ میں ہوتا ہے۔ اجتہادیات میں اختلاف کی گنجائش رہتی ہے تو اس کو آپ حضرات نے کیوں فساد کا اکھاڑہ بنادیا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان بھی پہلے یہی گزرا کہ وہ اس کو مجالس عامہ میں لے جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ احوط سے بھی اسی طرف اشارہ ہے: ''یفعلون مالا یومرون'' کیوں کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ حضرات تو فیصلہ نہیں کرسکے اور آہ قطعی فیصلہ کر کے فریق ثانی کو کیا کچھ سناتے ہیں۔ شکایت یہ نہیں کہ آپ نے عدم سماع موتی کو کیوں اختیار کیا۔ شکایت یہ ہے کہ گزشتہ صدیوں میں اس کو مدار اہل سنت نہیں بنایا گیا۔ اب بھی اس میں مزید کھینچا تانی نہیں کرنی چاہئے۔ اس خلافیہ میں حضرت شیخ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان یہ تھا کہ سماع موتی کے مسئلہ میں اکثر مشائخ حنفیہ کا قول عدم سماع نقل کیا جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے لیکن بعض لوگ اس عدم سماع کو مذہب حنفیہ کہہ دیتے ہیں، یہ غلط ہے۔ مذہب وہ ہوتا جو امام صاحب سے صریحاً نقل کیا جائے۔ اس مسئلہ میں ایسا نہیں ہوا۔ متقدمین فقہاء میں سے کسی نے صریح نسبت اس کی امام صاحب کی طرف نہیں کی۔ متاخرین میں سے کسی نے کردی تو اس نے فقہائے احناف کے قول

سے یہ سمجھا کہ شاید یہ امام صاحب کا قول ہوگا۔ حالانکہ اس کا اصل ماخذ وہ مسئلہ ہے جو شیخ ابن ہمام نے کتاب الایمان کے ایک جزئیہ میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حلف اٹھائی کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا اور پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے بات کی تو وہ حانث نہیں ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ مبنیٰ ایمان کا عرف پر ہوتا ہے۔ عرف میں یہ بات کرنا مشاہدہ افہام وتفہیم کو چاہتا ہے۔ مرنے والے میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ اس لئے حانث نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا اصل حقیقت سماع ہے کثیر روایات شہادت دیتی ہیں لیکن ضابطہ کلیہ کے طور پر نہیں کہ جب ہم بات کریں وہ سن لیں عالم اسباب میں مسبب سبب پر مرتب ہوتا ہے لیکن میت عالم اسباب سے نکل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیئت سے ہی ترتب ہوگا۔ اس طرح کے کلمات ہر سال درس حدیث میں بیان فرمایا کرتے تھے ہم نے بھی دو سال سنے اور تحریر میں ضبط کئے۔ فیض الباری میں حضرت مولانا محمد بدر عالم رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح آپ کی تقریر ضبط فرمائی۔ اس سے پہلے مولانا محمد چراغ صاحب نے العرف الشذی میں بھی ارقام فرمایا۔ (رسالہ سماع موتی ص ۱۶) پر امام صاحب رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ تینوں کی طرف عدم سماع کی نسبت کی گئی ہے یہ محض غلط بیانی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے صریح فرمان کے خلاف ہے۔ میری باتوں پر اعتماد نہ کریں میں دو گواہ عادل نصاب شہادت پیش کر دیتا ہوں۔

(العرف الشذی، ص ۳۵۳) میں ہے: ''اشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابی حنيفة رحمہ اللہ و صنف ملا على قارى رسالة و ذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا بل اخذ هذا من مسئلة فى باب الايمان انه اذا حلف انه لا يتكلم مع فلان فمات الرجل فتكلم معه على قبره ميتا لا يحنث اقول ان وجه عدم الحنث ان مبنى الايمان على العرف و اهل العرف لا يعلمون ان الموتى تسمع و المحقق ان ابا حنيفة لا ينكر سماع الاموات و ان خالف ابن الهمام رحمہ اللہ فقال ان الموتى لا تسمع و ان ذخيرة الحديث تدل على سماع الاموات و قال الشيخ الموتى لا تسمع و يستثنى منه قرع النعال و لا سلام عليكم و اقول لو قلنا بسمع الاموات لا اشكال فانه ثبت بقدر مشترك تواترا فى الحديث و لا نتعرض الى التخصيصات المتكلفة و سيما اذا لم يرد الانكار عن ائمتنا الثلاثة۔ اما الآيات المشيرة الى عدم للسماع فلها محامل حسنة''

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ، ابو یوسف رحمہ اللہ و محمد رحمہ اللہ کی طرف رسالہ (سماع موتی ص ۱۶) پر کی گئی نسبت غلط محض ہے۔ جیسے پہلے عرض کر چکا ہوں۔ العرف الشذی کے اسی (ص ۳۵۲) پر فتح القدیر سے نقل کیا ہے: ''عن ابی حنیفة رحمہ اللہ ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلة ویتیا من شیئا لیراه المیت'' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قبر کی زیارت کرنے والے کو چاہئے کہ میت کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوتا کہ میت اس کو بآسانی دیکھ سکے اور مصنف رسالہ سماع موتی کا قول گزر چکا ہے کہ قبر میں دھڑ پڑا ہے روح وہاں موجود ہی نہیں۔ غور فرمائیں جب حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ میت کے لئے دیکھنا ثابت کرتے ہیں تو سننا بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت دلائل سے بحث نہیں حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ کی فرمودہ باتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ اس قسم کی فرمودہ باتوں کا تذکرہ فیض الباری میں بھی مذکور ہے۔ کچھ کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: ''لا تسمع الموتی'' سے مراد نفی انتفاع ہے۔ اصل سماع کی نفی نہیں کی گئی۔ یعنی ''سماعا ینفعهم'' کی نفی ہے۔ دوسرا قول فرمایا: ''لا تسمع سماعا بحسب عالمنا هذا'' یعنی اس جہان میں آپ جیسے سنایا کرتے ہیں اس طرح کا سنانا بعد

مرنے کے نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ محامل ہیں جو (العرف الشذی ص ۳۵۳) کے حوالے سے گزرے یعنی ''اما الآیات الی قولہ فلھا محامل حسنۃ'' افسوس کہ رسالہ سماع موتی کے مصنف نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مراد الٹی بیان کردی یہ نہ سوچا کہ حضرت مرحوم کی تقاریر ضبط میں آچکی ہیں شاید میری تکذیب کی جائے۔

ان کی جماعت کے بعض حضرات نے جو حضرت شیخ کی شاگردی کا اعتراف بھی کرتے ہیں غالباً ایسی باتیں حضرت شیخ سے ضرور سنی ہوں گی۔ نہ معلوم ان کو کیوں پس پشت ڈال دیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے ایسے قدر موتیوں سے محروم رہ گئے ہوں اور اگر قصداً انحراف کیا ہے تو جو اپنی منزلت کو حضرت شیخ سے بالا سمجھتا ہو وہ معذور ہوگا۔ لیکن دنیا تو ایسی بے خبر نہیں ہے۔ شیخ عثمانی رحمہ اللہ کا فرمان گزر چکا۔ ''لم یر مثلہ و لم نر مثلہ''

جیسے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ باقی مصنفین کتب حدیث سے شان میں اونچے سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح قریبی زمانے میں حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ علم قرآن، حدیث، فقہ میں سب سے زائد دینی علوم کے مخزن اور سمند تسلیم کئے گئے ہیں، انہی کی رائے سب سے مقدم اور وقیع سمجھی جائے گی۔ العرف الشذی اور فیض الباری کے حوالے سے حضرت شیخ کی فرمودہ باتیں اس کی محتاج نہیں کہ ان کی تائید اور علماء حضرات سے نقل کی جائے۔ کیونکہ آپ نقل میں نہایت ہی محتاط تھے اور علم وفہم میں بے نظیر بمنزلہ معجزہ خداوندی تھے ہر ایک کو ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔ آپ کا فرمان گزر چکا کہ سماع موتی کا انکار ائمہ مذہب سے مروی نہیں۔ ہاں! فقہاء احناف کا قول ہے جنہوں نے کتاب الایمان کے مشہور مسئلہ سے عدم سماع موتی کا قول کر دیا۔ اس کو مذہب نہیں کہا جا سکتا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ رسالہ سماع موتی کے مصنف نے مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کا جو فتوی (ص ۲۱) پر جس عنوان سے نقل کیا ہے، وہ بالکل بے سود ہے۔ مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں: فقہاء حنفیہ دریں بارہ مختلف اند اکثر قائل عدم جواز بریں بنا کہ سماع موتی ثابت نیست۔ چنانچہ در کتاب الایمان فتح القدیر (الی) نوشتہ است۔ مصنف رسالہ سماع موتی نے اس کو انکار سماع موتی کی دلیل بنایا ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اکثریت ذخیرہ احادیث کی سماع موتی پر دال ہے اور نیز گزرا کہ وہ شیخ ابن ہمام کے قول کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ اس میں تکلفات بہت کرنے پڑتے ہیں ہمیں اس وقت بیان یہ کرنا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ کا مختار بھی وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرما چکے ہیں۔ ان کی عبارت آپ کے سامنے آرہی ہے اس سے حضرت شیخ کاشمیری رحمہ اللہ کی تائید بھی ہو جائے گی اور صاحب رسالہ سماع موتی کی تردید بھی کہ انہوں نے حقیقت کو نہیں سمجھا جلد بازی سے کام لیا ہے جیسے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مرحوم کے فتوی میں انہوں نے کیا ہے۔

مولانا عبدالحئی رحمہ اللہ (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الایمان ج ۲ ص ۲۲۳) پر فرماتے ہیں: ''وبالجملۃ لم یدل دلیل قوی علی نفی سماع المیت وادراکہ وفھمہ وتاملہ لا من الکتاب ولا من السنۃ بل اسنن الصحیحۃ الصریحۃ دالۃ علی ثبوتھا لہ والحق فی ھذا المقام ان ھذا کلہ من تقریرات المشائخ وتوجیھاتھم وتکلفاتھم ولا عبرۃ بھا حین مخالفتھا الاحادیث الصحیحۃ وآثار الصحابۃ اما ائمتنا فھم بریئون عن انکار ھذہ الامور''

خلاصہ کلام یہ کہ کوئی قوی دلیل ایسی نہیں جو میت کے سماع، ادراک، فہم اور تامل کی نفی پر دلالت کرتی ہو نہ قرآن سے نہ سنت سے بلکہ سنت کی صحیح اور صریح روایات تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور حق بات اس مقام میں یہ ہے کہ مشائخ نے قسم کے باب میں سماع موتی کے بارے میں جو قول کیا ہے وہ محض ان کی اپنی تقریریں اور توجیہات ہیں جو محض تکلفات پر مبنی ہیں۔ احادیث صحیحہ صریحہ کے بالمقابل ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ اسی طرح آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی مخالف ہیں۔ رہا ہمارے ائمہ کا انکار تو وہ اس انکار سے بری الذمہ ہیں۔

نیز (عمدۃ الرعایہ ج ۲ ص ۲۲۳) پر ہے: ''وانما حکموا بالضرب والکلام والسخول علیه ونحوها بعدم الحنث عند وجود هٰذه الاشياء بالميت لكون الايمان مبنية على العرف والعرف قاض على ان هذه الامور يراد بها ارتباطها مادام الحياة لا بعد الموت۔ فالكلام بالميت وان كان كلاما حقيقيا ويوجد فيه الاسماع والافهام لكن العرف يحكم بان المراد في قوله لا اكلمك هو الكلام في حالة حياته وكذا الايلام وان كان يتحقق في الميت لكن العرف قاض على ان المراد في قوله اضربك هو ضربه حيا لا ميتا''

یعنی یہ کہ کسی نے کہا کہ قسم ہے میں تجھے ماروں گا اور تیرے ساتھ بات نہ کروں گا اور تیرے گھر نہ جاؤں گا اور پھر اس نے یہ کام اس کے مرنے کے بعد کر دیئے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ وہ شخص حانث نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرف میں کسی کو مارنا اس کی زندگی میں مارنا سمجھا جاتا ہے نہ کہ مرنے کے بعد اسی طرح کسی بات نہ کرنا اور گھر نہ جانا بھی عرف میں دوسرے کی زندگی میں سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد اگر یہ کام کر دیئے تو عرف کے اعتبار سے قسم کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا۔

باب دوم

دوسرا مسئلہ متنازعہ فیہا ''حیاۃ الانبیاء علیہم السلام فی قبورھم'' کا ہے کہ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کا صلوۃ وسلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں؟ یا نہیں۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ قبر شریف میں روحانی ہے؟ یا جسمانی؟ یہ مسئلہ گزشتہ طویل عرصہ سے علماء دیوبند اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلانے والوں میں آپس میں معرکۃ الآراء رہا ہے۔ بالآخر بعض حضرات اکابرین کی مساعی جمیلہ سے یہ طے ہو کر اتفاقی صورت میں آ گیا۔ ''الحمد للہ تعالٰی علٰی ذالک'' ماہ جون ۱۹۶۲ء میں حضرت علامہ قاری طیب صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور جانبین سے گفتگو کر کے مندرجہ ذیل عبارت پر جانبین سے دستخط کرائے ''وللہ درہ وجزاہ اللہ احسن الجزاء'' متن عبارت مبارکہ یہ ہے: ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بتعلق روح حیاۃ حاصل ہے۔ اس حیاۃ کی وجہ سے روضہ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوۃ وسلام سنتے ہیں۔'' دستخط کنندگان کے اسماء گرامی (۱) مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، (۲) مولانا قاضی نور محمد صاحب قلعہ دیدار سنگھ (۳) مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ راولپنڈی۔

اس وقت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب موجود نہ تھے۔ ان کی جماعت والوں نے ان کے دستخط کرانے کی ذمہ داری لی وثیقہ مذکورہ میں یہ تحریر موجود ہے۔ مزید کچھ اور الفاظ اس ذمہ داری کی تکمیل کے متعلق بھی لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس مقصد خیر میں کامیاب نہ ہو سکے۔ کیونکہ آج تک مذکورہ فیصلے

کے خلاف شاہ صاحب کی جانب سے ندائیں اٹھتی رہتی ہیں، ان کی جماعت کا سارا زور ہی اسی پر صرف ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی جماعت معتمد علیہ وکیل جناب سجاد صاحب بخاری اور جناب نیلوی صاحب مصنف رسالہ (سماع موتی ص ۲۵) پر حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اپنے مسلک کے بیان اور تائید میں لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ جو شخص حجرہ شریف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام کو سنتے ہیں۔شاید جماعت والوں نے اس حوالہ پر خوشی بھی منائی ہوگی۔تعجب کی اوّلاً بات تو یہ ہے کہ نقل کرنا تو جانتے ہیں۔لیکن دوست اور دشمن کی تمیز نہیں رکھتے۔اس کے بعد متصلاً لکھتے ہیں حافظ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے۔وہ آپ خود نہیں سنتے۔(سبحان اللہ) قبر مبارک سے دور کی بات نقل کر دی کہ اس میں نہیں سنتے کا لفظ ہے کیا یہ مفید ہو جائے گا؟

جناب اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبر مبارک کے پاس درود وسلام پڑھنے والوں کا درود وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں یہ کلام تو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی نقیض ہے اور اس کی تردید کر رہی ہے اور یہ آپ کے زعم کے خلاف شہادت دے رہی ہے دور اور باقی مسجد سے سلام نہ سننے کی قید کا مفہوم کیا ہے:''وبضدھاتتبین الاشیاء'' آپ کی لاٹھی آپ ہی کے لئے وبال بن رہی ہے دو متناقض باتیں ایک جگہ جمع کر دیں دور جگہ ہوتی تو بھول جانے کا احتمال ہو سکتا ہے۔یہ نظر کی کمزوری ہے۔مزید افسوس یہ ہے مہ مصنف رسالہ سماع موتی نے خیانت بھی کی ہے۔علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اوّل یہ بات بھی مذکور ہے کہ عندالقبر آپ سلام سنتے ہیں دیکھیں۔(تسکین الصدور ص ۳۴۶)

وثانیاً عرض یہ ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنا اسے بھی ناجائز ومنہی عنہ کہتے ہیں۔ان کا اور ان کی جماعت والوں کا یہ مقرر اصول ہے۔ان سے اگر ایسی بات منقول ہے تو اس کو تفرد ہی سمجھا جائے جیسے کہ بنیت زیارت روضہ اقدس کے سفر کرنے کی ممانعت میں وہ تفرد کر گئے ہیں۔اس طرح اس میں بھی سمجھیں۔ہاں اگر آپ اس میں ان کے ساتھ ہیں تو ہمت وجرأت کا ثبوت دے کر اس کا اعلان کیجئے، مگر جمہور اکابرین امت تو اس کے خلاف ہیں۔

وثالثاً یہ کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول آپ کے نقل کردہ مضمون کے خلاف جمہور کے موافق مروی ہے۔ (مناسک الحج طبع دہلی ص ۸۴) میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک من البعد''(بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۱۶) بلکہ (تسکین ص ۲۹۵،۲۹۶) پر مزید لکھا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''اتفق الائمۃ علی انہ یسلم عند زیارتہ علی صاحبیہ لما فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن رجل یسلم علی الا رد اللہ تعالٰی علی روحی حتی ارد علیہ السلام وھو حدیث جید''(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۶۱)''مامن رجل یسلم علی''سے عندالقبر ہی مراد ہے جیسے کہ ابھی ان کی عبارت میں گزرا۔ہاں! بصورت ثانیہ آپ کو جب دور سے فرشتے کسی کا سلام پہنچائیں تو آپ جواب دیتے ہیں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تو عام سماع الموتی کو بھی حق کہتے ہیں۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں:''وسماع المیت للاصوات من السلام والقراۃ حق'' (اقتضاء الصراط المستقیم طبع مصر ۱۸۱)

تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عندالقبور سماع میں ان کا کیا اختلاف ہو سکتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ رسالہ (سماع موتی ص ۲۵) پر جو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مصنف رسالہ نے اپنی تائید میں لکھا ہے وہ انہوں نے غلط نسبت کی ہے۔

رابعا یہ بھی غور فرمائیں کہ مصنف رسالہ (ص ۱۰) پر لکھتے ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام کے سواء اور کسی آدمی کی قبر پر سلام کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ سنتا ہے درست نہیں۔'' (سبحان اللہ) معلوم ہوتا ہے کہ مصنف رسالہ نے یہ باتیں نیم خوابی کی حالت میں لکھی ہیں صرف اخیر کے لفظ (وہ سنتے ہیں درست نہیں) کو دیکھا اور مفید مطلب سمجھ لیا اور نقل کر دیا۔ ان کے اول کلام کو نہیں دیکھتے کہ وہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے سواء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تو سلام سنتے ہیں۔ ہاں! وہ غیر کی نفی کر رہے ہیں۔ آپ لوگ تو حضرات انبیاء علیہم السلام کا سننا بھی نہیں مانتے۔ جیسے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارت سے آپ نے (ص ۲۵) پر استدلال کیا ہے جس کی تردید گزر چکی ہے۔ آپ کی یہ لاٹھی بھی آپ کے خلاف ہے اور آپ کے گواہ بھی آپ کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ سانپ کو لاٹھی سمجھ کر ہاتھ ڈالا گیا ہے۔ اللہ ہی حافظ ہو۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض روایات معتبرہ سے ثابت ہے کہ باری تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیا ہے کہ اس کو ایسی قوت سامعہ عطاء فرمائی ہے کہ وہ تمام مخلوق کے صلوہ وسلام سن کر حضرت نبوی میں عرض کر دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں۔ الیٰ قولہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے؟ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں زندہ ہونا باطل ہو جاتا ہے۔ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۰!)

کیا اس عبارت سے بقول حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کا مذہب قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور عند القبر سماع ثابت ہو رہا ہے یا اس کا انکار؟

خامساً: اسی قسم کی ایک اور بات کو بھی دیکھتے جائیں رسالہ (سماع موتی ص ۹) پر لکھتے ہیں حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تفسیر میں فرماتے ہیں بدن نہیں سنتے۔ روح زندہ ہے وہ سنتا ہے اگر قریب ہو۔ مختصراً!

جناب من! روح کا قریب سے سننا جیسے انہوں نے فرمایا یہ سماع پر دلالت کرتا ہے یا عدم سماع پر''توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ'' کیوں؟ جو لوگ سماع موتٰی کے قائل ہیں وہ بھی تو قریب سے ہی سماع کہتے ہیں رہا بدن کے اجزا کا سننا تو یہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہاں! تعلق روح بالبدن کے اس حیثیت سے مردوں کا سننا کہتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے ان کا رسالہ (سماع موتی ص ۹) پر یہ نقل کرنا''اجزاء البدن لا سماع لھا'' محل نزاع سے خارج کی بات ہے۔ کیونکہ گھٹنے ٹخنے وغیرہ اعضاء زندوں کے کب سنتے ہیں؟ الغرض حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کا فرمان بھی مصنف رسالہ سماع موتٰی کے خلاف شہادت دے رہا ہے تین گواہوں کی گواہی آپ کے خلاف ہے۔ بالخصوص ان کا قول رسالہ (ص ۵) میں یہ ہے روح جو سنتی ہے وہ وہاں (قبر کے مقام پر) موجود نہیں۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں روحیں جہاں کہیں ہوں۔ جب ان کا مقام ہی کہیں معلوم نہیں تو وہ سنتا ہے اگر قریب ہو۔ کیسے صادق آئے گا۔ جیسے ابھی حضرت مرحوم کے کلام لکھا گیا۔

وسادساً: ایک اور بات بھی دیکھتے جائیں (ص ۱۶) پر''فانک لا تسمع الموتٰی'' آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہیں۔ (پس مردہ نہیں سنتا ہے) یہ تو آپ کی ذہنی مفروض بات ہے، یہ آیت کا ترجمہ نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ میں اسماع کی نفی ہے کہ تم سنا نہیں سکتے اور مردہ نہیں سنتا جو ترجمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مجرد کے صیغے کا معنی ہے۔ اس کے علاوہ

یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ (ص ۱۶) رسالہ سماع موتی پر آیت: ''فانک لا تسمع الموتی'' کا ترجمہ نیلوی صاحب یہ کرتے ہیں۔ (پس مردہ نہیں سنتا ہے) پس فاء کا ترجمہ کیا اور مردہ نہیں سنتا یہ ''لاتسمع الموتی'' کا ترجمہ کیا اور غلط کیا ہے اور کاف خطاب کا ترجمہ چھوڑ ہی گئے کہ اس میں منہ پر چپت لگتی ہے اس کو اڑا ہی دیا۔ ترجمہ یہ بن جاتا ہے پس آپ مردہ نہیں سنتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا ہی بلیغ کلام بن گیا۔ علمی عنوان سے یہ کلام اس طرح ہوگا کہ خبر ان کی جملہ ہو تو اس میں ضمیر ہوتی ہے جیسے کہ ''انک لاتهدی من احببت'' اور مردہ نہیں سنتا میں یہ نہی پائی جاتی جبھی تو معنی بے جوڑ اور رکیک بن گیا۔ یعنی پس آپ مردہ نہیں سنتا اور ''انک لا تسمع الموتی'' میں ضمیر موجود ہے یعنی آپ مردوں کو سنا نہیں سکتے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو معنیٰ خیز اور مربوط ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ موتی جمع یا اسم جمع کا لفظ ہے۔ قرآن میں فرمایا: ''والموتیٰ یبعثهم اللہ'' (یوم القیامة) (انعام: ۳۶) ضمیر جمع کی لوٹائی گئی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: ''انا نحن نحی الموتی ونكتب ما قدموا واثارهم'' (یٰسین: ۱۲) یہاں بھی جمع کی ضمیریں لائیں گئیں اور رسالہ کے (ص ۱۶) پر ترجمہ میں مردہ نہیں سنتا اس کو مفرد بنایا گیا ہے۔ الغرض! مزید اور مجرد کا فرق نہ کرنا جمع اور مفرد کی تمیز نہ کرنا اور کاف خطاب کا نظر انداز کرنا یہ سب باتیں ترجمہ کرنے والے کی غلطیاں ہیں اور یہ تحریف ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ ترجمہ نہیں کیا اور یہ تحریف نہیں کی۔ حاشا وکلا ان کی طرف اس کی نسبت نہ کی جائے یہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ترجمہ کیا گیا ہے کہ عوام یہ سمجھیں کہ مردہ نہیں سنتا اور یہ کلام اللہ کا منطوق مسئلہ ہے تا کہ یہ کہا جاسکے کہ سماع موتی کے قائلین قرآن کے صریح حکم اور بیان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت کریمہ کا مفہوم نہیں بدلا اور نہ اس طرح بدلا جاسکتا ہے بلکہ وہ تو مراد میں کلام فرماتی ہیں کہ مردوں کو تم نہیں سنا سکتے سے مراد یہ ہے کہ وہ سن نہیں سکتے کیونکہ وہ بے جان ہیں۔ لیکن جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت نے ان کی اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ ''خالفها الجمهور'' (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷) جمہور یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہماری جانب سے قصور ہے کہ وہ میت دارالاسباب سے نکل چکی ہے۔ سنانے پر سننا یقینی نہیں ہے یہ نہیں ہے کہ اس میں صلاحیت ہی سماع کی نہیں۔ کیونکہ تعلق روح بالجسد باقی رہتا ہے اس لئے سماع منفی نہیں۔ ہاں! اسماع منفی ہے قرآن کریم نے بھی اسماع کو منفی کہا ہے نہ کہ سمع کو جیسے کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نفی القرآن العزیز الاسماع من العباد وما افصح فی موضع بنفی السماع عن الاموات'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۷۹) یعنی قرآن کریم نے بندوں سے اسماع کی نفی کی ہے اور کسی جگہ بھی اموات سے سماع کی نفی کی تصریح نہیں کی چہارم یہ بات بھی سوچیں کہ اگر مزید (اسماع) اور مجرد کا فرق نہ کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ: ''لاتسمع الموتی'' کا معنی یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے جیسے کہ ترجمہ کرنے والے نے رسالہ (سماع موتی ص ۱۶) پر لکھا ہے تو اس کے بعد والی آیت کریمہ: ''ان تسمع الا من یؤمن بآیاتنا'' کا بھی اسی کے مطابق معنی کیا جائے گا کہ سننے والے صرف مؤمن ہی ہوتے ہیں۔ اس وقت اس آیت کریمہ میں یہ مومن سننے والے بھی مردہ ہی مراد ہوں گے ورنہ یوں فرماتے مردے نہیں سنت زندہ سنتے ہیں۔ اس طرح اوّل آیت: ''انک لاتسمع الموتی'' میں مومنوں کے بالمقابل کفار مراد لینے ہوں گے کی کافر مردے نہیں سنتے۔ ہاں! مومن مردے مدفون سنتے ہیں۔ اس طرح یہ آیت مومنین اہل قبور کے سننے پر قطعی نص صریح بن جائے گی، یہ الزاما کہا گیا ہے۔ ورنہ مراد تو یہ ہے کہ کافر آپ کی فرمودہ باتوں کو نہیں سنتے اور نہیں مانتے۔ ہاں! مومنوں کو آپ کی ہدایات نافع بن جاتی ہیں۔ وہ سنتے ہیں اور قبول کرتے ہیں لیکن اس وقت آیت کو سماع موتی کی نفی پر دلیل بنانا غلط ہو جاتا ہے یہ باتیں ضمنی طور سے آ گئی ہیں۔

اصل بیان یہ تھا کہ جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے مذکورہ بالا فیصلہ کو جو اکابرین ملت اور فضلاء کرام نے مصالحت کے لئے تجویز کیا اور وہ منظور ہوا اس کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا ''اعجاب کل ذی رای بر ایہ'' والی بات صادق آرہی ہے۔ بعض لوگوں کو اس سے تعجب ہوگا لیکن یہ کوئی بعید بات نہیں۔ ان بقیہ حضرات کو انہوں نے اپنے امثال سمجھ کر اپنے اختلاف کو نہیں چھوڑا جس کو ضد کہتے ہیں اور اس کا دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ حضرت سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جن کے آگے علمی دنیا کے فضلاء اور مشائخ کرام سرنگوں ہوئے بلا وجہ وجیہہ کے خلاف چال چل رہے ہیں جو یہ فرماتے ہیں: ''اقول و الاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷) میں کہتا ہوں کہ سماع موتی کے بارے میں احادیث بلاشبہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور اپنے دوسرے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے مسلک کے بھی خلاف چل رہے ہیں جو یہ فرماتے ہیں: ''ان سماع الموتی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ'' (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں حیات کے بارے صاف لکھتے ہیں: ''وھو حی فی قبرہ الشریف'' (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۹۸) اوروں کی شکایت کا کیا موقعہ ہے جب کہ ایک مدعی تلمذ کا یہ حال ہے۔

من از بیگانہ گاں ہرگز نتالم ہر آنچہ کرد باما آشنا کرد

ان حالات میں ''لکم دینکم ولی دین'' والی عبارت ہی بن گئی اس سلسلہ میں کچھ مزید باتیں عرض کرنے کا خیال تھا لیکن حالات مذکورہ کو دیکھتے ہوئے لکھنا بے سود نظر آتا ہے جو بضد ہو اس کا علاج نہیں۔ واللہ الموفق!

چند دنوں یہی خیال رہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاۃ فی القبور کا نازک اور باریک مسئلہ اکابرین ملت و علماء راسخین بالخصوص حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی دقیق انظار عمیق افکار خداداد فراست اور ذکاء سے ان کی کتاب آب حیات میں محقق ہو کر طے ہو چکا ہے جن لوگوں کو ان کے الہامی حقائق سے شرح صدر نہیں ہوا تو وہ کسی اور کی باتوں سے کیا مطمئن ہوں گے۔ بالخصوص جب کی ان کے بعد ان کے پوتے جو ذکیاء عصر ہونے کے ساتھ اپنے جد امجد کے علوم و معارف سے پورے باخبر ہیں۔ یعنی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیوبند اور دیگر علماء کرام کا متفقہ اجماعی فیصلہ بھی اس بارے میں معرض وجود میں آچکا ہے جس کا تذکرہ گزشتہ گزر چکا ہے۔ لیکن فریق ثانی کے راہنماؤں نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا۔ وہ اپنی باتوں کو وحی خداوندی سمجھ رہے ہیں۔ اس میں ذرہ برابر ترمیم کو تیار نہیں تو ایسے حالات میں ہماری گزارشات کیا فائدہ دے سکتی ہیں، خاموشی ہی بہتر ہے۔ لیکن چند دنوں کے بعد دوسرا خیال یہ آیا کہ کوئی مانے یا نہ مانے معروضات تو پیش کردوں شاید کسی سلیم الطبع اور منصف مزاج کے لئے فائدہ مند بن جائیں۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''النصح لکل مسلم'' کے فریضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں ''واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم ومنہ الاصابۃ والصیانۃ'' حیاۃ انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اپنی قبور میں ایک حقیقت ہے جس کی تحقیق حضرت نانوتوی رحمہ اللہ دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کے ساتھ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب مدظلہ العالی نے ادلہ سمعیہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں کردی ہے۔ مزید ضرورت (تو) نہیں لیکن چند باتیں اور بھی نظر آتی ہیں۔ خیال ہوا کہ گوش گزار کردوں شاید مزید طمانیت کا فائدہ دیں معلومات میں کچھ زیادت تو ہی جائے گی۔ اس کو دلیل اقناعی مفید ظن سمجھتا ہوں مبنیٰ اس کا بھی کتاب اور سنت صحیحہ ہی ہے لیکن بالتصریح نہیں کچھ نقل کے ساتھ عقل سے بھی کام لینا ہوگا۔ دل قبول کرے تو

مانیں نہیں تو بالائے طاق رکھ دیں۔ قرآن کریم نے موت اور نیند کو ایک بات میں جمع کر رکھا ہے کہ ان دونوں حالتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ بدن میں جو نفس مدبرہ ہوتا ہے وہ قبض فرما لیتے ہیں اس کی واپسی وصولی کر لیتے ہیں۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا'' بدن کے تصرف کے لئے جو نفس ابدان میں ہوتے ہیں بوقت موت اور نیند ان کو اللہ تعالیٰ واپس لے لیتے ہیں۔ نیند والا مقبوض نفس پھر واپس بدن میں کر دیتے ہیں تاکہ اپنے حوائج دنیویہ واخرویہ پورے کرتا رہے اور موت کی حالت کا مقبوض واپس نہیں کرتے۔ حضرت شیخ سید انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ لفظ توفی کا طلاق موت پر جس کا معنی پورا لے لینا ہے۔ یہ قرآن کریم نے ہی بتایا ہے کہ موت میں کچھ وصولی ہوتی ہے۔ ورنہ عرف عام میں موت زوال الحیاۃ ہی کو سمجھتے ہیں۔ یہی معنی آیت کریمہ: ''یا عیسیٰ انی متوفیک'' میں لیا گیا ہے کہ اے عیسیٰ میں تم کو پورے کا پورا لے لینے والا ہوں۔ آیت کریمہ: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' میں توفی کا معنی موت کا نہیں کر سکتے کہ نفس کی موت نہیں ہوتی بدن سے علیحدگی ہو جاتی ہے۔ موت کا معنی ''حین موتھا'' کا مفہوم ہے توفی کا معنی صرف لے لینا ہے۔ اسی کو وصولی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بدن میں ڈالا تھا۔ موت کے وقت اس کو واپس کر لیتے ہیں۔

نیند میں قبض روح (نفس) کے تین درجات ہیں:

۱...... ایک عام جو علی العموم دیکھا پایا جاتا ہے کہ سونے کے وقت کھانا پینا چلنا پھرنا بولنا دیکھنا یہ آثار نمودار نہیں ہوتے۔ ہاں! بدن میں زندگی بہرحال رہتی ہے۔ قوۃ ہاضمہ اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ ایک مخصوص مقدار کے بعد جاگتا ہے بھوک پیاس کا تقاضا ہوتا ہے۔

۲...... قرآن کریم نے ایک نیند ایسی بتائی کہ طویل عرصہ تک نہ بھوک لگے نہ پیاس جیسے اصحاب کہف کہ تین سو سال سے زائد عرصہ نیند کرتے رہے نہ کھایا نہ پیا۔ قرآن کریم میں ہے: ''تحسبھم ایقاظا وھم رقود'' تم ان کو جاگتے ہوئے سمجھو گے۔ حالانکہ وہ سوئے ہیں۔ ''ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادو تسعا'' تین سو شمسی سال ہیں اور زیادہ قمری کے حساب سے۔

۳...... تیسری قسم حضور علیہ السلام کی نیند ہے۔ اس میں بھی حسب ضابطہ مذکورہ قبض النفس پایا گیا۔ لیکن نہایت ادنیٰ درجہ کا۔ حدیث میں ہے: ''تنام عینای ولا ینام قلبی'' یعنی نیند کی حالت میں میری آنکھیں تو سو جاتی ہیں دیکھنا نہیں ہوتا لیکن میرا دل بیدار ہوتا ہے۔ ''تنام عینای واذنای'' نہیں فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ کان بدستور سابق اپنا کام کرتا رہتا ہے جیسے قلب مبارک کے بارے ''لا ینام قلبی'' آ ہی چکا ہے کان کا کام سماع اصوات ہے۔ عام طور پر سوئے ہوئے شخص کے پاس باتیں کی جائیں وہ خبردار نہیں ہوتا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں ایسا نہیں تھا ایک حدیث جو (بخاری ص ۵۰۴) میں ہے۔

اور مفصل روایت (مشکوۃ ص ۲۷) میں ہے: ''عن جابر رضی اللہ عنہ جاءت ملٰئکۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو نائم فقالوا ان لصاحبکم ھذا مثلا فاضربوا لہ مثلا قال بعضھم ان العین نائمۃ والقلب یقظ'' اسی طرح (مشکوۃ ص ۲۹) عن الدارمی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں دو اور آدمیوں کے درمیان سوئے ہوئے تھے کہ تین فرشتے آئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہ آدمی جس کی تلاش میں ہم آئے ہیں کون سا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ وہ شخص ان تین میں سے درمیانہ شخص ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اس کی مثال بیان کرو کہ سمجھ جائے۔ پھر ایک نے کہا وہ تو

سویا ہوا ہے۔ دوسرے نے جواب دیا کہ سویا ہوا ہے لیکن اس کا دل جاگتا ہے۔ مثال بیان کر دو پھر مثال بیان کی اور چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی یہ باتیں نیند کی حالت میں سنیں تھیں اور بعد میں بیان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ سب باتیں سنیں اور بعد میں بیان فرمائیں آپ ﷺ نے ان کی تکذیب نہیں فرمائی کہ میں سویا ہوا نہیں تھا۔ جاگتا تھا یوں ہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ یہ مذکورہ بات بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے کہنے کی تصدیق کی کہ یہ نیند میں ہے۔ حضور ﷺ نے سوئے ہوئے ان کی یہ مذکورہ باتیں سنی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کی نیند سماع اصوات سے مانع نہیں تھی۔ یہ بات عام طور سے نہیں پائی جاتی۔ دوسری بات یہ بھی دیکھیں کہ ہم لوگ جب سو جاتے ہیں تو بدنی حالات سے خبرداری نہیں ہوتی۔ اس لئے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث میں فرمایا: ''فانه اذا نام استرخت مفاصله'' یعنی جب آدمی سو جاتا ہے تو بدن ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ بدن سے ہوا کا خروج ہوا ہو، اس لئے وضو کے ٹوٹ جانے کا حکم دیتے ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں تھی اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(دیکھئے نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۳۸، معالم السنن للخطابی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۵۱، سبل السلام لامیر یمانی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۹۳، نیل الاوطار للشوکانی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۲۱۱، والعرف الشذی للعلامۃ الکشمیری رحمہ اللہ ص ۶۷، فتح الملہم للعلامۃ العثمانی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۲۴۱، واللامع الدراری لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ ج ۱ ص ۸۴)

اس کا ماخذ وہ حدیث ہے جو (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵) میں ہے: واللفظ للبخاری رحمہ اللہ ''ان عینی ینامان ولا ینام قلبی'' اور (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۰۶) میں ہے: ''ثم اضطجع فنام حتی نفخ وکان اذا نام نفخ فاذنه بلال بالصلوۃ فصلی ولم یتوضأ'' متفق علیہ حاشیہ میں ہے: ''لما کان قلبه یقظان ولا ینام لم یکن نومه مظنة فی حقه۔ وهذا من خصائصه'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اذان صبح کی ہوتے ہی دو رکعت سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ پھر کبھی وظیفہ رات کے تھکان کی وجہ سے لیٹ جاتے تھے لیٹے ہوئے کبھی سو جاتے تھے پھر جماعت کا وقت ہوتا حضرت بلال رضی اللہ عنہ آکر جگاتے آپ جاگ کر جاتے ہی نماز شروع کر دیتے تھے۔ وضوء کا کرنا نقل کرنا نہیں کرتیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں تصریح ہے: ''ثم اضطجع فنام حتی نفخ ثم اتاہ المنادی فاذنه بالصلوۃ فقام معه الی الصلوۃ فصلی ولم یتوضأ'' (بخاری ج ۱ ص ۲۵) اس جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اجماع ہے کہ آپ کا وضوء نیند سے نقض نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ کہی جاتی ہے کہ آپ کی نیند ایسی نہ تھی کہ بدن سے بے خبری ہو جیسے عام لوگوں میں اندیشہ خروج ریح کا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نیند نہایت ہی خفیف انداز کی ہوتی تھی مناسب شان بھی یہی ہے۔ کیونکہ نیند غفلت کی حالت ہے۔ اس میں نہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہوتی ہے نہ دنیا کا کوئی کام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح (بخاری ج ۱ ص ۱۵۴) میں ہے کہ آپ رات کو ۸ رکعات تہجد کے بعد کبھی سو جاتے پھر وتر پڑھتے۔ اس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تنام قبل ان توتر'' آپ نے فرمایا: ''عینی تنامان ولا ینام قلبی'' اسی طرح (بخاری شریف ج ۱ ص ۲۵) میں روایت ہے: ''ان رسول اللہ ﷺ تنام عینه ولا ینام قلبه'' اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ: ''النوم اخو الموت'' کا مقولہ بھی مشہور ہے۔ یعنی دونوں میں بھائی چارہ ہے۔ (یعنی تناسب ہے) باری تعالیٰ جل جلالہ میں یہ دونوں نہیں پائی جاتیں اس لئے کہ ان سونوں میں نقص کا معنی پایا جاتا ہے۔ ''لا تأخذہ سنة ولا نوم'' دونوں صفات سلبیہ سے ہیں اور موت منافی حیات ہے۔ باری تعالیٰ ان سے منزہ ہے اس کو دیکھتے ہوئے عقل سلیم حکم کرتی ہے کہ نبی ﷺ کی موت بھی عام اموات سے خفیف درجہ کی

ہونی چاہئے۔ جیسے کہ آہ کی نیند کا حال ابھی گزر چکا ہے۔ قرآن کریم نے قبض النفس موت اور نوم دونوں میں فرمایا ہے۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا'' لیکن موت میں قبض نیند سے اتم درجہ کا ہوتا ہے۔ نیند میں قوت ہاضمہ اپنا کام جاری رکھتی ہے۔ کیونکہ جاگنے کے بعد اس نے کام سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ لیکن موت کی صورت میں یہ بھی اپنا کام بند کر دیتی ہے نہ ظاہر میں کوئی حرکت محسوس ہوتی ہے اور نہ باطن میں۔ سارے بدن سے روح نکل جاتی ہے بدن جماد محض بن جاتا ہے۔ اسی لئے قبر میں جانے کے بعد مٹی کے ساتھ رل مل جاتا ہے روح خارج بدن سے ہوتے ہوئے صرف تعلق اجزاء بدنیہ سے رکھتی ہے۔ سزا جزاء میں دونوں کی شراکت ہوتی ہے۔ یہ عام اموات کا دستور ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی موت (بالخصوص حضرت ﷺ کی موت) اس سے جداگانہ انداز کی ہے۔ عام اموات کے جو ظاہری حالات ہیں وہ سب ان میں نمودار ہوتے ہیں۔ نہ زبان حرکت کرتی ہے، نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ ہاتھ پاؤں ہلتے ہیں، نہ نبض چلتی ہے۔ حیات دنیویہ کے ظاہری آثار کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ ''کل نفس ذائقة الموت'' کا مصداق اور منظر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے خطبہ میں فرمایا: ''ان محمدا قد مات'' آپ کی موت کی تخفیف یہ نہیں ہو سکتی کہ ظاہری طور سے کوئی علامت حیات کی ان میں پائی جائے یہ تو ضابطہ مذکورہ کے خلاف ہوتا۔ موت کے لوازمات کفن دفن جنازہ قبرستان میں سپرد خاک کرنا سب کچھ ہوگا۔ ہاں! انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کی تخفیف اور تقلیل تاثیر یہ کی گئی کہ ان کے ابدان شریفہ میں نفس کی تدبیر اور تصرف کے حرکات ارادیہ سے سابق درجہ کی وہ حیات جس سے بدن جماد ہونے سے متمیز ہوا تھا، وہ مقدار ان کے اجساد مبارکہ میں باقی رکھی جائے تاکہ ان کی برتری باقی رہے۔ زمین کے کھا جانے سے محفوظ رہیں۔ زمین حیات والی چیز کو نہیں کھاتی جیسے درخت کی جڑیں۔ ہاں! درخت خشک ہو جائے، جڑیں بے جان ہو جائیں، پھر زمین ان کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا تحفظ کیا گیا ہے اور مناسب شان ''اعطاء کل ذی فضل فضله'' کیا گیا ہے۔ یہی معنی ہیں حدیث: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی'' کے نبی ﷺ کی حیات طیبہ اس درجہ کی ہے اس کی تقریبی مثال اصحاب کہف حضرات موحدین کاملین ہیں۔

تین سو سال تک وہ زندہ رہے، سوئے رہے۔ یہ زندگی موت ہی کے نمونہ کی ہے۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا نہ بھوک نہ پیاس نہ سردی کا احساس ہوا نہ گرمی نے ستایا نہ چلے پھرے پورے مردہ کے اوصاف ان میں پائے گئے۔ یہ ان کی اصل درجہ کی معمولی زندگی تھی۔ اسی مقدار کا میں نے حضرات انبیاء علیہم السلام میں حیات کا باقی رہنا عرض کیا۔ ان حضرات اصحاب کہف کا سویا ہوا ہونا تو قرآن عزیز نے بتایا سکھایا ایمان بالغیب مانا گیا۔ ورنہ صورتحال کے لحاظ سے یہ موت ہی کا نمونہ ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبور میں اسی طرح محفوظ سمجھ لیجئے۔ یہ جاہلانہ قول نہ کیجئے کہ حیاۃ مانتے ہو اور کہتے ہو تو دفن کیوں کیا جنازہ کیوں پڑھا کیونکہ موت یقیناً ہوئی ہے۔ احکام موت کے جاری ہوں گے لیکن ان کی موت عام لوگوں کی موت (جیسے ان کی زندگی عام لوگوں کی زندگی) سے متمیز شان والی ہے عوام کو وہ عزت حاصل نہیں۔ جو ان حضرات کو عطاء کی گئی ہے، شاید اسی تفاوت مرتبہ موت کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا۔ ''انک میت وانھم میتون'' اگر ایک ہی انداز کی موت ہوتی تو پھر فرمان اس طرح ہوتا: ''انک وانھم میتون'' یہی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے نکتہ بیان فرمایا ہے اور ٹھیک فرمایا ہے۔ بندہ نے بھی یہی عرض کیا ہے۔ ہاں! راستہ الگ الگ ہے۔ منطقی اصطلاح کے لحاظ سے حضرت کی دلیل لمی ہے اور ہماری بیان کردہ دلیل انی ہے۔ سابقہ

بیان کے مطابق جب اصل حیاۃ کی کچھ مقدار حضرت نبی ﷺ میں بدستور باقی رہی تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا حکم ''ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا'' کی وجہ بھی آپ کو معلوم ہوگئی اور حضور ﷺ کے متروک مال میں ورثہ جاری نہ ہونا بھی اسی کی تفریع ہے۔ الغرض! حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عقیدہ موت بالخصوص حضرت نبی ﷺ کی موت کے باوجود اصل حیاۃ کا ان میں محفوظ رہنا ان کی عزت شان کے لئے کہا گیا بلکہ ان کی موت اور نیند دونوں میں تخفیف کا ہونا اور موت میں ادنیٰ درجہ حیات کا باقی ہونا یہ خاص اعزاز خداوندی ہے۔ اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان رفیع میں موت کی حالت میں قبض النفس جو آیت کریمہ میں ہے اس کو قبض ناتمام کہا جائے گا۔ جیسے پہلے عرض کیا گیا ہے کہ نیند کی حالت کا عام طور سے قبض النفس بھی موت کے لحاظ سے ناتمام ہوتا ہے۔ چونکہ نیند میں موت جیسا قبض النفس نہیں ہوتا بلکہ اس سے خفیف انداز کا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود آیت کریمہ میں دونوں کو جمع کیا گیا ہے۔ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' الحاصل آیت کریمہ میں یہ عندالموت توفی یعنی قبض النفس کو مطلق کے درجہ میں رکھا جائے گا۔ عام لوگوں کا ایک انداز میں (قبض النفس تمام) اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ان کی شان رفیع کے مناسب (قبض ناتمام) نیند کا قبض النفس وہ اور ہی انداز کا ہے۔ پھر اس میں تین درجات ہیں۔ نیند عوام کی، نیند خاص لوگوں کی جیسے نیند اصحاب کہف کی اور نیند خاص الخاص یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کی، ''والتی لم تمت فی منامھا'' میں یہ تینوں صورتیں حسب مراتب مانی جائیں گی۔ اس لئے کہا گیا کہ: ''یتوفی الانفس'' میں مراد مطلق کا درجہ سمجھا جائے۔

ممکن ہے کہ کسی جہالت سے یہ سوجھے کہ جیسے نبی اکرم ﷺ کا جسد اطہر قبر میں محفوظ ہے جس کی علت بقاء حیاۃ فی الجملہ بتائی گئی ہے۔ اسی طرح بعض اولیاء شہداء اور صالحین کے اجساد بھی قبور میں محفوظ ہوتے ہیں زمین نے ان کو نہیں کھایا۔ اپنے ساتھ نہیں ملایا۔ وہ زندہ ہی سمجھے گئے۔ پھر ان کے مال میں وراثت کا قانون کیوں جاری کیا گیا اور ان کی ازواج نے بعد میں نکاح کیسے کرلیا۔ جب کہ خاوند زندہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضرت سرور کائنات ﷺ کے اجساد مبارکہ کا سلامت رہنا، ان کے قبور میں زندہ ہونا تو قطعی یقینی اور ضابطہ شرعی ہے۔ ان کو تو ایسا ہی سمجھو جیسے کسی شخص کا بیرون ملک چلے جانا نہ تو اس کا مال سے تعلق ختم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی بیوی کو حق پہنچتا ہے کہ دوسری جگہ شادی کرلے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسی حیات کے ملنے اور پانے کا کوئی قطعی اور پختہ ثبوت نہیں مرنے کے وقت کسی کو کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ عشرہ مبشرہ بالجنۃ کا جنت میں جانا بفرمان حدیث معلوم ہوا لیکن ان کے اجساد کا قبر میں محفوظ رہنا اس کی کوئی قطعی دلیل نہیں۔ اسی طرح بقیہ اولیاء اور شہداء کا حال سمجھئے۔ واللہ اعلم بالصواب!

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا یہ تحفظ عصمت انبیاء کے قانون کے ماتحت اعزازی خاصہ ہے، قانونی احترام ہے اور کسی کے لئے یہ ضابطہ نہیں۔ ہاں! جس کو اللہ تعالیٰ نے اجساد کی سلامی قبر میں نصیب کردی تو وہ عطاء خداوندی ہے قانون سے بالاتر ہے۔ کسی کے متعلق یقین چھوڑ کر ظن بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بعض مدعیان علم کے قلم اور زبان سے یہ دیکھا سنا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کے جسد اطہر کی سلامتی نہ مانی جائے تو کیا حرج ہے۔ برزخ میں جسد مثالی اس سے زیادہ عمدہ اور اعلیٰ شان والا مل گیا۔ اس خاکی بدن سے بدرجہا افضل اور اشرف حاصل ہوگیا حیات ابدان ماننے کی کیا ضرورت رہتی ہے مگر یہ محض ایک مغالطہ ہے، فریب ہے کہ لوگ سمجھیں کہ ہم حیات کا انکار کر کے توہین نہیں کرتے۔ زبان کی چالاکی سے بات منواتے ہیں۔ پاس دلیل کچھ نہیں ورنہ پیش کرتے۔ بالمقابل صریح اور صحیح احادیث سے جسم

عنصری کے ساتھ حیات انبیاء علیہم السلام فی قبورہم ثابت ہے جو تسکین الصدور میں بیان کی گئی۔ منصف کے لئے کافی وافی دلائل ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ ان کو وہیں دیکھا جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ! شرح صدر ہو جائے گا۔

ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ برزخ میں جسم مثالی اس خاکی جسم سے اشرف و اعلیٰ مل گیا۔ دیکھئے بدن مثالی اصل کے نمونہ کو کہتے ہیں نمونہ اصل کے برابر کبھی نہیں ہوتا جو فضائل اصل میں ہوتے ہیں وہ نمونہ میں نہیں پائے جاتے فوٹو کی اور شان ہوتی ہے اور اصل کی اور شاید انہوں نے جنت کے میوہ جات کے دنیا کے میوہ جات افضل ہونے کو بدن مثالی میں جاری کر دیا ہے۔ مگر یہ محض مغالطہ ہے علماء محققین کا قول تو یہ ہے کہ جسد مبارک ﷺ سے مٹی اور خاک کا جو حصہ ملا ہوا وہ عرش خداوندی سے بھی افضل ہے۔ (خاک کو یہ فضیلت جسد اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی۔ اس لئے جسد کریم ﷺ کے اجزاء طیبہ کا مماثل اور کون اور کیا ہو سکتا ہے) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر سنا ہی ہوگا۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۸ اور بدائع الفوائد ج ۱ ص ۱۳۵) وغیرہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے کہ قبر مبارک کا جو حصہ آپ ﷺ کے جسد سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ عرش اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ خاک کو یہ فضیلت جسد اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی۔ اس لئے جسد کریم ﷺ کے اجزاء طیبہ کا کون مماثل ہو سکتا ہے۔ جسد مثالی تو ایک الگ چیز ہے جیسے خواب میں کسی کو اپنے شیخ اور استاذ وغیرہ کی ہیکل نظر آ جائے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی صورت مثالیہ مبارکہ خواب میں دیکھنے سے کوئی شخص صحابی نہیں بنتا۔ کیونکہ اس نے مثال کو دیکھا ہے، جسد عنصری کو نہیں دیکھا بہر عالم برزخ میں اس جسم کا ملنا خواب وخیال ہی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

عام مشہور تو یہ ہے کہ جنت کی حوریں جو مومنوں کو ملیں گی ہر مومن کو (بخاری ج ۱ ص ۴۶۱) میں ہے: ''و لکل امرئ زوجتان من الحور العین'' اور زیادہ حسب درجات ملیں گی۔ حدیث شریف سے صراحۃً ثابت ہے کہ ان حوروں کا حسن و جمال جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے سب حق اور صحیح ثابت لیکن بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کی دنیوی منکوحہ بیویاں بشرط ایمان وہ بھی اس مرد کو ملیں گی اور ان کا حسن و جمال حوروں سے زائد اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا۔ حوریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر رشک کریں گی۔ غور فرمائیں کہ یہ فضیلت دنیوی ازواج کو کہاں سے ملی یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری کے صلہ میں میسر آئی حدیث میں: ''بصلواتھن و صیامھن'' کے الفاظ میں موجود ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۷ ج ۷ ص ۱۱۹) جب کہ حوریں اس باب میں حصہ دار نہیں ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۴۱۷ ج ۷ ص ۱۱۹) ''الا ان فی السند سلیمان بن ابی کریمۃ ضعفه ابو حاتم وبن عدی وفی المیزان واللسان ج ۳ ص ۱۰۳ ولم ار للمتقدمین فیه کلاما'' اس کو دیکھتے ہوئے آپ اندازہ لگائیں کی جن اجزاء بدنیہ اور اعضاء جسمانیہ (نبی کریم ﷺ) نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری۔ بھوک پیاس اور باقی جسمانی تکالیف میں جناب سرور کائنات ﷺ کی رفاقت اور معیت میں زندگی کے دن رات گزارے۔ کیا وہ اس لائق ہیں کہ وہ قبر میں جا کر مٹی میں گل سڑ رل مل جائیں اور حسن جزاء کے انجام سے محروم چھوڑ دیئے جائیں اور نیا بدن مثالی آپ کو مل جائے، آپ اس سے وابستہ ہو جائیں۔ پھر کیا وہ اجزاء طیبہ بارگاہ خداوندی میں یہ عرض نہ کریں گے کہ ہم نے روح کریمہ کے ساتھ ساتھ ساری زندگی گزری۔ اے پروردگار! پھر روح کو نعمتوں سے نوازا جائے اور ہمیں مٹی میں آلودہ چھوڑا جائے ایسا کیوں ہو۔ حالانکہ روح کریمہ کی کمائی بدن عنصری کی بدولت ہی ہوئی۔ اس لئے مناسب ہوا کہ روح طیبہ ﷺ کے حیات کریمہ کے ساتھ آپ ﷺ کے جملہ اعضاء جسدانیہ کے بھی صحیح سلامت ہونے کا قول

کیا جائے اسی کو مسئلہ حیات انبیاء کہا جاتا ہے۔ یہ حیات فی الجملہ کے درجہ کی ہے۔ اس میں دنیوی حیات کے ظاہری آثار نمودار نہیں ہوتے یہی حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا فرمان تھا جو فیصلہ میں نقل کیا گیا ہے اور یہی حق ہے کہ ہم نے اس مقدار حیات کو بدن میں باقی ماندہ برحال سابق کہا مقبوض بالائی درجہ ہے جو آثار خاصہ خارجیہ کا منشا بنتا تھا، اسی کو آپ کی موت کہا گیا۔ ''کل نفس ذائقة الموت'' صادق آ گیا اور ''نبی اللہ حی'' بھی اس دنیویہ حیات سے پایا گیا برزخی بھی ہے کہ یہ مقدار حیات عالم برزخ کے زمانہ میں پائی گئی۔ یہ ہمارا خیال ہے اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے بتعلق حیات دنیوی زندگی فرمارہے ہیں، وہ شاید مجموعہ کے لحاظ سے کہ مکمل بدن میں نہیں۔ ہاں! اس کا بدن سے تعلق باقی ہے مجموعہ کو آپ کے قلب مبارک میں سمٹا ہوا ہونا فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم!

اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شہداء کے ارواح کو بعد از وفات اجساد عنصریہ کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطاء ہوں گے جیسے مصنف ندائے حق نے کہا۔ (تسکین الصدور ص ۱۲۸) مزید یہ بھی کہا گیا کہ ارواح کو مثالی جسد عطاء ہوتا ہے جس میں قیامت تک رہ کر روح ثواب وعذاب پاتی رہتی ہے۔ وجہ غلطی کی یہ ہے کہ قابل وعزت واحترام وہی اجزاء ہیں جو شہداء کے ابدان میں تھے۔ خداوند تعالیٰ کے راستہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔ عبادت الٰہی میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔ ارواح کی کمائی انہی کے تعاون سے ہوئی۔ اس کے برعکس کفار اور مجرمین عصاۃ کے اجزاء بدنیہ ارواح کے ساتھ شریک جرم رہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ: ''القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران'' ثابت ہو چکا ہے۔ یہ سزا وجزاء کا زمانہ ہے۔ اس کو ''اول منزل من منازل الآخرة'' کہا گیا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ جیسے جسد عنصری مرکب ذی اجزاء ہے اسی طرح جسد مثالی بھی۔

جسد مثالی کے اجزاء نے نہ کسب خیر کیا نہ کسب شر میں حصہ لیا۔ بلا جرم ان کو عذاب دینا جیسے کہا گیا یہ انصاف ہے یا ظلم؟ ''ولا یظلم ربک احدا'' آ ہی چکا ہے۔ جو اجزاء بدنیہ جرم میں شریک کار تھے، ساری زندگی وہ روح کی معیت میں معاصی کا ارتکاب کرتے رہے۔ برزخی زمانہ میں تا قیامت آپ نے ان کو معاف کر دیا اور جسد مثالی کے اجزاء جنہوں نے جرم میں حصہ نہیں لیا۔ ان کو پکڑ کر آپ نے سزاوار بنا دیا۔

''لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت'' کا تقاضا یہ ہے کہ قبر کے زمانہ میں بھی سعید کو جزاء خیر اور شقی کو سزا ملے۔ آپ نے اصل اجزاء بدنیہ کو چھوڑ کر روح کے جسد مثالی کو ثواب وعذاب دینا کہا۔ مجرم کو چھوڑ کر غیر مجرم کو سزا دی۔ یہ ''لاتزر وازرة وزر اخریٰ'' کے خلاف ہے۔ جن لوگوں نے جسد مثالی کی تجویز کی وہ جزاء وسزا کے باب میں نہیں کی۔ وہ تو اور مقاصد کے لئے کی گئی ہے اور اگر اس طرح کسی نے کہہ بھی دیا ہو تو اہل تحقیق اس کے خلاف ہیں۔ ''واللہ اعلم''

اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ میں نے عرض کیا تھا کہ مقبوض عند الموت نفس کا صرف وہ درجہ ہوتا ہے جس حیاۃ کے آثار حس وحرکت کا سبب بنتا ہے۔ علامت حیاۃ سمجھا جاتا ہے جس سے نبض کی حرکت اعضاء کی حرکت ہوتی ہے۔ یہی زندگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ موت کے وقت اس کا قبض ہونا ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حرکت قلب بند ہو گئی، مر گیا۔ لیکن قوت سماع جو دماغ میں ہوتی ہے وہ غیر محسوس ہوتی ہے۔ وہ علامت حیاۃ نہیں بنتی۔ زندہ اور مردہ کا اس میں امتیاز معلوم نہیں ہوتا۔ یہ قوت حیات کے توابعات میں سے ہے لیکن حیات کے فوقانی درجات جس میں حس وحرکت ہوتی ہے، اس کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زبان حرکت نہیں کرتی اعضاء بے حس ہو جاتے ہیں لیکن شخص بات سن کر سمجھ لیتا ہے۔ مثالوں میں طول ہوگا۔ اہل علم جانتے ہیں۔ ہاں! حیاۃ کے

ادنیٰ درجہ سے اس کی وابستگی ہوتی ہے۔ عام طور سے موت میں ازالہ حیات تام ہوتا ہے۔ قوت سماع بھی جاتی رہتی ہے۔ بلکہ گزر چکا کہ عام لوگوں کی نیند میں بھی قوت سماع مقبوض ہو جاتی ہے۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی نیند میں ایسا نہیں ہوا۔ آپ نے سوتے ہوئے بھی فرشتوں کی باتیں سنیں۔

اس طرح آپ کی بارگاہ عالی کا حق یہ ہے کہ آپ کی موت میں بھی یہ مقبوض نہ ہو کیونکہ یہ حیات کی علامت نہیں۔ بنتی اور فی الجملہ درجہ کی حیات آپ میں رہتی ہے۔ موت میں مقبوض فوقانی درجہ ہوتا ہے جو منشاء آثار ہوتا ہے اور موت میں حیات دنیویہ کی علامت کا قبض ہونا ہی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کی موت میں اس ادنیٰ درجہ حیات اور قوۃ سماع کا واپس قبض کرنا مناسب شان عالی نہیں بنتا۔ بلا ضرورت عطیہ نعمت کو کیوں قبض کیا جائے۔ ہاں! حیات دنیویہ کی اگر یہ علامت بنتی تو عندالموت قبض ضروری ہو جاتا۔ جیسے آنکھوں کی نعمت کہ ان سے دیکھنا حرکت کرنا دنیاوی زندگی کے آثار سے ہے۔ اس کا قبض کرنا ضروری ہو گیا۔ لیکن قوت شنوائی میں یہ بات نہیں ہے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کی قوۃ سماع حیاً و میتاً یکساں ہوگی۔ اسی لئے فرمایا کہ زائرین کا عندالقبر سلام و درود میں خود سنتا ہوں، جواب بھی دیتا ہوں۔ سننے کے لئے جتنی مقدار حیات کی ضرورت ہے وہ آپ میں موجود ہے۔ جو لوگ عندالقبر صلوۃ و سلام کے سننے کا انکار کرتے ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی منزلت رفیعہ کو نہیں سمجھا۔ اللہ سمجھ نصیب کرے۔ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔ عقل سلیم کی شہادت صادقہ پائی جاتی ہے۔ اس سے انحراف اگر توہین شان نہیں ہے تو شبہ تنقیص ضرور ہے بلکہ سلام و درود کے علاوہ آپ سے عندالقبر استشفاع کی درخواست یا کوئی اور مناسب بات کہنا سب معقول اور قابل چیزیں ہیں، جس کی ضروری تشریح اور تفصیل تسکین الصدور میں کی گئی ہے۔ اس کے (ص ۳۸۶، ۳۸۷) پر مؤلف اقامۃ البرہان کی ایک انوکھی بات نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ سماع عندالقبر چونکہ خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اپنے مورد پر بند رہے گا۔ لہٰذا سماع صلوۃ و سلام پر قیاس کر کے استشفاع عندالقبر کو جائز کہنا صحیح نہیں تعجب ہے کہ روایت انبیاء علیہم السلام کے عندالقبر سماع صلوۃ و سلام کو صحیح مان کر بشرط صحت خلاف قیاس کہتے ہیں۔ جناب من! خلاف قیاس کہنا غلط ہے۔ ہم نے ابھی عرض کر دیا ہے کہ عقل سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ حضور ﷺ کی موت حیات دنیویہ کے ظاہری آثار و علامات کا قبض کرنا ہی انسب ہے۔ قوت سماع کا سلب کرنا غیر ضروری بلکہ غیر ملائم بھی ہے۔ عوام کی موت میں اور آپ ﷺ کی وفات میں فرق کرنا قرآن کریم نے سکھایا۔ حدیث نبوی ﷺ نے بتایا، عقل سلیم نے قبول کیا۔ ہاں! اگر آپ کی عقل کے خلاف ہے تو نہ آپ کی عقل لوگوں پر حجت ہے نہ ہم اس کے تابعدار ہیں۔

ایک اور مزے کی بات سنئے: اسی (ص ۳۸۷) پر سماع موتی کے انکار کی دلیل لکھتے ہیں جو اقامۃ البرہان کے مصنف نے لکھی ہے۔ فرمایا کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک مردہ رہے اور جب اس کے بعد زندہ ہوئے تو انہوں نے اس طویل زندگی کو "یوماً او بعض یوم" سے تعبیر کیا۔ اگر سماع ثابت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کو معلوم ہوا کہ کتنا عرصہ گزرا ہے۔ سبحان اللہ کیا ہی عجیب انکشاف ہوا۔

اولاً: کیوں جناب! طلوع وغروب جس کو اتنے سال ہو گئے یہ آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے یا کانوں سے سنا جاتا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ آنکھوں میں بینائی نہیں تھی۔ ہم تو سماع موتی کے قائل ہیں۔ کسی کا بولنا اور ان کا نہ سننا بتلایئے۔ اس واقعہ کو سماع سے کیا تعلق ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ سے لیلۃ التعریس میں صبح کی نماز قضاء ہو گئی۔ سورج چڑھنے کے بعد آپ جاگے۔ وہاں پر بعض لوگوں نے کہا کہ آپ بیدار کیوں نہ ہوئے۔ سورج کا

طلوع ہونا اور آپ کا اس سے بے خبر رہنا کیسے ہوا؟ جواب یہی دیا گیا کہ سورج کے طلوع ہونے کا دیکھنا تو آنکھوں کا کام ہے۔ حضور ﷺ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ سوتے ہوئے میری آنکھیں جاگتی ہیں۔ ہاں! یہ فرمایا کہ میرا دل بیدار رہتا ہے۔ دل کی بیداری سے سورج کا طلوع تو معلوم نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اگر عزیر علیہ السلام کا دل جاگتا بھی ہو، قوۃ سمع بھی ہو تو سورج کا طلوع وغروب اس سے کیسے معلوم ہوسکتا ہے؟

وثانیاً: عرض یہ ہے کہ اصحاب کہف زندہ تھے، سوئے ہوئے تھے۔ تین سو سال گزر گئے۔ جب اٹھے تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا: ''قالو البثنا یوما او بعض یوم۔ کم لبثتم'' کے جواب میں آپ کے قول کے مطابق تو سماع موتی تو درکنار سماع احیاء بھی نہیں ہوگا۔ ورنہ اصحاب کہف بے خبر کیسے رہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ کتنا عرصہ گزرا ہے۔ جیسے کہ آپ کا قول ہے، اخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہ زندہ تھے لیکن سونے کی وجہ سے آنکھیں بند تھیں تو اسی طرح مردہ کی آنکھیں بھی بند ہی ہوتی ہیں۔ ان کو معلوم ہونا آپ نے کیسے کہا؟ جناب استدلال کے وقت آنکھیں تو کھولا کیجئے۔

خاتمۃ البیان

ابھی گزرا کہ قبر شریف کے پاس صلوۃ وسلام پڑھنے سے آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ اسی طرح آپ سے استشفاع بھی جائز ہے۔ یعنی آپ سے درخواست کرنا کہ آپ ہم گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں مغفرت کی دعا فرمائیں کہ اللہ جل جلالہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔ جیسے زندگی میں اس طرح کی درخواست کی جاتی تھی۔ ''واستغفر لهم الرسول'' کے فرمان کے مطابق یہ بھی جائز ہے۔

اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اسی طرح عند القبر کوئی اور مناسب بات کہنا سب معقول اور قابل قبول چیزیں ہیں۔ منکرین سماع اوّل میں بھی کائیں کائیں کرتے ہیں کہ فلاں راوی ضعیف ہے۔ جیسے کراچی والے ناسعود کا طریقہ ہے۔ اس کا جواب تو تسکین الصدور میں بھی دیا گیا ہے۔ مراجعت کر سکتے ہیں وہاں استشفاع کا ثبوت بھی کافی تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ ہمیں کچھ اور باتیں عرض کرنی ہیں۔ حضرت شیخ استاذ الکل مولانا سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ جب اس مقام پر پہنچتے تو والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں حضرت مولانا علامہ عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی روضہ مبارک پر حاضری کا تذکرہ فرماتے کہ ہر سال حج کو جاتے تھے اور رخصت کے وقت جب روضہ شریفہ پر جاتے تو درود وسلام کے بعد نیاز مندانہ اور عاشقانہ انداز میں سرکار دو عالم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے عرض کرتے، خواجہ بسفری روم چہ فرمائی؟ جواب ملتا بسلامت روی وباز آئی۔ آخری سال ختم عمر کے وقت جب گئے اور اپنے سابقہ انداز میں جب بسفرے روم والا جملہ اجازت نامہ پڑھا۔ جواب نہ آیا تو اس سے سمجھ گئے کہ اب بازائی والی بات نہیں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس قصہ سے جو حضرت شاہ صاحب سے سنا گیا۔ چند باتیں معلوم ہوئیں۔ حضور ﷺ کا قبر شریف کے پاس سے کلام کرنے والوں کے کلام کو سننا اور اس کا جواب دینا بطریق اولی ثابت ہوگیا اور اس سے استشفاع کے کلمات کہنے اور ان کا سننا بھی معلوم ہوگیا۔ اس کو میں نے دلیل نہیں بنایا کہ اس میں لیت ولعل کیا جائے بلکہ حضرت شیخ کی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ آپ نے شیخ جامی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھنے کی چند اور باتیں بھی فرمائیں لیکن طول کی وجہ سے ان کو چھوڑتا ہوں۔ میں نے پہلے عرض کیا کہ بعض شاگردی کا اقرار کرنے والوں نے حضرت شیخ کے راستہ کو چھوڑ دیا ہے۔ شیخ کو شاید وہ دیوبندی

عقیدہ والے نہ جانتے مانتے ہوں گے، جبھی تو وہ دوسروں کو وہ بناسپتی دیوبندی کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ فریق ثانی کے بعض بزرگ جو یہ کہہ رہے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کا سننا خلاف قیاس ہے۔ لہٰذا بر تقدیر صحت مورد پر بند رہے گا۔ ابھی ان کا قول گزرا ہے یہ غلط ہے۔ حضرت شاہ صاحب کاشمیری رحمہ اللہ کے بیان کردہ قصہ سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت اس کو قیاس کے مطابق بنا کر اور موارد میں بھی یہ حکم جاری فرمارہے ہیں۔ آپ حضرات کا یہ قول تو ظاہر یہ کے قول کے انداز میں ہے کہ ربوا کی حرمت اشیاء ستہ میں محصور ہے۔ حالانکہ یہ قول باجماع مجتہدین باطل ہے۔ آپ کا سماع کو صرف صلوٰۃ وسلام میں بند کرنا بھی اسی طرح ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔

تیسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت تا قیامت اسلامی عقیدہ ہے جیسے زمانہ حیات میں لوگوں نے بہترین جذبہ محبت اور عشق رسول ﷺ کا مظاہرہ کیا۔ دیدار کر کے جانیں قربان کیں۔ اسی طرح بعد کے آنے والے لوگ بھی کئی مخلصانہ اور والہانہ عشق رسول رکھنے والے پائے جاتے ہیں۔ دور سے پیار کرنے والے جب سرکار کے روضہ کے پاس حاضر ہو سلام کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ نے سنا اور جواب بھی دیا گو ہم نے ان کانوں سے نہیں سنا تو اس سے دل میں فراق کا صدمہ کم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ: ''کل نفس ذائقة الموت'' کے قانون نے ہمیں دیدار سے محروم کر دیا ہے لیکن محبوب کبریاء سے ہم کلامی کا شرف تو نصیب ہو گیا۔ محبوب سے وابستہ یادیں دیکھ کر قلبی تسلی ہو جاتی ہے تو کلام کرنے سے اس سے زائد حظ اور تسلی قلب حاصل ہو گی۔

(تسکین الصدور ص ۲۶۵) پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا کہ: ''آیت کریمہ میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں تخصیص ہو تو کیونکہ آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا استغفار کرنا اور کرانا جب متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔'' (آب حیات ص ۴۰)

اس لئے مناسب ہوا کہ آپ کی موت کی صورت میں پچھلوں کے لئے رابطہ قائم رکھا جائے۔ اسی ضرورت کے لئے آپ کی قوت سماع برحال رکھی گئی اور موت میں اس کا قبض کرنا نہ ہوا۔ اگر ہو بھی تو بہت معمولی انداز کا اس کا لازمی اثر یہ بھی ہوا کہ فی الجملہ حیات بھی بدن میں محفوظ رکھی جائے۔ ہاں! وہ چیزیں جو علامات حیات خارجی بنتی ہیں وہ مقبوض ہو جائیں۔ یہی انداز حیات اور قوۃ سماع کا باقی رکھنا اسی کو نا تمام قبض کہا گیا۔ ''ان محمد قدمات'' بھی صحیح ہوا اور ''نبی الله حی یرزق'' بھی صادق رہا۔ یہ حیات جسمانی ہے نہ کہ صرف روحانی اسی کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اپنے فیصلہ میں حیات بتعلق روح فرمایا اور اسی سے سلام و درود کا سننا فرمایا اور میں نے اسے جسد اطہر میں باقی رکھنا کہا۔ الحمد للہ کہ نتیجہ ایک ہی ہے۔

چوتھی بات یہ عرض کرنی ہے کہ فریق مخالف جو سماع موتی کے قائل نہیں، حضور ﷺ کے روضہ اقدس کے پاس سلام کرنے والوں کے سلام کا نہ سننا کہتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اسے بدعت سیئہ سے ملا دیتے ہیں۔ قرآن کے خلاف ہونا بتاتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ جہاں یہ کام ہوتا ہے، وہاں جا کر ان باتوں کا اعلان کریں۔ حکومت سعودیہ کو ملامت کریں کہ تم نے یہ بدعت کیوں جاری کر رکھی ہے۔ پاکستان میں اس پر زور صرف کرنا بیکار ہے۔ وہاں جائیے اور فریضہ کی ادائیگی کا ثواب حاصل کیجئے۔ ''کلمة حق عند سلطان جائر'' بھی آیا ہے۔ دیکھئے وہاں سے کیا جواب ملتا ہے۔ یہی بات میں آٹھ تراویح پڑھنے والوں کو کہتا ہوں کہ حرمین شریفین میں بیس پڑھتے ہیں۔ وہاں جا کر کیوں خاموش ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں ڈنکے بجاتے رہتے ہیں۔ انعامی چیلنج دیتے ہیں۔ ٹھکانہ پر جا کر حق

واجب ادا کریں۔ وہاں جیل کا مقام بھی مل جائے اور ثواب دو چند ہو جائے مگر۔

ہر مدعی عشق کے لئے دار ورسن کہاں

اس کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ ایک اور بات کو جواب بھی دے دوں جو رسالہ (سماع ص ۱۵) پر مرقوم ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو وقیع سمجھ کر الجھن میں پڑ جائیں فرمایا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قلیب بدر والی حدیث کی توجیہہ فرمادی اور اس سے سماع موتی ثابت کرنے کا راستہ بند کر دیا۔ اگر یہ مسئلہ اس دور میں اختلافی صورت اختیار کر چکا تھا تو قائلین سماع نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توجیہہ وتاویل کا جواب کیوں نہیں دیا۔ بعد والوں نے تو اتنے ڈھیر سارے جواب سوچ لئے، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا جواب نہ سوجھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوت ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاں اس مسئلہ اختلاف موجود ہی نہ تھا۔

الجواب: ''اقول و باللہ التوفیق و منہ الھدایۃ الی التحقیق'' اس بیان کے بعض اجزاء کا جواب تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس کو قرن اوّل کا اختلافی مسئلہ فرما چکے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ قرن صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلافی مسئلہ میں دوٹوک فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں! ترجیح دی جا سکتی ہے۔ الی آخرہ!

ان کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''مسئلہ سماع موتی کا قرن اوّل میں مختلف ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں۔'' (لطائف رشیدیہ ص ۷ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۱) میں ہے: ''سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے۔'' اور خود مؤلف اقامۃ البرہان اپنی تالیف جواہر القرآن میں لکھتے ہیں:

''سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۲ طبع اوّل)

رہی یہ بات کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجیہہ وتاویل کو صحیح نہیں سمجھا تو اس کی تردید کیوں نہیں کی۔ ان کے سکوت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو قبول کیا۔ اختلاف کچھ نہیں کیا۔ اختلاف بعد کی پیداوار ہے جیسے ان منکرین کے کلام میں ہے۔

تو اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ کبھی کوئی بڑا شخص عظیم القدر غلط بات بھی کہہ جاتا ہے لیکن اس کی عزت اور احترام و وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جاتی ہے، اسی کو ادب کہا جاتا ہے۔ خاموشی ایسے وقت اذعان اور قبولیت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ ادباً ایسا کیا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روّیہ میں اس کے بے شمار نظائر آپ کو نظر آئیں گے۔ آج کل کا روّیہ اس کے خلاف ہے۔ ہر شخص اپنے آپ کو سب سے اونچا جانتا ہے اور ''انا اعلم و ابر و اتقی'' کا گمان رکھتا ہے۔ میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سکوت بھی عزت قائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں فریضہ کی چار رکعات نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ ہمیشہ قصر کرتے تھے۔ جیسے کہ حنفیہ کا مذہب ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب حج کو گئیں تو انہوں نے رباعی نمازوں میں اتمام ہی کیا۔ جب ان سے سوال کیا گیا تو جواباً فرمایا کہ میں ام المومنین ہوں۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۳۰) ''وازواجہ امھاتھم'' قرآن میں آچکا ہے، لہٰذا میں مسافر نہیں ہوں۔ اگر یہ تعلیل صحیح ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو المومنین ہیں وہ مسافر کیسے ہو سکتے ہیں۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کو سن کر خاموشی ہی اختیار فرمائی۔ یہ ادب کے انداز میں خاموشی مسئلہ کی دلیل نہیں بنتی۔ اصل حقیقت کچھ اور ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرسری سی بات فرمادی جس کو ٹالواں جواب کہتے ہیں۔

حضرت عثمان ﷜ خلافت کے زمانہ میں حج کرنے گئے۔ انہوں نے بھی رباعی نمازوں میں قصر نہیں کیا، چار ہی پڑھتے تھے۔ جب ان سے سوال کیا گیا تو ایک جواب ''انی تاھلت بمکۃ'' کا دیا اور دوسرا یہ کہ بہت سے نئے لوگ مسلمان ہونے والے اعراب ہمارے ساتھ حج میں آکر نمازیں پڑھنے والے ہیں۔ اگر میں قصر کروں تو شاید وہ یہ گمان کریں کہ ظہر عصر اور عشاء کی نمازیں دو دو رکعات ہی ہیں۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے میں نے چار رکعات پڑھی ہیں۔ (محصلہ ابوداؤد ج۱ ص ۲۷۰)

یہ دلیل بھی نا تمام ہے۔ کیونکہ زمانہ نبوی و زمانہ شیخین ﷠ میں بھی یہ عذر تھا لیکن انہوں نے چار چار نہیں پڑھیں۔ لیکن حضرات صحابہ کرام ﷡ نے اس کو سن کر بھی خاموشی فرمائی۔ حضرت عثمان ﷜ سے نہ مناظرہ کیا نہ اس میں محاذ اختلاف بنایا۔ غالباً آپ حضرات کا مذہب بھی اس مسئلہ میں قصر کرنا ہی ہے مگر اس کو اختلاف کا محاذ نہیں بناتے۔ حضرت ابن مسعود ﷜ سے بھی قصر مروی ہے لیکن وہ حضرت عثمان ﷜ خلیفۃ المسلمین کے پیچھے (باوجود انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے) چار ہی پڑھا کرتے تھے لیکن یہ بھی فرمایا کہ افسوس میرے لئے ان چار رکعات کی بجائے دو رکعات ہوتیں تو کیا اچھا ہوتا۔ ''فیالیت حظی من اربع رکعتان متقبلتان'' (بخاری ج۱ ص ۱۴۷، ۲۲۵) کسی نے پوچھا آپ نے حضرت عثمان ﷜ سے اس بارے میں گفتگو کیوں نہیں کی، تو فرمایا: ''الخلاف شر'' (ابوداؤد ج۱ ص ۲۷۰) کہ یہ حضرت عثمان ﷜ کا اجتہادی نظریہ ہے۔ میں اس میں اختلاف پسند نہیں کرتا۔ خاموش ہی رہے۔

۳...... حضرت عائشہ ﷝ کے سامنے خاموشی بھی ادب اور احترام کے درجے میں کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ ﷡ اجتہادیات میں ایک دوسرے سے الجھتے نہیں تھے۔

۴...... حضرت عمر و ﷜ بن وابن عمر ﷜ کی روایت ہے: ''المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ'' کہ میت پر اس کے گھر والے جب روتے ہیں تو اس سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ جب حضرت عائشہ ﷝ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ایک کا گناہ دوسرے پر کیسے پڑ سکتا ہے اور ''لاتزر وازرۃ وزر اخری'' کی تلاوت فرمائی ایک واقعہ میں حضرت ابن عمر ﷜ کے سامنے حضرت صدیقہ کا انکار نقل کیا گیا تو وہ خاموش رہے جواب نہیں دیا۔ مشکوۃ میں قصہ مروی ہے لیکن خاموشی مقامی اور وقتی طور پر کی گئی کہ ماتم کے گھر یا اس کے قریب اس طرح کا شور وشغب مناسب نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہ حضرت صدیقہ ﷝ کا انکار سن کر اس کی جواب دہی نہیں آئی اور اس کو تسلیم کر لیا اور اپنی روایت میں شک ہو گیا۔ یہ سکوت بھی ادب کے درجے میں تھا۔ اس کے علاوہ مقام مناسب بھی خاموشی تھی۔ امام بخاری ﷫ دونوں روایتوں کو صحیح قرار دے کر ان کے درمیان تطبیق دے رہے ہیں کہ عذاب اس صورت میں رونے سے میت کو ملتا ہے۔ جب کہ رونا اس کے کہنے سے کیا گیا ہو یا وہ جانتا ہو کہ روئیں گے۔ لیکن منع نہیں کیا اور اگر منع کرنے کے باوجود روئے تو میت کو عذاب نہیں ہوتا۔ ''لاتزر وازرۃ وزر اخری'' کا یہی محل ہے۔ (بخاری ج۱ ص ۱۷۱)

یہ بات غلط ہے کہ صحابہ ﷡ کا سکوت اس مسئلہ میں عدم اختلاف کی دلیل تھا۔

۵...... ایک بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷜ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ ﷝ نے ان کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کا پیغام بھیجا۔ صحابہ ﷡ نے ان کی بات کو پسند نہ فرمایا۔ حضرت صدیقہ ﷝ نے ایک حدیث کا حوالہ بھی دیا لیکن جواب میں خاموشی اختیار کی گئی۔ تردید نہیں کی گی۔ یہ بھی ادب تھا۔ اس کو اچھالا نہیں گیا۔

یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس چیز کا انکار کیا، وہ مرفوع حدیث صحیح فرمان رسول ہے جس کے راوی متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایۃ ذالک بل وافقھما ابو طلحۃ رضی اللہ عنہ '' ان کی روایت (بخاری ج۲ ص۵۶۶ و مسلم ج۲ ص۳۸۷) میں ہے: ''کما تقدم.... نی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مثلہ باسناد صحیح و من حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ'' (فتح الباری ج۸ ص۳۰۵ ونقلہ فی فتح الملہم ج۲ ص۴۷۸) اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام میں گزرا ''خالفھا الجمھور'' اس سے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم ہی مراد ہیں اور مخالفت دوسرے کی رائے کے رد ہی کی صورت میں ہوتی ہے اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کی تردید ہوئی۔ اسی لئے اس کو قرن اوّل کا اختلاف کہا گیا ہے۔ یہ بعد کی پیداوار نہیں۔ ہاں! حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانوں میں اس کو معرکہ نہیں بنایا گیا۔ جیسے آج کل کے دور میں ہو رہا ہے۔

الغرض عام مسئلہ سماع موتیٰ کا اختلاف قرن اوّل سے ہی چلا آتا ہے اور فریقین کے خیال میں یہ اجتہادی اختلاف ہے۔ جیسے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرمان میں گزر چکا ہے۔ ہاں! عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (دیکھئے فتاوی رشیدیہ ج۱ ص۹۹ طبع دہلی) اور (فتاوی رشیدیہ ج۱ ص۲۲) میں ہے کہ اجماعی مسئلہ کا انکار کرنا گناہ ہے۔ (محصلہ) لیکن اس کو کرم فرماؤں نے پارٹی بازی بنا رکھا ہے۔ میں ان مذکورہ مسئلہ کی تحقیق نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ بتانا ہے کہ کبھی خاموشی تسلیم کے طور پر نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجیہہ اور تاویل کی تردید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی، خاموشی اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی ان کے بیان سے متفق ہو گئے۔ یہ بات قابل غور ہی نہیں بلکہ سراسر مردود ہے۔ وما علینا الا البلاغ!

بندہ عبدالقدیر عفا اللہ عنہ

۲۱ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

ڈاک خانہ و مقام مومن پور تحصیل و ضلع اٹک

باب سوم

چند ضروری باتیں

ہماری نظر سے یہ رسالہ ازالہ اوہام فی احادیث خیر الانام گزرا اس کے بیانات پر تعجب بلکہ افسوس ہوا۔

اوّل: اس لئے کہ فاضل مصنف نے احادیث صحیحہ خاص کر صحیح بخاری کی روایات کو کس بے باکی سے اپنے خیال کے مخالف سمجھتے ہوئے معارض نصوص قرآنیہ کا بہانہ بنا کر گرانے اور ٹالنے کی مذموم سعی کی۔ اپنی فہم علم کو امام بخاری رحمہ اللہ کی فہم و علم سے فائق سمجھتے ہوئے امام موصوف رحمہ اللہ کی مخالفت کی۔ ان کی جماعت اگر اس سعی نامشکور کو پسند کرے تو ان کی مرضی۔ سنجیدہ طبقہ تو ایسی حرکت پر لاحول ہی پڑھے گا۔ احادیث صحیحہ کو ایسے حیلے بہانے سے ٹالا جائے تو دین کا خدا ہی حافظ ہو۔ جو مرضی ہو، کرتے جاؤ۔ دیکھئے (بخاری شریف ج۱ ص۱۷۸) کی حدیث: ''انہ لیسمع قرع نعالھم'' کو جو سماع موتیٰ پر دلالت کرتی ہے۔ بزعم خویش آیت کریمہ: ''انک لا تسمع الموتی'' اور ''ما انت بمسمع من فی القبور'' کے معارض کہہ کر من مانی کارروائی کر گئے ہیں کہ ایسی حدیث کا اعتبار نہیں نہ

ناسخ بنتی ہے نہ مخصص ۔(ازالۃ الاوہام ص ۶) سبحان اللہ العظیم! اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ علم والا مخص تو ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ ضد اور چیز ہے۔

شاید آپ نے پڑھا سنا ہوگا کہ عربی محاورات میں مجرد اور مزید کے صیغوں کے اختلاف سے معنی اور مراد میں فرق آجاتا ہے۔ حدیث شریف میں: ''یسمع قرع نعالھم'' مجرد کا صیغہ مروی ہے جس سے سمع کا ثبوت معلوم ہوتا ہے اور آیت کریمہ میں دونوں جگہ مزید کا لفظ لایا گیا ہے۔ ان میں اسماع کی نفی کی گئی ہے۔ سمع میت کی صفت ہے اور اسماع پکارنے والے کا فعل ہے۔ خواہ اثر مرتب ہو یا نہ ہو۔

محل اثبات اور ہے اور محل نفی اور ہے تعارض وتناقض کہاں سے پیدا ہوگیا۔

در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدت موضوع و محمول و مکاں

آپ نے پڑھا سنا ہی ہوگا: ''فلاں کھاتا ہے کھا سکتا ہے'' کا اور مفہوم ہے اور ''فلاں کو تم نہیں کھلا پلا سکتے'' کا اور مفہوم ہے۔ نادان ہی اس کو تعارض بنائے گا۔ کیسی واضح بات ہے۔ واللہ الھادی!

دوم بات قابل غور یہ ہے کہ مشہور ہے: ''فقه البخاری فی تراجمه'' یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک اور مختار وہی ہوتا ہے جو ترجمۃ الباب میں وہ ذکر کر جاتے ہیں۔ ''سترۃ الامام سترۃ لمن خلفه'' ترجمۃ الباب قائم کیا۔ آگے اس کی حدیث لائے جس سے یہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے۔ ایسے ہی سب کتاب میں کیا گیا۔ مسائل ترجمۃ الباب میں لاتے ہیں اور دلائل کے لئے احادیث صحیحہ لایا کرتے ہیں۔ چنانچہ (ج ۱ ص ۱۸۷) میں ترجمۃ الباب ''المیت یسمع خفق النعال'' ذکر فرمایا اور اس کے اثبات کی دلیل صریح ''انه لیسمع قرع نعالھم'' لائی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس خلافیہ میں سماع موتیٰ کے قائل ہیں اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر اس کو صحیح نہ سمجھتے اور آیات قطعیات کے معارض ومخالف جانتے تو اس کو ذکر ہی نہ کرتے۔ کیا امام موصوف رحمہ اللہ باطل کی تعلیم وتلقین کر گئے ہیں جیسے کہ فریق ثانی کا خیال ہے۔ جہاں امام موصوف مسئلہ میں تردد کرتے ہیں وہاں دونوں جانب کا تذکرہ کر جاتے ہیں۔ اپنی طرف سے فیصلہ نہیں کرتے مگر یہاں ایسا نہیں کیا۔ صرف سماع المیت کا باب ذکر فرمایا ہے۔ مخالف جانب کا ایک حرف بھی نہیں لائے۔ یہ بات شہادت صادقہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مختار مسلک سماع الموتیٰ ہی ہے۔ دوسرا راستہ انہوں نے اختیار نہیں کیا۔ اس بات سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ مصنف ازالۃ الاوہام کا حدیث: ''یسمع قرع نعالھم'' کو آیات قرآنیہ کے مخالف ومعارض کہنا غلط افسانہ ہے۔ آپ کی فہم اور علم امام بخاری رحمہ اللہ سے فائق نہیں۔ وہ اس کو مسئلہ بنا رہے ہیں اور آپ اس کو ساقط کر رہے ہیں۔ ھذا عندی واللہ اعلم!

(مصنف ازالۃ الاوہام ص ۴) پر لکھتے ہیں کہ فلاں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (بخاری ج ۲ ص ۵۶۷) سے چشم پوشی کر لی ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ بے شک چشم پوشی جرم ہے لیکن آپ نے تو صحیح حدیث کو مسخ ہی کر دیا ہے۔ یہ چشم پوشی سے زائد جرم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے چشم پوشی اس لئے کی کہ اس سے پہلے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اس سے چشم پوشی کر چکے ہیں۔ دیکھئے امام موصوف رحمہ اللہ، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح بخاری میں لائے لیکن اس پر ترجمۃ الباب عدم سماع الموتیٰ کا نہیں ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس کو بحیثیت مسئلہ نہیں لیتے۔ ہاں! اختلاف کے بیان کے لئے اس کو ذکر فرما گئے ہیں۔ لیکن خاموش گزر گئے ہیں۔ آپ کے مسلک کی دلیل

کو کیوں ترجمۃ الباب سے خالی چھوڑ گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ آپ کو سمجھا گئے خواہ آپ مانیں یا نہ مانیں کہ حضرت عائشہ کی حدیث کی کوئی مناسب توجیہہ کیجئے۔ اس کو مسئلہ نہ بنائیں لوگوں میں نہ پھیلائیں۔ اسی لئے انہوں نے اس پر ترجمۃ الباب نہیں لکھا۔ امام موصوف ان باتوں سے غافل نہیں ہیں۔ لیکن اسے قصداً نظرانداز فرما گئے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں تو آپ بتائیں کہ اس حدیث کے مطابق ترجمۃ الباب کیوں نہیں لکھا۔ آپ بڑوں سے پوچھ لیجئے اور جواب سے ہمیں بھی مطلع فرمائیں۔ آپ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک سطر (ص ۴) پر القاب لکھے ٹھیک ہے۔ ہم اس سے زائد مانتے جانتے ہیں۔ لیکن دوسری جانب کو بھی دیکھیں کہ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نہیں ہیں۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مسئلہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے القابوں سے نہیں ہوتا۔ دلائل پیش کیجئے۔

تیسری بات اور بھی ہے۔ دیکھئے سماع الموتی کا مسئلہ میت کے دفن کے بعد حال ہے۔ اس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے محل میں ذکر فرمایا ہے اور حدیث لائے اور ترجمہ بھی ذکر کیا ہے کہ مسئلہ مقامی طور سے معلوم ہو جائے۔ جو مسئلہ ڈھونڈنے والا ڈھونڈتا ہے تو اپنے باب میں دیکھتا ہے۔ اس کو باب میں یہی مسئلہ ملے گا۔ ''المیت یسمع'' اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو باب سے خارج کر کے مغازی کے ابواب میں (ص ۵۶۷) ذکر کر دیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کی حیثیت سے وہ اس حدیث کو نہیں لانا چاہتے۔ ورنہ اصل باب میں لاتے جو قبر میں دفن کے بعد کے احوال ہیں۔ یہ بات استاذ مرحوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا فرمان ہے۔ حضرت کا یہ فرمان بطور ضابطہ کے ہوتا تھا۔ اصل ان کا فرمان صلوۃ خوف کے مسئلہ میں تھا۔ ہم نے اس کو یہاں جاری کر دیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ تمام کتاب میں پایا جاتا ہے۔ اصل حدیث جس کو تعامل میں لیا جائے وہ باب میں لاتے ہیں اور جس کو وہ تعامل میں قبول نہیں فرماتے۔ وہ باب سے خارج میں ذکر فرما جاتے ہیں۔ اس کے کئی نظائر ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ خوف کا تذکرہ بھی اجمالی انداز میں کر دوں۔ اجمالی بات تو اس قدر کہ صلوۃ خوف کی جو صورت حضرات حنفیہ کرام رحمہم اللہ کی فقہ کی کتابوں میں ہے، وہی صورت حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے (باب صلوۃ الخوف ص ۱۲۸، ۱۲۹) میں ذکر فرمائی ہے جو اصل محل بیان ہے اور صلوۃ خوف کی دوسری صورت جو حضرات شافعیہ نے مذہبی طور سے اس کو لیا ہے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (دوسری جلد ص ۵۹۲) مغازی کے ابواب میں لائے ہیں۔ امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ذکر کی ہیں لیکن حنفیہ والی صورت کو باب صلوٰۃ الخوف میں لائے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام رحمۃ اللہ علیہ کو پسند تعامل کے طور پر یہی صورت ہے۔ ہاں! دوسری حدیث بھی لائے لیکن باب سے خارج کر کے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو تعامل کے طور پر لینا نہیں چاہتے۔ یہی طریقہ مسئلہ سماع موتی اور عدم سماع میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ الحاصل سماع موتی پر دلالت کرنے والی حدیث کتاب الجنائز میں اصل موقعہ پر لائے ہیں اور ترجمۃ الباب بھی۔ ب سماع المیت کا صریح ذکر کر دیا ہے اور انکار سماع کی حدیث کتاب المغازی میں لائے ہیں اور اس پر انکار سماع موتی کا باب بھی نہیں لائے۔ اس سے آپ خود اندازہ کر لیں کہ امام موصوف کیا سمجھا گئے ہیں۔ برمحل اور بے محل کا فرق کون نہیں جانتا۔ صلوۃ الخوف کی تصویر لمبی تفصیل کو چاہتی ہے۔ اہل علم دونوں کو جانتے ہیں۔ ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

بندہ عبد القدیر عفی عنہ، مؤرخہ ۶ / اکتوبر ۱۹۸۷ء

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مقبول بارگاہ نبوی ﷺ

رحمتِ کائنات

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق لکھی جانے والی
پہلی مدلل اور جامع کتاب

تالیف:

امام الزاہدین والعارفین، قطب عالم
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

مقبول بارگاہ نبوی ﷺ

رحمتِ کائنات ﷺ

عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق لکھی جانے والی
پہلی مدلل اور جامع کتاب

—— مرتبہ ——

امام الزاہدین والعارفین قطب عالم
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

دار الارشاد
خانقاہ مدنی، مدینہ مسجد اٹک شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت قاضی زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: یکم رفروری ۱۹۱۳ء ...... وفات: ۱۳ رمئی ۱۹۹۷ء

قبلہ حضرت قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ چھچھ ضلع اٹک کے رہنے والے تھے۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ایسے حضرات سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بیعت کا تعلق تھا اور ان کے دل وجان سے عاشق صادق تھے۔ اٹک شہر میں خانقاہ مدنی قائم کی، مسجد کا نام مدنی مسجد، محلہ کا نام مدنی محلہ رکھا۔ پاکستان میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کے انکار کا فتنہ کھڑا ہوا، تو آپ نے رحمت کائنات ﷺ نامی کتاب لکھی حق تعالیٰ نے اسے قبولیت سے نوازا۔ بیسوں ایڈیشن شائع ہوئے۔ کتاب بہت ہی مدلل مبرہن لکھی۔ کہیں تلخی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس مجموعہ میں اس کتاب کو شامل اشاعت کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (ناشر)

رحمت کائنات رحمت مہداۃ ﷺ کے حضور میں

ربیع الاول ۱۳۷۷ھ بمطابق نومبر ۱۹۵۷ء ایبٹ آباد اپنے سکونتی مکان میں شام کا کھانا کھا کر قبل از نماز عشاء چارپائی پر لیٹا ہوا تھا کہ: ''بین النوم والیقظۃ'' (نیم خوابی) کی حالت میں جمال رحمت دو عالم ﷺ سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے مضمون کو میں نئی ترتیب دے رہا ہوں تا کہ اس کو انبیاء علیہم السلام کی مجلس میں پیش کروں۔''

پیش لفظ

(انیسواں ایڈیشن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلّی ونسلم علٰی رسولہ الکریم، امابعد!

خدائے وحدہ لاشریک نے انسانیت کی ہدایت کاملہ کے لئے دین کامل، عبد کامل جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے امت تک پہنچایا۔

جس طرح اس شریعت مطہرہ پر عمل کرنے اور عقائد کو بلا چون و چرا اس دل سے تسلیم کرنے والے، رب العالمین کے مقبول بندے بن گئے۔ اسی طرح اس روشن اور پاکیزہ تعلیمات نبوی میں شکوک وشبہات پیدا کر کے بعض بدقسمت و بدنصیب راہ حق سے بھٹک گئے۔ امت کے ایک اجماعی عقیدہ حیات بعد الموت میں بھی بعض لوگوں نے اپنی عقل کی پیروی کرتے ہوئے اسلاف اور اکابر امت سے اختلاف کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس امام الزاہدین مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہ کو ایسی توفیق عطاء فرمائی کہ آپ نے حیات الانبیاء علیہم السلام کے پاکیزہ موضوع پر قلم اٹھا کر قیامت تک اس عقیدہ کا تحفظ فرما دیا۔

یہ مبارک تصنیف واقعی مقبول بارگاہ نبوی ہے۔ اب آپ کے ہاتھوں میں اس کتاب کا یہ انیسواں ایڈیشن ہے۔ کتاب شائع ہوتی ہے اور عشاق اسے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں۔

اس مبارک کتاب کی اس اشاعت کے لئے ہمارے حضرت رحمہ اللہ کے مرید اور مخلص ساتھی جناب حاجی مہابت خان صاحب نے تعاون فرمایا ہے۔ دعاء ہے اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کے اس صدقہ جاریہ کو قبول فرمائیں اور اس کا ثواب ان کے عزیز بھتیجے محسن اعوان کو پہنچائیں اور اس کی قبر جنت الفردوس میں بنا دیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ!

احقر العباد قاضی محمد ارشد الحسینی

خانقاہ مدنی اٹک شہر

۱۱ر فروری ۲۰۱۶ء/ ۱۳ر جمادی الاوّل ۱۴۳۸ھ

دیباچہ
(طبع اوّل)

(یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

احقر عرصہ دراز سے یہ سوچتا رہا کہ قرون اولیٰ میں جب کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت مقدسہ کے اجلاس وجلوس نہ ہونے کے برابر تھے اور سیرت کے متعلق تصانیف کی اشاعت بھی محدود تھی مگر ان مبارک ایام میں آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ پر عمل زیادہ ہوتا تھا اور لوگ آپ ﷺ کی محبت میں سرشار رہا کرتے تھے، لیکن آج اس نشر واشاعت کے دور میں جب کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت مقدسہ دنیا کی تمام مروجہ زبانوں میں شائع ہو چکی ہے اور اکثر ادارے مفت تقسیم کا ثواب حاصل کر رہے ہیں۔ مگر عملی حیثیت سے یہ حال ہے کہ بعض مسلمانوں کے ہاں تو آپ ﷺ کی زندگی کے حالات پر مشتمل کوئی صحیح اور یقینی مجموعہ موجود ہی نہیں (جیسا کہ منکرین حدیث کا نظریہ ہے) اور کئی مسلمان عملی طور پر حضور ﷺ کی پیروی سے محروم ہیں۔

آخر اس عملی روگردانی اور کوتاہی کی وجہ کیا ہے؟ کافی سوچ اور غور وفکر کے بعد احقر کے ذہن میں یہ بات آئی کہ گزشتہ زمانہ میں حسبِ ارشادِ قرآن کریم: وتوقروہ۔[1]　　(الفتح ۴۸:۹)

آنحضرت ﷺ کی عظمت عین ایمان تھی اور آج بعض حلقوں میں رسول کریم ﷺ کو زیادہ سے زیادہ ایک کامیاب فاتح ایک مقنن ایک مصلح یا ایک پیغام لانے والے کی حد تک سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ ﷺ تمام مخلوق سے ہر لحاظ سے اعلیٰ اور اشرف اور ممتاز ہیں۔

جیسا کہ سید احمد بریلوی قدس سرہ العزیز نے اپنے طریقۂ سلوک و بیعت کا نام ''محمدی'' رکھا تھا جس پر ایک ناواقف نے اسی طرح اعتراض کر دیا تھا، اس کا جواب حضرت مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ حضرت بریلوی نے مفصل اور مدلل دیا تھا آپ نے فرمایا: ''سب طریقوں کی نسبت آخر کو حضرت محمد ﷺ تک پہنچتی ہے حقیقت میں سب طریقے محمدیہ ہیں۔''　　(ذخیرۂ کرامت حصہ دوم ص ۲۷۷)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کریم نے اپنی محبت اور آنحضرت ﷺ کی محبت، اپنی رضامندی اور آنحضرت ﷺ کی رضامندی، اپنی اطاعت اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت کو ایک چیز قرار دیا ہے۔

''قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ

[1] اس آیت شریفہ میں یہ ضمیر جناب رسول کریم ﷺ کی طرف بھی راجع ہے اور یہی قول مفسرین اہل سنت والجماعت کا ہے۔ (ترجمہ) اور تم ادب کرو اس (رسول ﷺ) کا۔ (ف، نمبر ۲) عظمت رسول کریم ﷺ کے خلاف بعض حلقوں کی طرف سے ایسی ارادی یا غیر ارادی طور پر بید وجہد کی جارہی ہے کہ اپنے آپ کو محمدی کہلانا بھی برداشت نہیں کیا جاتا اور ہر اس آیت کی تاویل بعید بلکہ تحریف معنوی کی جارہی ہے جس سے رفعت شان محمد ﷺ ثابت ہے اور ہر اس حدیث کو موضوع یا ضعیف قرار دیا جاتا ہے جو صاحب وحی ﷺ کی امتیازی شان ثابت کرتی ہے اور سید دو عالم ﷺ کو محض ایک مبلغ یا داعی کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے جس میں کوئی ممتاز بشری اوصاف نہ ہوں۔ احقر کی ایک کتاب ''با محمد باوقار'' میں ایسے خطرناک امور کی نشاندہی کر کے آیات اور احادیث کا وہی معنی ثابت کیا گیا ہے جو خود صاحب وحی ﷺ نے سمجھا اور جو خیر امت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھایا۔ یہ کتاب طبع ہو گئی ہے۔

بِأَمْرِهِ (التوبۃ: ۲۴) ''آپ فرمادیجئے اگر تمہارے باپ بیٹے بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور حویلیاں جو پسند رکھتے ہو، تم کو عزیز ہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو اس وقت کا کہ اللہ اپنا عذاب لے آئے۔

''وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبۃ: ۶۲) '' اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو لوگ راضی کریں۔ آیات مذکورہ بالا میں ایک ہی ضمیر دونوں (اللہ عزاسمہٗ ومحمد رسول اللہ ﷺ) کی طرف راجع ہے، اسی طرح ایک آیت میں جناب رسول کریم ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے۔

''اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۰) '' جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھوں کے۔

اس کے برعکس خداوند کریم اور رسول کریم ﷺ کی مخالفت کو ایک ہی چیز قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (الانفال: ۱۳) '' اور جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول ﷺ کا تو اللہ کی مار سخت ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ (المجادلہ: ۲۰) '' جو لوگ مخالف ہوتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے وہ لوگ ہیں سب بے قدر لوگوں میں۔ ''وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (الجن: ۲۳) '' اور جو کوئی حکم نہ مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا، سو اس کے لئے آگ ہے دوزخ کی، ہمیشہ رہیں گے اس میں۔''

ان تمام آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ کریم کا احترام اور آنحضرت ﷺ کے احترام کی ایک ہی وجہ ہے، امت کے لئے آپ ﷺ کے سواء اور کوئی راستہ اور ذریعہ ایسا نہیں جس پر چل کر دربار خداوندی تک پہنچ سکے۔ صرف ذات رسول اکرم ﷺ ہی خداوند کریم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ کریم نے جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنے اوامر ونواہی اخبار اور بیان میں اپنا قائم مقام فرمایا ہے۔ اس لئے ان امور میں اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اکرم ﷺ کے درمیان تفریق نہیں کی جاسکتی۔ (الصارم المسلول ص ۴۱، ۴۲، امام ابن تیمیہ)

اس لئے اس سچی تڑپ کے پیش نظر کہ دنیا میں آنحضرت ﷺ کے اس مقام عالی کو پھر آشکارا کیا جائے جو آپ ﷺ کو رب العالمین کی طرف سے حاصل ہے جس فضل عظیم اور رفع ذکر سے قرآن کریم نے آپ ﷺ کو نوازتے ہوئے فرمایا: ''وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء: ۱۱۳) '' اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔

''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الم نشرح: ۴) '' اور ہم نے آپ ﷺ کے لئے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر رسول اکرم ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام سے پوچھی تو انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میرا ذکر ہوگا آپ ﷺ کا بھی ذکر ہوگا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ کریم نے آپ ﷺ کا ذکر دنیا اور آخرت میں بلند فرمایا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے حضور کہا:

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ   فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

خداوند تعالیٰ نے اپنے اسم پاک سے محمد ﷺ کا نام نکالا، عرش کا مالک محمود اور یہ محمد (ﷺ) ہیں۔ (تفسیر خازن)

یہ کتاب رحمت کائنات تحریر کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ آمین!

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہٖ المخلصین الَّذین قال فی حقھم سلام علی المرسلین خصوصاً علی امام الانبیاء والمرسلین الّذی بعثہ الی النّاس الی یوم الدین وعلی اٰلہ واصحٰبہ الّذین صاروا اکرم الخلائق بعد النبیین برویۃ جسدہٖ بعین الیقین والرحمۃ السابغۃ والبرکۃ الکاملۃ علی السعداء الّذین بزدسلامہ صاروا امشرفین اٰمین یا احسن الخالقین''

شروع اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت ہی مہربان اور رحم و کرم والا ہے۔ ساری کائنات اُسی کی رحمت سے پیدا ہوئی اور ساری نعمتیں اسی نے انسانوں کو عطاء فرمائیں۔ مگر سب سے بڑی وہ نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عطاء فرمائی وہ رحمتِ مہدات ہے (ﷺ) جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدیہ اور تحفہ کے طور پر عطاء فرمائی۔ ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ضروری ہے۔ اس لئے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رب العٰلمین'' تمام حمد و ثنا اس اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اسی کے نظام تربیت کے تحت بدن کی تربیّت سے ضروری اس روح کی تربیت ہے جس سے انسانی جوہر نمایاں ہوتا ہے اور اس نظام تربیت کی تعلیم کے لئے جن پاکیزہ محترم انسانوں کو مبعوث فرمایا ان پر ''والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ المخلصین'' رحمت کاملہ اور سلام نازل ہوتا رہے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں میں سے ایک مقصد عظیم کے لئے چن لیا ہے اور ان کے لئے سب انسانوں کو حکم دیا ہے کہ ''قال فی حقھم سلام علی المرسلین'' ان مقتدر پاک بازوں پر ہمیشہ سلام پڑھتے رہو جب تک دنیا آباد ہے۔ ان پر سلام کہتے رہو مگر اس ذات عالی صفات پر خصوصاً علی امام الانبیاء والمرسلین جو کہ سب رسولوں اور نبیوں کے امام ہیں جس کا عملی مظاہرہ شب معراج بیت المقدس میں کرایا گیا ہے اور ان کی رسالت اس وقت تک رہے گی جب تک ''الذی بعثہ الی کافۃ للنّاس الی یوم الدین'' انسان اس کرۂ ارضی پر آباد ہیں اور جب تک شمس و قمر کا طلوع ہوتا رہے گا اور کامل رحمت اور برکت نازل ہوتی رہے گی۔ ''وعلی اٰلہٖ واصحابہ الذین صاروا اکرم الخلائق بعد النبیین'' آپ کے گھرانے اور ان ساتھیوں پر جن کا درجہ عظمت اور فضیلت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد مخصوص اور متعین ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے رُخِ پُر جمال حضور پُرنور ﷺ کا شرف حاصل کیا اور ان سعادت مندوں پر بھی کامل رحمت اور برکت کا نزول ہوتا رہے جو درود شریف میں اور روضہ عالی کے پاس حاضر ہو کر سلام پیش کرتے ہیں اور حضور انور ﷺ کے جواب باثواب سے مشرف ہوتے ہیں۔ ''والرحمۃ السابغۃ والبرکۃ الکاملۃ علی السعداء الّذین بزدسلامہ صاروا امشرفین'' آمین! ہماری اس دعا اور درخواست کو قبول فرما۔ اے وہ ذات عالی جو کہ سب سے بہترین پیدا کرنے والی ہے بلکہ تو ہی خالق ہے اور اگرچہ تیری ہر مخلوق حسین ہے مگر جسے تو نے سب کے لئے اپنی قدرت کاملہ کا عظیم شاہکار بنا کر مبعوث فرمایا اور جس کے پیروکاروں کو بھی اپنا محبوب ہونے کی بشارت دی، اس پر ہمیشہ ہمیشہ صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ ہم گنہگاروں کی طرف سے پیش فرماتا رہ۔

اسی سراج منیر کی روشنی قیامت تک جلوہ افروز رہے گی اور اسی روشنی میں منزل مقصود (رضائے الٰہی) تک رسائی ہو سکے گی، جس کا اعلان آج دنیا میں تقریباً ایک ارب انسان ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی نداءِ پُرضیاء سے کررہے ہیں کہ جب تک اور جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی الوہیت پُرجلال ہے وہاں تک اور وہیں وہیں محمد ﷺ کی رسالت پُرجمال ہے اور رہے گی اور اسی نبوت کاملہ اور رسالت دائمہ کا اعلان روزانہ ہر وقت لیل ونہار بر وبحر میں شہادتین کے اظہار میں کیا جاتا ہے کہ ہر مؤذن اذان میں جس طرح توحید باری کی شہادت کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ہمیشہ رہے گی، اسی طرح وہ رسالتِ سیدِ دوعالم ﷺ کی شہادت کا بھی اعلان کرتا ہے کہ آپ جس طرح چودہ سو سال پہلے رسول تھے آج بھی رسول ہیں۔ (ﷺ) ہر سننے والا مسلمان اسی اذان کی قولی اجابت ان کلمات میں کرتے ہوئے اپنے ایمانِ کامل کا اظہار کرتا ہے کہ: ''نبیُ اللہ حیٌ'' اللہ تعالیٰ کا نبی آج بھی زندہ ہے۔ نبی رحیم ﷺ نے امت کو اپنے ساتھ تعلق قائم رکھنے کے لئے کلمہ شریف اور درود شریف زیادہ پڑھنے کا حکم فرمایا، تاکہ اُمت کا تعلق ہر وقت سیدِ دوعالم ﷺ کے ساتھ قائم اور استوار رہے۔ امت کو درود شریف پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تم جب میرے قریب پڑھو گے تو میں خود سنوں گا اور اس کا جواب دوں گا اور دور سے پڑھو گے تو مجھے فوراً پہنچادیا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جب آپ دنیا میں رونق افروز ہیں تو ہم جو قُرب سے مشرف ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں مگر وہ جو دور ہیں یا جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو پھر یہ مبارک اور ضروری ربط اور جوڑ کس طرح رہ سکے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا میرے روح کی طرح میرا بدن بھی قبر میں سلامت رہے گا، تمہارا صلوٰۃ وسلام نہ صرف میرا روح سنے گا بلکہ یہ مبارک کان بھی سنیں گے اور جس طرح تم اس دنیا میں میرے جواب کا شرف حاصل کرتے ہو میرے اس دنیا سے بہترین زندگی کی طرف چلے جانے کے بعد بھی سلام کے جواب سے مشرف ہوتے رہو گے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ وکرمہٖ چودہ سو سال سے یہ سلسلۂ ربط اور تعلق سعادت مند امت کا قائم ہے اور قائم رہے گا جس پر امت کا عمل تواتر اور توارث کے ساتھ قائم ہے۔

آج سے تقریباً ستر (۷۰) سال پہلے بعض ان لوگوں نے جو نور بصیرت سے محروم تھے اور عقیدت سے بھی محروم تھے، اس مقدس اور بابرکت ضروری ربط کو توڑنے کی ناکام کوشش یوں کی کہ کبھی تو درود شریف کی فضیلت کا انکار کردیا اور ان صحیح متواتر روایات کو موضوع تک کہنے میں بھی باک نہ سمجھا اور پہلے دبی زبان میں اور اب کھل کر یہ ہانکنا شروع کردیا ہے کہ روضۂ اطہر میں اگر جسدِ مبارک سلامت ہے بھی تو پھر قوت سماع اس میں موجود نہیں اور اسی کو کمالِ توحید سمجھا۔

اس گنہگار اُمتی نے ان کے دبے ہوئے ارادے کو ان کی تقریر اور تحریر کی طرز سے جو سراپا گستاخی پر مبنی تھی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بھانپ لیا اور اس عقیدۂ حیات النبی ﷺ پر مضامین لکھنے شروع کئے جو دوسرے علمی رسائل کے علاوہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں بھی شائع ہوتے رہے۔ ساتھ ہی رحمت خداوندی سے ایک کتاب بہ نام ''رحمت کائنات'' لکھی (جس کا یہ بارہواں ایڈیشن ہے) اس مبارک نام کی سب سے پہلی یہی کتاب شائع ہوئی

جو چھوٹے سائز کے صرف ۸۸ صفحات پر مشتمل تھی مگر اس کی قبولیت کا یہ عالم تھا کہ جلیل القدر علما کرام اور اولیا عظام نے اپنی دعاؤں سے نوازا اور اس کے مطالعہ کو باعث ازدیادِ ایمان اور حب نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) کے اضافہ کا سبب قرار دیا۔ رات کی خلوتوں میں اس کے مطالعہ سے سرور ایمانی اور روحانی لذت حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے قرب سے نوازا۔ جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتیٔ اعظم اور پاکستان کے مفتی اعظم، مفسر قرآنِ عزیز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ کے بارہ میں ان کے خلف الصدق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم نے اپنے ایک گرامی نامہ میں فرمایا: ''آنجناب کی کتاب رحمت کائنات احقر نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے سرہانے اس وقت دیکھی تھی کہ جب اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا اور کافی دنوں تک وہ حضرت والد صاحب کے سرہانے رکھی رہی اور وقت ملنے پر وہ اس کا مطالعہ فرماتے تھے، احقر کو اسی وقت سے آنجناب سے عقیدت اور محبت کا تعلق ہے۔''　　(مولانا مفتی) محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۹ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ / یکم مئی ۱۹۹۳ء

اس مبارک کتاب کی مقبولیت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا اور اہل ایمان اور اصحاب ایقان کی طلب زیادہ سے زیادہ ہوتی رہی۔ چنانچہ اب اس کا گیارھواں ایڈیشن بھی ختم ہو رہا ہے اور اب بارھواں ایڈیشن نور افزاء ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید مقبولیت سے نوازے اور اس گنہگار امتی کی مغفرت اور شفاعتِ رؤف و رحیم کے لئے قوی ذریعہ بنائے۔ آمین!

روز قیامت ہر کسے در دست دارد نامہ　　من نیز حاضر مے شوم اوراق رحمت در بغل

''قیامت کے دن ہر آدمی اپنا اپنا نامۂ اعمال تھامے ہوئے حاضر ہوگا اور یہ گنہگار رحمت کائنات کے اوراق بغل میں دبائے ہوئے حاضر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!''　　احقر العباد: قاضی محمد زاہد الحسینی

ف ۱: یہ مقدمہ حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اپنے قلم مبارک سے طباعت بارہم کے لئے لکھا تھا، اسے من وعن نئی طباعت میں شامل کر رہے ہیں۔

ف ۲: حضرت رحمہ اللہ کے قلم سے مقدمہ برائے اشاعت ہشتم انتہائی ضروری امور پر مشتمل ہے، اس لئے اسے بھی شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔　　احقر العباد: قاضی محمد ارشد الحسینی

مقدمہ

برائے آٹھویں اشاعت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔اَمَّا بَعْدُ!

احقر نے آج سے تقریباً چالیس سال پہلے دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ دارالعلوم میں ایک پاکیزہ مضمون بہ عنوان ''سیرت مقدسہ کا اعجازی پہلو'' لکھا جو کئی اقساط میں شائع ہوا،اس عنوان کی تشریح یہ تھی کہ: ''جو سعادت مند سید دو عالم ﷺ کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا وہ یقین کرے کہ اس نے سید دو عالم ﷺ ہی کو خواب میں دیکھا۔'' اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔اس پر کئی واقعات بطور دلائل کے پیش کئے گئے۔اس مضمون کو ہر مسلمان نے (جسے رسالہ کے مطالعہ کی سعادت ملی تھی) نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کے بارہ میں حُب رحمت دو عالم ﷺ کے زیادہ ہونے کو محسوس کیا۔مگر بعض لوگوں نے متواتر اور متوارث عقیدہ کے خلاف زبانی اور تحریری طور پر تنقیدی طرز اختیار کیا۔

اسی عرصہ میں جامعہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں ایک مقرر صاحب نے اپنی تقریر میں کچھ اس طرح کہہ دیا کہ: ''رسول کریم ﷺ اسی طرح فوت ہو چکے ہیں جس طرح باقی انسان فوت ہو جاتے ہیں۔روضہ اقدس پر سلام کہنے والے کا سلام نہیں سنتے۔وغیرہ!''

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ جامعہ خیر المدارس کے مہتمم استاذ العلماءؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری (نور اللہ مرقدہٗ) نے اسی جلسہ ہی میں اعلان فرمایا کہ: ''یہ عقیدہ مسلک علماء دیوبند کے خلاف ہے،اس لئے کہ ان کے ہاں سید دو عالم ﷺ کو برزخ میں جسمانی حیات حاصل ہے اور وہ قبر مبارک کے قریب سلام کہنے والے کا سلام سماع فرماتے ہیں۔''

احقر نے اس امر کی تصدیق کے لئے حضرت کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا تو حضرت نے مندرجہ ذیل جواب ارشاد فرمایا: ''آپ کی شنید صحیح ہے،آپ کا تاثر میرے قلب کی ترجمانی ہے۔'' (گرامی نامہ محررہ ۸؍محرم ۱۳۷۷ھ)

احقر نے ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند ہی میں اسی موضوع کی تشریح میں اس عقیدہ کو مدلل طور پر تحریر کیا جو کئی اقساط میں شائع ہوتا رہا۔دوسری جانب معاندین نے بھی دارالعلوم دیوبند کی آڑ میں اس عقیدہ کی مخالفت میں مضامین لکھنے شروع کر دیئے جس سے ملک بھر میں دارالعلوم دیوبند کے متعلقین میں شدید اضطراب پیدا ہوا اور انہوں نے ''دارالعلوم'' دیوبند کو صحیح مسلک کی وضاحت کے لئے کئی خطوط لکھے۔چنانچہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند کے مدیر اعلیٰ حضرت علامہ انور شاہ رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند علامہ سید محمد ازہر شاہ رحمہ اللہ نے احقر کو مندرجہ ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا: ''متعدد خطوط مضمون کے لئے لکھ چکا ہوں اس درجہ اصرار کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پڑھنے والوں کی طرف سے مضمون کا تقاضا ہے۔'' (مؤرخہ ۲۶؍اگست ۱۹۵۷ء)

چنانچہ احقر نے اسی موضوع پر مزید کئی اقساط لکھ کر ''دارالعلوم'' کے لئے بھیجیں جو نہ صرف شائع کی گئیں بلکہ اس مضمون کو مسلک حقہ کا ترجمان سمجھ کر شائع کیا گیا جسے اساتذہ دارالعلوم دیوبند کی ایک مجلس خصوصی نے منظور فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علامہ سید محمد ازہر شاہ صاحب مرحوم ایڈیٹر ماہنامہ ''دارالعلوم'' نے ارشاد فرمایا: ''نحمدہ ونصلی'' مسئلہ حیات النبی ﷺ پر پاکستان کے اہل علم حضرات میں یہ بحثیں چل رہی ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند کے پاس پچھلے دنوں پاکستان سے بہت سے حضرات نے خطوط لکھے اور درخواست کی کہ حضرت موصوف اس مسئلہ پر اکابر دیوبند کے مسلک کی وضاحت فرمائیں۔ اکابر علمأ دیوبند ان خطوط اور مسئلہ مذکور پر غور کر رہے تھے کہ رسالہ ''دارالعلوم'' کے لئے محترم مکرم مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی زیدمجدہٗ کا مضمون پہنچا جس میں اس مسئلہ کو کمال محبت وعقیدت اور تحقیق علمی کے ساتھ بیان کیا گیا تھا۔ اساتذہ دارالعلوم کی ایک مجلس میں حضرت قاضی صاحب کا یہ مضمون پڑھا گیا اور سب نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ یہ مضمون مسلک اور علمی تحقیق کے اعتبار سے کافی وشافی ہے، اسی کو رسالہ ''دارالعلوم میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ بزرگان دیوبند کا مصدقہ یہ مضمون رسالہ ''دارالعلوم'' میں شائع ہوا اور دور دور سے اہل علم اور ذی فہم حضرات نے اس مضمون کی تعریف وتوصیف میں خطوط رسالہ ''دارالعلوم'' کو لکھے۔ (سید محمد ازہر شاہ قیصر)

اگر چہ اس عقیدہ پر رسالہ ''دارالعلوم'' دیوبند میں یہ مضمون باقاعدہ شائع ہوتا رہا مگر برِ صغیر کی تقسیم کی وجہ سے یہ ماہنامہ بہت ہی کم تعداد میں صرف اہل علم حضرات تک پہنچتا تھا، اس لئے عام احباب کی طرف سے اسے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کی رائے کا اظہار کیا گیا تو احقر نے پہلی بار رحمت کائنات کے مبارک نام سے صرف ۸۷ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ شائع کیا جو صرف چند دنوں میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد بحمد اللہ اس مبارک کتاب کے کئی ایڈیشن طبع ہوئے جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اب یہ نئی اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی حسب سابق شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین!

ایک گنہگار مگر سعادت مند اُمتی

قاضی محمد زاہد الحسینی

جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ/نومبر ۱۹۹۲ء

رحمت کائنات ﷺ کا تعارف رب کائنات کے ارشاد میں

''وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (الانبیاء:۱۰۷)'' اور ہم نے آپ ﷺ کو سب جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

رحمت کائنات ﷺ کا تعارف اپنے ارشادات میں

''الاوَ اَنَا حَبِیْبُ اللهِ وَ لَافَخرَ وَ اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَحْتَہٗ آدَمُ فَمَنْ دُونَہٗ وَ لَافَخرَ وَ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ وَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَ اَوَّلُ مُشَفَّعٍ'' (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ﷺ)

''یاد رکھو میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں (اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں) اور میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا جھنڈا قیامت کے دن اٹھانے والا ہوں جس کے نیچے آدم اور اولاد آدم ہوگی (اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں) اور میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں ہی وہ ہوں جس کی قبر سب سے پہلے کھلے گی اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔''

''وَ مُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ'' اور محمد ﷺ پر ایمان لانا ہی کافر اور مسلمان کے درمیان حدِ فاصل ہے۔

(مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنہ)

''انا نبی الرحمۃ انا رسول الرحمۃ'' میں رحمت کا نبی ہوں، میں رحمت کا رسول ہوں ﷺ۔

''انا اکرم الاوّلین و الآخرین علی اللہ و لافخر'' میری عزت اللہ تعالیٰ کے ہاں سب پہلے اور پچھلے لوگوں سے زیادہ ہے اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں۔

''و اُرسِلتُ الی الخلقِ کافۃً و ختم بی النبیّون'' اور مجھے سب مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور میرے آنے سے سب نبی ختم کر دیئے گئے۔

''اِنّما انا رَحْمَۃٌ مُھْداۃٌ'' میں اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت ہوں جو اس نے مخلوق کو عطاء کی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے اپنی نبوت کاملہ، خاتمہ کا یوں تعارف فرمایا: ''ما بین السَّماءِ وَ الْاَرْضِ احدٌ الّا یعلم انّی رسول اللہ الاعاصی الجنّ و الانس'' زمین و آسمان کی ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مگر نافرمان جن اور انسان (نہیں جانتے) ﷺ۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۱۱)

ارشاد عالی میں فرمایا: ''اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللهُ بِیَ الْکُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَ اَنَا الْعَاقِبُ وَ الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ'' میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں مٹانے والا ہوں (اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا) اور میں حاشر ہوں (سب لوگ میرے قدموں پر اکٹھے کئے جائیں گے) اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کسی کو نبوت نہ دی جائے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) (بخاری و مسلم)

رحمتِ دو عالم ﷺ کے حضور

وارث علوم نبوت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دار العلوم دیو بند کا غلامانہ ہدیہ عقیدت

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں
امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہ ابرار
تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تو نور دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
جِلَو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
بجا ہے اگر تم کو کہئے مبدء الآثار
لگا تا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا
اگر وجود نہ ہوتا تمہارا آخر کار
سما سکے نہ تیری خلوت میں کب نبی و ملک
خدا غیور تو اس کا حبیب اور اغیار
کہاں بلندئ طور اور کہاں تیری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمین و آسماں ہموار؟

کتاب کے مضمون کا خلاصہ

☆ ...... موت فنا کا نام نہیں بلکہ ہر مرنے والا دوسری زندگی میں منتقل ہو جاتا ہے جس کا نام برزخ ہے۔ یعنی (پردہ) وہ زندہ لوگوں کو نظر نہیں آتا مگر زندہ ہوتا ہے، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں فرمایا کہ شہید زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے۔

☆ ...... عام انسان اسی برزخ میں قیامت تک رہیں گے۔ (المؤمنون:۱۰۰) مگر بعض سعادت مند ادھر فوت ہوئے، اُدھر جنت میں چلے گئے۔ جیسا کہ (یٰسین:۲۶) میں ایک سعادت مند کا ذکر ہے کہ اسے اسی وقت جنت میں داخل کر دیا گیا اور بعض بدبخت سیدھے دوزخ میں چلے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم ادھر ڈوبی اور ادھر آگ میں داخل کر دی گئی۔ (نوح:۲۵)

☆ ...... عام انسانوں کے یہ دنیاوی بدن گل جاتے ہیں، ہڈیاں ہو جاتے ہیں یا بعض بدبخت جلا کر راکھ بنا دیئے جاتے ہیں، مگر ان کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے تاکہ عذاب کو محسوس کریں۔

☆ ...... بعض سعادت مندوں کے یہ بدن سلامت رہتے ہیں اور روح کا تعلق ان کے ساتھ رہتا ہے تاکہ جنت میں ملنے والی نعمتوں کا لطف اٹھائیں، سلام کہنے والوں کو جواب دیتے ہیں۔

☆ ...... تمام انبیاء علیہم السلام کے بدن اسی طرح سلامت ہیں اور ان کے روح کا تعلق بہت زیادہ ان کے ساتھ ہے، ان پر سلام کہنا ضروری ہے اور ان کو زندہ سمجھنا ضروری ہے۔

☆ ...... امام الانبیاء ﷺ روضۂ اقدس میں آج بھی زندہ ہیں، آپ ﷺ کو آج بھی اُسی طرح اللہ تعالیٰ کا رسول ماننا ضروری ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے ضروری تھا۔ کلمہ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا معنی آج بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہر مؤذن آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دے کر گویا یہ اعلان کرتا ہے کہ آپ آج بھی رسول ہیں۔

☆ ...... ہر اس مسلمان کے لئے جو طاقت رکھتا ہو یہ واجب ہے کہ مدینہ منورہ جا کر روضۂ اقدس کی زیارت کرے۔

☆ ...... جو سعادت مند روضۂ اقدس کے پاس آپ ﷺ پر سلام پڑھتا ہے، حضور انور ﷺ خود سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں جسے بعض سعادت مند سن بھی لیتے ہیں۔

☆ ...... آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا آپ کے ساتھ عشق اور محبت کی علامت ہے، جہاں بھی کوئی درود شریف پڑھتا ہے، اس کے نام کے ساتھ خدمت اقدس میں فوراً پہنچا دیا جاتا ہے اور اسے قیامت میں آپ کا قرب حاصل ہوگا۔

☆ ...... جس خوش بخت کو سید دو عالم ﷺ کی زیارت خواب میں یا عالمِ مثال میں ہوجائے، وہ یقین کرے کہ اسے آپ ہی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اور جو آپ فرمائیں اسے حق سمجھے۔

''وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَھُوَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم''

رحمت کائنات ﷺ اکابر علمائے اُمت اور صلحائے ملت کی نظر میں

(۱) دورِ حاضر کے امام الاولیاء صاحب کشف و کرامات قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا:

مخدومی و مکرمی قاضی محمد زاھد الحسینی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے رحمتِ کائنات میں رحمۃ للعالمین علیہ السلام کے مزار مقدس کے اندر حضور ﷺ کے جسد عنصری میں بعینہٖ دنیاوی زندگی کی طرح روح کا موجود ہونا ثابت کیا ہے اور اس پاکیزہ مقصد کے ثبوت میں آپ نے احادیث، آثار، اقوال سلف اور خلف اور برزخی واقعات کا ایک عجیب مجموعہ جمع کر کے بے نظیر گلدستہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس مسئلہ میں حق تلاش کرنے والے کو اس گلدستہ سے یقین کامل ہوجائے گا کہ حضور انور ﷺ کی حیات طیبہ جیسی سطح زمین پر تھی، ویسی ہی مزار اقدس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس سعی بلیغ کی دارین میں جزاء خیر عطاء فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین! احقر الانام احمد علی عفی عنہ

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

(۲) مرشد العلماء حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

''احقر تو ان حضرات (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ ہی ہے جو ان اکابر کا عقیدہ ہے، وہی احقر کا عقیدہ ہے۔ آپ اپنا عقیدہ علماء دیوبند ہی کا رکھیں یہی عقیدہ صحیح ہے۔'' ۱۷ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ/ ۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء لاہور

(۳) بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

مکرم و محترم مد فیوضکم بعد سلام مسنون! پیکٹ مرسلہ رحمت کائنات دو عدد پہنچ کر موجب منت ہوا حضرت اقدس رائے پوری دام مجدہم کے نام کا نسخہ حضرت کی خدمت میں اسی وقت پیش کر دیا۔ یہ ناکارہ دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل و کرم سے مساعی جمیلہ کو مثمر برکات بنائے اور دونوں جہانوں میں اس مبارک جدوجہد کی بہترین جزائے خیر اپنی شایان شان عطاء فرمائے۔ والسلام! (زکریا مظاہر العلوم ۳۰ ر جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ)

(۴) استاذ العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

رحمت کائنات ابھی پہنچی اور مطالعہ سے بھی فارغ ہوا مطالعہ کر کے دل خوش ہوا اور دعائیں دیں اللہ کریم آپ کو ایسی خدمات کے لئے تا دیر سلامت رکھے۔ آمین! (۱۵؍جون ۱۹۵۸ء)

(۵) مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ رحمت کائنات مصنفہ مولانا محمد زاہد الحسینی کا تقریباً پورا مطالعہ کیا حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ پر نہایت نافع اور مفید تحقیقات جمہور اہل السنۃ والجماعت کے عقیدہ کے مطابق جمع کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرماویں۔ مسئلہ کے متعلق تحقیقات کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کے تا قیامت باقی رہنے والے فیوض و برکات اور آثار حیات کا ذکر آیا ہے وہ خود ایک مفید مضمون ہے جس سے رسول اکرم ﷺ کی عظمت و محبت مومن کے قلب میں بڑھتی ہے جو سرمایہ سعادت دنیا و آخرت ہے۔ (رزقنا اللہ تعالیٰ) مجھے بھی اس سے بڑا نفع پہنچا دل سے دعا نکلی۔

(بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی، ۱۴؍ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ)

(۶) حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

رسالہ کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ الحمدللہ! رسالہ کا ہر ہر حرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ جناب کے عشق و محبت اور اخلاص کا ترجمان نظر آتا ہے۔ مطالعہ کی برکت سے احقر اپنے قلب میں بھی محبت نبوی ﷺ میں ترقی و اضافہ محسوس کرتا ہے۔ اللھم زد فزد! (۳؍جون ۱۹۷۸ء)

(۷) حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ارشد اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

کے تلمیذ رشید حضرت محمد انوری نے رحمت کائنات کے مطالعہ سے جو برکات حاصل کی ہیں، وہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں: ''عجب اتفاق ہے رحمت کائنات دیکھ رہا تھا۔ غالباً ۳؍رمضان المبارک تھا، دوپہر کا وقت تھا، قیلولہ کیا۔ آنحضرت سرور کائنات ﷺ کی زیارت مبارک سے مشرف ہوا۔ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کا نام یاد رہ گیا ہے۔ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ کی تحقیق پر خوشی کا اظہار فرمایا اور بشارات سنائیں۔'' (محمد عفی عنہ ۱۶؍رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ یوم الخمیس)

(۸) خطیب اسلام یادگار سلف مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ''المھند'' وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسدِ عنصری زندہ ہیں، جو حضرات اس کے خلاف ہیں۔ وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ (محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند حال وارد ملتان (پاکستان) ۴؍ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ)

(۹) انہیں ایام میں جب احقر معتکف تھا تو استاذ محترم مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں فرمایا: ''لوگ مرتے ہیں تو مرتے رہیں، آپ حیات پر لکھتے رہیں۔''

(۱۰) شیخ العرب والعجم حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ گرامی قدر

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم

صدر جمعیۃ العلماء ہند و اُستاد حدیث دارالعلوم دیو بند

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا وَ مولانا محمد وَ علیٰ الہٖ و أصحابہٖ أجمعین۔ أمّا بعد!

رحمۃ العالمین حضرت سیدنا محمد ﷺ کی سیرت مبارکہ کے ہر عنوان کا تذکرہ عبادت اور دارین کی سعادت مندی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات عالی کے وصف کا تذکرہ اور پاسِ ادب امت پر آپ ﷺ کا حق ہے۔

حضور ﷺ کے اس عالم فانی سے پردہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ کے جسدِ مبارک کو عالم برزخ میں دنیوی برزخی حیات حاصل ہے۔ اس حیات مبارکہ پر اجماع اُمت ہے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے آج تک علماء دیو بند کا یہی عقیدہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے اکابر اہل السنت والجماعت علمائے دیو بند سے نسبت کے مدعی اس عقیدہ سے نہ صرف منکر ہیں بلکہ اپنی صلاحیتوں کو اسی انکار کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔

پاکستان میں جب یہ فتنہ اٹھا تو علمائے دیو بند نے اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے۔ مخدومنا المکرم فاضل دیو بند شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نور اللہ مرقدہٗ کو کہ انہوں نے اس فتنہ کا تعاقب کرتے ہوئے قلم اٹھایا اور ''رحمت کائنات ﷺ جیسی وقیع کتاب لکھی۔

کتاب ''رحمت کائنات ﷺ نہ صرف مسئلہ حیات النبی ﷺ پر ایک مدلل اور جامع کتاب ہے بلکہ اس کا مطالعہ حب نبوی ﷺ کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔

اِس مبارک کتاب ''رحمت کائنات ﷺ'' کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ مؤلف کو مکاشفہ میں آنحضرت ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے دربار میں اس کتاب کی مقبولیت کی خوشخبری سنائی۔

اس عظیم البرکات کتاب کا مطالعہ عوام وخواص کے لئے۔ بے حد مفید ہے کیونکہ اس سے عقیدۂ صادقہ کا تحفظ ہوگا۔

احقر بھی ارباب مدارس وخانقاہ اور تمام دینی و دیو بندی حلقوں سے گزارش کرتا ہے کہ چونکہ اس مذکورہ عقیدہ کا تحفظ مسلمات میں سے ہے، اس لئے تا بمقدور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کا رد کریں۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر کتاب ''رحمت کائنات ﷺ'' اکابر وقت سے تائید وتحسین حاصل کر چکی ہے بلکہ کتابی صورت میں اشاعت سے پہلے مضامین کی صورت میں یہ کتاب دارالعلوم دیو بند کے ترجمان ''ماہنامہ دارالعلوم'' دیو بند میں بھی چھپتی رہی ہے۔

اب ''رحمت کائنات ﷺ'' کا انیسواں ایڈیشن حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی برکاتہم کی زیر سرپرستی زیور طبع سے آراستہ ہو رہا ہے۔ کتاب کی خوبصورت جلد اور عمدہ کتابت موصوف کے اعلیٰ دینی ذوق کی شاہد ہے۔ دل سے دعاء ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول فرمائے اور حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے لئے رفع درجات کا وسیلہ بنائے۔ آمین!

(۱۱) یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد اصلح الحسینی دامت برکاتہم (کراچی)

تلمیذ رشید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فاضل دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد!

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ دورۂ حدیث میں میرے ساتھی ہیں۔ میں نے انہیں اس زمانہ سے علم و تقویٰ میں راسخ پایا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے جو تعلق اور عقیدت انہیں تھی وہ سب کو معلوم ہے۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے درس و تدریس اور دوسری دینی خدمات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی اعلیٰ ذوق عطاء فرمایا تھا، ان کے قلم سے کئی محققانہ، علمی اور اصلاحی کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ ''رحمت کائنات'' ان کی مشہور اور مقبول عام کتاب ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ برزخیہ جسمانیہ کو قرآن، حدیث اور ائمہ اسلاف کی تحقیقات کی روشنی میں نہایت عمدہ اور محققانہ طریقہ سے ثابت کیا ہے یہ کتاب جہاں عقیدہ حیات النبی ﷺ کو ثابت کرتی ہے، وہیں عقیدت سے مطالعہ کرنے والے کے دل کو حضور نبی کریم ﷺ کی محبت سے بھی سرشار کرتی ہے۔ دل سے دعاء ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نافع فرمائیں۔ آمین! میں اس تقریظ کو اپنے لئے باعث نجات سمجھتا ہوں۔ محمد اصلح الحسینی، حال وارد دارالعلوم کبریاء، اسلام آباد

۲۰ رشوال ۱۴۳۴ھ / ۲۷ راگست ۲۰۱۳ء

(۱۲) حضرت مولانا حافظ محمد طیب فیض آبادی دامت برکاتہم (دیوبند)

خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

حضرت علامہ سید محمد زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف کردہ کتاب ''رحمت کائنات'' نہایت آسان دلکش اسلوب بیان اور عاشقانہ انداز میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔ عقیدہ حیات النبی ﷺ پر عام فہم اور مدلل بحث کتاب میں ہے۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین) ضیوف الرحمٰن حجاج و معتمرین کرام اگر عازم سفر ہوتے ہی دو تین مرتبہ کتاب کو پڑھ کر، سن کر، مطالعہ کر کے، سفر شروع کریں اور کتاب کو اپنے ساتھ رکھیں۔ وقتاً فوقتاً اس مبارک سفر میں دیکھتے رہیں تو امید ہے کہ حب النبی ﷺ اور اللہ پاک سے سچے عشق کی بہت بڑی دولت حاصل کر کے وطن کی طرف واپس ہوں گے۔ ہم نے اس کتاب کو سنا یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ حیات انبیاء علیہم السلام کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلاء ہیں۔ اگر وہ بھی بنظر انصاف کتاب کا مطالعہ کریں تو ازالہ شبہات میں تیر بہدف پائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

منتظر نظارے ہیں چشم خمار آلود کھول ۔۔۔ اٹھ کلید فتح بن قفل در مقصود کھول

''والحمد للہ اولاً و اخراً ظاہراً وباطنا والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد المصطفیٰ والہ المجتبیٰ واصحابہ واز واجہ والذین التبعوھم باحسان فی الھدیٰ ھذا ما امر بکتابۃ الحاج مولانا حافظ محمد طیب فیض آبادی زاد مجدہ خلیفہ ومجاز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (نور اللہ مرقدہ) رقمہ بقلمہ احقر الزمن العبد محمود حسن بلند شھری غفر اللہ لہ ولو الدیہ واحسن الیھما والیہ خادم دار الافتائ دار العلوم دیو بند۔ (۱۰ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ الموافق ۱۱ر اپریل ۲۰۱۴ء یوم الجمعہ قبیل صلوٰۃ الفجر)

(۱۳) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ کا حیات النبی ﷺ پر یقین و اعتماد

تحصیل لیاقت پور کے قصبہ اسلام پور میں شیعہ سنی کے درمیان مناظرہ ہونے والا تھا کہ اسی تاریخ کو امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی اس علاقہ میں تقریر کا اعلان ہوا جس میں شیعہ اور سنی بھی شریک ہو گئے۔ حضرت امیر شریعت نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: ''میں جنگ لڑنے نہیں آیا اور نہ ہی مناظرہ اور مباحثہ کا قائل ہوں نہ براہان اور دلائل کے زور سے کسی کو کوئی بات منوانے کے لئے تیار ہوں۔ شیعہ حضرات سے صرف اتنا کہوں گا کہ دو چار آدمی اپنی طرف سے ایسے تیار کریں جو صالح فطرت ہوں۔ میں ان کے ساتھ مدینہ منورہ جانے کو تیار ہوں۔ وہاں سرکار دو عالم ﷺ کے آستانہ مقدس پر عرض کیا جائے گا کہ حضور اصحاب ثلاثہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔ اگر حضور ﷺ نے جواباً فرمایا کہ یہ میرے ہیں تو پھر تمہیں بھی ان پر ایمان لانا پڑے گا۔ اگر حضور ﷺ نے کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا تو پھر میں تمہارا ہی مسلک اختیار کرلوں گا۔''

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا تھا کہ جلسہ گاہ کی فضا اللہ اکبر! کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی اور اس کا یہ اثر مرتب ہوا کہ پھر کبھی مناظرانہ انداز میں وہاں پر جلسے جلوس منعقد نہ ہوئے اور تمام سامعین پر یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بلکہ تمام اکابر علماء دیوبند حیات انبیاء علیہم السلام کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ یہ عقیدہ ان کے نزدیک اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند سے لے کر (سابق) مہتمم دار العلوم دیوبند قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تک سب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور پرنور سرور کائنات ﷺ روضہ اقدس میں حیات حسی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر حصہ دوم ص ۲۰۲)

خیال یہ تھا کہ جن اہل علم کو اس عقیدہ کے سمجھنے میں مغالطہ لگا ہے وہ رجوع کرلیں گے مگر اس کے برعکس ایک خاص طبقہ نے اس عقیدۂ مسلمہ کی مخالفت میں رسائل لکھے اور تقاریر میں اس کے خلاف بہت کچھ کہا جس کے دفاع کے لئے اور تائید عقیدۂ حقہ کے لئے بھی علماء کرام نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے:

''مقام حیات'' مؤلفہٗ علامہ خالد محمود صاحب

''تَسْکِیْنُ الصُّدُوْر'' مؤلفہٗ مولانا محمد سرفراز خان شیخ الحدیث گوجرانوالہ

''عَقِیْدَۃُ الْمُحَدِّثِیْن'' مؤلفہٗ مولانا سید میرک شاہ صاحب کشمیری مرحوم سابق مدرس دار العلوم دیوبند کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں

(بعد میں مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری (ملتان) نے ایک کتاب ''حَیَاتُ الْاَ مْوَاتْ'' لکھی) مگر ان کتابوں کی اشاعت پر وہ لوگ جو دبی زبان سے صرف ''حیات النبی ﷺ'' کا انکار کرتے تھے، اب وہ صاف حساب قبر اور دوسرے برزخی عقائد کا انکار کرتے ہوئے احادیث کا انکار کرنے لگے۔ جیسا کہ صحیح احادیث کے مطابق اُمت کا جو عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ ان کی قبور میں بالکل سالم رہتے ہیں، اس کے خلاف یہ لکھا گیا ہے کہ: ''حضرت یوشع علیہ السلام نے فتح اریحاء کے بعد جب نابلس پر قبضہ کیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں ان کی وصیت کے مطابق وہاں دفن کر دیں۔ یہ ہڈیاں مصر سے نکلتے وقت وہ ساتھ لائے تھے۔'' (الادلۃ القویہ ص ۶۸)

یعنی نبی علیہ السلام کے گوشت کو مٹی کھا گئی تھی اور وہ صرف ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے تھے۔ (العیاذ باللہ)

صحیح احادیث کی روشنی میں جو عقیدہ امتِ محمدیہ کا آج تک چلا آتا ہے کہ مسلمان کو دفن کر دینے کے بعد اس کی قبر یا تو جنت کا ایک باغ بن جاتی ہے یا آگ کا ایک گڑھا اور نافرمان مسلمان کو قبر میں سزا دی جاتی ہے۔ کافروں پر زہریلے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں، اس کے خلاف لکھ کر ان صحیح احادیث کا اس انداز میں استخفاف کیا گیا ہے کہ یہ انداز منکرین حدیث کے ہاں بھی ناپسندیدہ رہا ہے۔ جیسا کہ: ''نیز یہ فرمائیں کہ وہ حدیث تو صحیح ہے جس میں آتا ہے کہ اس عذاب کی آواز جن و دوابؔ[1] کے سواء سب ہی سنتے ہیں تو وہ آواز تو دنیا کی ہر خوفناک آواز سے زیادہ ہیبت ناک ہے۔ لیکن مع ہذا دنیا کی ایک بندوق چھوڑنے سے تو مارے ڈر کے سب پرندے اڑ جاتے ہیں پر قبرستان میں بڑے پریم سے چہچہاتے رہتے ہیں اور ہیبت ناک عذاب اور گرزوں کی آواز سے کیوں نہیں اڑتے؟ چاہئے تو یوں تھا کہ قبرستان میں کوئی پرند چرند کبھی نہ دکھتا اور یا پھر یہ کہو کہ ہمارے زمانہ میں سب قبرستان والے بخشے ہوئے ہیں، نیز قبر میں سانپ بچھو اتنے زہریلے ہیں کہ اگر ایک ڈنگ دنیا میں ماریں تو کئی سالوں تک وہاں سبزی نہ اُگے۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ مرگھٹوں پر بہ نسبت دوسرے کھیتوں کے بہت اعلیٰ سبزی اگتی ہے۔'' (ندائے حق ص ۷۵)

☆...... قبر سے مراد یہ قبر نہیں جو زمین کھود کر بنائی جاتی ہے بلکہ کوئی اور قبر ہے جو بندوں کو نظر نہیں آتی۔

''وَالْمُرَادُ مِنَ الْقَبْرِ هُوَ عَالِمُ الْبَرْزَخِ لَا هٰذَا لْمَشَاهِدِ الْمَحْفُوْرِ فِی الْاَرْضِ'' اور مراد قبر سے وہ برزخ کا جہاں ہے یہ نظر آنے والی وہ قبر نہیں جس کو کھود کر مردہ کو دفن کیا گیا ہے۔ (الہام الباری فی حل مشکلات البخاری ص ۹۷)

اس عبارت کی تشریح اسی گروہ کے ایک مؤلف نے یوں کی ہے: ''ظاہر بین علماء وعوام کا خیال ہے کہ دفن کے بعد پھر سے اس گڑھے میں روح واپس اسی جسد عنصری میں ڈالی جاتی ہے۔ یہی گڑھا اس کے لئے عالم برزخ ہے۔ اسی گڑھے کو خدا تنگ یا وسیع کرتا ہے۔ اسی گڑھے میں فرشتے سوال وجواب کے لئے، سزا وثواب کے لئے آتے ہیں۔ اسی گڑھے میں اس دھڑ کو اٹھاتے بٹھاتے ہیں۔ یہی دھڑ اٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا، نماز پڑھتا ہے۔'' (ندائے حق ص ۲۲۰)

اس بدنصیب طبقہ کو قبر صرف گڑھا ہی نظر آتی ہے اور بقول مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری (رحمہ اللہ):
''ان حضرات کو اپنے جسم سے اتنی نفرت ہے کہ اسے جسم یا بدن کہنا گوارا نہیں کرتے۔ دھڑ دھڑ کی رٹ لگا رکھی ہے۔

---

[1] یہ بھی حدیث میں تحریف کر ڈالی۔ کیونکہ حدیث میں ''الا الثقلین'' اور ''غیر الثقلین'' کا کلمہ آیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسانوں اور جنوں کے سواء سب مخلوق اس آواز کو سنتی ہے اور بخاری میں تصریح ہے: ''تسمعه البهائم كلها'' اس عذاب کو سب چارپائے سنتے ہیں۔

اسی قبر سے اتنا شدید بغض ہے کہ قبر کو قبر تک کہنا روا نہیں رکھتے، گڑھا کہتے ہیں۔ گڑھے گڑھے کی ایک گردان ہے جو جاری ہے۔'' (حیات الاموات ص ۲۵)

حالانکہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ'' یہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (نیک مسلمانوں کے لئے) یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے (نافرمانوں کے لئے)'' (ترمذی) (التبلیغ وعظ نمبر ۳ شکر النعمۃ بذکر الرحمۃ ۲۷ / جمادی الاول ۱۳۳۷ھ)

یہ گروہ اس محسوس اور مشاہد قبر سے انکار کر کے دراصل مدینہ منورہ کی حاضری سے مسلمانوں کو محروم کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ جب قبر سے مراد یہ قبر نہیں، دوسری جگہ ہے جو نظر نہیں آتی تو سید دو عالم ﷺ کے مزار اقدس پر جانے سے کیا حاصل؟ اسی طرح جب قبر سے مراد یہ قبر نہیں ہے تو پھر کسی نیک بندے کے پاس دفن ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ پھر تو شیخین ؓ کو سید دو عالم ﷺ کے قدموں میں جگہ کا ملنا کچھ شرف اور فضیلت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ ملحدوں کا خیال ہے، اسی طرح والدین اور دوسرے صلحاء، علماء اور عام مسلمانوں کی قبر پر جا کر ان کو سلام کہنا، ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا بلکہ یہ ساری مقدس تعلیم ہی بے کار اور غیر مفید ہو جاتی ہے، جو عالم آخرت کی اس پہلی منزل سے متعلق ہے اور تقریباً آٹھ سو آیات کی تاویل فاسد کرنا ہوگی اور کئی احادیث کا انکار کرنا ہوگا جن سے اسلام کا بنیادی عقیدہ بعث بعد الموت ثابت ہو رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) ان کور بختوں کو سید دو عالم ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضری سے کیا، ایمانی اور روحانی فائدہ ہو سکے گا؟ جو وہاں کی حاضری ہی کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا: ''یہ کہنا چاہئے کہ میں نے حضور علیہ السلام کی زیارت کی۔ کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔ غرض دنیا میں ایسے بھی خشک مزاج موجود ہیں جنہیں زیارت قبر کا خود تو کیا شوق ہوتا۔ اس کو حرام کر کے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کر چکے ہیں، ان سے پوچھو۔''

☆ ...... سید دو عالم ﷺ کی شانِ رفیع جسے قرآن حکیم نے ''ورفع بعضھم درجات (البقرۃ: ۲۵۳)'' اور اللہ تعالیٰ نے بعض (سید دو عالم ﷺ) کے درجات بہت بلند فرمائے ہیں۔

''وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء: ۱۱۳)'' اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔

''ورفعنا لک ذکرک (الانشراح: ۴)'' اور ہم نے آپ ﷺ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔

اور خود سید دو عالم ﷺ نے ''وَاَنَا حَبِیْبُ اللہِ'' (اور میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں) وغیرہا ارشادات سے واضح فرمایا ہے۔ اس شان رفیع کو گھٹانے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے۔

ایسی آیات کی تاویلات بعیدہ بلکہ تحریف معنوی تک کی گئی اور ایسی احادیث و روایات کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، ان علماء کرام اور اولیاء عظام کا استخفاف کیا گیا جو عشق محمدی ﷺ کو اپنا سرمایۂ نجات سمجھتے ہیں، جن کے ہاں ایمان محبت سید دو عالم ﷺ ہی کا دوسرا نام ہے۔

چونکہ اس گروہ میں وہ لوگ ہیں جو اپنا مخصوص حلقہ فکر رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث کی آڑ میں ان عقائد فاسدہ کو پھیلا رہے ہیں اور بوقت ضرورت اپنے آپ کو اکابر علماء حق کا پیروکار بھی کہتے ہیں، اس لئے نہایت ہی ضروری سمجھا گیا کہ رحمت کائنات کی اس جدید اشاعت میں تفصیل کے ساتھ ان تمام عقائد کو بیان کر دیا جائے،

جن کا تعلق قبر اور قیامت کے ساتھ ہے تا کہ مسلمان اس فتنہ سے محفوظ رہیں۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ"

ف: سید دو عالم ﷺ نے ایسے فتنوں کو دجالی فتنہ کے ساتھ بیان فرما کر ان سب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم فرمایا: "قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ" (رواہ مسلم)

"آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو آگ کے عذاب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں آگ کے عذاب سے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو قبر کے عذاب سے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں قبر کے عذاب سے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو ظاہری اور باطنی فتنوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ظاہری اور باطنی فتنوں سے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو دجال کے فتنہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں دجال کے فتنہ سے۔"

انسانی اور آسمانی نظام حیات

انسان نے اپنی فلاح اور بہبود کے لئے اپنی عقل وفکر اور دماغی کاوش سے جو نظام بنایا ہے، اس کو "انسانی نظام حیات" کا نام دیا جا سکتا ہے اور جو نظام آسمانی ہدایت کی روشنی میں مرتب کیا جائے، اس کو "آسمانی نظام حیات" کہا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں نظام پہلے بھی چل رہے تھے اور اب بھی رواں دواں رہتے ہوئے اپنے اپنے حلقہ کو متاثر کر رہے ہیں، ان دونوں نظاموں اور دستوروں میں ایک واضح اور نا قابل انکار فرق یہ ہے کہ: "انسانی دماغ کا بنایا ہوا نظام صرف انسان کی بدنی آسائش اور آرائش ہی کا کفیل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق روح کے اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ نظام اس زندگی تک ہی راہنمائی کر سکتا ہے، اس زندگی سے دوسری زندگی کی طرف انتقال کے بعد اس انسانی نظام کا کوئی دخل اور کوئی راہنما اصول نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی ہدایت کے منکروں نے اپنی اوّلین اور آخرین منزل صرف اسی زندگی کو سمجھا ہے وہ دوسری زندگی کے منکر ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے: "وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر (الجاثیۃ: ۲۴)" اور کہتے ہیں کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے۔

قرآن کریم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: "وما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون (الجاثیۃ: ۲۴)" اور ان کو کچھ خبر نہیں اس کی محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

یعنی ان کے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں صرف وہ اپنے ناقص خیال کی تاریکی میں یہ کہہ رہے ہیں کہ اس زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں اور یہی زمانہ کا دستور چلا آ رہا ہے۔

"وَإِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِاٰبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (الجاثیۃ: ۲۵)" اور جب سنائی جائیں ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں اور کچھ دلیل نہیں ان کی مگر یہی کہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو۔

یعنی جب ان منکروں کو یہ کہا جاتا ہے کہ آسمانی ہدایت کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہے تو وہ اس کو بھی اپنے ناقص علم اور ناقص مشاہدہ کی رو سے دیکھ کر یہ حجت بازی کرتے ہیں کہ اگر موت کے بعد پھر زندگی ہے تو جو ہمارے باپ دادا فوت ہو چکے ہیں ان کو دوبارہ اس دنیا میں لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

قرآن کریم نے اس حجت بازی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (الجاثیۃ: ۲۶)'' آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ہی تم کو زندگی دیتا ہے پھر وہی تم کو مارتا ہے پھر وہی تم کو اکٹھا کرے گا قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

یعنی تمہیں پیدا بھی تو اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا اور آئندہ کے لئے تمہاری موت اور پھر تمہاری زندگی یہ سب ہو کر رہے گی بلکہ قرآن کریم نے تو اُخروی زندگی ہی کو کامل حیات قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (العنکبوت: ۶۴)'' اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا ہے اور کھیلنا ہے اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندگانی اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

چنانچہ وہ سارے لوازمات اور وہ ساری کیفیات جو اس دنیا میں کسی انسان کو حاصل ہوتی ہیں، وہ بدرجہ اتم اور اکمل دوسرے جہاں میں ظہور پذیر ہوں گی۔ گویا انسانی نظام حیات کے پیروکاروں کی نظر صرف اسی آب وگل کی زیبائش اور آرائش پر رہتی ہے جو کہ بالکل عارضی ہے اور ان کی ساری محنت صرف اسی لئے ہوتی ہے جب وہ دوسرے جہاں اور دوسری زندگی کو عقیدہ کے طور پر نہیں مانتے تو ان کی محنت بھی اس کے لئے نہیں ہوتی اور وہ دنیاوی لذائذ میں کھو کر آسمانی حدود کو روندتے رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کو دوسری زندگی میں کچھ نفع نہ ملے گا بلکہ وہ سراسر نقصان میں ہوں گے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

قرآن کریم نے اس عقیدہ کو متعدد پیرایوں میں ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ (بقرہ: ۲۰۰) میں فرمایا: ''فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ'' پس لوگوں میں کچھ تو وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو دے دنیا میں اور نہیں اُن کے لئے آخرت میں کچھ حصہ۔

اور (الشوریٰ: ۲۰) میں فرمایا: ''مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ'' اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اس کو دیویں ہم کچھ اس میں سے اور اس کے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔

علیٰ ہذا القیاس! قرآن کریم کی کئی آیات میں اس عقیدہ کی اہمیت کو بیان فرمانے کے ساتھ اس نظریہ باطل کی تردید بھی فرمائی گئی ہے کہ انسانی نظام حیات ہی میں نجات ہے۔

ف: اس آیت میں دنیا کو کھیتی کے ساتھ تعبیر فرمایا جس کا پھل آخرت میں ملے گا۔

حیات اُخروی قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن حکیم اور حدیث سید دوعالم ﷺ نے انسان کی نجات اخروی ہی کو کامیابی اور سرخروئی قرار دیتے ہوئے اس عقیدہ کو اسلام کا بنیادی عقیدہ قرار دیا ہے۔ قرآن عزیز کی سورۃ فاتحہ سے لے کر آخر تک ہر سورۃ میں اس عقیدہ کو کسی سورۃ میں تو صراحتاً ارشاد فرمایا ہے اور کسی سورۃ میں ضمناً اس عقیدہ کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ وہ سورہ فاتحہ جس

کا ہر نماز میں حقیقتاً یا حکماً پڑھنا ضروری ہے، اس میں ''مالک الیوم الدین'' کا ارشاد موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں اعمال کی جزاء اور سزا دی جائے گی اور اس دن کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(بقرہ:۴) میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''وبالاخرۃ ھم یوقنون'' اور قیامت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔

(آل عمران:۸،۹) میں عقل والوں کی یہ دعا ارشا فرمائی: ''ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ إنّک أنتَ الوَھّاب۔ ربّنا إنّک جامع النّاس لیوم لا ریب فیه إنّ الله لا یخلف المیعاد'' اے رب ہمارے نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت، تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں کوئی شبہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتا اپنے وعدے کا۔

اور حیات یوم حشر کی طرف توجہ کرنے کا حکم فرمایا، ویسے تو کئی آیات میں یہ عقیدہ اسی طرز پر بیان فرمایا ہے یہاں چند آیات کو درج کیا جاتا ہے۔

(الحج:۵،۶،۷) میں ارشاد فرمایا: ''یا أیّھا النّاس إن کنتم في ریب من البعث فإنّا خلقناکم من تراب ثمّ من نطفة ثمّ من علقة ثمّ من مضغة مخلّقة وغیر مخلّقة لنبیّن لکم ونقرّ في الأرحام ما نشاء إلی أجل مسمّی ثمّ نخرجکم طفلا ثمّ لتبلغوا أشدّکم ومنکم من یتوفّی ومنکم من یردّ إلی أرذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا وتری الأرض ھامدة فإذا أنزلنا علیھا الماء اھتزّت وربت وأنبتت من کلّ زوج بھیج۔ ذلك بأنّ الله ھو الحقّ وأنّه یحي الموتی وأنّه علی کلّ شيء قدیر۔ وأنّ السّاعة اٰتیة لا ریب فیھا وأنّ الله یبعث من في القبور''

اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک اور انکار میں ہو تو (سن لو) تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے (جو غذاء سے بنتا ہے) پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر بوٹی سے جس کی صورت بنی ہوتی ہے اور بن صورت کے بھی ہوتی ہے تاکہ ہم تمہارے سامنے اپنی قدرت ظاہر کر دیں اور ہم ٹھہراتے ہیں ماں کے رحم میں جو چاہتے ہیں ایک وقت مقرر تک کے لئے پھر ہم تم کو باہر لاتے ہیں۔ بچہ بنا کر تاکہ تم اپنی بھری جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ اور بعض تم میں سے جوانی سے پہلے وفات پا جاتے ہیں اور بعض تم میں سے نکمی عمر (بڑھاپے) تک پہنچائے جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جاتے ہیں اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہوتی ہے پھر جب اس پر ہم پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کا خوشنما سبزہ اگاتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (اور یہ بھی یاد رکھو) کہ قیامت آنے والی ہے جس میں ذرا بھی شبہ نہیں اور اللہ ان کو دوبارہ اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔''

ف: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے قیامت کا عقیدہ بیان فرمایا کہ: ''وہی اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کرنے والا ہے اور اسی کا تصرف اور اختیار انسان پر چلتا ہے اور وہی اللہ تعالیٰ قیامت لائے گا اور انہی قبروں سے مردوں کو زندگی عطاء کر کے باہر لائے گا جیسا کہ بیج بو دیا جاتا ہے مگر کچھ دنوں کے بعد پوری صلاحیتوں سے اُگتا ہے۔''

اسی مضمون کو (حم السجدہ:۳۹) میں ارشاد فرمایا: ''وَمن اٰیاتہ أنّك تری الأرض خاشعة فإذا أنزلنا علیھا

الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ'' اور اسی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ تو دیکھتا ہے کہ زمین دبی پڑی ہے مگر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے جو اللہ تعالیٰ اس مردہ زمین کو زندہ فرماتا ہے (جس کا مشاہدہ تم روزانہ کرتے ہو) وہی اللہ تعالیٰ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسی طرح (الزخرف:۱۱) میں فرمایا: ''وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ'' اور وہ اللہ جس نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازہ سے پھر اسی کے ساتھ ہم نے زندہ کر دیا مردہ بستی کو اسی طرح تم کو بھی قبروں سے نکالا جائے گا۔

ف: ان دونوں آیتوں میں حسی مثال دے کر یہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ اس پر اور جس کام کو چاہے کرنے پر قادر ہے۔ مگر جو لوگ بے دین ہیں، دین اسلام میں کجی اور ٹیڑھ پن تلاش کرتے رہتے ہیں وہ تو اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے یا غلط قسم کی تعبیرات کرتے ہیں، ان کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حم السجدة:۴۰)'' جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں وہ ہم سے چھپے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے آگ میں وہ بہتر ہے یا وہ جو آئے گا امن سے قیامت کے دن، کئے جاؤ جو چاہو بے شک جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے۔

ف: (حم السجدہ:۳۹،۴۰) میں حسی نظیر سے سمجھایا کہ جس میت کو دفنایا جاتا ہے وہی اس جگہ سے نکالا جائے گا۔

''وَاللّٰهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذَٰلِكَ النُّشُورُ (الفاطر:۹)'' اور اللہ ہی ہے جس نے چلائی ہیں ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مردہ بستی کی طرف پھر زندہ کر دیا ہم نے اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد، اسی طرح ہوگا جی کر اٹھنا۔

(الاعراف:۲۵) میں فرمایا: ''قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (الاعراف:۲۵)'' فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی زمین میں تم زندگی گزارو گے اور اسی میں تمہاری موت ہوگی اور اسی زمین سے اٹھائے جاؤ گے۔

ف: یہ ارشاد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام کو فرمایا۔

(القیامہ:۳،۴) میں فرمایا: ''أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ۔ بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ'' کیا خیال رکھتا ہے آدمی کہ جمع نہ کریں گے ہم اس کی ہڈیاں، کیوں نہیں ہم قادر ہیں کہ اس کے بند بند ٹھیک کر دیں۔

(ق:۱ تا ۴) میں ارشاد فرمایا: ''قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ۔ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ۔ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ'' قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا انہی میں کا ہے تو کہنے لگے منکر، یہ تعجب کی چیز ہے کیا جب ہم مر چکیں گے اور مٹی ہو جائیں گے یہ پھر آنا بہت دور ہے ہمیں معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین ان میں سے اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔

ف: قرآن عزیز کی ان آیات اور دیگر آیات سے بالکل صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جس بدن کو دفن کیا جاتا ہے وہی بدن پوری طرح پھر قیامت کے دن زندہ حالت میں قبر سے نکلے گا، اسی وجہ سے اس وقت کے کافروں نے اس کو عجیب سمجھا اور کئی اشکالات اور اعتراضات کئے۔ جیسا کہ ایک سوال و جواب سورہ قٓ میں گزر چکا ہے۔

قرآن حکیم نے کفار کے دوسرے اعتراضات کو بھی ذکر فرما کر اس کے جوابات دیئے ہیں جیسا کہ کافروں کا یہی اعتراض سورہ مریم میں نقل کر کے جواب ارشاد فرمایا: ''ویقول الانسان ءاذا مامت لسوف اخرج حیا (المریم:٦٦)'' اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر قبر سے زندہ نکالا جاؤں گا؟

اسی سورہ مریم کی (آیت:٦٧) میں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''اولا یذکر الانسان انا خلقنه من قبل ولم یک شیئا'' کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

پھر (آیت:٦٨) میں تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''فوربک لنحشرنهم والشیطین ثم لنحضرنهم حول جهنم جثیا'' سوقسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر لائیں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر سامنے لائیں گے ان کو دوزخ کے اردگرد گھٹنوں کے بل۔

ف: معمولی عربی قواعد جاننے والے سمجھ سکتے ہیں کہ: حَیًا حال ہے، یعنی زندہ قبر سے نکلے گا۔ اسی طرح اس زمانے کے کافر اور آج کل کے منکرین حیات کہتے ہیں کہ قبر میں گل سڑ کر، مٹی یا جل کر راکھ وغیرہ کس طرح زندہ ہو کر میدان حشر میں نکلے گا؟

(بنی اسرائیل:٥٠ تا ٥١) میں اس کا جواب ارشاد فرمایا: ''قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا۔ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا'' آپ فرما دیجئے تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی اور مخلوق جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو۔ آپ ﷺ فرما دیجئے وہی جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار پھر اب مٹکائیں گے اپنے سر اور کہیں گے کب ہوگا۔ آپ ﷺ فرما دیجئے شاید نزدیک ہی ہوگا۔

اس عقیدہ کا انکار کرنے والا اللہ تعالیٰ کا کھلا دشمن ہے، ارشاد فرمایا: ''أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ (یس:٧٧تا٨٠)'' کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے بنایا اس کو ایک قطرہ سے۔ پھر تب ہی وہ ہو گیا کھلا جھگڑنے والا اور بیان کرتا ہے ہمارے لئے ایک مثال اور بھول گیا اپنی پیدائش۔ کہنے لگا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب وہ کھوکھری ہو جائیں گی، آپ ﷺ فرما دیجئے ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار اور وہ سب طرح بنانا جانتا ہے جس نے بنا دی تمہارے لئے آگ سبز درخت سے، پھر تم اب اس سے سلگاتے ہو۔

ف: اس عقیدہ پر جتنی دلیل دے کر بتایا وہ پودا جس کو تم پانی دے کر پالتے ہو، خداوند قدوس اس کی لکڑی سے آگ بناتا ہے۔ حالانکہ پانی اور آگ میں تو ضد اور منافات ہے۔ اتنا علیم اور قدیر خدا مردہ کو زندہ کر سکتا ہے۔ کافر لوگ اموات کے دوبارہ زندہ ہونے کو کھلا ہوا جادو سمجھتے تھے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''وَقَالُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ۔ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ۔ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ۔ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ۔ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ (الصافات:١٥ تا ١٩)'' اور کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی تو آپ ﷺ فرما دیجئے ہاں اور تم ذلیل ہو گے سو وہ اٹھانا تو

یہی ایک جھڑکی ہوگی۔ پھر اسی وقت یہ آنکھوں سے دیکھنے لگ جائیں گے۔

کافر موت کے بعد زندگی کو بہت ہی دور کی بات سمجھتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس کو یوں بیان فرمایا: ''أَیَعِدُکُمْ أَنَّکُمْ إِذَا مِتُّمْ وَکُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّکُمْ مُخْرَجُونَ۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ۔ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (المومنون: ۳۵تا۳۷)'' کیا تم کو (یہ نوح علیہ السلام) وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور ہو جاؤ گے مٹی اور ہڈیاں تو تم کو (قبروں سے) نکلنا ہے، کہاں ہوسکتا ہے کہاں ہوسکتا ہے جو تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اور کچھ نہیں یہی جینا ہمارا دنیا کا، مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو پھر اٹھنا نہیں۔''

(الروم: ۲۵) میں کئی آفاقی دلائل دینے کے بعد ارشاد فرمایا: ''ثم اذا دعاکم دعوۃ من الارض اذا انتم تخرجون'' یعنی جب اللہ تعالیٰ تم کو صرف ایک دفعہ قبروں سے باہر آنے کا حکم دے گا تو تم نکل آؤ گے، ظاہر ہے کہ مردہ تو قبر سے خود نہیں نکل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبروں سے زندہ ہوکر نکلیں گے۔

اسی سورۃ کی (آیت: ۲۶) میں فرمایا: ''وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ و ھو اھون علیه''

یعنی جس طرح تمہیں پہلی بار بنایا اور تم ماں کے پیٹ سے زندہ نکلے، اسی طرح اس عمل کو دہرائے گا، تم قبروں سے زندہ نکلو گے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر بڑی آسان ہے۔

ف: بعث بعد الموت کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور انہی ابدان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا دوبارہ حیات کا انکار تو کفر ہے۔ خداوند قدوس نے سورۃ التغابن میں تخلیق انسانی اور پھر اعادہ اور بعث بعد الموت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد قرآنی ہے: ''زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا قل بلی وربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما علمتم وذالک علی اللہ یسیر (التغابن: ۷،۸)'' دعویٰ کرتے ہیں منکر کہ ہرگز ان کو نہ اٹھایا جائے گا۔ آپ ﷺ فرمادیجئے کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی تم کو ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو بتایا جائے گا جو تم نے زندگی میں کیا تھا اور اٹھانا اللہ تعالیٰ پر بڑا آسان ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس نور ہدایت پر جو ہم نے اتارا اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

مندرجہ بالا آیات گرامیہ میں یہ باتیں واضح فرمائیں:

۱...... کافروں کا یہ خیال ہے کہ ان کو دوبارہ نہ اٹھایا جائے گا۔

۲...... سید دو عالم ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ رب کریم کی قسم کھا کر اس عقیدہ کو بیان فرمادیں۔

۳...... اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔

۴...... ان عقائد برزخیہ کو اپنے عقل وفہم سے نہ ناپو بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ پر اور اس نور ہدایت پر یقین رکھو جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتارا ہے اپنے تاریک فہم اور کاسد ذہن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کو نہ ناپو۔

ف: اگرچہ ان آیات کا تعلق قیامت کے دن کے ساتھ ہے مگر ان سے حیات قبر بھی ثابت ہو رہی ہے کیونکہ جس بدن کا قیامت کے دن اسی شکل وشباہت اور اسی آن بان کے ساتھ اُٹھائے جانے کا ذکر قرآن عزیز نے فرمایا ہے جب کہ ہزارہا سال گزر جائیں گے تو موت کے فوراً بعد اس بدن کا زندہ ہوجانا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیوں ناممکن ہے؟

اسی طرح سورۃ الزلزال میں سارا یہی عقیدہ بیان فرمایا: ''إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا۔ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا۔ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال: ۱ تا ۸) '' جب زمین کو ہلایا جائے گا پوری طرح ہلایا جانا اور زمین اپنے اندر سے سب بوجھ نکال باہر کردے گی اور انسان کہے گا اس کو کیا ہو گیا، اس دن زمین بھی اپنی باتیں کہہ ڈالے گی، اس واسطے کہ تیرے رب نے اس کو حکم بھیجا ہو گا، اس دن لوگ نکلیں گے طرح طرح کے بن کر تا کہ دکھائے جائیں ان کو عمل ان کے سو جس نے ذرّہ بھر بھلائی کی ہوگی وہ دیکھ لے گا اسے اور جس نے ذرّہ بھر برائی کی ہوگی وہ دیکھ لے گا اسے۔

ف: اس سورۃ میں بھی واضح فرمایا کہ لوگ اسی زمین والی قبر میں سے باہر نکلیں گے، اگر قبر میں کچھ نہیں ہوتا جو دفن کیا گیا تھا وہ جماد محض تھا تو پھر کیا چیز باہر نکلے گی؟ اس عقیدہ کا منکر قرآن کریم کے ارشادات کا منکر ہے۔

ف: ایک آدمی نے سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی جامع سورۃ ارشاد فرمائیں تا کہ میں تلاوت کر سکوں۔ اس کو سید دو عالم ﷺ نے سورۃ الزلزال خود پڑھائی تو اس نے کہا اس اللہ کی قسم ہے جس نے جناب ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا میں اس پر کبھی بھی زیادتی نہ کروں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''یہ مرد کامیاب ہو گیا۔'' (احمد ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ)

ف: سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''سورۃ التکاثر'' کی تلاوت کرنے والے کو قرآنِ کریم کی ایک ہزار آیات کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔ (اس میں قیامت اور قبر دونوں کا ذکر ہے)

قرآن پاک نے قیامت کی ابتدائی منزل اور قیامت کے منظر کو یکجاء ارشاد فرمایا ہے: ''عم يتساءلون۔ عن النبا العظيم۔ الذى هم فيه مختلفون۔ كلا سيعلمون۔ ثم كلا سيعلمون (النبا: ۱ تا ۵) '' کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں، پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں ہرگز نہیں اب جان لیں گے پھر بھی ہرگز نہیں اب جان لیں گے۔

''أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ۔ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ۔ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ۔ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ (التکاثر: ۱ تا ۷) '' غفلت میں رکھا تم کو بہتات کی حرص نے یہاں تک کہ جا دیکھیں قبریں کوئی نہیں کوئی نہیں آگے جان لو گے پھر بھی آگے جان لو گے، کوئی نہیں اگر جانو تم یقین کر کے بے شک تم کو دیکھنا ہے دوزخ پھر دیکھنا ہے اس کو یقین کی آنکھ سے۔

مندرجہ بالا ارشادِ قرآنیہ میں ''ثم'' کے ساتھ دو دفعہ جاننے اور دیکھنے کا ارشاد فرمایا پہلی دفعہ سے مراد قبر کا مشاہدہ اور علم ہے اور دوسری دفعہ سے مراد قیامت کا مشاہدہ اور علم ہے۔

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سورۃ التکاثر نازل ہوئی تو ہمیں عذاب قبر کے متعلق پورا یقینی علم ہو گیا اور سب شکوک رفع ہو گئے۔'' (رواہ الترمذی)

ف ا: ان آیات میں اور سورہ نباء کی آیات میں ''سَيَعْلَمُونَ'' دو مرتبہ فرمایا اور التکاثر کی آیات میں (سَوْفَ تَعْلَمُونَ) دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس عذاب کے وہ منکر تھے وہ دو دفعہ ہو گا، ایک مرتبہ قبر (برزخ میں) اس کا پرتو ظاہر ہو گا اور دوسری مرتبہ قیامت کے دن ظاہر ہو گا۔

ف ۲: قرآن عزیز میں کسی بھی عقیدہ کو یقین کے ان تین مراتب کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا جن مراتب کے ساتھ برزخی اور قیامت کی زندگی کو ارشاد فرمایا، یعنی سورۃ التکاثر میں یقین کے دو درجات ''عِلْمَ الْيَقِيْن'' اور ''عَيْنَ الْيَقِيْن'' ارشاد فرمائے اور سورۃ الواقعہ کی (آیت:۹۵) میں فرمایا: ''وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْن'' اس قدر تاکید کے ساتھ اس عقیدہ کو بیان فرمانا اس کی اہمیت کو واضح فرمارہا ہے۔

ف ۳: قرآن عزیز نے حشر اجساد کا عقیدہ نہایت ہی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہی بدنوں کو قبروں سے نکالا جائے گا، یہی وضع قطع، شکل وصورت ہوگی، عالم آخرت میں۔

۱...... ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ ارشاد فرمایا: ''یتعارفون بینھم (الیونس:۴۵)'' آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔''

۲...... اعراف والے جنتی اور دوزخیوں کو پہچان لیں گے۔ ''وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیمٰھم (الاعراف:۴۶)'' اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو سب کو ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے۔

''ونادی اصحاب الاعراف رجال یعرفونھم بسیمٰھم (الاعراف:۴۸)'' اور اعراف والے ان مردوں کو ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے اور ان کو پکاریں گے۔

۳...... خاندان، قبیلہ، بیوی، خاوند، بھائی، ماں باپ قیامت کے ہولناک منظر سے اس قدر سراسیمہ ہوں گے کہ ہر ایک کو اپنی نجات کا فکر لاحق ہوگا۔ اگر کوئی کسی کو امداد کے لئے پکارے گا، تب بھی وہ دور بھاگیں گے۔

ارشاد فرمایا: ''یوم یفر المرء من اخیہ۔ وامہ وابیہ۔ وصاحبتہ وبنیہ۔ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ (عبس:۳۴ تا ۳۷)'' جس دن بھاگے گا مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے، ہر آدمی کے لئے اس دن ایک فکر ہوگا جو دوسروں سے بے نیاز کردے گا۔

۴...... متقی اور پرہیزگاروں کے تعلقات وہاں بھی لوجہ اللہ قائم رہیں گے۔ فرمایا: ''الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین (الزخرف:۶۷)'' دنیا کے دلی دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

یہ سب واقعات تب ہی ہوسکیں گے کہ انہی بدنوں اور صورتوں کے ساتھ قبروں سے نکالا جائے تو جب کروڑہا سال کے بعد بھی انہی بدنوں اور جسموں کے ساتھ اٹھایا جائے گا تو اس سے پہلے قبر میں حساب کے لئے زندہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟

ف ۴: آیات حیات بعد الموت کے لئے اکثر آیات میں ''تخرجون (الروم:۲۵) تبعثون ترجعون (یٰس:۸۳) تقلبون (العنکبوت:۲۱)'' کے کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو کہ رجوع یعنی لوٹنے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح ''تقلبون'' کے معنی تو بالکل واضح ہیں جو کہ سورۃ العنکبوت کی (آیت:۲۱) میں ہے۔ اسی طرح ان میں سے اکثر کلمات مخاطب کے صیغے میں یعنی تم کو لوٹایا جائے گا، تم واپس لائے جاؤ گے۔ یہ طرز خطاب بھی اسی پر دلالت کررہا ہے کہ انہیں بدنوں اور جسموں کے ساتھ قبر میں سے زندہ نکالا جائے گا۔

ف ۵: قرآن عزیز کی ان سب آیات میں انسانوں کو خطاب ہے تو اس میں یہی طریق خطاب ارشاد فرمایا: ''منھا خلقنا کم وفیھا نعید کم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ (طٰہٰ:۵۵)''

سورۃ الزخرف میں فرمایا: ''و کذالک تخرجون (الزخرف: ۱۱) ''اس سے پہلے ''اَنْبَاتُ الْاَشْیَآءِ مِنَ الْاَرْضِ '' کا ذکر ہے۔

ف۶: کافر یہ کہتے تھے کہ جو انسان مرجاتا ہے وہ اسی بدن اور اسی شکل کے ساتھ دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتا، ان کی عقل میں یہ بات نہ آتی تھی۔ قرآن کریم نے اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا: ''انه ظن ان لن یحور۔ بلی ان ربه کان به بصیرا (الانشقاق: ۱۴، ۱۵) ''اس کافر کا یہ خیال تھا کہ وہ ہرگز نہ لوٹے گا (زندہ نہ ہوگا) کیوں نہیں! ضرور لوٹے گا اس کا رب اس کو دیکھنے والا ہے۔

حُوْرَ کا معنی لوٹنا: ایک آدمی جارہا ہے اسے آپ کہتے ہیں لوٹ آ، تو جانے والا اسی حالت میں لوٹے گا۔ یہی بات کافروں کے ہاں ناممکن تھی اس لئے ''لَنْ یَّحُوْرَ '' کہا۔ (تفسیر ابن جریر سورۃ انشقاق)

ف: قبر میں سے زندہ نکلے گا۔ ''یَوْمَ اُبْعَثُ حَیاً۔ یَوْمَ یُبْعَثُ حَیاً۔ وَ کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ''

حیات بعد الموت کے عقیدہ کے مشاہدات

قرآن عزیز نے حیات بعد الموت کے عقیدہ کو اس دنیا میں بھی بعض دفعہ عملی شکل دے کر سمجھایا ہے، جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اس کیفیت کو سمجھنے کے لئے دربار خداوندی میں درخواست کی کہ کس کیفیت سے اموات زندہ ہوں گے (کیا وہی بدن زندہ کیا جائے گا یا دوسرا بدن ملے گا یا روح کو زندگی عطا ہوگی) تو قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا کہ ان کو یہ حکم دیا گیا: ''فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرة: ۲۶۰) ''اچھا تو تم چار پرندے پکڑ لو پھر ان کو پال کر اپنے لئے ہلا (سکھا) لو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دو اور پھر ان سب کو بلاؤ اور دیکھو تمہارے پاس سب دوڑتے چلے آئیں گے اور خوب یقین کرلو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

ف: چونکہ انسان بھی چار عناصر سے مرکب ہے اس لئے شائد چار پرندوں کا حکم فرمایا اور انسان کو پرندوں کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ بدن مٹی کا ہے مگر روح آسمانی ہے جیسا کہ پرندہ اڑتا تو ہوا میں ہے مگر آب ودانہ زمین سے لیتا ہے۔ (واللہ اعلم)

اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اس امر کا مشاہدہ کراتے ہوئے فرمایا: ''فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرة: ۲۵۹) ''سو اللہ تعالیٰ نے اس (عزیر علیہ السلام) کو سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا اور پھر پوچھا کہ تو کتنے دنوں اس حالت میں رہا حضرت عزیر علیہ السلام نے جواب دیا ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس تک رہا ہے، تو اپنے کھانے کی اور پینے کی چیز کو دیکھ لے کہ نہیں گلی سڑی اور اپنے گدھے کی طرف نظر کر اور تاکہ ہم تجھ کو ایک نظیر لوگوں کے لئے بنادیں اور اس گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کر ہم اس کو کس طرح ترتیب دیئے دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں، پھر جب یہ کیفیت اس شخص کو واضح ہوگئی تو کہہ اٹھا کہ بے شک میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا کہ جب ان میں ایک آدمی قتل ہو گیا اور وہ بارہ فرقے ایک دوسرے کے ذمہ لگاتے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو سنایا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں اور اس گائے کا ایک ٹکڑا لے کر اس مردہ کو ماردیں یہ قاتل کا نام بتادے گا۔ چنانچہ انہوں نے کچھ دیر بعد اس پر عمل کیا، جونہی مردہ گائے کا ایک حصہ اس مقتول کو مارا تو وہ بول اٹھا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ارشاد فرمانے کے ساتھ یہ بھی فرمایا: ''کذالک یحی اللہ الموتی ویریکم ایٰتہ لعلکم تعقلون (البقرۃ:۷۳)'' اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور اب تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لیا کرو۔

اس قصہ کے دو نتائج قرآن حکیم نے اس آیت میں ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ فرمادے گا اس کو تم بعید نہ سمجھو اور نہ خلاف عقل سمجھو گائے بھی ذبح شدہ مردہ اور وہ انسان بھی مقتول مردہ، مگر مردہ کے بدن کا ایک حصہ جب مردہ پر مارا گیا تو وہ زندہ ہو گیا اس کو تم مشکل اور محال نہ سمجھو اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں بتا تا رہتا ہے تاکہ تم بات کو سمجھ لو۔

موت کی حقیقت

سب سے بڑی غلطی جو اس عقیدہ کے سمجھنے میں لگ جاتی ہے وہ موت کی حقیقت سے ناواقفیت ہے ظاہر بین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ موت اس فنا کا نام ہے جس پر ایک انسان موت کے آنے پر جس طرح صفحۂ زمین سے اٹھ جاتا ہے اسی طرح وہ مٹی میں مل کر یا آگ وغیرہ میں جل کر لاشئ اور معدوم محض بن جاتا ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور اسلامی عقائد کی رو سے بالکل غلط ہے کیونکہ موت اسی طرح خداوند قدوس کا ایک امر ہے، جیسا کہ ''حیات'' اللہ کا امر ہے حیات اور موت دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

ارشاد فرمایا: ''خلق الموت والحیوۃ (الملک:۲)'' اللہ تعالیٰ نے موت اور حیات کو پیدا فرمایا۔

یعنی موت بھی ایک وجودی حقیقت ہے جیسا کہ پیدائش اور حیات ایک وجودی صفت ہے، فقہ حنفی کی مستند کتاب ''درمختار'' میں فرمایا: ''وَالْمَوْتُ صِفَۃٌ وُجُودِیَّۃٌ خُلِقَتْ ضِدَّ الْحَیٰوۃ'' اور موت بھی ایک وجودی صفت ہے جو حیات کی ضد کے طور پر پیدا کی گئی ہے۔

یہ فنا کا نام نہیں بلکہ دوسرے جہاں کے لئے تیاری کا زمانہ اور مکان ہوتا ہے اس لئے موت کو ولادت ثانیہ (دوسری پیدائش) کہا جاتا ہے۔ (مرقاۃ ج ا ص ۱۷۶)

اسی وجہ سے عرف عام میں موت پر انتقال کا لفظ بھی بولا جاتا ہے، موت کے بعد انسان معدوم محض اور لاشئ نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ایک دوسرے جہاں کو منتقل ہو جاتا ہے اور وہاں کے مطابق اسے حیات حاصل ہو جاتی ہے، ارشاد قرآنی ہے: ''کل نفس ذائقۃ الموت (آل عمران:۱۸۵)'' ہر جی موت کو چکھنے والا ہے۔

''کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون (العنکبوت:۵۷)'' ہر جی موت کو چکھنے والا ہے پھر ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ان ارشادات کی روشنی میں واضح ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جاتا ہے، موت کے وقت اگرچہ انسانی بدن سے روح نکل جاتی ہے مگر روح کا تعلق اس بدن کے ساتھ رہتا ہے امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا، جس

کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''انسان کا بدن روح کا مکان نہیں کہ بدن کے فنا سے روح بھی فنا ہو جائے بلکہ بدن کی اس ہیئت کے بدل جانے کے بعد بھی روح کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے۔'' (جواہر الغزالی ص ۲۶)

اس کی مثال میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورج زمین سے کئی کروڑ میل کے فاصلے پر ہے مگر سورج کی گرمی اور روشنی زمین پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ف: بظاہر انسان کے بدن میں ایک ہی روح سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ روح کی کئی اقسام ہیں جن میں سریانی اور طریانی تو مشہور ہیں۔ اس کی واضح مثال یوں سمجھ لی جائے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو اس کے بدن کا ایک روح تو کائنات کی سیر کرتا ہے اور بدن سے گویا نکل جاتا ہے مگر دوسرا روح اس کے بدن میں رہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد قرآنی میں نیند اور موت کو یکجاء بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْأَنْفُسَ حِینَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الزمر: ۴۲) ''اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں، پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک کے لئے اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ف ۱: ملا علی قاری حنفی نے فقہ اکبر کی شرح میں فرمایا ہے کہ روح کا تعلق انسان کے بدن کے ساتھ پانچ قسم پر ہے اور ان تعلقات کے احکام بھی الگ الگ ہیں۔

پہلی قسم: کا تعلق تو بدن کے ساتھ اس وقت ہوتا ہے جب انسان ماں کے رحم میں ہوتا ہے (پانی کی بوند سے لے کر پوری تخلیق تک) اگر روح کا تعلق نہ ہو تو وہ پانی کی بوند کس طرح کامل انسان بن سکتی ہے۔

دوسری قسم: کا تعلق ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے بعد کا ہے جس کی وجہ سے بچہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے۔

تیسری قسم: کا تعلق نیند میں ہوتا ہے۔ ایک جہت سے تو تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے اور ایک جہت سے بدن سے الگ رہتا ہے۔

چوتھی قسم: کا تعلق برزخ میں ہوتا ہے کہ اگرچہ روح بدن سے جدا ہو جاتا ہے مگر یہ انقطاع کلی نہیں ہوتا کہ بدن بالکل بلا روح کے رہے بلکہ روح کا اس بدن پر ڈرڈ ذگاہ بگاہ رہتا ہے۔ مثلاً جب سلام کہنے والا سلام کہتا ہے تو اس کا جواب دینے کے لئے روح کا اعادہ کر دیا جاتا ہے یا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس کو دفن کرنے والے جب واپس ہوتے ہیں تو ان کی جوتیوں کی آہٹ کو سنتا ہے، مگر اس اعادہ سے پورے بدن کی حیات قیامت سے پہلے نہیں ہو سکے گی۔

پانچویں قسم: کا تعلق اس دن ہوگا جب کہ اجساد اور اجسام کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور یہ کامل تعلق رہے گا۔ کیونکہ اس تعلق کے بعد نہ تو نیند آئے گی اور نہ ہی موت آئے گی اور نہ ہی بدن پر امراض وغیرہ کا اثر ہوگا۔ (شرح عقیدہ طحاوی ص ۳۹۹)

ف ۲: اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے، مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی۔ (جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا

ہے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔'' (حاشیہ تفسیر عثمانی)

چنانچہ علماء اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ اگر ایک بدن میں دو روح مان لئے جائیں تب بھی درست ہے جن میں سے ایک روح تو موت پر جنت یا دوزخ میں جا پہنچا اور دوسرا بدن کے ساتھ ہے جس سے برزخی تواردات اور حالات کا علم ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں حاملہ عورت کو پیش کیا جاسکتا ہے جس کے بدن میں دو روح ہوتے ہیں ایک کا تعلق تو اس کے اپنے بدن کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک روح کا تعلق اس حمل کے ساتھ ہوتا ہے جو اس کے پیٹ میں ہے مگر بظاہر ایک ہی روح نظر آتی ہے، ہمارے سمجھنے کے لئے بقدر ضرورت یہی کافی ہے، وضاحت کے لئے حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر مگر جامع رسالہ ''الفتوح مما یتعلق بالروح'' اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر مگر جامع رسالہ ''الروح فی القرآن'' کا مطالعہ مفید ہے۔ تفصیل کے لئے علامہ ابن القیم کی کتاب الروح کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

اس لئے بعض اموات کو مردہ کہنے سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا: ''وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرۃ: ۱۵۴)'' اور مت کہو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں ہے۔

ہوسکتا تھا کہ کوئی عقلِ خام کا پجاری یہ کہہ دیتا کہ چونکہ ان کے کارنامے زندہ ہیں، اس لئے ان کو احتراماً مردہ نہ کہا جائے اس لئے علیم وخبیر خداوند تعالیٰ نے اس کی پوری وضاحت کرتے ہوئے پر فرمایا: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (آل عمران: ۱۶۹)'' اور تو ہرگز نہ سمجھ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اس انعام پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اپنے فضل سے۔

پہلی آیت میں مضارع کا صیغہ ارشاد فرمایا جو حال واستقبال کے لئے آتا ہے اور دوسری میں ماضی کا صیغہ ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی ''لَا تَحْسَبَنَّ'' کا صیغہ فرمایا جو نون ثقیلہ کے ساتھ مؤکد ہے یعنی ہرگز یہ خیال بھی نہ کرنا کہ شہید فی سبیل اللہ مردہ ہیں بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور ان کو خوراک دی جاتی ہے۔

آخری دور کے محقق امام اہل حدیث علامہ شوکانی یمنی (م ۱۲۵۰ھ) نے شہیدوں کے رزق کے بارے میں فرمایا: ''اَلْمُرَادُ بِالرِّزْقِ الْمَعْرُوفِ فِي الْعَادَاتِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهِ جُمْهُورُ السَّلَفِ'' (تفسیر فتح القدیر)

''اس رزق سے مراد کوئی روحانی رزق نہیں بلکہ وہی خوراک اور رزق ہے جو عادت کے طور پر معروف ومشہور رہے اور یہی جمہورِ سلف کا قول ہے۔''

اور یہ حیات اور رزق اور بہترین رہائش کی جگہ صرف شہیدوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دی، دین کے لئے زندہ رہا، دین کی راہ میں مرا، اس کو بھی یہ حیات اور رزق حاصل ہے۔ ارشاد قرآنی ہے: ''وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ۔ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ (الحج: ۵۸، ۵۹)'' اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا البتہ پہنچائے گا ان کو ایسی جگہ جس کو وہ پسند کریں گے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے تحمل والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجر فی سبیل اللہ کی موت طبعی یا بطور شہادت کو اپنے ہاں مقبولیت اور مغفرت کا ذریعہ فرمایا کہ ان کو موت کے بعد ''رزق حسناً'' دیا جاتا ہے اور ان کو ایسی جگہ داخل کیا جائے گا جس کو وہ پسند کریں گے اس سے مراد قبر ہی ہے۔

ف: اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دینے کی خبر کو مؤکد'' بہ لام تاکید'' اور مؤکد'' بانون ثقیلہ'' فرمایا ہے۔ یعنی ضرور اللہ تعالیٰ ان کو رزق بھی دے گا اور پسندیدہ جگہ بھی دے گا یعنی اس جہاں سے جاتے ہی ان کو جنت عطاء کر دی جائے گی جیسا کہ سید دو عالم ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو جنگ موتہ میں شہید کر دیے گئے کو دیکھ کر فرمایا: ''رَأَيْتُ جَعْفَرَ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ فِي الْجَنَّةِ'' میں نے دیکھا کہ جعفر اپنے دونوں پروں کے ساتھ جنت میں اُڑ رہا ہے۔ (ترمذی شریف)

اس کی تشریح میں قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''جعفر طیار اپنے بدن کے ساتھ اُڑ رہے تھے۔'' (کوکب دری ج ۲ ص ۳۱۵)

اسی مشاہدہ سید دو عالم ﷺ کو امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پوری تفصیل کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں روایت فرمایا ہے: ''ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے قریب ہی اسماء بنت عمیس بیٹھی تھیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''وعلیکم السلام'' پھر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا اگر چہ بظاہر کوئی سلام دینے والا تجھے نظر نہیں آتا مگر بات یہ ہے کہ ابھی حضرت ''جعفر رضی اللہ عنہ'' جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کے ہمراہ یہاں سے گزرے اور ہم کو سلام کیا جس کا میں نے جواب دیا۔ جعفر نے مجھے سلام کرنے کے بعد اپنا سارا واقعہ سنایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کے بدلے میں دو پر عطاء فرمائے ہیں جن کے ساتھ میں جنت میں جہاں چاہتا ہوں جاتا ہوں اور جو چاہوں اس کے پھلوں سے کھاتا ہوں۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا پھر تو جعفر کتنا خوش نصیب ہے مگر میں خیال کرتی ہوں کہ لوگ شاید اس بات کو نہ مانیں تو اگر آپ جلسہ عام میں فرمائیں تو بہتر رہے گا۔ چنانچہ جناب رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور ممبر پر رونق افروز ہو کر سارا واقعہ بیان فرمایا۔'' (شرح الصدور ص ۱۰۲)

اسی طرح بعض شہداء کی برزخی زندگی اور ان کے دربار خداوندی میں مقبول ہونے کے حالات کو بھی مخبر صادق جناب سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ (شہید احد) کے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے والد ماجد کی شہادت پر مجھ سے ایک دن سید دو عالم ﷺ نے اس قدر حزن و ملال کا سبب پوچھا تو میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ میرے والد ماجد شہید ہو گئے اور کافی کنبہ اور قرض چھوڑ گئے ہیں۔ اس لئے میں پریشان رہتا ہوں تو حضور انور ﷺ نے فرمایا: ''مَا كَلَّمَ اللهُ أَحَدًا إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابِهِ وَأَحْيَى أَبَاكَ فَكَلَّمَهُ كِفَاحًا'' اللہ تعالیٰ نے کسی کے ساتھ بھی بالمشافہ بات چیت نہیں کی مگر تیرے باپ کو زندہ فرما کر اس کے ساتھ بالمشافہ (رو برو) بات فرمائی اور اس سے فرمایا تو کیا چاہتا ہے تو تیرے باپ نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں مجھے دنیا میں زندہ بھیج دیا جائے تاکہ دوبارہ شہادت سے سرفراز ہو جاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے پہلے فیصلہ فرما دیا ہے کہ یہاں آنے والے واپس دنیا میں نہ جائیں گے۔ (ترمذی تفسیر آل عمران)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: ''اگر چہ یہ انعام و اکرام غزوہ احد کے سب شہداء کو عطاء ہوا تھا مگر سب سے پہلے حضرت عبد اللہ کو یہ شرف عطاء ہوا۔'' (کوکب دری ج ۲ ص ۲۰۴)

اسی طرح بعض اموات کے بدنوں کا سلامت رہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دوسرے بعض سعادت مندوں کو بھی حاصل ہوا۔ چند تاریخی واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

۱...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نجران کے ایک آدمی نے ایک کھنڈر کھودا تو دیوار کے نیچے ایک مردہ نوجوان بیٹھا ہوا پایا جس نے اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور ایک انگلی میں انگشتری بھی تھی جس پر ''اللّٰہُ رَبِّی'' لکھا ہوا تھا۔ نجران کے لوگوں نے یہ سارا واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اس نوجوان کو اس حال پر رکھا جائے۔

ف: اس نوجوان کا نام عبداللہ التامر تھا اور یہ ان نوجوانوں میں تھا جو اصحاب الاخدود کا شکار ہوئے تھے، جن کا ذکر سورۃ البروج میں ہے۔

۲...... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب میدان احد میں زیر زمین نہر کھودی گئی تو:

الف: حضرت عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہم کی نعش بالکل سلامت اسی طرح نکلی کہ زخم پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جب ہاتھ ہٹایا گیا تو خون بہہ نکلا اور تھوڑی دیر بعد ہاتھ وہاں جا کر چپک گیا۔

ب: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ نہر کھودنے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا کہ اپنے اپنے شہداء کو یہاں سے ہٹالیا جائے، تو جن لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کی قبروں کو کھود کر وہاں سے نکالا وہ سارے کے سارے ایسے تھے جیسا کہ ابھی غسل دیا گیا ہو، ان کے بدنوں سے پانی نچڑ رہا تھا، ایک شہید کے پاؤں پر غلطی سے کدال لگ گیا تو اس سے تازہ خون بہہ نکلا۔ (المصنف جز ۳ ص ۵۴۷ وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۱۷)

ابوسعید نے فرمایا کہ اب کوئی منکر حیات شہداء اس کا انکار نہ کر سکے گا۔

۳...... مشہور محدث، مفسر، مؤرخ اسلام علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اپنی مقبول اور مشہور ترین کتاب المنتظم میں کئی نادر واقعات کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے صرف دو درج کئے جاتے ہیں۔

الف: محمد بن یحییٰ ایک شخص فوت ہو گیا، اس کو دفن کر دیا گیا۔ رات کو کفن چوروں نے اس کی قبر کھودی تو وہ اچانک بیٹھ گیا اور دوڑتا ہوا گھر آ پہنچا کافی زمانہ زندہ رہا۔ اس کو حامل کفنہ کہا جاتا تھا۔ (یعنی وہ آدمی جو اپنا کفن اٹھا کر لے آیا)

ب: اسی طرح ایک آدمی کے دفن کے بعد جب کفن چوروں نے اس کی قبر کھودی تو وہ زندہ ہو کر بھاگ آیا پھر کافی زمانہ زندہ رہا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا بھی دیا جس کا نام مالک تھا۔ (ج ۶ ص ۱۱۴)

۴...... دلائل الخیرات کے مرتب حضرت مولانا محمد سلیمان رحمہ اللہ کا وصال ۸۰۰ھ میں سو برس کی عمر میں ہوا مگر ستر (۷۰) سال بعد ان کی میت کو مراکش لے جانے کے لئے جب قبر کو کھودا گیا تو بدن اور کفن بالکل صحیح و سالم تھا۔

(مکاتیب شیخ الاسلام ج ۲ ص ۲۳۱)

۵...... گجرات کے ایک ولی اللہ صالح خانجیو صدیقی کو گجرات کے ظالم حاکم نے پھانسی کا حکم دیا۔ جونہی آپ کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا گیا، آپ نے کلمہ شہادت پڑھنا شروع کیا۔ آپ کا بدن زمین سے اٹھایا گیا اور روح پرواز کر گئی مگر جب پھندا نرم ہونے کے بعد بدن زمین پر آ لگا تو آپ کے بدن میں روح کا اعادہ ہوا اور آپ نے کلمہ شہادت کا باقی حصہ بھی پڑھ لیا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۰۲)

۶...... مندرجہ ذیل واقعہ سب سے زیادہ عجیب اور قرآنی فیصلے کی تصدیق ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ ہمارے اسی زمانہ کا ہے اور اس کے عینی گواہ جناب سید لطافت حسین صاحب کے الفاظ میں ہے: ''دریائے دجلہ کے کنارے سیدنا حضرت عبداللہ بن جابر اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے مزارات ہیں۔ دریا مزارات کو کاٹتا ہوا بالکل ان مزارات کی جڑ میں پہنچ گیا اور خیال تھا کہ چند روز میں یہ مزارات مقدسہ دریا برد ہو جائیں گے۔ اس واسطے حکومت عراق نے تجویز کیا کہ ان اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک نعشیں قبور سے کھود کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے احاطہ میں دفن کر دی جائیں۔ مجھ کو خبر ذرا دیر سے ملی۔ لیکن الحمد للہ! ان اصحاب کبار کے جنازوں میں شرکت اور کندھا دینے کا موقع اچھی طرح مل گیا۔ تقریباً آٹھ دس ہزار آدمی تھے۔ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں، کہاں میں سیاہ کار اور کہاں یہ اصحاب کبار رسول اللہ ﷺ کے جنازوں کی شرکت، جو سماں اس وقت تھا وہ احاطہ تحریر سے باہر ہے لیکن اس واقعہ نے میرے دل میں ایک گونہ تسکین پیدا کر دی۔ اللہ کریم بحرمت ان بزرگوں کے ہم سب کی عاقبت بخیر فرمائے۔ جس وقت ان اصحاب کے جنازے حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کے سامنے رکھے گئے، ایک ضعیف قاری نے سورۃ الانبیاء کا رکوع ''اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی'' بڑی رقت سے پڑھنا شروع کیا۔ قرأت کی موزونیت، قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ وبکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا۔ اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا، ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔'' (رسالہ صدق لکھنؤ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۹۳۴ء)

ف: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ (حم السجدة: ۵۳)'' ہم ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں اطراف عالم میں۔

ف: ان دونوں سعادت مندوں کا مختصر سا حال درج ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

آپ کے والد کا نام حسیل اور لقب یمان ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ العبسی ہے۔ صاحب سر (رسول اللہ ﷺ کے رازدار) صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے گزشتہ اور آئندہ قیامت تک ہونے والے تمام واقعات بیان فرمائے ہیں۔ (صحیح مسلم) اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی پیروی فرماتے۔ اگر وہ ان کی نماز جنازہ میں شرکت فرماتے تو آپ بھی تشریف لے جاتے، ورنہ آپ بھی شرکت نہ فرماتے۔ آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ وغیرہم اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں اور آپ کو کاتب نبی ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ۳۵ھ اور بقول بعض ۳۶ھ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے چالیس روز بعد وفات پائی اور آپ کا مزار مبارک دریائے دجلہ کے کنارے ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

کنیت ابوعبداللہ ہے۔ انصاری سلمی اور مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ کثرت سے روایت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر سمیت کل اٹھارہ (۱۸) معرکوں اور غزوات میں حصہ لیا۔ شام اور مصر بھی تشریف لے

گئے۔ اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ ۷۴ھ میں بعمر ۹۴ برس وفات پائی۔ آپ سے بہت زیادہ تعداد نے روایت کی ہے۔ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد (۱۵۴۰) ہے۔ متفق علیہ ۶۰، صحیح بخاری ۲۶، صحیح مسلم ۱۲۶، ہیں۔ آپ کا مزار مبارک دریائے دجلہ کے کنارے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب ہے۔

حیات بعد الموت کی تصدیق کا ایک عجیب واقعہ

اسود عنسی جھوٹے نبی نے ابو مسلم خولانی سے یہ کہا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں؟ تو ابو مسلم نے کہا کہ میں تیری بات نہیں سن رہا۔ پھر اسود عنسی نے کہا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (ﷺ) تو ابو مسلم خولانی نے کہا کہ بے شک میں سید دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتا ہوں، تو اسود عنسی کے حکم سے آگ جلائی گئی اور اس آگ میں ابو مسلم خولانی کو ڈال دیا گیا مگر لوگوں نے دیکھا کہ ابو مسلم زندہ ہے اور نماز پڑھ رہا ہے اور وہ آگ ٹھنڈی ہو چکی ہے۔

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ابو مسلم مدینہ منورہ آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھا کر یوں فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یُمِتْنِیْ حَتّٰی اَرَانِیْ فِیْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ فُعِلَ بِهٖ كَمَا فُعِلَ بِاِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ'' اس اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے جس نے مجھے اپنی زندگی میں حضور ﷺ کا ایک ایسا امتی دکھا دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے وہی فضل فرمایا جو ابراہیم علیہ السلام پر فرمایا تھا۔ (کتاب النبوات از ابن تیمیہ مطبوعہ مصر ۱۳۴۶ھ ص ۲۶۵)

میت کا بعض واقعات کی اطلاع دینا

علامہ ابن القیم نے ایسے کئی واقعات ذکر کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کبھی کبھی افہام و تفہیم بھی کر دیتے جیسا کہ:

۱...... حضرت صعب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عوف نے ان کو خواب میں دیکھا تو دوسری باتوں کے علاوہ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لئے تھے وہ فلاں جگہ پڑے ہیں وہ اس کو دے دیں۔ نیز میری بیٹی چھ دن کے بعد مر جائے گی۔ چنانچہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے اس جگہ سے دس دینار لے کر ادا کر دیئے اور واقعی ان کی بیٹی چھ دن کے بعد فوت ہو گئی۔

۲...... حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کسی نے ان کی زرہ اتار کر ایک پوشیدہ جگہ پر رکھ دی۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ ادھر تو ایک آدمی کو خواب میں آئے کہ جا کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے کہہ دے کہ میری زرہ فلاں آدمی نے فلاں جگہ چھپا رکھی ہے وہاں سے لے لیں اور ادھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خواب میں آئے کہ مجھ پر جتنا قرض ہے میرے مال سے ادا کر دیجئے نیز میرا فلاں غلام بھی آزاد کر دیجئے۔

چنانچہ ان دونوں جلیل القدر صحابیوں نے (حضرت خالد رضی اللہ عنہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) ان کی اس اطلاع کو درست سمجھ کر اس پر عمل فرمایا اور وہ سب باتیں درست نکلیں، یہ واقعہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کا ہے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تو گویا یہ اجماع بن گیا۔ (کتاب الروح و شرح الصدور)

مزارات اہل اللہ سے فیض باطنی

جیسا کہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ موت کے بعد بھی میت کے بدن کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ادراک اور سماع رکھتا ہے اس لئے جب کوئی صاحب دل کسی اللہ کے برگزیدہ بندے کی قبر پر مراقب ہوتا ہے تو صاحب قبر سے اکتساب فیض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہو جاتا ہے، مشہور فلسفی اور مفسر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الکتاب العالیۃ'' میں زیارت قبور کے فوائد میں فرمایا: ''جب کوئی انسان کسی کی قبر پر جاتا ہے اور کچھ دیر ٹھہرتا ہے تو اس صاحب قبر میں اور اس زیارت کرنے والے میں ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے، اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے جیسا کہ ایک آئینہ دوسرے آئینے کے سامنے ہو اب ایک کا فیض دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے اگر میت زائر سے زیادہ قوی ہے تو اس کا فیض زائر پر اثر انداز ہوتا ہے اور اگر زیارت کرنے والا قوی ہے تو اس کی برکات سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔'' (السیف الصقیل ص ۱۲۹)

قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ العزیز سے پوچھا گیا کہ بعض صوفی قبور اولیاء پر چشم بند کر کے بیٹھتے ہیں اور سورۃ الم نشرح لک پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا سینہ کھلتا ہے اور ہم کو بزرگوں سے فیض ہوتا ہے۔

جواب: اس کی بھی اصل ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۹۶)

ف ۱: معلوم ہوا کہ شہداء کے بغیر بھی دوسرے بعض سعادت مندوں کے بدن سلامت رہتے ہیں۔ مٹی ان پر اثر نہیں کر سکتی جیسا کہ: ''حافظ قرآن عزیز، اذان کہنے والا، عالم باعمل جس کی شکل میں سید دو عالم ﷺ کسی کو خواب میں نظر آئیں۔''

ف ۲: بعض اموات کے متعلق روایات میں ہے کہ وہ اذان اور اقامت کہتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، قرآن عزیز کی تلاوت کرتے ہیں، حج کے لئے بھی جاتے ہیں۔

(فیض الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۸۳، از علامہ انور شاہ مرتبہ مولانا بدر عالم میرٹھی)

جب اُمت کے بدن سلامت رکھے جا سکتے ہیں تو سید الانبیاء ﷺ کے جسد اطہر کو کس طرح مٹی کے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد عالی: ''اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ'' بالکل صحیح ہے۔

تو جب بدن سلامت رہے تو روح تو سب کی سلامت رہتی ہے زندگی روح اور بدن کی سلامتی اور ان کے باہمی تعلق کا ہی تو نام ہے۔

ف: قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے فرمایا: ''روح کو حیات ہوتی ہے قبر میں سب کی روح زندہ ہے ولی ہو یا عامی۔'' (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۸۳)

بعض اموات کے معمولات قبر میں

جب یہ بات اسلامی تعلیمات سے ثابت ہوگئی کہ مرنے کے بعد قبر میں بدن کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے اور اسے برزخی زندگی حاصل ہوتی ہے اس برزخی زندگی میں بھی میت وہ نیک اعمال کرتا رہتا ہے جو اس کو دنیا میں پسند اور مرغوب تھے۔ کیونکہ اہل جنت کے لئے خداوند قدوس کا یہ ارشاد ہے: ''ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون (السجدۃ: ۳۱)'' اور تم کو ملے گا اس جنت میں جو تمہارے دل چاہیں گے اور تم کو وہ بھی ملے گا جو تم مانگو گے۔

اگر چہ اس رحمت اور مہربانی کا کامل ظہور تو قیامت کے دن ہوگا مگر چونکہ قبر بھی قیامت کی پہلی منزل ہے اس لئے یہاں بھی اس کے پرتو کا ظہور رہتا ہے۔

اسی طرح بعض احادیث میں آتا ہے کہ جس مسلمان کو قرآن مجید کی تلاوت کی عادت ہوتی ہے اس کو قبر میں مصحف شریف دیا جاتا ہے تاکہ وہ تلاوت کرے۔ البتہ اتنی بات ہے کہ دنیا میں ہم عبادات کے مکلف ہوتے ہیں اور برزخی زندگی میں مکلف نہیں رہتے بلکہ اپنی دلی محبت اور پسندیدگی کی وجہ سے ان عبادات اور معمولات کو کرتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے سفر میں ایک جگہ اپنا خیمہ لگایا تو زمین سے سورۃ ملک پڑھنے کی آواز آتی رہی، واپسی پر سید دو عالم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ھی الناجیۃ ھی المنجیۃ'' (مشکوۃ)

ف: منکرین حیات اکثر حافظ ابن تیمیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ حافظ رحمہ اللہ اکثر عقائد میں ان کے خلاف ہیں۔ آل الشیخ میں سے علامہ شیخ عبداللطیف رحمہ اللہ نے ایک کتاب ''مصباح الظلام'' میں فرمایا ہے کہ: ''جب اکثر اموات کی قبروں سے قرآن کی آواز سنی جاتی ہے تو حضور انور ﷺ کی قبر انور سے کیوں بعید سمجھا جائے گا؟'' (کتاب مذکور ص ۲۹۳)

فانی جہان سے باقی جہان کو روانگی

یہ بات شرعاً اور عقلاً اور مشاہدۃً بالکل حقیقت ہے کہ ہر انسان پر اس کی عمرِ طبعی کامل ہونے پر موت آجاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر شدہ وقت پر وفات پاجاتا ہے، مگر جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ یہ موت عدم محض یا بالکل ملیا میٹ ہونے کا نام نہیں بلکہ یہ وفات کہلائی جاتی ہے اور اس کو انتقال بھی کہا جاتا ہے یعنی اس دنیاوی زندگی کو چھوڑ کر دوسری زندگی کی طرف منتقل ہوجانا ہے۔ شاید یہی حکمت ہے کہ قرآن حکیم نے وفات اور موت کے ساتھ ایک اور جہان کی طرف لوٹائے جانے کا ارشاد فرمایا ہے یعنی وفات کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ مرنے والا اب ختم ہوگیا بلکہ وہ تو اپنی دوسری منزل کی طرف لوٹ گیا یا لوٹایا گیا۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: ''کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (البقرۃ:۲۸)'' کس طرح منکر ہوتے ہو خدا تعالیٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے پھر زندہ کیا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

''كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (الانبیاء:۳۵)'' ہر جی کو چکھنی ہے موت اور ہم تم کو جانچتے ہیں برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو اور ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔

''ان الینا ایابھم۔ ثم ان علینا حسابھم (الغاشیۃ:۲۵، ۲۶)'' بے شک ہماری طرف ان کا لوٹ کر آنا ہے اور پھر ہم پر ان کا حساب لینا ہے۔

''قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون (السجدۃ:۱۱)'' آپ ﷺ فرمادیجئے تم کو وفات دے گا موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

''فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون (یٰس:۸۳)'' پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

قرآن عزیز کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں یہ بھی ارشاد فرمایا: ''ان الی ربک الرجعی (العلق:۸)'' بے شک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

اس رجوع الی اللہ اور انتقال کا جامع اور مختصر حال قرآن کریم نے یوں ارشاد فرمایا: ''كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ۔ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ۔ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ۔ إِلَى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (القیامۃ:۲۶ تا ۳۰)'' ہرگز (اور کوئی بات نہیں) جس وقت جان پہنچے سینہ کی ہنسلی تک اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا اور وہ سمجھا کہ اب وقت آیا جدائی کا اور لپٹ گئی پنڈلی پر پنڈلی، تیرے رب کی طرف ہے اس دن کھنچ کر چلا جانا۔

یعنی اب اس زمین پر چلنا پھرنا تو ختم ہوگیا اب تو اپنے رب کی طرف چلایا جائے گا، اس سفر کی ابتداء اور آخری منزل کو یوں ارشاد فرمایا: ''فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ۔ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ۔ فَلَوْلَا إِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ۔ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ۔ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيمٍ۔ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ۔ فَسَلَامٌ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ۔ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ۔ فَنُزُلٌ مِنْ حَمِيمٍ۔ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ۔ إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ (الواقعۃ:۸۲ تا ۹۵)'' پھر کیوں نہیں جس وقت جان حلق کو پہنچے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو اور ان کے پاس ہیں تم سے زیادہ قریب ہم پر تم نہیں دیکھتے پھر کیوں نہیں۔ اگر نہیں تم کسی کے حکم میں تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر وہ آدمی ہوا خدا کے مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ ہے نعمت کا اور اگر وہ ہوا داہنے والوں سے تو سلامتی پہنچے تم کو داہنے والوں سے اور جو ہوا جھٹلانے والوں بہکنے والوں سے تو مہمانی ہے جلتا پانی اور ڈالنا آگ میں بے شک یہی بات ہے لائق یقین کے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ''یعنی تم ایک منٹ کے لئے نہیں روک سکتے۔ اس کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا ضروری ہے۔ اگر وہ مردہ مقربین میں سے ہوگا تو اعلیٰ درجہ کی روحانی اور جسمانی راحت وعیش کے سامانوں میں پہنچ جائے گا اور اگر اصحاب یمین میں سے ہوا تب بھی کچھ کھٹکا نہیں:...... حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی خاطر جمع رکھ ان کی طرف سے یا یہ مطلب ہے کہ اصحاب یمین کی طرف سے اس کو سلام پہنچے گا یا اس کو کہا جائے گا کہ تیرے لئے آئندہ سلامتی ہی سلامتی ہے اور تو اصحاب یمین میں شامل ہے، بعض احادیث میں ہے کہ موت سے پہلے ہی مرنے والے کو یہ بشارتیں مل جاتی ہیں اور اسی طرح مجرموں کو ان کی بدحالی کی اطلاع دے دی جاتی ہے۔''

برزخی زندگی کی ابتداء

اب اس زندگی کے خاتمہ پر دوسری زندگی شروع ہوگئی، جس کو قرآن کریم نے برزخی زندگی کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی اب دنیا والوں اور ان مسافران آخرت کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا گیا ہے۔ ان کے حالات اب یہ نہ دیکھ سکیں گے۔ کبھی کبھی عبرت اور زیادتِ یقین کے لئے کسی سے پردہ اٹھا دیا جائے گا۔ مگر اب پردہ ہی رہے گا۔ قرآن عزیز کا ارشادِ گرامی ہے: ''قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ۔ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ۔ حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ۔ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ

وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المومنون:۹۷تا۱۰۰) ''اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں (موت کے وقت) یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی کو موت کہے گا اے میرے رب مجھ کو پھر بھیج دو شاید میں کچھ بھلا کام کرلوں اس میں جو پیچھے چھوڑا ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں۔

یعنی اب دوسرا جہان شروع ہوگیا ہے وہ تم زندہ لوگوں کو نظر نہیں آئے گا مگر وہاں مستقل اس جہان کے مطابق زندگی شروع ہوجائے گی، جس طرح دیوار یا پردہ کے پیچھے کوئی کام ہوتا ہو تو وہ دوسروں کو نظر نہیں آتا مگر وہ ہوتا ضرور ہے۔

ف: برزخ کا معنی پردہ اور آڑ ہے دو چیزوں کے درمیان، جیسا کہ سورۃ الرحمن میں فرمایا: ''مرج البحرین یلتقیٰن۔ بینھما برزخ لا یبغین (الرحمن: ۱۹، ۲۰) ''اسی اللہ تعالیٰ نے دو دریا چلائے جو مل کر تو چلتے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے ایک کا پانی دوسرے میں نہیں چڑھ سکتا۔

اسی طرح سورۃ الفرقان میں فرمایا: ''وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَحْجُورًا (الفرقان:۵۳) ''اور وہی اللہ ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا، یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا اور رکھا ان کے بیچ پردہ اور آڑ رکھی ہوئی۔

یہ دوسری زندگی اس کو برزخی زندگی کہا جاتا ہے فوراً شروع ہوجاتی ہے جیسا کہ محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا: ''مردن ایں طرف زیستن آں طرف'' یعنی ادھر موت واقع ہوئی اور ادھر پھر زندہ ہوگیا۔

ف: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ بہ عنوان ''عالم برزخ و تشکل اعمال، عقیدہ حیات قبر'' احادیث میں کے عنوان میں آرہا ہے۔

برزخ کا معنی وہ پردہ ہے جو دو چیزوں کے درمیان ہو مگر وہ نظر نہ آئے، جیسا کہ سورج اور سائے کے درمیان پردہ ہوتا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۴ ص ۲۲۲)

چونکہ میت کے حالات اور قبر کے واقعات دنیا اور قیامت کے درمیان ایسا پردہ ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے، اس لیے ان کو برزخ فرمایا ہے۔

عقائد کا سمعی ہونا

اسلامی عقائد سارے کے سارے سمعیات کہلاتے ہیں یعنی توحید باری تعالیٰ، رسالت کونین ﷺ و جملہ انبیاء علیہم السلام اور متعلقات رسالت وحی، آسمانی کتابیں، فرشتے، تقدیر، قبر کا ثواب اور عذاب قیامت، ان سب عقائد کا تعلق سمعیات سے ہے۔ یعنی ہم نے سید دو عالم ﷺ سے سن کر قبول کئے ہمارے اپنے عقل اور فہم و فراست کو اس میں دخل نہیں۔ یہی حکمت ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی تعلیمات کو ''سمعیات'' کے ساتھ تعبیر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا (آل عمران:۱۹۳) '' اے ہمارے رب ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو جو پکارر ہا تھا ایمان کے لئے یوں کہہ کر کہ ایمان لے آؤ اپنے رب پر، پس ہم ایمان لے آئے۔

اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں اللہ تعالیٰ کو صرف اپنے عقل و دلائل سے مانتا ہوں تو وہ مسلمان نہیں جب تک یہ

نہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس تعلیم اور ارشاد پر عمل کرتے ہوئے جو نبی کریم جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے...... یہی وجہ ہے کہ علم عقائد کی ہر کتاب یعنی عقائد نسفی سے لے کر تمام کتب عقائد میں السمعیات کو ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی جو عقیدہ سید دوعالم ﷺ نے فرمایا اس کو ماننا ضروری ہے۔ اپنے ناقص علم اور تجربے اور مشاہدہ کو ایمان کی بنیاد نہ سمجھنا چاہئے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے مسیح علیہ السلام اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار کر دیا ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ اور ناقص علم میں نہیں آتی کہ ایک انسان کس طرح تقریباً دو ہزار سال سے نہ صرف زندہ ہے بلکہ اس کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم کی واضح اور روشن آیات، احادیث متواترہ اور علماء امت کا اجماع اور اولیاء ملت کا اس عقیدہ پر آج تک اتفاق ہے۔ اسی طرح حیات قبر اور دوسرے برزخی عقائد کا بعض لوگوں نے سرے سے انکار کر دیا اور بعض نے غلط تاویلات کر دیں اور اسی عقل پرستی کا شکار ہو کر معراج جسمانی، جنت، دوزخ، ملائکہ اور جنات کا انکار کر دیا۔

میت کا بعض امور میں ادراک اور شعور

جب ایک مسلمان پر موت کا وقوع ہو جاتا ہے بظاہر اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے مگر اس کو حسب ارشاد سید دوعالم ﷺ مندرجہ ذیل امور کا علم ہوتا ہے، جن کا خلاصہ بحوالہ کتب درج ہے۔

۱...... سید دوعالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اِنَّ الْمَیِّتَ لَیَعْرِفُ مَنْ یَّحْمِلُهٗ وَیَغْسِلُهٗ وَمَنْ یُدْلِیْهِ فِی قَبْرِهٖ'' بے شک میت پہچانتی ہے اس کو جو اس کو اٹھاتا ہے اور اس کو غسل دیتا ہے اور جو اس کو قبر میں اتارتا ہے۔ (جمع الفوائد ص ۲۴۱)

میت کا چارپائی پر پیغام سننا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مرنے والے مسلمان کی معرفت سید دوعالم ﷺ کی خدمت میں سلام بھیجا کرتے تھے، جیسا کہ: ''محمد بن المنکدر فرماتے ہیں کہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس وقت پہنچا جب کہ وہ سکرات موت میں مبتلاء تھے، ان سے عرض کیا سید دوعالم ﷺ کی خدمت میں میرا اسلام کہہ دینا۔''

یہ حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے جس کو مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے اور محمد بن المنکدر رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی جن کے علم، عمل، تقویٰ پر علماء عصر کا اتفاق ہے اور جابر بن عبداللہ دونوں باپ بیٹا صحابی رضی اللہ عنہما ہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

اور یہ سلام بھیجنا صرف سید دوعالم ﷺ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ بعد میں یہ پیغام سلام کا سلسلہ جاری رہا جیسا کہ: ''اَخْرَجَ الْبُخَارِیْ عَنْ خَالِدَةَ بِنْتِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَنِیْسٍ قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ اَنِیْسٍ بِنْتُ اَبِیْ قَتَادَةَ بَعْدَ مَوْتِ اَبِیْهَا بِنِصْفِ شَهْرٍ اِلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَنِیْسٍ وَهُوَ مَرِیْضٌ فَقَالَتْ یَا عَمِّ اِقْرَأْ اَبِیَ السَّلَامَ'' بخاری نے عبداللہ بن انیس کی صاحبزادی خالدہ سے اس بات کو بیان کیا ہے کہ ابوقتادہ صحابی (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی ام انیس اپنے والد کی وفات کے پندرہ دن بعد عبداللہ بن انیس کے پاس آئی۔ جب کہ وہ مرض الموت کے مریض تھے اور یہ کہا کہ اے چچا میرے والد کو میرا اسلام پہنچا دینا۔ (مرقاۃ)

صحیح احادیث میں مندرجہ ذیل واقعہ موجود ہے جس کو سعودی عرب کے سابق شیخ الحرم اور پہلے سفیر پاکستان علامہ عبدالحمید خطیب مرحوم نے اپنی کتاب (مناجات اللہ ص ۴۷) پر ذکر فرمایا ہے: ''جب بشر بن براۃ بن

معمر فوت ہو گئے تو ان کی والدہ کو سخت صدمہ ہوا، اس نے سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ بنو سلمہ میں سے کوئی نہ کوئی مرتا ہی رہے گا۔ کیا مرنے کے بعد اموات ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کیا میں اپنے بیٹے بشر کو کسی میت کی وساطت سے سلام بھیج دیا کروں۔ اس کے جواب میں حضور پر نور ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے بشر کی ماں اموات ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیتی ہیں اس کے بعد جب بھی کوئی قبیلہ بنو سلمہ میں سے مرجاتا تو بشر کی والدہ اپنے بیٹے کو اس کی معرفت سلام بھیج دیتی تھی۔

وفات کے وقت میت کے اعمال کی جانچ پڑتال

احادیث میں موجود ہے کہ جب کسی مسلمان کی روح کو قبض کرنے کے لئے فرشتے آتے ہیں تو اس وقت شیطانی حملہ بھی ہوتا ہے کیونکہ شیطان نے یہ کہا تھا کہ میں ان پر آخر تک حملے کرتا رہوں گا۔ جیسا کہ ارشاد قرآن عزیز ہے: ''قال انظرنی الی یوم یبعثون (الاعراف: ۱۴)'' ابلیس نے کہا تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ یہ اٹھائے جائیں گے۔

اس لئے سید دو عالم ﷺ نے نیک اعمال کے فوائد ارشاد کرتے ہوئے فرمایا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''نماز مومن کے سر کے قریب آ جاتی ہے اور زکوٰۃ دائیں جانب اور روزہ بائیں جانب اور دوسرے نیک اعمال پاؤں کی جانب (ہو کر شیطانی خطرات کا تحفظ کرتے ہیں) ہر عمل اس جہت پر حملہ کرنے والوں سے یہ کہتا ہے کہ اس طرف سے تو حملہ نہیں کر سکتا۔'' (جمع الفوائد ص ۲۴۱)

میت کو جب اٹھا کر لے جاتے ہیں تو اگر وہ میت جنتی ہے تو اٹھانے والوں سے کہتا ہے مجھے جلدی جلدی لے چلو اور اپنے گھر پہنچا دو۔ جیسا کہ کوئی قید سے آزاد ہو کر اپنے گھر جلدی پہنچنے کے لئے بے قرار ہوتا ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو شور مچاتا ہے کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ جیسا کہ کسی کو حوالات یا جیل خانے لے جاتے ہیں۔
امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب مندرجہ ذیل عنوان سے بیان فرمایا ہے: ''بَابُ قَوْلِ الْمَيِّتِ وَهُوَ عَلَى الْجَنَازَةِ قَدِّمُونِي''

''عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُونِي وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ ذٰلِكَ قَالَتْ لِأَهْلِهَا يَا وَيْلَهَا أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ'' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب میت کو جنازہ پر رکھا جاتا ہے اور اس کو مرد اٹھا کر لے جاتے ہیں تو اگر وہ مرنے والا نیک ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے جلدی لے چلو اور اگر برا ہوتا ہے تو گھر والوں کو کہتا ہے کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، اس کی آواز کو انسان کے بغیر ہر چیز سنتی ہے اگر انسان سن لیتا تو بے ہوش ہو جاتا۔

ف: بخاری رحمہ اللہ کا جو درجہ اور مقام اسلام میں ہے اس کو سب جانتے ہیں، اس کو قرآن عزیز کے بعد دوسرا درجہ دیا جاتا ہے۔ اس امام بخاری نے اپنی صحیح میں قول المیت کا باب بیان فرمایا ہے یعنی وہ بدن جس کو میت کہا گیا ہے، بظاہر وہ میت ہے، مگر شرعی طور پر اس کی موت فنا کامل نہیں بلکہ وہ اب بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بول رہا ہے۔ حدیث میں صاف موجود ہے کہ جو بدن اٹھانے والوں نے اٹھایا ہوا ہے وہی اپنی زبان سے کہہ رہا ہے۔ حضور انور ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اس کی آواز کو ہر چیز سنتی ہے مگر انسان نہیں سن سکتا اور اس کی وجہ بھی

ارشاد فرمادی کہ اگر ہر انسان سن لے تو وہ اس ہیبت سے بے ہوش ہو جائے۔

ف: عقل کے پرستاروں کی بات صحیح ہے یا سید دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی صحیح ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ جو حضور انور ﷺ نے فرمایا وہ بالکل صحیح اور سچ ہے: "فالحمدللہ علی ذٰلک"

ف: خلافت راشدہ کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ: "حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ابھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کا انتظار تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور دو دفعہ کہا: "السلام علیکم" تم سب خاموش رہو اور ادھر کان لگاؤ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (ﷺ) یہ بات پہلی کتاب میں بھی ہے سچے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کر دکھایا جو جسمانی لحاظ سے تو کمزور تھے مگر اللہ تعالیٰ کے دین کو جاری کرنے میں بڑے بہادر تھے۔"

اس روایت کے راوی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں اور اس روایت کو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب میں ذکر کیا ہے۔ سعودی عرب کے جدید محقق مورخ احمد بن عبدالحمید عباسی نے اپنی کتاب تاریخ مدینہ جس کا نام عمدۃ الاخبار ہے میں اس کو درج فرمایا ہے۔ (ص ۲۱۳)

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (اکفار الملحدین ص ۵) میں استناد کے لئے نقل فرمایا ہے۔

ف: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سید دو عالم ﷺ کے سفر آخرت کے بعد جو کام دین اسلام کی سربلندی کے لئے کئے، ان کی نظیر نہیں ملتی۔ یعنی مرتدوں کا صفایا، مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی اور جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب کا قتل اور اس فتنے کا پورا استیصال۔

ف: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ موت کے بعد کلام کرنے کو صحیح سند کے ساتھ کافی علماء نے روایت کیا ہے۔ (رسالہ تبشیر الاصفیاء ص ۸)

محدث کبیر محمد بن عبدالواحد بن احمد المقدسی (م ۶۴۶ ھ) نے ایک کتاب بنام "کلام الاموات" تحریر فرمائی ہے۔

اموات کے ورثاء اور عام مسلمانوں پر حقوق

جب ایک مسلمان اس دنیا سے جانے والا ہو تو اس کو یوں ہی نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کی نجات اور عالم برزخ اور حشر میں کام آنے والے اعمال کی طرف ورثاء اور دوسرے مسلمانوں کو توجہ دینی چاہئے۔ سید دو عالم ﷺ نے اس بارہ میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

۱...... "لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" قریب المرگ مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کی تلقین کرو۔

۲...... "اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ اَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ" جب تم کسی بیمار یا میت کے پاس جاؤ تو نیکی کی بات کہو کیونکہ فرشتے بھی تمہارے کہنے پر آمین کہتے ہیں۔

۳...... "اِقْرَؤُا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ" قریب المرگ مسلمانوں پر سورہ یٰس کی تلاوت کرو۔

۴...... سید دو عالم رحمت دو عالم خود بھی قریب المرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ''سید دو عالم ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ جب کہ میرے خاوند ابو سلمہ بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے اور ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ رحمت دو عالم ﷺ نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے ان کی آنکھوں کو بند کرتے ہوئے فرمایا کہ جب روح کو قبض کیا جاتا ہے تو آنکھ اس کو دیکھتی ہے۔ یہ سن کر (گھر والوں کو ابو سلمہ کی موت کا یقین ہوا) تو کچھ لوگوں نے آہ و فغاں شروع کر دی۔ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا منہ سے وہی بات نکالو جو بہتر ہو، فرشتے تمہاری بات پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا یا اللہ ابو سلمہ کو بخش دے اور اس کا درجہ ہدایت پانے والوں میں بلند فرما۔ اس کے پسماندگان کو اس سے بہتر بدل عطاء فرما۔ اے سب جہانوں کے پروردگار ہم کو اور اس کو بھی بخش دے اور اس کی قبر کو وسیع تر فرما دے اور اس کے لئے اس کی قبر کو پرنور بنا دے۔''

سید دو عالم ﷺ کے اس بابرکت عمل سے ثابت ہوا کہ: ''قریب المرگ آدمی کے پاس جائے اور اس کے اعضاء کو اس طرح کر دے کہ دیکھنے والے وحشت محسوس نہ کریں اس کے لئے دعائے مغفرت کرے۔''

ف: حضور ﷺ کی دعا (کہ اس کے گھر والوں کو اس سے بہتر بدل عطاء فرما) یوں قبول ہوئی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سید دو عالم ﷺ نے نکاح فرمالیا۔

ف: علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ میت کو تلقین کرنا اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں احادیث کی روشنی میں حقیقی معنی پر ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ البتہ معتزلہ کے ہاں چونکہ دوبارہ زندہ کرنا قبر میں محال ہے، اس لئے تلقین کا کوئی فائدہ نہیں۔ (ج ۱ ص ۶۲۸)

۵...... میت کو شریعت کے مطابق لباس پہنایا جائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنی حالت قریب المرگ میں نئے کپڑے طلب فرما کر پہن لئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں نے خود سید دو عالم ﷺ سے سنا ہے کہ: ''آپ نے فرمایا ہے کہ میت کو انہی کپڑوں میں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا جن میں اس کی موت واقع ہوئی تھی۔''

۶...... سید دو عالم ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کو جب کفن پہناؤ تو اچھا پہناؤ۔ (جو شریعت کے مطابق ہو)

۷...... سید دو عالم ﷺ کے ساتھ ایک صحابی سفر میں تھا جس نے احرام پہنا ہوا تھا، اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی تو سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اِغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهٗ فَإِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا'' اس کو خالص پانی میں ڈالے ہوئے بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دے دو اور ان ہی احرام کے دو کپڑوں کو کفن بنا دو اور اس کے سر پر کپڑا نہ ڈالو اور نہ ہی اس کو عطر لگاؤ کیونکہ یہ قیامت کے روز قبر سے تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھایا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

ف: اس حدیث سے واضح ہے کہ میت اب بھی معدوم محض نہیں بلکہ اس کو دوسرے جہان کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس حال میں دنیا سے جائے گا اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

غسل اور تکفین کے بعد اب اس میت کو اٹھایا جائے۔ اس کے پیچھے جانا ایمان کی عظیم علامت ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا نام "بَابُ اِتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ مِنَ الْاِیْمَانِ" ہے۔ میت کو آگے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جائے جو اس کے لئے مغفرت کی دعا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اموات کو زندہ لوگوں کی دعاؤں اور دیگر اعمال سے فائدہ ملتا ہے۔ اگر میت بالغ ہے تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرے اور اگر نابالغ ہے تو اس کو دربار خداوندی میں اپنا شفیع پیش کرتے ہوئے یوں درخواست کرے: "وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا" یا اللہ اس بچے کو ہم سب کی شفاعت کرنے والا بنا اور اس کی شفاعت قبول بھی فرما۔

جنازہ جس قدر ہو سکے زیادہ آدمی پڑھیں، جنازہ کے پیچھے پیچھے جائے اور سوائے عذر کے پیدل جائے کیونکہ فرشتے بھی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ سید دو عالم ﷺ ایک جنازہ پر پیدل تشریف لے جا رہے تھے اور کچھ لوگ سواریوں پر جنازہ کے لئے جا رہے تھے ان کو دیکھ کر امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلَا تَسْتَحْیُوْنَ اَنَّ مَلٰٓئِکَةَ اللّٰهِ عَلٰی اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰی ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ" کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اللہ کے فرشتے تو پیدل آ رہے ہیں اور تم چار پایوں پر سوار ہو کر آ رہے ہو۔ (مشکوۃ)

جب تک جنازہ رکھا نہ جائے احترامِ ملائکہ کے لئے کھڑا رہے۔

میت کے لئے قبر کو لحد بنائے حضور انور ﷺ نے فرمایا: "اللحد لنا" لحد ہم مسلمانوں کے لئے ہے اگر زمین اس قابل نہ ہو تو دوسرے طریقہ کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

جب میت کو قبر میں اتارے تو کوئی نیک آدمی اتارے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ سید دو عالم ﷺ اموات کو قبر میں سر کی جانب سے اتارا کرتے تھے اور یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "بِسْمِ اللّٰهِ رَفَعْنَاکَ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَلَّمْنَاکَ"

اگر مرد ہو تو کاف پر زبر اور عورت ہو تو زیر پڑھے۔ اس دعا میں بھی میت کو خطاب ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ سنتا ہے۔

قبر پر مٹی ڈالی جائے۔ سید دو عالم ﷺ نے تین مٹھی میت کے سر کی طرف ڈالی ہیں۔ قبر تیار ہو جانے پر حسب ارشاد سید دو عالم ﷺ قبر کے سر کی جانب سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پاؤں کی جانب سورہ بقرہ کی آخری آیات تلاوت کی جائیں اور سر کی جانب سے شروع کر کے پاؤں تک پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے۔

قبر کے پہچاننے کے لئے کوئی پتھر وغیرہ علامت رکھی جائے جیسا کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ایک پتھر لا کر عثمان[1] بن مظعون رضی اللہ عنہ کے سر کی طرف رکھ کر فرمایا: "اُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ اَخِیْ وَاَدْفِنُ اِلَیْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِیْ" اس پتھر کو میں اپنے بھائی کی قبر کی نشانی بناتا ہوں اور اس کے قریب اپنے خاندان کے اموات کو دفن کروں گا۔ (ابوداؤد و مشکوۃ)

---

[1] حضرت عثمان بن مظعون امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ اسلام لانے والوں میں آپ کا نمبر چودہ ہے اسلام سے پہلے بھی شراب سے احتراز کیا، اسلام لانے کے بعد ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ منورہ کا شرف حاصل کیا، بدر میں شریک ہوئے، اہل صفہ میں سے تھے اور سب سے پہلے مہاجرین میں سے آپ کا وصال ہوا اور جنت البقیع میں سب سے پہلے آپ ہی کی قبر بنی۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۷۸)

قبر پر برکت کے لئے کھجور کی سبز ٹہنی ایک یا دو رکھ دی جائیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان سے ایک مستقل باب ''بَابُ وَضْعِ الْجَرِيدِ عَلَى الْقَبْرِ'' بیان فرمایا ہے۔ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح میں درمختار کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ: ''قبر پر سبز گھاس کا اگانا بہتر ہے۔ (فیض الباری) مگر زینت کے پھول وغیرہ نہ ڈالے۔''

میت کے دفن کے بعد علماء صلحاء کا قبر پر تھوڑی دیر کے لئے وعظ ونصیحت کرنا بھی میت کا ایک قسم کا حق ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق بھی ایک باب ''بَابُ مَوْعِظَةِ الْمُحَدِّثِ عِنْدَ الْقَبْرِ'' بیان فرمایا ہے، جس کی شرح میں حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قبر کے نزدیک وعظ ونصیحت فرمانا ان اذکار اور اعمال میں سے نہیں جو مکروہ ہیں بلکہ یہ جائز اور بہتر ہے کہ آدمی قبروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے، خود سید دو عالم ﷺ نے ایک قبر پر وعظ ارشاد فرمایا جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے نقل فرمایا ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امر کی وصیت بھی فرمائی ہے جیسا کہ حضور پرنور ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''جب میں مرگیا تو میری میت کے ساتھ رونے والی کوئی نہ ہو اور نہ ہی آگ لے کر جائیں دفن کرنے کے بعد مجھ پر اچھی طرح مٹی ڈال دیں اور پھر میری قبر کے آس پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ تمہاری وجہ سے مجھے قبر کے ساتھ انس پیدا ہو جائے اور وہ جواب مجھے آجائے جو میں نے فرشتوں کو دینا ہے۔'' (مشکوٰۃ)

یہ سارے کا سارا نظام ایک مسلمان کے اس جہاں سے عالم برزخ کے لئے رخصت کرنے اور الوداع کرنے کے لئے رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر موت فنا محض کا نام ہوتا اور مٹ جانے کا نام ہوتا تو یہ سب احکام اور آداب ارشاد نہ فرمائے جاتے، امام الانبیاء نبی کریم ﷺ نے ان سب اعمال کو باعث اجر وثواب قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''مَنْ حَفَرَ قَبْرًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ وَمَنْ كَفَّنَ مَيِّتًا كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ عَزَّى حَزِيْنًا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَصَلّٰى عَلٰى رُوْحِهِ فِي الْأَرْوَاحِ وَمَنْ عَزَّى مُصَابًا كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّتَيْنِ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ لَا تَقُوْمُ لَهُمَا الدُّنْيَا وَمَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةً حَتّٰى يُقْضٰى دَفْنُهَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ ثَلَاثَةَ قَرَارِيْطَ الْقِيْرَاطُ مِنْهَا أَعْظَمُ مِنْ جَبَلِ أُحُدٍ وَمَنْ كَفَلَ يَتِيْمًا أَوْ أَرْمَلَةً أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ وَأَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ'' جس کسی نے کسی کی قبر کھودی اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا اور جس نے میت کو غسل دیا گناہوں سے اس طرح پاک نکل جائے گا جیسا کہ اس دن تھا جس دن اسے ماں نے جنا تھا اور جس نے میت کو کفن پہنایا اس کو اللہ کریم جنت کا لباس پہنائے گا اور جس نے کسی غمناک کی دلجوئی کی اس کو اللہ تعالیٰ تقویٰ کا ایسا لباس پہنائے گا جس کی قیمت ساری دنیا بھی نہ ہو سکے گی اور جو جنازہ کے ساتھ جائے گا اور اس کے دفن تک اس کے ساتھ رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ تین تین قیراط اجر لکھ دیں گے ایک قیراط احد پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا اور جس نے کسی یتیم یا بیوہ کی تربیت اور پرورش کی اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا اور اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ (مجمع الفوائد ج۱ ص۲۳۰)

قرآن عزیز نے مسلمانوں کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ: ''وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر: ۱۰)'' اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور

ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے باایمان گزر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لئے کوئی کھوٹ حسد نہ رکھ اے ہمارے رب تو شفقت والا اور مہربان ہے۔

یعنی مسلمان اموات کا زندہ مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں اور زندہ مسلمانوں کے لئے اپنے دل میں حسد، بغض اور کینہ نہ رکھیں۔

حضور انور ﷺ سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ (قبیلہ بنوسلمہ کے ایک مرد) نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ کیا میرے والدین کے مرجانے کے بعد بھی کچھ ایسے حقوق میرے ذمہ لازم ہیں جن کو میں ادا کروں تو سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ چار حق تجھ پر باقی ہیں:

۱..... ان کی نماز جنازہ پڑھنا۔

۲..... خداوند قدوس سے ان کی بخشش مانگنا۔

۳..... وہ کسی کے ساتھ کوئی وعدہ کر گئے ہوں تو اس کو پورا کرنا۔

۴..... اس کے رشتہ کا جوڑنا یعنی چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ سے تعلق قائم رکھنا۔ (ابوداؤد وابن ماجہ شریف)

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا كُلَّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَ كُتِبَ بَرًّا'' جو آدمی اپنے ماں باپ یا فقط ایک کی قبر کی ہر جمعہ کے دن زیارت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا لکھا جائے گا۔ (مشکوۃ بحوالہ بیہقی و مسند امام اعظم)

ف: یعنی اگر ماں باپ دونوں فوت ہو چکے ہوں تو ان کی قبروں پر ہر جمعہ جائے اور اگر ایک فوت ہو چکا ہو تو ایک کی قبر پر جائے۔ اگر اس مٹی کے ڈھیر میں کچھ نہیں تو جانے کا کیا فائدہ؟ (نعوذ باللہ منہ)

اموات کے لئے دعا کرنا ہر حال میں ان کے حق میں مفید ہے۔ اگر میت کی مغفرت ہو چکی ہے تو اس دعا اور ایصال ثواب سے اس کے درجات بلند ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کے درجات جنت میں مزید بلند فرماتے ہیں تو وہ پوچھتا ہے کہ اے ربِ کریم میرے اعمال کا صلہ تو مجھے مل گیا ہے یہ کہاں سے آئے؟ تو فرمایا جاتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے بخشش کی دعا مانگی ہے۔'' (ترجمہ حدیث)

اور اگر خدانخواستہ میت عذاب میں مبتلاء ہے تو اس کے متعلق ارشاد فرمایا: ''میت کی حالت قبر میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے، وہ اس دعا کا شدت سے انتظار کرتا ہے جو اس کے ماں باپ یا بھائی یا کوئی دوست اس کے لئے کرتا ہے۔ جب وہ دعا دربارِ خداوندی میں قبول ہو کر اس کو پہنچتی ہے تو اس کو ساری دنیا سے زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ دنیا والوں کی دعاؤں کو قبر والوں کے لئے پہاڑوں کی صورت میں ثواب پیش کرتا ہے۔ (زیادہ) اور یاد رکھو کہ زندہ لوگوں کی طرف سے اموات کے لئے بہترین تحفہ یہ ہے کہ دربارِ خداوندی سے ان کے گناہوں کی بخشش مانگی جائے۔'' (مشکوۃ باب الاستغفار والتوبۃ)

دعا اور استغفار کے علاوہ مالی صدقہ کا بھی ثواب ملتا ہے جیسا کہ: ''حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت میری والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی

صدقہ دوں (جس سے میری ماں کو ثواب ملے) سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: "الماء" یعنی پانی کا صدقہ بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پانی کا کنواں کھدوا کر ماں کے نام پر صدقہ کے طور پر وقف کر دیا اور کہا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔" (مشکوۃ باب فضل الصدقہ)

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اچانک فوت ہو گئے تو ان کی ہمشیرہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ایصال ثواب کے لئے کئی غلام آزاد فرمائے۔ (مشکوۃ شریف کتاب العتق)

اس سے معلوم ہوا کہ موت فناء محض کا نام نہیں بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف جانے کا نام ہے اور وہاں اس جگہ کی حیثیت اور مناسبت سے احکام جاری رہتے ہیں۔

سفر آخرت میں امتیازی شان

بظاہر اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور نافرمان بندے ایک ہی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بشری تقاضوں میں تقریباً یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح موت کا واقع ہونا بھی سب کے لئے یکساں ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت فرمانبردار بندوں اور نافرمانوں کی موت و حیات میں فرق ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد گرامی ہے: "أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الجاثیۃ: ۲۱)" کیا گناہ کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان کو ایمانداروں اور نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے وہ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

چنانچہ قرآن حکیم نے ہی نیکوں اور بروں کی موت کا منظر بھی پیش فرما دیا۔ ارشاد قرآنی ہے: "الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل: ۲۸)" یہ کافر وہ لوگ ہیں کہ فرشتوں نے ان کی ایسی حالت میں روح نکالی تھی کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر وہ اطاعت کا پیغام بھیجیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے کیوں نہیں اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری خبر ہے۔

اور بروں، نافرمانوں، کافروں کی روح نکالنے کا منظر بھی قرآن عزیز نے پیش فرما دیا کہ: "وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (الانفال: ۵۰)" اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے، مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔"

اور فرمانبرداروں، نیک انسانوں کی موت کا منظر قرآن کریم نے یہ پیش فرمایا کہ: "الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل: ۳۲)" وہ پرہیزگار جن کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہیں ان سے کہتے ہیں سلام ہو تم پر داخل ہو جاؤ جنت میں بسبب ان کاموں کے جو تم کرتے تھے۔

ان پرہیزگاروں کو روح قبض کرتے وقت یہ پیغام راحت اور رحمت دیا جاتا ہے کہ: "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر: ۲۷ تا ۳۰)" اے اطمینان والی روح اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں شامل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

یعنی سعادت مندوں کو موت کے وقت یہ پیغام دیا جاتا ہے اور نیک بندے وجود مثالی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنی رحلت کے وقت فرمایا: ''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تشریف لائے اور مجھ پر بڑی مہربانی فرمائی۔'' (ماہنامہ''الفرقان'' مجدد الف ثانی نمبر ۸۸ مطبوعہ لکھنو)

ایسے سعادت مند اپنے ورثاء کو یہ پیغام بھیجتے ہیں: ''وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران: ۱۷۰، ۱۷۱)'' اور وہ خوش بخت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم، خوش بخت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی۔

قرآن کریم نے پہلی امت کے ایک شہید کے اس پیغام کو جو اس نے جنت سے اپنی قوم کے نام بھیجا تھا ذکر فرمایا ہے: ''قیل الدخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون۔ بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین (یٰس: ۲۶، ۲۷)'' کہا گیا جنت میں داخل ہو جا اس نے کہا اے کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں کر دیا۔

اسی طرح بخاری و مسلم میں حدیث آتی ہے کہ جب برمعونہ کے واقعہ میں ستر (۷۰) قراء صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تو انہوں نے بوقت شہادت یہ فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ نَبِيَّنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَاكَ فَرَضِيْنَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا۔۔۔ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْ قُتِلُوا وَاِنَّهُمْ قَالُوا۔۔۔ اَللّٰهُمَّ بَلِّغْ عَنَّا'' (متفق علیہ)

''اے ہمارے اللہ! ہمارے نبی پاک ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دے بے شک ہم آپ سے ملنے والے ہیں پس ہم آپ سے راضی ہیں آپ بھی ہم سے راضی ہو جائیں پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم! بے شک تمہارے بھائی قتل ہو چکے ہیں اور انہوں نے یہ پیغام دیا ہے۔'' (رضی اللہ عنہم)

امت محمدیہ ﷺ میں ایسے بہت سے سعادت مند گزرے ہیں جنہوں نے موت کے بعد عالم برزخ کے انعام و اکرام سے زندہ لوگوں کو خوابوں میں آگاہ کیا ہے تو جب عام فرمانبرداروں اور صلحاء کو موت کے بعد ایسے حالات اور ایسی کیفیات حاصل ہیں تو انبیاء علیہم السلام پھر خصوصاً سید دو عالم ﷺ کی حیات برزخیہ عام مسلمانوں سے کیوں نہ ممتاز اور عظیم الشان ہوگی جب کہ آپ ﷺ کو ابتداء اعطاء رسالت میں ہی یہ خوشخبری سنا دی گئی تھی۔

''وللآخرة خیر لک من الاولی (الضحیٰ: ۴)'' اور یہ بات یقینی ہے کہ آخرت بہت بہتر ہوگی آپ ﷺ کے لئے اس پہلی زندگی سے۔

ف: یہ آیت کریمہ بہت بڑی دلیل ہے امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کی شان رفیع کی کہ: ''دن بدن روضہ اقدس کی روحانی بہار میں اضافہ اور ترقی ہو رہی ہے۔ ہر سال لاکھوں شمع نبوت کے پروانے حج کے موقع پر صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں اور ویسے بھی ہر وقت روضہ اطہر بہت زیادہ مشتاقان جمال رحمت دو عالم سے آباد رہتا ہے اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، اسی طرح سید دو عالم ﷺ کو روضہ اقدس میں حیات کاملہ اعلیٰ اور افضل حاصل ہے۔''

وارداتِ برزخ کا اثر میت پر دفن سے پہلے

کبھی کبھی یہ بھی ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد برزخی زندگی میں جو انعامات اور رحمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہوتی ہیں، ان کا ظہور دفن سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو عذاب برزخ میں ہونے والے ہوتے ہیں کبھی کبھی ان کا ظہور دنیا میں بھی ہو جاتا ہے۔ الدرۃ الفاخرۃ اور دوسری کتابوں میں ایسی کئی علامات کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱...... حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے صحابی ہیں۔ ان کا لقب اسماء الرجال کی کتابوں میں ''غسیل الملائکہ'' درج ہے جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ: ''حنظلہ رضی اللہ عنہ کا لقب غسیل ملائکہ ہے۔ حضرت حنظلہ کا باپ عامر ایک بااثر راہب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو دولت اسلام سے مشرف فرمایا۔ غزوہ احد کی تیاری ہو رہی تھی کہ آپ کی شادی عبداللہ بن ابی رئیس مدینہ کی بیٹی جمیلہ کے ساتھ ہوئی۔ رات کو برأت تھی اور صبح کو احد کی جانب خروج تھا۔ اس لئے حضور انور ﷺ نے حنظلہ کو مدینہ میں رہنے کا حکم فرمایا، مگر عاشق رسول ﷺ نے رات تو کاٹی اور صبح سویرے ہی میدان کارزار میں پہنچ کر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سید دو عالم ﷺ نے لاشہ کو دیکھ کر فرمایا کیا وجہ ہے کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں حالانکہ شہید کو غسل کی حاجت نہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ حنظلہ شب عروسی کی وجہ سے جنابت میں تھے، غسل کا وقت نہ مل سکا، اس لئے فرشتوں نے غسل دیا۔ (الوقعۃ الاسلامیہ ص ۱۵۶)

۲...... ''دوسری صدی ہجری کے مشہور محدثین حضرت ربعی رحمۃ اللہ علیہ اور ربیع رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ان کو خاتمہ علی الایمان کا علم نہ ہوگا، وہ نہ ہنسیں گے۔ چنانچہ زندگی بھر وہ نہ ہنسے۔ مگر جب ان کی وفات ہوگئی اور ان کو غسل کے لئے تختہ پر ڈالا گیا تو وہ دونوں ہنس پڑے، جس کو وہاں کے سب حاضرین نے دیکھا۔''

اس واقعہ کو شارح مسلم امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں ذکر فرمایا ہے۔ (ص ۷، سائز کلاں)

اسی طرح تاریخ میں کئی ایسے واقعات کا ذکر ہے کہ بعض صلحاء کی موت کے فوراً بعد ان کی داڑھی کے سفید بال از خود سیاہ ہو گئے۔ (کیونکہ اہل جنت کو جوانوں کی شکل میں جنت میں داخل کیا جائے گا)

اس کے برعکس بعض بدبختوں کو قبر میں دفن کرنے سے پہلے ہی کیفیات بدل جاتی ہیں۔ شکل میں مسخ کے آثار ہویدا ہو جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں اور سب مسلمانوں کو برے خاتمہ سے محفوظ رکھے) آمین!

چنانچہ پہلی امتوں میں سے بعض کی شکلیں اسی دنیا میں مسخ ہو گئیں اور وہ موت کا شکار ہو گئے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۶۵ اور سورہ اعراف کی آیت ۱۶۶ میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کا بندروں کی شکل میں مسخ ہونے کا ذکر ہے اور سورۃ المائدہ میں یہ بھی فرمایا: ''وجعل منھم القردۃ والخنازیر (المائدۃ: ۶۰)'' یہ لوگ مرنے سے کچھ پہلے بندر اور خنزیر بن گئے اور پھر اسی شکل میں ہلاک کر دیئے گئے۔

اسی عذاب سے ڈراتے ہوئے سورۂ الواقعہ میں فرمایا: ''نحن قدرنا بینکم الموت وما نحن بمسبوقین۔ علیٰ ان نبدل امثالکم وننشئکم فی ما لا تعلمون (الواقعۃ: ۶۰، ۶۱)'' ہم نے مقرر کر دیا تمہارے بدلے درمیان موت کو اور ہم عاجز نہیں اس سے کہ تمہارے میں تم جیسے اور لوگ لے آئیں اور تم کو کھڑا کر دیں اس حالت میں جو تم نہیں جانتے۔

علامہ آلوسی نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے اس کی یہ تفسیر نقل فرمائی ہے کہ: ''وَقَالَ الْحَسَنُ مِنْ كَوْنِكُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ وَلَعَلَّ اخْتِيَارَ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْاٰيٰتِ تَنْحُو اِلَى الْوَعِيْدِ وَالْمُرَادُ نَحْنُ قَادِرُوْنَ عَلٰى هٰذَا اَيْضًا''

اور حسن نے فرمایا کہ اس تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ہم تم کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیں اور اس تفسیر کو بہتر سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت حیات بعد الموت کے منکروں کو ڈرانے کے لئے ارشاد فرمائی اور مراد اس سے یہ ہے کہ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ تمہاری شکلیں مسخ کر دیں۔ (روح المعانی)

بعض روایات میں آیا ہے کہ بعض بد بخت قبروں سے انسانی شکل کے علاوہ دوسری شکل میں اٹھیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ''وننشئکم فی مالا تعلمون۔ ولقد علمتم النشاۃ الاولی فلولا تذکرون (الواقعة: ۶۱، ۶۲)''

دفن کے بعد واردات

دفن کے بعد اب میت کی دوسری زندگی کی پہلی منزل شروع ہوگئی ہے یہاں پر اس کو جنت یا دوزخ کے تو اردات سے واسطہ ہوگا، اگر نیک ہے تو جنت کے لئے وہ تیار کیا جائے گا اور اگر خدانخواستہ دوزخی ہے تو دوزخ کے تو اردات اس پر آتے رہیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فرزندار جمند برصغیر کے عظیم مفسر القرآن حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے سورۃ الانعام کی آیت ۹۸ کی تفسیر یہ فرمائی ہے: ''فمستقر ومستودع'' پھر کہیں تم کو ٹھہراؤ ہے اور کہیں سپرد رہنا۔

''بندہ اوّل سپرد ہوتا ہے ماں کے پیٹ میں کہ آہستہ آہستہ دنیا کا اثر پیدا کرے پھر آ کر ٹھہرتا ہے دنیا میں، پھر سپرد ہوگا قبر میں کہ آہستہ آہستہ اثر آخرت کے پیدا کرے پھر جا کر ٹھہرے گا دوزخ یا جنت میں۔''

(موضح القرآن علی ہامش قرآن عزیز مترجم از شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

اب اس سے وہ سوالات کئے جائیں گے جو سید دو عالم ﷺ نے فرمائے کہ میت سے مندرجہ ذیل سوالات ہوتے ہیں۔

''مَنْ رَبُّکَ''	تیرا رب کون ہے؟
''مَنْ نَبِیُّکَ''	تیرا نبی کون ہے؟
''مَادِیْنُکَ''	تیرا دین کیا ہے؟

اسی لئے رحمت دو عالم ﷺ دفن کے بعد سب حاضرین کو میت کے ثابت قدم رہنے کے لئے دعا کا فرمایا کرتے تھے۔ حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''عَنْ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ التَّثْبِيْتَ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْئَلُ'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ اپنے اس بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ اس کو ثابت قدم رکھے کہ اب اس سے پوچھا جائے گا۔ (رواہ ابوداؤد وصححہ الحاکم، بلوغ المرام ج ۱ ص ۱۱۰)

اس حدیث سے فقہ الحدیث کے عنوان سے استنباط کرتے ہوئے بلوغ المرام کی شرح ابانۃ الاحکام میں فرمایا ہے کہ:

۱...... دفن کے بعد میت کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے۔

۲...... فرشتوں کے سوالات کے جواب دینے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے ثابت قدمی کی دعا کی جائے۔

۳...... میت کو زندہ کی دعا سے نفع پہنچتا ہے۔

۴...... قبر میں میت کو زندگی عطاء کی جاتی ہے۔

۵...... قبر میں سوالات کا ثبوت۔

ف: اس روایت کی تشریح میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے فرمایا ہے کہ: ''فَالْحَاصِلُ اَنَّ شَیْئًا مِنَ الْعَذَابِ یَبْدَءُ بِالْقَبْرِ ثُمَّ یَتِمُّ الْعَذَابُ عِنْدَ دُخُولِهٖ جَهَنَّمَ'' پس حاصل یہ ہے کہ عذاب کا کچھ حصہ تو قبر سے شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ دوزخ کے داخلے پر کامل ہو جائے گا۔ (فیض الباری باب ما جاء فی عذاب القبر)

اور یہی معمول صحابہ کرام ؓ اور تابعین کا بھی رہا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت میں ہے: ''عَنْ ضَمْرَةَ بِنْ حَبِیْبٍ ؒ اَحَدُ التَّابِعِیْنَ قَالَ کَانُوْا یَسْتَحِبُّوْنَ اِذَا سُوِّیَ عَلَی الْمَیِّتِ قَبْرُهٗ وَانْصَرَفَ النَّاسُ عَنْهُ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ قَبْرِهٖ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ یَا فُلَانُ قُلْ رَبِّیَ اللهُ وَدِیْنِیَ الْاِسْلَامُ وَنَبِیِّ مُحَمَّدٌ (ﷺ)'' حبیب کے بیٹے ضمرہ ؒ جو کہ تابعین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں بھی لوگ اس امر کو بہتر سمجھتے تھے کہ جب میت پر مٹی ڈال دی جائے اور لوگ واپس آنے لگیں تو اس کی قبر کے پاس یہ کہہ دیا جائے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ تین بار اے فلاں تو کہہ دے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمد ہے۔(ﷺ)

اس روایت کی تشریح اور تائید میں حضرت ابوامامہ ؓ کی حدیث پیش کی گئی ہے جس میں سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے: (یعنی دنیاوی باتوں کا جواب نہیں دیتا البتہ سلام کا جواب دیتا ہے جیسا کہ روایات میں ہے)

''فَاِنَّهٗ یَسْمَعُ وَلَا یُجِیْبُ'' یعنی میت سنتا ہے مگر تم کو جواب نہیں دے سکتا۔ (شرح الابانۃ الاحکام ج ۲ ص ۲۵۵، ۲۵۶)

اس روایت سے بھی یہی استدلال کیا ہے کہ میت کو قبر میں زندگی عطاء کی جاتی ہے۔

ف: یہ کتاب مکہ مکرمہ کے رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے تقسیم کی جاتی ہے۔

ف: حضور اکرم ﷺ نے تابعین کے دور کو بھی خیر القرون فرمایا ہے (سب زمانوں سے بہتر زمانے) یعنی تابعین کا قول اور عمل بھی دلیل سمجھا جائے گا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں قبر اور قبر کی راحت وعذاب

چونکہ اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں بھی اموات کو دفن کیا جاتا تھا اور اسلام میں اور دوسرے آسمانی دینوں میں بھی میت کو دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے جس جگہ میت کو دفن کیا جاتا ہے، اس کو قبر کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''ثم اماته فاقبره۔ ثم اذا شاء انشره (عبس: ۲۱، ۲۲)'' پھر اس کو مردہ کیا پھر قبر میں رکھوایا پھر جب چاہا اس کو اٹھا نکالا۔

چونکہ اکثر بلکہ تقریباً سب اموات کو دفن ہی کیا جاتا ہے اس لئے ان کے مدفن کو قبر کہا جاتا ہے۔ ویسے شاذ ونادر جو کوئی جل جائے یا جس نظام میں مردوں کو جلاتا ہو جیسا کہ ہندو دھرم میں یا اور کسی طریقہ پر مردہ کی لاش کو ختم کرتا ہو اس کے لئے وہی جگہ قبر کہلائے گی۔ مگر چونکہ اکثر اموات کو جو کہ کسی بھی آسمانی دین کو مانتے ہیں پھر خصوصاً مسلمانوں کے لئے تو دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس جگہ کو قبر کہا جاتا ہے۔ اسی قبر میں میت سے سوال وجواب ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتی ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا وَجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْن'' یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے۔ امام الانبیاء ﷺ نے اس کے متعلق تفصیلی طور پر ارشادات فرمائے ہیں اور حدیث کی ہر کتاب میں باب ''عذاب القبر'' کے عنوان سے موجود ہے۔

قبر سے مراد وہی جگہ ہے جہاں کسی کو دفن کیا جاتا ہے۔ سید دو عالم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جنازہ کے بعد دفن تک قبر کے پاس قیام فرمایا کرتے تھے اور پھر اس میت کے لئے خود بھی دعائے مغفرت فرمایا کرتے اور صحابہ کرام کو بھی فرمایا کرتے تھے کہ اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے۔

تنبیہ: اگر اس مٹی کے گڑھے میں کچھ نہیں جو لاش دفن کی گئی ہے اس کو نہ اب کسی قسم کی راحت ہے اور نہ رنج وغم ہے بلکہ کوئی دوسرا ہوائی اور فرضی بدن تیار کیا گیا ہے تو سوچنے کی بات ہے کہ سید دو عالم ﷺ ان قبروں پر کیوں تشریف لے گئے؟ اور خداوند قدوس نے جس بدبخت فرقے کو دوزخی قرار دے دیا تھا ان کی قبروں پر کھڑا ہونے سے کیوں منع فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا: ''ولا تقم علٰی قبرہٖ (التوبۃ: ۸۴)'' اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر۔ (ترجمہ شیخ الہند)

یعنی دعا واستغفار کے لئے یا اہتمام دفن کے لئے۔ (حاشیہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی)

اسلامی عقیدہ یہی ہے کہ یہی مدفن قبر ہے اور اسی سے قیامت کے دن مردوں کو نکالا جائے گا۔ قرآن عزیز کی کئی آیات میں عقیدہ یہی ہے کہ یہی مدفن قبر ہے اور اسی سے قیامت کے دن مردوں کو نکالا جائے گا۔ قرآن عزیز کی کئی آیات میں یہ عقیدہ ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ: ''واذا القبور بعثرت (الانفطار: ۴)'' اور جب اکھیڑی جائیں گی قبریں۔

''افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور (العادیات: ۹)'' کیا اس کو وقت معلوم نہیں جب نکالے جائیں گے وہ جو قبروں میں ہیں۔

فرمایا: ''وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور (الحج: ۷)'' اور بے شک قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور بے شک اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔''

اس آیت میں واضح طور پر دو عقائد کا ذکر فرمایا:

۱...... قیامت آنے والی ہے اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔

۲...... اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں یعنی:

الف: قیامت کے دن یہی بدن اور جسم اٹھایا جائے گا۔

ب: اس سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ قیامت سے پہلے بھی قبروں میں پڑے ہوئے لوگوں کو (حساب قبر کے لئے اٹھایا جائے گا)

ان آیات مبارکہ میں لفظ قبر صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد برزخی حیات اور اعمال کے مطابق جزا و سزا شروع ہو جاتی ہے اور اسلامی عقائد پر یقین رکھنے والوں کو نجات مل جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: ”یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ (ابراھیم:۲۷)“ ثابت رکھے گا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔“

اس آیت کی تفسیر امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”اَنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا سُئِلَ فِی قَبْرِہٖ یَشْھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہِ فَذٰلِکَ قَوْلِہٖ تَعَالٰی یُثَبِّتُ اللہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ“ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان سے جب قبر میں پوچھا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور ﷺ کی رسالت کی شہادت دیتا ہے تو یہی اس ارشاد قرآنی سے مراد ہے۔

اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسی مضمون کو ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے ایک روایت میں بیان کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عامر بن فرات سے بھی روایت کیا ہے جس کے متعلق محدث حارثی نے فرمایا ہے: ”ھو اصح الاسانید“ (الجواہر المضیۃ ج ا ص ۲۹)

اور اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا: ”سنعذبھم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم (التوبۃ:۱۰۱)“ ہم ان منافقوں کو جلدی ہی دو دفعہ عذاب دیں گے۔ پھر اس کے بعد بڑے عذاب کی طرف یہ لوٹائے جائیں گے۔

اس آیت میں تین عذابوں کا ذکر ہے۔ دو تو جلد ہی دیئے جائیں گے اور پھر عذاب عظیم کے حوالے کئے جائیں گے دو عذاب۔ ایک تو دنیا کا اور دوسرا قبر کا۔ کیونکہ عذاب عظیم تو قیامت میں ہوگا۔ ”ولھم فی الاٰخرۃ عذاب عظیم (البقرۃ:۱۱۴)“

اس کی نظیر میں فرعون اور فرعونیوں کے عذاب کو پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے فرمایا: ”وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المومن:۴۵، ۴۶)“ اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب، آگ ہے کہ دکھاتے ہیں ان کو صبح اور شام اور جس دن قیامت قائم ہوگی (کہا جائے گا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔

اس آیت میں واضح فرمایا کہ فرعونیوں کو بہت برا اور سخت عذاب دیا گیا ہے۔ ادھر پانی میں غرق ہوئے اور اسی راستے سے جہنم کے دروازہ پر پہنچا دیئے گئے صبح و شام ان کو عذاب نار پر پیش کیا جاتا ہے اور پورا کامل اور شدید عذاب قیامت کے دن دیا جائے گا۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو اپنے ناقص علوم اور ناقص تجربات کی روشنی میں ناپنے والے اس امر کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ پانی تو آگ کو بجھاتا ہے نہ کہ آگ کو بھڑکاتا ہے مگر خداوند قدوس نے ان کو پانی میں غرق کر کے اسی پانی کے راستے سے آگ تک پہنچا دیا۔ جیسا کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرمایا: ”اغرقوا فادخلوا نارا (نوح:۲۵)“ وہ پانی میں غرق کئے گئے اور اس کے بعد آگ میں داخل کر دیئے گئے۔

ف: منافقوں اور فرعونیوں کے متعلق درج شدہ تینوں آیات سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حیات قبر پر استدلال کرتے ہوئے مفسر القرآن حضرت قتادہ اور ربیع بن انس کا ارشاد روایت کیا ہے کہ ان دو عذابوں میں سے پہلا عذاب تو دنیا کا عذاب ہے اور دوسرا قبر کا عذاب ہے۔

کافروں کے متعلق فرمایا کہ وہ دوزخ میں داخل تو بدلے کے دن (قیامت) کو ہوں گے مگر اس سے پہلے بھی وہ دوزخ سے دور نہیں رکھے جائیں گے۔ ارشاد قرآنی ہے: ''وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ. يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ. وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ (الانفطار: ۱۴ تا ۱۶)'' اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہوں گے، داخل ہوں گے اس میں انصاف کے دن اور نہیں اس سے چھپ رہنے والے۔

جیسا کہ فرعونیوں کا حال قرآن عزیز نے ارشاد فرمادیا۔

ان کے برعکس اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کو جو انعام اور اعزاز ملتا ہے۔ سورۃ الواقعہ میں ارشاد فرمایا: ''فاما ان کان من المقربین۔ فروح وریحان وجنت نعیم (الواقعۃ: ۸۸، ۸۹)'' سو اگر ہوا وہ مقربین میں سے تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا۔

ف: تیسری صدی ہجری کے مفسر قرآن اور امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی وفات کے بعد قاضی صخر بن راشد نے خواب میں دیکھا تو ان کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری کامل مغفرت فرمادی ہے۔ پھر سفیان ثوری کے بارے میں پوچھا تو فرمایا ان کا کیا پوچھنا وہ تو بڑے کامیاب ہیں۔ ''مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ'' (الآیۃ)　　(مقدمہ کتاب الزہد والرقائق از ابن مبارک ص ۶۱)

عقیدۂ حیات قبر کا ذکر ارشادات رسول کریم ﷺ میں

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حدیث کی ہر کتاب میں باب عذاب القبر موجود ہے اور دوسرے بعض ابواب میں بھی قبر کے حساب و کتاب اور سوال و جواب کا ذکر ہے بلکہ علماء کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں جیسا کہ: امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی کتاب البعث والنشور اور امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب اثبات عذاب القبر قلمی موجودہ کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت مدینہ منورہ میں ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب الروح اور امام قرطبی رحمہ اللہ کی کتاب التذکرہ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب شرح الصدر اور الدرۃ الفاخرۃ اور بیہقی ہند قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی کتاب تذکرۃ الموتی والقبور وغیرہا کئی مستقل مبسوط کتابیں اس عقیدہ پر موجود ہیں۔ یہاں صرف چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱...... ''عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِلصَّلٰوةِ فَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَكْتَشِرُوْنَ قَالَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا أَرَى الْمَوْتَ فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَإِنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ إِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُولُ أَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَأَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَأَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَأَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَأَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَحَبَّ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذَا وُلِّيتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهِ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ

الفَاجِرُ اَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَباً وَّلَا اَهْلاً اَمَا اِنْ كُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ اِلَيَّ فَاِذَا وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ اِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ وَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِاَصَابِعِهٖ فَاَدْخَلَ بَعْضَهَا فِيْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيُقَيَّضُ لَهٗ سَبْعُوْنَ تِنِّيْناً لَوْ اَنَّ وَاحِداً مِّنْهَا نَفَخَ فِي الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ شَيْئاً مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَيَنْهَسْنَهٗ وَيَخْدِشْنَهٗ حتى يُفْضٰى به الى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ" (رواہ الترمذی ومشکوۃ، باب البکاء والخوف، فصل الثانی)

"راوی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن سید دو عالم ﷺ نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ کچھ لوگ گویا دل لگی اور خوشی میں ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم تمام لذتوں کو توڑنے والی (یعنی موت کو) کو یاد کرو تو میرا خیال ہے تم اس طرح مسرتوں میں گم نہ ہو جاؤ۔ پس اس موت کو زیادہ یاد کیا کرو تمہاری قبریں روزانہ یہ بات کہتی ہیں کہ میں اجنبی گھر ہوں، میں اکیلا رہنے والوں کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں میں کیڑوں کا گھر ہوں، جب ایماندار بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید کہتے ہوئے یہ کہتی ہے کہ تو جب مجھ پر چلتا تھا تو مجھے دوسروں سے عزیز اور پیارا معلوم ہوتا تھا۔ آج تو میرے ہاں آ گیا تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کس قدر شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتی ہوں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی قبر کو تا حد نظر وسیع کر دیا جاتا ہے اور جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جب کافر یا نافرمان بندہ دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس کو خوش آمدید نہیں کہتی بلکہ یوں کہتی ہے کہ تو جب میری پیٹھ پر چلتا تھا، تب بھی مجھے برا محسوس ہوتا تھا۔ آج تو میرے حوالے کر دیا گیا تو دیکھ لے گا کہ میں تجھے کیسی سزا دوں گی اس پر قبر تنگ کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پھنس جاتی ہیں۔ یہ بیان کرتے ہوئے حضور انور ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھنسا کر لوگوں کو یہ بات دکھائی اور فرمایا کہ اس پر ستر سانپ مقرر کئے جاتے ہیں جو اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ایک سانپ بھی زمین پر آ کر سانس لے تو کبھی بھی اس پر سبزہ نہ اُگ سکے وہ سانپ اس کو ڈستے رہیں گے اور کاٹتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ سواء اس کے اور کوئی بات نہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے باغ بن جاتی ہے اور یا آگ کے گڑھوں میں سے گڑھا بن جاتی ہے۔"

۲...... "عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ سَاَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اکرم ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ضرور قبر کا عذاب حق ہے۔ (بخاری ومسلم)

۳...... "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ" ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ ہم کو یہ دعا اتنی تاکید سے سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھایا کرتے تھے اور وہ یہ ہے: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں دجال کے فتنہ سے۔" (مسلم)

۴...... ’’عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْقُبُوْرِ يُعَذَّبُوْنَ فِي قُبُوْرِهِمْ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ‘‘ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے قبر والے (مجرموں کو) ایسا عذاب دیا جاتا ہے کہ اس عذاب کو چار پائے تک سنتے ہیں۔

ف: اسی حیات قبر کے متعلق مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے: ’’وَفِي الْبَابِ عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ رَوَاهُ الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَالْاٰجُرِّيُّ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلٰى وَالْاٰجُرِّيُّ وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ اَنْصَارِيِّ رضی اللہ عنہ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَخْرَجَاهُ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ صِدِّيْقٍ رضی اللہ عنہ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ وَفِيْهِ اَيْضًا عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ وَاَبِيْ اُمَامَةَ وَمَيْمُوْنَةَ رضی اللہ عنہا زَوْجَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيَعْلَى ابْنِ سَبَلَةَ وَيَعْلَى ابْنِ قُرَّةَ وَاُمِّ بَشِيْرٍ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہم‘‘ یعنی ابوسعید خدری، ابوہریرہ، انس، ابوایوب انصاری، ابن عباس، ابوبکر صدیق، ابن عمر، عبدالرحمن، میمونہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہم

(لوائح الانوار البھیہ ص ۱۳)

۵...... ’’عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال یاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک فیقول ربی الله فیقولان له مادینک فیقول دینی الاسلام فیقولان له ماهذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول هو رسول الله ﷺ فیقولان وما یدریک فیقول قرأت کتاب الله فامنت به وصدقت فذلک قوله یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت الاٰیة فینادی منادٍ من السماء ان صدق عبدی فافرشوه من الجنة والبسوه من الجنة وافتحوا له باباً الی الجنة فیفتح له قال فیاتیه من روحها وطیبها فیفسح له فیها مدبصره واما الکافر فذکر موته قال ویعاد روحه فی جسده ویاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان من ربک فیقول هاه هاه لا ادری فیقولان مادینک فیقول هاه هاه لا ادری فیقولان ماهذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول هاه هاه لا ادری فینادی منادٍ من السماء ان کذب فافرشوه من النار والبسوه من النار وافتحوا له باباً الی النار قال فیاتیه من حرها وسمومها قال ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه ثم یقیض له اعمی اصم معه مرزبةٌ من حدید لو ضرب بها جبل لصار تراباً فیضربه بها ضربةً فیصیح صیحةً یسمعها ما بین المشرق والمغرب الا الثقلین فیصیر تراباً ثم یعاد فیه الروح‘‘ (رواہ احمد وابوداؤد)

’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان میت کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے اللہ ہے۔ پھر اس سے سوال کرتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے اسلام۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں یہ کون مرد ہے جو تم میں بھیجا گیا۔ وہ کہتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ فرشتے اس سے پوچھتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے قرآن حکیم میں پڑھا۔ اس پر ایمان لایا اور اس کو سچ سمجھا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھے گا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر آسمان سے ندا آتی ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کا اوڑھنا بچھونا جنت سے کر دو اور جنت کی طرف سے اس کے لئے دروازہ کھول دو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر اس میت

کے پاس وہاں کی خوشبو اور ہوا آتی ہے اور اس کی حد نظر تک قبر وسیع کر دی جاتی ہے اور کافر کے جسم میں بھی روح لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آ کر اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا پھر اس سے پوچھتے ہیں یہ کون ہے جو تم میں بھیجا گیا۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ تو آسمان سے آواز دینے والا کہتا ہے کہ اس نے جھٹلایا اس کا اوڑھنا بچھونا آگ سے بنا دو اور آگ کی طرف سے دروازہ کھول دو۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اس کے پاس آگ کی گرمی آتی ہے اور اس پر قبر اس حد تک تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں پھنس جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک اندھے اور بہرے فرشتے کو مقرر کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے اگر پہاڑ کو مارے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ وہ اس کو مارتا ہے جس پر وہ اس قدر چیختا ہے کہ سوائے جن و بشر کے سب مشرق و مغرب کی مخلوق سن لیتی ہے۔ پھر وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

۶...... ''وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ مُثِّلَتْ لَہُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِھَا فَیَجْلِسُ وَیَمْسَحُ عَیْنَیْہِ وَیَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّی'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے سورج غروب ہونے کا وقت آ جاتا ہے تو وہ قبر میں بیٹھ جاتا ہے اور اپنی آنکھیں ملتا ہے۔ جیسا کہ نیند سے جاگنے والوں کی عادت ہے اور فرشتوں سے کہتا ہے کہ مجھے مہلت دو تا کہ میں نماز عصر ادا کروں۔ (رواہ ابن ماجہ)

۷...... ''عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ قال اَمَّا فِتْنَۃُ الْقَبْرِ فَبِیْ تُفْتَنُوْنَ وَعَنِّیْ تُسْاَلُوْنَ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قبر کا امتحان تو میرے ہی بارے میں ہے تم سے میرے ہی متعلق سوال کیا جائے گا۔ (کتاب السنۃ ص ۴۷)

نوٹ: یہ کتاب سلطان عبدالعزیز کے ذاتی خرچ سے طبع ہوئی ہے۔

مندرجہ بالا احادیث میں یہ بات ظاہر ہے کہ فرشتے میت کو بٹھاتے ہیں۔ اس کے جسم میں روح لوٹا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں ملتا ہے۔ جناب رسول اکرم ﷺ تو فرماتے ہیں کہ جسم میں روح لوٹایا جاتا ہے اور جسمانی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور یہی مسلک حق اہل السنت والجماعت کا ہے۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے مستقل باب بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ رکھا ہے: ''بَابُ اَنَّ الْمَیِّتَ یَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِھِمْ''

اگر یہ اور اس قسم کی دوسری احادیث ضعیف اور موضوع ہوتیں تو امام بخاری رحمہ اللہ جیسے امام حدیث ان کو درج نہ فرماتے۔ اگر آج کے بعض نئے محدث ایسی روایات کو موضوع کہہ دیں تو ان کا کیا اعتبار ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ میت کو قبر اتنا دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں پھنس جاتی ہیں۔

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں صاف موجود ہے۔ ''ثُمَّ یُعَادُ فِیْہِ الرُّوْحُ'' پھر اس میں روح لوٹایا جاتا ہے۔ اسی روایت میں ہے کہ روح اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ ''ویعاد روحہ فی جسدہ'' اور اس کے جسم میں روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ فی کا حرف وہاں آتا ہے جہاں بعد والی چیز پہلی کے لئے ظرف (برتن) ہو مطلب یہ ہے کہ روح اس طرح بدن میں لوٹایا جاتا ہے جس طرح برتن میں چیز ڈالی جاتی ہے۔ اگر برزخی جسم مراد ہوتا تو حضور ﷺ یہ فرماتے: ''فِیْ جَسَدِہِ الْبَرْزَخِیِّ''

امام جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''روح کا بدن کی طرف قبر میں لوٹایا جانا سب مردوں کے لئے صحیح احادیث سے ثابت ہے۔'' (کتاب الروح ص ۸۵)

پھر روح ڈالنا کیوں ہے؟ اس کو بھی سن لیجئے اور یہ وجہ اہلحدیث جماعت کی مترجمہ مشکوٰۃ سے لی گئی ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ حیات بعد الموت کے قائل تمام فرقے اور جماعتیں ہیں سوائے چند لوگوں کے۔ ''پھر روح ڈالی جاتی ہے اس میں یہ شدت عذاب کے لئے اور سزا ہے اس کے منکر ہونے کی عذاب قبر سے۔'' (رحمت مہدات ص ۵۷)

شارح مشکوٰۃ مولانا محمد ادریس صاحب سابق استاذ حدیث دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور فرماتے ہیں کہ: ''کافر کی روح تو ہمیشہ سب سے نچلے درجے میں قید رہتی ہے مگر مومن کی روح آسمان، زمین اور جنت میں جہاں چاہے سیر کرتی ہے اور عرش مجید کے نیچے لٹکتی ہوئی قندیلوں میں جا کر آرام بھی کرتی ہے۔ مگر اس روح کا تعلق قبر میں بدن سے بھی پورا پورا ہوتا ہے۔ اسی لئے قبر میں قرآن کا پڑھنا، نماز کا پڑھنا، دلہن کی طرح آرام اور باعزت سونا، جنت کے اعلیٰ مقامات کو ملاحظہ کرنا یہ سب معاملات اس انسان کے ہاں بالکل سچے سمجھے جاتے ہیں جو اللہ کریم کے احکام اور اس کی قدرت پر ایمان رکھتا ہو۔'' (تعلیق الصبیح ج ۱ ص ۲۲۳)

چنانچہ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ عذاب اور ثواب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے نہ کہ صرف روح کو یا صرف بدن کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ: ''قَالَ النَّوَوِی مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَيْهِ دَلَائِلُ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَتَظَاهَرَتْ بِهِ الْاَحَادِيْثُ الصَّحِيْحَةُ عَنِ النَّبِی ﷺ مِنْ رِوَايَةِ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فِی مَوَاطِنٍ كَثِيْرَةٍ وَلَا يَمْنَعُ فِی الْعَقْلِ اَنْ يُعِيْدَ اللهُ تعالٰی الْحَيٰوةَ فِی جُزْءٍ مِنَ الْجَسَدِ وَيُعَذِّبَهُ وَاِذَا لَمْ يَمْنَعْهُ الْعَقْلُ بِهٖ وَجَبَ قُبُوْلُهٗ وَاعْتِقَادُهٗ وَقَدْ ذَكَرَ مُسْلِمٌ وَالْبُخَارِی وَاَصْحَابُ السُّنَنِ اَحَادِيْثَ كَثِيْرَةً فِی اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ بِالْجُمْلَةِ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ اِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ خِلَافًا لِلْخَوَارِجِ وَمُعْظَمُ الْمُعْتَزِلَةِ وَبَعْضُ الْمُرْجِئَةِ فَاِنَّهُمْ نَفَوْا ذٰلِكَ'' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب عذاب قبر کے متعلق جو ہے، اس پر قرآن کریم اور صحابہ کرام کی پوری جماعت سے کئی جگہ احادیث کے دلائل موجود ہیں اور عقلاء بھی یہ بات غلط نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے بدن کے کسی حصہ میں زندگی لوٹا دے۔ جب شرعاً اور عقلاً یہ بات درست ہے تو اب اس کا قبول کرنا اور اس پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین حضرات نے عذاب قبر کے ثبوت میں بہت احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مذہب ہے۔ البتہ خارجی اور معتزلہ کے اکثر لوگ اور بعض مرجیہ اس کے منکر ہیں۔'' (انجاح الحاجۃ علی ابن ماجہ شیخ عبدالغنی المجد دی الدہلوی)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ: ''ثُمَّ السُّوَالُ عِنْدِی يَكُوْنُ بِالْجَسَدِ مَعَ الرُّوْحِ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ'' میرے ہاں میت سے سوال جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ کے ہاں ہے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۲)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس عقیدہ کو اپنے فارسی کلام میں فرمایا ہے جو نہایت ہی جامع اور مدلل ہے، اوپر دی گئی مثال کو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ نظم پوری رسالہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے نومبر ۱۹۵۷ء کے شمارے میں بھی شائع ہو چکی ہے۔

عالم برزخ وتشکل اعمال

از محدث کبیر علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز

ظاہر و باطن اندر آں ہم چوں نواۃ ونخل داں
نے بعد او یک زدو جنب بجنب دوبدو

رشتۂ ایں جہاں بہ تن جامۂ آں جہاں بہ تن
رشتہ برشتہ نخ بہ نخ تار بتار پو بپو

ہست جزا ہمو عمل سم کہ خورد شود مرض
بیخ و شجر ہموں ہموں تخم و ثمر چنو چنو

قبر کہ بود دادرے سوئے جہان دیگرے
غیب شود شہود ازو دیدہ بدیدہ رو برو

منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود
زندگی دگر چنو ذرہ بذرہ موبمو

مُردن ایں طرف بود زیستن دیگر طرف
روزن بازدیدہ طبقہ بطبقہ تو بتو

منقول از عقیدۃ الاسلام مولفہ شاہ صاحب رحمہ اللہ

ترجمہ ارشاد حضرت کشمیری رحمہ اللہ

۱...... برزخ میں ظاہر و باطن کو اس طرح سمجھا جائے جس طرح کھجور کی گٹھلی ہوتی ہے جو بظاہر خشک اور بہت چھوٹی نظر آتی ہے مگر درحقیقت اسی میں کھجور کا بہت بڑا پودا پنہاں ہوتا ہے۔ اسے زمین میں بودیا جائے تو بالکل پورے کا پورا اسی گٹھلی سے نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح قبر میں میت اپنے اعمال کے ساتھ ایک حقیقت ہے قیامت کے دن انہی اعمال کے ساتھ اسی قبر سے اٹھے گا۔

۲...... جس طرح انسان کی زندگی اس جہان میں اس بدن سے ہے۔ اسی طرح برزخ میں بھی زندگی اسی بدن سے ہوتی ہے۔ ذرہ بھی فرق نہیں ہوتا۔

۳...... جو اعمال کئے وہی جزا کی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسا کہ زہر کھانے والے پر زہر کا اثر بیماری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے مگر یہ وہی زہر ہی ہوتی ہے یا جس طرح جس پودے کا بیج بویا جاتا ہے، اس کی جڑوں اور پھلوں میں وہی نمودار ہوتا ہے۔ یعنی کڑوے بیج سے کڑوا پودا، کڑوی شاخ، کڑوا پھل اور کڑوی جڑ نکلتی ہے اور میٹھے بیج سے سب کچھ میٹھا نکلتا ہے۔

۴...... قبر ایک مستقل جہان ہے جو چیزیں یہاں نظر نہیں آتیں وہ وہاں سامنے اور رُو برُو نظر آجاتی ہیں۔

۵...... بظاہر انسان کی قبر اسی جہان دنیا میں نظر آتی ہے مگر اسے قبر میں دوسرا جہان نظر آجاتا ہے۔ بالکل اِسی جہان کی طرح اُس جہان کی بھی زندگی ہوتی ہے۔

۶...... جونہی ایک انسان اِدھر مرتا ہے اُدھر زندہ ہو جاتا ہے اس کو ملنے والی جزا خیر یا سزا کے لئے اس کی قبر میں دریچہ کھول دیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چند اشعار میں سارا علم کلام سارا علم عقائد بیان فرما دیا جس کا تعلق عالم برزخ سے ہے۔ یعنی قیامت سے پہلے ہی دوسری زندگی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قبر کو یا میت کو گٹھلی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ظاہر میں بہت سخت خشک معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس میں پورا کھجور کا پودہ موجود ہے اس گٹھلی کو جب بویا جاتا ہے تو پودے کا ظہور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ مردہ قبر سے زندہ ہو کر قیامت کو باہر نکلے گا۔

اسی قبر کو حدیث میں جنت کا باغ یا دوزخ کا گڑھا فرمایا گیا۔ علماء عقائد نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی میں ہے جیسا کہ کئی انسانوں کی قبروں میں پھول دیکھے گئے اور کئی انسانوں کی قبروں پر آگ دیکھی گئی۔
(نبراس شرح عقائد نسفی)

۱...... جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''وَلَمَّا صَلّٰی عَلَیْہِ وَوُضِعَ فِی حُفْرَتِہٖ فَاحَ مِنْ تُرَابِ قَبْرِہٖ رَائِحَۃٌ طَیِّبَۃٌ کَالْمِسْکِ وَ جَعَلَ النَّاسُ یَخْتَلِفُوْنَ اِلٰی قَبْرِہٖ مُدَّۃً یَاخُذُوْنَ مِنْ تُرَابِ قَبْرِہٖ وَیَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ ذٰلِکَ'' جب امام بخاری رحمہ اللہ پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور ان کو قبر میں رکھا گیا تو اس سے کستوری کی طرح خوشبو پھیلنی شروع ہوگئی اور یہ سلسلہ کافی دنوں تک رہا لوگ آپ کی قبر مبارک پر آ کر اس مٹی کو لے جاتے رہے اور شان خداوندی اور احسان کریمی پر تعجب کرتے رہے۔ (مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۴)

حافظ الحدیث رحمہ اللہ نے اپنی عبارت میں حفرہ کا کلمہ بھی ارشاد فرمایا ہے جس کا معنی گڑھا ہے۔ یہ اس لئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ گڑھا تو مٹی کا گڑھا ہی تھا۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے جسد اطہر کو اس میں اتارنے سے پہلے کوئی خوشبو نہیں تھی لیکن جونہی آپ کے جسد مبارک کو اس میں رکھا گیا تو ارشاد سید دو عالم ﷺ کے مطابق جنت کا دریچہ کھول دیا گیا اور وہ خوشبو اس حد تک موثر اور پائیدار تھی کہ قبر کے تمام ذرات خاکی معطر ہو گئے اور باہر والوں کو بھی خوشبو آنے لگی۔

۲...... اسی پاکستان میں دور حاضر کے ولی کامل مفسر القرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ کا جب وصال ہوا تو تقریباً دو سال تک آپ کی قبر مبارک سے عجیب قسم کی خوشبو آتی رہی جس سے لاکھوں انسانوں نے اپنے دل و دماغ کو ظاہری اور باطنی انوار سے معطر کیا۔ سائنس دانوں نے تجربہ گاہوں میں اس مٹی کا تجزیہ اور تجربہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ یہ خوشبو کسی دنیاوی مادی چیز کی نہیں بلکہ اس کا تعلق دوسرے جہان سے ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فتنہ قبر پر یقین اور اس کا خوف

امت محمدیہ ﷺ کے بہترین گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سید دو عالم ﷺ کے ہر ارشاد پر یقین کامل تھا جو بھی حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے تھے بلا کسی غور و فکر کے اس پر یقین کامل لے آتے تھے۔ چنانچہ جب سید دو عالم ﷺ نے فتنہ قبر کا ذکر فرمایا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

۱...... ''قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَطِیْبًا فَذَکَرَ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ الَّتِیْ یُفْتَنُ فِیْھَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَکَرَ ذٰلِکَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّۃً حَالَتْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اَنْ اَفْھَمَ کَلَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَلَمَّا سَکَنَتْ ضَجَّتُھُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِیْبٍ مِّنِّیْ اَیْ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ آخِرِ قَوْلِہٖ قَالَ قَالَ قَدْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ قَرِیْبًا مِّنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ'' سید دو عالم ﷺ نے اپنے خطاب میں اس فتنہ کا ذکر فرمایا جس سے انسان کو دوچار ہونا پڑتا ہے جونہی حضور انور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا سب مسلمانوں نے اس قدر زور سے رونا اور چلانا شروع کر دیا کہ میں

سید دو عالم ﷺ کے ارشاد کا آخری حصہ نہ سمجھ سکی جب مسلمانوں نے سکوت کیا تو میں نے اپنے قریب کے ایک بھائی سے کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے سید دو عالم ﷺ کے ارشاد کا آخری جملہ کیا تھا اس نے کہا سید دو عالم ﷺ نے فرمایا تحقیق میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے دجال کے فتنہ کے قریب۔ (مشکوۃ)

ف: اس ارشاد میں وحی کا حوالہ دے کر اس عقیدہ کو مزید ضروری قرار دیا۔

۲...... صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب بھی کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے تھے کہ داڑھی کے بال بھیگ جاتے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے وقت تو نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر رو پڑتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے یہاں سے اگر نجات پالی تو آگے نجات مل جائے گی۔

ف: پہلے گزر چکا ہے کہ مرنے کے بعد بدن کی جو بھی حیثیت ہو جائے عذاب وثواب اسے ملتا ہے اس کی شہادت میں مندرجہ ذیل حدیث پیش کی جاتی ہے۔

ترجمہ حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پہلی امت میں ایک مرد نے بہت زیادہ گناہ کئے تھے جب اس کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اس کو جلا دو اور اس کی راکھ کا آدھا حصہ تو دریا میں ڈال دو اور آدھا ہوا میں بکھیر دو بخدا اگر وہ اللہ کریم کے قابو میں آ گیا تو اس کو ایسی سزا دے گا جو آج تک کسی کو نہ دی ہوگی (یہ اس کا اپنا خیال تھا کہ اس طرح وہ عذاب سے بچ جائے گا) جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا مگر اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ وہ ساری راکھ جمع کر کے پیش کر دے اور خشکی کو بھی اسی طرح کا حکم دیا اس نے بھی سب راکھ کو پیش کر دیا اس سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے یوں کیوں کیا؟ اس نے کہا تیرے خوف سے اور تو جانتا بھی ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ (یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے)

ف: ایسی وصیت اسلام میں ناجائز ہے اور اس کا پورا کرنا بھی ناجائز ہے۔

حیات قبر وعذاب ونعیم پر اعتراضات کے جوابات

از حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ

”نَفَاهُ مُطْلَقًا مِنَ الْخَوَارِجِ وَبَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ كَضِرَارِ ابْنِ عَمْرٍو وَبِشْرِ الْمَرِيسِيِّ وَمَنْ وَافَقَهُمَا وَخَالَفَهُمْ فِي ذَالِكَ أَكْثَرُ الْمُعْتَزِلَةِ وَجَمِيعُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَغَيْرِهِمْ۔ وَقَدْ أَخَذَ ابْنُ جَرِيرٍ وَجَمَاعَةٌ مِنَ الْكَرَامِيَّةِ مِنْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ أَنَّ السُّؤَالَ فِي الْقَبْرِ إِنَّمَا يَقَعُ عَلَى الْبَدَنِ فَقَطْ وَأَنَّ اللّٰهَ يَخْلُقُ فِيهِ إِدْرَاكًا بِحَيْثُ يَسْمَعُ وَيَعْلَمُ وَيَلَذُّ وَيَأْلَمُ وَذَهَبَ ابْنُ حَزْمٍ وَابْنُ هُبَيْرَةَ إِلَى أَنَّ السُّؤَالَ يَقَعُ عَلَى الرُّوحِ فَقَطْ مِنْ غَيْرِ عَوْدٍ إِلَى الْجَسَدِ وَخَالَفَهُمُ الْجُمْهُورُ فَقَالُوا تُعَادُ الرُّوحُ إِلَى الْجَسَدِ أَوْ بَعْضِهِ كَمَا ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ وَلَوْ كَانَ عَلَى الرُّوحِ فَقَطْ لَمْ يَكُنْ لِلْبَدَنِ بِذٰلِكَ اخْتِصَاصٌ، وَلَا يَمْنَعُ مِنْ ذٰلِكَ كَوْنُ الْمَيِّتِ قَدْ تَتَفَرَّقُ أَجْزَاؤُهُ لِأَنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُعِيدَ الْحَيَاةَ إِلَى جُزْءٍ مِنَ الْجَسَدِ وَيَقَعُ عَلَيْهِ السُّؤَالُ كَمَا هُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يَجْمَعَ أَجْزَاءَهُ وَالْحَامِلُ لِلْقَائِلِينَ بِأَنَّ السُّؤَالَ يَقَعُ عَلَى الرُّوحِ فَقَطْ أَنَّ الْمَيِّتَ قَدْ يُشَاهَدُ فِي قَبْرِهِ لَا أَثَرَ مِنْ إِقْعَادٍ وَلَا غَيْرِهِ وَلَا

ضَيِّقٍ فِيْ قَبْرِهٖ وَلَا سِعَةٍ وَكَذٰلِكَ غَيْرُ الْمَقْبُوْرِ كَالْمَصْلُوْبِ وَجَوَابُهُمْ اَنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ فِي الْقُدْرَةِ بَلْ لَهٗ نَظِيْرٌ فِي الْعَادَةِ وَهُوَ النَّائِمُ فَاِنَّهٗ يَجِدُ لَذَّةً وَاَلَمًا لَا يُدْرِكُهٗ جَلِيْسُهٗ بَلِ الْيَقْظَانُ قَدْ يُدْرِكُ اَلَمًا وَلَذَّةً لِمَا يَسْمَعُهٗ اَوْ يَفْكُرُ فِيْهِ وَلَا يُدْرِكُ ذٰلِكَ وَاِنَّمَا اَتَى الْغَلَطُ مِنْ قِيَاسِ الْغَائِبِ عَلَى الشَّاهِدِ وَاَحْوَالِ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ وَالظَّاهِرُ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى صَرَفَ اَبْصَارَ الْعِبَادِ وَاَسْمَاعَهُمْ مِنْ مُشَاهَدَةِ ذٰلِكَ وَسَتَرَهٗ عَنْهُمْ اِبْقَاءً عَلَيْهِمْ اَنْ لَا يَتَدَافَنُوْا وَلَيْسَتْ لِلْجَوَارِحِ الدُّنْيَوِيَّةِ قُدْرَةٌ عَلٰى اِدْرَاكِ اُمُوْرِ الْمَلَكُوْتِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ وَقَدْ ثَبَتَتِ الْاَحَادِيْثُ بِمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ كَقَوْلِهٖ اِنَّهٗ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ وَقَوْلِهٖ تَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ لِضَمَّةِ الْقَبْرِ وَقَوْلِهٖ يَسْمَعُ صَوْتَهٗ اِذَا ضَرَبَهٗ بِالْمِطْرَاقِ وَقَوْلِهٖ يَضْرِبُ بَيْنَ اُذُنَيْهِ وَقَوْلِهٖ فَيُقْعِدَانِهٖ وَكُلُّ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْاَجْسَادِ وَذَهَبَ اَبُو الْهُذَيْلِ وَمَنْ تَبِعَهٗ اِلٰى اَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَشْعُرُ بِالتَّعْذِيْبِ وَلَا بِغَيْرِهٖ اِلَّا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ وَقَالُوْا حَالُهٗ كَحَالِ النَّائِمِ وَالْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ لَا يَحِسُّ بِالضَّرْبِ وَلَا بِغَيْرِهٖ اِلَّا بَعْدَ الْاِفَاقَةِ وَالْاَحَادِيْثُ الثَّابِتَةُ فِي السُّؤَالِ حَالَةَ تَوَلِّيْ اَصْحَابِ الْمَيِّتِ عَنْهُ تَرُدُّ عَلَيْهِمْ'' (فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۸۵،۱۸۶)

''شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سب عقیدہ کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حیات قبر کا خوارج اور بعض معتزلہ (مثلاً ضرار بن عمرو اور بشیر المریسی) نے بالکل انکار کر دیا ہے مگر تمام اہل السنۃ والجماعت اور اکثر معتزلہ نے اس کو اسلامی عقیدہ قرار دیا ہے۔ ابن جریر کرامیہ نے یہ کہا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے اور اس بدن میں اللہ تعالیٰ یک گونہ قوت ادراک پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے اور ابن حزم اور ابن ہبیرہ نے یہ کہا ہے کہ یہ سوال صرف روح پر ہوتا ہے بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر جمہور ائمہ مذاہب اور علماء اسلام نے فرمایا کہ روح سارے بدن میں یا بدن کے کچھ حصہ میں لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے اور اگر سوال و جواب صرف روح پر ہوتا تو بدن کا اس کے ساتھ اختصاص ذکر نہ کیا جاتا یہ شبہ نہ کیا جائے کہ میت گل سڑ جاتا ہے اس کے اجزاء بدن مٹی اور راکھ وغیرہ ہو جاتے ہیں بلکہ یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ وہ اس کے بدن کے سب اجزاء کو یا بعض اجزاء کو زندہ کر دے اور جو عقل خام کے پرستار یہ کہتے ہیں کہ سوال و جواب کا تعلق صرف روح کے ساتھ ہے کیونکہ ہم کبھی کبھی دیکھتے ہیں کہ میت کو جس طرح قبر میں رکھا گیا وہ اسی طرح پایا گیا نہ تو اس کے بدن پر بٹھلانے اور بیٹھنے کا کوئی اثر پایا اور نہ قبر کو تنگ اور وسیع پایا بلکہ جیسا دفن کیا تھا ویسے پایا گیا۔ اسی طرح وہ آدمی جو صلیب لگایا گیا اور صلیب ہی پر مر گیا اس کے بدن پر بھی کوئی ایسا اثر یا علامت نظر نہیں آتی جس سے معلوم ہوتا کہ اس کے بدن سے سوال کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے شبہات کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ ممکن ہے بلکہ اس کی نظیر دنیا میں پائی جاتی ہے ایک آدمی نیند میں غم اور خوشی درد اور راحت کو محسوس کرتا ہے مگر اس کے پاس جاگنے والا اس کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے بلکہ زندہ آدمی بھی کبھی کبھی خوشی یا غم محسوس کرتا ہے مگر اس کے پاس بیٹھنے والے دوسرے آدمی کو اس کا احساس اور علم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خود نہ بتائے۔ یہ مغالطہ دراصل اس لئے لگا کہ منکروں نے غائب کو حاضر پر قیاس کر کے ناپا اور سمجھنا چاہا اور بعد از موت کے حالات کا دنیاوی حالات کے ساتھ موازنہ کیا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زندہ لوگوں کی آنکھیں اور کان اس لئے پھیر لئے اور اموات کے حالات پر پردہ ڈال دیا۔ اس امر کو باقی رکھنے کے لئے کہ لوگ اموات کو دفن

کرتے رہیں ان دنیاوی آنکھوں کی یہ طاقت نہیں کہ وہ ماوراء الدنیا کے حالات کا مشاہدہ کر سکیں۔ حالانکہ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے جیسا کہ جمہور امت اسلامیہ کا مذہب ہے کہ میت ان کی جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ میت کی پسلیوں کو آپس میں پھنسا دیا جاتا ہے اور جب اس کو گرزوں کے ساتھ مارا جاتا ہے تو یہ سب مخلوق کو سوائے انس وجن کے سنائی دیتا ہے۔ اسی طرح سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد کہ بعض اموات کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور یہ ارشاد کہ میت کو وہ دونوں فرشتے بٹھاتے ہیں۔ یہ سب حالات اور اعمال تو بدن کے ہیں نہ کہ صرف روح کے اور ابوہذیل اور اس کے پیروکاروں نے کہا ہے کہ میت کے یہ واقعات اور حالات نیند کی طرح ہیں میت نہ خوشی محسوس کرتا ہے اور نہ درد اور غم مگر صحیح احادیث اس عقیدہ کی تردید کرتی ہیں۔''

عذاب جسد مع الروح کی مثال

بعض علماء کرام نے یہ مثال دی ہے کہ ایک باغ میں ایک اندھا اور ایک لولا شل جا پہنچے۔ شل آدمی نے اندھے سے کہا کہ اس باغ کے پودوں کے ساتھ بہت اچھے اچھے پھل لگے ہوئے ہیں، مگر میں لنگڑا ہونے کی وجہ سے نہ تو کھڑا ہو سکتا ہوں اور نہ اوپر چڑھ سکتا ہوں۔ اندھے نے کہا کہ تو میرے کندھوں پر چڑھ جا اور پھل توڑ لے دونوں کھالیں گے۔ کیونکہ میں بوجہ اندھا ہونے کے پھل اور پودے کو نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ اس لنگڑے کو اندھے نے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور اس نے چوری کے ساتھ پھل توڑ لئے جو دونوں نے کھالئے تو اب سزا کے دونوں سزاوار ہیں۔

''اسی طرح بدن اور روح کا تعلق اور نسبت ہے۔''

ف: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حساب وکتاب قبر، ایصال ثواب اور طلب مغفرت کے ان اسباب پر جو سید دو عالم رحمت کائنات ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں۔ فقیہ العصر محدث کبیر عارف باللہ، استاذ العلماء خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانوی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب[1] سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور کی وصیت سے چند جملے درج کر دیئے جائیں۔ آپ نے فرمایا:

۱...... ہر نماز کے بعد تین دفعہ سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب مجھے بخش دیا کریں اور سال بھر میں ایک دفعہ قرآن شریف ختم کر کے اس کا ثواب مجھے بخش دیا کریں۔

۲...... میرے دفن کے بعد تھوڑی دیر میری قبر کے پاس دو تین آدمی بیٹھ کر تلاوت قرآن کریں اور میری قبر پر کھجور کی ایک شاخ گاڑ دیں۔

۳...... یہ سہولت ہو سکے تو مہینہ کے اندر ایک دفعہ یا سال میں میری قبر پر آ کر میرے لئے دعائے مغفرت کر لیا کریں اور ہر نماز کے بعد بھی میرے لئے مغفرت کی دعا کر دیا کریں۔

(منقول از تجلیات رحمانی مرتبہ حضرت مولانا قاری سعید الرحمن صاحب خلف الصدق محدث کبیر رحمہ اللہ ص ۴۳۶)

---

[1] ضلع وتحصیل اٹک کا علاقہ چھچھ علم وفضل کے لحاظ سے بغداد ثانی سمجھا جاتا تھا۔ قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین، وقت کے عظیم شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی، استاذ العلماء مولانا سعد الدین، فقیہ النفس قاضی غلام جیلانی رحمہ اللہ ممتاز مقام کے مالک تھے۔ اسی علاقہ کے فخر العلماء جنہوں نے برصغیر کے مرکزی دینی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرس رہ کر دینی، روحانی معارف کے دریا بہائے ہیں اور آج عرب وعجم میں ان کے تلامذہ اور مریدان باصفا کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ میرے کرم فرما حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب قدس سرہ العزیز بھی تھے۔ الحمد للہ علی احسانہ رزقنا اللہ اتباعھم!

عذاب ورحمت کا تعلق بدن سے ہے

قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جس طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ برزخی عذاب وثواب کا محل وقوع یہی قبر ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ یہ عذاب وثواب اسی بدن کو روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ احادیث میں سے جن ارشادات نبوت کو ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر بالکل واضح الفاظ میں ذکر ہے:

۱...... ''یُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ'' اس کا روح اس کے بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔

۲...... ''یَمْسَحُ النَّوْم'' قبر میں روح ڈالے جانے کے بعد آنکھوں سے نیند کو دور کرنے کے لئے آنکھوں کو ملتا ہے۔

۳...... ''دَعُوْنِیْ اُصَلِّی'' مجھے چھوڑ دو تاکہ نماز عصر پڑھ لوں۔

۴...... ''مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ'' اسے قبر میں سورج ڈوبتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

۵...... ''تَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ'' قبر اس قدر دباتی ہے کہ پسلیاں آپس میں پھنس جاتی ہیں۔

یہ اور کئی ارشادات سید دوعالم ﷺ اس امر میں واضح ہیں کہ روح اور جسد دونوں کو راحت اور بصورت دیگر دونوں کو عذاب دیا جاتا ہے اور یہی عقیدہ اہل السنۃ والجماعت کا ہے۔ جیسا کہ:

علم عقائد وکلام کی مستند کتاب شرح مواقف میں ہے: ''اَلْمَقْصَدُ الْحَادِیْ عَشَرَ اَحْیَاءُ الْمَوْتٰی فِیْ قُبُوْرِهِمْ وَمَسْئَلَةُ مُنْكَرٍ نَكِيْرٍ لَهُمْ حَقٌّ وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِ وَالْفَاسِقِ كُلُّهَا حَقٌّ عِنْدَنَا وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْاُمَّةِ قَبْلَ ظُهُوْرِ الْخِلَافِ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ بَعْدَهٗ وَاَنْكَرَهٗ ضَرَارُ بْنُ عَمْرٍو وَبِشْرُ الْمَرِيْسِیُّ وَاَكْثَرُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَالْاَحَادِيْثُ الصَّحِيْحَةُ الدَّالَّةُ عَلَيْهِ (عذاب القبر) اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰی بِحَيْثُ تَوَاتَرَ الْقَدْرُ الْمُشْتَرَكُ'' گیارھواں مقصد مردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر نکیر کا سوال کرنا یہ حق ہے اور کافر اور فاسق کے لئے قبر کا عذاب حق ہے اور اس پر امت کے تمام علماء سلف کا اتفاق رہا ہے۔ بعد میں ضرار بن عمر اور بشیر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث شمار سے زیادہ اس عقیدہ کو بیان کرتی ہیں۔ الفاظ اور طرز ادا اگرچہ علیحدہ علیحدہ ہے، مگر قبر کی زندگی پر سب کا اتفاق حد تواتر تک ہے۔

اسی طرح علم کلام کی بلند پایہ کتاب تجرید الکلام مصنفہ مولانا نصیر الحق والدین محمد بن محمد طوسی میں اور اس کی شرح قوشجی میں اس عقیدہ پر مفصل اور مدلل بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اَلْمَقْصَدُ السَّادِسُ فِی الْمَعَادِ... وَالْحَقُّ اَنَّ الْمَعَادَ الْجِسْمَانِیَّ وَالرُّوْحَانِیَّ كِلَاهُمَا وَاقِعٌ... فَالْمَعَادُ الْجِسْمَانِیُّ مِنْ ضَرُوْرِيَّاتِ دِيْنِ مُحَمَّدٍ (ﷺ) لِاَنَّهٗ اَمْرٌ مُمْكِنٌ اَخْبَرَ بِهِ الصَّادِقُ فَيَجِبُ الْاِيْمَانُ وَالتَّصْدِيْقُ بِهٖ''

(ص ۲۱٦، ۲۱۷، تجرید الکلام وشرح للقوشجی مطبوعہ تبریز)

ف: ضرار بن عمر کے متعلق حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ: ''ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے پاس آیا کرتا تھا جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس نے حیات قبر کا انکار کیا ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں اس کو صلیب لگا دوں گا۔ چنانچہ وہ ڈر کر بغداد سے بھاگا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی زندگی میں واپس نہیں آیا۔'' (فیض الباری از شاہ صاحب، باب ما جاء فی عذاب القبر)

فقہ اکبر مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں فرمایا: "وَسُوَالُ مُنْكَرٍ وَّ نَكِيْرٍ فِي الْقَبْرِ وَإِعَادَةُ الرُّوْحِ إِلَى الْعَبْدِ فِي قَبْرِهٖ حَقٌّ"

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے: "وَاعْلَمْ اَنَّ الْحَقَّ اِتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيَاةٍ فِي الْقَبْرِ قَدْرَ مَا يَتَلَذَّذُ اَوْ يَتَاَلَّمُ" اور تو جان لے کہ علماء حق کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے بدن میں قبر میں ایک قسم کی زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ آرام بصورت نجات کے اور دکھ بصورت عذاب کے محسوس کرتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر)

علم عقائد کی مشہور کتاب عقائد نسفی جو درس نظامی میں داخل ہے اور جس پر اس زمانے کے تمام عالم اسلامی (بخارا، ترک، شام، دمشق، ماوراء النہر وغیرہا) نے تصدیق کی۔ یعنی اس کتاب میں مذکورہ عقائد جمہور اہلسنت کے ہیں اس میں واضح موجود ہے: "عَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِيْنَ وَبَعْضِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَنَعِيْمُ اَهْلِ الطَّاعَةِ فِي الْقَبْرِ بِمَا يَعْلَمُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُرِيْدُهٗ وَسُوَالُ مُنْكَرٍ نَكِيْرٍ ثَابِتٌ بِالدَّلَائِلِ السَّمْعِيَّةِ"

"کافروں اور نافرمان مسلمانوں کے لئے قبر کا عذاب اور مطیع بندوں کے لئے قبر کی وہ نعمتیں جن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جو چاہے گا، اس طرح سے منکر نکیر کے سوالات ثابت اور حق ہیں۔ جیسا کہ جناب رسول کریم ﷺ سے سنا گیا ہے۔"

نوٹ: عقائد نسفی کی شرح، شرح عقائد تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے اور علم عقائد کے طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے: "وَبِالْجُمْلَةِ الْاَحَادِيْثُ فِي هٰذَا الْمَعْنٰى وَكَثِيْرٌ مِّنْ اَحْوَالِ الْاٰخِرَةِ مُتَوَاتِرَةُ الْمَعْنٰى وَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْ اٰحَادُهَا حَدَّ التَّوَاتُرِ وَاَنْكَرَ عَذَابَ الْقَبْرِ بَعْضُ الْمُعْتَزِلَةِ"

خلاصہ یہ ہے کہ حیات قبر کے بہت سے حالات کے متعلق احادیث معنی کے اعتبار سے متواتر ہیں اور بعض معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔

اور یہ عقیدہ احادیث میں جن صحابہ کرام نے جناب رسول اکرم ﷺ سے سن کر بیان کیا ہے ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں: "عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، بَرَاءٌ، تَمِيْمٌ دَارِي، ثَوْبَانُ، جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، حُذَيْفَةُ، عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ، عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ، عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ، عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ، عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، اَبُوْ اُمَامَةَ، اَبُو الدَّرْدَاءِ، اَبُوْ هُرَيْرَةَ، عَائِشَةُ صِدِّيْقَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (نبراس شرح، شرح عقائد)

اس حیات کا مطلب یہ نہیں کہ قبر میں یا اس کے باہر کوئی دوسرا ہوائی بدن بنایا جاتا ہے بلکہ اسی بدن میں روح کو لوٹایا جاتا ہے۔

"اَنَّ الْاَحَادِيْثَ الصَّحِيْحَةَ نَاطِقَةٌ بِاَنَّ الرُّوْحَ يُعَادُ فِي الْجَسَدِ عِنْدَ السُّوَالِ" (نبراس ص ۳۲۲)

صحیح احادیث بتا رہی ہیں کہ روح جسم میں سوال کے وقت لوٹا دیا جاتا ہے۔

اگر روح بدن میں نہ ڈالا گیا تو سوال کس سے ہے اور حیات کے ساتھ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اب کھائے پئے دوڑے چلے بلکہ ان امور کے بغیر بھی تو حیات ہو سکتی ہے۔ کیا ماں کے رحم میں بچہ زندہ ہوتا ہے یا نہیں؟ پھر دو اڑھائی سال زندہ رہتا ہے مگر اس سے افعال اختیاریہ صادر نہیں ہوتے۔

"یکُونُ حِینَئِذٍ حَیاً لاَ جَمَاداً مَحضاً وَ لَیسَ الْحیوۃُ مُنحَصِرَۃٌ فِیمَن یَفعَلُ الأَفْعَالَ الإخْتِیَارِیَة" اس وقت (قبر) کے اندر وہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے مٹی پتھر وغیرہ نہیں ہوتا اور زندگی کا مطلب صرف یہی نہیں کہ وہ اختیاری کام کرے یعنی کھانے پینے چلنے پھرنے کا نام زندگی نہیں ہے۔　　(نبراس ص ۳۲۱)

اسی لئے جناب حافظ قرآن والحدیث ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روح قبر میں انسان کے اوپر آدھے والے حصے میں داخل ہوتا ہے۔　　(نبراس)

نوٹ: (نوح بن مصطفیٰ حنفی م ۱۰۷۰ھ) نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "رِسَالَةٌ فِی عَوْدِ الرُّوحِ اِلَی الأَبْدَانِ عِنْدَ السُّؤَال" ہے۔ اس میں اس عقیدہ کے سب دلائل کو جمع کر دیا ہے۔

یہ یاد رہے کہ قبر میں سوال و جواب کے لئے حیات دوبارہ عطاء کی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد نیک انسان کے لئے بدنی راحت اور برے کے لئے بدنی سزا دی جاتی ہے۔ اسی لئے سارے بدن کا قبر میں دوڑنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا ضروری نہیں ہے۔ علم عقائد کی مشہور معتبر "کتاب المسامرہ" میں ہے: "وَغَایَتُهٗ مَا یَقْتَضِی اِعَادَةَ الْحیوۃِ اِلَی الْجُزْءِ الَّذِی بِهٖ یَفْهَمُ الْخِطَابَ وَرَدَّ الْجَوَابَ وَالإِنْسَانُ قَبْلَ مَوْتِهٖ لَمْ یَکُنْ یَفْهَمُ بِجَمِیعِ بَدَنِهٖ بَلْ بِجُزْءٍ مِنْ بَاطِنِ قَلْبِهٖ" آخری بات یہ ہے کہ انسان کے بدن کے اس حصے میں دوبارہ زندگی آجاتی ہے جس سے وہ بات سمجھ سکے اور جواب دے سکے انسان موت سے پہلے بھی تو سارے بدن کے ساتھ نہیں سمجھتا بلکہ وہ تو دل کے ادراک کے ساتھ سنتا اور سمجھتا ہے۔　　(المسامرہ ص ۱۱۳)

چنانچہ شرح عقائد کی شرح ابوالمعین میں ہے کہ: "روح جسم گوشت سب کو دکھ محسوس ہوتا ہے اگر بدن مٹی ہو جائے، تب بھی روح کا تعلق اسی مٹی سے ہوتا ہے اور اس میں عذاب ہوتا ہے۔"

اس طرح جس انسان کو درندے کھا جاتے ہیں اس کو وہاں درندوں کے پیٹ میں عذاب ہوتا ہے۔

شرح عقائد کی مشہور شرح خیالی میں ہے کہ: "انسان کے بدن میں ہزاروں کیڑے موجود ہیں اور وہ انسانی بدن میں دکھ، بیماری، موت سے دوچار ہوتے رہتے ہیں مگر انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔"

کتاب الوسیلہ الاحمدیہ شرح الطریقہ المحمدیہ میں ہے: "وَأَنْکَرَ عَذَابَ الْقَبْرِ بَعْضُ الْمُعْتَزِلَةِ وَالرَّوَافِضِ لِأَنَّ الْمَیِّتَ جَمَادٌ لَاحَیَاةَ وَلَا اِدْرَاکَ لَهٗ فَتَعْذِیبُهٗ مُحَالٌ اَلْجَوَابُ اَنَّهٗ یَجُوزُ اَنْ یَخْلُقَ اللّٰهُ فِی جَمِیعِ الأَجْزَاءِ اَوْ فِی بَعْضِهَا نَوْعًا مِنَ الْحَیوۃِ قَدْرَ مَا یُدْرَکُ اَلَمُ الْعَذَابِ اَوْ لَذَّةُ النَّعِیمِ" بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے کہ میت صرف ایک بے جان چیز ہے۔ اس کو عذاب دینا بیکار ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے سارے بدن میں یا بدن کے کچھ حصے میں ایسی زندگی پیدا کر دے جس سے سزا کا دکھ اور نعمت کی لذت کو محسوس کر سکے۔

قاضی سراج الدین رحمہ اللہ نے قصیدہ امالیہ میں فرمایا ہے:

وفی الاجداث عن توحید ربی　　یبلی کل شخص بالسوال

والکفار والفساق بعضا　　عذاب القبر من سوء الفعال

"اور قبور میں میرے رب کی توحید کے متعلق ہر شخص سے سوال کیا جائے گا اور کفار اور نافرمان بعض مسلمانوں کے لئے بھی عذاب قبر ہوگا۔"

ف: کتاب ''التبصیر امام ابو المظفر الاسفرائنی'' کی تصنیف ہے جو پانچویں صدی ہجری کے بہت بڑے عالم تھے۔ یہ کتاب ۱۹۵۵ء میں پہلی دفعہ مصر سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اہل سنت والجماعت کے تمام عقائد کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ بڑی مفید اور جامع کتاب ہے۔

انہی علامہ اسفرائنی رحمہ اللہ نے عقائد اہل سنت والجماعت میں سے عقیدہ ۳۹ بیان کرتے ہوئے فرمایا:
''وَاَخبَرَ اَنَّهُمْ يَحيَـونَ فِي الْقُبُوْرِ وَقَدْ وَرَدَ فِي مَعْنٰى لِاَحيَاءِ الْمَـوتٰى فِـي الْقُبُـورِ مَـالَايُحصٰى مِنَ الآيِ وَالاَخبَارِ وَالْآثَارِ'' یعنی جناب رسول اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ لوگ قبور میں زندہ کئے جاتے ہیں اور اس عقیدہ کو اس قدر آیات قرآنیہ، احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے جن کا مجموعی شمار مشکل ہے۔ (کتاب التعبیر ص ۱۵۸)

اس مدلل و مفصل بیان سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ قبر میں حیات جسم اور روح دونوں کو ہوتی ہے اور روح بدن کو پوری طرح نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا تعلق بدن سے باقاعدہ رہتا ہے ورنہ عذاب و ثواب کے کیا معنی؟

دور حاضر کے مشہور مفکر فلسفہ ولی اللّٰہی کے صحیح ترجمان حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:
''جو شخص یہ کہتا ہے کہ انسان کا مخصوص نفس جسے عام اصطلاح میں نفس نطقیہ کہا جاتا ہے موت کے بعد مادے کو بالکل چھوڑ دیتا ہے، وہ غلطی کرتا ہے۔ یعنی صورت کا مادہ کے بغیر موجود ہونا ناممکن ہے۔'' (شرح حجۃ اللہ ص ۳۲۹)

کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ حیات قبر کا مشاہدہ بھی کرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے معجزہ احیاء الموتی کا ذکر فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ فرما دیتے ہیں اور قبروں سے بھی زندہ کر کے نکال دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن عزیز نے فرمایا: ''واذ تخرج الموتٰی باذنی (المائدۃ: ۱۱۰)'' اور جب تو مردوں کو قبروں سے (زندہ) نکال رہا تھا میرے اذن سے۔

چنانچہ معتبر تفاسیر میں ہے کہ آپ نے چار مردوں کو قبروں سے زندہ نکالا جن میں سے ایک نوح علیہ السلام کے بیٹے سام بھی ہیں جو حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی ہزار سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی قبر پر آئے اور اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم پڑھ کر ان کو پکارا تو سام قبر سے باہر آ گئے۔ جب کہ آپ کے سر کے بال آدھے سفید ہو چکے تھے۔ سام نے فوراً پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نہیں قیامت تو ابھی قائم نہیں ہوئی بلکہ میں نے تجھے اسم اعظم کی برکت سے بطور معجزہ کے زندہ کیا ہے۔ پھر اس سے فرمایا کہ تو مر جا! سام نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے سکرات موت سے بچا لے۔ چنانچہ آپ نے دعا کی اور وہ فوت ہو گئے۔

ف: یہ روایت تفسیر معالم التنزیل بغوی کی سورہ آل عمران میں موجود ہے جو کہ علماء تفسیر کے ہاں معتبر ہے اور اس کی ایک طباعت سلطان عبد العزیز السعود کے ذاتی خرچ سے بھی ہوئی ہے۔

اور مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں یوں فرمایا ہے: ''وَاِذْ تُخْـرِجُ الْمَـوْتٰى۔ اَیْ تَدْعُوْهُمْ فَيَقُومُونَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ بِاِذْنِ اللهِ وَقُدْرَتِهٖ وَاِرَادَتِهٖ وَمَشِيْـتِهٖ''

اور مفسر ابن حاتم نے یہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بطور معجزہ کے کسی مردہ کو زندہ کرنا چاہتے تو پہلے دو رکعت نفل اس طرح پڑھتے کہ پہلی رکعت میں تبارک الذی اور دوسری میں الم السجدہ پڑھتے اور پھر فارغ ہو کر

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہتے اور اللہ تعالیٰ کے سات نام یا قدیم، یا غنی، یا دائم، یا فرد، یا وتر، یا احد، یا صمد پڑھ کر دعا فرماتے تو مردہ زندہ ہو جاتا۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۹، المائدہ: ۱۱۰)

ف: جب قبر میں سوال و جواب ہوتا ہے تو میت کے ساتھ عقل و ہوش بھی رہتا ہے۔ تب ہی تو وہ جواب دیتا ہے۔ مسلمان سوالات کا وہی جواب دیتا ہے جو اس نے دنیاوی زندگی میں سید دو عالم ﷺ کے ارشادات میں سنا تھا اور کافران جوابات سے محروم رہتا ہے۔ امام الانبیاء ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

عمر رضی اللہ عنہ! تو اس وقت کیا جواب دے گا، جب تیرے پاس قبر میں دو جوان (منکر نکیر) آئیں گے، ان کے دانت اتنے لمبے ہوں گے کہ زمین کھود یں گے۔ لمبے لمبے بال ہوں گے۔ آنکھوں میں بجلی کی چمک اور آواز میں رعد کی کڑک ہوگی۔ ان کے پاس اتنے بھاری ہتھوڑے ہوں گے کہ زمین کے سارے آدمی بھی مل کر ان کو نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''وَاَنَا عَلٰی مَآاَنَا عَلَیْہِ الْیَوْم'' یعنی کیا حضور ﷺ میں اس وقت بھی اسی حالت میں ہوں گا جس میں آج ہوں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا: ''وَاَنْتَ عَلٰی مَآاَنْتَ الْیَوْم'' یعنی تو جس حال میں آج ہے۔ اسی حالت میں اس وقت بھی ہوگا تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ ''اِذًا اَکْفِیْہِمَا اِنْ شَاءَ اللہ'' یعنی پھر تو میں ان شاء اللہ ان کے لئے کافی ہوں گا۔

یہ روایت محدث کبیر عبدالرزاق بن ہمام (م ۲۱۱ ھ) کی کتاب (المصنف ج ۳ ص ۵۸۳) میں ہے جو کہ ابھی حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔

اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی مستقل کتاب کتاب البعث میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے باب عذاب القبر میں روایت کیا ہے۔

امام منذری رحمہ اللہ (م ۶۵۶ ھ) نے اپنی مقبول اور مستند کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں اس روایت کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے کہ سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اَتُرَدُّ عَلَیْنَا عُقُوْلُنَا یَا رَسُوْلَ اللہ'' کیا ہم پر ہمارے عقل پھر واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔'' تو سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''نَعَمْ کَھَیْئَتِکَ الْیَوْم'' ہاں جس حال اور جس شکل میں تو آج ہے۔''

امام منذری رحمہ اللہ نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد مزید فرمایا ہے۔ رواہ احمد من طریق ''ابن الھیعۃ والطبرانی بسند جید''

اسی طرح یہ روایت علم کلام اور عقائد کی مستند کتب میں بھی موجود ہے۔

بلکہ موت کے ورود پر اگرچہ زندہ لوگ قریب المرگ آدمی کو مردہ اور اس جہان سے بے خبر سمجھتے ہیں مگر ان کو بھی خبر اور اطلاع ہوتی ہے۔ جیسا کہ: ''جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ (اور یوں سمجھا گیا کہ اب ان کی موت واقع ہوگئی) تو ان کی بیوی نے ان پر بین کرنے شروع کر دیئے اور ان میں ان کے اوصاف اور بہادری کی باتیں کہنی شروع کر دیں مگر اس وقت ان کی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ ہوش میں آ گئے تو گھر والوں سے کہا کہ جو جو باتیں تم نے میری مدح سرائی میں کہی ہیں مجھ سے باز پرس ہوتی گئی کیا تو ایسا ہے؟ کیا تو ایسا ہے؟ مگر میں نے جواب دیا کہ میں ایسا نہیں ہوں۔'' (المصنف ج ۳ ص ۵۶۳)

اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر موت کی غشی طاری ہوگئی تو آپ کی لخت جگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

من　لایزال　دمعه　مقنعا　لابدی　وما　انه　مهراق

''جس کی آنکھ سے کبھی بھی آنسو نہ نکلا ہو وہ بھی ایک نہ ایک دن آنسو بہائے گا۔''

تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہوش میں آ گئے تو آپ نے قرآن عزیز کی یہ آیت پڑھی: ''وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذالک ما کنت منه تحید (ق: ۱۹)'' اور آ گئی موت کی بے ہوشی ساتھ حق کے یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہا۔ (المصنف ج ۳ ص ۵۶۴)

اسی طرح جن نیک اعمال کی سید دو عالم ﷺ نے برکات اور ثواب کا ارشاد فرمایا ہے: ''کبھی کبھی ان کا ظہور محسوس طور پر ہوا ہے۔ جیسا کہ سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مسلمان ''سورۃ الملک'' کی تلاوت کرے گا یہ سورت اس کی شفاعت کر کے بخشوا دے گی۔'' (مشکوٰۃ)

اس ارشاد گرامی کا مشاہدہ زمانہ اقدس سید دو عالم ﷺ میں یوں ہوا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایک صحابی نے ایک جگہ کو خالی سمجھ کر اپنا چھوٹا سا خیمہ لگا دیا۔ مگر اچانک اس جگہ سے ایک انسان کی سورۃ الملک پڑھنے کی آواز آئی جسے یہ سنتا رہا۔ یہاں تک کہ سورۃ پوری پڑھی گئی جب دربار سید دو عالم ﷺ میں حاضر ہوا تو یہ واقعہ عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ اللهِ'' یعنی یہ سورۃ عذاب کو روکتی ہے عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے۔ یہ روایت ترمذی میں موجود ہے جس کو مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے الکشف میں اس سے استدلال کیا ہے کہ:

ف: حال کشف القبور: کشف القبور کبھی بلا قصد و اکتساب ہوتا ہے جیسے ان صحابی کو ہوا اور کبھی کسب اور ریاضت سے ہوتا ہے۔ بہرحال حدیث سے کشف القبور کا وقوع معلوم ہوا۔ فیض باطنی از اہل قبور۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن مجید سننا موجب نفع باطنی ہے اور یہ نفع ان صحابی کو بواسطہ صاحب قبر کے پہنچا۔ اس سے اہل قبور کے فیوض کا اثبات ہوتا ہے۔ (الکشف مطبوعہ ۱۳۴۲ھ ص ۴۴۳)

اسی طرح سید دو عالم ﷺ نے نماز کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ: ''وَالصَّلٰوۃُ نُوْرٌ'' اور نماز نور اور روشنی ہے۔ یعنی قبر میں روشنی ہوگی اور قیامت کے دن بھی روشنی ہوگی جب کہ نماز کے لئے وضو کرنے والوں کے اعضاء وضو چمکیں گے۔ اس کا مشاہدہ زندگی میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز نے حضرت ابوالحسن علی نوری رحمہ اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے بدن سے کئی بار انوار کا مشاہدہ ہوتا تھا اور اہل اللہ کے مزارات سے انوار ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ (امداد السلوک ص ۸۶)

ف: یہ رسالہ دراصل رسالہ مکیہ مولانا قطب الدین دمشقی (م ۷۸۰ھ) کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے۔

چند واقعات پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ورنہ ایسے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر اس قبر کے ساتھ اب میت کے اعمال اور حساب کتاب کا کوئی تعلق نہیں تو ان مشاہدات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ عقل ناقص کے پرستاروں کا محدود اور ناقص علم امت کے لئے راہ ہدایت نہیں بلکہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے ارشادات عالیہ نہ صرف مشعل راہ ہدایت ہیں بلکہ ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

سید دو عالم ﷺ کا مشاہدہ فرمانا

سابقہ روایات میں سید دو عالم ﷺ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ بعض قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے اس کے متعلق حضور انور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مشاہدہ فرما کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع بھی دی ہے۔ جیسا کہ:

1...... "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيَمْشِي بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ عذاب کسی ایسے گناہ میں نہیں دیا جا رہا جو بڑا ہو (یہ بڑا نہ سمجھتے تھے) ایک تو پیشاب کرتے وقت پردہ نہ کرتا تھا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ پاکیزگی نہ کرتا تھا اور دوسرا چغلی لگانے والا تھا۔ پھر رحمت دو عالم ﷺ نے ایک سبز ٹہنی لی اور اس کو درمیان سے چیر کر دو حصے کر دیا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑھ دیا صحابہ کرام نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا شاید ان کے خشک ہونے تک ان پر عذاب میں کمی آ جائے۔ (متفق علیہ)

ف 1: یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب "الجريد على القبر" بیان فرمایا ہے اور اس میں اس حدیث کے ساتھ بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی وصیت نقل فرمائی کہ انہوں نے اپنی قبر میں دو ٹہنیاں رکھنے کی وصیت فرمائی تھی۔

ف 2: رحمت دو عالم ﷺ نے اپنی امت کو عذاب قبر سے بچنے کے لئے فرمایا: "اِتَّقُوا الْبَوْلَ فَاِنَّهُ اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ فِي الْقَبْرِ" پیشاب کی تلویث سے بچو۔ کیونکہ قبر میں سب سے اول بندے سے اس کے بارہ میں حساب کیا جاتا ہے۔ (رواہ الطبرانی)

2...... سید دو عالم ﷺ نے کفار کی قبروں میں بھی عذاب قبر کا مشاہدہ فرمایا جس عذاب کو آپ کے اس خچر نے دیکھا جس پر آپ سوار تھے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل روایت اس کی شہادت میں درج کی جاتی ہے: "عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهُ اِذْ حَادَتْ بِهِ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِي قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ" حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سید دو عالم ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ جب کہ آپ اپنے خچر پر سوار تھے۔

قبیلہ بنو النجار کے ایک باغ سے جب ہمارا گزر ہوا تو آپ ﷺ کا خچر اس خطرناک طریقہ پر بدکا قریب تھا کہ حضور انور ﷺ گر پڑتے۔ اس جگہ پانچ یا چھ قبریں سامنے نظر آئیں۔ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کوئی ان قبروں میں دفن کئے ہوئے آدمیوں کو جانتا ہے؟ ایک مرد نے کہا کہ میں جانتا ہوں۔ اس پر حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کب مرے ہیں؟ تو اس آدمی نے عرض کیا۔ بحالت شرک مرے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسانوں کو مرنے کے بعد قبر میں مبتلاء کر دیا جاتا ہے۔ اگر تم مردوں کو دفن نہ کرتے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا کہ تم کو اس عذاب میں سے کچھ سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔ پھر حضور انور ﷺ نے ہماری طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو آگ کے عذاب سے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں آگ کے عذاب سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو قبر کے عذاب سے۔ ہم نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں قبر کے عذاب سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں ہر قسم کے ظاہری اور باطنی فتنوں سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو دجال کے فتنہ سے۔ ہم نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں دجال کے فتنہ سے۔ (رواہ مسلم و مشکوٰۃ)

ف: اس حدیث کے راوی اگرچہ زید رضی اللہ عنہ بن ثابت ہیں (جو کہ قرآن کریم کی کتابت کرنے والی کمیٹی کے رکن ہیں) مگر اس حدیث میں پایا جاتا ہے کہ آپ کے ساتھ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اسی طرح حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں تو وہ تم کو وہ عذاب سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے آگ کے عذاب سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا اور بعد میں عذاب قبر کا ذکر فرمایا کیونکہ آگ کا عذاب قبر میں ہوتا ہے۔ باطنی فتنہ سے مراد عقیدہ کا فتنہ ہے اور دجال سے مراد ہر دھوکہ دینے والا بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم!

۴...... ''عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ وَھُوَ یَسِیْرُ عَلٰی رَاحِلَتِہٖ فَنَفَرَتْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَاشَانُ رَاحِلَتِکَ نَفَرَت قَالَ اِنَّھَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ یُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِہٖ فَنَفَرَتْ لِذَالِکَ'' (جمع الفوائد ص ۲۴۲ بحوالہ معجم اوسط للطبرانی)

''ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں سید دو عالم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ جب کہ آپ ﷺ اپنی سواری پر تھے کہ اچانک وہ بدک پڑی اور آگے قدم نہ بڑھایا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کی سواری کیوں بدک گئی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں ایک مرد کو عذاب ہو رہا ہے۔ اس کی آواز کو سن کر بدک گئی اور رک گئی۔''

تنبیہ: صحیح احادیث میں ثقہ اور معتبر راویوں سے مندرجہ بالا روایات نقل کی گئی ہیں کہ اسی جہان کے چار پائے عذاب قبر کو دیکھتے ہیں اور قبر کی چیخ و پکار کو سنتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہاں بھی اس فرقہ نے عجیب بات کہی کہ: ''اَلْمُرَادُ مِمَّنْ یَلِیْہِ الْمَلٰئِکَۃُ وَمَنْ یَتَعَلَّقُ بِذٰلِکَ الْعَالَمِ لَاالْبَھَائِمِ وَحَشَرَاتُ الْاَرْضِ کَمَافَھِمَ بَعْضُھُمْ'' اس سے مراد وہ مخلوق ہے جو اس کے قریب ہے فرشتے اور جو اس جہان (برزخ) کے متعلق ہیں زمین کے چار پائے اور حشرات مراد نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھ لیا ہے۔'' (الہام الباری ص ۷۵)

افسوس ہے کہ یہ لوگ کس قدر ضد میں آ کر صحیح حدیث کا انکار کر رہے ہیں۔ سید دو عالم ﷺ کا خچر مبارک اور آپ کی سواری اس زمین پر تھی یا عالم برزخ میں تھی؟ "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَابَطَنَ"

کیا برزخ میں بھی چار پائے ہوتے ہیں؟ کیا سید دو عالم ﷺ کا بغل جس پر آپ ﷺ سوار تھے وہ عالم برزخ میں تھا یا اسی زمین پر تھا؟

حافظ الحدیث شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے کئی روایات کو ذکر فرمایا ہے جس میں تصریح ہے کہ: "یَسْمَعُہٗ کُلُّ دَابَّۃٍ اِلَّا الثَّقَلَیْنِ۔ یَسْمَعُہٗ مَنْ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" امام ابن حجر اور دوسرے جلیل القدر محققین شراح الحدیث نے فرمایا: "اِنَّ الْبَھَائِمَ تَسْمَعُہٗ" اور قبر سے مراد بھی یہی زمین والی قبر ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی عبس کی آیت ۲۱ کی تفسیر میں فرمایا: "ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ اَیْ جَعَلَہٗ ذَا قَبْرٍ تُوَارِیْ فِیْہِ جِیْفَتَہٗ تَکْرِمَۃً لَّہٗ وَلَمْ یَجْعَلْہُ مَطْرُوْحاً عَلَی الْاَرْضِ وَالْمُرَادُ مَنْ جَعَلَہٗ ذَا قَبْرٍ اَمْرِہٖ عَزَّوَجَلَّ بِدَفْنِہٖ یُقَالُ قَبَرَ الْمَیِّتَ اِذَا دَفَنَہٗ بِیَدِہٖ" پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مارا اور پھر اس کو قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ یعنی اس کی لاش کو قبر میں چھپانے کا حکم دیا جس میں آدمی کا احترام ہے۔ حیوانات کی طرح زمین پر نہیں پھینکا۔" (از افادات مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہٗ)

برزخی واقعات کا مشاہدہ کرانا

امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں سید دو عالم ﷺ کے نور نظر حضرت قاسم علیہ السلام کا چھوٹی عمر میں وصال ہو گیا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے افسوس کرتے ہوئے دربار نبوت میں عرض کیا کہ قاسم نے ابھی تک میرا دودھ بھی پورا نہیں پیا تھا اور دنیا سے اٹھا لیا گیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو مدت رضاعت پوری کرنے کے بعد اٹھا لیتے تو بہتر ہوتا۔ سید دو عالم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کی مدت رضاعت جنت میں پوری کر دی جائے گی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اگر مجھے اس کا علم ہو جائے تو میرے درد و غم میں کمی آ جائے گی۔ اس پر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: "اِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی فَاَسْمَعَکِ صَوْتَہٗ" اگر تو چاہتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تاکہ وہ تجھے اس کے دودھ پینے کی آواز سنا دے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "بَلْ اُصَدِّقُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ" مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر پورا یقین ہے۔

ف: یہ روایت صحاح ستہ کی مشہور کتاب "سنن ابن ماجہ" کے باب "ماجاء فی الصلوٰۃ علی ابن رسول اللہ ﷺ و ذکر وفاتہ" میں موجود ہے جو کہ (سنن ابن ماجہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی کے ص ۱۱۰) پر ہے۔

انسانوں کا عذاب کو دیکھنا

کبھی کبھی یوں بھی ہو جاتا ہے کہ قبر میں ہونے والے عذاب کو زندہ لوگ مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ ایسے کئی واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ مدینہ منورہ کی مستند تاریخ وفاء الوفاء مرتبہ علامہ نور الدین سمہودی قدس سرہ العزیز (م ۹۱۱ ھ) نقل کیا جاتا ہے: "سن ۶۰ ھ میں جب یزید کے عامل مسلم بن عقبہ مری نے مدینہ منورہ کو آخری تین دن تاراج کیا۔ لوگوں سے یزید کے لئے بیعت لی۔ ایک آدمی کے انکار پر اس کو بھی قتل کر

دیا۔ اس کی ماں نے قسم کھائی کہ اگر مسلم میرے ہاتھ لگا خواہ زندہ یا مردہ تو میں اس کو جلاؤں گی۔ چنانچہ مسلم جب مدینہ منورہ سے واپس لوٹا تو راستہ ہی میں مرگیا۔ جب مقتول کی والدہ کو اس کا علم ہوا تو وہ چند غلام ساتھ لے کر اس کی قبر پر پہنچی اور اس کی قبر کو سر کی جانب سے کھدوایا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا سانپ اس کی گردن میں لپٹا ہوا، اس کے ناک کو چوس رہا ہے۔ چنانچہ اس جگہ کو چھوڑ کر پاؤں کی جانب سے کھودا تو اس طرف بھی ایک سانپ اس کے پاؤں میں لپٹا ہوا اسے ڈس رہا ہے۔" (ج اول ص ۳۰۵)

قبر کی راحت و عذاب فقہ حنفی میں

چونکہ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کی مقلد ہے، اس لئے فقہ حنفی سے بھی کچھ حوالے درج کئے جاتے ہیں:

فقہ حنفی کے مدون حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قرآنی آیت سے اس کا استدلال فرمارہے ہیں۔ جب کہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت حماد رحمہ اللہ نے آپ سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قبر کا عذاب (نافرمانوں کے لئے) حق ہے۔ آپ کے صاحبزادے نے اس کی دلیل پوچھی تو آپ نے قرآن عزیز کی "سورۃ الطور" کی آیت نمبر ۴۷ تلاوت فرمائی: "وَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" اور ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں ایک عذاب ہے۔ اس عذاب سے پہلے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا قیامت کے عذاب سے پہلا عذاب، عذابِ قبر ہے۔ (التمہید لابی الشکور السالمی ص ۱۲۸)

(یہ کتاب علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں داخل نصاب تھی)

علم عقائد میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مستند تالیف فقہ اکبر کی شرح میں ملا علی قاری حنفی مفسر القرآن و شارح مشکوٰۃ شریف نے یہ فرمایا ہے کہ: "وَلَیْسَ السُّؤَالُ فِی الْبَرْزَخِ لِلرُّوْحِ وَحْدَهَا کَمَا قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَغَیْرُهٗ وَاَفْسَدُ عَنْهَا قَوْلُ مَنْ قَالَ اَنَّهٗ لِلْبَدَنِ بِلَا رُوْحٍ وَالْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ تَرُدُّ الْقَوْلَیْنِ وَالْحَاصِلُ اَنَّ اَحْکَامَ الدُّنْیَا عَلَی الْاَبْدَانِ وَالْاَرْوَاحِ تَبَعٌ لَهَا وَاَحْکَامَ الْبَرْزَخِ عَلَی الْاَرْوَاحِ وَالْاَبْدَانِ تَبَعٌ لَهَا وَاَحْکَامُ الْحَشْرِ وَالنَّشْرِ عَلَی الْاَرْوَاحِ وَالْاَجْسَادِ جَمِیْعًا" اور برزخ (قبر) میں صرف روح سے سوال نہیں کیا جاتا جیسا کہ ابن حزم ظاہری نے کہا اور اس سے بھی زیادہ فساد والا قول ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عذاب بدن کو ہوتا ہے مگر روح کے بغیر اور سید دو عالم ﷺ کے باسند ارشادات ان دونوں اقوال کی تردید کرتے ہیں۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ دنیا کے احکام بدن پر نافذ ہوتے ہیں اور روح ان کے تابع ہوتا ہے اور قبر کے احکام روح پر نافذ ہوتے ہیں اور بدن ان کے تابع ہوتا ہے اور قیامت کے احکام دونوں پر نافذ ہوں گے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۴)

البتہ چند سعادت مند ایسے بھی ہیں جو قبر کے سوال و جواب سے محفوظ رہتے ہیں جن کا ذکر علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "شہید، ملکی سرحدات کا محافظ، طاعون سے فوت ہونے والا، اسی زمانہ میں فوت ہونے والا جب کہ وہ ثابت قدم رہا ہو، نابالغ اولاد مسلمان کی، شب جمعہ یا جمعہ کے دن مرنے والا، ہر رات سورۃ الملک اور سورہ الم السجدہ کی تلاوت کرنے والا، مرض الموت میں سورہ اخلاص پڑھنے والا۔" (شامی ج ۱ ص ۶۲۹)

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن سورۃ الکہف پڑھنے والا عذاب قبر اور دجال کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے۔

ف: اس ارشاد گرامی میں دجال کے فتنہ کا ذکر بھی ساتھ فرمایا دجال کا کام ہی دھوکا دینا ہے عذاب قبر اور راحت قبر کے بارہ میں بھی دھوکا دیتا ہے کہ یہ کچھ نہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

ف: علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (ذرر کامنہ کی ج ۴ ص ۹۵) میں تحریر فرمایا ہے کہ جب علامہ منفلوطی رحمہ اللہ کا مصر میں انتقال ہوا تو اس وقت کے جلیل القدر محدث ومفسر اور ولی کامل علامہ ابن دقیق العید[1] نے یہ ارشاد فرمایا کہ: "میں نے آج رات منفلوطی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا اور ان سے حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب تم مجھے دفن کر کے چلے گئے تو ایک بڑا کتا بھیڑیئے کی طرح مجھے ڈرانے لگا کہ اتنے میں ایک حسین وجمیل شخص قبر میں نمودار ہوا اور اس کتے کو مار بھگایا اور مجھے تسلی دینے لگا میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے اس نے کہا میں سورۃ الکہف کا ثواب ہوں جو تو ہر جمعہ کو پڑھا کرتا تھا۔"

اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ سید دو عالم ﷺ خطبہ جمعہ میں سورہ ق کی تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ حارثہ بن نعمان کی بیٹی ام ہشام رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے سورۃ ق سید دو عالم ﷺ کی زبان درفشاں سے سن کر حفظ کر لی ہے۔ اس لئے کہ سید دو عالم ﷺ ہر جمعہ کے خطبہ میں اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور میں بھی آپ ﷺ کے گھر کے تنور پر روٹی پکانے جایا کرتی تھی۔ (تو اس طرح بدنی خوراک کے ساتھ روحانی غذا بھی مل جاتی تھی) (التاج ج ۱ ص ۳۰۵)

اسی طرح اکثر فجر کی نماز میں اس سورۃ کی زیادہ قرأت فرمایا کرتے تھے اور نماز عید میں بھی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے اس سورۃ کے سمجھنے اور پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ (روح المعانی)

ف: اسی سورۃ قٓ کے آخر میں جو ارشاد فرمایا اس سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ قبر سے مراد زمین والی قبر ہے اور اسی سے قیامت کے دن وہ اموات زندہ ہو کر نکلیں گے جو اس میں دفن تھے۔ ارشاد فرمایا: "إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ۔ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ (ق: ۴۳، ۴۴)" ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم تک ہے سب کو پہنچنا جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں گے، وہ سب دوڑتے ہوئے یہ اکٹھا کرنا ہم کو آسان ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: "یعنی زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا اور ایسا کرنا اس کو کچھ مشکل نہیں۔"

ف: یہ دوڑنا بھی تو بدن کا کام ہے نہ کہ روح کا۔

---

[1] علامہ ابن دقیق العید کا مختصر سا حال درج ذیل ہے۔ آپ کا نام محمد بن علی بن ابی الحسن ہے اور کنیت ابوالفتح اور لقب تقی الدین ہے۔ آپ کی ولادت ۲۵ رشعبان ۶۲۵ھ ینبع کے ساحل کے قریب ہوئی۔ جب کہ آپ کے والد ماجد حج کو جا رہے تھے، آپ کے والد ماجد نے آپ کو گود میں لے کر طواف کیا اور یہ دعا کی کہ خداوند قدوس اس بچہ کو عالم باعمل بنائے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور آپ بہت بڑے عالم، صوفی، محدث ہوئے۔ سید دو عالم ﷺ کے صرف ایک ارشاد سے (۴۰۰) فوائد استنباط کئے۔ بعض علماء نے آپ کو مجدد بھی کہا ہے۔ ۷۰۲ھ کو وفات ہوئی۔

ایسے شکوک کا جواب واقعاتِ عالم میں

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے جب حیات بعد الموت کا عقیدہ ذکر فرمایا تو حضور انور ﷺ کے زمانہ اقدس کے منکروں نے یہی شبہ اور سوال کیا جس کا جواب قرآن عزیز نے دیا کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو قوموں کو کیسے تباہ کیا گیا اور آج تک اس تباہی کے منحوس اثرات موجود ہیں۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: ''وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ۔ لَقَدْ وُعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ (النمل:۶۷تا۶۹)'' اور کافروں نے کہا آیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے کیا ہم کو زندہ نکالا جائے گا۔ اس بات کا وعدہ ہمارے ساتھ اور ہمارے باپ دادوں کے ساتھ پہلے بھی کیا گیا تھا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہی ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے زمین میں پھر کر دیکھ لو کہ نافرمانوں کا انجام کیسا ہوا؟''

ف: اس ارشاد گرامی میں واضح ہے کہ:

۱...... بدن چاہے کوئی بھی حیثیت اختیار کر لے اس پر عذاب آتا ہے اگر وہ کافر ہوا۔

۲...... اور یہ عذاب اس روئے زمین پر بھی آتا ہے۔ تب ہی تو ارشاد فرمایا کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو۔ ان کھنڈرات اور برباد شدہ مکانات کو دیکھ لو۔ مگر یہ حقیقت سمجھنے کے لئے دل کی روشنی چاہئے۔

جیسا کہ فرمایا: ''فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ۔ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج:۴۵،۴۶)'' پس کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ کر ڈالی ہیں۔ جب کہ وہ نافرمان تھیں اور اب وہ گری پڑی ہیں۔ اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں غیر آباد ہیں اور کتنے محل ہیں جن پر گچکاری کی گئی تھی۔ کیا انہوں نے سیر نہیں کی۔ ملک کی پس ہوتے ان کے ایسے دل جن سے وہ سمجھتے یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے۔ یاد رہے یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

آثار قدیمہ کو دیکھنے والے اگر غور سے دیکھیں تو ان کو یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ آخر یہ قومیں کیوں تباہ ہوئیں؟ کوئی آدمی یا کوئی قوم از خود تو اپنے آپ کو تباہ نہیں کرتی بلکہ وہ ایسے عذاب کی لپیٹ میں آ جاتی ہے جو کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان پر مسلط رہتا ہے۔ جیسا کہ صالح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کی قومیں جو بڑی متمدن کہلائی جاتی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا شکار ہوئیں تو ایسی لپیٹ میں آئیں کہ آج تک عذاب موجود ہے۔ جیسا کہ:

جب سید دو عالم ﷺ کا گزر وادی حجر سے ہوا تو آپ ﷺ نے چہرہ مبارک ڈھانپ لیا اور نہایت تیزی سے اس وادی سے باہر تشریف لے گئے۔ بعض صحیح روایات میں ہے کہ جن صحابہ کرام نے وہاں کے پانی سے آٹا گوندھا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اونٹوں کو کھلا دینے کا حکم فرمایا اور صحابہ کرام کو کھانے سے روک دیا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ پر حملہ آور ابرہہ شاہ یمن کی فوج وادیٔ محسّر میں ہلاک ہوئی تھی جس کو چودہ سو سال ہو گئے ہیں۔ مگر سید دو عالم ﷺ نے حج کے دوران اس وادی میں قیام کرنے سے منع فرمایا کہ اب بھی ان ذرات پر عذاب ہو رہا

ہے۔اسی طرح فرمایا: ''وعرفات کلھا موقف الاابطن'' عرنہ عرفات کا سارا میدان موقف ہے مگر عرنہ وادی میں کھڑا نہ ہو کہ اس میں بھی عذاب ہو رہا ہے۔

اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا، اب تک اس کے آثار باقی ہیں اور اس کا نام ہی بحر میت مشہور ہے۔ایک غیر مسلم کی شہادت درج کی جاتی ہے۔

۱۹۴۳ء میں ایک انگریز فوجی افسر وہاں گیا اور غسل کے ارادہ سے اس بحیرہ پر پہنچا مگر جو حالت اس کی ہوئی، اسی کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہے: ''موقع مل گیا تو ہم بحر مردار کے کنارے تک پہنچ گئے۔میرا یہ دوسرا موقع تھا۔کئی سپاہیوں نے اس میں غوطہ لگایا۔میں الگ کھڑا رہا۔فوراً ہی وہ لوگ اس روغنی پانی سے باہر نکل آئے۔اس سمندر میں جو تیز نمک اور دوسرے مادے ہیں، ان سے وہ کانپ رہے تھے اور ان کا دم گھٹا جا رہا تھا۔باہر نکل آئے تو اور کوئی صاف پانی نہیں تھا جس سے اپنا جسم دوبارہ دھوتے۔انہوں نے اپنے تولیوں کو اپنے جسم پر ملا۔اس سے وہ گدلا پانی تو جذب نہیں ہوا، البتہ ان کی جلد پر ایک موٹی پیپڑی سی جم گئی۔'' (صدق جدید بحوالہ جان بل لندن ۹ر ستمبر ۱۹۴۳ء)

اسی طرح جو علاقے کسی محسوس عذاب سے اگرچہ بچ بھی گئے، تب بھی ان میں سے اکثر غیر آبادی رہے۔بہت کم آباد ہو سکے۔جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: ''وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ (القصص:۵۸)'' اور کئی بستیاں ہم نے ہلاک کر ڈالیں جو اپنی طرز زندگی میں بہت مغرور ہو چکی تھیں۔پس اب ان کے گھر ہیں جو ان کے بعد بہت ہی تھوڑے آباد ہوئے اور آخر ہم مالک رہ جاتے ہیں۔

بعض عقلاء کا رجوع الی علوم النبوۃ

اس امر پر کافی بحث گزر چکی ہے کہ حیات قبر اور دوسرے برزخی عقائد کا انکار صرف اسی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا اور یہی طریقہ پہلے منکرین کا رہا ہے۔قرآن عزیز میں ارشاد ہے: ''بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ کذالک کذب الذین من قبلھم (یونس:۳۹)'' بلکہ جھٹلا دیا اس کو جسے علم میں نہ لا سکے اور ابھی تک اس کی حقیقت ان کے پاس نہ آئی اسی طرح ان قوموں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں۔''

اور اپنے ناقص علم کو علوم نبوت پر ترجیح دینے والوں سے قیامت کے دن یوں فرمایا جائے گا: ''حَتّٰى إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النمل:۸۴)'' یہاں تک کہ جب وہ منکر حاضر ہو جائیں گے ان سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلا دیا تھا اور تم ان کو اپنے علم میں نہ لا سکے یا تم کیا کرتے تھے۔

اس لئے بڑے بڑے فلاسفہ اور عقلاء کو جب خوش بختی سے نور نبوت سے روشنی ملی تو اپنی سابقہ زندگی پر نادم ہو کر علوم نبوت کے پیروکار بن گئے۔امام غزالی رحمہ اللہ پہلے عظیم فلسفی تھے مگر جب توفیق خداوندی نے دستگیری کی تو علوم نبوت کے اس قدر عاشق ہو گئے کہ موت کے وقت بھی بخاری شریف ان کے سینہ پر زیر مطالعہ تھی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے انسانی عقل کی بے بسی اور ناکامی کو اپنے کلام میں یوں بیان فرمایا ہے ؎

اَنْتَ لَا تَعْرِفُ اِيَّاكَ وَلَمْ تَدْرِ مَنْ اَنْتَ وَكَيْفَ الْوُصُوْل

''اور تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تو کون ہے؟ اور کس طرح منزل کو پہنچے گا۔''

أَيْنَ مِنْکَ الرُّوْحُ فِی جَوْهَرِهَا هَلْ تَرَاهَا أَوْتَرَیٰ کَیْفَ تَجُوْلُ

"تجھے تو اپنے روح کی حقیقت کا بھی علم نہیں اور نہ اس کی سرایت اور گردش کو سمجھ سکتا ہے۔"

وَکَذَاالْأَنْفَاسُ هَلْ تُحْصِرُهَا أَوْلَا تَدْرِیْ مَتیٰ عَنْکَ تَزُوْلُ

"کیا تو اپنے سانس گن سکتا ہے اور کیا تو جان سکتا ہے کہ تو کب دم توڑے گا۔"

أَیْنَ مِنْکَ الْعَقْلُ وَالْفَهْمُ إِذَا غَلَبَ النَّوْمُ فَقُلْ لِیْ یَا جَهُوْلُ

"کیا تو بتا سکتا ہے کہ جب تو سو جاتا ہے تو تیرا عقل اور علم کہاں چلا جاتا ہے۔"

أَنْتَ أَکِلُ الْخُبْزِ لَاتَعْرِفُهُ کَیْفَ یَجْرِیْ مِنْکَ أَمْ کَیْفَ تَبُوْلُ

"جو کھانا تو کھاتا ہے اس کے متعلق تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ وہ کس طرح تیرے پیٹ سے خارج ہوگا۔"

جَلَّ ذَاتًا وَصِفَاتًا وَعُلٰی وَتَعَالٰی رَبُّنَا عَمَّا نَقُوْلُ

"یاد رکھ ہمارا رب جس کی بہت بڑی شان ہے وہ ہماری سمجھ اور بحث و دلیل سے بالاتر ہے۔"

امام رازی رحمہ اللہ عظیم فلسفی اور منطقی تھے جب شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی صحبت سے مشرف ہوئے اور فلسفہ کی عینک اتار کر علوم وحی سے روشنی حاصل کی تو پھر یوں گویا ہوئے:

نِهَایَةُ أَقْدَامِ الْعُقُوْلِ عِقَالٌ وَغَایَةُ سَعْیِ الْعٰلَمِیْنَ ضَلَالٌ

"انسانوں کی آخری منزل رک جانا اور (بے دین) علماء کی محنت کا نتیجہ گمراہی ہے۔"

وَأَرْوَاحُنَا فِیْ وَحْشَةٍ مِنْ جُسُوْمِنَا وَحَاصِلُ دُنْیَانَا أَذًی وَّ وَبَالٌ

"اور ہمارے روح ہمارے بدنوں سے بھی ناآشنا ہیں اور ہماری دنیاوی زندگی کا خلاصہ دکھ اور تکلیف ہے۔"

وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُوْلَ عُمْرِنَا سِوَی أَنْ جَمَعْنَا فِیْهِ قِیْلَ وَقَالٌ

"اور ہم نے ساری زندگی کے بحث مباحثہ سے سوائے نکتہ چینی کے اور کچھ حاصل نہیں کیا۔"

بوعلی سینا نے کہا ؎

دل گرچہ دریں بادیہ بسیار شتافت یک موئے نہ دانست و نے موئے شگافت
اندر دل او ہزار خورشید بہ تافت آخر بکمال ذرۂ راہ نہ یافت

"دل اگرچہ اس صحرا میں بہت دوڑا مگر نہ ایک بال جان سکا اور نہ ایک بال تک اگا سکا۔ اگرچہ اس کے دل میں کئی سورج چمکے مگر ایک ذرہ کو بھی نہ پا سکا۔"

پہلے بھی بڑے بڑے ان فلاسفہ کو انجام کار اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا پڑا جو نور وحی سے محروم تھے جیسا کہ سقراط نے بوقت مرگ اعتراف کیا کہ:

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شدہ "مجھے معلوم ہو گیا کہ مجھے کچھ بھی علم نہ تھا"

اسی طرح معلم ثانی فارابی نے کہا ؎

اسرار وجود خام و ناپختہ بماند واں گوہر بس شریف و ناسفتہ بماند
ہرگز ز سر قیاس چیزے گفتند واں نکتہ کہ اصل بود نا گفتہ بماند

''اس کائنات اور ہستی کے سارے راز کچے اور نا پختہ ہی رہے اور گوہر مقصود میں سوراخ نہ ہو سکا۔ (تاکہ ہار بنایا جا سکے)''

جو کہا فلسفیوں نے وہ خیال اور قیاس سے کہا اور جو اصل بات تھی اس پر لب کشائی نہ کر سکے۔

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے ایسے وساوس سے رک جانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا: ''یَاْتِی الشَّیطَانُ اَحَدَکُمْ فَیَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ کَذَا مَنْ خَلَقَ کَذَا حَتّٰی یَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ فَاِذَا بَلَغَہٗ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَلْیَنْتَہِ'' تم میں سے شیطان کسی ایک کے پاس آئے گا تو اس سے کہے گا فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دے گا کہ تیرے رب کو کس نے بنایا۔ پس جب بات یہاں تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جائے اور رک جائے۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ باب فی الوسوسہ)

یعنی شیطان کا کام گمراہ کرنا ہے جس کی ابتداء وسوسہ سے ہوتی ہے ایک مسلمان ہر چیز کا خالق جب اللہ تعالیٰ کو ماننے کا اقرار کرتا ہے تو اس پر شیطان آخری حملہ کرتا ہے کہ بتا رَبّ کو کس نے پیدا کیا اس لئے مسلمان فوراً رک جائے اور شیطان کے وساوس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔

ف: اگر عقائد برزخیہ کے منکر کوٹ پتلون میں ملبوس حضرات ہوتے جن کو علوم نبوت سے کوئی حصہ نہیں ملا تو اتنا افسوس نہ ہوتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث جاننے والے علوم عقلیہ ونقلیہ سے وافر حصہ حاصل کرنے والے حضرات ان عقائد کی تعبیر اس طریقہ پر کر رہے ہیں کہ نفس عقیدہ کا انکار ہو رہا ہے اور یہ انکار اور تعبیر خالص علمی رنگ میں نہیں بلکہ طنز واستہزاء تک سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ ''فالی اللہ المشتکی''

نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے ساتھ بھی منافق استہزاء کرتے تھے۔ قرآن عزیز نے ان کا حکم فرمایا: ''قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَہْزِءُوْنَ۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَۃٍ مِّنْکُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَۃً بِاَنَّھُمْ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ (التوبۃ: ۶۵، ۶۶)'' آپ فرما دیجئے کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تم ٹھٹھا کرتے ہو بہانے نہ بناؤ۔ بے شک تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کافر ہو گئے۔''

حیات قبر کے منکر کا حکم

جب یہ عقیدہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہے تو اس کا انکار کسی معمولی عقیدہ کا انکار نہیں بلکہ اس کا انکار ایک بڑے عقیدہ کا انکار ہے اس لئے علم عقائد کے علماء اور فقہاء ملت اسلامیہ نے ایسے شخص کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ:

۱...... اسلام سے خارج ہے جیسا کہ پانچویں صدی ہجری کے بہت بڑے محقق عالم اسلام نے مدلل طریقہ پر اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے بعد فرمایا ہے: ''وَلَا یُنْکِرُ مَا اسْتَفَاضَ بِہِ الْاَخْبَارُ وَنَطَقَتْ بِہِ الْاٰیَاتُ مِنْ اَلْاَحْیَاءِ فِی الْقَبْرِ اِلَّا مَنْ یُّنْکِرُ عُمُوْمَ قُدْرَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَنْ اَنْکَرَ عُمُوْمَ قُدْرَتِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی کَانَ خَارِجًا مِّنْ زُمْرَۃِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ'' اور ان باتوں کا انکار جو کہ قرآن عزیز میں ہیں اور جو کئی احادیث سے ثابت ہیں کہ قبر میں زندگی عطا کی جاتی ہے وہی کرتا ہے جو خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا انکار کرتا ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار کرتا ہے وہ مسلمانوں کے زمرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ (التمہید ص ۱۵۹)

ف: کسی عقیدہ کا انکار صرف عقیدہ کا انکار نہیں بلکہ ان تمام آیات اور احادیث کا انکار لازم آجاتا ہے جن سے وہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

۲...... علامہ بحر العلوم ارشاد فرماتے ہیں: "مُنْكِرُ الشَّفَاعَةِ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ وَالرُّؤْيَةِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمُنْكِرُ الْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ كَافِرٌ" "گناہ کبیرہ کے مرتکب مسلمان کے لئے شفاعت سید دو عالم ﷺ کا منکر اور قیامت کے دن مسلمانوں کے لئے دیدار خداوندی کا انکار کرنے والا، اسی طرح عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ (ارکان اربعہ ص۹۹)

۳...... مشہور مفسر القرآن علامہ قرطبی نے فرمایا: "فَاعْلَمُوْا اَيُّهَا الْاِخْوَانُ اَنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ وَنَعِيْمَهُ حَقٌّ كَمَا صَرَّحَتْ بِهِ الْاَحَادِيْثُ الصَّحِيْحَةُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَاخُذُ بِاَبْصَارِ الْخَلَائِقِ وَاَسْمَاعِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ عَنْ رُؤْيَةِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهِ لِحِكْمَةِ الْهِيَّةِ وَمَنْ شَكَّ فِيْ ذٰلِكَ فَهُوَ مُلْحِدٌ" "اے مسلمان بھائیو! یہ بات جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں حق ہیں جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن اللہ کریم نے اپنی مخلوقات میں سے جنوں اور انسانوں کو یہ عذاب اور نعمتیں دیکھنے کی قوت عطاء نہیں فرمائی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے تو جو کوئی اس میں شک کرے گا وہ ملحد اور بے دین ہوگا۔ (التذکرہ از قرطبی ص ۳۵)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز نے اس کی ایک حکمت اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ انسان اپنی مادی آنکھوں سے اس جہان کو نہیں دیکھ سکتا جس کا تعلق روحانی جہان سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے ارشاد کا ترجمہ درج ذیل ہے: "یہ مادی آنکھیں عالم ملکوت کو نہیں دیکھ سکتیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جبریل امین کو خود نہ دیکھا مگر سید دو عالم ﷺ کی بات اور مشاہدہ پر یقین رکھتے ہوئے ایمان لائے۔ ایک آدمی اگر حیات قبر کا منکر ہے تو پھر ملائکہ اور وحی پر اس کا ایمان کیسے رہ سکتا ہے؟" (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۱۱)

یعنی اگر کسی عقیدہ پر ایمان لانے کے لئے اپنے علم اور مشاہدہ کو دلیل بنایا جائے پھر تو فرشتوں اور وحی پر ایمان بھی نہ رہے گا۔ کیونکہ فرشتوں کو اور ان کے سردار جبریل علیہ السلام کو ہر صحابی نے ہمیشہ کے لئے نہیں دیکھا۔ اس لئے کسی عقیدہ کو اپنے علم اور مشاہدہ سے نہ دیکھا جائے۔ ایسی بحث میں وہی لوگ الجھتے ہیں جن کے دلوں میں اسلامی عقائد کی صداقت راسخ نہیں ہوتی۔ جیسا کہ شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: "اَمَّا اِسْتِحَالَةُ ذٰلِكَ بِطَرِيْقِ الْعُقُوْلِ فَاِنَّهَا سَبِيْلُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الدِّيْنِ عَصَمَنَا اللّٰهُ عَثْرَةَ الْعَقْلِ وَفِتْنَةَ الصَّدْرِ" "حیات قبر کو عقلی طور پر محال کہنے والوں کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں اللہ تعالیٰ ہم کو عقل کی لغزش اور دل کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ (مرقاۃ ج۱ ص ۱۷۳)

اگر مسلمان بھی اپنے مشاہدہ اور علم و تجربہ کی بناء پر ایمان لائے تو پھر ملحد اور مسلمان میں کیا فرق رہ جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ (م ۲۷۶ھ) نے فرمایا ہے کہ: "اگر ان باتوں کا انکار کر دیا گیا تو مسلمان اور ملحد میں کیا فرق رہ جائے گا۔" (تاویل مشکل القرآن ص ۹۲)

کتب فتاویٰ میں یہ فتویٰ اور حکم مدلل موجود ہے جس کے ذکر کا یہ محل نہیں اجمالاً صرف ایک حوالہ درج ذیل ہے۔
علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے: "وَلَا تَجُوْزُ الصَّلٰوةُ خَلْفَ مُنْكِرِ الشَّفَاعَةِ وَالرُّؤْيَةِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَالْكِرَامِ الْكَاتِبِيْنَ لِاَنَّهٗ كَافِرٌ لِتَوَارُثِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ عَنِ الشَّارِعِ عليه السلام"
(فتح القدیر ج۱ ص ۲۴۷، مصری مطبوعہ طبع اولیٰ مطبوعہ ۱۳۱۵ھ)

قرآن عزیز میں ہے، کافروں کے روح نکالتے وقت فرمایا: ''ولو تری اذ یتوفی الذین کفروا الملئکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم'' اور اگر تو دیکھے جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں ان کے منہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔ حالانکہ یہ کسی نے نہ سنا نہ دیکھا۔

مسلمان کی قبر کا احترام

امام الانبیاء حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمان کی قبر کی حفاظت کا حکم دیا اور اس کی تذلیل اور توہین سے منع فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد عالی ہے:

۱...... ''عَنْ اَبِی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ لِاَنْ یَجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَۃٍ فَتَحْرَقَ ثِیَابَہٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ'' حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات کہ تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری پر بیٹھ جائے اور وہ چنگاری اس کے کپڑوں کو جلاتے ہوئے اس کے بدن کے چمڑہ تک پہنچ جائے یہ تکلیف برداشت کر لینی اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر جا کر بیٹھ جائے۔ (رواہ مسلم و مشکوٰۃ)

۲...... ''عَنْ عَمرِو بنِ حَزْبٍ قَالَ رَاٰنِیْ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ مُتَّکِئًا عَلٰی قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ'' حضور انور ﷺ کے صحابی عمرو بن حرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نے دیکھا کہ میں ایک قبر پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو حضور انور ﷺ نے فرمایا اس قبر والے کو دکھ نہ دے۔ (رواہ احمد و مشکوٰۃ)

۳...... امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مستدرک میں مندرجہ ذیل واقعہ روایت فرمایا ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں سے گزر رہا تھا، اس کو حضور انور ﷺ نے فرمایا: ''یَاصَاحِبَ السِّبْتِیَّتَیْنِ اَلْقِ سِبْتِیَّتَکَ'' او جوتیاں پہننے والے اپنی جوتیوں کو اتار دے۔

۴...... میت کی لاش کو مارنا یا ہڈی کو توڑنا: امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ قَالَ کَسْرُ عَظْمِ الْمَیِّتِ کَکَسْرِہٖ حَیًّا'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میت کی ہڈی کا توڑنا اسی طرح گناہ ہے جس طرح اس کی ہڈی کو توڑنا اس کی زندگی میں گناہ ہے۔ (رواہ ابوداؤد باسناد علی شرط مسلم وزاد ابن ماجہ من حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا فی الاثم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ میت کو بھی اس کام سے اذیت پہنچتی ہے جس سے زندہ کو پہنچتی ہے۔

(ابانۃ الاحکام شرح بلوغ المرام جزء ثانی ص ۲۴۹)

رحمت دو عالم ﷺ نے انسانیت کی حفاظت میں اپنی رحمت کا کامل مظاہرہ فرمایا ہے۔ ابوداؤد کی شرح عون المعبود میں ہے کہ اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) میت کی تذلیل نہ کی جائے۔ (۲) جن امور سے زندہ کو راحت ملتی ہے مردہ کو بھی راحت ملتی ہے جو اس کے برزخی حال کے مطابق ہوتی ہے۔ (ج ۳ ص ۲۰۴)

تنبیہ: سید دو عالم ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر چراغ جلانے سے منع فرمایا ہے لیکن جب کسی قبر پر قبہ یا گنبد بنا دیا گیا ہو یا اس قبر کو پختہ کر دیا گیا ہو تو اب ان کو گرانا یا قبروں کا مسمار کرنا درست نہیں۔ آخر جہاں

جہاں مسلمانوں نے قبروں کو پختہ بنایا یا ان پر تعمیرات وغیرہا کرائی ہیں،[1] ان کو گرانے کا حکم کسی عالم، مفتی نے نہیں دیا۔ کسی میت کے ورثاء کو یہ بات ضرور سمجھا دی جائے کہ قبروں کو پختہ کرنا یا کسی اور کام کا کرنا جو سلف صالحین نے نہیں کیا درست نہیں مگر قبروں کی توہین اور تذلیل کسی طرح درست نہیں۔

زیارتِ قبور

احادیث میں تصریح موجود ہے کہ سید دو عالم ﷺ جنت البقیع اور دوسری قبور پر بھی دعا مغفرت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد عالی ہے: ''فَاِنَّ صَلٰوتِی عَلَیْھِمْ نُوْرٌ فِی قُبُوْرِھِمْ'' پس بے شک میری ان پر نماز جنازہ دعا مغفرت سے ان کی۔ قبروں میں نور ہو جاتا ہے۔ (المصنف ج ۳ ص ۵۱۷)

اور امت کو بھی حضور انور ﷺ نے حکم فرمایا: ''اِئْتُوا اَمْوَاتَکُمْ فَسَلِّمُوا عَلَیْھِمْ وَصَلُّوا عَلَیْھِمْ فَاِنَّ لَکُمْ فِیْھِمْ عِبْرَۃً'' اپنی اموات کے پاس جایا کرو اور ان پر دفن ہونے کے بعد سلام کہا کرو اور ان کی نماز جنازہ پڑھا کرو اس میں تمہارے لئے عبرت اور نصیحت ہے۔ (المصنف ج ۳ ص ۵۷۰)

بلکہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل نے یہ حکم دیا ہے، روایت کے الفاظ درج ہیں: ''فَاَمَرَنِی اَنْ اٰتِی اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَاَسْتَغْفِرَ لَھُمْ'' جبریل نے مجھے حکم دیا ہے کہ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں جاؤں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کروں۔

اسی طرح آپ (ﷺ) ہر سال شہداء احد کی قبور پر جایا کرتے تھے اور یہی سنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تھی۔ (المصنف ص ۵۷۴)

چنانچہ حضور انور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اہل قبور پر سلام کہنے اور دعا کے کلمات بھی تلقین فرمائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِقُبُوْرِ الْمَدِیْنَۃِ فَاَقْبَلَ عَلَیْھِمْ بِوَجْھِہٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ'' سید دو عالم ﷺ مدینہ منورہ کے قبرستان سے گزرے تو اپنے چہرہ انور کو ان کی طرف (چہرہ انور کو ان کی طرف کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ قبر والے سنتے ہیں اور جانتے ہیں) کرتے ہوئے فرمایا: اے قبر والو تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری بھی مغفرت فرما دیں تم ہم سے پہلے آگئے اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حاشیہ: ''فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْمُسْتَحَبَّ فِی حَالِ السَّلَامِ عَلَی الْمَیِّتِ اَنْ یَکُوْنَ وَجْھُہٗ لِوَجْہِ الْمَیِّتِ وَاَنْ یَسْتَمِرَّ کَذٰلِکَ فِی الدُّعَاءِ اَیْضًا وَعَلَیْہِ عَامَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ'' (حاشیہ ترمذی بحوالہ مرقاۃ)

''بلکہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ قبروں پر سلام کہہ کر ان کے لئے اور اپنے لئے عافیت کی دعا کریں۔'' (صحیح مسلم کی روایت ہے)

''عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ بُرَیْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُعَلِّمُھُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَی الْمَقَابِرِ اَنْ یَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ'' نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب قبرستان کو جائیں تو یوں کہیں اے ایمانداروں

[1] یہی بات موتمر عالم اسلامی منعقدہ مکہ المکرمہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان عبدالعزیز سے فرمائی تھی (تجلیات عثمانی)

اور مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو اور ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہاری عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

ف: ان روایات کو حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں بھی ذکر کیا ہے۔

اہل قبور سلام سنتے ہیں، پہچانتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور اس عقیدہ پر تمام علمائے سلف کا اجماع ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''وَالسَّلَفُ مَجْمَعُوْنَ عَلٰی هٰذَا وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاٰثَارُ عَنْهُمْ بِاَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ زِيَارَةَ الْحَيِّ وَيَسْتَبْشِرُ بِهٖ وَهٰذَا السَّلَامُ وَالْخِطَابُ وَالنِّدَا لِلْمَوْجُوْدِ يُخَاطِبُ وَيَعْقِلُ وَيَرُدُّوْا اِنْ لَّمْ يَسْمَعِ الْمُسَلِّمُ الرَّدِّ'' اور سارے علماء سابقین اس امر پر متفق ہیں کہ میت کے پاس جب زندہ آدمی پہنچتا ہے تو وہ اس کو پہچانتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور یہ سلام کہنا اور میت کا جواب دینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سنتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اگرچہ سلام کہنے والا (زندہ) اس کے جواب کو نہ سن سکے۔ (کتاب الروح ص ۱۰۵۲)

محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ نے فرمایا ؎

سِمَاعُ الْمَوْتٰی كَلَامَ الْخَلْقِ قَاطِبَةً ‏ ‏ ‏ قَدْ صَحَّ فِيْهِ لَنَا الْاٰثَارُ فِي الْكُتُبِ

''اموات کا لوگوں کی کلام کا سن لینا صحیح ہے اس کی دلیل وہ روایات ہیں جو کتابوں میں موجود ہیں۔''

بعض روایات میں آیا ہے کہ اہل قبور کو تین دفعہ سلام کہے جیسا کہ (کتاب الاداب الشرعیہ ص ۴۲۶) پر یہ مسطور ہے: ''وَفِي الصَّحِيْحِ اَنَّ عَبْدَاللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ مَرَّ بِعَبْدِاللهِ بْنَ زُبَيْرٍ وَهُوَ بِعَقَبَةٍ مَقْتُوْلٍ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ثَلَاثًا۔ قَالَ فِي شَرْحِ الْمُسْلِمِ فِيْهِ اِسْتِحْبَابُ السَّلَامِ عَلَى الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهٖ ثَلَاثًا'' صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید پر ہوا تو آپ نے تین مرتبہ السلام علیکم کہا۔ اس روایت کے پیش نظر مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ میت پر جب کہ اس کی قبر پر سے گزرے تین مرتبہ سلام کہے۔

ف: یہ کتاب ''الاداب الشرعیۃ'' جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز السعود کے سرکاری خرچ سے شائع ہوئی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر ہر جمعہ کو تشریف لے جایا کرتی تھیں۔ (المصنف ص ۵۷۲)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ جب کسی مسلمان کی قبر سے گزرتے تو سلام کہا کرتے تھے۔ (ص ۵۷۵)

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور آپ کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے تھے جب واپس آئے تو پوچھا کہ میرے بھائی کی قبر کہاں ہے؟ چنانچہ آپ کو بتائی گئی آپ نے قبر پر پہنچ کر دعا فرمائی۔

احادیث اور کتب عقائد میں موجود ہے کہ اہل قبور سلام کہنے والے کو پہچانتے ہیں جیسا کہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے ایک ساتھی کے ساتھ ایک قبر پر گزر ہوا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس ساتھی سے کہا کہ اس قبر والے کو سلام کہہ دے۔ اس نے جواب میں کہا کیا قبر کو سلام کہوں؟ (یہ تو مردہ کی جگہ ہے) آپ نے فرمایا کہ اس میت نے اگر تجھے دنیا میں کبھی دیکھا ہوگا تو اب بھی تجھے پہچان لے گا۔'' (المصنف ص ۵۷۶)

ف: اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندہ کی قبر پر جا کر فاتحہ خوانی کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی کسی مشکل کے آسان ہونے کی دعا کرنا جائز ہے مگر عقیدہ یہ رکھے کہ کام تو اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔ البتہ یہ جگہ اس کے خیال میں زیادہ برکت

والی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی جگہ ہے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہے کہ: ''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد علی رحمۃ اللہ علیہ بن میمون فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر روزانہ جاتا ہوں اور وہاں سے برکات حاصل کرتا ہوں اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کے پورا ہونے کی دعا کرتا ہوں تو جلد ہی اللہ تعالیٰ میری مشکل کو آسان فرما دیتے ہیں۔'' (مقدمہ کتاب الآثار للامام محمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۱)

عبد الرحمن بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ ھ) نے یہ لکھا ہے کہ ترکی کے لوگ قحط کے زمانہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے نزول کی دعا کیا کرتے تھے۔ (تلقیح ص ۶۳)

۱...... مفسر قرآن کریم علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں تشریف لے گئے تو آپ نے اہل قبور کو سلام کہہ کر یوں فرمایا کہ ہمارے ہاں کی خبر تو یہ ہے کہ تمہاری بعض بیواؤں نے دوسرے خاوند سے نکاح کر لیا اور تمہارے گھروں میں اور لوگ آباد ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم کر لئے گئے آپ کو اس کا جواب یوں دیا گیا اے خطاب کے بیٹے ہمارے ہاں کی اطلاع یہ ہے کہ جو اعمال ہم نے کئے تھے ان کا اجر مل گیا اور جو مال اللہ کے نام پر دیا تھا اس میں نفع رہا اور جو چھوڑ آئے اس میں نقصان ہی نقصان رہا۔'' (قرطبی سورہ بقرہ ص ۷۳)

۲...... احمد حفار (قبر کھودنے والا) نے کہا ہے کہ میں ایک جمعہ کو اپنے شہر کے قبرستان میں گیا تو مجھے ہر قبر سے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز سنائی دیتی تھی۔ (طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۱۶۹)

۳...... محمد حنبلی کے بیٹے عبدالمولی نے کہا ہے کہ وہ اپنے شیخ کی قبر کے پاس سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہا تھا کہ اسے ''لَا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ'' پر غلطی لگ گئی تو قبر سے آواز آئی کہ یہ یوں پڑھو اور یہ قصہ مشہور ہے۔ (کتاب طبقات الحنابلہ ج ۲ ص ۶۰)

۴...... اسکندریہ (مصر) میں شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ بن عطاء کا انتقال ۷۰۹ ھ کو ہوا ہدایہ کے شارح علامہ کمال بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۸۱۶ ھ کو ہوئی) ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور سورہ ہود کی تلاوت شروع کی جب ارشاد خداوندی ''فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ'' پر پہنچے تو قبر سے آواز آئی: ''یَا کَمَالُ لَیْسَ فِیْنَا شَقِیٌّ''

(مقدمہ اکمال الشیم از شارح ابی داؤد مولانا خلیل احمد دیوبندی مہاجر مدنی)

چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ میری موت کے بعد مجھے اسی قبرستان میں دفن کیا جائے۔

ف ۱: یہ آیت سورہ ہود کی نمبر ۱۰۵ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی تو بد بخت ہو جاتا ہے اور کوئی نیک بخت، قبر سے آواز آئی کہ اس قبرستان میں سب نیک بخت دفن ہیں۔

ف ۲: مٹی کا یہ ڈھیر جسے قبر کہا جاتا ہے اس میں مندرجہ ذیل امور کی برکت سے نجات میسر ہو جاتی ہے: (۱) اعمال صالحہ جو اس نے زندگی میں کئے ہوتے ہیں۔ (۲) پسماندگان کی دعا اور صدقات۔ (۳) شرافت مکان۔ (۴) شرافت زمان۔ (۵) شرافت تبرکات کفن...... پہلے دو کے متعلق کافی تعلیمات اسلامیہ گزر چکی ہیں۔ تیسرے کے متعلق سید دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ فِی الْمَدِیْنَةِ فَلْیَمُتْ فَمَنْ مَاتَ بِالْمَدِیْنَةِ کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا وَّشَهِیْدًا'' جو یہ کر سکتا ہو کہ اس کی موت مدینہ میں ہو تو اس کو مدینہ ہی میں مرنا چاہئے کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے ایمان کا گواہ ہوں گا۔ (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۴۹)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ایک باب بعنوان: "مَنْ اَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ" جو پاکیزہ سرزمین میں دفن ہونے کو چاہتا ہو، باندھا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ دعا ہوا کرتی تھی کہ: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ حَبِيْبِكَ" یا اللہ میری موت شہادت کی ہو اور تیرے رسول ﷺ کی بستی میں ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ف: اس لئے نیک انسانوں کے پاس یا اس مقبرہ میں جہاں صلحاء امت دفن ہوں دفن ہونے سے دوسرے لوگوں کو بھی ان کی برکات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ دمشق کے مشہور عالم محمد بن علی حنفی معروف بہ ابن طولون رحمہ اللہ نے ایک کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے جس کا نام "حُسْنُ الیقین فِي الدَّفْنِ عِنْدَ الصَّالِحِيْن" ہے۔

ف: اگر ایک آدمی نیکی کی طلب کے لئے اس بستی میں جاتے ہوئے مرگیا جس بستی میں صلحاء رہتے تھے تب بھی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ! جیسا کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے سو انسانوں کے قاتل کی توبہ کا ذکر فرمایا ہے۔

(ترجمہ حدیث) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس نے ننانوے قتل کئے تھے مگر پھر بھی گناہوں پر ندامت ہوئی اور توبہ کا خیال ہوا تو ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ اس جیسے گنہگار کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو راہب نے کہا کہ تو بڑا مجرم ہے اس لئے تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس کو بھی قتل کر کے سو پورے کر دیئے مگر پھر توبہ کا خیال آیا تو ایک دوسرے عالم سے پوچھا کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا کہ تو فلاں بستی میں چلا جا۔ چنانچہ راستے پر ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔ مگر اس نے مرتے مرتے بھی اپنے سینے کو اس بستی کی طرف کھینچا۔ اس کے متعلق عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ یہ دوزخی ہے کہ سو انسانوں کا قاتل ہے اور رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ جنتی ہے کہ توبہ کے لئے جا رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے رحمت کے فرشتے کو قریب ہونے کا حکم دیا اور عذاب کے فرشتے کو دور ہونے کا حکم دیا اور دونوں طرف سے ناپنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ناپنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس سرزمین کے ایک بالشت زیادہ قریب ہے جدھر وہ جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ (بخاری و مسلم)

برکت زمان کے متعلق بھی سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو مرنے والا قبر کے حساب سے محفوظ رہتا ہے۔

تبرکات کے لئے یہ سمجھا جائے کہ نیک لوگوں کے تبرکات کو کفن میں شریک کرنا بھی باعث مغفرت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ: "سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت کپڑا لے کر حاضر ہوئی اور یہ عرض کیا کہ اس کو جناب خود زیب تن فرماویں مگر ایک آدمی نے (اس یقین پر کہ سید دو عالم ﷺ کسی سائل کو نامراد نہیں فرماتے) آپ سے وہ کرتہ مانگ لیا اور ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ میں نے یہ کرتہ اس لئے مانگا ہے کہ یہ مبارک کرتہ میرا کفن ہو۔ چنانچہ وہ کرتہ اس سعادت مند کا کفن ہی ہوا۔"

یہ مبارک واقعہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفن کے لئے کسی متبرک کپڑا کا محفوظ رکھنا اور اسے کفن میں شریک کرنا بہتر امر ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں فرمایا: "وَفِيْهِ التَّبَرُّكُ بِآثَارِ الصَّالِحِيْن" (فتح الباری ج ۳ ص ۱۱۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال یہ وصیت فرمائی کہ: "سید دو عالم ﷺ نے مجھ کو جو کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ مجھے اس طرح پہنا دینا کہ میرے بدن کے ساتھ چمٹا رہے اور میرے پاس جو سید دو عالم ﷺ کے ناخن مبارک محفوظ ہیں، ان کو پیس کر میری دونوں آنکھوں اور منہ میں ڈال کر مجھے اس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔" (دلیل الفالحین ج ۲ ص ۵۲۰)

حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے اس مشکیزہ کا وہ حصہ تبرکاً کاٹ لیا تھا۔ جہاں سے حضور انور ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا۔ (مشکوٰۃ)

اکابر علماء کرام اور اولیاء عظام نے اپنے کفنوں میں بزرگوں کے عطاء کردہ کپڑے وغیرہ رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔اس گناہ گار نے بھی قبر کی راحت کے لئے مندرجہ ذیل تبرکات رکھے ہوئے ہیں۔

۱...... غلاف خانہ کعبہ کا ایک ٹکڑا۔

۲...... اندرون کعبہ کے غلاف کا ایک ٹکڑا۔

۳...... قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے جبہ مبارک کا ایک ٹکڑا جو آپ کے نواسے حافظ محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے مورخہ ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ کو عطاء فرمایا تھا۔

۴...... اپنے محبوب آقا شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز کا عطاء فرمودہ عربی عبا۔

۵...... احرام کی چادر۔

۶...... روضہ مطہرہ کے اندرون سبز غلاف کا ٹکڑہ۔

(نوٹ: بحمد اللہ تعالیٰ یہ تمام تبرکات حضرت رحمۃ اللہ کے کفن میں رکھ دیئے گئے تھے)

اکابر علماء دیوبند کا معمول

دیوبند کا مسلک وہی ہے جو قرآن کریم، احادیث نبویہ ﷺ اور سلف صالحین کا مسلک رہا ہے۔اس لئے زیارت قبور کو بھی اکابر علماء نے شرعاً نہ صرف جائز رکھا بلکہ اس کا حکم دیا اور اس کے فوائد اور برکات کو بھی بیان فرمایا۔ جیسا کہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک مرید مولوی محمد صدیق احمد صاحب کو تحریر فرمایا: "مزار مجدد پر حاضر ہو تو کچھ اس ناکارہ کے واسطے بھی خیال کرنا اور زبانی مزار مبارک پہ نشان نام سلام عرض کرنا۔" (مکاتیب رشیدیہ ص ۱۳، مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عشرۂ طروس کے الطرس العاشر میں فرمایا: "ان سب مزارات میں سے مشہور اور زیادہ منور سیدی خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ اور سیدی علاؤالدین صابری رحمہ اللہ کی ہے۔اسی طرح سیدی قطب الدین رحمہ اللہ اور سلطان نظام الدین رحمہ اللہ کی مزارات ہیں جو کہ دہلی میں ہیں اور شیخ فرید الدین رحمہ اللہ (پاک پتن) اور قطب عالم عبد القدوس رحمہ اللہ (گنگوہ) اور شاہ مینا رحمہ اللہ (لکھنو) اور شیخ محب اللہ (الہ آباد) اور شیخ عبد الحق رحمہ اللہ (ردولی) اور شیخ مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ کے مزارات ہیں۔(ان پر حاضری سے روحانی فائدہ ہے) مگر عرس اور میلہ کے ایام میں ہرگز نہ جائے کہ اس سے بجائے روحانی نفع کے نقصان زیادہ ہے۔" (عشرۂ طروس ص ۱۷۰، ۱۷۱)

قطب الارشاد والتکوین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے فرمایا: ''نیز اولیاء اللہ اور مشائخ کی زیارت سے مشرف ہوا کرے اور فراغت کے اوقات میں ان کے مزاروں پر بیٹھ کران کی روحانیت کی طرف توجہ کرے اور اس کی حقیقت اپنے مرشد کی شکل میں کرے اور فیضیاب ہوا کرے۔ عام اہل اسلام کے مزاروں پر جا کر موت کو یاد کرے اور فاتحہ پڑھ کران کوثواب پہنچائے۔'' (سلاسل طیبہ ص ۴۴)

حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کے اجمیر شریف حاضری کا نقشہ علامہ انور صابری کے الفاظ میں درج ہے:

''اجمیر شریف کی ایک حاضری کے وقت ان کی ''حضوری'' کا جو روح نواز نظارہ میرے ساتھ متعدد لوگوں نے دیکھا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خواجہ بزرگ اپنے ایک مخصوص حلقہ بگوش نسبت سے زبان راز میں گفتگو فرما رہے ہیں اور سننے والا نظر پر حیرت بنا مشاہدہ حقیقت کی راہ طے کرتا جا رہا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی آنکھیں پرنم تھیں عارض روشن پر جمال یار کی تابانیاں اس حالت تقریب میں آہوں نے کیا۔ کچھ عرض کیا اور کیا کیا جوابات حاصل کئے شاہ جہانی مسجد کی تقریر کا ہر جملہ اس کی وضاحت کر گیا۔'' (سوانح شیخ الاسلام منظوم ص ۴، ۵)

جیسا کہ استاذ العلماء مفسر القرآن حضرت مولانا حسین علی صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے:

''وَ قَعَدتُ عِندَ مَزَارِ الْاِمَامِ رَبَّانِی فَقَالَ فِی الْمُکَاشَفَۃِ بِبَیَانِ مَسْئَلَۃَ التَّوْحِید اَعْلٰی دَرَجَۃٍ مِنَ السُّلُوکِ'' اور میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مزار کے قریب بیٹھا تو آپ نے مجھے مکاشفہ میں فرمایا توحید کا مسئلہ بیان کرنا سلوک کے بلند ترین درجات میں سے ہے۔ (مقدمہ بلغۃ الحیران ص ۸)

ف: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی وفات ۲۸ ر صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوئی۔ روضۂ مبارک سرہند شریف میں ہے۔ یہ گنہگار بدنی اور روحانی طور پر اس کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ آپ کی روضۂ مبارک کی تعریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ مجددی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے چند اشعار نظم فرمائے ہیں جن میں سے تین شعر تبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔

اے خاک پاک روضۂ عبیری و عنبری — کہ اہل جہاں زبوئے تو مدہوش گشتہ اند

''اے اس پاکیزہ اور خوشبو افروز روضہ کی مٹی تیری اس خوشبو سے لوگ بیہوش ہو گئے ہیں۔''

یا رب مکن خلاص ازیں خاک درمرا — بدحال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند

''یا اللہ اس دروازہ کی مٹی سے مجھے محروم نہ فرما وہ لوگ برے حال میں ہیں جو اس مٹی سے آزاد ہیں۔''

تنہا نہ غنی نغمہ مدح تو ساز کرد — کرد بیان عرش ہمیں گو نہ گفتہ اند

''صرف عبدالغنی ہی نے آپ کی مدح سرائی نہیں کی بلکہ عرش کے فرشتوں نے بھی یوں ہی کہا ہے۔''

(علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۱ ص ۲۱۵)

ف: اور آج تک تمام مسلمانوں کا یہ معمول ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور بزرگوں کی قبروں پر جاتے ہیں۔

تنبیہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اگر اس میں کمی بیشی کی گئی تو وہ دین نہ کہلائے گا۔ جیسا کہ عام قبور پر فاتحہ خوانی اور عبرت کے لئے جانا مشروع اور امت کا معمول ہے۔ اہل اللہ کے مزارات سے روحانی برکات کا ملنا بھی باامر خداوندی ثابت ہے لیکن قبور کو سجدہ کرنا، طواف کرنا، اہل قبر سے مدد مانگنا یہ سب امور شرعاً ناجائز ہیں۔

حیات الانبیاء علیہم السلام

اس عقیدہ کو سمجھنے سے پہلے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ:

الف: ساری کائنات میں سے اعلیٰ اور افضل اور مکرم اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا ہے۔ ارشاد قرآنی ہے: ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل: ۷۰)'' اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطاء فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

ارشاد قرآنی ہے: ''وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ۔ وَطُورِ سِينِينَ۔ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین: ۱ تا ۴)'' قسم ہے انجیر کے درخت کی اور زیتون کے درخت کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

ب: پھر انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور فرمانبرداروں کو اعلیٰ اور افضل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (القلم: ۳۵، ۳۶)'' بھلا کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کے برابر کردیں گے تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

''أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (الجاثیۃ: ۲۲)'' کیا خیال کرتے ہیں یہ لوگ جو برے کام کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے گا یہ برا حکم لگاتے ہیں۔

ج: پھر فرمانبرداروں اور یقین والوں سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فضیلت عطاء فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا: ''وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ (النمل: ۱۵)'' اور کہا ان دونوں (داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نے کہ تمام تعریفوں کا حقدار صرف وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی ہے۔

اس فضیلت کی تشریح میں قرآن کریم نے فرمایا: ''اللہ اعلم حیث یجعل رسالته (الانعام: ۱۲۴)'' اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جہاں اپنا پیغام رکھتا ہے (جس کو اپنا رسول بناتا ہے)

''انهم عندنا لمن المصطفين الاخيار (ص: ۴۷)'' بے شک یہ ہمارے ہاں چنے ہوئے پسندیدہ لوگ ہیں۔

''وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ۔ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (الانعام: ۸۶، ۸۷)'' اور ان سب کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی اور ان کے باپوں سے اور ان کی اولادوں سے اور ان کے بھائیوں سے اور پسند کرلیا ہم نے ان کو اور چلا دیا ان کو سیدھی راہ کی طرف۔

انبیاء علیہم السلام انسانوں میں سے برگزیدہ اور چنے ہوئے سعادت مند ہیں۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: ''قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم ولكن الله يمن على من يشاء من عباده (ابراھیم: ۱۱)'' ان سے ان کے رسولوں نے کہا ہم تو یہی آدمی ہیں تم جیسے لیکن اللہ تعالیٰ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں جب ان کی اقوام نے یہ کہا کہ تم ہم جیسے انسان ہی ہو اور اپنے جیسے انسان کی

اطاعت اور فرمانبرداری سراسر نقصان ہے۔ "ولئن اطعتم بشرا مثلکم انکم اذا لخسرون (المومنون: ۳۴)" اور اگر تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو بے شک تم خراب ہوئے۔

تو ان کے اس اعتراض کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ:

۱...... واقعی ہم تم جیسے بشر ہی ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں مگر

۲...... ہم پر اللہ تعالیٰ نے وہ احسان اور انعام کیا جو تم پر نہیں کیا اور یہ احسان اور اکرام اس کا عطیہ ہے۔ ہماری محنت اور کسب کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ وہ بشری خصوصیات لفظ نبی میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے حسب ارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز: "و پیدا است کہ نبی را ازاں نبی گویند کہ از ہمہ غیر انبیاء قدرے بلند دارد چرا کہ نبوت بلندی را گویند" اور یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ غیر انبیاء انسانوں سے بلند مرتبہ رکھتا ہے کیونکہ نبوت کا لفظی معنی بلندی ہے۔ (امداد السلوک ص ۸۳)

وہ بلندی اور رفعت اس لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو پیغام پہنچانا تھا وہ انبیاء علیہم السلام کی معرفت پہنچایا ہر انسان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا امین اور مخاطب بلا واسطہ ہو سکے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "فَاِنَّ لِلنَّبِیِّ ﷺ وَجْهَیْنِ وَجْهٌ یَاْخُذُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَوَجْهٌ یُعْطِی الْخَلْقَ" نبی کریم ﷺ کے دو رخ ہیں ایک رخ کا تقابل رب کریم سے ہوتا ہے اور اس سے اس کا کلام حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے رخ سے اسی کلام اور پیغام کو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو پہنچا دیتا ہے۔ (اعتقاد نامہ ص ۳۲)

چنانچہ ہر نبی علیہ السلام کو بشر ہونے کے باوجود مافوق البشر خصوصیات عطاء کی جاتی ہیں۔ بالفاظ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ: "جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پر اسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمران ہے اور ہمارے اعضاء اور جوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کی روح اعظم اذن الٰہی سے سارے عالم جسمانی پر حکمران ہو جاتی ہے اور روحانی دنیا کے سنن واصول عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آ جاتے ہیں۔ اس لئے وہ چشم زدن میں فرش زمین سے عرش بریں تک عروج کر جاتی ہے۔ سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے۔ چاند اس کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں۔ اس کی انگلیاں پانی کی نہریں بہاتی ہیں۔ اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں اور مردے جی اٹھتے ہیں۔ وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ کوہ، صحرا، بحر و بر، جاندار اور بے جان بحکم الٰہی سب اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔" (سیرۃ النبی ج ۳ ص ۳)

حضرت سید سلیمان ندوی قدس سرہ العزیز کے اس مختصر مگر جامع ارشاد کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ: "غیر نبی پر تو عناصر غالب ہیں مگر نبی علیہ السلام عناصر پر نہ صرف غالب ہوتا ہے بلکہ بامر خداوندی عناصر پر حکمران ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصول عناصر چہار ہیں، آگ، پانی، ہوا، مٹی، مگر آگ دوسروں کو تو جلاتی ہے لیکن نبی علیہ السلام کا بال تک نہیں جلا سکتی۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار بن گئی۔ پانی میں دوسرے انسان تو ڈوب جاتے ہیں۔ جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کو تو غرق کر دیا مگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بامر خداوندی راستے بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لئے راستے بن گئے۔ ہوا انسانی تصرف سے بالاتر ہے، مگر سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مسخر کر دی گئی تھی اور قوم عاد کے لئے تباہی کا سامان بن گئی۔ مٹی تو اس قدر ادب اور احترام کرتی ہے کہ بڑے سے بڑے جابر انسان کو چند دنوں میں کھا جاتی ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو تو چھو بھی نہیں سکتی۔"

چنانچہ خصائص انبیاء علیہم السلام میں سے یہ خاصہ بھی ہے کہ ان کے اجساد مبارکہ موت کے طاری ہونے کے بعد بھی اس لئے سلامت رہتے ہیں کہ ان میں حیات ہوتی ہے۔ یہی عقیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جمہور امت کا ہے۔ صرف چند لوگوں نے اس سے اپنے عقل خام کی پیروی میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام اخلاقی کمزوریوں اور عملی بے راہ روی سے معصوم تھے۔ عصمت انبیاء علیہم السلام اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اسی طرح ان تمام بیماریوں سے محفوظ تھے جن کی وجہ سے تبلیغ میں رکاوٹ یا کمی آ سکتی ہو۔ یعنی کوئی نبی علیہ السلام اندھا، بہرہ، لنگڑا اور گونگا نہیں تھا، اسی طرح ان تمام بیماریوں سے محفوظ تھے جن سے دوسروں کو کراہت آتی ہو یا اس بیماری کو نفرت کا سبب سمجھا جائے۔ جیسا کہ کوڑھ وغیرہ۔ ہر نبی علیہ السلام نیند میں بھی شیطانی وساوس اور خطرات سے محفوظ تھے۔

ف: حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے بدن اطہر سے کیڑے نکلتے تھے۔ وغیرہ! یہ بات درست نہیں۔ وہ سات سال یا اٹھارہ سال بیمار رہے اور ساتھ ہی مال اور اولاد بھی ختم ہو گئی تھی۔ بدنی بیماری سے بھی انسان پریشان ہو جاتا ہے مگر قرآن کریم کی شہادت ہے کہ وہ صابر رہے۔ (النبوۃ والانبیاء ص ۲۸۸)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام قرآن حکیم میں

۱...... قرآن عزیز نے امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کو ارشاد فرمایا: ''وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ (الزخرف:۴۵)'' اور آپ ﷺ پوچھیں ان رسولوں سے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھیجا ہے کیا ہم نے رحمٰن کے بغیر اور معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں علماء تفسیر نے یہ فرمایا ہے کہ: ''يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى حَيٰوةِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ''

(مشکلات القرآن ص ۲۳۴)

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری ﷫ نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو لوگ مر گئے ہیں، ان سے کسی بات کا پوچھنا یا پوچھنے کا حکم دینا یہ درست نہیں ہو سکتا۔ تمام مفسرین قرآن حکیم نے یہی تفسیر اور ترجمہ فرمایا ہے۔ چند تفاسیر کے حوالہ جات درج ہیں۔

(تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۱۶، تفسیر روح المعانی ج ۲۵ ص ۸۹، تفسیر جمل علی الجلالین ج ۴ ص ۸۸، شیخ زادہ حنفی حاشیہ بیضاوی ج ۳ ص ۲۹۸، علامہ خفاجی مصری حاشیہ بیضاوی ج ۷ ص ۴۴۴)

تفسیر روح البیان اور دوسری تفاسیر میں شب معراج میں اس سوال و جواب کو ذکر فرمایا ہے۔ حضور انور ﷺ کے چچازاد بھائی ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا تعلق معراج سے بتایا ہے۔

بیضاوی کے شارح علامہ صدر الدین قونوی حنفی نے فرمایا ہے کہ: ''سید الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات کی طاقت عطاء ہوئی تھی ورنہ اس حکم کا کیا فائدہ۔'' (جواہر البحار ج ۱ ص ۳۱۸)

۲...... قرآن شریف نے سید الانبیاء ﷺ کو اس امر کی اطلاع دے دی تھی کہ آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ضرور ہو گی۔ ارشاد فرمایا: ''ولقد اٰتینا موسى الكتب فلا تكن في مرية من لقائه (السجدۃ: ۲۳)'' اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی پس آپ ﷺ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں۔

یعنی آپ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ضرور ہوگی۔ چنانچہ شب معراج تو آپ ﷺ کی ملاقات بیت المقدس میں ہوئی اور پھر سماوی سفر میں آپ کے ساتھ نماز اور روزہ کی تعداد کے بارہ میں کئی بار ملاقات ہوئی اور ویسے بھی کئی بار دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ''معراج کی رات میں ان سے ملے تھے اور بھی کئی بار۔'' (موضح القرآن)

قرآن عزیز نے شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

۳...... ''بل احیاء عند ربھم یرزقون۔ فرحین بما اٰتھم اللہ من فضلہ (آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)'' بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں ان کو رزق دیا جاتا ہے وہ خوش ہیں اس پر جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے۔

یعنی تم نہ تو شہداء کو مردہ کہو۔ جیسا کہ (بقرہ: ۱۵۴) میں ارشاد فرمایا اور نہ شہداء کو مردہ سمجھو جیسا کہ اس آیت میں ہے بلکہ وہ تو زندہ ہیں۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے تو جب وہ شہید جن کا مرتبہ اور درجہ انبیاء علیہم السلام سے بہت ہی کم ہے بلکہ ان کو یہ درجہ اور فضیلت بھی انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی تعلیمات پر یقین کی وجہ سے حاصل ہوئی کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ارشادات پر یقین رکھتے ہوئے، ان کے تحفظ میں اپنی جان تو دے دی۔ مگر ان کی تعلیمات کو نہ چھوڑا تو جب شہداء کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے قرآن حکیم نے روکا اور ساتھ یہ بھی واضح فرمایا کہ: ''بَلْ اَحْیَاءٌ'' کہ وہ زندہ ہیں تو انبیاء علیہم السلام کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی۔

حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وَاِذَا ثَبَتَ اَنَّھُمْ اَحْیَاءٌ مِنْ حَیْثُ النَّقْلِ فَاِنَّہٗ یَقْوِیْہِ مِنْ حَیْثُ النَّظْرِ کَوْنُ الشُّھَدَاءِ اَحْیَاءٌ بِنَصِّ الْقُرْاٰنِ وَالْاَنْبِیَاءُ اَفْضَلُ مِنَ الشُّھَدَاءِ'' اور جب قرآنی ارشادات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ شہید لوگ زندہ ہیں اور یہی بات عقل سے بھی بادلیل ثابت ہے تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بلند اور بالاتر ہے ان کی حیات تو بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی۔''

۴...... قرآن عزیز میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے کہ جب ان کی ناسوتی موت کا وقت آیا تو ان پر موت طاری کردی گئی۔ مگر ان کا جسم اسی طرح لاٹھی کے سہارا پر ایک سال تک کھڑا رہا اور وہ مٹی کی دست بُرد سے محفوظ رہا۔ ارشاد قرآنی ہے: ''فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علیٰ موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ (السباء: ۱۴)'' پھر جب ہم نے ان پر موت کا فیصلہ کردیا تو ان کی موت کی جنات کو خبر نہ دی مگر گھن کے کیڑے نے جو کھاتا رہا ان کے عصا کو۔

غور کی بات یہ ہے کہ گھن کے کیڑے اور دوسرے کیڑوں کے سامنے دو چیزیں تھیں۔ ایک تو گوشت پوست کا بدن اور ایک خشک لکڑی کی لاٹھی۔ ظاہر ہے کہ گوشت کو تو جلدی کیڑا لگ جاتا ہے۔ چیونٹی چمٹ جاتی ہے۔ بدن کی رنگت بدل جاتی ہے، مگر خشک لکڑی کو تو کیڑے نے کھالیا لیکن نبی علیہ السلام کے مبارک بدن کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ یہی دلیل حیات الانبیاء کی ہے۔ (علیہم السلام)

تفسیری فائدہ: قرآن عزیز نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے زمین پر آجانے کو خرّ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ سقط کے ساتھ تعبیر نہیں فرمایا۔ خرّ کا کلمہ قرآن حکیم میں زندہ انسانوں کے جھک جانے اور گرجانے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے بھائیوں کا سجدہ ریز ہونا، قرآن عزیز نے یوں ذکر فرمایا: ''وخروا لہ سجدا (الیوسف: ۱۰۰)'' اور وہ سارے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔

اسی طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت بوقت دیدار تجلی کو قرآن عزیز نے یوں ارشاد فرمایا: ''فلما تجلی ربه للجبل جعله دكا وخر موسى صعقا (الاعراف:۱۴۳)'' پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تجلی نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں انابت کا ذکر قرآن عزیز نے یوں فرمایا: ''خر راکعا و اناب (ص:۲۴)'' اور سجدہ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

ایماندار اہل کتاب نے جب سید دو عالم ﷺ کے ظہور کی بشارت کو سنا اور اس جمال ایمان افروز سے بہرہ ور ہوئے تو ان کی حالت انقیاد اور اطاعت کو قرآن عزیز نے یوں ارشاد فرمایا: ''ان الذين اوتوا العلم من قبله اذا يتلى عليهم يخرون للاذقان سجدا (بنی اسرائیل:۱۰۷)'' جن کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا یہ قرآن جب ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان لانے والوں کی نشانی یہ بتائی کہ: ''إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ (السجدة:۱۵)'' ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں جب ان کو ان آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ کرتے ہوئے جھک جاتے اور اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے۔

عباد الرحمن کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا (الفرقان:۷۳)'' اور وہ ایسے ہیں کہ جس وقت ان کو اللہ تعالیٰ کے کلام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے۔

حدیث میں بھی اس کلمہ کا ذکر کسی زندہ انسان کے لئے ارشاد ہوا۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث نعلین مبارکین کے ذکر میں فرمایا: ''خَرَرْتُ لِاسْتِي'' میں اپنے چوتڑوں کے بل گر پڑا۔ (مشکوٰۃ)

خود سید دو عالم ﷺ نے حدیث شفاعت میں اپنے سجدہ عبودیت و نیاز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا'' پھر سجدہ کرنے کے لئے گر پڑوں گا۔ (بخاری و مسلم)

ف: قرآن و حدیث میں یہ کلمہ اور اس کے مشتقات حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خود سید دو عالم ﷺ کے لئے آئے ہیں اور ان کے علاوہ بھی عباد الرحمن اور نیک لوگوں ہی کے لئے آئے ہیں، اس لئے اس کلمہ سے عزت ہی کا پہلو ظاہر ہے۔

اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے ان کی عرفی موت پر استدلال کرنا قرآنی علوم اور قرآن سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

۵...... حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ (بقرہ:۲۵۹) میں مذکور ہے جس کا اجمالی ذکر کتاب ہذا کے شروع میں ہو چکا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ:

(۱) موت فناء کا نام نہیں ورنہ سو سال تک مردہ رکھنے کے بعد دوبارہ زندگی عطاء کرنا کیا مطلب رکھ سکتا ہے۔

(۲) نبی علیہ السلام کا بدن بلا کسی محافظ اور نگران کے اس مٹی پر پڑا رہا جس میں آپ کے گدھے کی ہڈیاں اور گوشت پوست گل سڑ گیا۔

(۳) اسی طرح وہ کھانا جو آپ کے بدن کا جزو ہونا تھا وہ بھی سو سال تک صحیح رہا۔ اس میں نہ تو بدبو پیدا

ہوئی اور نہ اس کی مقدار کم ہوئی اور نہ کسی چیز نے اس کو چھوا، اس واقعہ میں کتنی صاف دلیل ہے۔ حیات الانبیاء اور عظمت انبیاء علیہم السلام کی۔

۶...... تفسیر خازن میں حضرت جرجیس علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کی بدنصیب قوم نے ان کو پکایا اور پھر جلایا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے۔ (تفسیر خازن سورہ آل عمران)

۷...... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن عزیز میں موجود ہے کہ ان کی قوم نے جب ان کو آگ میں ڈالا تو وہ زندہ اور سلامت ہی رہے۔ (الانبیاء)

۸...... حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات پر یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کا الزام لگایا تو ان کا جنازہ آسمان سے نظر آیا جس میں یہ آواز تھی کہ میں خود اپنی موت مرا ہوں اسی کو "فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا" فرمایا۔ (الاحزاب:۶۹ بحوالہ موضح القرآن)

ف: تو بدن اور جسم کی سلامتی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ روح کا تعلق اس بدن کے ساتھ ہے، اس لئے اس کو حیات حاصل ہے۔ جیسا کہ اصحاب کہف کا واقعہ قرآن عزیز میں موجود ہے کہ: "ولبثوا فی کھفھم ثلث مائة سنین وازدادوا تسعا (الکھف:۲۵)" اور وہ اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے نو بڑھا کر۔

اصحاب کہف اس غار میں تین سو نو سال تک رہے مگر جب ان کو جگایا گیا تو انہوں نے کیا کہا؟ کہ ابھی آئے تھے۔ "لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ یہ گویا ان کی برزخی زندگی تھی مگر دنیاوی زندگی کے لحاظ سے تو وہ ۳۰۹ سال تک اس غار میں رہے۔ اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ان کے ناخن بڑھ گئے ہوتے یا کپڑے پھٹ گئے ہوتے یا بال بڑھ گئے ہوتے یا ان کے بدنوں میں اس قدر لمبا وقت گزرنے سے کوئی تبدیلی آجاتی تو یوں نہ کہتے۔ بدن کی سلامتی اسی لئے تھی کہ ان میں حیات تھی۔ یہی حالت سیدنا حضرت عزیر علیہ السلام کی ہے۔ جب آپ کو سو سال مردہ حالت میں رکھنے کے بعد زندہ کیا گیا اور پوچھا گیا!

"کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائة عام (البقرة:۲۵۹)" خداوند قدوس نے پوچھا کتنا زمانہ یہاں رہے؟ آپ نے عرض کیا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا: نہیں! تو اسی حالت میں سو سال رہا۔

تو گویا ایک سو سال کے طویل عرصے میں آپ کے بدن یا لباس یا اعضاء پر کوئی خارجی یا داخلی اثر ہو جاتا تو کیا آپ یوں فرما سکتے تھے کہ: "ایک دن یا دن کا کچھ حصہ" ان دونوں قصوں کو ملا کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت نیند کی طرح ہوتی ہے اور روح کا تعلق اسی طرح رہتا ہے۔ جیسا کہ نیند میں روح کا تعلق رہتا ہے۔ اس لیے بدن کو موت کے عروض کے بعد بھی حیات حاصل رہتی ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز بانی دار العلوم دیوبند نے ارشاد فرمایا: "حیات کو موجب حرمت کہئے اور حرمت کو احترام پر مبنی رکھئے۔" (آب حیات ص ۲۹)

۹...... "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ (ال عمران:۸۱)" اور جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم، پھر آئے گا تمہارے پاس (بڑا) رسول کہ سچ بتائے گا جو تمہارے پاس ہے تو اس رسول ﷺ پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ تم نے اقرار کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

اس آیت میں اس امر کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے اس امر کا عہد لیا تھا کہ جب امام

الانبیاء ﷺ تشریف لائیں گے تو تم ان کی مدد کرو گے اور ان پر ایمان لاؤ گے۔ ظاہر ہے کہ سید الانبیاء ﷺ سب انبیاء علیہم السلام سے آخر میں تشریف لائے۔ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ ﷺ سے زمانی تقدم حاصل تھا۔ اس لئے شب معراج سب انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور اس عہد کی عملی تصدیق کی۔

حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''فَاعْلَمْ اَنَّ النُّبُوَّةَ بَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰی بِاٰدَمَ علیہ السلام ثُمَّ جَعَلَهَا فِی ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ الثَّانِی وَهُوَ نُوحٌ علیہ السلام ثُمَّ جَعَلَهَا فِی ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ علیہ السلام وَحَصَرَهَا بَعْدَهٗ فِی نَسْلِهٖ فَقَالَ تَعَالٰی وَجَعَلْنَا فِی ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ ثُمَّ جَعَلَهَا شُعْبَتَیْنِ شُعْبَةَ بَنِی اِسْرَائِیْلَ فَبَعَثَ مِنْهُمْ رُسُلًا وَّاَنْبِیَاءَ تَتْرٰی اِلٰی اَنْ خَتَمَهَا بِعِیْسٰی علیہ السلام وَرَفَعَهٗ حَیًّا وَشُعْبَةَ بَنِی اِسْمَاعِیْلَ وَبَعَثَ مِنْهُمْ عَلٰی دَعْوَةِ اِبْرَاهِیْمَ علیہ السلام خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیَّنَا ﷺ وَقَضٰی لَهٗ سِیَادَةَ بَنِی اٰدَمَ کُلِّهِمْ وَلَا فَخْرَ وَبِیَدِهٖ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِیٍّ یَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِهٖ فَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیِّیْنَ اِلٰی مِنْهُمْ بِنُصْرَتِهٖ اَنْ اَدْرَکُوْا زَمَانَهٗ وَقَدْ اَدْرَکُوْهُ فِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی'' (عقیدۃ الاسلام طبع اوّل ص ۱۵)

''وَالرَّاجِحُ اَنَّ الْمُرَادَ اَنَّهٗ اَخَذَ الْمِیْثَاقَ مِنْ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ فِی حَقِّ نَبِیِّنَا ﷺ وَاللَّامُ فِی النَّبِیِّیْنَ لِلْاِسْتِغْرَاقِ'' (ص ۱۷)

ارشادات بالا کا مطلب اور مفہوم یہ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے رسالت اور نبوت کا مقدس سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے خاندان میں رکھا اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اس سلسلہ نبوت کو مخصوص فرما دیا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی سے ہوئے ہیں۔ ایک شاخ سے بنی اسرائیل ہوئے یعنی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے جن کے آخری نبی حضرت مسیح علیہ السلام ہوئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زندہ اسی جسم کے ساتھ اٹھا لیا ہے اور دوسری شاخ (اولاد اسماعیل علیہ السلام) سے سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ آخری نبی ﷺ پر ایمان لائیں گے اور ان کے دین کی مدد کریں گے۔ چنانچہ:

الف: وہ آخری نبی ان سب انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ ان سب نبیوں کی رسالت اور نبوت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور تصدیق کرنے والا اعلیٰ اور افضل ہوا کرتا ہے۔

ب: سب انبیاء علیہم السلام نے بیت المقدس میں آپ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی شاید بیت المقدس کو اس قیادت کے عملی ظہور کو اس لئے مخصوص کیا گیا ہو کہ بیت المقدس انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے تو عملاً یہ ثابت کرا دیا گیا ہے کہ اب سیادت اور قیادت امام الانبیاء کو حاصل ہو چکی ہے۔

ج: ایمان کا اظہار اور عملی اطاعت کی تصدیق یہ سب امور حیاۃ الانبیاء کے لئے دلیل ہیں۔

۱۰...... اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں سب انبیاء علیہم السلام پر سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ اجمالی طور پر تو یہ ارشاد فرمایا: ''وسلٰم علی المرسلین (الصافات: ۱۸۱)'' اور سلام ہو سب رسولوں پر۔

مگر تفصیلی طور پر اسی سورت میں چند انبیاء علیہم السلام کے نام لے کر ارشاد فرمایا: ''وترکنا علیہ فی الاٰخرین۔ سلٰم علیٰ نوح فی العٰلمین (الصافات: ۷۸، ۷۹)'' اور ہم نے ان کے لئے پیچھے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ نوح پر سلام ہو سب جہانوں میں۔

''وترکنا علیه فی الاٰخرین۔سلٰم علی ابراهیم (الصافات:۱۰۸تا۱۰۹)'' اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان کے لئے یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو ابراہیم پر۔

''وترکنا علیه فی الاٰخرین۔سلٰم علی موسیٰ وهٰرون (الصافات:۱۱۹، ۱۲۰)'' اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان دونوں کے لئے یہ بات رہنے دی کہ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔

''وترکنا علیه فی الاٰخرین۔سلٰم علی الیاسین (الصافات:۱۲۹، ۱۳۰)'' اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں ان کے لئے یہ بات لکھ دی ہے کہ سلام ہو ال یاسین پر۔

انبیاء علیہم السلام پر سلام کہنے کے حکم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کو برزخی حیات حاصل ہے اور سلام ان کو پہنچایا جاتا ہے۔

اور سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''یاایها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما (الاحزاب:۵۶)'' اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے امت کو یہ حکم دوامی دیا ہے۔اس لئے سید الانبیاء ﷺ نے درود شریف کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا درود وسلام مجھے پہنچتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔'' جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قرآنی صداقت واقعات کی روشنی میں

اگرچہ سعادت مند انسان اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے ارشادات پر بلا کسی چون وچرا کے ایمان لے آتا ہے مگر بعض کور باطن حرمان نصیب چون وچرا کرتے رہتے ہیں۔شاید اسی لئے اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے طور پر کبھی کبھی ایسے واقعات کا ظہور فرمادیتے ہیں جن سے ان ارشادات کی تائید اور تصدیق ہو جاتی ہے۔جیسا کہ فرمایا: ''سنریهم اٰیٰتنا فی الاٰفاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق، اولم یکف بربک انه علی کل شئی شهید (حم السجدة:۵۳)'' اب ہم دکھلائیں گے اپنی قدرت کے نمونے دنیا میں اور خود ان کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے کیا تیرا رب کافی نہیں؟ بے شک وہ ہر چیز کو گھیر رہا ہے۔

چنانچہ حیات بعد الموت کو سمجھانے کے لئے چند واقعات کا ذکر تو قرآن عزیز میں ہے اور تاریخی طور پر بھی ایسے واقعات کا ظہور ہوا ہے جیسا کہ مشہور محقق اہل علم امام ابو عبید ثقفی م ۲۲۴ھ نے اپنی مستند کتاب ''کتاب الاموال'' میں مندرجہ ذیل واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ:

۱...... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سوس فتح ہوا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری وہاں کے عامل مقرر ہوئے تو انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام کا جسد مبارک پتھر کے ایک ٹب میں رکھا ہوا ہے اور اس کے پاس کافی مال و دولت موجود ہے جس کے پاس ایک تحریر موجود ہے کہ جس کسی کو مال کی ضرورت ہو، اس سے لے جائے اور پھر ضرورت پوری ہونے پر مال یہاں لا کر جمع کر دے، ورنہ وہ کوڑھی ہو جائے گا۔وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ اس پر عمل کیا جاتا ہے۔چنانچہ آپ نے یہ حالت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نبی علیہ السلام کا جنازہ پڑھ کر دفن کر دیں اور سارا مال بیت المال میں جمع کر دیں۔ (ص ۳۴۳)

ف: حضرت دانیال علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً سات سو سال پہلے گزرے ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت حضرت دانیال علیہ السلام سے تقریباً چودہ سو برس بعد کا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت دانیال علیہ السلام کے بدن مبارک کو خداوند قدوس نے چودہ سو سال تک سلامت رکھا۔ تاکہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں کہ نبی کی موت فناء کامل نہیں ہوتی بلکہ اس کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ مشہور مورخ اسلام علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مستند کتاب العبر فی خبر من غبر میں فرمایا ہے کہ: ''۵۱۳ھ میں بیت المقدس میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی قبور اچانک ظاہر ہو گئیں۔ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ سب حضرات کے پاکیزہ جسم بالکل صحیح وسالم تھے۔'' (ج ۴ ص ۲۹)

تنبیہ: جو لوگ حیات الانبیاء علیہم السلام کے منکر ہیں وہ یہ کہنے سے بھی باک نہیں کرتے ہیں: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے ہمراہ رات کو مصر سے نکلے تو راستہ بھول گئے جب تشویش ہوئی تو علماء بنی اسرائیل نے فرمایا یوسف علیہ السلام نے ہم سے پختہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مصر سے جائیں تو میری ہڈیاں ہمراہ لے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ہڈیاں نکالیں اور اپنے ہمراہ لے گئے۔'' (العیاذ باللہ) (الادلۃ القویۃ ص ۸۴)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو فلسطین کے بدکار بادشاہ ہیرودس نے اس طرح شہید کر دیا تھا کہ ان کا سر مبارک ان کے جسد سے علیحدہ کر دیا تھا۔

مشہور محدث حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے زید بن واقد سے بیان کیا ہے کہ جب دمشق میں ایک مسجد بنانے کے لئے کھدائی کی گئی تو محراب کے قریب ایک ستون کے نیچے سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مبارک اسی طرح صحیح وسالم نکلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی آپ کو شہید کیا گیا ہے۔ (النبوۃ والانبیاء ص ۳۳۶ از محمد علی صابونی استاذ کلیہ شرعیہ مکہ مکرمہ)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارہ میں (الصافات: ۱۴۴) میں فرمایا کہ اگر یونس علیہ السلام تسبیح پڑھنے والوں میں سے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک (زندہ) رہتے۔ (روح المعانی)

مچھلی یعنی ان کی قبر بھی سلامت رہتی اور وہ بھی زندہ رہتے۔ نبی علیہ السلام کی حیات اور قبر کی بقاء کی کس قدر واضح دلیل ہے۔

چند احادیث درباره حیات الانبیاء علیہم السلام

حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق احادیث اس قدر زیادہ روایت کی گئی ہیں کہ ان کو تواتر کا درجہ حاصل ہے۔ معتبر کتب احادیث سے چند احادیث ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ درج کی جاتی ہیں۔

۱...... ''اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ'' انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

محدث کبیر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے اور صحیح ہے۔'' (فیض الباری ج ۲ ص ۱۱۷)

۲...... ''اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِہٖ مَرَّ عَلٰی مُوْسٰی علیہ السلام وَھُوَ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ'' جناب رسول کریم کا شب معراج موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر گزر ہوا اور موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

۳...... ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَتَیْتُ عَلٰی مُوْسٰی علیہ السلام لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ'' سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ اپنی قبر میں (جو کہ لال رنگ کے ٹیلے کے پاس ہے) کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں پوری تفصیل سے آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور کھڑا ہونا تو بدن کا خاصہ ہے روح کے لئے کھڑا ہونا یا بیٹھنا نہیں ہو سکتا۔

۴...... ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَدْ رَأَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَۃٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاِذَا رَجُلٌ ضَرَبٌ جَعْدٌ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَۃَ وَاِذَا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ یُصَلِّیْ اَقْرَبُ النَّاسِ بِہٖ شِبْھًا عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدِ الثَّقَفِیُّ وَاِذَا اِبْرَاھِیْمُ قَائِمٌ اَشْبَہُ النَّاسِ بِہٖ صَاحِبُکُمْ یَعْنِیْ نَفْسَہٗ'' جناب رسول کریم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور اچانک میں نے دیکھا کہ مریم علیہا السلام کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ شکل و شباہت میں عروہ بن مسعود ثقفی صحابی کے مشابہ ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا کہ وہ بھی کھڑے ہیں اور میرے مشابہ ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں فرمایا گیا ہے: ''اَمَّا الْاَنْبِیَاءُ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اَحْیَاءٌ بِالْحَیٰوۃِ الْحَقِیْقِیَّۃِ بِدَلِیْلِ صَلٰوۃِ مُوْسٰی علیہ السلام فِیْ قَبْرِہٖ وَصَلٰوۃِ النَّبِیِّ بِھِمْ فِیْ لَیْلَۃِ الْاَسْرَاءِ وَلِقَائِہٖ بِھِمْ وَنَصَّ عَلٰی حَیٰوتِھِمْ اِبْنُ عَطِیَّۃَ وَالْقَضَاعِیُّ'' انبیاء علیہم السلام حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اور خود سید دو عالم کا انبیاء علیہم السلام کو شب معراج نماز پڑھانا اور ان کے ساتھ ملاقات فرمانا ہے۔ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ اور قضاعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات پر تصریح فرمائی ہے۔ (اکمال شرح مسلم ج ۶ ص ۱۶۸)

ف: شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ: ''اور جناب رسول اللہ نے حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شکل و صورت و لباس وغیرہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی شکل اور صورت کو مخاطبین کے دماغ میں تمثل اور جگہ دینا مقصود ہے۔'' (مکاتیب شیخ الاسلام ج ۴ ص ۲۲۱)

۵...... صحیح حدیث میں ہے کہ سید دو عالم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی کہ آپ نے فرمایا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) اور یونس (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ''لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ'' کہہ رہے ہیں۔ یہ حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔ محدث کبیر حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۲۱)

۶...... ''اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھا سکے۔

اس کی وجہ مہاجر مدنی مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ شارح ابی داؤد نے یہ فرمائی ہے:

''اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں۔'' (بذل المجہود ج ۳ ص ۱۶۰)

ف: شارح بیضاوی و شارح الشفاء علامہ خفاجی مصری نے فرمایا ہے کہ: ''متعدد روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو جاگتے ہوئے آسمان پر اور زمین پر کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔'' (نسیم الریاض ج ۲ ص ۱۴۹)

۷..... ''وَفِی الصَّحِیحِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّٰی بِالْمُرْسَلِیْنَ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِہٖ رَکْعَتَیْنِ وَاَنَّہٗ سَلَّمَ عَلٰی هَارُوْن علیہ السلام فَدَعَا لَہٗ بِالرَّحْمَةِ وَلِاُمَّتِہٖ وَاَنَّہٗ سَلَّمَ عَلٰی اِدْرِیْسَ علیہ السلام فَدَعَا لَہٗ بِالرَّحْمَةِ وَالْاُمَّةِ'' صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ نے شب اسراء (بیت المقدس میں) سب انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کو سلام دیا۔ انہوں نے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے رحمت کی دعا کی۔

(الدرۃ الفاخرہ از امام سیوطی رحمہ اللہ ص۱۶)

۸..... ''فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ'' پس یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا ہر نبی زندہ ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ (حقیقی اور معنوی)

(مرقاۃ ج۳ ص۲۴۱)

ف: جب کہ ہر مسلمان کی قبر پر حاضری کے وقت سلام کہا جاتا ہے تو حسب ارشاد صادق اعظم سلام کہنے والے کو جواب دیا جاتا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی سلام کا جواب فرماتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث گزر چکی ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی سلام کا جواب فرماتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امت محمد یہ کو سلام بھیجنا ثابت ہے کہ: ''سید الانبیاء نے فرمایا جس رات مجھے معراج ہوا میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا: اے محمد اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دیں اور ان کو خبر کر دیں کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے اور اس کا پانی بھی میٹھا ہے مگر ابھی تک اس میں کچھ نہیں بویا گیا اور اس کا بیج بوتا یہ کلمات ہیں: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ'' (مشکوۃ بحوالہ ترمذی)

چونکہ مسلمان بفضلہ تعالیٰ نماز میں اور نماز سے خارج بھی جو درود شریف پڑھتے ہیں، اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے امت محمدیہ کو سلام بھیجا ہے۔ کَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ!

حج الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

جب بیت اللہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے بامر خداوند تعالیٰ فرمائی تو اس کا طواف بھی فرمایا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام نے بھی طوفان سے پہلے بیت اللہ کا حج فرمایا تھا۔ البتہ حضرت صالح اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اپنی حیات مبارکہ میں حج نہ کر سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ شریف کو الہام ربانی کی روشنی میں تعمیر فرمایا تو خود بھی اس کا حج فرمایا اور آپ کے بعد بھی ہر نبی علیہ السلام نے حج فرمایا۔ بعض ثقہ مورخوں اور محدثوں نے فرمایا ہے کہ: ''مقام ابراہیم، رکن یمانی اور زمزم کے درمیان ۷۷ انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں جو حج کے لئے تشریف لائے اور یہیں وفات پا گئے اور بعض وہ انبیاء علیہم السلام بھی یہاں آرام فرما ہیں، جو اپنی قوم کے ہلاک ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں تشریف لے آئے اور یہیں عالم آخرت کو سدھارے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام حج کے وقت طواف کرتے ہوئے یہ فرما رہے تھے: ''لَبَّیْکَ کَاشِفَ الْکُرَبِ'' اے پریشانی کو دور کرنے والے میں حاضر ہوں۔ (درمنثور)

حطیم کعبہ میں میزاب رحمت کے نیچے سیدنا اسماعیل علیہ السلام آرام فرما ہیں۔ آپ کے مزار اقدس کا نشان سرسبز چٹان ہے جو وہاں موجود ہے۔ (زادھا اللہ شرفا و اجلالاً)

ف: اب وہ چٹان وہاں سے نکال دی گئی ہے۔ (۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶ء)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا الروحاء کے علاقہ سے ستر انبیاء علیہم السلام پیدل بیت اللہ کے حج کے ارادہ پر تشریف لے گئے، جنہوں نے عباء پہنے ہوئے تھے اور ان کا گزر صخرہ سے ہوا۔ (التعرف ص ۲۲)

دارالعلوم دیو بند کے پہلے بانی حضرت حاجی سید محمد عابد رحمہ اللہ نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے فرمایا۔ ایک بات کہتا ہوں میری زندگی میں کسی سے ظاہر نہ کرنا فرمایا کہ: ''میں نے حرم شریف میں حالت بیداری میں بعض انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہے۔'' (مشائخ دیو بند ص ۱۸۹)

ف: سید محمد عابد صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ۲۷ رذی الحجہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو ہوا۔ آپ نے اپنی زندگی میں لوگوں سے یہ بابرکت مشاہدہ بیان کرنے سے اس لئے روکا ہوگا کہ لوگ تنگ کریں گے اور اس سے کچھ خود نمائی کا خطرہ بھی تھا۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ جھک کے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

حیات رحمت کائنات

جب عام انسانوں کو موت کے بعد ایک گونہ حیات حاصل ہوتی ہے جس کی بنا پر وہ راحت اور عذاب کو محسوس کرتے ہیں۔ پھر ان میں وہ سعادت مند بھی ہیں جن کا بدن بظاہر پرزے پرزے کر دیا جاتا ہے، مگر قرآن حکیم نے ان کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے منع فرماتے ہوئے ان کو زندہ کہنے اور زندہ سمجھنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ سعادت مند وہ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا پر گزار دی اور قربان کر دی تو جن مجتبیٰ اور مصطفیٰ بندوں کی تعلیمات سے سرشار ہو کر ان کو یہ حیات حاصل ہوئی ہے، ان کی حیات میں کیسے کلام کیا جا سکتا ہے۔ میری مراد ان برگزیدہ انسانوں سے اللہ تعالیٰ کے رسول اور انبیاء علیہم السلام ہیں جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔ جب مبشرین کو یہ سعادت حاصل ہے تو وہ ذات عالی صفات جن کی تشریف آوری کا اعلان کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا ہے، ان کے درجات اور حیات کے بارہ میں کیا لب کشائی کی جا سکتی ہے۔ سید دو عالم ﷺ اس جہاں میں بھی ان ممتاز اوصاف اور کمالات سے مشرف تھے جو کسی کو حاصل نہیں ہوئے اور اس عقیدہ کو با دلائل بیان کرنے کے لئے علماء اسلام نے دو مخصوص عنوان اختیار کر کے ان پر کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، ان میں سے ایک کا عنوان تو دلائل النبوۃ ہے اور دوسرے کا خصائص النبوۃ جیسا کہ:

''دلائل النبوۃ از عبداللہ بن مسلم معروف ابن قتیبہ'' (م۲۷۶ھ)

''دلائل النبوۃ از امام ابو اسحٰق ابراھیم بن اسحٰق'' (م۲۸۵ھ)

''دلائل النبوۃ از جعفر بن محمد المعروف بالمستغفری'' (م۲۸۵ھ)

''دلائل النبوۃ از اسماعیل بن محمد اصبھانی ملقب بہ قوام السنۃ'' (م۳۵۰ھ)

''دلائل النبوۃ از امام ابو نعیم اصبھانی'' (م۴۳۰ھ)

''دلائل النبوۃ از امام کبیر محدث بیھقی'' (م۴۵۸ھ)

''دلائل النبوۃ از ابو بکر محمد بن الحسن المقری الموصلی'' (م۵۸۱ھ)

اسی طرح خصائص النبوۃ کے موضوع پر بھی علمائے کرام نے لکھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ جیسا کہ:
سراج الدین بن عمر بن علی شافعی (م ۸۰۳ ھ) اور عبدالرحمن بن عمر البلقینی (م ۸۲۴ ھ) اور علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ (م ۸۵۲ ھ) نے ایک جامع کتاب بہ نام کتاب الانوار بخصائص المختار تحریر فرمائی۔

ان کے علاوہ قطب خیضری اور یوسف بن موسیٰ ؒ نے بھی اس پاکیزہ ایمان افروز موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ دسویں صدی ہجری کے مجدد علامہ جلال الدین سیوطی ؒ نے اسی عنوان سے ایک مبسوط کتاب خصائص کبریٰ کے نام سے مدون کی ہے جو تین جوں میں مطبوعہ اور دستیاب ہے، اس کتاب کو جلال الدین سیوطی ؒ نے بیس سال کی محنت کے بعد مرتب فرمایا اور اس میں حضور انور کی ایک ہزار خصوصیات کو ذکر فرمایا ہے۔ پھر اس کا اختصار بہ نام خصائص صغریٰ بھی مرتب فرمائی۔

اسی طرح یحییٰ بن یوسف حنبلی (م ۵۵۰ ھ) نے سید دو عالم کے فضائل میں ایک جامع کتاب لکھی ہے جو صرف سید دو عالم کے اوصاف اور فضائل پر مشتمل ہے اور وہ بیس جلدوں میں ہے۔

علی بن امیر مصری م ۷۳۹ ھ نے اپنے ترکہ میں ۵۷ ایسی کتابوں کو چھوڑا جو سب کی سب مدح رسالت مآب پر مشتمل ہیں۔ (ذرر کامنہ ج ۳ ص ۲۵)

حافظ ابو سعید عبدالملک نیشا پوری (م ۴۰۶ ھ) کی ایک کتاب ''شرف المصطفیٰ'' ہے سب سے زیادہ مقبول اور جامع کتاب ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' ہے جو کہ قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ الیحصبی الاندلسی المالکی (م ۵۴۴ ھ) کی مرتبہ ہے۔ یہ کتاب بہت زیادہ مقبول اور منظور دربار سید دو عالم ہے۔ جیسا کہ: ''امام الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے ارشاد فرمایا کہ قاضی عیاض ؒ کے برادر زادہ نے ایک روز اپنے چچا کو خواب میں دیکھا کہ وہ جناب رسول اللہ کے ساتھ سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر اس پر دہشت اور رعب طاری ہو گیا تو قاضی عیاض نے اس سے فرمایا۔ بچے میری ''شفاء'' کو مضبوط پکڑے رہو اور اس کو اپنے لئے حجت بناؤ۔ گویا آپ نے اس کلام سے ادھر اشارہ فرمایا کہ مجھ کو یہ مرتبہ اس کتاب کی برکت سے ملا ہے۔'' (ترجمہ بستان المحدثین ص ۱۳۲۳ از مولانا عبدالسمیع ؒ استاذ دارالعلوم دیوبند)

ف: اس کتاب ''الشفاء'' کو اللہ تعالیٰ نے بہت شرف اور برکت سے نوازا ہے۔ اسلامی افواج میں ایک فوج کا نام ''شافیہ'' تھا جو ''شفاء'' کتاب پر ہاتھ رکھ کر حلف وفاداری اٹھایا کرتی تھی۔ اس کے نام سے کئی اسلامی مدارس بھی جاری کئے گئے۔ یہ کتاب جس کشتی میں ہو وہ ڈوبنے سے بچ جاتی ہے اور وہ مکان جس میں یہ کتاب ہو وہ جلنے سے بچ جاتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ۔ (نسیم الریاض)

اس کتاب کی عربی فارسی ترکی میں کئی شروح لکھی گئی ہیں۔ عربی زبان میں چند شروح کے نام درج ذیل ہیں:

۱...... محمد بن ابی شریف تلمسانی ساہ المنہل الاصفی (م ۹۱۷ ھ)
۲...... محمد بن محمد الایجی الشافعی (م ۸۶۲ ھ)
۳...... علی بن محمد اقبرس الشافعی (م ۸۶۲ ھ)
۴...... عمر العرضی فی اربع مجلدات وابوذر احمد بن ابراہیم حلبی (م ۹۸۴ ھ)
۵...... شیخ تقی الدین احمد بن محمد الشمنی (م ۸۷۲ ھ)

۶...... برہان الدین بن محمد حلبی (م ۷۹۷ھ)
۷...... شہاب الدین احمد بن حسین رملی شافعی ۸۱۰ھ (م ۸۴۴ھ)
۸...... اسماعیل بن ابراہیم کنانی (م ۸۶۱ھ)
۹...... کمال الدین بن ابی القدسی (م ۶۵۱ھ)
۱۰...... احمد بن محمد بن مرزوق التلمسانی المالکی (م ۷۸۱ھ)
۱۱...... قطب الدین محمد بن محمد بن الخفیری (م ۸۹۴ھ)
۱۲...... شہاب الدین احمد خفاجی (م ۱۰۶۹ھ)
۱۳...... ترکی زبان میں اس کا ترجمہ شیخ الاسلام المولی اسحٰق بن شیخ الاسلام اسماعیل آفندی (م ۱۱۴۷ھ) نے کیا اور اس کتاب کا اختصار محمد بن احمد شافعی (م ۷۶۳ھ) نے عربی زبان میں فرمایا ہے۔ اردو زبان میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح ری کے سابق قاضی القضاۃ عبد الجبار بن احمد شافعی ہمدانی (م ۴۱۵ھ) نے ایک کتاب بہ نام "تثبیت دلائل النبوۃ" لکھی جو نہایت ہی جامع کتاب ہے۔ یہ کتاب بیروت کے دار العربیہ سے ۱۹۶۶ء کو دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ فارسی زبان میں حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ کی کتاب "دلائل النبوۃ" بھی جامع کتاب ہے۔ دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمہ اللہ نے "لامیۃ المعجزات" عربی نظم میں لکھی، جس کی اردو جامع شرح دار العلوم دیوبند کے سابق استاذ اعلیٰ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔

سید دو عالم ﷺ کی بشری خصوصیات

قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں مگر آپ کو جو بشری خصوصیات حاصل ہیں وہ اور کسی کو حاصل نہ تھیں۔ جیسا کہ قرآن عزیز کی بعض قرأتوں میں سورہ توبہ کی آیت: ۱۲۷ میں "اَنْفُسِکُمْ" کے ساتھ "اَنْفَسِکُمْ" بھی تلاوت کیا گیا ہے جو کہ نفاست سے مشتق ہے۔ یعنی تم سب میں سے زیادہ نفیس ذات سید دو عالم ﷺ کی ہے۔ محدث کبیر مفسر قرآن حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے سورۃ والضحیٰ میں فرمایا ہے: "خصوصیاتے کہ آنحضرت را در بدن مبارکش دادہ بودند آں بود کہ آنحضرت از پس پشت خود میدیدند و در شب و در تاریکی چناں میدیدند کہ بروز در روشنی۔ و ہیچ کس اثر فضلہ ایشاں را بر روئے زمین نہ دیدہ زمین ے شگافت و فرو می برد و از مکان بوئے مشک ے شمیدند۔ و در وقت تولد ایشاں نورے منتشر شد کہ بہ سبب آں شہرہائے شام مادر ایشاں را نمودار شدند۔"

(ترجمہ) "وہ خصوصیات جو کہ آنحضرت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بدن مبارک میں عنایت ہوئی تھیں، ان میں سے بعض یہ ہیں۔ اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی اسی طرح دیکھ لیا کرتے تھے جیسا کہ سامنے والی چیزوں کو مشاہدہ فرمایا کرتے تھے۔ رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھ لیا کرتے تھے جس طرح دن کی روشنی میں۔ کسی آدمی نے جناب ﷺ کے پیشاب وفضلہ کو زمین پر نہیں دیکھا۔ جہاں جناب ﷺ قضائے حاجت فرمایا کرتے تھے، زمین پھٹ کر وہ نیچے چلا جاتا اور وہاں سے کستوری کی خوشبو آ جاتی۔ آپ کے ظہور اقدس کے وقت ایسا نور ظاہر ہوا کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے اس کی روشنی میں شام کے شہر دیکھ لئے۔"

چند بشری خصوصیات

قوت سامعہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ ایک دفعہ اپنے مہبط انوار وحی سے باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ یہود کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے جو میں سن رہا ہوں۔(بخاری کتاب الجنائز)

آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم بھی سن رہے ہو تو انہوں نے عرض کیا نہیں۔ اے میرے آقا میں تو نہیں سن رہا، اس پر آپ نے فرمایا تم نہیں سن سکتے جوان پر عذاب ہو رہا ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۳۰۹)

قوۃ شامہ: ایک مرتبہ سید دو عالم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے جارہے تھے کہ سخت بدبو پھیلی۔ اس پر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو دوسروں کی غیبت کرتے ہیں۔ (مسند امام احمد)

ف: سید دو عالم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کہ جب مسلمان جھوٹ بولتا ہے تو اس سے اس قدر سخت بدبو پھیلتی ہے کہ فرشتے ایک میل دور بھاگ جاتے ہیں۔ (مشکوۃ شریف)

ذائقہ نبوی ﷺ: ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک جنازہ میں شرکت کے لئے نکلے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ قبر کے اوپر سے گورکن کو یہ ہدایت فرماتے جاتے تھے، دیکھنا ذرا پائنتی کی جانب سے اور کشادہ کرنا ذرا سرہانے کی جانب سے کشادہ کرنا۔ جب اس کو دفن کر کے واپس ہوئے تو سامنے سے اس کی بیوہ کی جانب سے آپ کو بلانے کے لئے ایک شخص آیا۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ ہو لئے۔ اس وقت ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا۔ حسب دستور پہلے آپ ﷺ نے کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہاتھ بڑھائے اور کھانا شروع کیا۔ ہم نے دیکھا تو آنحضرت ﷺ لقمہ چبا رہے تھے مگر نگلتے نہیں۔ اس کے بعد فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔ میت کی بیوی نے جواباً کہلا بھیجا، یا رسول اللہ! واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے بقیع کے بازار میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی تھیں، ایک آدمی بھیجا تھا تاکہ وہ ہمارے لئے ایک بکری خرید لائے۔ جب وہاں بکری نہ ملی تو میں نے اپنے پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا۔ اس نے ایک بکری خریدی تھی کہ جس قیمت میں اس نے وہ خریدی تھی اسی قیمت میں وہ مجھے بیچ دے۔ اتفاقاً وہ نہ ملا۔ پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا اس نے یہ بکری مجھ کو بھیج دی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تو اب یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دو۔ (ابی داؤد)

ف: خاوند کی بلا اجازت بیچی تھی۔

آنحضرت ﷺ کی آواز کا ایک کرشمہ

"عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِيَّ جَلَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ اِجْلِسُوْا فَسَمِعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَهُوَ فِيْ غَنَمٍ فَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهِ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ جمعہ کے دن جب خطبہ کے لئے بیٹھے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ آپ کی یہ آواز حضرت عبداللہ بن رواحہ کے کان میں پہنچ گئی۔ اس وقت وہ بکریوں میں تھے۔ آپ کی آواز کا سننا تھا کہ وہ فوراً وہیں بیٹھ گئے۔"

(رواہ البیہقی و ابو نعیم کما فی الخصائص)

''عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذِ نِ التَّیْمِیِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ بِمِنیٰ فَفَتَحَ اَسْمَاعَنَا وَفِیْ لَفْظٍ فَفَتَحَ اللّٰہُ اَسْمَاعَنَا حَتّٰی اِنْ کُنَّا لَنَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ وَنَحْنُ فِیْ مَنَازِلِنَا'' عبدالرحمن بن معاذ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے منیٰ میں ایک خطبہ دیا تو اس کو سننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان اس طرح کھول دیئے تھے کہ ہم تمام حجاج جہاں جہاں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کی آواز سب وہیں سن رہے تھے۔'' (رواہ ابن سعد کما فی الخصائص)

نبی ﷺ کا وزن: انبیاء علیہم السلام کا جسد اطہر بظاہر گوشت پوست کا ہوا کرتا ہے مگر اس میں وحی کی عظمت کا وزن اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ کائنات اس کو اٹھانے سے قاصر ہوتی ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ سید دو عالم احد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو وہ لرز اٹھا۔ ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے متعلق قرآن کریم ہی کا ارشاد ہے کہ اگر اس کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ پہاڑ بھی خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ (الحشر: ۲۱) تو جس ذات عالی پر وہ قرآن نازل ہوا اس کا وزن بہت ہی زیادہ ہوگا۔ وحی کا وزن ہونا روایت صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ اس صحابی پر بھی وحی کا وزن اثر انداز ہوا جس نے رسول اکرم کی اونٹنی کی زمام پکڑی ہوئی تھی، وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی آج بھی موجود ہے، جس میں ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان موجود ہیں۔ جناب رسول اکرم نے فرمایا کہ وحی نازل ہونے کے بعد میرا وزن ایک ہزار انسانوں سے زیادہ ہوگیا۔ (دلائل النبوۃ از علامہ اصفہانی ص ۱۷۱ تا ۱۷۶)

اس تمام مضمون کا خلاصہ

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''انبیاء علیہم السلام وتیرہ (طریقہ) اہل جنت پر ہوتے ہیں، اس دنیاوی زندگی میں بھی اسی باب (اسی سلسلہ) سے زمین کا براز نبی کریم کو نگل جانا یا آپ کی قوت جماع اہل جنت جیسی ہونا یا اجساد انبیاء علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا کہ وہ ان کو فنا نہیں کر سکتی۔'' (انوار الباری ج ۸ ص ۵۷)

استاد محترم حضرت مولانا سید محمد بدر عالم خلد آشیاں جنت البقیع مدینہ منورہ نے اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید مرتب ''انوار الباری'' حضرت مولانا احمد رضا نے ایسے دس خواص کا ذکر فرمایا ہے جو اہل جنت کی ہیں وہ انبیاء کرام کو عموماً اور خصوصاً سید الانبیاء کو اس ناسوتی حیات میں بھی حاصل تھیں۔ یعنی:

(۱) قبر یا عالم برزخ میں اجسام کا پوری طرح سلامت اور محفوظ رہنا۔ (۲) حیات و عبادت۔ (۳) طہارت فضلات۔ (۴) ہر حالت میں مسجد میں ٹھہر سکنا۔ (۵) کثرت ازواج۔ (۶) عصمت من الذنوب (گناہوں سے معصوم رہنا) (۷) قوت جماع مثل اہل جنت کے۔ (۸) پسینہ کا خوشبودار ہونا۔ (۹) زمین کا فضلات کو نگل جانا۔ (۱۰) آپ کی درمیانی انگلی کا انگشت شہادت سے چھوٹا ہونا۔ جب کہ عام انسانوں کی انگشت شہادت چھوٹی اور وسطیٰ (درمیانی انگلی) بڑی ہے۔

ف: کئی دفعہ حضور انور ﷺ نے مخاطبین کو ایک بات سمجھانے کے لئے یوں کیا جیسا کہ فرمایا میں اور یتائی کی تربیت کے لئے اپنی جوانی کو گالنے والی بیوہ جنت میں اس طرح ہوں گے حضور انور ﷺ نے دونوں انگلیوں کو ملا کر بتایا تو چونکہ انگشت شہادت سے مراد سید دو عالم ہیں، اس لئے معجزہ کے طور پر آپ کی اس انگلی کو بڑا بنایا تا کہ آپ کی شان یہاں بھی رفیع رہے۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۱۴)

سید دو عالم ﷺ کا سامنے والی اور پیچھے والی چیزوں کا دیکھنا

یہ بھی آپ کا خاصہ جسمانی تھا کہ سید دو عالم ﷺ کی نظر سامنے اور پس پشت دونوں طرف موجود اشیاء کو یکساں طور پر دیکھ لیا کرتی تھی۔ آپ کا اپنا ارشاد عالی ہے: ''عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ یَقُوْلُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ سید دو عالم فرمایا کرتے تھے مجھے اس اللہ کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں اپنی پس پشت بھی اسی طرح دیکھ لیتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والی چیزوں کو دیکھ لیتا ہوں۔''

ف ۱: یہ روایت بالفاظ مختلفہ بخاری، مسلم، ابوداؤد میں موجود ہے۔

ف ۲: انس رضی اللہ عنہ بن مالک جو کہ سید دو عالم ﷺ کے وہ خوش بخت خادم ہیں جنہوں نے دس سال سید دو عالم ﷺ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن جب نماز باجماعت کے لئے اقامت کہی گئی تو سید دو عالم ﷺ نے اپنے چہرہ انور کو ہماری طرف فرما کر ارشاد فرمایا اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مل جل کر کھڑے ہو جاؤ (یہ میں تم سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ) میں تم کو اپنی پیٹھ سے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوں''۔ یہ روایت تو صرف بخاری میں ہے اور ایک دوسری روایت میں جو کہ بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، اس میں یہ ارشاد ہے کہ اپنی صفوں میں خلا پورا کرو۔ کیونکہ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوں۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ''وَاِنَّ الْمُخْتَارَ حَمْلُہٗ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ خِلَافًا لِمَنْ زَعَمَ اَنَّ الْمُرَادَ بِھَا خَلْقُ عِلْمٍ ضَرُوْرِیٍّ لَہٗ بِذٰلِکَ وَنَحْوُ ذٰلِکَ وَقَالَ الزَّیْنُ بْنُ الْمُنِیْرِ لَا حَاجَۃَ اِلٰی تَاوِیْلِھَا لِاَنَّہٗ فِیْ مَعْنٰی تَعْطِیْلِ لَفْظِ الشَّارِعِ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ وَقَالَ الْقُرْطُبِیُّ بَلْ حَمْلُھَا عَلٰی ظَاھِرِھَا اَوْلٰی لِاَنَّ فِیْہِ زِیَادَۃُ کَرَامَۃِ النَّبِیِّ'' قول مختار یہی ہے کہ اس سے حقیقی معنی مراد لیا جائے۔ یعنی جس طرح عام انسان صرف اپنے سامنے والی اشیاء کو دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح سید دو عالم ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پس پشت بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس سے اختلاف کر کے اس ارشاد کا یہ معنی اپنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی وقت اس بات کا علم دے دیا ہے۔ مگر محدث زین ابن المنیر نے کہا ہے کہ اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس سے شارع علیہ السلام کے ارشاد حقیقی کو بلا وجہ معطل کرنا ہوگا۔ محدث اور مفسر امام قرطبی نے فرمایا ہے کہ: ''اس ارشاد نبوی کا ظاہری معنی مراد لینا ہی بہتر ہے کہ اس میں سید دو عالم ﷺ کی عظمت اور کرامت زیادہ پائی جاتی ہے۔'' (فتح الباری ج ۲ ص ۱۷۳)

شارح حدیث مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا پس پشت سے دیکھنا

''ہم نے احادیث صحیحہ میں آنحضرت کا یہ ارشاد پڑھا تھا: ''اِنِّیْ وَاللّٰہِ اَبْصَرُ مِنْ وَرَائِیْ کَمَا اَبْصَرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ'' اللہ کی قسم میں اپنے سے پیچھے کی چیزیں بھی اسی طرح دیکھ لیتا ہوں جس طرح اپنے سامنے والی۔

یعنی میرا دیکھنا مواجہہ پر موقوف نہیں بلکہ پیٹھ پیچھے کی چیزیں بھی مجھے ایسی ہی نظر آتی ہیں، جیسا کہ سامنے کی

بہت سے متفلسفین اسے قانون فطرت کے خلاف سمجھ کر در پے تاویل ہو گئے تھے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ محققین نے حدیث کو ظاہر پر محمل کر کے اس کو آنحضرت کے خصائص اور خوارق عادات میں شمار کیا ہے۔ (تجلیات عثمانی ص ۴۴۸)

احقر مرتب رحمت کائنات عرض کرتا ہے کہ اور بھی کئی بدنی خصوصیات سید الانبیاء کی تھیں۔ جیسا کہ:

۱...... ماء مستعمل کا پاکیزہ رہنا: جب کہ ہر مسلمان کے وضو اور غسل کا پانی باختلاف ائمہ غیر طاہر یا غیر مطہر ہے مگر سید دو عالم ﷺ کے وضو کے پانی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بدنوں پر حضور انور ﷺ کے سامنے مل لیا کرتے تھے۔

۲...... آپ کے استعمال کردہ پانی میں خوشبو کا بڑھنا: عام انسانوں کا استعمال کردہ پانی کچھ دیر کے بعد طبعی طور پر بھی بدبودار ہو جاتا ہے اور گرمی میں خشک ہو جاتا ہے مگر سید دو عالم ﷺ کے مستعمل پانی کو طہارت کاملہ اور تطہیر فاضلہ حاصل تھی۔ جیسا کہ: ''طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چند آدمی سید دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ کی بیعت کی پھر چند نمازیں بھی حضور انور ﷺ کے ساتھ پڑھیں۔ واپسی پر ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہمارے وطن میں ہمارا ایک گرجا ہے۔ (ہم اس کو توڑ کر مسجد بنانا چاہتے ہیں) ہم نے جناب سے وضو کا بچا ہوا پانی مانگا تو آپ نے تازہ وضو فرماتے ہوئے کلی کا پانی ایک برتن میں ڈال دیا اور ہم کو فرمایا اب یہاں سے چلے جاؤ۔ جب اپنے وطن پہنچو تو اس گرجے کو توڑ کر اس زمین پر یہ پانی چھڑک دو اور اس کو مسجد میں تبدیل کر لو۔ ہم نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے نبی ہماری بستی دور ہے اور گرمی بھی سخت ہے اور پانی تو خشک ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا جب یہ پانی کم ہوتا دیکھو تو اس میں باہر کا پانی لے کر ڈال دو اس سے اس کی خوشبو اور زیادہ بڑھے گی۔'' (مشکوٰۃ باب المساجد)

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ محدث نسائی نے روایت کی مگر اس روایت کو باسند صحیح ابن حبان رحمہ اللہ نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس میں یہ بات زیادہ ہے کہ:

۱...... اس جماعت میں چھ آدمی حاضر خدمت ہوئے تھے۔

۲...... جب حضور انور ﷺ نے ان کو پانی کا برتن عطاء کیا تو اس کو اٹھانے کا شرف حاصل کرنے پر ان چھ آدمیوں نے جھگڑا کیا۔ یعنی ہر ایک نے اس شرف کو حاصل کرنا چاہا۔ سید دو عالم ﷺ نے ان کی اس ایمانی حرص اور اسلامی جذبے کو دیکھ کر یہ فیصلہ فرمایا کہ باری باری ایک دن اور ایک رات ایک ایک آدمی اٹھائے۔ حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے اس سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''جس چیز کو سید دو عالم ﷺ کے اعضاء مبارکہ کے ساتھ لگ جانے کا شرف حاصل ہوا ہے، اس میں خوشبو اور برکات بڑھتے رہتے ہیں۔'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۴)

ف: احقر مرتب ''رحمت کائنات'' عرض کرتا ہے کہ آپ کے پسینہ کا خوشبودار ہونا اور سارے بدن کا مطہر رہنا احادیث سے ثابت ہے۔

مشرف بہ رسالت ہونے کا علم

نبوت اور رسالت سے مشرف ہونے والے سعادت مند انسانوں کو اس عالم جسمانی میں آنے سے پہلے بھی اپنی نبوت اور رسالت کا علم منجانب اللہ دیا جاتا ہے۔ یعنی ان کو عالم ارواح ہی میں بتایا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی ہیں (علیہم السلام) اور یہ بات کسی بھی انسان کو عالم ارواح میں نہیں بتائی جاتی جیسا کہ سورۃ الدہر میں فرمایا: ''لم یکن شیئا مذکورا (الدھر: ۱)'' انسان کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

مگر انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لانے سے بھی پہلے ادراک، شعور اور سمجھ بوجھ کے ساتھ موصوف ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام سے جناب رسول کریم پر ایمان لانے کا اور ان کی مدد کرنے کا عہد لیا گیا ہے جس کا ذکر (آل عمران: ۸۱) میں ہے۔ اسی طرح سید الانبیاء کو اپنی نبوت کا علم پہلے سے حاصل تھا۔

صحیح حدیث میں ہے: ''عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن)

اس حدیث کی تشریح استاذ محترم حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز یوں فرماتے ہیں: ''آنحضرت کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اس وقت انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لئے ایمانی نصرت کا عہد بھی لیا گیا تھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ اس کو بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے سب سے آخر میں آپ کا ظہور ہوا ہے، اس لئے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس برس کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔'' (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۳۸۱)

بلکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا۔
''مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ'' (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۳۹۲)

اور علامہ مناوی نے فرمایا کہ: ''اِنَّهٗ تَعَالٰی اَخْبَرَهٗ بِمَرْتَبَتِهٖ وَهُوَ رُوْحٌ قَبْلَ اِیْجَادِ الْاَجْسَامِ'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اس عظیم مرتبہ کی اس وقت بھی خبر دی تھی جب کہ آپ عالم ارواح میں تھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ کو عالم اجسام میں آنے سے پہلے بھی اپنی رسالت اور نبوت کا علم عالم ارواح میں تھا۔ جیسا کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ آپ کو نبی بنایا جائے گا تو اس سے آپ کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات تو سب انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت تھی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عالم ارواح میں شرف رسالت اور نبوت سے مشرف تھے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فیوض الحرمین میں تو اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''میں نے سید دو عالم ﷺ سے اپنی زبان سے یہ پوچھا کہ آپ کے ارشاد کا مطلب کیا ہے کہ: ''کُنْتُ نَبِیًّا وَ اٰدَمُ مُنْجَدِلٌ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ'' تو آپ نے اسی مثالی صورت میں ظہور فرمایا جو آپ کی عالم اجسام میں آنے سے پہلے تھی اور پھر آپ نے مجھے وہ سارا منظر دکھایا کہ کس طرح آپ سے پہلے سب انبیاء (علیہم السلام) تشریف لائے اور کس طرح آپ عالم اجسام میں تشریف لائے۔''

اسی طرح آپ کی خوابی چہل حدیث: ''اَلدُّرُّ الثَّمِیْنُ'' میں بھی یہی سوال ہے مگر اس کا طرز سوال روحانی ہے۔ کیونکہ اس وقت سائل خواب میں تھے...... اس خواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سید دو عالم اپنے تمام کمالات کے ساتھ عالم ارواح سے منتقل ہوتے ہوئے عالم اجسام میں تشریف لائے۔ یہ نہیں کہ آپ کو یہ کمالات عالم جسم میں آنے کے بعد عطاء ہوئے بلکہ یہ سب کمالات وہبی اور ازلی ہیں۔ (حاشیہ کوکب دری از شیخ الحدیث زکریا رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۱۱)

مندرجہ ذیل واقعہ سے اس کی مزید وضاحت اور تائید ہو جائے گی۔ اس واقعہ کو صحیح احادیث میں بیان فرمایا ہے: "وَقَدْ صَحَّ اَنَّ اٰدَمَ لَقِیَهٗ مُوْسٰی علیہ السلام فَقَالَ لَهٗ اَنْتَ الَّذِیْ خَلَقَکَ اللّٰهُ بِیَدِهٖ وَنَفَخَ فِیْکَ مِنْ رُوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَکَ مَلٰٓئِکَتَهٗ وَاَسْکَنَکَ جَنَّتَهٗ فَلِمَ عَصَیْتَهٗ قَالَ لَهٗ یٰمُوْسٰی اَنْتَ الَّذِیْ اِتَّخَذَکَ اللّٰهُ کَلِیْمًا وَاَنْزَلَ عَلَیْکَ التَّوْرٰةَ اَلَمْ تَرَ فِیْهَا وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی نَعَمْ فَقَالَ لَهٗ فِیْ کَمْ سَنَةٍ وَجَدْتَ الذَّنْبَ قُدِرَ عَلَیَّ قَبْلَ فِعْلِهٖ قَالَ لَهٗ کُتِبَ عَلَیْکَ قَبْلَ اَنْ تَفْعَلَهٗ بِخَمْسِیْنَ اَلْفِ سَنَةٍ قَالَ یَا مُوْسٰی اَفَتَلُوْمُنِیْ عَلٰی ذَنْبٍ قُدِرَ عَلٰی قَبْلَ اَنْ اَفْعَلَهٗ بِخَمْسِیْنَ اَلْفِ عَامٍ" یہ درست ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے تو ان سے کہا کہ آپ وہ بابرکت ذات ہیں کہ آپ کو مولیٰ کریم نے اپنے (دستِ قدرت) سے پیدا کیا اور اپنے روح سے آپ میں پھونکا اور آپ کے لئے ملائکہ کو سجدے کا حکم دیا اور آپ کو اپنی جنت میں ٹھہرایا۔ پھر آپ نے خدا کا حکم کیوں نہ مانا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے موسیٰ خداوند کریم نے آپ کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا۔ آپ پر توریت نازل ہوئی آپ نے اس توریت میں یہ نہیں پایا کہ حضرت آدم نے اپنے رب کی بات بھول کر چھوڑ دی حضرت موسیٰ نے کہا ہاں میں نے یوں لکھا ہوا پایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا تو آپ نے کتنا زمانہ اس کو پہلے لکھا ہوا پایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ۵۰ ہزار سال قبل تو آدم علیہ السلام نے فرمایا پھر آپ مجھے کس طرح ملامت کر سکتے ہیں۔ ایسے کام کرنے پر جو ۵۰ ہزار سال پہلے ہی لکھا گیا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہزاروں برس کا وقفہ ہے، پھر ان کا شعور اور ادراک جسم کے علاوہ بھی پایا گیا ہے اور ان کی اس گفتگو کو جناب رسول اکرم نے بیان فرمایا۔

حضور انور ﷺ کا دل بیدار

تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت منجانب اللہ ہے کہ ان کی نیند بھی وحی ہے یعنی جو وہ خواب میں دیکھتے ہیں اس کا وہی حکم لیا جاتا ہے جو بیداری میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو جب اس کا ذکر اپنے اسی بیٹے علیہ السلام سے کیا تو انہوں نے جواب میں یہ عرض کیا کہ: "یابت افعل ماتومر ستجدنی ان شاءاللہ من الصابرین (الصافات: ۱۰۲)" اے میرے باپ تو کر لے جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے مجھے توان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام کی نیند وحی سمجھی گئی۔ خصوصاً سید الانبیاء کا دل ہمیشہ بیدار رہا ہے، اس کی حکمت یہ بھی ہے کہ قرآن عزیز کا نزول آپ کے قلب منور پر ہوا۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: "فانہ نزلہ علی قلبک باذن اللہ (البقرۃ: ۹۷)" بے شک اس نے قرآن کریم کو اتارا آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اس لئے نیند کی حالت میں بھی آپ کو باہر کی باتوں کا ادراک رہتا تھا۔ جیسا کہ آپ کی خدمت میں فرشتوں کی آمد اور ان کی آپس میں بات چیت۔ آپ کی رسالت کی مثال دینے کے بارہ میں جو ہوئی سب آپ کو معلوم رہی۔ صحیح حدیث میں ہے: "عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَتْ مَلٰٓئِکَةٌ اِلَی النَّبِیِّ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوْا اِنَّ لِصَاحِبِکُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانٌ فَقَالُوْا مَثَلُهٗ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا وَجَعَلَ فِیْهَا مَادُبَةً وَبَعَثَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَکَلَ مِنَ الْمَادُبَةِ وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ

الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَادُبَۃِ فَقَالُوْا اَوِّلُوْهَا لَهٗ یَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَۃٌ وَّالْقَلْبَ یَقْظَانُ فَقَالُوْا الدَّارُ الْجَنَّۃُ وَالدَّاعِیْ مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰی مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ" (رواہ البخاری، مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں پہنچی۔ جب کہ آپ سو رہے تھے تو انہوں نے آپس میں کہا کہ تمہارے اس بزرگ ساتھی کی ایک مثال ہے جسے تم بیان کر دو تو بعض فرشتوں نے کہا کہ آپ تو سو رہے ہیں۔ (اس لئے مثال بیان کرنے کا کیا فائدہ) اور دوسرں نے کہا آپ کی صرف آنکھ سو رہی ہے دل تو جاگتا ہے۔ (اس لئے جو کہا جائے گا آپ سمجھ لیں گے) تو انہوں نے کہا کہ آپ کی مثال یہ کہ ایک آدمی نے گھر بنایا اور اس میں کھانا چن دیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا (کہ لوگوں کو کھانے کے لئے بلائے) پس جو بلانے والے کی بات مان کر آ جائے گا، گھر میں داخل ہو جائے گا اور کھانا بھی کھا لے گا اور جو بلانے والے کی بات نہ مانے گا وہ تو گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھا سکے گا۔ پس ان ہی فرشتوں نے آپس میں کہا اس مثال کی تشریح اور وضاحت کر دو تا کہ یہ عالی ذات سمجھ جائے اس پر بعض فرشتوں نے کہا کہ آپ تو سوئے ہوئے ہیں اور بعض نے کہا آنکھ سو رہی ہے دل بیدار ہے۔ تب انہوں نے کہا بلانے والے تو محمد (ﷺ) ہیں اور گھر جنت ہے۔ پس جس نے محمد (ﷺ) کی بات قبول کر لی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی بات قبول کر لی اور جس نے محمد (ﷺ) کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد (ﷺ) ہی کافر اور مومن کے درمیان حد امتیاز ہیں۔"

ف: قرآن عزیز میں آپ کو داعی کا لقب بھی دیا گیا۔ فرمایا: "وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا (الاحزاب: ۴۶)" اور بلانے والے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے حکم سے اور ہمیشہ روشن رہنے والے چراغ۔

اور فرمایا: "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء: ۸۰)" اور جس نے حکم مانا رسول کریم کا پس اس نے حکم مانا اللہ تعالیٰ کا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "عَنْ رَبِیْعَۃَ الْجُرَشِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ فَقِیْلَ لَهٗ لِتَنَمْ عَیْنُکَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُکَ وَلْیَعْقِلْ قَلْبُکَ قَالَ فَنَامَتْ عَیْنِیْ وَسَمِعَتْ اُذُنَایَ وَعَقَلَ قَلْبِیْ قَالَ فَقِیْلَ لِیْ سَیِّدٌ بَنٰی دَارًا فَصَنَعَ فِیْهَا مَادُبَۃً وَّاَرْسَلَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَکَلَ مِنَ الْمَادُبَۃِ وَرَضِیَ عَنْهُ السَّیِّدُ وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَادُبَۃِ وَسَخِطَ عَلَیْهِ السَّیِّدُ فَاللّٰهُ السَّیِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِیْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَادُبَۃُ الْجَنَّۃُ" (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"ربیعہ جرشی سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فرشتے آئے۔ پس آپ کے بارہ میں کہا گیا کہ آپ کی آنکھ سو جائے مگر کان سنتے رہیں اور آپ کا دل سمجھتا رہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھ سو گئی اور کانوں نے سنا اور دل نے بات کو سمجھا۔ پس مجھے کہا گیا کہ ایک سردار نے گھر بنایا اور اس میں کھانا لگایا اور کھانا کھانے کے لئے لوگوں کو بلانے والا بھیجا۔ پس جس نے بلانے والے کی بات مان لی وہ تو گھر میں داخل ہو گیا اور کھانا بھی کھا لیا اور اس سے مالک بھی خوش ہو گیا اور جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی وہ گھر میں داخل نہ ہوا اور نہ کھانا کھایا اور اس پر مالک غصے بھی ہوا، پس اللہ تعالیٰ تو مالک ہے اور محمد (ﷺ) بلانے والے ہیں اور اسلام گھر ہے اور دستر خوان جنت ہے۔"

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ نیند کے وقت سید دو عالم ﷺ کی صرف آنکھ سوتی تھی قوت سماع اور دل بیدار

رہتا تھا تو اب نیند سے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا۔ جیسا کہ امام محمد ؒ کی کتاب الآثار میں ہے: ”قَالَ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَوَجَدَ الْمُؤَذِّنَ قَدْ اَذَّنَ فَوَضَعَ جَنْبَهٗ فَنَامَ حَتّٰی عُرِفَ مِنْهُ النَّوْمُ وَكَانَتْ لَهٗ نَوْمَةٌ تُعْرَفُ كَانَ يَنْفُخُ اِذَا نَامَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی بِغَيْرِ وُضُوْءٍ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ اِنَّ النَّبِیَّ لَیْسَ كَغَیْرِهٖ“ امام محمد ؒ نے فرمایا کہ ہم کو ابو حنیفہ ؒ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے یہ روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور مسجد تشریف لے گئے، موذن اذان سے فارغ ہو چکا تھا تو سید دو عالم ﷺ سو گئے۔ ایسی گہری نیند سو گئے کہ دوسرے آدمیوں کو بھی اس کا پتہ چل گیا کیونکہ سید دو عالم اپنی نیند میں زور زور سے سانس لیا کرتے تھے پھر آپ بوقت نماز اٹھے اور وضو کرنے کے بغیر آپ نے نماز ادا فرمائی ابراہیم نے فرمایا کہ سید دو عالم ﷺ دوسرے انسانوں کی طرح نہ تھے۔“

”قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ بِهٖ نَاْخُذُ نَا بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ فَالنَّبِیُّ فِیْ هٰذَا لَیْسَ كَغَیْرِهٖ فَاَمَّا مَنْ سِوَاهُ فَمَنْ وَضَعَ جَنْبَهٗ فَنَامَ فَقَدْ وَجَبَ عَلَیْهِ الْوُضُوْءُ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ ؒ۔“ امام محمد ؒ نے فرمایا کہ ہم اسی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا، اس لئے سید دو عالم ﷺ کا ہی یہ خاصہ ہے۔ دوسرا کوئی اگر پہلو کے بل سو جائے گا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز کے لئے وضو کرنا ہوگا اور یہی امام ابو حنیفہ ؒ کا قول ہے۔

دو اور روایات درج کی جاتی ہیں:

۱...... ”اِبْنُ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ زُرْتُ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَ ؓ فَوَافَقْتُ لَیْلَةَ النَّبِیِّ فَقَامَ مِنَ الَّیْلِ یُصَلِّیْ ثُمَّ نَامَ فَلَقَدْ سَمِعْتُ صَفِیْرَهٗ قَالَ ثُمَّ جَآءَ بَلَالٌ یُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَخَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ وَلَمْ یَمَسَّ مَاءً“ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا (جو کہ سید دو عالم ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں) اور حسن اتفاق سے وہ رات سید دو عالم ﷺ کے ان کے گھر آرام فرمانے کی تھی۔ چنانچہ سید دو عالم ﷺ رات کو تشریف لائے اور کافی حصہ رات کا نماز میں گزارا، پھر سو گئے۔ میں نے سید دو عالم ﷺ کی زوردار آواز کو سنا۔ پھر بلال ؓ حاضر خدمت ہوئے اور نماز کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے وضو نہیں فرمایا اور تشریف لے گئے۔ (کتاب الآثار للامام ابی یوسف ؒ ص ۸)

۲...... ”عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ یَنَامُ حَتّٰی یَنْفُخُ ثُمَّ یَقُوْمُ فَیُصَلِّیْ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ“ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ سید دو عالم ﷺ اتنی گہری نیند سو جایا کرتے تھے کہ خراٹوں کی آواز آتی مگر جب نماز پڑھتے تو وضو نہ فرمایا کرتے تھے۔ (حاشیہ کتاب الآثار للامام محمد ؒ ص ۲۳۵)

ان سب روایات کو دیکھنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سید دو عالم کی بشری خصوصیات میں یہ عظیم خصوصیت بھی ہے کہ آپ کی نیند ناقض وضو نہیں اور نہ ہی آپ کی قوت سامع اور قوت عقل و فہم سلب ہوتی ہے یا کمزور ہوتی ہے۔ جب کہ دوسرے تمام انسانوں کے لئے نیند موت کا بھائی کہلائی جاتی ہے، اسی سے روضہ اطہر میں بھی آپ کی حیات مبارکہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ف: کتنا ایمان افروز خراج عقیدت بانی دارالعلوم دیوبند نے حضور انور ﷺ کے حضور پیش کیا ہے۔

تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی　　　تو نور دیدہ ہے گرہیں وہ دیدۂ بیدار

چنانچہ ہر نبی علیہ السلام احتلام سے محفوظ تھے۔ یہی حکمت ہے کہ سید دو عالم ﷺ سے نیند میں بھی کوئی غیر اولیٰ کام نہیں ہونے دیا گیا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ثابت ہے: ''رسول کریم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں کہ میرے پاس دو مرد آئے ایک ان میں سے بڑا تھا تو میں نے مسواک چھوٹے کو دے دی مجھے کہا گیا کہ بڑے کو مسواک دیں۔ چنانچہ میں نے مسواک بڑے کو دے دی۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر بطحاء کی طرف تشریف لے گئے مجھے بٹھا کر میرے اردگرد ایک لکیر ڈالی اور فرمایا کہ تم یہاں سے نہ نکلنا اور نہ کسی سے بات چیت کرنا پھر خود کہیں تشریف لے گئے اور رات کے آخری حصہ میں تشریف لا کر میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے اور آپ کی یہ عادت شریفہ تھی کہ نیند کے وقت خراٹے لیا کرتے تھے۔ (اس لئے مجھے معلوم ہوا کہ آپ سو گئے ہیں) تو اس حالت میں جب کہ آپ نے میری ران کو شرف بخشا ہوا تھا اور سو رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ چند انسان سفید پوش بے حد جمیل اور خوبصورت اندر آئے۔ ان میں سے چند ایک رسول کریم کے سر مبارک کے پاس گئے اور کچھ آپ کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے اور آپس میں یوں کہنے لگے ہم نے ایسا کوئی خدا کا بندہ نہیں دیکھا جس کو وہ کمالات دیئے گئے ہوں جیسا کہ نبی کریم کو دیئے گئے ہیں۔ آپ کی دونوں آنکھیں تو سو رہی ہیں مگر آپ کا دل جاگتا ہے پھر وہ اٹھ کر چلے گئے اور آنحضرت بھی نیند سے بیدار ہوئے اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے جو یہ کہہ رہے تھے سنا اور کیا تو جانتا ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ میں نے عرض کیا: ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فِدَاکَ زَوْجِیْ اَبِیْ وَاُمِّیْ'' اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے۔ (حدیث ترمذی ج ۱ ص ۵۴)

اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول کریم ﷺ کو نیند سے نہیں جگایا کرتے تھے کہ کہیں آپ پر وحی نہ آ رہی ہو۔ بخاری شریف میں ہے: ''عَنْ عِمْرَانَ رضی اللہ عنہ وَکَانَ النَّبِیُّ اِذَا نَامَ لَمْ نُوْقِظْهُ حَتّٰی یَکُوْنَ هُوَ یَسْتَیْقِظُ لَانَدْرِیْ مَایَحْدُثُ لَهٗ فِیْ نَوْمِهٖ'' حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب سوتے تھے تو ہم آپ کو نہ جگاتے تھے اس لئے کہ ہم نہیں جانتے کہ آپ کی نیند میں کیا رونما ہونے والا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ رحمہ اللہ نے ابن عربی سے نقل فرمایا ہے کہ: ''آنحضرت کی عبادت اور دوسرے تمام حالات نیند اور بیداری میں یکساں تھے۔'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۱)

اسی طرح علامہ انور شاہ رحمہ اللہ نے العرف الشذی میں فرمایا کہ: ''نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بخاری کی الابواب والتراجم میں علامہ بوصیری کے قصیدہ برأۃ الداء سے شہادت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

لَاتُنْکِرِ الْوَحْیَ مِنْ رُّؤْیَاهُ اِنَّ لَهٗ　　قَلْبًا اِذَانَامَتِ الْعَیْنَانُ لَهٗ یَنَمْ

''آپ کی نیند کی وحی کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جب آپ کی آنکھیں سوتی تھیں تو آپ کا دل اس وقت بھی بیدار رہتا تھا۔''

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر سید دو عالم ﷺ کی نیند عام انسانوں کی طرح نہ تھی تو پھر غزوہ خیبر سے واپسی پر جب کہ آپ نے

آرام فرمالیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس امر پر مقرر فرمایا کہ وہ وقت کا خیال رکھے مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور سب صحابہ حتیٰ کہ سید دوعالم ﷺ بھی سو گئے اور آپ کو سورج کی کرنوں نے جگایا، یہ حالت کیسے ہوگئی؟

اس کے جوابات تو بہت دیئے گئے ہیں اور وہ سب از روئے مطلب حدیث درست ہیں مگر زیادہ بہتر اور ارشاد سید دوعالم ﷺ کے مناسب علامہ نووی رحمہ اللہ کا جواب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کا دل جاگتا تھا، جن امور کا تعلق دل کے ساتھ تھا وہ آپ کو معلوم رہتے تھے مگر جن امور کا تعلق آنکھ کے ساتھ تھا وہ آپ سے اوجھل رہتے تھے۔ سورج کا دیکھنا، روشنی کا دیکھنا اس کا تعلق تو آنکھ کے ساتھ ہے اور آپ نے خود فرمایا ہے کہ میری آنکھ سوتی ہے۔ اس کی تفصیل عینی شرح (بخاری ج ۴ ص ۲۸) میں ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

ف: چونکہ نیند اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جیسا کہ فرمایا: ''وجعلنا نومکم سباتا (النباء: ۹)'' اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لئے آرام کا سبب بنایا ہے۔

اس لئے سید دوعالم ﷺ پر ایسی نیند طاری کر دی جاتی تھی۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

بعض لوگ قرآن عزیز کی آیت: ''قل انما ان بشر مثلکم یوحٰی الی انما الٰهکم الله واحد (الکهف: ۱۱۰)'' آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میں تم جیسا ایک آدمی ہی ہوں میری طرف وحی کی گئی کہ تم سب کا معبود برحق ایک ہی ہے، کا استدلال کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ سید الانبیاء میں اور باقی انسانوں میں صرف یہ فرق ہے کہ آپ پر وحی آتی تھی اور دوسرے انسانوں پر وحی نہیں آتی۔ حالانکہ جس ذات عالی صفات کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا اس کو ساری کائنات سے چن کر بنایا اور یہ شرف اور فرق سب شرافتوں اور فضائل سے اعلیٰ اور برتر ہے جس کی تفصیل کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح اس ارشاد قرآنی: ''قل انما ان بشر مثلکم یوحٰی الی انما الٰهکم الله واحد (الکهف: ۱۱۰)'' میں تو شان رفیع سید دوعالم ﷺ کو بیان فرمایا آپ پر وحی کا نزول ہی اس امر کی واضح اور روشن دلیل ہے کہ خداوند قدوس نے آپ میں وہ استعداد بطرز اتم اور بطور اکمل ودیعت فرمائی تھی جس کی بناء پر اکتساب فیض ربانی اور انجذاب وحی آسانی آپ فرما لیتے تھے۔ بالفاظ مولانا سعید احمد اکبر آبادی (فاضل دیوبند)

''کسی سعادت مند روح پر جب آفتاب حقیقت پرتو فگن ہوتا ہے تو اس کی شعائیں شبنم کے قطروں کی طرح اس روح کو اپنے جلوہ گاہ انوار میں جذب کر لیتی ہیں۔ پھر عقل کا دوسرا رخ جو جانب فوق سے متصل ہے، یعنی ''سِرّ'' وہ ابھرتا ہے اور اب وہ اس مجرد صرف سے حکایت کرنے لگ جاتا ہے۔ جو ''وَلَاعَیْنٌ رَأَتْ ولا اذن سَمِعَتْ'' کا مصداق ہے، جو زبان ومکان کی حد بندیوں سے بلند و بالاتر ہے۔ اس موقع پر یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ قلب اور عقل یہ دونوں جس طرح انبیاء میں ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں قلب اور عقل کا وہ رخ جو روح اور سِرّ کہلاتا ہے۔ اس درجہ بلند اور قوی ہوتا ہے کہ کسی اور انسان میں یہ بات نہیں ہوتی۔ اس بناء پر ان کو عالم فوق سے اتصال ہوتا ہے اور انہیں ایسے ایسے مقامات اور احوال اور مزایا پیش آتے ہیں جو دوسروں کے گمان میں بھی نہیں آ سکتے۔ قرآن مجید میں حضور پر نور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے جو ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ'' تو اس میں ''انما انا بشر مثلکم اعضاء

وجوارح" میں انسانوں کے ساتھ مشارکت کی بناء پر ہے اور پھر "یُوْحیٰ اِلَیَّ" جو فرمایا گیا ہے تو اس میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قلب وعقل کے دو فوقانی رخ جو حضرت شاہ ولی اللہ کی زبان میں روح اور سر ہیں وہ اس درجہ بلند اور ارفع ہیں کہ آنحضرت مہبط وحی ہیں۔" (وحی الٰہی ص ۴۰)

اس لئے اس امر پر ایمان لانا ضروری ہے کہ سید دو عالم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اگرچہ حسب ارشاد قرآنی بشر ہیں مگر ان کی استعداد اور ادراک باقی تمام انسانوں سے ممتاز اور بلند ترین ہونے کی وجہ سے ان کے حواس ظاہریہ میں بھی ممتاز حیثیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ مولانا اکبر آبادی ہی نے فرمایا: "یہی وہ عام فطرت انسانی سے مافوق باطنی استعداد ہوتی ہے جس کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے حواس عام انسانی حواس سے بہت زیادہ تیز اور ان کا شعور اور ادراک دوسرے لوگوں کے شعور وادراک سے کہیں زیادہ بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے۔ اب وہ خدا سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اسطوانہ حنانہ کے گریہ کی آواز سن سکتا ہے۔ کنکریوں کی تسبیح سے اس کے کان آشنا ہوتے ہیں اور وہ سب کچھ دیکھ سکتا ہے اور سن سکتا ہے جو دوسرے لوگ تہ بہ تہ حجابات نظر وسمع کی وجہ سے دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ حریم اسرار ازلی کے محرم راز حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ (وحی الٰہی ص ۱۲۹)

فلسفی منکر شود در فکر و ظن　　　گو بر و سر را بر آں دیوار زن

نطق آب و نطق باد و نطق گل　　　ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است　　　از حواس انبیاء بیگانہ است

ف: سید دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں پہلے پہلے لکڑی کے ایک ستون کے ساتھ سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس ستون کو چھوڑ دیا تو وہ ستون رونے لگا جس کی آواز کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنا۔

"(درضمن حدیث وحی بخاری شریف) آنحضرت ﷺ نے کیا دیکھا، ناموس اعظم (حضرت جبریل علیہ السلام) نے کیا کہا، کیا کیا مشاہدات ہوئے، یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں، ایک مادرزاد اندھے کو روشنی کی حقیقت لاکھ کھول کر سمجھایئے، کوئی بات اس کے ذہن نشین نہیں ہوتی۔ کیا محض اس بناء پر نابینا کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ روشنی کے وجود کا ہی سرے سے انکار کر دے۔" (وحی الٰہی ص ۴۰)

ف: اس مدلل اور مفصل بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ از روئے قرآن وحدیث اللہ تعالیٰ کا نبی باوجود بشر ہونے کے بشری صفات میں دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے اور اس کو مافوق البشر صفات منجانب اللہ عطاء ہوتی ہیں اور یہی عقیدہ قرآن وحدیث کی روشنی میں حق ہے۔

تنبیہ: جس طرح بعض بے احتیاط اور دینی عقائد سے وہ ناسمجھ جن کے دلوں میں حب نبی کریم موجزن نہیں یہ کہہ دیتے ہیں آنحضرت ایک انسان تھے نہ تو وہ فوق البشر حیثیت کے مالک تھے اور نہ ہی بشری کمزوریوں سے پاک تھے، اسی طرح بعض بے باک یہ بھی کہنے میں باک نہیں رکھتے۔ "آپ کا کام صرف اتنا ہی تھا کہ اللہ کریم کا پیغام پہنچا دیا۔" حالانکہ از روئے عقائد اسلامیہ کتاب وحدیث کی روشنی میں آپ بشری کمزوریوں سے بھی پاک تھے۔ آپ معصوم کامل تھے اور ان صفات عالیہ کے مالک تھے جو دوسرے کسی بھی انسان کو عطاء نہیں کی گئیں۔ شاعر دربار نبوت مؤید بروح القدس حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا۔

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

"آپ ہر عیب اور کمزوری سے پاک پیدا کیے گئے...... گویا کہ جیسا آپ نے چاہا تھا اسی طرح پیدا کیے گئے۔"

اسی عقیدہ فضیلت اور رفع درجات کا خود حضور انور ﷺ نے تشریعی اور تکوینی امور اور واقعات میں اظہار فرمایا، یہاں صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فریضہ حج کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! "تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کیا کرو۔" مخاطبین میں سے ایک مرد نے عرض کیا کیا ہر سال ہر ذی استطاعت پر حج فرض ہے؟ (سائل نے شاید حج کو بھی زکوٰۃ اور روزہ پر قیاس کیا ہوگا) حضور انور ﷺ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ سائل نے تین مرتبہ پوچھا۔ اس پر حضور انور ﷺ نے فرمایا: "لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَاءِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ" اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور پھر تم لوگ برداشت نہ کر سکتے۔ پھر فرمایا جب میں بات کہنی چھوڑ دوں تو تم بھی چھوڑ دیا کرو۔ تم سے پہلی امتیں اسی لئے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے بہت زیادہ سوالات کئے اور اختلاف کئے۔ اس لئے تم یاد رکھو جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو جتنی طاقت ہو۔ اس پر عمل کیا کرو اور جب میں تم کو کسی کام سے روکوں تو رک جاؤ۔ (رواہ مسلم)

جیسا کہ (الحشر: ۷) میں فرمایا: "وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا" اور جو تمہیں اللہ کا رسول دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکے پس تم اس سے رک جاؤ۔

(اس موضوع کی مدلل تحقیق میری کتاب "ضرورتِ حدیث" میں ملاحظہ فرمائیں)

تشریعی خصوصیات

جس طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی اور اس کے مقابلہ میں اپنی رائے اور اختیار پر عمل کرنا ایمان کے منافی ہے۔ اسی طرح امام الانبیا سید دو عالم ﷺ کے کسی بھی فیصلہ سے سرتابی ایمان کے منافی ہے۔ ارشاد قرآنی ہے: "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)" اور کسی ایماندار مرد اور کسی ایماندار عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے جب کہ اللہ اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دے دیں کہ پھر ان کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ کھلی گمراہی میں پڑ جائے گا۔

آپ کی اطاعت کو خداوند قدوس نے بعینہٖ اپنی اطاعت قرار دیا۔ فرمایا: "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء: ۸)" اور جس نے رسول اللہ (ﷺ) کا حکم مانا پس اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ہدایت قرار دیا۔

فرمایا: "وان تطیعوہ تھتدوا (النور: ۵۴)" اور اگر تم نبی کی پیروی کرو گے ہدایت پا لو گے۔

کیونکہ سید دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو بات منجانب اللہ آپ پر نازل ہوئی۔ اس کو آپ نے

پہنچادیا مگر آپ کو چند تشریعی اختیارات سے بھی نوازا گیا ہے۔ آپ کی ہاں بھی شریعت اور نہ بھی شریعت ہے جس کی مثالیں گزر چکی ہیں مزید تین یہاں درج کی جاتی ہیں۔

۱...... قرآن عزیز نے کسی واقعہ کے اثبات کے لئے دو مردوں کا گواہ ہونا ضروری قرار دیا ہے یا پھر ایک مرد اور دو عورتیں جیسا کہ (بقرہ: ۲۸۲) میں ارشاد ہے مگر سید دو عالم ﷺ نے ایک واقعہ میں ایک مرد کی شہادت کو ہمیشہ کے لئے دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی ؒ نے اپنی مستند کتاب ''خصائص کبریٰ'' میں ایک باب بعنوان: ''اختصاصہ بِاَنَّهُ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَاشَاءَ مِنَ الْاَحْكَامِ '' یعنی یہ بھی سید دو عالم ﷺ کی خصوصیت ہے کہ جس کے لئے جو بھی حکم چاہیں خصوصی طور نافذ فرمادیں۔'' بیان فرمایا ہے اس میں خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ابوداؤد اور نسائی کے حوالہ سے روایت فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور خود قیمت لانے کے لئے تشریف لے گئے۔ ادھر کچھ اور لوگوں نے (جو اس سودا سے بے خبر تھے) اس اعرابی کو زیادہ قیمت دینے کا اظہار کیا جس پر اعرابی نے سید دو عالم ﷺ کو گھوڑا دینے سے انکار کر دیا۔ جب حضور انور ﷺ قیمت لے کر تشریف لائے تو اس نے اس سودے سے انکار کر دیا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ تو نے یہ گھوڑا مجھ پر بیچ دیا ہے۔ مگر اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے پاس اگر کوئی گواہ ہے تو پیش فرمادیں۔ یہ بات چیت ہو رہی تھی کہ حضرت خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ آگئے اور انہوں نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا سید دو عالم ﷺ پر بیچا ہے۔ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے اس کو فرمایا: ''لِمَ تَشْهَدُ'' تو کس طرح گواہی دیتا ہے کہ اس نے مجھ پر یہ گھوڑا بیچا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں جناب کو سب سے بڑا سچا یقین کرتا ہوں، اس لئے میں یہ شہادت دیتا ہوں۔ اگرچہ میں اس وقت موجود نہ تھا، امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے اس یقین کے اظہار پر صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت دو مردوں کے برابر قرار دی۔ (خصوصیات کبریٰ ج ۲ ص ۳۵۳)

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے اس فیصلے کو بعد میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برقرار رکھا جب کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے قرآن حکیم کو شہادت کی روشنی میں بالترتیب جمع کر رہے تھے، اس وقت سورۃ توبہ کی آخری دو آیتیں صرف حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تحریر شدہ ملیں جن کو مصحف شریف میں درج کر دیا گیا۔ (خصوصیات کبریٰ)

اسی خصوصیت تشریعی کے دو واقعے اور بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔ بخاری شریف کی کتاب الصوم اور کتاب الہبہ میں دو واقعات کا ذکر ہے۔

۲...... ایک آدمی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ رمضان میں جماع کر لیا ہے۔ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تیرے پاس ایک غلام ہے جس کو اس گناہ کے کفارہ میں آزاد کر دے؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر حضور انور ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھ سکے گا؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکے گا؟ اس نے عرض کیا: نہیں۔ وہ دربار نبوت میں حاضر ہی تھا کہ حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک بہت بڑا ٹوکرا کھجوروں کا بھرا ہوا آگیا۔ حضور انور ﷺ نے اس کو فرمایا کہ یہ لے جا اور غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دے۔ (تا کہ تیرا کفارہ ادا ہو جائے) اس نے عرض کیا: اے سید دو عالم ﷺ! اللہ تعالیٰ کی قسم اس علاقے میں مجھ سے زیادہ کوئی فقیر اور محتاج نہیں۔ امام

الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا: لے جاؤ اور اپنے بال بچوں کو کھلا دے۔" (بخاری شریف)

۳...... ایک آدمی نے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا ہے اور اب رجوع کرنا چاہتا ہوں، اس کے ساتھ بھی سید دو عالم ﷺ کی وہی بات چیت ہوئی۔ (کیونکہ اس کا کفارہ بھی وہی ہے) اس کو بھی امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے کھجوریں دے کر فرمایا کہ ان کو اپنے کفارہ ظہار کے طور پر تقسیم کر دے تو اس نے بھی یہی عرض کیا کہ اس سارے علاقے میں مجھ سے اور میرے بال بچوں سے زیادہ محتاج اور کوئی نہیں۔ امام الانبیاء حضور انور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ لے جاؤ اور اپنے بال بچوں کو دے دے۔ (بخاری شریف)

فقہاء اور محدثین حضرات کی علمی ابحاث سے قطع نظر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ سید دو عالم ﷺ تشریعی احکام میں جو ارشاد فرمائیں وہ شریعت ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "وَفِی لَفْظٍ لِاَبِیْ دَاؤُدَ زَادَ الزُّهْرِیُّ اِنَّمَا كَانَ هٰذَا رُخْصَةً لَّهٗ خَاصَّةً وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا فَعَلَ ذٰلِکَ الْيَوْمَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ بُدًّا مِّنَ التَّكْفِيْرِ وَجَمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ عَلٰى قَوْلِهٖ" یعنی اور کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اپنا کفارہ خود کھا لے۔ (روح المعانی، المجادلہ)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ شریعت ساز بھی ہیں۔

اسی طرح تکوینی امور میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو خصوصیت عطاء فرمائی تھی جیسا کہ واقعہ ذیل سے ظاہر ہے: "حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں کسی نے ایک بکری ہدیۃً دی تو ہم نے اس کو بڑی ہانڈی (دیگ) میں ڈال کر پکانا شروع کیا۔ اتنے میں سید دو عالم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا ابورافع رضی اللہ عنہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ہمیں ایک بکری ہدیہ کی گئی ہے وہ ہم نے ساری پکا دی ہے تو سید دو عالم ﷺ نے فرمایا مجھے ایک دستی دے، میں نے دیگ سے نکال کر پیش کر دی۔ حضور انور ﷺ نے تناول فرمالی اور پھر حکم فرمایا کہ مجھے ایک اور دستی دے دے۔ میں نے دوسری بھی دے ڈالی۔ اس کو تناول فرمانے کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ مجھے ایک اور دستی بھی دے دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بکری کی دو ہی دستیاں تو ہوتی ہیں، یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: "اَمَا اَنَّکَ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِیْ ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَا سَكَتَّ" اگر تو خاموش رہتا تو بکری کی دستی کے ساتھ دستی دیتا رہتا جب تک کہ تو چپ رہتا۔ اس واقعہ کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس واقعہ سے آپ ﷺ کی وہ ممتاز حیثیت ثابت ہوتی ہے جو دوسرے کسی انسان کو حاصل نہیں۔

آپ ﷺ قیامت تک کے لئے نبی اور رسول اور مرسل ہیں اور زیارت کرنے والوں کے لئے شفاعت کا وعدہ فرماتے ہیں اور آپ ﷺ کے توسل سے گناہوں کی مغفرت یقینی ہو جاتی ہے۔

ان ہی خصوصیات میں سے عظیم اور اعلیٰ خصوصیت یہ ہے کہ بعض سعادت مندوں کو خواب میں زیارت کا شرف بخشتے ہیں اور بعض کو بیداری میں بھی یہ شرف مل جاتا ہے اور جو وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام کہے اس کو خود سنتے ہیں اور دور سے کہنے والوں کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں اور سید دو عالم ﷺ روضہ اطہر میں حیات ہیں اور آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ امت کا تعلق آپ ﷺ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ رہے تاکہ امت دونوں جہانوں کی رحمتوں سے مالا مال ہو جائے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ درود پڑھنے کا حکم فرمایا اور ارشاد عالی کے مطابق: "اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو زیادہ سے زیادہ قریب آنے کا ایک قوی ذریعہ درود شریف کو قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے دن میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے مجھ پر درود زیادہ پڑھا ہوگا۔" (ترمذی شریف)

چنانچہ درود شریف کی برکات اور اسلام میں اس کے درجہ اور مقام کے بارہ میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام ؓ نے روایت فرمایا ہے:

ابو مسعود الانصاری ؓ	ابو حمید الساعدی ؓ	طلحہ بن عبید اللہ
علی بن ابی طالب ؓ	بریدہ بن الحصیب ؓ	ابن مسعود ؓ
ابو طلحہ انصاری ؓ	عمر بن الخطاب ؓ	عبد الرحمن بن عوف ؓ
اوس بن اوس ؓ	حسین بن علی ؓ	براء بن عازب ؓ
ابو رافع مولیٰ رسول ﷺ	عبد اللہ بن ابی اوفیٰ ؓ	عبد الرحمن بن بشر بن مسعود ؓ
عمار بن یاسر ؓ	ابو امامہ بن سہل بن حنیف ؓ	عبد اللہ بن جزء زبیدی ؓ
ابو ذر ؓ	ابو بکر صدیق ؓ	عمیر انصاری ؓ
کعب بن عجرہ ؓ	ابو سعید خدری ؓ	زید بن حارثہ ؓ
ابو ہریرہ ؓ	سہل بن سعد الساعدی ؓ	فضالہ بن عبید ؓ
انس بن مالک ؓ	عامر بن ربیعہ ؓ	ابی بن کعب ؓ
حسن بن علی ؓ	فاطمہ بنت النبی ؓ	رویفع بن ثابت انصاری ؓ
جابر بن عبد اللہ ؓ	ابو امامہ باہلی ؓ	ابو بردہ بن نیار ؓ
جابر بن سمرہ ؓ	مالک بن الحویرث ؓ	عبد اللہ بن عباس ؓ
واثلہ بن الاسقع ؓ	عبد اللہ بن عمر ؓ	حبان بن منقذ ؓ

(جِلَاءُ الْاَفْھَامِ فِی الصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامِ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ از علامہ ابن قیم جوزیہ (م ۷۵۱ھ) ص ۷، ۸)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے ہاں درود شریف تمام وظائف سے زیادہ محبوب تھا، جیسا کہ: مفسر قرآن حکیم، ابی بن کعب ؓ (جن کو سورۃ البینہ سنانے کا حکم سید دو عالم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا) فرماتے ہیں کہ میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ مَاشِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفُ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلٰوتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمَّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ'' یارسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپ پر درود زیادہ پڑھا کروں اس لئے میں اپنی دعا کے وقت میں سے کتنا حصہ اس کے لئے مقرر کروں تو حضور انور ﷺ نے فرمایا جس قدر تیری مرضی ہے۔ میں نے عرض کیا چوتھا حصہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو تو چاہے اگر زیادہ کر دے تو تیرے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا آدھا حصہ، فرمایا جو تو چاہے اگر زیادہ کر دے تو تیرے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا تو پھر دو تہائی، فرمایا جو تو چاہے مگر زیادہ کر دے تو تیرے لئے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں اپنا سارا وقت دعا کا آپ کے لئے کرتا ہوں۔ (یعنی درود پڑھتا رہوں گا) فرمایا اگر تو نے یہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ تیری تمام پریشانیوں کی کفایت کرے گا اور تیرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

ف ۱: اس حدیث کی تشریح میں نواب قطب الدین خان صاحب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے یہ نقل فرمایا ہے کہ: "جب شیخ بزرگوار عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ نے اس مسکین کو یعنی شیخ عبدالحق کو واسطے زیارت مدینہ منورہ کے رخصت کیا فرمایا جانو اور آگاہ ہو کہ نہیں ہے، اس راہ میں کوئی عبادت بعد اداء فرض کے مانند درود کے اوپر سید کائنات ﷺ کے، چاہئے کہ تمام اوقات اپنی کو اس میں صرف کرنا اور ہر چیز میں نہ مشغول ہونا، اتنا پڑھو کہ ساتھ اس کے رطب اللسان ہو اور اس کے رنگ میں رنگین ہو اور مستغرق ہو اس میں۔" (مظاہر حق)

ف ۲: اگرچہ درود شریف جب بھی پڑھا جائے اس سے قرب رحمت دو عالم ﷺ ہو جاتا ہے مگر جمعہ کے دن حضور انور ﷺ نے زیادہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔

اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر اس جمعہ کو قیامت بپا ہو جائے تو درود شریف پڑھنے کی وجہ سے عذاب سے بچ جائے گا۔ (واللہ الموفق)

۱...... قَالَ رَسُوْلُ ﷺ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ فَقَالَ "اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ"

(رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ، والدارمی، والبیہقی، فی شعب الایمان، مشکوٰۃ)

"جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے سب ایام سے بہتر یوم جمعہ کا ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام بنائے گئے اور اسی دن ان کا سفر ہوا اور اسی دن میں صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت سے پہلے بیہوشی واقع ہوگی۔ پس تم اس دن (سب سے بہتر عبادت جو عذاب سے بچائے) مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو۔ اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی حضرت زندگی میں تو درست معلوم ہوتا ہے مگر آپ کے دنیا سے سفر کر جانے کے بعد جب کہ آپ ﷺ کا جسم بھی دوسرے عام انسانوں کی طرح باقی نہ رہے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا (میں سن لوں گا) اس لئے کہ اللہ کریم نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔"

یعنی یہ روایت اتنے بڑے محدثین کرام اور آئمہ حدیث کے ہاں بالکل صحیح ہے۔

اس حدیث کی شرح میں ہے کہ آپ ﷺ کے دربار اقدس میں ہمیشہ صلوٰۃ وسلام پہنچتا رہتا ہے۔ جب کہ روضہ اقدس کے قریب سید دو عالم ﷺ خود سماع فرماتے ہیں، مگر دور سے فرشتے لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ (عون المعبود ج ۲ ص ۱۷۰)

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے کنایہ ہے۔ اس لئے کہ: "وَالْمَذْهَبُ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ حَيٰوةً حَقِيْقَةً دُنْيَاوِيَّةً" اور صحیح مذہب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ۔ (اشعۃ اللمعات)

کتاب الحج میں حضرت شیخ قدس سرہ العزیز نے فرمایا: "وَلَا خِلَافَ فِيْهِ لِاَحَدٍ" اس مسئلہ میں کسی کا خلاف نہیں ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وَالْاَحَادِيْثُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَيٌّ بِجَسَدِهٖ وَرُوْحِهٖ" احادیث سے پایا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ (جواہر البحار ج ۲ ص ۲۸۳)

جمعہ کی رات کو درود شریف کی کثرت کا فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ: ''وَقَدْ نُقِلَ عَنِ الْاَمَامِ اَحْمَدَ اَنَّهٗ قَالَ تَفْضُلُ لَیْلَةُ الْجُمُعَةِ عَلٰی لَیْلَةِ الْقَدْرِ مِنْ جِهَةِ اِنَّ فِیْهَا حَدَثَ النَّبِیِّ فِیْ رَحِمِ اُمِّهٖ'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے اس لئے اعلیٰ و افضل ہے کہ اس رات کو سید دو عالم ﷺ دنیا میں تشریف لانے کے لئے والد ماجد کی پشت سے والدہ ماجدہ کے رحم اقدس میں تشریف لائے تھے۔''

(لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ عربی قلمی ومطبوعہ)

سبحان اللہ! وجہ ظاہر ہے لیلۃ القدر کو شرف اس لئے ملا کہ اس میں قرآن نازل ہوا جس رات آپ ﷺ عالم بشریت میں تشریف لائے وہ رات یقیناً لیلۃ القدر سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

ف: اگر جناب کے ارشاد کا مطلب بدنی حیات نہ تھی بلکہ روح کی حیات تھی تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوال اور آپ کا جواب بالکل بے ربط ہو جاتا ہے۔

۲...... ''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ یَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُهٗ وَسَلَامُهٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْهَا'' ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے مجھ پر جمعہ کے روز درود زیادہ پڑھیں۔ اس لئے کہ یہ یوم مشہود ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کی فراغت سے پہلے (بہت جلد) میرے ہاں وہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے۔　　　(رواہ ابن ماجہ والمنتقی ص ۱۰۰)

۳...... ''مَامِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ'' جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ کریم مجھ پر میرے روح کو (جو مشاہدہ ذات باری تعالیٰ میں محو ہوتا ہے) لوٹا دیتا ہے تا کہ میں بھی اس پر سلام کا جواب کہہ دوں۔　　　(رواہ ابو داؤد، وصححہ النووی فی الاذکار)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قریب کا سلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور دور کا سلام آپ ﷺ کو پہنچا دیا جاتا ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے آئمہ نے ''حَیْوَۃ ابن شریح'' کی حدیث کی بناء پر درست کہا ہے:

''مَامِنْ اَحَدٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ''

(کتاب الوسیلہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ علامہ احسان الٰہی ظہیر ص ۱۲۵، شائع کردہ ادارہ ترجمان السنۃ لاہور)

ف: مراد روح بھیجنے سے یہ نہیں کہ روح بدن مبارک میں نہیں اب بھیجتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ روح مبارک جو مشاہدۂ رب العزت میں مستغرق ہے، اس کو اس حالت سے افاقت دے کر اس عالم کی طرف متوجہ کرتے ہیں، تا کہ صلوٰۃ وسلام سنے۔ پس اس توجہ اور آگاہ کرنے کو یوں کہا کہ بھیجتا ہے اللہ روح مجھ پر، ورنہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں قبروں میں۔ اب آگے کلام اس میں رہا کہ یہ فضیلت خاص زیارت کرنے والوں ہی کے لئے ہے یا عام ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عام ہے یعنی خواہ دور سے سلام بھیجے یا مزار مبارک پر جا کر، مگر یہ کہ سلام زیارت کرنے والوں کا بے واسطہ ملائکہ کے سنتے ہیں (ﷺ) اور اوروں کا بواسطہ ملائکہ کے۔　　　(مظاہر حق ج ۱ ص ۲۹۹)

علمائے حدیث نے لفظ ''روح'' سے مراد نطق (قوت گویائی) بھی لی ہے۔ ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مجھے قوت گویائی بھی عطاء فرما دیتے ہیں اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ (التاج) اس لئے کہ رد روح کا کلمہ حضور ﷺ نے وہاں فرمایا جہاں توجہ گرامی منعطف کرائی گئی۔ جیسا کہ نیند سے جاگنے پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''رَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ''

حالانکہ اس وقت حضور انور ﷺ زندہ ہی تھے۔ ترمذی میں حضور انور ﷺ کی یہ دعا موجود ہے کہ جب حضور ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَرَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ'' (جلد ثانی ص ۱۷۶)

ف: صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ارشاد اور اس کی کیفیت خود جناب رسول اکرم نے ارشاد فرمادی ہے جس سے اس عقیدہ کی صداقت، صحت اور عظمت ثابت ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب قولہ تعالیٰ: اِنَّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' میں یہ روایت بیان کی ہے ' عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ رضی اللہ عنہ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَمَّا السَّلَامُ عَلَیْکَ فَقَدْ عَرَفْنَاہُ فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ وَھٰکَذَا عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ''

''کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ سلام تو ہم نے جان لیا اب صلوٰۃ کس طرح پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ'' پڑھا کرو۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت علی، ابوحمید، کعب بن عجرہ، طلحہ بن عبید اللہ، ابوسعید، زید بن خارجہ اور بریدہ (رضی اللہ عنہم سے روایات ثابت ہیں)

۴ ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ غَائِبًا اُبْلِغْتُہٗ'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو مجھ پر درود میری قبر کے پاس آکر پڑھتا ہے اس کو تو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے درود پڑھتا ہے مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی فرماتے ہیں: ''اَیْ سَمَاعًا حَقِیْقِیًّا'' یعنی حقیقی طور پر سننا۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف از شیخ الحدیث)

جامعہ اشرفیہ کے سابق شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس فرماتے ہیں: ''میں خود بخود بلا کسی واسطہ کے حقیقی طور پر سنتا ہوں۔'' (التعلیق الصبیح)

ایک سوال: اگر یہ بات درست ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنی بڑی سعادت کو ضرور حاصل کرتے۔ صرف عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل تھا کہ وہ دربار نبوی ﷺ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے تھے۔ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ فعل نہ تھا۔ جیسا کہ کتاب التوحید کی شرح فتح المجید میں کہا ہے۔

جواب: یہ غلط ہے بلکہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول تھا کہ وہ دربار سید دوعالم ﷺ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ بیان کرنے کے بعد امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: ''وَھٰکَذَا کَانَ الصَّحَابَۃُ یُسَلِّمُوْنَ عَلَیْہِ'' اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے۔ (رسائل ابن تیمیہ نمبر ۱۶ ص ۹۰، مطبوعہ مصر)

۵..... ''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلٰئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَا یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ'' حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کہ جناب رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مجھ پر جمعہ کے دن درود وسلام بھیجتا ہے تو مجھ پر اس کا درود پیش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ درود وسلام سے فارغ ہو جائے۔ میں نے عرض کیا حضرت موت کے بعد بھی سنیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ہر نبی زندہ ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد، النسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، الدارقطنی، النووی فی الاذکار، تفسیر ابن کثیر، سورۃ احزاب، مشکوۃ)

تنبیہ: بعض نے کہا ہے کہ یہ جملہ ''نَبِیُّ اللهِ حَیٌّ یُرْزَقُ'' رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ ابن ماجہ کا قول ہے۔ سو اس کا جواب سنئے:

۱...... اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ اس روایت میں یہ جملہ ''مُدْرَجٌ مِنَ الرَّاوِیْ'' ہے تو وہ راوی صحابی ہے۔ صحابی کا یہ عقیدہ ثابت ہوا۔

۲...... دوسری روایت میں جب تصریح ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں تو اب اس جملہ کی تائید و توثیق ہوگئی۔

۳...... اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ یہ ابن ماجہ کا قول ہے تو بھی استدلال درست ہے۔ یہ تو اور بھی تائید ہوگئی کہ ابن ماجہ رحمہ اللہ جیسا محدث جو ۲۷۳ یعنی آج سے گیارہ سو سال پہلے گزرے ہیں اور جن کی جمع کردہ کتاب ''ابن ماجہ'' کو صحاح ستہ جیسی باعظمت اور اسلام کی بنیاد کا ایک رکن اعظم ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ بھی حیات نبوی ﷺ کے قائل ہیں۔ یہ تو اور بھی فائدہ کی بات ہوئی نہ کہ نقصان کی۔

ف: جب کہ شہداء کے متعلق قرآن عزیز کا ارشاد ہے کہ ان کو رزق دیا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، تو انبیاء علیہم السلام کے متعلق کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

۶...... ''وَعَنْ اَبِیْ شِهَابٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَلَغَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا حَمَلَهَا مَلَکٌ حَتّٰی یُؤَدِّیَهَا اِلَیَّ وَیُسَمِّیْهِ حَتّٰی اِنَّهٗ یَقُوْلُ اَنَّ فُلَانًا یَقُوْلُ کَذَا وَ کَذَا'' ابوشہاب زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو جناب رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد پہنچا کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتہ اس کو اٹھا کر میرے ہاں پہنچا دیتا ہے اور اس آدمی کا نام بھی میرے سامنے لے کر یہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی نے یوں درود پڑھا ہے۔ (شفا قاضی عیاض)

ف: پہلے گزر چکا ہے کہ جو سعادت مند دربار اقدس میں حاضر ہو کر درود پڑھتا ہے۔ اس کو سید دو عالم ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور اس کو پہچان لیتے ہیں اور یہ علم قیامت تک رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد عالی ہے: ''اِنَّ عِلْمِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ'' میرا علم میری موت کے بعد بھی اسی طرح رہے گا جس طرح اس دنیا میں میری زندگی میں ہے۔ (وفاالوفا ص ۱۳۵۳)

۷...... ''عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِکَةً سَیَّاحِیْنَ یُبَلِّغُوْنِیْ عَنْ اُمَّتِی السَّلَامَ'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک ایسی جماعت مقرر فرمائی ہے کہ وہ دنیا میں سیر کرتے ہیں جہاں کسی نے سلام بھیجا اور درود پڑھا وہ فوراً پہنچا دیتے ہیں۔ (ترغیب وترہیب)

۸...... ''عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ'' امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھتے رہو تمہارا درود مجھ کو پہنچ جاتا ہے۔ (ترغیب وترہیب)

درود شریف پڑھنے اور اس کے دربار سید دو عالم ﷺ میں دور سے پہنچائے جانے اور قریب سے خود سماع

فرمانے کے بارہ میں اس قدر روایات ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ صرف اسی موضوع پر علماء کرام نے بڑی بڑی مبسوط اور مفصل اور مدلل کتابیں لکھی ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں یہ بھی سید دو عالم ﷺ کی خصوصیت ذکر فرمائی ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں امت کا درود پہنچایا جاتا ہے اور اس سعادت مند کا نام بھی پیش کیا جاتا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ: ''اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ عُرِضَ عَلَیْهِ اِسْمُهٗ'' جب کوئی مسلمان حضور ﷺ پر درود پڑھتا ہے تو نام کے نشان کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔''

ف: یہ طریقہ علماء سلف سے لے کر آج تک جاری ہے کہ جب کسی مدینہ منورہ جانے والے کو دربار سید دو عالم ﷺ میں سلام عرض کرنے کا پیغام دیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے، مثلاً اے سردار دو عالم ﷺ قاضی غلام جیلانی کے بیٹے محمد زاہد نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور شفاعت کی درخواست کی ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مجدد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ''مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح دنیا میں زندہ تھے اور اس کی سب سے بڑی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ہے۔ اس لئے کہ نماز ادا کرنا تو اسی وقت درست ہو سکتا ہے، جب کہ جسم سلامت اور زندہ ہو۔'' (حیاۃ الانبیاء از سیوطی ص ۱۵)

مشکوٰۃ کی مشہور اور مستند شرح مظاہر حق میں ہے کہ: ''اور اخیر حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ ہیں انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے نہ حیات معنوی روحانی۔ جیسا کہ شہداء کو ہے اور سواء ان کے اور اموات بھی سنتے ہیں۔ سلام اور کلام عرض ہوتے ہیں، اعمال اقرباء ان کے بعض ایام میں۔'' (ج اول ص ۳۴۳)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ''حیات انبیائے کرام علیہم السلام متفق علیہ است ہیچ کس را در وخلافے نیست، حیات جسمانی، دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' اور انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور حیات دنیاوی زندگی کی طرح جسمانی ہے نہ کہ روحانی معنوی۔''

ملا علی قاری نور اللہ مرقدہ نے ایک مدلل اور مبسوط بحث کے بعد فرمایا: ''قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَمَا اَفَادَهٗ مِنْ ثُبُوْتِ حَیٰوۃِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ حَیٰوۃً بِهَا یَتَعَبَّدُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ مَعَ اسْتِغْنَائِهِمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ کَالْمَلٰئِکَةِ اَمْرٌ لَا مِرْیَةَ فِیْهِ وَقَدْ صَنَّفَ الْبَیْهَقِیُّ جُزْءً فِیْ ذَالِکَ۔ رواه ابو داؤد، والنسائی، وابن ماجه، والدارمی، قال میرک ورواه ابن حبان فی الصحیح والحاکم وصححه وَزَادَ ابْنُ حَجَرٍ بِقَوْلِهٖ وَقَالَ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الْبُخَارِیِّ ورواه ابن خزیمه فی صحیحه'' ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور وہ کھانے پینے سے اس طرح بے نیاز ہیں جس طرح فرشتے زندہ ہیں مگر کھاتے پیتے نہیں۔'' (مرقاۃ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

شارح بخاری علامہ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ''پوشیدہ نماند کہ دیدن حضرت رسول اکرم ﷺ انبیاء را بہ تکلم آنہا چنانچہ در حدیث مذکور بوضوح؟ پیوستہ ناظر در آنست کہ آں ہارا با اشخاص وبا جساد دیدہ وقول مختار ومقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء اذاقت؟ موت زندہ اندر بہ حیات دنیوی۔'' یہ بات مخفی نہ رہے کہ آنحضرت ﷺ کا

انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھنا اور ان کے ساتھ کلام فرمانا بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی ذات اور جسموں کے ساتھ دیکھا ہے اور یہ عقیدہ مختار اور تمام علماء کے ہاں مقرر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام موت چکھ لینے کے بعد اسی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔　　(تیسیر القاری شرح البخاری)

آنحضرت ﷺ نے دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو بحالت بیداری زمین پر دیکھا۔ جیسا کہ شب معراج بیت المقدس میں ان کی امامت کی اور آسمانوں پر بھی ان سے ملاقات کی۔ جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ اس لئے یہ بات کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں درست ہے۔　　(نسیم الریاض ج ۴ ص ۱۴۹)

ف: مشائخ کی صورت پر شیطان کا نہ آسکنا بھی ہمارے علمائے کرام کے ہاں مسلم ہے۔ حضرت قطب الارشاد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''شیطان کا بصورت فخر دو عالم علیہ السلام نہ ہوسکنا تو حدیث سے ثابت ہے مگر شیخ کی صورت میں نہ ہوسکنا مشائخ کا قول ہے۔ حدیث سے اس کا ثبوت نہیں۔ مشائخ کا فرمانا ان کا اجتہاد ہے یا کیا ہے بندہ کو معلوم نہیں۔ اگر ان کی تقلید سے اس مسئلہ کو قبول کر لے تو کوئی اندیشہ نہیں۔''　　(مکاتیب رشیدیہ ص ۹۷)

علامہ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مرشد اگر صورت ہادی میں ہو تو شیطان اس صورت کو اختیار نہیں کر سکتا۔　　(مقدمہ فصوص الحکم)

۹...... سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا: ''لیہبطن ابن مریم عدلاً وّ اماماً مقسطاً و لیسلکن فجاً حاجاً او معتمراً و لیاتین قبری حتی یسلم علیّ و لاردن علیہ'' (رواہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اخرجہ الحاکم و صححہ عقیدۃ الاسلام ص ۲۲)

محدث کبیر استاذ العلماء حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ العزیز نے اس روایت کو اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام میں نقل فرما کر اس کی توثیق فرما دی ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے: ''مریم کا بیٹا ضرور آسمان سے اترے گا وہ انصاف اور عدل والا پیشواء ہوگا اور وہ دور دراز کے راستہ سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لئے آئے گا اور پھر وہ ضرور میری قبر پر بھی آئے گا۔ یہاں تک کہ مجھے سلام کہے گا اور میں ضرور اس کے سلام کا جواب دوں گا۔''

اس حدیث سے مندرجہ ذیل عقائد واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں:

۱　عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔
۲　وہ دور دراز (دمشق) سے سفر کر کے حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ آئیں گے۔
۳...... اور پھر مدینہ منورہ اس لئے آئیں گے کہ میری قبر پر حاضری دیں۔
۴　اور قبر پر آکر مجھ پر سلام کہیں گے۔
۵...... اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سید دو عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے اور آپ ﷺ پر سلام کہنا سنت الانبیاء علیہم السلام ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں گا تو اگر آپ ﷺ سلام نہ سنیں گے تو جواب کس طرح دیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک کے لئے آپ ﷺ کو حیات حاصل رہے گی اور آپ ﷺ زائرین کا سلام سن کر ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

علمی فائدہ: اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس میں چار صیغے فعل مضارع کے ذکر ہیں۔ مگر چاروں کو لام تاکید اور نون ثقیلہ کے ساتھ موکد کیا ہے، تاکہ مخاطب کو کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے اور وہ اس عقیدہ پر ایمان رکھے۔

ف: درود شریف اس محبت ایمانی اور روحانی عقیدت کا اظہار ہے جو ایک خوش بخت مسلمان سید دو عالم ﷺ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اس لئے جن کلمات میں نثر یا نظم کی طرز پر پیش کرے، جائز اور درست ہے۔ صرف اتنا خیال رہے کہ حدود ادب سے تجاوز نہ ہو اور نہ ہی شان خداوندی کا تقابل پیدا ہو۔ مادح دربار نبوت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے: ''دَعْ مَا ادَّعَتِ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ، واحْکُمْ بِمَا شِئْتَ فِیْهِ مَدْحًا وَاحْتَکِمْ'' عیسائیوں کی طرح سید دو عالم ﷺ کو شریک خداوند قدوس نہ بنانا باقی جو چاہتا ہے حضور انور ﷺ کی مدح میں کہنے کا شرف حاصل کر لے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

مخواں اُورا خدا از بہر امر شرع و حفظِ دین　　　دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

''حضور انور ﷺ کو خدائی صفات سے موصوف نہ کر کہ شریعت کا یہی حکم ہے۔ اس کے علاوہ جو وصف اور نعت حضور ﷺ کی شان میں کہہ سکتا ہے، کہتا رہ۔''

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سید دو عالم ﷺ کے حضور ''فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ اور فداک زوجی'' جیسے عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے کلمات سے اپنی تسکین قلبی کا کچھ سامان مہیا کیا اور کہیں حضور انور ﷺ کی قسم کھاتے ہوئے یوں بھی کہا: ''وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ'' (ﷺ) بعض روایات میں ''وَصَانِیْ خَلِیْلِیْ'' سے بھی حُب نبوی سے مزین کلمات کو بیان فرمایا ہے۔ اس لئے محبت ایمانی اور عقیدت روحانی کی بنا پر بہترین پیرایہ اختیار کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اپنے نبی پر بہترین طرز اور اچھے پیرائے میں درود بھیجو۔'' (جواہر البحار ج ۳ ص ۸۳۰)

چنانچہ عُشاق اور خُدّام نے مقدور بھر جس انداز اور طرز اور کلمہ کو تلاش کر سکے اسے بیان کرنے کا شرف حاصل کیا۔ حضور انور ﷺ کے حضور شاعر دربار نبوت مؤید بہ روح القدس حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں، ان ہی میں یہ بھی ہے ؎

وَاَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ　　　وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

''اور آپ ﷺ سے زیادہ حسین آج تک میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت آج تک پیدا نہ ہوا۔''

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ　　　کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

''آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے گویا کہ جس طرح آپ ﷺ نے پسند فرمایا اسی طرح آپ ﷺ کو پیدا کیا گیا۔''

چنانچہ درود و سلام کے کئی کلمات ہزاروں کی تعداد میں امت نے تالیف کئے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کی پسندیدگی کی سند سید دو عالم ﷺ نے خواب میں عطاء فرمائی ہے۔ یہاں صرف دو درود شریف لکھے جاتے ہیں۔

۱...... بیہقی نے ابوالحسن شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا اپنا خواب نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے رسالہ میں درود لکھا ہے: ''صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ'' آپ ﷺ کی طرف سے ان کو کیا بدلہ دیا گیا ہے؟ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ وہ حساب کے لئے نہیں روکے جائیں گے۔ (فضائل درود شریف از شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۳)

۲...... سلطان محمود غزنوی ؒ کے زمانہ میں ایک عالم دین متقی اور پرہیزگار کافی مقروض اور تنگدست ہو گیا۔ خواب میں سید دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو حضور انور ﷺ نے اس کو ارشاد فرمایا کہ وہ سلطان محمود کے پاس جا کر یہ کہے کہ اس کو جناب رسول کریم ﷺ نے اس کے پاس امداد اور اعانت کے لئے بھیجا ہے۔ اگر سلطان تجھے سچا نہ سمجھے تو اس سے یہ کہہ دے کہ تو سید دو عالم ﷺ پر مندرجہ ذیل درود شریف پڑھتا ہے اور اس کا علم صرف تجھے اور سید دو عالم ﷺ کو ہے۔ چنانچہ سلطان محمود نے اس کا بہت احترام کیا اور اس کی امداد کی۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۳۴)

یہ درود شریف میرے والد ماجد محی الدین قاضی غلام جیلانی ؒ نے طبع فرما کر لوجہ اللہ تقسیم فرمایا جو درج ذیل ہے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَا اخْتَلَفَ الْمَلَوَانِ وَتَعَاقَبَ الْعَصْرَانِ وَكَرَّ الْجَدِيْدَانِ وَاسْتَقَلَّ الْفَرْقَدَانِ وَبَلِّغْ رُوْحَهٗ وَ اَرْوَاحَ اَهْلِ بَيْتِهٖ مِنَّا التَّحِيَّةَ وَالسَّلَامَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ كَثِيْراً''

ف: چونکہ معتزلہ اور دوسرے گمراہ فرقے حیات النبی ﷺ کے منکر ہیں، اس لئے وہ درود شریف پڑھنے سے محروم ہیں۔ الحمد للہ اہل السنۃ والجماعت کو یہ سعادت حاصل ہے اور یہی اہل السنۃ کی علامت ہے۔ علامہ سخاوی ؒ نے امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے روایت فرمایا ہے کہ اہل السنۃ سید دو عالم ﷺ پر درود زیادہ پڑھتے ہیں۔ (القول البدیع ص ۶۰)

سیرت مقدسہ کا اعجازی پہلو

یہ وہ عنوان ہے جس پر آج سے تقریباً بیس سال پہلے دارالعلوم دیوبند کے ماہوار ترجمان رسالہ دارالعلوم میں کئی اقساط میں لکھا گیا تھا۔ کیونکہ یہ عنوان تو سیرت سید دو عالم ﷺ کا عظیم اعجازی عنوان ہے۔ اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ اس فانی دنیا سے سفر کرنے کے باوجود اپنی امت کے سعادت مندوں کو خواب میں شرف زیارت بخشتے ہیں اور کبھی کبھی بیداری میں بھی یہ شرف عطاء فرماتے ہیں اور یہ خواب میں نظر آنا اور کسی بات کی اطلاع دینا عام اموات کے لئے بھی ثابت اور جائز ہے۔ جیسا کہ مشہور تابعی حضرت محمد بن سیرین ؒ نے فرمایا ہے: ''فَكُلُّ مَا اَخْبَرَ بِهِ الْمَيِّتُ عَنْ نَّفْسِهٖ اَوْ عَنْ غَيْرِهٖ فَهُوَ حَقٌّ لِاَنَّهٗ فِيْ دَارِ الْحَقِّ وَخَرَجَ مِنَ الْبَاطِلِ وَمَشْغُوْلٌ عَنْهُ فَلَا يَكْذِبُ فِيْمَا يُخْبِرُ بِهٖ'' پس جس بات کی میت خبر خواب میں دے خواہ اس کے اپنے متعلق ہو یا کسی دوسرے کے متعلق ہو تو وہ حق ہی ہوگی۔ کیونکہ وہ انسان سچے گھر میں پہنچ چکا ہے اور اس باطل سے نکل چکا ہے۔ لہٰذا وہ جھوٹ نہ بولے گا۔ (تعبیر نامہ مطبوعہ مصر ص ۳۴)

عام اموات کے متعلق تو شک و شبہ ہو سکتا ہے مگر سید دو عالم ﷺ کا خواب میں تشریف لانا یا بیداری میں کسی کو شرف زیارت بخشنا بالکل درست ہے۔

جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی ؒ نے یہ بھی سید دو عالم ﷺ کی خصوصیت قرار دی ہے کہ آپ ﷺ کی مثالی شکل بھی خواب میں شیطان نہیں بنا سکتا تاکہ خواب میں بھی آپ ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت نہ کر سکے۔ (خصائص ج ۳ ص ۳۲۹)

چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا ہے کہ: ''مَنْ رَاٰنِيْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ فَاِنَّ

الشَّیطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ بِیْ، مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطٰنُ بِیْ'' جس نے مجھے دیکھا پس اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری مثالی شکل نہیں بنا سکتا اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس وہ مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا کیونکہ شیطان میری طرح نہیں بن سکتا۔

یعنی شیطان نہ تو جاگنے میں اور نہ خواب میں آنحضرت ﷺ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

ف: آنحضرت ﷺ کا خواب میں تشریف لانا اور کسی نیک بخت کا زیارت سے مشرف ہونا اتنا اہم اور بنیادی مسئلہ ہے کہ محدثین حضرات نے اپنی کتابوں میں اس کے لئے علیحدہ ابواب تجویز فرمائے ہیں۔ جیسا کہ امام ترمذی نے شمائل ترمذی میں ایک مستقل باب ''بَابُ مَاجَاءَ فِیْ رُؤْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِی الْمَنَامِ'' قائم کر کے اس میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، طارق ابن اشیم، یزید، ابوقتادہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے...... اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الوفاء ص ۸۱۰ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ارشاد روایت فرمایا۔ یعنی آٹھ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے راوی ہیں۔

اسی باب میں ہے کہ یزید فارسی نے خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کا ذکر کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی۔ اسی طرح آپ ﷺ کو بیداری میں علمائے کرام نے اور علمائے امت نے دیکھا اور یہ اس کثرت سے ثابت ہے کہ اس کا انکار غیر معقول ہے۔ جیسا کہ علامہ بارزی یافعی، جیلی شاذلی، مرسی، قسطلانی وغیرہ ہم اکابر علمائے اسلام نے عالم بیداری میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ (مناوی شرح شمائل ترمذی ص ۲۹۲)

علمائے کرام کی کافی تعداد سے منقول ہے کہ انہوں نے عالم بیداری میں شرف زیارت حاصل کیا اور آپ ﷺ سے ان امور کے متعلق دریافت فرمایا جو ان کے نزدیک قابل غور تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی راہنمائی فرمائی جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا درست نکلا۔ (کتاب مذکورہ ص ۲۹۲)

خواب کی حقیقت، اسلام میں رؤیائے صالحہ

جس طرح آج دین کی اکثر حقیقتوں سے انکار یا ان کا استخفاف محض اس لئے کیا جا رہا ہے کہ وہ سمجھ میں نہیں آتی ہیں، اسی طرح نیک خوابوں کا بھی انکار کیا جا رہا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اس کا اجمالی ثبوت کتاب اللہ اور حدیث سے پیش کر دیا جائے تاکہ منصف مزاج بھائی اس حقیقت کو سمجھ سکیں۔

قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے: ''اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (الیونس: ۶۲ تا ۶۴)'' یاد رکھو اللہ والوں پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ وہ اللہ والے جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لئے اس دنیاوی زندگی میں بھی بشارت ہے (نیک خواب) اور قیامت میں بھی بہتری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلموں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

اس بشارت سے مراد امام الانبیاء جناب رسول کریم ﷺ کے ارشاد گرامی میں یہ ہے: ''ھِیَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ یَرَاھَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰی لَہٗ'' بشریٰ سے مراد وہ بہترین خواب ہے جو کسی مسلمان کو آئے یا اس کے بارے میں کسی دوسرے کو آئے۔''

ایک دوسری حدیث میں جناب رسول کریم ﷺ نے خواب کے متعلق ارشاد فرمایا کہ بہتر خواب نبوت کا ۴۶واں حصہ ہے۔ بعض روایات میں اس سے زیادہ اور کم تعداد بھی آئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خواب دیکھنے والے کے اعتبار سے ہے۔ خواب نبوت کا ۴۶/۱ حصہ کیوں ہے؟ اس کے متعلق علامہ نووی رحمہ اللہ شارح صحیح مسلم نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ۲۳ سال تک وحی آتی رہی، اعطاء نبوت سے پہلے چھ ماہ سچی خوابوں کے ذریعہ القا ہوتا رہا۔ چنانچہ چھ ماہ کا عرصہ ۲۳ سال کا ۴۶واں حصہ ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ نبوت تو اب ختم ہو چکی ہے مگر رویائے صادقہ باقی ہیں اور رہیں گی۔

رؤیائے صادقہ معتزلہ کے ہاں

یہ مسئلہ تمام اہل اسلام کے ہاں اجماعی مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں اور اپنے بعض بندوں کو سچی خوابیں دکھاتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: ''وَالَّذِیْنَ ذُکِرَ عَنْهُمْ اِنْکَارُ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَاءِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَغَیْرِهِمْ کَاَبِیْ اِسْحَاقَ الْاِسْفَرَائِنِیْ وَاَبِیْ مُحَمَّدِ ابْنِ اَبِیْ زَیْدٍ وَکَمَا ذَکَرَ ذٰلِکَ اَبُوْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ لَایُنْکِرُوْنَ الدَّعْوَاتِ الْمُجَابَةَ وَلَایُنْکِرُوْنَ الرُّؤْیَا الصَّادِقَةَ فَاِنَّ هٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَهُوَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ یَخُصُّ بَعْضَ عِبَادِهٖ بِاِجَابَةِ دُعَائِهٖ اَکْثَرَ مِنْ بَعْضٍ وَیَخُصُّ بَعْضَهُمْ لِمَا یُرِیْهِ مِنَ الْمُبَشِّرَاتِ'' وہ لوگ جو کرامات اولیاء اللہ کے منکر ہیں جیسا کہ ابو اسحٰق وغیرہ معتزلہ ان کے ہاں بھی دعاؤں کا قبول ہونا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو سچی خوابوں کا آنا درست ہے، یہ مسئلہ سب مسلمانوں میں اجماعی اور اتفاقی طور سے صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی دعاؤں کو دوسروں سے زیادہ قبول کرتا ہے اور بعض بندوں کو یہ شرف خصوصی بخشتا ہے کہ ان کو سچی خوابوں سے نوازتا ہے۔ (کتاب النبوات از ابن تیمیہ ص ۲۶۷)

خود جناب رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خواب کو سن کر نہ صرف درست فرمایا بلکہ ان سے شرح محمدی کا ایک عظیم رکن ثابت فرمایا، جو اذان تمام روئے زمین کے مسلمان دن میں پانچ مرتبہ دیتے ہیں اور یہ اذان دین کا ایک بہت بڑا شعار ہے۔ اس کا ثبوت قرآنی آیات سے نہیں بلکہ زمانہ رسول اکرم ﷺ میں گیارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خواب میں یہ کلمات بتائے گئے اور آپ ﷺ نے ان کو تسلیم فرما کر حکم اذان ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے:

''اَبُوْ حَنِیْفَةَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ اَبِیْ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ مَرَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَرَاٰهُ حَزِیْنًا وَکَانَ الرَّجُلُ ذَا طَعَامٍ یَجْتَمِعُ اِلَیْهِ فَانْطَلَقَ حَزِیْنًا لِمَا رَاٰی مِنْ حُزْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَتَرَکَ طَعَامَهٗ وَمَا کَانَ یَجْتَمِعُ اِلَیْهِ وَمَسْجِدَهٗ یُصَلِّیْ فَبَیْنَمَا هُوَ کَذٰلِکَ اِذْ نَعَسَ فَاَتَاهُ اٰتٍ فِی النَّوْمِ اَلْحَدِیْثُ بِطُوْلِهٖ'' انصار میں سے ایک آدمی کا گزر امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے پاس سے ہوا تو آپ ﷺ کو غمگین پایا۔ یہ آدمی بڑا کھانا کھلانے والا تھا۔ اس کے ہاں بڑا مجمع رہا کرتا تھا مگر وہ یہاں سے جا کر سارے کاموں کو چھوڑ کر اپنی نماز کی جگہ میں علیحدہ ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ نماز پڑھتے پڑھتے اسے اونگھ آ گئی تو خواب میں ایک آدمی نے آ کر اذان کے یہ کلمات سکھا دیئے۔

اسی طرح ابوداؤد میں عبداللہ بن زید عن ابیہ سے نیند میں اذان کے القاء کا قصہ موجود ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان کا طریقہ اور الفاظ القاء کئے گئے جس کو طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا ہے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ بھی گھر سے فوراً حاضر خدمت نبوت کبریٰ ہوئے اور

عرض کیا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچا رسول بنا کر بھیجا۔ میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا جس طرح زید نے دیکھا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''فللہ الحمد''

سنن ترمذی اور صحیح ابن حبان میں بھی یہ واقعات صحیح موجود ہیں جن کو فقہ حنفی کی مشہور مستند کتاب (الجواہر المسبعہ ج اوّل ص ۵۵ تا ۵۷) میں نقل کیا ہے بلکہ جناب رسول کریم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ اکثر اوقات صبح کی نماز کے بعد حاضرین سے پوچھتے کہ کسی نے رات کو خواب دیکھا ہے؟ حضور انور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خواب کی تعبیر بھی فرماتے تھے: ''جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دربار پر انوار ﷺ میں پیش کیا کہ میں ایک پودے کے سائے میں بیٹھا ہوا ہوں اور میرے پاس دوات اور کاغذ بھی ہے اور میں سورہ ص لکھ رہا ہوں۔ جب میں سجدہ والی آیت پر پہنچا تو دوات، کاغذ اور اس پودے نے بھی سجدہ کیا اور سجدہ میں یہ کہہ رہے ہیں یا اللہ! اس کی برکت سے گناہوں کا بوجھ اتار دے اور اس کا شکر محفوظ فرمالے اور اجر زیادہ فرمادے۔ اس کے بعد وہ اپنی اصلی حالت پر آگئے۔ حضور انور ﷺ نے خواب سن کر فرمایا تو نے بہترین بات دیکھی اور بہتر ہو گی تیری نیند اور تیری آنکھ نے بہتر نیند کی۔ یہ اس نبی علیہ السلام کی توبہ ہے جس کی تلاوت پر اس نے مغفرت کا انتظار کیا۔ ہم بھی اس مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔'' (عمل الیوم واللیلہ ص ۲۴۷)

حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ نبی رحیم ﷺ کی پیشانی مبارک پر سجدہ کر رہے ہیں۔ جب حضور انور ﷺ کی خدمت میں یہ خواب پیش کی تو آپ نے لیٹ کر فرمایا اپنی خواب کو سچا کر لے۔ تو ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نورانی پیشانی پر سجدہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الرؤیا)

آج بھی نبی کریم ﷺ سعادت مندوں کی راہنمائی فرماتے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جسے سابق والئی کابل امیر عبدالرحمٰن مرحوم نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھا ہے کہ: ''مجھے ایک بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا جس کے دائیں بائیں چار خوبصورت اور وجیہہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھ سے پہلے ایک شخص پیش ہوا جس نے یہ کہا کہ اگر مجھے بادشاہ بنایا گیا تو میں تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کو گرا کر مساجد بنادوں گا۔ اس پر اسے باہر نکال دیا گیا۔ جب میں حاضر ہوا تو مجھ سے بھی یہی سوال ہوا تو میں نے کہا میں انصاف کروں گا اور سارے بتوں کو توڑ دوں گا اور کلمہ طیبہ کو سربلند کروں گا۔ میری درخواست کو منظور کر لیا گیا اور مجھے امیر افغانستان ہونے کا یقین ہو گیا۔ مجھے بتایا گیا کہ جس شہنشاہ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے وہ سید دو عالم ﷺ ہیں اور ان کے دائیں بائیں حاضر حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ چنانچہ امیر افغانستان عبدالرحمٰن مرحوم نے افغانستان پر ۱۸۸۰ء تا ۱۹۰۱ء حکومت کی۔

سید دو عالم ﷺ کی رحمت کا ایک واقعہ

''قَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنِ آدَمَ الطَّوَاوِیْسِیْ رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَمَعَهٗ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَرَدَّ عَلَیَّ السَّلَامَ فَقُلْتُ مَا وُقُوْفُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَنْتَظِرُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ الْبُخَارِیَّ فَلَمَّا کَانَ بَعْدَ اَیَّامٍ بَلَغَنِیْ مَوْتُهٗ فِی السَّاعَةِ الَّتِیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ'' (طبقات کبریٰ از سبکی ج ۲ ص ۱۴)

''عبدالواحد بن آدم کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات (شب عید الفطر) سید دو عالم ﷺ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھڑا ہوا دیکھا تو دربار عالی میں سلام عرض کیا جس کا سید دو عالم ﷺ نے جواب دیا۔ میں نے وہاں قیام فرمانے

کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن اسماعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔ چند دنوں کے بعد مجھے یہ اطلاع ملی کہ اسی وقت امام بخاری رحمہ اللہ کا وصال ہوا تھا جس وقت میں زیارت سے مشرف ہوا تھا۔''

ف: امام بخاری کی وفات سمرقند کے قریب خرتنگ نامی قصبہ میں ۲۵۶ھ کو عید الفطر کی رات کو ہوئی اور اسی قصبہ میں عید کے دن لاکھوں مسلمانوں نے آپ کی نماز جنازہ کی سعادت حاصل کی اور وہیں آپ کا مزار پر انوار ہے۔

وجود مثالی اور وجود حقیقی

احادیث میں لفظ تمثل آیا ہے، اس کی تشریح بھی ضروری ہے اور ویسے بھی ایک اعتراض بظاہر وارد ہوتا ہے کہ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں تو یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ کے بغیر بھی کبھی کبھی دوسری جگہ جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ وجود مثالی کو سمجھا جائے۔

دنیا میں ہر چیز کے دو وجود ہیں ایک تو وہ جو ہم کو نظر آ رہا ہے اور ایک وہ جو ہم کو نظر نہیں آتا۔ حقیقی وجود وہی ہے جو ہم کو نظر نہیں آتا۔ جو نظر آتا ہے وہ اس کا لباس ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ: ''ٹھنڈا پانی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک تو وہ حصہ جو ہمیں نظر آ رہا ہے اور ایک وہ جو ہم کو نظر نہیں آ رہا۔ مگر پانی سے مقصود وہی حصہ ہے جو نظر نہیں آتا۔ ایک پیاسا آدمی پانی تو اس لئے پیتا ہے کہ اسے ٹھنڈک پہنچ کر پیاس بجھ جائے۔ اگر وہ پانی گرم ہو تو پانی ہونے کے باوجود پیاسے آدمی کو فائدہ نہیں دے سکتا۔''

تو درحقیقت پانی جس حقیقت کا نام ہے وہ حصہ ہے جو نظر نہیں آتا۔ مگر اس کے خاص آلات سے اس کو علیحدہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی اگر آپ پانی کو تولیں تو وہ مثلاً دو سیر نکلا۔ یہ دو سیر وزن اس پانی کے ظاہری بدن کا ہے اس کے اندر کا وزن علیحدہ ہے۔ یعنی آپ میٹر کے ساتھ اس کو اگر تولیں گے تو وہ جس ڈگری پر ہوگا، یہ اس کے بدن حقیقی کا وزن ہوگا جو نظر نہیں آ رہا، مگر اس میں موجود ہے۔ اسی طرح انسانوں کے وجود حقیقی تو وہ ہیں جو ان کے اعمال کے مناسب ہیں، جو اہل اللہ کو اپنی اصلی صورت میں نظر آ سکتے ہیں اور صاف باطن بزرگ ان سے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی ''کتاب الْمُنقِذ'' میں فرمایا: ''وَهُمْ وَاَرْبَابُ الْقُلُوْبِ فِیْ یَقْظَتِهِمْ یُشَاهِدُوْنَ الْمَلٰئِكَةَ وَاَرْوَاحَ الْاَنْبِیَاءِ وَیَسْمَعُوْنَ مِنْهُمْ اَصْوَاتًا وَیَقْتَبِسُوْنَ مِنْهُمْ فَوَائِدَ'' یہ روحانی لوگ اپنے عالم بیداری میں فرشتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کو دیکھتے ہیں اور ان کی آواز سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ (مناوی ج ۲ ص ۲۹۲)

یا یوں سمجھ لیجئے کہ وجود کی دو موٹی موٹی قسمیں ہیں۔ ایک ''وجود حسی'' جو سب کو دیکھنے میں نظر آتا ہے اور دوسرا وجود مثالی جو سب کو تو نظر نہیں آتا، مگر بعض کو آ جاتا ہے۔ جیسا کہ فرشتوں کا وجود ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے وجود مثالی کی تعریف میں فرمایا: ''کوئی ذات باوجود اپنی حالت وصحت کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اس کو تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو مثالی صورت کہتے ہیں۔'' (التکشف ص ۳۱۶)

ف: امام غزالی رحمہ اللہ نے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے وجود کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ ان کے ہاں ''وجود مثالی'' ہی ''وجود حسی'' ہے۔ جیسا کہ وہ بیان فرماتے ہیں: ''اَمَّا الْوُجُوْدُ الْحِسِّیُّ فَهُوَ یَتَمَثَّلُ فِی الْقُوَّةِ

البَاهِرَةِ مِنَ الْعَيْنِ مِمَّا لَاوُجُوْدَلَهٗ خَارِجَ الْعَيْنِ فَيَكُوْنُ مَوْجُوْداً فِي الْحِسِّ '' وجود حسی وہ ہے جو آنکھوں میں تو آجاتا ہے مگر خارج میں اس کا وجود نہیں ہوتا۔ (فیصل التفرقہ ص ۱۸)

اور یہ وجود مثالی شرعاً معتبر ہے۔ دین میں اس کا اعتبار ہے اور اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہے۔ قرآن کریم میں حضرت مریم علیہا السلام کے ذکر میں ہے کہ: حضرت جبریل امین ان کو ایک مرد کی صورت میں نظر آئے۔ آپ سے انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ درست نکلا۔ ارشاد قرآنی ہے: ''فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (المریم: ۱۷)''

پھر بھیجا ہم نے اس کے پاس فرشتے کو پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا (فرشتہ کا انسانی وجود یہ مثالی تھا)''

اور اسلام کی تو ساری وحی جبریل امین مثالی صورت میں لائے۔ صرف دو بار اپنی ملکوتی صورت میں تشریف لائے اور ایمان، اسلام، احسان کی تعریف کرتے ہوئے جبریل امین ایک اجنبی انسان کی صورت میں تشریف لائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''هٰذَا جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ'' (مشکوٰۃ شریف)

ف: جبریل امین اور دوسرے ملائکہ کو جب کبھی وہ کسی صورت میں حاضر ہوئے، جناب رسول اکرم ﷺ پہچان لیتے تھے اور کبھی کبھی وجود مثالی اس قدر مستحکم اور حقیقی بدن کے مشابہ ہوتا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام بعض اوقات ان کو پہچان نہ سکے۔ جیسا کہ حضرت لوط اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن عزیز میں موجود ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوئے تو آپ ان کو مہمان سمجھ کر کھانا لے آئے اور ان کے ہاتھ نہ بڑھانے پر تعجب کرتے ہوئے ان سے فرمایا: ''اَلَا تَاْكُلُوْنَ'' تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو فرشتے ہیں۔ یہ واقعہ قرآن عزیز کی ''سورۃ الذاریات'' میں اور دوسری بعض سورتوں میں موجود ہے۔

اسی طرح جب فرشتے قوم لوط کو تباہ کرنے کے لئے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں پہنچے تو وہ ان کو نہ پہچان سکے۔ بدکردار قوم کی فاسقانہ حرکتوں پر بہت افسوس کرنے لگے۔ آخر ان مہمانوں نے کہا: ''یالوط انا رسل ربک (الہود: ۸۱)'' اے لوط ہم تو آپ کے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔

تاکہ اس بدکردار قوم کو تباہ کردیں۔ تب آپ کو اطمینان حاصل ہوا۔

مگر سید دو عالم ﷺ کی یہ بھی خصوصیت عظمیٰ ہے کہ آپ ﷺ فرشتوں کو پہچان لیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بتادیتے تھے کہ یہ فرشتے ہیں بلکہ سید دو عالم ﷺ کے روحانی انوار اور تجلیات کی برکت سے غزوہ بدر وغیرہ میں بھی فرشتوں کو دیکھا گیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''حدیث جبریل'' کو پورا ذکر کردیا جائے۔

ف: دین اسلام کی ساری بنیاد جس ارشاد سید دو عالم ﷺ پر موقوف اور مبنی ہے، وہ ارشاد عالی وجود مثالی پر موقوف ہے۔ یہ حدیث جس کو اصطلاح میں حدیث جبریل کہا جاتا ہے، تبرکاً واستدلالاً درج کی جاتی ہے: ''عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ ﷺ اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ

تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک قال فاخبرنی عن الساعۃ قال ماالمسئول عنھا باعلم من السائل قال فاخبرنی عن اماراتھا قال ان تلد الامۃ ربتھا و ان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان قال ثم انطلق فلبثت ملیاثم قال لی یاعمر اتدری من السائل قلت اللہ و رسولہ اعلم قال فانہ جبریل اتاکم یعلمکم دینکم'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک ایسا مرد نمودار ہوا جس کا لباس بہت زیادہ سفید اور بال بہت زیادہ سیاہ تھے۔ نہ تو وہ مسافر معلوم ہوتا تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا۔ وہ سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں بادب دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا اے محمد آپ مجھے بتائیں اسلام کیا ہے؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور تو رمضان کے روزے رکھ اور تو طاقت ہونے پر بیت اللہ کا حج کر۔ اس نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا تو ہم نے تعجب کیا کہ پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس نے پھر پوچھا کہ آپ ﷺ مجھے بتائیں ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو اور آخری دن (قیامت) کو مان اور تو ہر اچھی بری تقدیر کو مان، اس نے کہا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے پوچھا آپ ﷺ مجھے بتائیں احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس یقین کے ساتھ کر کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا پھر آپ ﷺ مجھے قیامت کے متعلق بتائیں؟ اس کے جواب میں حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ یہ میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے کہا آپ ﷺ مجھے اس کی نشانیاں بتائیں، حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نشانیاں یہ ہیں کہ لونڈی اپنے مالک کو جنے اور تو دیکھے کہ وہ لوگ جو پاؤں اور بدن سے ننگے تھے، نادار تھے، بکریوں کے چرواہے تھے، لمبی لمبی عمارتیں بنانے لگ جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر وہ چلا گیا میں کافی دیر خاموش رہا۔ حضور انور ﷺ نے مجھے فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ تو جانتا ہے یہ کون تھا؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس پر حضور انور ﷺ نے فرمایا یہ جبریل تھا جو تمہارے پاس آیا اور تم کو تمہارا دین سکھا گیا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم و بخاری)

اس واقعہ مبارکہ سے مندرجہ ذیل امور بصراحت ثابت ہو رہے ہیں:

۱...... جبریل امین ایک نووارد کی شکل میں تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ فرشتے انسانی شکل، لب و لہجہ، گفتار و رفتار، نشست و برخاست اللہ تعالیٰ کے حکم سے اختیار کر سکتے ہیں۔

۲...... انہوں نے بیٹھ کر چند سوالات کئے جن کے جوابات امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے دیئے۔

۳...... جبریل امین کو سب حاضرین مجلس نے دیکھا اور ان کی بات چیت کو سنا۔

۴...... سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''ھذا جبریل اتاکم یعلمکم دینکم'' یعنی یہ پردیسی معلوم ہونے والا فرشتوں کا سردار جبریل امین تھا اور اس لئے آیا تھا کہ تم کو تمہارا دین سکھا جائے۔ اس نے پوچھا اور میں نے جوابات دیئے۔

۵...... جبریل امین کا یہ وجود وجود اصلی نہیں تھا، اس کو ملاحظہ تو سید دو عالم ﷺ نے صرف دو مرتبہ کیا تھا۔ باقی جب بھی جبریل حاضر خدمت ہوئے وجود مثالی میں یا وجود روحانی میں حاضر ہوئے۔ کبھی دوسروں کو کچھ نظر نہیں آیا۔ مگر امام الانبیاء حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ جبریل حاضر ہے۔

اسی طرح وجود مثالی کا متعدد مکانات میں ایک وقت ظہور کر دینا یہ بھی جائز اور ممکن ہے جیسا کہ ایک انسان کے اردگرد مثلاً دس آئینے رکھ دیئے جائیں تو وہ بیک وقت دس آئینوں میں نظر آئے گا اور آج کی جدید ترقیات نے تو اس کو ممکن نہیں بلکہ امر واقع بنا دیا ہے۔ سید دو عالم ﷺ کے کئی ارشادات میں وجود مثالی اور اس کے تعدد کا ذکر ہے۔ صرف ایک ارشاد عالی نقل کیا جاتا ہے: ''عن قرۃ المزنی ان رجلا کان یاتی النبی ﷺ و معہ ابن لہ فقال لہ النبی ﷺ اتحبہ فقال یا رسول اللہ ﷺ احبک اللہ کما احبہ ففقدہ النبی ﷺ فقال مافعل ابن فلان قالوا یا رسول اللہ ﷺ مات فقال رسول اللہ ﷺ اماتحب ان لا تاتی باباً من ابواب الجنۃ الا وجدتہ ینتظرک فقال رجل یا رسول اللہ ﷺ لہ خاصۃ ام لکلنا قال بل لکلکم'' قرۃ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک چھوٹے بچے کے ساتھ حاضر ہوا کرتا تھا۔ حضور انور ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تجھے اس کے ساتھ محبت ہے؟ تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جس طرح اس کے ساتھ محبت ہے، اسی طرح آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنائے، کچھ دن وہ بچہ سید دو عالم ﷺ نے نہ دیکھا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ بچہ کیوں نہیں آتا، اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ تو فوت ہو چکا ہے (اور اس کا باپ بڑا غمزدہ ہے) تو سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ جنت کے جس دروازے سے تو آئے تو اس بچے کو اپنے استقبال کے لئے انتظار کرنے والا پائے۔ یہ بشارت سن کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ بشارت صرف اسی کے لئے ہے یا سب امت کے لئے ہے؟ فرمایا نہیں تم سب کے لئے ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد باب البکاء علی المیت فصل ثالث)

تشریح: یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اس روایت میں مندرجہ ذیل امور واضح ہیں:

۱...... مسلمان کی نابالغ اولاد اس کی شفاعت کرے گی۔ (جیسا کہ دوسری روایات میں بھی ہے)

۲...... اس بچے کے استقبال کی شہادت سید دو عالم ﷺ نے دی۔

۳...... وہ بچہ جنت کے ہر دروازہ پر اپنے باپ کا استقبال کرے گا۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ جیسا کہ سید دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''فی الجنۃ ثمانیۃ ابواب'' (مشکوٰۃ کتاب الصوم) تو بیک وقت نابالغ اولاد اپنے والدین کا انتظار جنت کے آٹھوں دروازوں میں کرے گی۔ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ وجود مثالی متعدد ہو سکتے ہیں اور ان کا وہی حکم ہے جو وجود حقیقی کا ہے۔

۴...... قیامت کے دن اسی دنیاوی بدن کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وفیہ اشارۃ الی خرق العادۃ من تعدد الاجساد المکتسبۃ حیث ان الولد موجود فی کل باب من ابواب الجنۃ'' (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۰۹)

ف: وجود صرف اس ظاہری ڈھانچے کا نام نہیں بلکہ وہ مخلوق بھی موجود ہے جو ہم کو تو نظر نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کرتی رہتی ہے جن کا تعلق انسان کے ساتھ ہے اور یہ احکام اسی نظر نہ آنے والی مخلوق (فرشتوں) کے ذریعہ سے انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک بلکہ موت کے بعد برزخ اور قیامت تک بھی نافذ ہوتے رہیں گے۔ جیسا کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال حدثنا رسول اللہ ﷺ وھو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ ثم یکون علقۃ مثل ذلک ثم یکون

مضغۃ مثل ذلک ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات فیکتب عملہ واجلہ ورزقہ وشقی او سعید ثم ینفخ فیہ الروح'' حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا ہے کہ ہم سے سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (اور حضور انور ﷺ نے جو بھی فرمایا وہ سچ ہی فرمایا اور آپ ﷺ کے ہر ارشاد کو سچا ہی مانا گیا ہے) کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تو پانی کی بوند کی شکل میں رہتی ہے۔ پھر اسی طرح چالیس دن وہ جمے ہوئے خون کی طرح رہتا ہے۔ پھر چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ وہ جا کر چار باتیں لکھ دے۔ پس وہ فرشتہ اس کا عمل اس کی روزی لکھتا ہے اور یہ بھی کہ یہ سعادت مند ہوگا یا بد بخت۔ اس کے بعد اس میں روح کو پھونکا جاتا ہے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

ف: اس ارشاد کو روایت کرنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے اپنے ایمان اور یقین کا اظہار فرمایا کہ بظاہر یہ بات اگرچہ سمجھ میں نہ آسکتی ہو کہ فرشتہ کس طرح تین پردوں میں پہنچ جاتا ہے۔ (قرآن عزیز میں ارشاد فرمایا: ''ظلمت ثلث (زمر: ۶)'' اور وہاں کس طرح لکھتا ہے مگر جس ذات عالی نے یہ فرمایا ہے وہ سچ فرمانے والی ہے۔ ان کے بارے میں تو دشمنوں نے بھی یہ شہادت دی ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ (ابوسفیان نے اسلام لانے سے پہلے ہرقل کے سامنے یہ بات بیان کی ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے ہمیشہ سچ ہی فرمایا ہے) تو اگر انسانوں کو یہ سارا منظر نظر نہیں آتا تو کیا اس پر ایمان نہ لایا جائے گا بلکہ ایمان لانا ضروری ہے ورنہ اسلام نہ ہوگا۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ)

بلکہ جیسا کہ ہر انسان موت کے وقت فرشتوں کو دیکھتا ہے نیک انسانوں کے ساتھ فرشتے کلام کرتے ہیں بشارت دیتے ہیں اور بروں کو درشت کلمات کہتے ہیں، ان کو مارتے ہیں۔ قرآن عزیز نے فرمایا: ''الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ (النحل: ۲۸) الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (النحل: ۳۲)'' فرشتوں کو دیکھ کر سرکشوں کی اطاعت کا اظہار اور مطیع لوگوں کا سلام سے مشرف ہونا، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس عالم فرنی سے رخصت پر ان کو فرشتے نظر آجاتے ہیں مگر دوسرے انسانوں کو نظر نہیں آتے۔

ف: ان کا تعلق قیامت سے نہیں بلکہ موت کے وقت سے ہے جیسا کہ شارح مشکوٰۃ مولانا محمد ادریس دیوبندی نے فرمایا ہے کہ:

۱...... میں نے اپنے شیخ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ایک قریب المرگ انسان نے کہا وعلیکم السلام یہاں بیٹھئے اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

۲...... حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کا جس روز وصال ہو رہا تھا، فرمایا کہ آج مجھے ایسی مخلوق نظر آرہی ہے جو نہ انسان ہیں نہ جن، اس کے بعد فوت ہو گئے۔

۳...... محمد بن واسع نے موت کے وقت فرمایا: اے میرے رب کے فرشتو خوش آمدید! اس کے بعد انتقال فرمایا۔

۴...... بلکہ حضرت عمران بن حصین ؓ کے پاس فرشتے زندگی میں بھی مثالی بدن کے ساتھ آیا کرتے تھے۔

۵...... حضرت اسید بن حضیر ؓ کے متعلق بخاری اور مسلم میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ: ''وہ ایک رات کو سورۃ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور آپ کے پاس آپ کا بیٹا یحییٰ بھی تھا۔ جب کہ آپ کا گھوڑا بھی قریب ہی بندھا ہوا تھا۔ جب آپ کی تلاوت کے درمیان آپ کا گھوڑا تین دفعہ بدکا تو آپ نے اپنے بیٹے کو پیچھے کر کے جب

آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ آپ کے سر پر ایک سائبان تنا ہوا ہے اور اس میں چراغ سے روشن ہیں۔ جب صبح یہ سارا عجیب واقعہ دربار سید دو عالم ﷺ میں ذکر کیا تو حضور انور ﷺ نے فرمایا: ''اَتَدْرِیْ مَاذَاکَ'' کیا تجھے پتہ ہے وہ چیز کیا تھی؟ ''قَالَ لَا'' آپ نے عرض کیا نہیں، سید دو عالم ﷺ میں نہیں جانتا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تِلْکَ الْمَلٰئِکَۃُ دَنَتْ لِصَوْتِکَ وَلَوْ قَرَاْتَ لَاَصْبَحَتْ یَنْظُرُ النَّاسُ اِلَیْھَا لَا تَتَوَارٰی مِنْھُمْ'' یہ تو فرشتے تھے جو تیری آواز کو سن کر قریب ہو گئے تھے۔ اگر تو صبح تک پڑھتا رہتا تو یہ نہ چھپتے اور سب لوگ ان کو دیکھ لیتے۔ (مشکوٰۃ)

سوال: یہ تو فرشتے کا حال ہے انسان کا وجود مثالی میں ہونا ثابت کیجئے۔

جواب: وجود مثالی سب کے لئے ثابت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کئی انسانوں کو بھی وجود مثالی میں دیکھا ہے۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق جب کہ وہ گھر میں سو رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

۱...... ''رَاَیْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ دَخَلَ الْجَنَّۃَ حَبْوًا'' میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا کہ وہ جھک کر جنت میں داخل ہوا۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ بات آپ ﷺ نے خواب میں دیکھی ہے بلکہ یہ واقعہ جاگتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی آنکھ مبارک سے دیکھا۔ (جواہر الغوالی ص ۱۳۴)

سید دو عالم ﷺ نے فرمایا:

۲...... ''اُرِیْتُ الْجَنَّۃَ فَرَاَیْتُ امْرَاَۃَ اَبِیْ طَلْحَۃَ'' مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے اس میں ابوطلحہ کی بیوی کو دیکھا۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ام سلیم کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کا نکاح اسلام لانے سے پہلے مالک بن نضر سے ہوا، جس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ مالک کفر میں مارا گیا اور یہ مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر پھر آپ نے فرمایا کہ میں اب تجھ سے نکاح کر لیتی ہوں اور تجھ سے اسلام کی وجہ سے کوئی حق مہر نہیں لیتی۔ چنانچہ آپ کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ آپ کی وفات ۱۱ ھ کو ہوئی۔ ام سلیم سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۱۱)

۳...... حضور انور ﷺ نے حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی جنت میں قرآن حکیم کی قرأت کو سنا۔

''عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ فَسَمِعْتُ فِیْھَا قِرَاْءَۃً فَقُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالُوْا حَارِثَۃُ بْنُ النُّعْمَانِ کَذٰلِکَ الْبِرُّ کَذٰلِکُمُ الْبِرُّ وَکَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّہٖ'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ فرشتوں نے کہا حارثہ بن نعمان ہے تم کو ایسی ہی نیکی کرنی چاہئے تم کو ایسی ہی نیکی کرنی چاہئے اور یہ حارثہ اپنی ماں کے بہت زیادہ خدمت گزار تھے۔ (مشکوٰۃ باب البر والصلہ)

سید دو عالم ﷺ نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف جنت میں دیکھا بلکہ ان کی قرأت کو بھی سنا اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مشاہدہ بیان فرما کر اس انعام کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ حارثہ اپنی ماں کے بہت فرمانبردار تھے۔

ف: حارثہ رضی اللہ عنہ سید دو عالم ﷺ کے صحابی ہیں۔ سب غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ وہ خوش بخت ہیں جنہوں نے جبریل امین کو حضور ﷺ کے ساتھ انسانی شکل میں بیٹھا ہوا دیکھا اور ان کو سلام کہا۔ سید دو عالم ﷺ نے حارثہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جبریل نے بھی تیرے سلام کا جواب کہا ہے۔ (مرقاۃ)

۴...... حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جناب رسول کریم ﷺ نے کئی مرتبہ جنت میں دیکھا اوران کی جوتیوں کی آواز بھی سنی۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے: ''عَنْ بُرَیْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِیْ اِلَی الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَکَ اَمَامِیْ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّیْتُ رَکْعَتَیْنِ وَمَا اَصَابَنِیْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهٗ وَرَاَیْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَیَّ رَکْعَتَیْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِهِمَا''

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے صبح کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ تو کون سے عمل کی بدولت جنت میں مجھ سے پہلے جا پہنچا۔ اس لئے کہ جب کبھی جنت میں داخل ہوتا ہوں تو تیری جوتیوں کی آواز سنتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت جب کبھی اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نفل پڑھتا ہوں اور جب کبھی نیا وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز نفل پڑھنا لازمی سمجھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو یہ بات ان دونوں کی وجہ سے ہے۔ (مشکوۃ باب التطوع)

اب یہ بات کہ بدن ایک جگہ ہو تو دوسری جگہ وجود مثالی کس طرح ظاہر ہو سکتا ہے سمجھ میں آچکی ہوگی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کا دوسرے مقامات پر نظر آ سکنا درست ہے۔ جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ''وَالْجَوَابُ اَنَّهٗ مُمْکِنٌ'' (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا روح مبارک کبھی وجود مثالی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ صوفیاء کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو بعینہ ذات اقدس کی زیارت ہوتی ہے۔ (خصائل ص ۲۶۰)

کیونکہ آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی روح کو اپنے بدن مبارک میں ظاہر فرما سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے مشاہدات میں بیان فرمایا ہے۔ (فیوض الحرمین از شاہ صاحب ص ۳۲)

ف: قیوم دوراں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے اس مسئلہ پر اپنے علمی اور روحانی انداز میں مندرجہ ذیل ارشاد فرمایا ہے: ''باید دانست ممکن کہ در مقامات قرب الٰہی جل سلطانہ پا از دائرہ امکان بیرون ے نہد ازل و ابد را متحدی یابد حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام وتحیۃ در شب معراج در مقامات عروج یونس علیہ السلام را در بطن ماہی یافت وطوفان حضرت نوح علیہ السلام موجود بود باید فہمید کہ ایں حالت مر جسد پیغمبر و روح ایشاں را شدہ بود۔'' یہ جاننا چاہئے کہ ممکن جب کہ باری تعالیٰ کا مقرب بن کر دائرہ امکان سے قدم باہر رکھتا ہے تو وہ ماضی اور مستقبل کو برابر پاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے شب معراج یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا اور طوفان نوح علیہ السلام کو بھی اسی طرح بپا دیکھا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حالت آپ ﷺ کی جسمانی تھی اور روحانی بھی۔ یعنی اسی جسم اطہر اور انہی مبارک آنکھوں سے یہ سب کچھ ملاحظہ فرمایا تھا۔ (مبداء ومعاد ص ۴۱)

خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا فیصلہ

استاذ العلماء حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا: ''وَقَدْ تَکُوْنُ رُوْحُهُ الْمُبَارَکَةُ بِنَفْسِهَا مَعَ الْبَدَنِ الْمِثَالِیْ ثُمَّ قَدْ تَکُوْنُ یَقْظَةً اَیْضًا کَمَا اَنَّهَا قَدْ تَکُوْنُ مَنَامًا وَیُمْکِنُ عِنْدِیْ رُؤْیَتُهٗ ﷺ یَقْظَةً لِمَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ

سُبحَانَہٗ کَمَا نُقِلَ عَنِ السُّیُوطِیِ اَنَّہٗ رَأَی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِثْنَیْنِ وَعِشْرِیْنَ مَرَّۃً وَسَأَلَہٗ عَنْ اَحَادِیْثَ ثُمَّ صَحَّحَھَا بَعْدَ تَصْحِیْحِہٖ ﷺ وَالشَّعْرَانِیُّ اَیْضًا کَتَبَ اَنَّہٗ رَاٰی ﷺ وَقَرَأَ عَلَیْہِ الْبُخَارِیَّ فِیْ ثَمَانِیَۃِ رُفْقَۃٍ مَعَہٗ ثُمَّ سَمَّاھُمْ وَکَانَ وَاحِدٌ مِّنْھُمْ حَنَفِیًّا وَکَتَبَ الدُّعَاءَ الَّذِیْ قَرَأَہٗ عِنْدَ خَتْمِہٖ فَالرُّؤْیَۃُ یَقْظَۃً مُتَحَقِّقَۃٌ وَاِنْکَارُھَا جَھْلٌ ثُمَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ فِیْ لَفْظٍ اٰخَرَ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَۃِ'' اور آنحضرت ﷺ کی روح مبارک اپنے مثالی بدن کے ساتھ رونما ہوا کرتی ہے اور یہ زیارت کبھی بیداری میں بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ نیند میں ہوتی ہے اور میرے نزدیک آپ ﷺ کا بیداری میں دیکھنا ہو سکتا ہے جس کے نصیب میں اللہ کریم کر دے۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے متعلق پایا جاتا ہے کہ آپ نے ۲۲ دفعہ حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے چند احادیث کے بارے میں پوچھا اور پھر ان کی تصحیح بھی فرمائی۔ اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی لکھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ کے سامنے بخاری شریف پڑھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ آٹھ ساتھی بھی تھے، جن کے نام تک امام شعرانی نے بتائے ہیں۔ ان آٹھ دوستوں میں سے ایک حنفی بھی تھا۔ امام شعرانی نے وہ دعا بھی تحریر فرمائی جو بخاری کے ختم پر تھی۔ پس آپ کا جاگتے ہوئے دیکھ لینا ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنا نادانی ہے۔ صحیح مسلم میں ایک روایت میں تصریح موجود ہے کہ مجھ کو بیداری میں بھی دیکھ لے گا۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴)

ف: خود سید دو عالم ﷺ نے خواب میں بعض روایات کی تصدیق فرمائی ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ ''بَابُ مَایَقُوْلُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ وَالْمَنَامِ'' میں ابو عیاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو آدمی صبح و شام مندرجہ ذیل دعا پڑھے گا، اس کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا اور دس برائیاں ختم ہو جائیں گی اور دس درجے بلند ہوں گے اور شیطان کے حملوں سے محفوظ رہے گا۔ ایک مرد کو حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی تو آپ نے اس روایت کی تصدیق فرما دی۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بعض صوفیاء کے کلام میں بعض عبارتیں بعنوان حدیث پائی جاتی ہیں جن پر اکثر اہل ظاہران حضرات کو وضاع حدیث سمجھتے ہیں۔ مگر حاشا وکلا جو ایسے کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہوں بلکہ توجیہ اس کی یا تو یہ ہے کہ کشف المنام میں انہوں نے حضور پر نور ﷺ سے کچھ ارشادات سنے ہوں، اس لئے ان کو حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیا۔ خود محدثین نے حدیث منامیہ کو لفظ حدیث سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ امام صنعانی نے شارق میں یہ حدیث: ''اِذَا وُضِعَ الْعِشَاءُ'' (الحدیث) منام کے طریق سے نقل کی ہے۔'' (التکشف مطبوعہ در حیات حضرت تھانوی رحمہ اللہ ص ۴۴۶)

دُرِّ ثمین یعنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی خوابی چہل حدیث

نوٹ: حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تعلیم و تعلم کا ایک ذریعہ خواب کو بھی قرار دیا ہے جس پر اپنی مشہور کتاب ''الفوز الکبیر'' میں مدلل بحث فرمائی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ اور عالم خواب میں احادیث سنیں۔ بعض کی اصلاح فرمائی جن کو رسالہ کی صورت میں مرتب فرمایا اور اس کا نام در ثمین رکھا۔ یہ اصل رسالہ ۱۳۰۸ھ کو

حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ دہلوی کے نواسے مولوی ظہیر الدین عرف سید احمد نے مدرسہ عزیزیہ سے شائع کیا تھا۔ آج بھی کتب خانوں میں یہ رسالہ موجود ہے۔ اس میں تین قسم کی سندیں ہیں:

۱...... جن میں شاہ صاحب اور حضور انور ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

۲...... جن میں ایک واسطہ ہے۔

۳...... جن میں ایک واسطہ سے زیادہ واسطے ہیں۔

اس رسالہ کا ترجمہ اردو زبان میں مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری نے کیا۔ تبرکاً ایک حدیث کو درج کیا جاتا ہے: ''شاہ صاحب بالسند شیخ محمد بن الرحمٰن شارح مختصر الخلیل کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم شیخ عارف باللہ تعالیٰ عبد المعطی تونسی کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے چلے۔ جب روضہ شریف کے قریب پہنچے تو شیخ عبد المعطی کو دیکھا کہ چند قدم چلتے پھر کھڑے ہو جاتے، یہاں تک کہ حضور انور ﷺ کے روضہ انور کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کچھ ایسا کلام کیا جس کو ہم نہ سمجھے۔ جب ہم واپس ہوئے تو ان سے دریافت کیا کہ آپ بار بار کیوں کھڑے ہوتے تھے؟ جواب میں فرمایا کہ حضور انور ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہتا تھا۔ جب آپ ﷺ فرماتے تھے تو میں کچھ آگے بڑھ کر رک جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ امام بخاری رحمہ اللہ جو کچھ اپنی صحیح (بخاری میں) آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کیا وہ سب صحیح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا صحیح ہے۔ میں نے عرض کیا صحیح بخاری کو آپ ﷺ سے روایت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے روایت کرو۔''

شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ عبد المعطی رحمہ اللہ نے شیخ محمد بن خطاب کو روایت بخاری کی اجازت دی اور اسی طرح ہر استاد نے اپنے شاگرد کو اجازت دی۔ سید احمد بن عبد القادر نے شیخ نخلی کو اسی سند سے روایت کرنے کی اجازت دی۔ سید احمد بن عبد القادر نے شیخ ابو طاہر کو اجازت دی اور انہوں نے مجھے اجازت دی۔ (اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس حدیث شریف کو شیخ عبد الحق رحمہ اللہ صاحب دہلوی کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس میں صحیح بخاری کے ساتھ صحیح مسلم کا بھی ذکر ہے۔ یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں کی اجازت رسول کریم ﷺ سے حاصل کی۔''

ف ۱: یہ کتابیں درثمین اور فیوض الحرمین اکابر دیوبند کے ہاں معتبر اور مستند ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے ان کے حوالہ جات کو نقل فرمایا ہے۔ (حاشیہ کوکب دُرّی ج دوم ص ۲۱۱)

ف ۲: حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نہ صرف برصغیر کے محسن عظیم ہیں بلکہ آپ کی علمی اور روحانی برکات کا دائرہ تمام ممالک اسلامیہ تک وسیع ہے۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ موطا امام مالک رحمہ اللہ کی دو شرحیں لکھیں اور ''حجۃ اللہ البالغہ'' جیسی پُر از حکمت اسلامیہ کتاب تحریر فرمائی۔

حجۃ اللہ فی الارض الامام الشاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے مشاہدات

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ جن کے متعلق حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی رحمہ اللہ کا تاثر بالفاظ قطب عالم حضرت مدنی قدس سرہ العزیز یہ ہے کہ: ''مجھ کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی سیر مثل کف دست کرائی میں نے اپنے زمانے میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔'' (الفرقان ولی اللہ نمبر)

یہی حضرت ولی اللہ فرماتے ہیں مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے یہ نعمت بھی عطاء فرمائی کہ مجھے توفیق دی حج بیت اللہ اور زیارت رسول اللہ ﷺ کی ۱۱۴۳ھ میں اور اس سے بڑی نعمت یہ ملی کہ میرا حج مشاہدہ کے ساتھ ہوا اور معرفت کے ساتھ۔ (مقدمہ فیوض الحرمین)

اس کی تفصیل اپنے مشاہدہ نہم میں فرماتے ہیں: ''اور میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ کو اکثر امور میں اسی صورت میں جس میں آپ ﷺ تھے بار بار باوجودیکہ میری کمال آرزو تھی کہ روحانیت میں دیکھوں جسمانیت میں نہ دیکھوں آنحضرت ﷺ کو، مجھ کو دریافت ہوا کہ آپ کا خاصہ ہے روح کو صورت جسم میں کرنا اور یہی بات جو فرمایا آپ ﷺ نے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نہیں مرتے اور نماز پڑھا کرتے ہیں اپنی قبور میں اور وہ زندہ ہیں اور جو جو فرمایا ہے اور جب میں نے آپ پر درود پڑھا تب ہی مجھ سے خوش ہوئے اور انشراح فرمایا اور ظاہر ہوئے اور یہ اس واسطے کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔'' (فیوض الحرمین)

یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اپنے تمام علوم کو دربار سید دوعالم ﷺ کا ترتیب یافتہ تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ''مجھ کو سالک بنایا خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ نے تربیت فرمائی۔ پس میں اویسی ہوں اور شاگرد ہوں حضرت ﷺ کا بلا کسی واسطہ کے۔'' (مشاہدہ نمبر ۱۷)

ف: ''فیوض الحرمین'' اکابر علمائے دیوبند کے ہاں مستند اور معتبر کتاب ہے۔ جیسا کہ قطب الارشاد والتکوین حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے حج بیت اللہ سے پہلے زیارت مدینہ منورہ کرنے کا مشورہ دیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''فیوض الحرمین'' کا مطالعہ بھی کر ڈالئے۔ (مکاتیب ج۱ ص۱۲۹)

سوال: اگر یہ مان لیا جائے کہ جناب رسول کریم ﷺ کی زیارت خواب اور بیداری میں ہو سکتی ہے تو اس سے بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلنے کا امکان ہے۔ مثلاً کوئی فاسق فاجر یہ کہہ دے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا ہے کہ تم نماز نہ پڑھو تو اب اس کا کیا جواب ہوگا؟

جواب: جناب رسول اکرم ﷺ خداوند کریم کے مقرب خاص ہیں۔ وہ تو نیند میں بھی نہ کوئی غیر موزوں فعل فرما سکتے ہیں اور نہ اس کا حکم فرماتے ہیں۔ صحیح احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں دو بھائیوں کو دیکھا۔ ان میں سے چھوٹے کو مسواک دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو آپ ﷺ کو فرمایا گیا ''کبّر'' یعنی بڑے بھائی کو مسواک دے۔

یہ حدیث بخاری میں موجود ہے۔ چہ جائیکہ وہ خود کسی کو غیر مشروع بات یا کام کا حکم ارشاد فرمادیں۔ اس لئے ایسے آدمی کی بات کو تسلیم نہ کیا جائے گا بلکہ یہ اس کی سمجھ اور یادداشت کا قصور ہوگا۔

جیسا کہ محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل حکایت نقل فرمائی ہے: ''شیخ علی متقی صاحب ''کنز العمال'' (م ۹۷۵ھ) کے زمانہ میں ایک آدمی نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اس سے فرما رہے ہیں۔ اشرب الخمر (شراب پیا کر) یہ خواب اس نے علی متقی کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ نے در اصل یوں فرمایا ہے: ''لاتشرب الخمر'' (شراب نہ پیا کر) مگر تجھے یہ خواب نیند کی وجہ سے یاد نہ رہا۔ جیسا کہ دن میں بھی انسان بھول جاتا ہے، کیا تو شراب پیتا ہے؟ اس نے کہا ہاں میں شراب پیتا ہوں تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تجھے رسول اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔'' (فیض الباری ج۱ ص۲۰۳)

نیز شرعی احکام کے لئے تو جناب رسول اکرم ﷺ کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔ اس لئے انہی پر عمل کیا جائے اور انہی کے مطابق تعبیر کی جائے گی۔

سوال: آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک مخصوص طور پر کسی کو پورا یاد نہیں رہتا۔ اس لئے جب آپ ﷺ کی زیارت کسی دوسری صورت میں ہو تو اس کو کس طرح سمجھا جائے گا کہ یہ آپ ہی ہیں؟

جواب: آنحضرت ﷺ مختلف اور متعدد صورتوں میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ''محمد'' ہوں یا دوسرے قرائن سے اس کا علم ہو گیا تو بس وہ آپ ﷺ ہی ہیں۔ گیارہویں صدی ہجری کے محدث و شارح حدیث ملا علی قاری قدس سرہ العزیز نے فرمایا: ''صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زیارت کسی حالت میں بھی باطل اور غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر چہ آپ ﷺ اپنی اصلی شکل انور کے بغیر کسی دوسری صورت میں نظر آویں اس لئے کہ یہ شکل بھی منجانب اللہ بنائی جاتی ہے۔'' (جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۹۸)

اور وہ انسان خوش نصیب ہے جس کی شکل میں حضور انور ﷺ ظہور فرما دیں۔ اس لئے کہ اس انسان کو بھی مٹی نہ کھا سکے گی۔

چنانچہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''ان کے والد ماجد ان کے جد امجد کے ۲۱ برس بعد فوت ہوئے۔ دفن کے بعد کچھ ایسا واقعہ ہوا کہ ان کے دادا صاحب ظاہر ہو گئے۔ سب نے دیکھا کہ آپ کا جسم اسی طرح صحیح سلامت ہے۔ امام شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے خواب میں سنا کہ ایک آدمی فرما رہے ہیں کہ جو آدمی رسول اکرم ﷺ کی زیارت چاہتا ہو وہ آپ ﷺ کی زیارت مدرسہ سیوفیہ میں شیخ نورالدین شوقی کے ہاں کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں وہاں گیا تو میں نے مدرسہ کے پہلے دروازے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو اور تیسرے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھڑا پایا۔ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ جناب رسول کریم ﷺ کہاں ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ اس کمرہ میں تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ میں نے جو جا کر دیکھا تو اس جگہ شیخ نورالدین کو بیٹھے ہوئے پایا۔ ان سے میں نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کہاں ہیں تو وہ ہنس پڑے میں جناب رسول کریم ﷺ کو تلاش کرتا رہا تو جناب رسول کریم ﷺ کا چہرہ انور مجھ کو شیخ نورالدین میں ظاہر ہوا۔ پیشانی سے لے کر پاؤں کی انگلی تک نور ہی نور بن گیا اور شیخ کا اپنا چہرہ چھپ گیا۔ میں نے آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ جب صبح نیند سے بیدار ہوا تو یہ خواب نورالدین شوقی کے سامنے بیان کیا۔ آپ نے بے حد مسرت کا اظہار کیا اور یہ فرمایا کہ اگر آپ کی یہ خواب درست ہے تو میرا بدن میری موت کے بعد بھی نہ گلے گا۔ چنانچہ شیخ کی وفات کے ۱۳ برس بعد ان کی لاش کو دیکھا گیا تو اسی طرح صحیح وسلامت تھی۔'' (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۶)

یہ عقیدہ واقعات کی روشنی میں

اگر چہ یہ عقیدہ تواتر سے ثابت ہے اور اس کی کئی مثالیں اور تاریخی واقعات موجود ہیں۔ مگر رسالہ کے اختصار کے پیش نظر چند واقعات درج کئے جاتے ہیں:

۱...... دسویں صدی ہجری کے مجدد علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک فریادی آیا اور اس نے درخواست کی کہ آپ سلطان قائتبائی خان کے پاس جا کر میری سفارش کریں۔ آپ نے اس کو جواب میں کہا

کہ: ''اے میرے بھائی میں پچھتر دفعہ سید دو عالم ﷺ کی زیارت سے جاگتے اور نیند کی حالت میں بھی مشرف ہو چکا ہوں۔ آپ ﷺ سے بعض احادیث کی صحت کے متعلق پوچھ چکا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر میں آپ کے ساتھ سلطان کے پاس سفارشی ہو کر چلا جاؤں تو اس سے ہو سکتا ہے کہ زیارت پھر مجھے نصیب نہ ہو۔ میں اس شرف اور بزرگی کو جو زیارت سید دو عالم ﷺ سے مجھ کو حاصل ہے اس شرف سلطانی پر ترجیح دیتا ہوں۔'' (سعادت دارین ص ۴۳۷)

۲...... امام اشعری کا پہلا مسلک اعتزال تھا۔ آپ کو تین دفعہ خواب میں جناب رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ اشعری کو فرمایا کہ اے ابوالحسن میری احادیث کی تائید کرو، اس لئے کہ وہ صحیح ہیں۔ چنانچہ ابوالحسن اشعری نے احادیث کا مطالعہ شروع کر دیا اور بالآخر اعتزال سے تائب ہو کر اہل سنت کا مسلک اختیار فرمایا۔ (طبقات کبریٰ ج۱)

۳...... نویں صدی ہجری کے مفسر قرآن عزیز شیخ علاؤالدین بن محمد رحمۃ اللہ علیہ جو کہ چھوٹی عمر میں تالیف اور تصنیف کا کام کرنے کی وجہ سے مصنفک (چھوٹا مصنف) کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے مصابیح کی شرح لکھی اور یہ فرمایا کہ یہ شرح میں نے سید دو عالم ﷺ کے حکم سے لکھی ہے۔ آپ سلطان روم کے ہاں بڑے معزز سمجھے جاتے تھے۔ ۸۷۵ھ میں وفات پائی اور قسطنطنیہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ (تذکرۃ المصنفین ص ۱۴۳)

علامہ نورالدین سمہودی (م ۹۱۱ھ) (جنہوں نے مدینہ منورہ کے حالات پر مفصل اور محققانہ تبصرہ فرمایا ہے اور جن کی تصویب اور توثیق خاتم المحدثین بخاری ہند علامہ سید محمد انور شاہ صاحب نے بھی فرمائی ہے) نے کئی واقعات نقل فرمائے ہیں جن میں سے چند درج کئے جاتے ہیں۔

۴...... ابن الجلاء کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مدینہ منورہ آیا اور سخت بھوک لگی تو قبر انور کے پاس آ کر درخواست کی کہ حضرت شہنشاہ کونین کا مہمان حاضر ہے۔ اتنے میں مجھ کو نیند آئی۔ خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو ایک چپاتی عنایت فرمائی ہے جو میں نے کھانی شروع کر دی۔ ابھی آدھی کھا چکا تھا کہ میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ جب میں جاگا تو اپنے ہاتھ میں آدھی روٹی کو موجود پایا۔

۵...... ابوالخیر اقطع کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ گیا۔ پانچ دن تک بھوکا رہا۔ آخر پانچ یوم کے بعد دربار سید دو عالم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھ کر کہا کہ حضرت میں تو جناب کا مہمان ہوں یہ کہہ کر قبر انور کے پیچھے سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ دائیں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے آگے آگے حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، انہوں نے مجھے ہلاتے ہوئے فرمایا کہ اٹھ جناب سردار دو جہاں ﷺ تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ میں اٹھا اور حضور انور ﷺ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضور انور ﷺ نے مجھ کو ایک چپاتی دی جو میں نے کھالی۔ ابھی آدھی کھائی تھی کہ جاگ پڑا۔ اٹھا تو میرے ہاتھ میں چپاتی موجود تھی۔

۶...... محمد ابن ابی زرعہ شیرازی کا بیان ہے کہ میں اپنے باپ اور عبداللہ ابن حنیف کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا۔ ہم سخت مفلس اور قلاش ہو گئے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو میں نے اپنے والد ماجد سے بھوک کی شکایت کی۔ چونکہ میں ابھی بچہ تھا، اس لئے میری بھوک سے سخت بے تابی دیکھ کر میرے والد ماجد دربار سید دو عالم ﷺ میں مراقب ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم سب آپ ﷺ کے مہمان ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے باپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ میرے والد ماجد ہنس بھی رہے ہیں اور رو بھی رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ نے میرے ہاتھ میں کچھ نقدی دے دی ہے۔ یہ کہہ کر میرے باپ نے مٹھی کھولی تو اس میں روپے

موجود تھے۔ اللہ کریم نے ان میں اس قدر برکت ڈالی کہ جب ہم شیراز واپس لوٹے تو وہی ہمارا سرمایہ رہا۔

۷...... علامہ نورالدین فرماتے ہیں کہ میں نے خود شیخ محمد ابن ابی امان سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں محراب فاطمہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ شریف مکہ بعد زیارت روضۂ اطہر کے واپس لوٹ کر آیا اور وہ بڑا ہشاش بشاش تھا۔ روضۂ اطہر کے خادم شمس الدین صواب نے اس سے پوچھا کہ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے دربار سید دوعالم ﷺ میں اپنی بھوک کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے مجھ کو دودھ کا ایک پیالہ پلایا جس کو میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور وہ ابھی تک میرے منہ میں موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ہتھیلی پر تھوک ڈالا تو وہ دودھ تھا۔

اسی طرح بہت سی حکایات علامہ نورالدین نے ذکر فرمائی ہیں:

۸...... قصیدہ بردہ جس کو عرف عام میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے، مگر اس کا صحیح نام جیسا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی ﷫ نے فرمایا ہے: ''بُرْءُ الدَّاءِ'' یعنی وہ قصیدہ جس کے پڑھنے سے بیماری سے شفاء ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الہند کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی ﷫ دیوبندی نے اس کی وجہ تالیف میں فرمایا ہے کہ: ''مصنف قصیدہ حضرت علامہ ابوعبداللہ شرف الدین محمد ابن سعید بوصیری نے فرمایا کہ مجھ پر فالج کا حملہ ہوا جس نے میرے بدن کے نچلے حصے کو بالکل شل کر دیا۔ میں سخت معذور اور لاچار ہو گیا۔ مجھے خواب میں یہ الہام کیا گیا کہ میں جناب سید دوعالم ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھوں اور اس کو دربار خداوندی میں اپنی بیماری سے شفاء کی درخواست کا وسیلہ بنا کر دعا کروں۔ چنانچہ میں نے یہ قصیدہ لکھا اور سو گیا۔ خواب میں جناب سرور کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو میرے بدن پر پھیرا، میں اسی وقت تندرست ہو گیا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو اپنے آپ کو بالکل تندرست پایا۔ جب کہ میں صبح گھر سے نکلا تو مجھ کو فقیر منش بزرگ نے یہ کہا کہ میں آپ سے اس قصیدہ کو سننا چاہتا ہوں جو آپ نے سرور کائنات ﷺ کی مدح میں لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو بہت سے قصائد لکھے ہیں، آپ کون سے قصیدہ کے متعلق فرماتے ہیں؟ اس پر اس درویش نے فرمایا کہ وہ قصیدہ جس کا ابتدائی شعر یہ ہے ؎

اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِىْ سَلَمٍ

مجھ کو یہ بات سن کر بڑا تعجب ہوا، اس لئے کہ میں نے یہ قصیدہ کسی کو نہیں سنایا تھا۔ اس درویش نے فرمایا کہ جب یہ قصیدہ پڑھا جا رہا تھا تو میں نے اس کو سنا اور میں نے دیکھا کہ جناب رسول اکرم ﷺ سرسبز ٹہنی کی طرح جھوم رہے تھے۔'' (عطر الوردہ ص ۳)

یہ بات اتنی مشہور ہے کہ تواتر تک پہنچ چکی ہے۔

ف: دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں قصیدہ ''بُرْءُ الدَّاءِ'' کا پڑھانا بھی داخل ہے، مگر اس لحاظ سے نہیں کہ یہ ایک بلند پایہ علمی اور ادبی کتاب ہے اور اس کے پڑھنے سے عربی زبان اور عربی ادب میں مہارت پیدا ہو سکتی ہے بلکہ جیسا کہ شاہ محمد الیاس صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ: ''اس قصیدہ کا داخل نصاب فرمانا، اس لئے ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ سے محبت زیادہ ہو۔'' (ملفوظات)

۹...... شیخ الاسلام مولانا مدنی ﷫ کا ۲/ مارچ ۱۹۵۲ء کو داہنا حصہ سن ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے تشخیص کی کہ یہ فالج کا اثر ہے۔ آپ کو بڑا صدمہ اور تکلیف ہوئی۔ دوسرے یوم آپ نے فرمایا کہ میں نے آج رات خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ مجھ کو آپ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ پر دعا پڑھی اور دم کیا، اور فرمایا

کہ حسین احمد تشویش کی کوئی بات نہیں ہم صرف تمہاری عیادت کو آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت بفضلہ تعالیٰ تندرست ہو گئے۔ (الصدیق بحوالہ مکتوبات شیخ الاسلام)

۱۰...... حضرت سید احمد رفاعی رحمہ اللہ صوفیائے امت اور اولیائے ملت میں سے گزرے ہیں۔ ان کا واقعہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے: ''وہ حضور اقدس ﷺ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور شدت شوق میں یہ اشعار پڑھے۔

فِیْ حَالَۃِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُھَا　　تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَ ھِیَ نَائِبَتِیْ
فَھٰذِہٖ دَوْلَۃُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ　　فَامْدُدْ یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِھَا شَفَتِیْ

''جب میں جناب سے دور تھا (وطن میں) تو اپنی روح کو بھیج دیتا تھا اور وہ اس پاکیزہ زمین کو چوم لیا کرتی تھی۔ اب تو میں اپنے بدن کے ساتھ حاضر ہوں، اس لئے از راہ کرم اپنا ہاتھ مبارک ظاہر فرمادیں تاکہ میرے ہونٹ بھی بوسہ لے کر شرف حاصل کر سکیں۔''

فوراً حضور ﷺ کا دست مبارک مزار مبارک سے ظاہر ہوا۔ انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت حضور سرور کائنات ﷺ کے نور سے سورج بھی ماند ہو گیا تھا۔ لکھا ہے کہ اس وقت نوے ہزار آدمیوں کا مجمع تھا جس میں بڑے بڑے قطب اور غوث ابدال اور بزرگ بھی موجود تھے۔''

(بنیان المشید، فضائل درود شریف وفضائل حج از شیخ الحدیث مولانا زکریا ص ۱۵۱)

ف: حضرت سید احمد رفاعی کبیر رحمہ اللہ چھٹی صدی ہجری کے بڑے ولی ہوئے ہیں۔ آپ نے تصوف میں ایک کتاب ''البرھان المؤید'' لکھی ہے جس کا ترجمہ اردو میں مولانا ظفر احمد عثمانی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ ٹنڈو الہ یار نے حضرت حکیم الامۃ کے حکم سے فرمایا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز نے فرمایا یہ کتاب اس قابل ہے کہ سالکین بطور ورد کے اس کا مطالعہ کریں۔ اب دار العلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ (دار العلوم جون ۱۹۸۰ء)

۱۱...... حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کے متعلق مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''بفضلہ تعالیٰ اس جوار پاک شہ لولاک میں پہنچے اور شرف جواب صلوٰۃ وسلام حضرت خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہوئے۔'' (امداد المشتاق ص ۱۲)

۱۲...... حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب صدر المدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی کا بیان ہے کہ ان سے: ''حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب مرحوم مفتی مالیر کوٹلہ نے بیان کیا کہ جب میں ایک بار مدینہ منورہ گیا تو مشائخ وقت سے یہ تذکرہ سنا کہ امسال روضہ اطہر سے عجیب کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ ایک نوجوان نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا تو دربار رسالت سے وعلیکم السلام کے پیارے الفاظ سے اس کو جواب ملا! سمجھے یہ ہندی نوجوان کون تھا؟ یہی تمہارے استاذ مولانا سید حسین احمد مدنی۔'' (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

۱۳...... امام الحرمین فرماتے ہیں کہ میں نے فلاسفہ، معتزلہ، اہل سنت کے دلائل کو باہم برابر پایا اور حیران تھا کہ کس طرف رجوع کروں۔ سید دوعالم ﷺ نے خواب میں فرمایا: ''عَلَیْکَ بِاعْتِقَادِ الصَّابُوْنِیْ'' چنانچہ میں نے وہی مسلک اہل سنت اختیار کر لیا۔

ف: یہ امام صابونی اسماعیل بن عبدالرحمن مشہور محدث اور مفسر ہیں جن کی وفات بروز جمعہ ۴ر محرم ۴۴۹ھ کو ہوئی۔ (بستان المحدثین فارسی ص ۸۶)

۱۴ یحییٰ بن معین محدث، جنہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں ۲۳۳ھ کو مدینہ منورہ کی حاضری کے بعد مکہ مکرمہ جانے لگے۔ پہلی ہی منزل پر روح اقدس سید دو عالم ﷺ نے فرمایا ہمارے قرب کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ واپس مدینہ منورہ لوٹ آئے تین دن کے بعد رحلت فرما گئے۔

۱۵...... پانچویں صدی ہجری کے محقق عالم ابوالشکور السالمی نے فرمایا ہے: ''میں نے سید دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ سید دو عالم ﷺ کی نورانی چمک سے میں صرف چہرہ اقدس کی سفیدی ہی دیکھ سکا۔ میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں جو آدمی ہر جمعہ کو دو سیر غلہ یا دو درہم (مجھے پورا یاد نہیں) صدقہ دے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ماں باپ دونوں کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔''

اس خواب کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابوالشکور السالمی نے فرمایا ہے کہ اس ارشاد میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ: ''قبر کا عذاب حق ہے اور زندہ لوگوں کے صدقات اور دعائیں مردوں کو نفع دیتی ہیں۔'' (تمہید ابوالشکور السالمی ص ۱۵۹)

۱۶...... حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ میں جب قحط پڑا تو بلال بن الحارث صحابی ؓ امام الانبیاء ﷺ کی قبر پر حاضر ہوئے اور یوں عرض کیا: ''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِسْتَسْقِ اللّٰہَ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا'' یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے پانی کی درخواست فرمائیں۔ آپ ﷺ کی امت قحط سے ہلاک ہو چکی ہے۔

تو سید دو عالم ﷺ نے ان کو خواب میں آکر فرمایا کہ عمر ؓ کو جا کر میرا اسلام کہہ دے اور یہ بھی کہہ دے کہ بارش ہو جائے گی۔ چنانچہ جلد ہی بارش کا نزول ہوا۔ (فتح الباری شرح بخاری، رسائل کوثری ص ۳۸۱)

۱۷...... دسویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم عبدالوہاب شعرانی نے کئی واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے دربار عالی کا حاضر باش ہوں۔ اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ میرے درمیان اور روضہ اقدس کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ میں اپنے ہاتھ کو روضہ اطہر پر پاتا ہوں اور اسی طرح محبوب دو عالم ﷺ کے ساتھ کلام کرتا ہوں جس طرح اپنے پاس بیٹھے ہوئے کے ساتھ بات کی جاتی ہے۔'' (المنن الکبری مطبوعہ مصر ص ۱۴۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے نقل فرمایا ہے کہ:

۱۸...... تیونس کے ایک عالم باعمل جن کا نام ایمن ابوالبرکات بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد (چودہ پشت کے اجداد کا نام محمد ہی تھا) نے مدینہ منورہ میں کافی زمانہ گزارا۔ جب وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو سید دو عالم ﷺ نے خواب میں فرمایا: ''تو نے کس طرح ہماری جدائی کو پسند کر لیا۔'' چنانچہ مدینہ منورہ سے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنا نام عاشق النبی رکھا۔ ۷۳۴ھ کو مدینہ منورہ ہی میں وصال فرمایا۔ (دررکامنہ ج ۱ ص ۴۳۱)

علامہ شوکانی نے مزید لکھا ہے کہ: ''تیونس کے والئی نے آپ سے وطن آنے کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر مجھے مشرق و مغرب کی حکومت بھی دی جائے تو سید دو عالم ﷺ کا قرب نہ چھوڑوں گا۔''

(البدر الطالع ج ۱ ص ۱۶۰)

۱۹...... تیسری صدی ہجری میں والئی مصر احمد بن طولون نے جب جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو خواب میں سید دوعالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے مسجد کا قبلہ اپنے دست مبارک سے لکیر کھینچ کر بنایا اور حکم دیا کہ اسی پر قبلہ کا رخ رکھا جائے۔ صبح کو احمد بن طولون بیدار ہوتے ہی جب اس جگہ پہنچا تو زمین پر اسی طرح خط کشیدہ پایا۔ اسی پر عمارت بنائی جس پر ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ آئے اور وہ مصر کی عظیم مسجد ہے۔ (حسن الحاضرہ فی اخبار مصر وقاہرہ ص ۱۸۱)

۲۰...... مولانا حبیب اللہ ﷫ پوری کئی دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور سید دوعالم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ ایک طویل قصیدہ میں فرمایا: ''اَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ عَیْنِ یَقْظَتِیْ وَ جَالَسَنِیْ مُسْتَقْبِلاً وَھِیَ قِبْلَتِیْ'' سید دوعالم ﷺ کی زیارت میں نے بیداری میں کی اور آپ ﷺ نے مجھے اپنے قریب بٹھانے کا شرف بخشا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۲۷)

مولانا کا انتقال ۱۰۴۱ھ کو ہوا۔

تاریخ مدینہ منورہ کے مستند مرتب ''ابن النجار'' نے ابراہیم بن بشار ﷫ سے بیان فرمایا ہے کہ میں حج کے بعد مدینہ منورہ آیا اور سید دوعالم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو حجرہ مطہرہ کے اندر سے آواز آئی: ''وعلیک السلام'' اور ایسا ہی جواب اولیاء کرام اور صلحاء امت کی ایک جماعت نے سنا ہے۔

(وفاالوفاج ۴ ص ۱۳۵۲)

۲۱...... علامہ بحرالعلوم لکھنوی نے تاریخ کازرونی کے حوالہ سے مندرجہ ذیل واقعہ نقل فرمایا ہے کہ: ''ایک کافر بدو سید دوعالم ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوا اور آتے ہی فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور ساتھ ہی قسم کھا کر یہ کہا کہ میں نے آج سے پہلے نہ اس سے مقدس اور بابرکت قبر کو دیکھا ہے اور نہ اس کی عظمت سنی ہے۔ لیکن اس قبر عالی وقار کی عظمت اور محبت میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈال دی ہے۔ پھر مندرجہ ذیل اشعار پڑھے ؎

مَرَرْتُ عَلَی الْقَبْرِ الشَّرِیْفِ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ فَکَلَّمَنِیْ وَالْقَبْرُ غَیْرُ مُکَلِّمٖ

''میرا گزر محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر ہوا تو قبر مبارک نے میرے ساتھ کلام کیا۔ حالانکہ (عام طور پر) قبر بولا نہیں کرتی۔''

وَبِالْقَبْرِ آثَارُ النُّبُوَّۃِ قَائِمٌ ۔۔۔ تَصَدَّعُ فِیْہِ قَلْبُ کُلِّ مُسْلِمٖ

''آپ کی مزار سے نبوت کے آثار ایسے قائم ہیں جو ہر مسلمان کے دل میں اثر انداز ہوتے ہیں۔''

وَاِنْ اَنَالَمْ اَعْھَدْکَ یَاسَیِّدَ الْوَرٰی ۔۔۔ فَقَبْرُکَ نَبَانِیْ ان فیہ مکرم

''اس سے پہلے اگرچہ میں جناب سے ناواقف تھا مگر جناب کی قبر نے مجھے اطلاع دی کہ میرا محبوب اس میں آرام فرما ہے۔'' (ارکان اربعہ ص ۲۸۰)

۲۲...... قراء سبعہ میں امام قرات نافع مدنی بھی ہیں۔ وہ جب تلاوت فرمایا کرتے تھے تو ان کے منہ سے خوشبو آیا کرتی تھی، جس کی وجہ یہ ہے کہ سید دوعالم ﷺ نے خواب میں ان کے منہ میں قرات فرمائی تھی۔ علامہ شاطبی ﷫ نے یوں فرمایا:

فَاَمَّا الْکَرِیْمُ السِّرِّفِی الطِّیْبُ نَافِعٌ ۔۔۔ فَذَاکَ الَّذِی اخْتَارَ الْمَدِیْنَۃَ مَنْزِلٗ

(شاطبی شعر ۲۵)

۲۳...... امام محمد صنعانی ابن حسن فاروقی، آپ کی ولادت التمش کے زمانہ میں لاہور میں ہوئی۔ طلب علم کے لئے حرمین شریفین گئے۔ وہاں سے واپسی پر لاہور آئے تو التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ تخت نشین تھی، جس کو آپ نے پسند نہ فرمایا اور پھر بغداد تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں ۹ رشعبان ۶۵۰ ھ کو وفات پائی۔ آپ نے حدیث کی ایک کتاب لکھی جس کا نام ''مشارق الانوار'' ہے۔ ہندوستان کے جلیل القدر عالم شیخ شمس الدین خوارجی کو سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا خواب میں شرف حاصل ہوا۔ آپ نے مشارق الانوار کی احادیث کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اَحَادِیْثُ مَشَارِقَ کُلُّھَا صَحِیْحَۃٌ'' شارق کی سب احادیث صحیح ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۶۵)

۲۴...... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ کے سفر آخرت کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ فراق کے صدمہ کو برداشت نہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ سے شام کے ایک قصبہ جابیہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ سید دو عالم ﷺ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اتنی سنگدلی؟ کیا تو میری زیارت کے لئے نہیں آتا؟ بیدار ہوتے ہی رخت سفر باندھا اور مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ دربار اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خصوصاً امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کا فرمایا۔ آپ نے نماز کے وقت اسی جگہ کھڑے ہو کر اذان کہی جہاں سید دو عالم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر! سارا مدینہ منورہ کانپ گیا۔ جب کلمہ شہادت پڑھا تو سارا مدینہ آہ و بکا کی لپیٹ میں آ گیا۔ حتیٰ کہ پردہ نشین عورتیں پردہ سے باہر نکل آئیں اور یوں معلوم ہوا کہ سید دو عالم ﷺ روضہ اقدس سے باہر تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ شدت فراق سے اذان بھی پوری نہ کر سکے۔ (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۳۵۶)
اسے محدث ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے پختہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (آثار السنن از شوق نیموی ص ۱۲۶)

آئمہ مجتہدین کی دربار نبوی ﷺ میں قبولیت

اکثر علماء کرام اور بزرگان دین کو دربار نبوت میں حاضر باشی کی سعادت حاصل رہی ہے اور وہ سید دو عالم ﷺ کی زیارت سے بیداری اور جاگتے ہوئے بھی شرف حاصل کر لیتے تھے۔ ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ) کو یہ شرف بدرجہ کمال حاصل تھا۔ (جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے) یہاں صرف ایک واقعہ جس کا تعلق اس سعادت سے ہے ذکر کیا جاتا ہے۔

۲۵...... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن کی عمر میں جب کہ آپ مکتب میں پڑھ رہے تھے، سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی اور اس خواب کو اپنے استاذ کے سامنے بیان فرمایا تو استاذ محترم نے فرمایا کہ: ''اگر واقعی تو نے سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی ہے تو تیرا قدم آپ کی شریعت پر ثابت رہے گا اور تو آنحضرت ﷺ کی شریعت کی اشاعت کرے گا۔'' (تعبیر نامہ ابن سیرین ص ۳۴)

ف: ولی کامل حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ''میں ملک شام میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سید دو عالم ﷺ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور اپنی بغل مبارک میں ایک ایسے بوڑھے کو اٹھایا ہوا ہے جیسے بچوں کو اٹھایا جاتا ہے۔ میں نے قدم مبارک کو بوسہ دیا اور دل میں یہ خیال گزرا کہ یہ کیسا خوش بخت اور عجیب

بچہ ہے کہ قد چھوٹا اور داڑھی موجود ہے۔ میرے اس خیال کو سید دو عالم ﷺ نے اپنی نورانی فراست سے معلوم فرماتے ہوئے خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ خوش بخت بچہ تیرا اور تیرے علاقہ کے لوگوں کا امام ہے۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ'' (کشف المحجوب فارسی ص۹۹، ۱۱۰)

۲۶...... ایک دفعہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ سید دو عالم ﷺ تشریف لائے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اس نوجوان (احمد بن حنبل) کو خوشخبری دو کہ عنقریب اسے اللہ کے دین کے بارے میں آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ اس سے کہا جائے گا کہ قرآن کو مخلوق کہو۔ پھر اس کے انکار پر اسے سخت سزائیں دی جائیں گی اور ان ہی سزاؤں کی جزاء میں اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کے ذکر کو عام کردے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر سے یہ خواب لکھ کر اپنے شاگرد رشید ربیع کو دے کر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بغداد بھیجا۔ اس بشارت کو پڑھ کر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اپنے بدن سے ایک کپڑا اتار کر ربیع کو بطور انعام کے دے دیا۔ (بحوالہ طبقات سبکی ج۱ ص۲۰۵)

۲۷...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق دربار سید دو عالم ﷺ کے ساتھ کس قدر گہرا اور مضبوط رہا ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل شہادت کافی ہے: ''جب سید دو عالم ﷺ کا اسم مبارک زبان پر آتا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ مسجد نبوی میں شور و غل ناپسند فرماتے کہ یہ آستانہ نبوت ہے۔ اگر ''کوئی گستاخی'' ہوئی تو مداوا نہ ہوگا؟ کلام نبوی اس وقت تک زبان پر نہ آتا جب تک وضو یا غسل فرما کر باادب بیٹھ نہ لیتے۔ آپ کے اصطبل میں کثرت سے گھوڑے اور خچر تھے مگر کبھی مدینہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے اور فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین قدوم نبوی سے مشرف ہوئی اس کو میں جانوروں کی سموں سے روندوں۔ کوئی شب ایسی نہ گزرتی جس میں عالم رؤیا میں زیارت نبوی کا شرف حاصل نہ ہوتا۔'' (تذکرۃ المحدثین ج۱ ص۷۳)

۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ میں جو مشہور واقعہ ہوا جس کو ''واقعۃ الحرہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس واقعہ میں دس ہزار سے زیادہ اہل مدینہ شہید کر دیئے گئے اور مسجد نبوی بھی ان شامی بدبختوں سے محفوظ نہ رہ سکی۔ لوگ گھروں میں نماز ادا کرتے تھے۔ صرف ایک تابعی سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی میں رہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے کئی راتیں مسجد نبوی میں اس طرح گزاریں کہ سوائے میرے کوئی بھی انسان مسجد میں عبادت کے لئے نہ آتا تھا۔ جب شامی بدبخت مسجد میں بے ادبی کے لئے آتے تو مجھے دیکھ کر کہتے اس بوڑھے پاگل کو دیکھو، جب نماز کا وقت آتا تو روضہ اقدس سے اذان کی آواز آتی اور پھر اقامت بھی کہی جاتی۔ میں اکیلے نماز ادا کر لیتا۔'' (وفاء الوفاء ج۱ ص۱۴۴)

۲۹...... قصہ نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ: مدینہ منورہ کے مستند مؤرخ علامہ نورالدین سمہودی نے اپنی مرتبہ کتاب ''وفاء الوفاء'' میں تحریر فرمایا ہے کہ سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سلطان نے تین رات نماز تہجد کے بعد لگاتار یہ دیکھا کہ سید دو عالم ﷺ دو بدبخت انسانوں کی طرف اشارہ فرما کر یہ حکم دے رہے ہیں کہ مجھے ان دو بدبختوں سے بچاؤ۔ سلطان نے تیسرے دن اپنے سعادت مند وزیر جمال الدین موصلی سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ یہاں اب بیٹھنا نہیں چاہئے بلکہ خفیہ طور پر فوراً مدینہ منورہ پہنچ کر اس صورتحال سے نمٹا جائے۔ چنانچہ اپنے بیس خاص خدام اور کافی مال ساتھ لے کر سولہ دن سفر طے کر کے سلطان مدینہ منورہ پہنچا اور حکم دیا کہ سب اہل مدینہ آئیں تاکہ ان کو انعام دیا جائے۔ سب اہل مدینہ آئے مگر جن دو کی شکل خواب میں دکھائی گئی تھی، وہ نہ آئے۔ معلوم کرنے پر

پتہ چلا کہ دو ایسے پردیسی یہاں قیام پذیر ہیں جو رات دن عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ کسی کے ہاں نہیں جاتے۔ آخر سلطان نے ان کو بلوایا تو وہی نکلے جو خواب میں سید دو عالم ﷺ نے دکھائے تھے۔ سلطان ان کے حجرہ میں گیا تو ایک چٹائی کے نیچے ایک سرنگ کو پایا جو روضہ اطہر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ سلطان کے استفسار پر انہوں نے راز کھول دیا کہ وہ اندلس کے عیسائی ہیں اور عیسائی حکومتوں نے ان کو اس لئے بھیجا ہے کہ جسد اطہر کو نکال کر لے آؤ اور وہ ساری کارروائی جو انہوں نے کی تھی بیان کر دی۔ آخر سلطان نے ان کی گردن اڑا دی اور پھر ان کی لاشوں کو جلا دیا۔ اس کے بعد پانی تک زمین کھدوا کر سیسہ اور قلعی پگھلا کر دیوار بنادی جو حجرۂ اطہر کے اندر ہے اور جالیوں سے نظر آتی ہے۔

اس واقعہ کو مؤرخ محمد اور مطری نے مدینہ منورہ کے علماء اور مشائخ سے نقل کیا اور زین مراغی خالد بن محمد بن نصر قیسرانی اور موفق الدین ابوالبقاء نے باسند نقل کیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد علامہ جمال الدین اسنوی (م ۷۱۰ھ) نے ایک کتاب بہ نام "اَلْاِنْتِصَارَاتُ الْاِسْلَامِیَۃ" لکھی ہے جس میں یہ تحریر کیا ہے کہ کسی حال میں بھی نصاریٰ کو خادم نہ رکھا جائے اور نہ ان پر اعتماد کیا جائے۔ (وفاء الوفاء ج اول)

۳۰...... چوتھی صدی ہجری کے ولی کامل ابوبکر محمد کلاباذی حنفی (م ۹۹۰) ۳۸۰ھ کی مرتبہ کتاب "اَلتَّعَرُّف لِمَذْھَبِ اَھْلِ التَّصَوُّفِ" مطبوعہ قاہرہ سے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔

الف: ابوبکر محمد بن علی الکتانی نے کہا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سید دو عالم ﷺ کے ساتھ چار بزرگ انسان ہیں۔ ان کا تعارف حضور انور ﷺ نے کراتے ہوئے فرمایا ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھے ساتھ لے کر صفا پہاڑی پر چڑھ گئے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے اپنے آپ کو کوہ صفا پر پایا۔ حالانکہ میں اپنے حجرے میں سویا تھا۔

ب: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے بصرہ کی مسجد میں جا کر دیکھا کہ ہمارے چند ساتھی مسجد میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی غیبت کر رہے ہیں تو میں نے ان کو ارشادات سید دو عالم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات غیبت کی مذمت میں سنائے تو انہوں نے غیبت چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دی۔ اتنے میں وہ آدمی بھی آ گیا تو وہ بھی اس سے ملے اور میں نے بھی ان کے ساتھ اس کی ملاقات کی۔ اس کے بعد وہ بھی اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں بھی اپنے گھر چلا گیا۔ رات کو نیند میں دیکھا کہ ایک حبشی غلام میرے لئے ایک رکابی کھانے کے لئے لایا جس میں مرغن کھانا ہے اور اس پر خنزیر کے گوشت کا ایک ٹکڑا پڑا ہے اور مجھے اس کے کھانے کا کہا۔ میں نے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ یہ تو خنزیر کا گوشت ہے۔ اس نے زور سے میرے جبڑے کھول کر اس کو میرے منہ میں رکھ دیا۔ میں اس کے ڈر کے مارے اس کو چباتا رہا اور باہر نہ پھینک سکا۔ اسی پریشانی کے عالم میں میری آنکھ کھل گئی۔ جب کوئی چیز کھاتا یا پانی پیتا تو خنزیر کے گوشت کا ذائقہ منہ میں پاتا اور ناک میں اس کی بدبو پاتا۔ (ص ۱۵۳، ۱۵۴)

۳۱...... شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں مندرجہ ذیل واقعہ تحریر فرمایا ہے:

ایک روز اشعار کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ اس میں ایک مصرعہ تھا ؎

ہاں اے حبیب رخ سے اٹھا دو حجاب کو

یہ اس وقت بہت بھلا معلوم ہوا۔ میں مسجد شریف میں حاضر ہوا اور مواجہہ شریفہ میں بعد ادائے آداب

وکلمات مشروعہ انہیں الفاظ کو پڑھنا اور شوق دیدار میں رونا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی جس پر یہ محسوس ہونے لگا کہ مجھ میں اور جناب رسول اللہ ﷺ میں کچھ حجاب دیواروں اور جالیوں وغیرہ کا حائل نہیں ہے اور آپ ﷺ کرسی پر سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سامنے ہے اور بہت چمک رہا ہے۔ (ج ۱ ص ۱۰۷)

۳۲...... خود دارالعلوم دیو بند کی ابتدائی عمارت نودرہ کی بنیاد سید دوعالم ﷺ کے ارشاد عالی اور نشان زدہ خطوط پر رکھی گئی ہے، جس کا مختصر سا تذکرہ یہ ہے کہ جب طلباء اور اساتذہ کی تعداد زیادہ ہو گئی تو بزمانہ مولانا شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ چند کمرے بنانے کے لئے کچھ نشانات لگا دیئے گئے، مگر کام شروع کرنے سے پہلے سید دوعالم ﷺ نے خواب میں شاہ صاحب رحمہ اللہ سے ارشاد فرمایا کہ جو خطوط میں نے کھینچے ہیں ان پر عمارت بنائی جائے۔ ''علی الصّباح'' جب شاہ صاحب اس جگہ تشریف لائے تو واقعی نشانات جدیدہ موجود تھے۔ انہی پر ۱۸۷۷ء ۱۲۹۲ھ میں وہ عمارت تیار ہوئی جو نودرہ کے نام سے مشہور ہے۔

آج بھی دارالعلوم دیو بند کے ترانہ میں یہ موجود ہے۔

یہ علم و عمل کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

خود ساقی کوثر نے رکھی میخانے کی بنیاد یہاں تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں

۳۳...... تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض ہے کہ یہ گنہگار کئی مرتبہ زیارت سید دوعالم ﷺ سے مشرف ہوا۔ جو ارشاد فرمایا وہ حرف بحرف صحیح نکلا۔ زیارت مدینہ منورہ کے وقت اپنا معمول یہ ہے کہ سید دوعالم ﷺ کے قدموں میں بیٹھتا ہوں۔ جب بھی یہ شرف ملا نماز عصر کے بعد مراقبہ میں جو ارشاد فرمایا وہ بالکل حرف بحرف صحیح نکلا۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ وَعَلٰی اِحْسَانِ رَسُوْلِهِ الرَّؤُفِ الرَّحِیْمِ''

زمانہ تعلیم میں دارالعلوم دیو بند کی مسجد میں زیارت کا شرف حاصل ہوا اور آپ ﷺ کے نعلین مبارک اٹھانے کی سعادت ملی اور حضرت مدنی رحمہ اللہ سے بیعت بھی حضور انور ﷺ کی ہدایت پر کی۔

۱۹۳۲ء میں احقر مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم کے دوران مدرسہ کے قریب مسجد محلہ تیلیا نوالی میں تھا ایک رات کو مندرجہ ذیل خواب دیکھا: ''سید دوعالم ﷺ ایک بڑی حویلی میں تشریف فرما ہیں اور لوگ جوق در جوق زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ میں بھی دروازہ پر پہنچا تو اندر سے آواز آئی کہ جب فاطمہ بلائے گی، تب تم آنا۔''

طالبعلمی کے زمانہ کی یہ خواب میں نے لکھ لی، آخر ۱۹۳۸ء میں میری محترمہ ہمشیرہ صاحبہ میرے بہنوئی مولانا الحاج حضرت دین صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہ حج کو تشریف لے گئیں۔ حج سے واپسی کے کچھ دن بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بچی عطاء فرمائی، جس کا نام فاطمہ تجویز ہوا۔ ۱۹۳۹ء میں دوران اعتکاف سید دوعالم ﷺ کے مزار اقدس کی زیارت کا شرف ہوا۔ حضرت مدنی قدس سرہ نے اس کی تعبیر فرمائی۔ کیا تعجب ہے حج و زیارت کی دولت نصیب ہو جائے۔ چنانچہ ظاہری اسباب و سامان نہ ہوتے ہوئے بھی بحمدہ تعالیٰ پہلی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت جنوری ۱۹۳۹ء میں حاصل ہو گئی۔ یعنی ۱۹۳۲ء کی خواب کی عملی تفسیر اور تعبیر سات سال بعد ظاہر ہو گئی۔ الحمد للہ!

دور حاضر کے امام تصوف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ مہاجر مدنی نے اپنی مرتبہ کتاب ''فضائل درود شریف'' میں ایسے کئی واقعات کو باسند ذکر فرمایا ہے۔ اگرچہ حضرت کا کسی بات کا فرما دینا یا نقل کر دینا ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ مگر پھر بھی دوسروں کے اطمینان کے لئے آپ نے باقاعدہ حوالہ جات دیئے ہیں۔ اسی

کتاب میں سے دو واقعے نقل کئے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

۳۴...... ہمارے حضرت اقدس شیخ المشائخ مسند ہند امیر المومنین فی الحدیث حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے رسالہ "در الثمین فی مبشرات النبی الامین" جس میں انہوں نے چالیس خواب یا مکاشفات اپنے یا اپنے والد ماجد کے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے سلسلے میں تحریر فرمائے ہیں، اس میں نمبر ۱۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بیٹے کیسی طبیعت ہے؟ اس کے بعد شفاء کی بشارت عطاء فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک سے دو بال مرحمت فرمائے۔ مجھے اسی وقت صحت ہو گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں بال (مبارک) میرے ہاتھ میں تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ان دو بالوں میں یہ ایک مجھے مرحمت فرمایا تھا۔ (فضائل درود شریف ص ۱۴۳)

ف: حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ان دونوں بالوں کی خصوصیت یہ بھی فرمائی کہ: "اولاً باہم پیچیدہ می باشند چوں درود خواندہ شود ہر یکے جدائی ایستد۔" (انفاس العارفین ص ۱۴ مطبوعہ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)

(ترجمہ) "یہ دونوں مبارک بال آپس میں پیچیدہ ہوتے ہیں جب درود شریف پڑھا جاتا ہے تو علیحدہ علیحدہ ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

ایسے واقعات مبارکہ پر اعتراض اور شک کرنے والوں کے لئے حضرت شیخ الحدیث نے اسی کتاب میں یہ فرمایا: "ان قصوں میں کچھ تردد نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ احادیث صوم وصال میں "اِنِّیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ" مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔" میں ان چیزوں کا ماخذ دراصل موجود ہے اور حضور انور ﷺ کا فرمان "اِنِّیْ لَسْتُ کَهَیْئَتِکُمْ" کہ "میں تم جیسا نہیں ہوں۔" عوام کے اعتبار سے ہے۔ اگر کسی خوش نصیب کو یہ کرامت حاصل ہو جائے تو کوئی مانع نہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیا برحق ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں "کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا" (الآیۃ) وارد ہے۔ یعنی جب بھی زکریا علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے جاتے تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے استحقاق رزق عطاء فرما دیتے ہیں۔ "درمنثور" کی روایات میں اس رزق کی تفاصیل وارد ہوئی ہیں کہ بغیر موسم کے انگوروں کی زنبیل بھری ہوئی ہوتی تھی اور گرمی کے زمانے میں سردی کے پھل اور سردی کے زمانے میں گرمی کے پھل۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

(کتاب مذکور ص ۱۴۵)

ف: ایسے واقعات پر امام محمد بن موسیٰ بن النعمان (م ۶۳۴ھ) کی کتاب بنام "مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِی الْمُسْتَغِیْثِیْنَ بِخَیْرِ الْاَنَامِ فِی الْیَقْظَةِ وَالْمَنَامِ" ہے۔ نیز شیخ ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن موسیٰ بن نعمان مراکشی مالکی (م ۶۸۳ھ نے بھی اسی موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے) (کشف) اور یہ کتاب دار الکتب المصریہ میں قلمی محفوظ ہے۔ (رسائل کوثری ص ۳۹۷)

اس شرف کا احترام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں

مشہور تابعی ابو جمرہ ضبعی کہتے ہیں کہ میں نے حج تمتع[1] کا ارادہ کیا تو کچھ لوگوں نے مجھے اس سے روکا۔ میں نے مزید تسلی کے لئے سید دو عالم ﷺ کے چچا زاد بھائی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تو تمتع ادا کر لے۔ چنانچہ میں اسی تمتع کے ارادہ پر بیت اللہ شریف گیا۔ وہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی نے آ کر مجھے کہا عمرہ قبول اور حج بھی پاکیزہ قبول، یہ خواب دیکھ کر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خوشی اور مسرت سے دو دفعہ اللہ اکبر فرما کر فرمایا کہ یہی سنت ہے سید دو عالم ﷺ کی، یہ روایت بخاری اور مسلم میں موجود ہے اور بخاری میں اس قدر زیادہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے فرمایا کہ تو میرے پاس ہی اقامت اختیار کر لے میں تجھے اپنے مال سے کافی حصہ دے دوں گا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ یہ اکرام اس خواب کی وجہ سے ہے جو تو نے دیکھا ہے۔ (التاج کتاب الحج ص ۱۴۴)

ارشادات نبوت کے استخفاف پر دنیاوی سزا

تاریخ اسلام میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ جب کسی بھی مسلمان نے ارشاد سید دو عالم ﷺ کو یقین وایمان کی روشنی میں تسلیم نہیں کیا یا اس پر عمل سے پہلو تہی کی تو وہ فوراً دنیاوی عذاب کا شکار ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سید دو عالم ﷺ کے ارشادات عالی کا رخ سمجھ کر فوراً عمل کر دیتے تھے جیسا کہ صحیح حدیث ہے:

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے ایک غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔ اے ابو مسعود اس اللہ تعالیٰ سے ڈر جو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، جتنی تجھے اس غلام پر حاصل ہے۔ یہ سن کر جب ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یہ تنبیہ کرنے والے رحمتِ دو عالم ﷺ تھے۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے فوراً اعلان کر دیا۔ اے اللہ تعالیٰ کے نبی یہ غلام ابھی اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد ہے۔ یہ سن کر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ'' اگر تو آزاد نہ کرتا تو تجھے آگ جلا ڈالتی۔'' (مشکوۃ باب حق الملوک)

اس لئے جن لوگوں نے ارشاد نبوی کو وہ مقام نہیں دیا جو یقین اور ایمان کا درجہ رکھتا ہے، تو وہ دنیاوی سزا کا فوراً شکار ہو گئے۔ یہاں صرف چند واقعات عبرت کے لئے لکھے جاتے ہیں:

۱...... ایک آدمی سید دو عالم ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ سید دو عالم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھا۔ اس نے اس بات کو معمولی سمجھ کر یہ بہانہ بنایا کہ میرا دایاں ہاتھ منہ تک نہیں جا سکتا۔ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا اللہ کرے کہ تیرا دایاں ہاتھ کبھی بھی اوپر کو نہ اٹھ سکے۔ چنانچہ فوراً ہی اس کا دایاں ہاتھ شل ہو گیا۔ (مشکوۃ باب فی المعجزات)

۲...... بخاری اور مسلم میں ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا امام سے پہلے رکوع اور سجدہ میں نہ جاؤ جو آدمی امام سے پہلے رکوع میں جاتا ہے کیا وہ نہیں ڈرتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر میں تبدیل نہ کر دے۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ حاجی پہلے عمرہ کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کے وقت حج کا احرام باندھ کر حج کرے اس کو تمتع کہا جاتا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں شراح حدیث نے بعض محدثین سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب وہ دمشق میں ایک مشہور استاذ سے پڑھنے کے لئے گئے تو وہ نقاب پہن کر درس دیا کرتے تھے۔ یہ شاگرد کافی زمانہ ان سے اسی حالت میں علم حاصل کرتا رہا۔ آخر ایک دن اس محدث استاذ نے اپنے چہرہ سے نقاب اتار کر کہا اے میرے بیٹے خبردار امام سے آگے رکوع وسجدہ میں نہ جانا۔" میں نے اس تبدیلی (یعنی چہرہ مسخ ہونا) کو محال سمجھا اور امام سے پہلے رکوع سجدہ کرنے میں کوئی گناہ نہ سمجھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سزا دے دی۔"

ف: اگرچہ سید دو عالم ﷺ نے امت کے لئے جو دعائیں مانگی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمایا ہے، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ میری امت کی شکل مسخ نہ ہو تو اس سے مراد یہ لیا گیا ہے کہ عمومی طور پر گناہوں کی پاداش میں پہلی امتوں کی طرح میری امت اس ذلت کی شکار نہ ہو اور کبھی کبھی اگر اس کا ظہور ہو جائے تو اس میں کچھ استبعاد نہیں۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۹۸)

اللہ تعالیٰ سب امت کو ایسے عذاب سے محفوظ رکھے اور سچی توبہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین!

۳...... شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب "اَلْعُهُوْدُ الْمُحَمَّدِيَّة" میں مندرجہ ذیل چشم دید واقعہ ذکر فرمایا ہے: "میں نے بچشم خود ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مسجد میں سو رہا تھا اور نماز فجر کے لئے بھی نہ اٹھا۔ جب کافی دیر بعد وہ جاگا تو اس کے ایک کان سے پیشاب بہہ رہا تھا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اس ارشاد نبوی ﷺ کو نہیں مانتا تھا جس میں حضور انور ﷺ کے سامنے ایک ایسے مرد کا ذکر آیا جو نماز کے لئے نہ جاگا اور سویا ہی رہا تو سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے کان یا دونوں کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔ (یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے) (دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین ج ۳ ص ۶۳۲)

۴...... محمد بن جعفر نیشاپوری نے کہا کہ میں نے ایک دن بلا تحقیق یہ کہا کہ آنحضرت ﷺ سے یہ منقول ہے کہ جو آدمی بدھ یا سنیچر کو فصد کرائے گا، اس پر اگر اسے برص (کوڑھ) کا مرض لاحق ہو تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے، یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے اسی خیال سے بدھ کے دن فصد کرائی جس کے نتیجہ میں مجھ کو برص کا مرض لاحق ہو گیا۔ میں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو اپنی بیماری کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تو نے میری حدیث کی اہانت کیوں کی؟ میں نے دربار نبوت میں توبہ کی جب نیند سے بیدار ہوا تو اپنے آپ کو تندرست پایا۔ (الطرائف از حضرت تھانوی رحمہ اللہ حصہ دوم ص ۱۳)

۵...... محی الدین ابن عربی نے مندرجہ ذیل واقعہ نقل فرمایا جس کی توثیق حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی فرمائی کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہمعصر جلیل القدر محدث بقی بن مخلد گزرے ہیں جنہوں نے اپنی ایک کتاب میں ۳۰ ہزار احادیث جمع کی ہیں۔ انہوں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو دودھ کا پیالہ دیا اور انہوں نے پی لیا۔ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اس کو تجربہ کرنے کے لئے حلق میں انگلی ماری اور قے کر دی، تو قے میں دودھ نکل گیا جس سے ان کو یہ تو یقین ہو گیا کہ وہ دودھ دینے والے واقعی حضور انور ﷺ ہی تھے۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۷۹)

احقر مرتب رحمت کائنات عرض کرتا ہے کہ شاید اسی وجہ سے اتنے بڑے محدث کو وہ قبولیت حاصل نہ ہو سکی جو دوسرے محدثین کرام کو حاصل ہے۔

۶ ...... مولانا عبدالحئی لکھنوی نے فرمایا ہے کہ محمد بن حمزہ آخر عمر میں اندھا ہو گیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس بات کا مشاہدہ کرنے کے لئے کہ زمین علماء کے بدن کا گوشت نہیں کھاتی، اپنے استاد کی قبر کو کھودا مگر ان کی میت کو صحیح وسالم پایا، اسی وقت سے اندھا ہو گیا۔ (الفوائد البہیة ص ۱۶)

۷ ...... چھ محدثین نے حضور انور ﷺ سے یہ روایت کی ہے کہ دین کا علم طلب کرنے والے کے پاؤں کے نیچے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اس پر ایک آدمی نے استہزاء کرتے ہوئے ایک طالب علم کے ساتھ جاتے جاتے اپنے پاؤں زمین پر مارے اور یوں کہا: ''فرشتوں کے پروں کو توڑتا ہوں۔'' اسے یہ سزا ملی کہ اس کے پاؤں میں کینسر ہو گیا اور وہ اسی سے مرا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ بھی ملا علی قاری نے نقل فرمایا ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۷۹)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے وجود مثالی پر مفصل بحث فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ ان کے رسائل ''اَلْجَوَاهِرُ الْغَوَالِیْ'' میں مذکور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء راسخین نے نہ صرف وجود مثالی کو تسلیم فرمایا ہے بلکہ اس کو اسلامی تعلیمات کے دلائل کا بہت بڑا رکن قرار دیا ہے۔ برصغیر کے عظیم داعی توحید شہید بالاکوٹ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عبقات میں ارشاد فرمایا ہے: ''اَلْجَاحِدُ بِالْوُجُوْدِ الْمِثَالِیِّ لَیْسَ مِنْ اَهْلِ السُّنَّةِ بَلْ فِیْهِ شَوْبٌ مِنَ الْاِعْتِزَالِ لِمَا اَنَّهٗ یَضْطَرُّ اِلٰی تَاوِیْلِ اَلْفِ نَصٍّ بَلْ اَکْثَرَ تَاوِیْلًا بَعِیْدًا'' (ص ۲۲۰)

''جو آدمی مثالی وجود کا انکار کرتا ہے وہ ہرگز اہل سنت میں سے نہیں بلکہ اس میں اعتزال کی بو ہے۔ کیونکہ وجود مثالی کے انکار سے ایک ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ نصوص میں تاویل بعید کرنی پڑ جائے گی۔''

یعنی اگر وجود مثالی کو شرعاً معتبر نہ سمجھا جائے تو سید دو عالم ﷺ کے اکثر مشاہدات شب معراج، ملاقات انبیاء کرام علیہم السلام، جنت اور دوزخ کے مشاہدات، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کے داخلہ کا مشاہدہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی آواز کا جنت میں سننا، خود سید دو عالم ﷺ کا جنت میں آنا جانا، اس دنیاوی حیات میں وغیرہا کئی احادیث کا انکار لازم آ جائے گا یا تاویل بعید کرنی ہوگی جو کہ تحریف معنوی بن جاتی ہے۔

ف: جو لوگ ایسے واقعات کی غلط تاویلیں کرتے ہیں ان کے لئے استاذ محترم مولانا بدر عالم خلد آشیاں جنت البقیع مدینہ منورہ کی تنبیہ درج کی جاتی ہے: ''ہمیں اس کا کیا حق ہے اگر ہماری آنکھیں کچھ چیزوں کو نہیں دیکھتیں، تو جو آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں ہم ان کے لئے بھی تاویلیں تراشنے بیٹھ جائیں۔ بعض لوگوں نے تو اسی مغالطہ میں تمام جگہ آپ کے چشم دیدہ حالات کو کشف کہہ دیا ہے۔ حتیٰ کہ معراج کو بھی ایک قسم کا کشف کہہ ڈالا۔'' (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۴۳۷)

حقوق نبوت

حقوق نبوت میں سے چھ حق اس قدر اعلیٰ اور اشرف اور اس قدر ضروری ہیں کہ ان پر ایمان لائے بغیر رسالت پر ایمان نہیں رہ سکتا۔ ان میں سے:

پہلا حق نبوت کے ابدی ہونے پر ایمان لانا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک سچے رسول پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ وہ آج بھی نبی ہیں۔ قرآن کریم نے سب کو سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا حکم فرمایا: ''کل اٰمن باللّٰہ و ملٰئکتہٖ و کتبہٖ و رسلہ (البقرۃ: ۲۸۵)''

اب اس وقت کے مسلمانوں کے لئے سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اسی صورت درست ہو سکتا ہے کہ ان حضرات علیہم السلام کو نبوت سے موصوف یقین کیا جائے۔ چنانچہ علمائے عقائد اسلام نے فرمایا: ''قَالَ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ اَنَّ النُّبُوَّۃَ لَاتَزُوْلُ بِالذَّنْبِ وَلَایَجُوْزُ الْعِزْلُ عَنِ النُّبُوَّۃِ وَقَالَتِ الْمُتَقَشِّفَۃُ اَنَّ النَّبِیَّ یَصِیْرُ مَعْزُوْلًا بِالذَّنْبِ وَ کَذٰلِکَ بِالْمَوْتِ وَھٰذَا کُفْرٌ وَلِاَنَّ النَّوْمَ یَقُوْمُ مَقَامَ الْمَوْتِ کَمَا قَالَ اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ ثُمَّ اَجْمَعْنَا عَلٰی اَنَّہٗ لَایَصِیْرُ مَعْزُوْلًا ثُمَّ لَوْ کَانَتِ النُّبُوَّۃُ مِمَّا تَزُوْلُ بِالْمَوْتِ مَکَانَ لَایَصِحُّ الْاِیْمَانُ بِقَوْلِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَیَقْتَضِیْ اَنْ یَقُوْلَ کَانَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ'' اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ اگر بالفرض نبی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تب بھی اس سے نبوت کو نہیں چھینا جاتا۔ اسی طرح جب کہ نبی علیہ السلام پر موت طاری ہوگی تو اس موت سے بھی نبوت پر اثر نہ پڑے گا بلکہ وہ اب بھی اسی طرح نبی ہے جس طرح اس جہان میں نبی تھا۔ جیسا کہ نیند کے وقت بھی نبی ہی رہتا ہے۔ موت کو بھی نیند کا بھائی کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح نبی علیہ السلام کی نینداور عام انسانوں کی نیند بظاہر نیند ہی ہے، مگر عام لوگوں کا تو وضو تک ٹوٹ جاتا ہے۔ جب کہ انبیاء علیہم السلام پر نینداثر انداز نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ نیند کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں پاتے۔ اسی طرح عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام پر موت آجاتی ہے۔ سب ان کو یوں سمجھ لیتے ہیں مگر عام انسانوں کے سب کمالات تو سلب ہو جاتے ہیں مگر نبی علیہ السلام کو معزول سمجھ لینا فرقہ متقشفہ کا مذہب ہے اور یہ کفر ہے۔'' (التمہید ص۸۰)

تو اگر نبوت موت کی وجہ سے سلب ہو جاتی تو اب ہم کلمہ اسلام میں اقرار رسالت جو کر رہے ہیں یہ عقیدہ نہ ہوتا بلکہ ایک گزشتہ بات کی خبر ہوتی۔ یعنی آج بھی ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کا معنیٰ ''محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'' نہ ہوتا بلکہ ''محمد اللہ تعالیٰ کے رسول تھے'' ہوتا۔ (نعوذ باللہ منہ) امت موجود ہے اور نبی غیر موجود، اللہ تعالیٰ ایسے عقیدے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

اسی طرح قیامت تک کے لئے نجات صرف اسی میں ہے کہ سید دو عالم ﷺ پر ایمان لایا جائے۔ خداوند قدوس نے آپ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: ''قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (الاعراف:۱۵۸)'' آپ اعلان فرما دیجئے اے انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔

چنانچہ سید دو عالم ﷺ نے جو پہلا وعظ کوہ صفا پر فرمایا، اس میں بھی یہی فرمایا: ''یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا'' اے لوگو! کلمہ طیبہ پڑھ لو کامیاب ہو جاؤ گے۔

حضور انور ﷺ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

نوٹ: ابونصر وائلی (م ۴۴۴ھ) نے یہ عقیدہ باطلہ شائع کرنے کی کوشش کی کہ جب کوئی نبی علیہ السلام دنیا سے سفر کر جاتا ہے تو اس کی نبوت بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی دعوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس لعین کا عقیدہ یہ تھا کہ سید دو عالم ﷺ اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ اس لئے پانچویں صدی کے علماء کرام نے اس عقیدہ کی پرزور تردید کی۔ امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس سب بحث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ کا ابدی نبی ہونا اہل حق کا مذہب ہے۔ جو اس کے خلاف دوسرا عقیدہ اختیار کرے یا اپنے غلط عقیدے کو علمائے حق کی طرف منسوب کرے۔ ''فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ'' (حاشیہ السیف الصقیل از علامہ کوثری مصری ص ۵۴)

اسی طرح مفسر القرآن علامہ عبدالرحیم بن علی حنفی المعروف بہ شیخ زادہ نے اپنی کتاب ''نظم الفرائد'' میں فریدہ نمبر ۳۲ میں مندرجہ ذیل عنوان سے تحریر فرمایا ہے: ''اَلْفَرِیْدَۃُ الثَّالِثَۃُ وَ الثَّلَاثُوْنَ فِیْ اَنَّ الرُّسُلَ وَ الْاَنْبِیَاءَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ بَعْدَ انْتِقَالِھِمْ مِنْ ھٰذِہِ الدَّارِ رُسُلٌ وَّ اَنْبِیَاءُ حَقِیْقَۃً اَوْ فِیْ حُکْمِھَا۔ ذَھَبَ مَشَایِخُنَا الْحَنَفِیَّۃُ اِلٰی اَنَّھُمْ رُسُلٌ وَّ اَنْبِیَاءُ حَقِیْقَۃً اِسْتَدَلَّ مَشَایِخُ الْحَنَفِیَّۃِ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (الآیۃ) حَیْثُ اَطْلَاقُہٗ عَلَی الْاِتِّحَادِ بَیْنَ الرُّسُلِ فِیْ وَصْفِ الرِّسَالَۃِ فِیْ عَصْرِ النَّبِیِّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ وَ عَدَمِ التَّفَاوُتِ فِیْ وَصْفِھَا وَ ھٰذَا یَنْفِیْ کَوْنَ مَنْ مَاتَ مِنْھُمْ فِیْ حُکْمِ الرِّسَالَۃِ وَ اِلَّا فَیَکُوْنُ النَّبِیُّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ فِیْ حُکْمِھَا وَ ھُوَ بَاطِلٌ'' تینتیسواں بے بہا گوہر یکتا، اس عقیدہ کے بیان میں کہ تمام رسول اور نبی علیہم السلام جب اس گھر سے انتقال کر جاتے ہیں، پھر بھی وہ حقیقۃً نبی اور رسول رہتے ہیں یا صرف حکمی طور پر ان کو رسول کہا جاتا ہے۔ ہمارے حنفی مشائخ کا یہ مذہب ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام اس جہان سے تشریف لے جانے کے بعد بھی اسی طرح رسول اور نبی ہوتے ہیں۔ (علیہم السلام) ان کا استدلال قرآن حکیم کی آیت: ۲۸۵ سورہ بقرہ سے ہے جس میں فرمایا: ''لا نفرق بین احد من رسله'' (ہم فرق نہیں کرتے کسی ایک میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے) یہ آیت امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ پر نازل ہوئی جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام جو اس دار فانی سے جا چکے ہیں وہ آج بھی اسی طرح وصف رسالت اور نبوت سے موصوف ہیں جس طرح اپنے اپنے زمانہ میں تھے۔ اگر یہ عقیدہ نہ رہا تو پھر سید دو عالم ﷺ کے متعلق بھی یہ کہا جا سکے گا کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد حقیقۃً نبی اور رسول نہیں رہے بلکہ حکماً آپ ﷺ کو رسول ماننا ضروری ہے۔'' (نظم الفرائد مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ ص ۶۶)

اس ارشاد کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جب سید دو عالم ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سب نبیوں پر ایمان لاؤ اور ان سے کسی ایک کی حیثیت یا حقیقت میں تفریق نہ کرو، تو اگر دنیا سے انتقال کے بعد سابقہ انبیاء علیہم السلام حقیقۃً نبی نہ تھے کہ وہ مر گئے ہیں تو پھر ان پر ایمان لانے کا اور اس ایمان کو سب ایمان پر مساوی حیثیت سے تسلیم کرنے کا حکم بے سود ہے اور یہی بات تو پھر سید دو عالم ﷺ کے سفر آخرت کے بعد ان کے بارہ میں کہی جا سکے گی کہ آپ ﷺ بھی ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کے بعد حقیقۃً نبی نہیں رہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ تو سراسر کفر ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ!

دوسرا حق یہ ہے کہ کمالات نبوت اور درجات نبوت کو بھی اس طرح وہی یقین کرنا ہے ارشاد قرآنی ہے: ''تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَ رَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ (البقرۃ: ۲۵۳)'' یہ جتنے پیغمبر ہیں ہم نے ان میں سے بعض حضرات کو بعض پر فضیلت و بزرگی عطاء فرمائی ہے۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند فرمائے۔

یعنی ہم نے ہی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت اور رسالت میں تو سب کے برابر مگر اللہ تعالیٰ کے شرف مکالمہ میں دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ ﷺ انفرادی طور سے ہر ایک نبی سے اعلیٰ ہیں۔ اسی طرح سب انبیاء علیہم السلام سے مجموعی طور پر بھی اشرف و افضل ہیں۔ ساتویں صدی میں علامہ عبدالعزیز بن عبدالسلام دمشقی نے یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ: ''رسول اکرم ﷺ انفرادی طور سے تو جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں مگر مجموعی طور پر ان سے افضل نہیں۔ علمائے وقت نے ان کو متنبہ کیا تو وہ بروقت سنبھل گئے اور اس غلط عقیدہ سے محفوظ رہے۔'' (طراز المجالس از شہاب خفاجی ص ۱۱۵)

تیسرا حق یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے تمام اقوال اور احوال نبوت کے ترجمان تھے، آپ ﷺ کی صرف ایک ہی حیثیت ہے کہ آپ ﷺ ہر حال میں نبی اور رسول ہیں۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر طور اور ہر دور اور ہر عمل بیداری، نیند، گھر، مسجد، خلوت، جلوت ہر حیثیت امت کے لئے نہ صرف مشعل راہ ہے بلکہ اسی میں رضاء خداوندی ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ علمائے اسلام کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے سید دو عالم ﷺ کی تمام زندگی کے ہر پہلو کو محفوظ رکھ کر امت کے لئے بے نظیر مینار ہدایت پیش کر دیا ہے جس کی روشنی میں دونوں جہانوں کی سرفرازی یقینی ہے۔

جن علمائے کرام نے اس مقدس اور پاکیزہ عنوان پر لکھا ہے ان میں سے امام نسائی رحمہ اللہ (م ۳۰۳ ھ) علامہ ابن السنی رحمہ اللہ (م ۳۶۴ ھ) امام منذری رحمہ اللہ (م ۶۴۵ ھ) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ ھ) کی تصانیف قابل ذکر ہیں۔

تنبیہ: یہ نظریہ اسلام کے سراسر خلاف ہے کہ آپ ﷺ کے بعض کام تو ذاتی تھے اور بعض بطور نبوت کے تھے۔ اسی زندیقانہ عقیدہ کا امام الانبیاء حضور نبی کریم ﷺ نے حیات مبارکہ میں دفاع کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''واللہ ماخرج منی الا حق'' اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میرے بدن اور زبان سے جو اعمال اور اقوال ظاہر ہوتے ہیں، وہ سب حق ہیں یعنی شریعت ہیں۔　　(مفتاح الجنۃ از امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ)

چوتھا حق یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ کو امام الانبیاء سمجھے۔ اگرچہ آپ ﷺ کا وجود اطہر اس جہان میں سب نبیوں سے آخر میں ظاہر ہوا۔ کیونکہ پھل ہمیشہ آخر میں ظاہر ہوتا ہے مگر پودا لگاتے وقت اوّلین غرض یہ پھل ہوتا ہے اسی عنوان کی مناسبت سے اکابر علماء دیوبند کے کلام کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے:

استاذ العلماء حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا: ''حضرت فخر عالم افضل الرسل ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے کمالات کا مرجع ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کے کمالات اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) کے کمالات میں وہی نسبت ہے جو نور شمس اور نور قمر میں تعلق ہے۔''　　(افادات محمود ص ۶۴)

ف: چاند میں اپنا ذاتی نور نہیں وہ تو پتھر کی قسم کی ایک دھات کا ٹکڑا ہے، جب اور جس قدر چاند سورج کے سامنے ہوتا ہے اسی قدر سورج کی روشنی سے روشنی حاصل کرتا ہے جیسا کہ علماء فلکیات نے کہا ہے: ''نور القمر مستفاد من نور الشمس'' یعنی چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اسی کو علامہ بوصیری نے قصیدہ بردہ الداء میں یوں ارشاد فرمایا ؎

وَكُلُّهُم مِنْ رَسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ　　غَرْفاً مِنَ الْبَحْرِ أَوْ رَشْفاً مِنَ الدِّيَمِ

''اور تمام انبیاء علیہم السلام حضرت رسول اللہ ﷺ سے طالب ایک کف دست یعنی چلّو کے ہیں آپ ﷺ کے دریائے معرفت سے یا بقدر ایک دفعہ کے چوسنے یعنی قطرہ کے آپ ﷺ کے علم کے بارلہنائے بسیار ہمیشہ برسنے والے سے۔''

وَكُلُّ آيٍ أَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا　　فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهِ بِهِمِ

''اور ہر معجزہ جس کو رسولانِ کرام علیہم السلام لائے ہیں، سوائے اس کے نہیں کہ وہ معجزہ ان کو صرف بدولت حضور پرنور ﷺ پہنچا ہے۔''

فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا　　یَظْھَرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

''وجہ اتصال یہ ہے کہ آپ ﷺ آفتاب فضل وکمال ہیں اور انبیاء علیہم السلام اس آفتاب کے اقمار وکواکب ہیں۔ پس جیسے قمر بوقت غیب وبتہ شمس استفادہ نور کا شمس سے کر کے شب تاریک کو روشن کرتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام استفادہ فیوض ظاہری وباطنی روح پرفتوح آنحضرت ﷺ سے کر کے قبل ظہور وجود باجود خلق کی راہنمائی کرتے رہے اور جب خود رونق بخش دنیا ہوئے تو سب چراغ پیش آفتاب ماند پڑ گئے۔''

اسی کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے استاذ بانی دار العلوم دیوبند نے اپنے اردو کلام میں یوں ارشاد فرمایا۔

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں　　تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی　　تو نور دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

اسی کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے گرامی قدر شاگرد محدث کبیر حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فارسی کلام میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

اے آنکہ ہمہ رحمت مہداۃ قدیری　　باراں صفت بحرست ابر مطیری
آدم بصف محشر و ذریت آدم　　در ظل لوایت کہ امامی و امیری
یکتا کہ بودہ مرکز ہر دائرہ یکتا　　تا مرکز عالم توئی بے مثل و نظیری

مندرجہ بالا اشعار ایک طویل نعت کے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کے ان فارسی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ:

۱...... اے وہ ذات عالی جو کہ خدائے قدیر کی سراپا رحمت ہی رحمت ہے جو اس نے اپنی مخلوق کو ہدیہ کے طور پر عطاء فرمائی ہے، آپ ﷺ کی رحمت عامہ بارش کی طرح سمندر کی مانند اور برسنے والے ابر کی مثال ہے۔

۲...... حضرت آدم علیہ السلام اور اولاد آدم (سب آدمی) محشر کے میدان میں آپ ﷺ کے جھنڈے کے تلے ہوں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ ہی امام اور آپ ﷺ ہی امیر ہیں۔

۳...... ہر دائرہ کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ بھی تمام جہان کے مرکز ہیں اور آپ ﷺ کی ذات بے مثل و بے نظیر ہے۔

ف: محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کو جس سعادت مند نے درس حدیث دیتے ہوئے دیکھا ہے یا آپ رحمہ اللہ کی کسی علمی مجلس میں شرکت کا موقع ملا ہے یا آپ رحمہ اللہ کے نعتیہ کلام کو (جو بلیغ عربی اور فارسی کلام پر مشتمل ہے) پڑھا ہے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سید دو عالم ﷺ کی نعت گوئی میں کس قدر رفیع مقام عشق رکھتے تھے۔ گویا وہ حب نبوی میں محو اور مستغرق تھے۔ یہاں صرف چند اشعار درج کئے جاتے ہیں جن کا تعلق شفاعت کے عقیدہ کے ساتھ ہے۔ آپ نے ایک مربعہ نعتیہ کلام میں فرمایا۔

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ و مجتبیٰ　　خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل واکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا　　نعت اوصاف کمال او فزوں تراز عدید

تاصبا گلگشت گیہاں کردہ می باشد مدام　　　بوئے گل بردوش وے گرد بعالم صبح و شام
بادبروئے از خدائے وے درود وہم سلام　　　نیز اصحاب و آل و جملہ اخیار عبید
وزجناب وے رضا بر اہتران مستہام　　　خاصہ آں احقر کہ افقر ہست از جملہ انام
مستغیث است الغیاث اے سرور عالی مقام　　　درصلہ از بارگاہت در نشید ایں قصید

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مہتمم مولانا حبیب الرحمن صاحب نے لامیۃ المعجزات نامی ایک کتاب عربی نظم میں تالیف فرمائی ہے جس کے ۲۵۴ر اشعار ہیں اور ہر شعر کا آخری حرف لام ہے۔ اسی مناسبت سے اس کو لامیۃ المعجزات کا عنوان دیا۔ اس کی اردو شرح دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الادب مفتی اعظم مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ نے لکھی جو اصل کتاب کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ اعزازیہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے چند اشعار جن کا تعلق توسل اور عقیدہ شفاعت کے ساتھ ہے، تبرکاً درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) مَالَہ مِنْ مَلْجَاءٍ اَوْمَوْئِلٍ　　　غَیْرِبَابِ السَّیِّدِ الْمَوْلٰی الْاَجَلّ

''ایسے عاصی کا کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ عظیم الشان سردار اور آقائے نامدار کے دروازے کے سواء کہیں نہیں ہے۔''

(۲) سَیِّدِ السَّادَاتِ فَخْرِ الْاَنْبِیَاء　　　مُکْمِلِ التَّوْحِیْدِ مَحَّاءِ الْمِلَلْ

''وہ تمام سرداروں کے سردار تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے باعث فخر ہیں توحید کو کامل کرنے والے اور تمام ادیان باطلہ کو مٹانے والے ہیں۔''

(۳) لذبباب المصطفی خیر الطوزی　　　مَلْجَاءِ الْمَکْرُوْبِ مِفْتَاحِ الْفَضَلْ

''اس برگزیدہ ذات کے دروازے کی پناہ پکڑ جو تمام مخلوق سے بہتر ہیں، غمگین کے لئے جائے پناہ اور مشکلات کے حل کرنے والے ہیں۔''

(۴) وَاقْرَعِ الْبَابَ مَلِحًا مُذْمِنًا　　　مَنْ اَدَمَ الْقَرْعَ لَا بُدَّ یَصِلْ

''اور اگر تیری بداعمالیوں کی وجہ سے فتح باب میں تاخیر ہو تو مایوس نہ ہونا بلکہ اس دروازہ کو ہمیشہ بالحاح وزاری کھٹکھٹاتا رہ کیونکہ جو شخص اس دروازے کو ہمیشہ کھٹکھٹائے جاتا ہے وہ ضرور گھر میں پہنچ کر رہتا ہے۔''

(۵) لُذْبِاَعْطَافِ الْمُرْجٰی وَاعْتَصِمْ　　　تَحْرُزِ النُّعْمٰی کَمَالاً ذَالْجَمَلْ

''اس ذات کی پناہ پکڑ جو کہ ساری مخلوق کے لئے امیدگاہ ہے اور ایسی پناہ پکڑ جیسی کہ اونٹ نے پکڑی تھی اور انہیں کا دامن پکڑ، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تیرے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔''

ف: ایک اونٹ نے دربار سید دوعالم ﷺ میں آکر یہ شکایت کی کہ میں نے اپنے مالکوں کی چالیس سال خدمت کی ہے۔ اب جب کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں تو انہوں نے میری خوراک کم کردی اور کام زیادہ لینا شروع کر دیا ہے۔ اب یہاں ایک تقریب ہے تو اب مجھے ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ امام الانبیاء سید دوعالم ﷺ نے اس کے مالکوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے اس کا اقرار کرلیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے تم اس کو میرے لئے چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے چھوڑ دیا۔

استاذ محترم سید والانسب مولانا بدر عالم مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز خلد آشیاں جنت البقیع کی داستان عشق کافی طویل ہے۔ آپ کی کتاب ''شان حضور'' (ﷺ) سے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں آپ نے فرمایا:

ہر جلوہ پر ضیاء رخ انور کا نور ہے　　شانوں میں کیا بلند یہ شان حضور ہے
شافع ہیں روز حشر کے سب کے ہیں پیشواء　　محبوب کبریا ہیں یہ شان حضور ہے
سب پہ حریص اور رؤف و رحیم ہیں　　سب میں عزیز ہیں یہ شان حضور ہے
منشاء ہیں خلق و امر کا مبداء ہیں منتہی　　منبع وجود کا ہیں یہ شان حضور ہے
مجھ سے سیاہ رو کی جو بخشش بھی ہو گئی　　یہ شان مغفرت ہے یہ شان حضور ہے

* * *

خود محبت سے بلا کر جام کوثر دے دیا　　تک رہا تھا میں بیچارہ میں تو اس قابل نہ تھا
مغفرت کے آسرے پر میں بھی حاضر ہو گیا　　ایک عاصی اور بیچارہ میں تو اس قابل نہ تھا
جب قدم رکھا مدینہ میں تو فوراً پھر گیا　　میری گردش کا ستارہ میں تو اس قابل نہ تھا
مل گیا جس کو مدینہ اس کو سب کچھ مل گیا　　مل گیا مجھ کو کنارہ میں تو اس قابل نہ تھا
دی جگہ اپنا بنا کر خود بقیع پاک میں　　مضطرب تھا میں بیچارہ میں تو اس قابل نہ تھا
قبر میں مجھ سے جو پوچھیں تو بتا یہ کون ہیں　　ہو تصور بس تمہارا میں تو اس قابل نہ تھا

دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر محدث اور مفسر مولانا محمد یعقوب نانوتوی قدس سرہ العزیز نے سید دو عالم ﷺ کے حضور جو خراج عقیدت عربی زبان میں نظماً پیش کیا ہے، اس کا ایک حصہ درج کیا جاتا ہے: ''اس سے پہلے اگرچہ میں جناب سے ناواقف تھا مگر جناب کی قبر نے مجھے اطلاع دی کہ میرا محبوب اس میں آرام فرما ہے۔'' (ارکان اربعہ ص ۲۸۰)

(۱) یَارَبِّ صَلِّ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ　　یٰس وَطٰهٰ ذِی الْمَکَارِمِ اَحْمَدٖ

''اے پروردگار عالم نبی کریم محمد واحمد ویس وطٰہٰ پر رحمتیں نازل فرما جو اخلاق کریمانہ میں بے نظیر ہیں (حضور انور ﷺ نے فرمایا: ''بعثت لاتمم مکارم الاخلاق'')

بِاَبِیْ وَاُمِّیْ ذَالرَّسُوْلُ الْاَکْرَمُ　　نَفْسِی الْفِدَاءُ وَمَا مَلَکَتْ یَدِیْ

''اس رسول اکرم ﷺ پر میری جان، میرا سب مال اور میرے ماں باپ فداء ہوں۔''

اَلْیَوْمَ یَا اَمَلِیْ وَیَاکُلَّ الْمُنٰی　　وَشَفَاعَتِیْ وَنِجَاحَ نَفْسِیْ فِی الْغَدٖ

''آج کے دن (اس دنیا میں) آپ ﷺ ہی میری تمام امیدوں کا کامل سہارا ہیں اور قیامت میں میری جان کی خلاصی اور میری شفاعت کا مرکز بھی آپ ﷺ ہی کی ذات عالی ہے۔''

اَنْتَ الْکَرِیْمُ رَؤُفُنَا وَرَحِیْمُنَا　　یَا سَیِّدِیْ یَا سَیِّدِیْ یَا سَیِّدِیْ

''آپ ﷺ ہی کریم ہیں اور آپ ﷺ ہی ہم پر سب سے زیادہ شفیق اور سب سے زیادہ ہم پر رحم فرما ہیں۔ اے میرے سردار، اے میرے سردار، اے میرے سردار۔''

فَبِحُبِّهٖ اَرْجُوا النَّعِیْمَ بِجَنَّةٍ　　وَحَظِیْتُ فِی الدُّنْیَا بِعَیْشٍ اَرْغَدٖ

''آپ ﷺ ہی کی محبت کی برکت سے میں جنت کی نعمتوں کا امیدوار ہوں اور آپ ﷺ ہی کی محبت کی برکت سے اس دنیا میں آرام کی زندگی مجھے عطاء کی گئی ہے۔''

فِیْ فَرْحَۃٍ مِنْ حُبِّہٖ وَمَسَرَّۃٍ　　　لَا زِلْتُ مُذْ اُدْعٰی بِاِسْمِ مُحَمَّدٍ

''اللہ تعالیٰ نے مجھے جس طرح اس دنیا میں خوش وخرم رکھا ہے، اسی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھے سید دوعالم ﷺ کی محبت کی برکت سے ہمیشہ کے لئے خوش وخرم رکھے۔ جب کہ مجھے محمد کے نام سے پکارا جائے۔ (محمد یعقوب نام ہے جس کا عظیم جزء محمد ہے ﷺ)''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی دیوبند کے بہت بڑے عالم دین اور ادیب لبیب تھے۔ انہوں نے قصیدہ بردہ کی شرح اردو زبان میں بنام عطر الوردہ لکھی ہے جو کہ نہایت ہی جامع اور عشق رسالت مآب سے لبریز ہے۔ اس کے آخر میں آپ نے سید دوعالم ﷺ کی نعت شریف عربی مخمس کی طرز پر لکھی ہے، جس کا پہلا اور آخری بند تبرکاً اور استدلالاً درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَامِثْلَ اَحْمَدَ فِی الْوُجُوْدِ کَرِیْمًا　　　کَهْفُ الْوَرٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا

لِنَجَاتِنَا یَوْمَ النُّشُوْرِ زَعِیْمًا　　　مَنْ قَالَ فِیْهِ اِلٰهُنَا تَعْظِیْمًا

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

''سید دوعالم ﷺ کی مانند اس کائنات میں کوئی بھی سخی اور کریم نہیں جو کہ ساری مخلوق کی جائے پناہ ہیں اور ایمان والوں پر بہت ہی زیادہ مہربان ہیں اور ہماری نجات کے لئے قیامت کے دن آپ کے لئے ہمارے معبود نے تعظیم کے طور پر یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ پر درود پڑھو اور کامل سلام بھیجو۔''

قَدْ ضَاعَتِ الْاَوْقَاتُ اَیَّۃَ ضَیْعَتِیْ　　　یَا خَیْبَتِیْ یَا خَیْبَتِیْ یَاخَیْبَتِیْ

اِذْضَاقَ مِنْ کُلِّ الْجَوَانِبِ حِیْلَتِیْ　　　مَا اِنْ اَرٰی غَیْرَ الْحَبِیْبِ وَسِیْلَتِیْ

صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

''میری ساری زندگی افسوس صد افسوس پوری طرح برباد ہوگئی اور جب کہ میری تمام کوششیں ہر طرف سے ناکام ہوگئیں تو اے میرے حبیب ﷺ، جناب کے سواء میں کسی کو اپنا وسیلہ نجات نہیں سمجھتا۔ آپ ﷺ پر درود پڑھو اور کامل سلام بھیجو۔''

پانچواں حق، سید دوعالم ﷺ کا ادب اور احترام ہے اور یہ احترام دل کی گہرائی سے ہونا ضروری ہے، اگر آپ کے احترام قلبی میں ذرہ بھر بھی فرق آیا بلکہ اگر غیر ارادی طور پر بھی بے ادبی کا ظہور ہوگیا تو اس سے سب اعمال برباد ہوجائیں گے۔

قرآن عزیز نے سارے قرآن عزیز میں اجمالاً اور سورۃ الحجرات میں خصوصاً آداب نبوت کو سچے ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ فرمایا: ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ (الحجرات: ۱ تا ۳) ''اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز

سے اوپر اور نبی سے ایسے زوردار نہ بولو جیسا کہ آپس میں بولتے ہو کہیں اکارت نہ ہو جائیں تمہارے سب کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو اور جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب ہے۔

اس ادب اور احترام کے واقعات حدیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ اس کتاب میں ان کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ اسی ادب کو برقرار رکھنے کے لئے راعنا کا کلمہ کہنے سے روک دیا گیا۔ اس کی مختصر سی کیفیت یہ ہے کہ: ''سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عرض کیا کہ جناب ارشاد فرماتے وقت ہماری رعایت فرمایا کریں تا کہ ہم بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس کے لئے انہوں نے راعنا کا کلمہ عرض کیا جو کہ راع نا کا مجموعہ ہے۔ یعنی آپ ہماری رعایت فرمایا کریں۔ مگر دربار نبوت کے گستاخ بے ایمان بھی اس کلمے کو لب و لہجہ بدلا کر دربار نبوت میں عرض کرتے تھے۔ ان کا مطلب اس کلمہ سے یا تو راعینا کہنا تھا۔ (یعنی تو ہمارا چرواہا ہے) اور یا راعن مراد تھی جس کا معنی بیوقوف ہے۔ بظاہر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان منافقوں گستاخوں کا کلام ایک ہی معلوم ہوتا ہے مگر دراصل وہ اس سے بے ادبی کا پہلو مراد لیتے تھے۔ اس لئے خداوند قدوس نے جو دلوں کے رازوں کو جاننے والا ہے اور جس نے سید دو عالم ﷺ کی شان کو بے نظیر رفعت عطاء فرمائی ہے مسلمانوں کو یہ کلمہ ہی بولنے سے منع فرما دیا۔ ارشاد فرمایا: ''یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْکَافِرِینَ عَذَابٌ أَلِیمٌ (البقرۃ: ۱۰۴)'' اے ایمان والو! مت کہو راعنا کا کلمہ بلکہ کہو انظرنا اور نبی علیہ السلام کی بات کو سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

ف: خطاب تو مسلمانوں کو فرمایا مگر آخر میں فرمایا کہ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی سید دو عالم ﷺ کی شان میں خبث باطن رکھنے والا کافر ہے اور ایسے کلمات سے یاد کرنے والا بھی کافر ہے جن سے بے ادبی ہو سکتی ہو۔

اس لئے علماء اسلام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کتاب میں ایسی عبارت ہو جس سے حضور انور ﷺ کی بے ادبی کا شبہ ہو تو اس کا مٹانا ضروری ہے۔ اگر طاقت ہو۔

چھٹا حق: سید دو عالم ﷺ کا، آپ کو اپنی جان، مال اور خود اپنی ذات سے محبوب سمجھنا ہے، یہ محبت شرعاً فرض ہے اور یہ نجات کا عظیم وسیلہ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کچھ اس کے لئے تیاری بھی کی ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''مجھے آپ سے محبت ہے۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ'' آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔''

آنحضرت ﷺ کی محبت ہی عین ایمان ہے۔ اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں صرف چند واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

رحمت دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت کے چند واقعات

جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے دور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آنے والے مسلمانوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا ہے۔ (شاید اسی خواہش کی بناء پر آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں) ایک حدیث

پاک میں سید دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: "مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ لِیْ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ رَاٰنِیْ بِاَھْلِہٖ وَمَالِہٖ" میری امت میں سے میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنے والے وہ مسلمان ہیں جو اس بات کو دل سے پسند کریں گے کہ مال اور اولاد کے بدلے میں بھی میری زیارت کا شرف حاصل ہو سکے تو دریغ نہ کریں گے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۷)

۱...... حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی موت کا جب وقت قریب آیا تو ان کی بیوی نے آہ و بکا کے ساتھ غم اور پریشانی کا اظہار کیا۔ آپ نے اس حالت میں فرمایا: "وَاطَرَبَاہُ غَدًا اَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ" کتنی خوشی کی بات ہے کہ کل اپنے محبوب بندوں سے ملوں گا یعنی سید دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔" (ص ۱۸)

۲...... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت آئی اور درخواست کی کہ مجھے سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ جب اس نے آپ کا مزار پر انوار دیکھا تو اس قدر روئی کہ روح پرواز کر گئی۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹)

۳...... اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے ارض حرم سے باہر نکالا تو ابوسفیان بن حرب نے ان سے کہا میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تیری جگہ آج محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا جاتا اور تو اپنے گھر بال بچوں میں آرام سے رہتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ سید دو عالم ﷺ کو کانٹا چبھے اور میں آرام سے بیٹھا رہوں۔" اس پر ابوسفیان نے کہا میں نے ساری زندگی میں کسی کو کسی کے ساتھ ایسی محبت کرنے والا نہیں دیکھا، جیسا کہ محمد کے ساتھی محمد سے محبت کرتے ہیں۔ (ﷺ) (الشفاء ج ۲ ص ۱۹)

۴...... مشہور محدث ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ حدیث ہیں، جب بھی سید دو عالم ﷺ کا اسم گرامی لیتے فرط عقیدت اور محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب حضور انور ﷺ کا اسم گرامی لیا جاتا تو آپ کے چہرہ کی رنگت ادب اور احترام کی وجہ سے بدل جاتی۔ مدینہ منورہ کے سید القراء محمد بن المنکدر سے جب کوئی حدیث پوچھی جاتی تو آپ اس قدر روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم اور ترس آجاتا۔ یہی حال مشہور محدث اور صوفی صفوان بن سلیم کا تھا وہ تو اس قدر روتے کہ لوگ ان سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ یہی حال اکثر محدثین اور عاشقان سید دو عالم ﷺ کا تھا۔ (اور اب بھی ہمارے اکابر درس حدیث میں باوضو اور نہایت خشوع کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے ہیں اور ان کی آنکھیں حب نبوی ﷺ سے پرنم رہا کرتی ہیں)

۵...... سید دو عالم ﷺ کے ساتھ محبت اور آپ کی معیت و خدمت کا ارادہ اور پرخلوص جذبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد بھی باعث رحمت رہا ہے اور اب بھی ہے۔ جیسا کہ الشفاء ہی میں ہے کہ ملک خراسان کے ایک بادشاہ صفار نامی کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھنے والے نے برزخ کے حالات پوچھے تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ایک مخلصانہ ارادے اور دلی تمنا کے اجر میں مجھے بخش دیا۔ میں نے ایک دن اپنے علاقہ کے ایک پہاڑ پر چڑھ کر اپنی فوج کو دیکھا تو میرا دل ان نوجوانوں اور مجاہدوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا، میں نے اس دلی خواہش کا اظہار کیا کہ کاش "اگر میں دور نبوت میں ہوتا تو اپنی ساری توانائی اور طاقت کو حضور انور رحمت دو عالم ﷺ کے قدموں میں نثار کر کے دین کی خدمت کرتا۔" اللہ تعالیٰ نے اس مخلصانہ تمنا کے اجر میں مجھے بخش دیا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۷)

۶...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں ایک دن پوچھا کہ آج کون سا دن ہے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ آج سوموار کا دن ہے تو آپ نے فرمایا: "أَرْجُوا فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّيْلِ" چنانچہ اسی رات کو رحلت فرما گئے اور منگل کے دن دفن کر دیئے گئے۔ (رضی اللہ عنہ)

ف: چونکہ سوموار کو سرکار دو عالم ﷺ اس دار فانی سے تشریف لے گئے۔ اسی لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تمنا فرمائی جو پوری ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر ایک باب باندھا ہے۔ (باب موت یوم الاثنین)

سلمہ بن الاکوع ہمیشہ مسجد نبوی ﷺ میں اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے جس کے پاس حضور انور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ (باب الصلوٰۃ الی الاسطوانہ بخاری)

۷...... سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ان تمام جگہوں پر نوافل ادا کرتے تھے جہاں جہاں ان کے والد عبداللہ نے نماز ادا کی تھی کہ ان مقامات پر سید دو عالم ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

(بخاری باب المساجد علی طریق المدینہ)

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ جھک کے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

حیات النبی ﷺ قرآنی ارشادات کی روشنی میں

سید دو عالم ﷺ کے ساتھ امت کا تعلق دوامی رکھنے کے لئے امت کے گنہگاروں کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کے لئے سید دو عالم ﷺ کے حضور پیش ہو کر آپ ﷺ سے درخواست استشفاع کیا کریں۔ جب سید دو عالم ﷺ ان کے لئے دربار خداوندی سے مغفرت کی درخواست فرمادیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور رحم و کرم فرماوے گا۔ ارشاد فرمایا: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (النساء: ۶۴)" اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کا حکم مانا جائے اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے اور اگر وہ لوگ جب برا کیا تھا انہوں نے اپنے آپ کے لئے، آتے جناب کے پاس پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو اللہ تعالیٰ کو ضرور معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب بھی کوئی غیر ارادی لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما کر ان کے لئے اپنی رضامندی کی سند عطاء فرمادی اور یہی طریقہ سید دو عالم ﷺ کے بعد بھی رہا اور اب تک اسی پر امت کا عمل ہے۔ صرف دو واقعات درج کئے جاتے ہیں:

۱...... ابو صالح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ کے سفر آخرت کے تین دن بعد ایک دیہاتی مسلمان آیا اور سید دو عالم ﷺ کے مزار عالی کے ساتھ چمٹ کر اپنے سر پر اس مٹی کو ڈالتے ہوئے کہنے لگا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ ﷺ نے ہم کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنایا اور ہم نے سنا آپ ﷺ نے یاد کرایا اور ہم نے اس کو یاد رکھا۔ اسی کلام الٰہی میں یہ بھی ہے کہ: "وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ (النساء: ۶۴)" ساری آیت اس نے پڑھ کر کہا کہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ (گناہ سرزد ہو گیا) حاضر ہو گیا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے اللہ تعالیٰ سے بخشوا دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو قبر مبارک کے اندر سے ندا آئی کہ تیری مغفرت ہو گئی۔

یہ واقعہ تو دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے اور اس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کو نقل کرنے والے مشہور محدث اور مفسر علامہ قرطبی ہیں۔

۲...... علماء کرام کی ایک جماعت نے جن میں سے شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب الشامل نامی میں علامہ عتبی سے ایک مشہور حکایت نقل فرمائی ہے کہ: ''عتبی فرماتے ہیں کہ میں سید دوعالم ﷺ کے مزار اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی نے حاضر ہو کر کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ'' میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ'' (پوری آیت) سنی ہے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ خداوند قدوس کے حضور میری شفاعت فرما کر میرے گناہ بخشوا دیں اور یہ شعر پڑھا ؎

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

''میری جان اس قبر پر قربان ہو جائے جس میں آپ آرام فرما ہیں کہ اس میں پاک دامنی ہے اور اس میں سخاوت اور بخشش ہے۔''

اس کے بعد وہ دیہاتی مسلمان چلا گیا اور میری آنکھ لگ گئی تو میں سید دوعالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی کو جا کر بشارت دے دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۰۱) و کتاب المغنی ج ۳ ص ۵۸۹، از علامہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن قدامہ (م ۶۲۰ھ) و شرح کبیر ج ۳ ص ۴۹۴، از شمس الدین عبدالرحمن بن قدامہ المقدسی (م ۶۸۲ھ)

عقیدہ استشفاع سے انحراف نفاق کی علامت ہے

بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اپنے اعمال پر فیصلہ ہو گا کسی کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور اس کے لئے ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں کافروں کے لئے شفاعت کے غیر مفید ہونے کو فرمایا ہے۔ حالانکہ از روئے قرآن عزیز مسلمانوں کے لئے دربار خداوندی سے مغفرت کا طلب کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ:

۱...... حاملان عرش مجید اور دوسرے ملائکہ کے دو کام ارشاد فرمائے: ''اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (المومن: ۷تا۹)'' وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ فرشتے جو عرش کے ارد گرد ہیں، وہ (ایک تو) اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں اور (دوسرے) اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے۔ (مسلمان ہوئے) یوں کہتے ہوئے تو نے گھیر رکھا ہے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم میں۔ پس بخش دے ان کو جو گناہوں سے لوٹ آئے اور تیری راہ پر چلے اور ان کو آگ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب اور ان کو داخل کر دے ہمیشہ رہنے والی ان جنتوں میں جن کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے اور ان کو جنت میں داخل فرما دے جو نیک ہوں ان کے باپ دادوں میں سے ان کی بیویوں خاوندوں میں سے اور ان کی اولادوں میں سے۔ بے شک تو غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے اور ان کو بچالے بری حالت سے اور

جس کو تو نے آج بچا لیا برائی سے تو نے اس پر رحم فرمادیا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

۲...... خداوند قدوس نے جناب رسول اکرم ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مغفرت طلب کرنے کا حکم فرمایا ہے: ''واستغفر لھم (آل عمران:۱۵۹)'' اور ان کے لئے مجھ سے مغفرت طلب کریں۔

یہ آیت سورہ آل عمران کی ہے جس کا تعلق ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہے، جنہوں نے اس درہ کو چھوڑ دیا تھا جہاں سید دو عالم ﷺ نے ان کو مقرر فرمایا تھا۔

۳...... فتح مکہ کے بعد بھی مشرف بہ اسلام ہونے والوں کے لئے ان کے سابقہ گناہوں کی مغفرت کے لئے خداوند قدوس نے آپ ﷺ کو حکم فرمایا کہ ان کے لئے بھی مجھ سے مغفرت طلب کریں۔

''إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (النصر:۱تا۳)'' جب اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے گی اور مکہ فتح ہو جائے گا اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق در جوق اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوں گے۔ پس اپنے رب کی حمد وثناء کہیں اور اس اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہ بخشوائیں بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورۃ میں جو کہ آخر عمر میں نازل ہوئی، سید دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد وثنا کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ اب ان کے گناہ بخشوائیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے موضح القرآن میں فرمایا: ''اب امت کے گناہ بخشوایا کر، درجہ شفاعت کا ملے۔''

تنبیہ: مودودی صاحب کا قلم یہاں بھی شان نبوت کو اجاگر کرنے کی بجائے بہت بڑی لغزش کر گیا۔ مودودی صاحب نے اس تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ: ''یعنی اپنے رب سے دعا مانگو کہ جو خدمت اس نے تمہارے سپرد کی تھی، اس کو انجام دینے میں تم سے جو بھول چوک یا کوتاہی بھی ہوئی ہے، اس سے چشم پوشی اور درگزر فرمائے۔''

(تفہیم القرآن ج۶ ص۵۱۷ سورۃ النصر)

۴...... اسی طرح ''سُوْرَةُ الْبَقَرَة'' میں فرمایا: ''واستغفر اللہ ان اللہ غفور رحیم (البقرۃ:۱۹۹)'' اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

۵...... سورۃ الممتحنہ میں بیعت کرنے والی عورتوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا: ''واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم (الممتحنۃ:۱۲)'' اور ان مسلمان عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان تمام آیات کو ملانے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سید دو عالم ﷺ کو مقام شفاعت عطاء فرمایا گیا ہے تاکہ امت کے لئے طلب مغفرت فرماویں اور امت اس کو اپنے لئے باعث نجات اور وسیلہ فداح سمجھے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شرف کو بھی حاصل کیا مگر منافقوں نے آپ کو استغفار کے لئے، وسیلہ بنانے کو کفر سمجھا اور سرتابی کی۔ قرآن حکیم نے سورۃ المنافقون میں اس امر کا ذکر فرمایا کہ جب ان سے دربار سید دو عالم ﷺ کے حق میں گستاخانہ کلام نکلا اور ان کے دوسرے منصوبے بھی ناکام ثابت ہوئے جو اسلام اور سید دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے مذموم ارادوں پر مشتمل تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو یہ مشورہ دیا کہ دربار رحمت دو عالم ﷺ میں حاضر ہو کر درخواست کرے۔ تاکہ آنحضرت ﷺ اس کے لئے دربار خداوندی سے مغفرت طلب فرمالیں تو اس نے جو

کیا اس کو قرآن حکیم نے بیان فرمایا اور جو کہا اس کو حدیث و تفسیر میں بیان فرمایا۔ ارشاد قرآنی ہے: ''وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (المنافقون:۵)'' اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے تو وہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں اور تو ان کو دیکھتا ہے کہ وہ اس بات سے رک جاتے ہیں غرور اور تکبر کی حالت میں۔

اس کی تفسیر میں مفسرین کرام نے یہ فرمایا: ''جب بعض مسلمانوں نے عبداللہ بن ابی کو یہ مشورہ دیا کہ دربار سید دو عالم ﷺ میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کرے تاکہ حضور انور ﷺ تیرے لئے دست مغفرت پھیلائیں۔ تو اس نے کہا: ''تم لوگوں نے مجھے پہلے اسلام لانے کا مشورہ دیا جو میں نے قبول کر لیا اور اسلام لے آیا پھر تم نے مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کا مشورہ دیا وہ بھی میں نے قبول کر کے زکوٰۃ ادا کر دی۔ اب تمہارے لئے یہی بات باقی تھی کہ تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں محمد کو سجدہ کروں۔'' چنانچہ سر مٹکاتے ہوئے چلا گیا۔ (روح المعانی)

یعنی منافق سید دو عالم ﷺ کے حضور استغفار کے لئے حاضری کو شرک سمجھتے تھے۔ چنانچہ رحمت دو عالم ﷺ کو یہ فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ خواہ آپ ان کے لئے رحمت للعالمین ہونے کی وجہ سے بخشش طلب فرما دیں۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت: ۶ میں ہے اور سورۃ توبہ میں بھی ارشاد فرمایا: ''إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (التوبۃ: ۸۰)'' اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت طلب فرما دیں۔ تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔

ف: اور اب بھی زائرین سید دو عالم ﷺ کو فقہ حنفی کا یہی حکم ہے کہ دربار سید دو عالم ﷺ میں حاضری کے وقت یہ حالت ہو کہ: ''وَيَمْثُلُ صُورَتَهُ الْكَرِيمَةَ الْبَهِيَّةَ ﷺ كَأَنَّهُ نَائِمٌ فِي لَحْدِهِ يَسْمَعُ كَلَامَهُ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَ رَأْسِهِ وَيَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ (الآية) وَقَدْ جِئْنَاكَ سَامِعِينَ قَوْلَكَ طَائِعِينَ أَمْرَكَ مُسْتَشْفِعِينَ بِنَبِيِّكَ إِلَيْكَ'' سید دو عالم ﷺ کی مبارک صورت کا اس طرح تصور کرے گویا آپ اپنی لحد مبارک میں سوئے ہوئے ہیں اور اس کی بات سن رہے ہیں۔ پھر سید دو عالم ﷺ کے سر مبارک کے پاس آ کر یہ عرض کریں: یا اللہ! تو نے فرمایا ہے اور تیرا فرمانا بالکل سچ اور صحیح ہے (یہ کہ) جب یہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (پوری آیت پڑھ لے) تو ہم آپ کے ارشاد کو سن کر تیرے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے تیرے، نبی کو تیرے دربار میں وسیلہ شفاعت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ (طحاوی شرح درمختار ج ۱ ص ۸۹۹)

شارح ہدایہ علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''ثُمَّ يَسْأَلُ النَّبِيَّ الشَّفَاعَةَ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى اللَّهِ فِي أَنْ أَمُوتَ مُسْلِمًا عَلَى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ'' صلوٰۃ و سلام کے بعد سید دو عالم ﷺ سے شفاعت کا سوال کرے اور یوں کہے یا رسول اللہ ﷺ میں جناب سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری موت آپ ﷺ کی ملت اور آپ ﷺ کی سنت پر فرمائے۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۷)

علماء دیوبند رحمہم اللہ کا یہی مسلک اور یہی طرز عمل ہے، جیسا کہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے اپنی کتاب ''زبدۃ المناسک'' میں (جو کہ حج اور زیارت کے احکام اور اعمال پر مشتمل ہے) فرمایا ہے: ''جب سید دو عالم ﷺ کے دربار عالی میں زیارت کا شرف حاصل ہو تو سلام عرض کر کے اپنی شفاعت کی درخواست کرے اور

اگر کسی دوسرے آدمی نے سلام اور شفا کی درخواست کا کہا ہو تو یوں کہے: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفِعُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ" یارسول اللہ ﷺ آپ پر فلاں کے بیٹے فلاں کی طرف سے سلام ہو وہ جناب سے درخواست کرتا ہے کہ آپ ﷺ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن کر دربار خداوندی میں شفاعت کریں۔

بلکہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر بھی سلام کہہ کر یہ درخواست کرے کہ آپ دونوں بھی سید دوعالم ﷺ کے دربار میں میری شفاعت کے سوال کا وسیلہ بنیں۔"

عرض اعمال بحضور سید دوعالم ﷺ

بعض روایات میں یہ بات ثابت ہے کہ زندہ انسانوں کے اعمال ان کے واقف کار مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں اور وہ اپنے پسماندگان کے اچھے اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے برے اعمال سے غمناک ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سید دوعالم ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "اِنَّ اَعْمَالَکُمْ تُعْرَضُ عَلٰی مَوْتَاکُمْ فَیَسُرُّوْنَ وَیَسَاؤُوْنَ" بے شک تمہارے اعمال تمہارے مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں (جن کو دیکھ کر) وہ خوش بھی ہوتے ہیں اور افسردہ بھی۔ (ضمیمہ کتاب الزہد از ابن مبارک ص ۴۲)

اور اسی روایت میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے یوں بھی فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: "یا اللہ مجھے ایسے اعمال سے بچا جب میری اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات ہو تو وہ مجھ پر غصہ سے ہوں۔"

ایک روایت میں یوں بھی ارشاد نبی کریم ہے کہ تم ایسے اعمال نہ کرو جس سے تمہاری اموات کو دکھ اور رسوائی ہو۔ (روح المعانی سورۃ النحل)

اکثر ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ بعض اموات کسی اچھے کام پر خواب میں آ کر تحسین کرتے ہیں اور کسی برے کام پر سرزنش کر جاتے ہیں اور سید دوعالم ﷺ پر امت کے اعمال کا پیش ہونا کئی احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: "حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور انور ﷺ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی سورۃ النحل: ۸۹)

الغرض ان تمام امور سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سید دوعالم ﷺ روضہ اقدس میں حیات ہیں اور یہی عقیدہ مذاہب اربعہ اور اہلحدیث حضرات کا ہے۔

مذاہب اربعہ کا عقیدہ دربارہ حیات النبی ﷺ

یہ عقیدہ ہر چہار مذاہب کے ہاں ضروری ہے۔ ہر مسلک کے جلیل القدر علماء اور اولیاء کو یہ شرف عظیم حاصل ہوا ہے اور اس پر انہوں نے مدلل کتابیں لکھی ہیں۔ جیسا کہ احناف میں سے ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حنابلہ میں سے سید الاولیاء شیخ عبدالقادر جیلانی، مالکیہ میں سے مفسر القرآن امام قرطبی، ابن الحاج، حافظ ابن ابی جمرہ، شوافع میں سے امام غزالی، علامہ بارزی، علامہ السبکی رحمہم اللہ نے اس عقیدہ پر مفصل کتابیں شائع کی ہیں۔

اکابر علماء اہل حدیث کا عقیدہ حیات قبر اور حیات النبی ﷺ کے متعلق

۱...... اہل حدیث کے امام اور اہل سنت والجماعت کے واجب الاحترام علامہ محمد ابن علی شوکانی یمنی (م ۱۲۵۰ھ) نے اپنی مستند اور مقبول کتاب ''نیل الاوطار'' میں حیات النبی ﷺ کے بارے میں جملہ احادیث نقل کرنے کے بعد مندرجہ ذیل فیصلہ فرمایا ہے: ''وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا التِّرْمِذِيَّ الْحَدِيْثُ الْاَوَّلُ اَخْرَجَهُ اَيْضًا اِبْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ وَالْحَاكِمُ فِيْ مُسْتَدْرَكِهٖ وَقَالَ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ وَذَكَرَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ فِي الْعِلَلِ وَالْاَحَادِيْثِ فِيْهَا مَشْرُوْعِيَّةُ الْاِكْثَارِ مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاِنَّهَا تُعْرَضُ عَلَيْهِ وَاَنَّهٗ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ وَقَدْ اَخْرَجَ ابْنُ مَاجَةَ بِاَسْنَادٍ جَيِّدٍ اَنَّهٗ ﷺ قَالَ لِاَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلطَّبْرَانِيِّ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ اِلَّا بَلَغَنِيْ صَلٰوتُهٗ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِيْ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُحَقِّقِيْنَ اِلٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ كَمَا وَرَدَ النَّصُّ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فِيْ حَقِّ الشُّهَدَاءِ اَنَّهُمْ اَحْيَاءٌ يُرْزَقُوْنَ وَاَنَّ الْحَيَاةَ فِيْهِمْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْجَسَدِ فَكَيْفَ بِالْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ'' اور احادیث میں ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ پر جمعہ کے دن درود شریف زیادہ پڑھا جائے اور یہ بھی احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ کریم نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کھانے حرام کر دیئے ہیں اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ جب کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ مجھ کو پہنچتا ہے۔ ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا کہ حضرت ﷺ آپ کی وفات کے بعد بھی پہنچے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میرے اس دنیا سے بظاہر چلے جانے کے بعد بھی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔ اس لئے محققین علماء کی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور وہ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں۔ جب قرآن کریم میں شہداء کے متعلق ہے کہ وہ زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کی زندگی جسم کے ساتھ ہے تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام اور مرسلین کے لئے اس کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے۔'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۲۴)

نوٹ: یہی علامہ شوکانی اپنی مشہور کتاب (تحفۃ الذاکرین ص ۳۳) میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ روح سے مراد نطق کا لوٹانا ہے۔ اس لئے کہ حضور انور ﷺ کی روح تو قبر میں بھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتی۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے ''حصن حصین'' کی شرح ''تحفۃ الذاکرین'' میں فرمایا ہے: ''وَقَدْ تَقَدَّمَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْاَحَادِيْثِ الدَّالَّةِ عَلٰى اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَالْاَحَادِيْثُ مُصَرِّحَةٌ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرُدُّ عَلَيْهِ رُوْحَهٗ عِنْدَ سَلَامِ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ......'' روح کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ: ''قِيْلَ وَالْمُرَادُ بِرَدِّ الرُّوْحِ اَلنُّطْقُ لِاَنَّهٗ حَيٌّ فِيْ قَبْرِهٖ وَرُوْحُهٗ لَاتُفَارِقُهٗ'' جس کی تشریح گزر چکی ہے۔

نوٹ: رسالہ امام شوکانی رحمہ اللہ (مؤلفہ مولانا محمد حنیف بھوجیانی مصدقہ مولانا محمد اسمٰعیل رحمہ اللہ گوجرانوالہ) میں اس کتاب ''تحفۃ الذاکرین'' کو امام شوکانی کی تصنیف تسلیم کیا گیا ہے جس کا نمبر ۹ ہے۔

۲...... علامہ ابن قیم نے فرمایا:۔

فَكَانَّهٗ فِی الْقَبْرِ حَیٌّ نَاطِقٌ فَالْوَاقِفُوْنَ نَوَاكِسُ الْاَذْقَانِ

جماعت اہلحدیث ہندیہ کے امام اور محدث اعظم حضرت میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اعلی اللہ مقامہ وقدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: ''اور حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوۃ وغیرہ کتب حدیث سے واضح ہوتا ہے لیکن کیفیت حیات کی ان کی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اوروں کو یہ کیفیت بخوبی معلوم نہیں۔'' (ضمیمہ فتاوی نذیریہ ص ۵۵)

۳...... قابل احترام بزرگ محدث ومفسر نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل تصانیف فرمائی ہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتاب ''التنکیت فی شرح ابیات التثبیت'' میں فرمایا ہے: ''احادیث متواتر اند برانکہ عودمی کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ مے ماند اگرچہ جسد جان دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد وسوال بدن بلا روح قول طائفہ است وجمہور انکارش کردند ودیگر در برابر ایشاں گویند کہ سوال روح را بلا بدن است وایں غلط فاحش است ورنہ قبر را بدان اختصاص نہ باشد'' (ص ۲۳، ۲۴، ۲۵ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ)

کتاب کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ قبر میں شعور اور ادراک تمہارے ساتھ رہے گا، گزر چکا ہے۔ اس روایت کی توثیق اور تائید نواب صاحب نے کرتے ہوئے اپنی کتاب ''حَضَرَاتُ التَّجَلِّی'' کے (ص ۴۷) میں نقل فرمایا ہے: ''قَالَ الْبَیْهَقِیُّ وَالْاَنْبِیَاءُ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ بَعْدَ مَاقُبِضُوْا رُدَّتْ اِلَیْهِمْ اَرْوَاحُهُمْ فَهُمْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ''

نواب صاحب اپنے سفر نامہ حج ''رحلۃ الصدیق'' میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں یہ ہے کہ: ''حضور نبی کریم ﷺ نے خبر دی ہے کہ قریب سے صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔'' (رحلۃ الصدیق ص ۸۰)

مذکرہ بالا حوالہ جات سے یہ بات ظاہر ہے کہ:

الف...... موت کے بعد بھی روح کا تعلق بدن کے ساتھ رہتا ہے۔

ب...... عذاب اور ثواب اسی قبر میں ہے جہاں بندہ دفن کیا جاتا ہے۔

ج...... بدن گل جائے یا سڑ جائے تب بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔

د...... اسی بدن یا اس کے ذرات کے ساتھ ادراک اور شعور باقی رہتا ہے۔

ر...... جناب رسول اکرم ﷺ قریب سے صلوۃ وسلام کو خود سنتے ہیں۔

س...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ دربار نبوت میں سلام پیش کیا کرتے تھے۔

۴...... ابوداؤد کے شارح علامہ شرف الحق عظیم آبادی نے ابوداؤد کی شرح ''عون المعبود'' میں علامہ جلال الدین سیوطی کے رسالہ ''انتباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء'' اور محدث کبیر علامہ بیہقی کے رسالہ ''حیاۃ الانبیاء'' اور ''کتاب الاعتقاد'' سے استناد کرتے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام اور سید دو عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''وَهُوَ حَیٌّ دَائِمًا'' آپ ﷺ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔

معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعۃ کے سب فرقے حیات النبی ﷺ کے عقیدہ پر متفق ہیں۔ یہ عقیدہ کسی کا بھی نہیں کہ جسد اطہر روضہ انور میں سلامت تو ہے مگر روح کا تعلق نہیں ہے۔

مشہور محدث اور مفسر علامہ محمد بن عبدالرحمن السخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۲ھ) نے رسول اللہ ﷺ کے "حَیٌّ عَلَی الدَّوَامِ" پر بادلیل بحث فرمائی ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ: "وَنَحْنُ نُؤْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِاَنَّہٗ ﷺ حَیٌّ یُرْزَقُ فِیْ قَبْرِہٖ وَمِنْ جَسَدِہٖ الشَّرِیْفِ لَاتَاْکُلُہُ الْاَرْضُ وَالْاِجْمَاعُ عَلٰی ھٰذَا" (القول البدیع ص ۱۷۱، ۱۷۲)

تنبیہ: حیات بعد الموت کے منکرین ان کتابوں کی تخفیف کرتے ہیں جن میں اس زندگی کا ذکر ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کے لئے علامہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی نصیحت درج کی جاتی ہے جو آپ نے اپنی کتاب "حَضَرَاتُ التَّجَلِّیْ مِنْ نَفَحَاتِ التَّخَلِّیْ" (مطبوعہ ۱۲۹۸ھ) میں فرمائی ہے: "میں نے "ابیات تثبیت" کی ایک مفصل شرح لکھی ہے جس میں حیات قبر اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کو ثابت کیا ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی اسی موضوع پر ایک مدلل کتاب لکھی ہے جس کا نام "شرح الصدور" ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ ان کتب کا مطالعہ کرے اور ان سے نصیحت حاصل کرے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آج عالم اور جاہل اکثر دنیاوی خواہشات کے لئے سرگرم عمل ہیں اور ان کتابوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔" (ص ۴۷)

نواب صدیق حسن خان مرحوم خود دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور شرف سلام سے مشرف ہوئے۔ اسی سفر کے حالات کو اپنی مشہور کتاب "رحلۃ الصدیق" میں ذکر فرمایا۔

مرحوم علامہ عبدالحمید الخطیب شیخ الحرم وسابق رکن مجلس شوریٰ حکومت سعودیہ فرماتے ہیں کہ: "جب میں مسجد حرام میں مدرس تھا تو مجھ سے شام کے حاجی نے آکر شکایت کی کہ میں بیت اللہ شریف کے مطاف میں "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" کہہ رہا تھا کہ ایک عالم نے جو اپنے آپ کو نجدی ظاہر کرتا ہے، روک دیا۔ میں نے جناب شیخ ابن مانع اور جناب شیخ عبدالظاہر امام مسجد حرام سے پوچھا تو ان دونوں نے فرمایا کہ اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، مگر جس نے روکا ہے وہ ان کے خلاف برا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ بات اور اس قسم کی دوسری باتیں لوگوں کی نظر میں وہابیہ نجدیہ کی حقارت کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ کیا واقعی علمائے نجدیہ وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ: "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" کہنا حرام ہے، تو میں نے اس کو جواب دیا کہ تمام اسلاف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد کو وہابیہ کے ساتھ خلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا میں ایک جماعت اور نغ وہابیہ کے خلاف ہیں تو اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلہ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔" (دیباچہ ص ۴، ۶)

کچھ دنوں کے بعد میں مدینہ منورہ سردار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گیا تو مجھ کو ایک صالح اور متقی انسان ملا، جس نے کہا کہ میرا نام شیخ احمد ہے اور میں دربار پرانوار کا خادم ہوں۔ مجھے جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو قصیدہ تو نے حضور ﷺ کی نعت میں لکھا ہے، اسے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھیں۔ چنانچہ خطیب صاحب نے بیان کیا کہ وہ قصیدہ میں نے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھا۔ اس قصیدہ کا نام "تَحِیَّۃٌ لِلْحَبِیْبِ" ہے اور وہ مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ جیسا کہ خطیب صاحب نے اپنی کتاب (امی الرسالات ص ۲۱۸) میں کہا ہے۔

اس قصیدہ مبارکہ کے چند اشعار تبرکاً درج کرتا ہوں ۔

(۱)

رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مَنْ قَدْ حَبَاہُ ‏ اِلٰہُ الْعَرْشِ بِالنِّعَمِ الْجِسَامِ
وَسَوَّدَہٗ عَلٰی کُلِّ الْبَرَایَا ‏ وَرَفَّعَہٗ اِلٰی اَعْلَی الْمَقَامِ
لِھٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ ‏ اَتَیْتُ مُقَدِّمًا کُلَّ احْتِرَامِ
وَحَسْبِیْ اَنْ تَرُدَّ عَلَیَّ سَلَامِیْ ‏ بِنَفْسِکَ یَا حَبِیْبِیْ بِالسَّلَامِ
فَقَدْ بَشَّرْتَنَا قِدْمًا بِھٰذَا ‏ وَاَنْتَ الْیَوْمَ اَسْمَعُ لِلْکَلَامِ

(۲)

عَلَیْکَ سَلَامُ اللّٰہِ یَا سَیِّدَ الْوَرٰی ‏ وَمَنْ قَدْ زَہٗ عِنْدَ الْاِلٰہِ عَظِیْمٌ
وَمَنْ خَصَّہُ الْمَوْلٰی بِاِسْرَائِ جِسْمِہٖ ‏ اِلٰی سِدْرَۃٍ فَوْقَ السَّمَائِ تَقِیْمُ
وَفِیْ مَسْجِدِیْ یَاقَوْمُ صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا ‏ عَلَیَّ فَاِنِّیْ بِالسَّلَامِ عَلِیْمٌ
اَرُدُّ عَلَیْکُمْ بِالسَّلَامِ فَحَا لِقِیْ ‏ یَرُدُّ اِلَیَّ الرُّوْحَ وَھُوَ حَکِیْمٌ
وَاَعْرِفُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بِمَسْجِدِیْ ‏ وَیُکْرِمُھُمْ عِنْدَ اللِّقَائِ کَرِیْمٌ
وَکَانَ ابْنُ فَارُوْقٍ یَجِیْئُ اِذَا اَتٰی ‏ اِلَیْہِ مِنَ الْاَسْفَارِ وَھُوَ یَھِیْمُ
وَلَمْ یَعْتَرِضْ یَوْمًا عَلَیْہِ صَحَابَۃٌ ‏ وَھٰذَا دَلِیْلٌ لِلْجَوَازِ قَوِیْمٌ
وَقَدْ جَائَ فِی الْاَخْبَارِ اِنَّ شَھَادَۃً ‏ مِنَ الْحَجَرِ الْمَعْلُوْمِ حِیْنَ یَقُوْمُ
تَقَدَّمَ بِا لَتَقْبِیْلِ لِلّٰہِ خَالِصاً ‏ سَتَنْفَعُ وَالْمَوْلٰی بِذٰکَ عَلِیْمٌ

مندرجہ بالا اشعار میں مندرجہ ذیل امور واضح ہیں۔

۱...... ’’اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ‘‘ دور سے کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ اس رسالہ کا مقصد مصنف نے بیان کیا ہے۔ علمائے دیو بند کے ہاں بھی شوق و محبت صلوٰۃ و سلام کی صورت میں اس کا پڑھنا درست ہے۔ (دیباچہ ص ۶،۴)

اور حسب ارشاد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ مفتی اعظم ’’خود اجلہ علماء کا معمول ہے۔‘‘ (ماہنامہ المفتی دیو بند) اتنا ضروری ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ سمجھے کہ یہ خاصہ صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

۲...... رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نماز کی طرح فرض عین ہے۔

۳...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس سلام عرض کرنے والے کا سلام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور اس کو پہچانتے بھی ہیں۔

۴...... اور یہ بات بدعت نہیں بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی جب سفر سے واپس آتے تو سلام عرض کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کام دیکھا مگر انکار نہ کیا۔ اس لئے اس امر پر اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تشریف فرما ہیں۔

۵...... جب ایک پتھر (حجر اسود) کو سلام کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت میں شفاعت کرے گا تو آنحضرت ﷺ سے یہ امید کیوں نہیں رکھی جا سکتی۔

اس عقیدہ کی اہمیت

یہ عقیدہ حیات النبی ﷺ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

۱...... اسلام کے چودہ سو سالہ دور میں مسلمانوں کا عمل اس عقیدہ پر رہا ہے کہ جس نے حج کیا، اس نے مدینہ منورہ کی زیارت ضرور کی، تا کہ سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں تحفہ سلام پیش کرے۔ حج کے علاوہ بھی کئی سعادت مند محض زیارت نبوی کے لئے مدینہ منورہ آتے تھے اور آرہے ہیں اور ان شاء اللہ آتے رہیں گے۔ مسلمانوں کا یہ عمل امت محمدیہ کا عظیم اجماع ہے کہ دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!

۲...... ہر دور اور قرن میں علماء کرام نے اس عقیدہ اور شرف زیارۃ نبوی اور عظمت مدینہ منورہ پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ایک فہرست درج کی جاتی ہے:

صدی	شخصیات اور اہم کتب اور واقعات
پہلی صدی	حضرت انس بن مالک، اوس بن اوس، ابو مسعود انصاری، ابو امامہ، عبداللہ بن عباس وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
دوسری صدی	ثابت بنانی، ابو اشیخ، سعید بن المسیب، امام دار الہجرہ، امام مالک رحمہ اللہ
تیسری صدی	امام شافعی، امام احمد بن حنبل، بقی بن مخلد، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
چوتھی صدی	حافظ الحدیث امام عبدالرحمن بن شعیب نسائی رحمہ اللہ
پانچویں صدی	امام کبیر محدث امام بیہقی رحمہ اللہ مؤلف رسالہ حیاۃ الانبیاء
چھٹی صدی	محی الدین بن عربی، امام غزالی، سید عبدالقادر جیلانی، احمد رفاعی کبیر رحمہ اللہ کا واقعہ
ساتویں صدی	علامہ ابن النجار رحمہ اللہ
آٹھویں صدی	حافظ ابن حجر عسقلانی اور واقعہ سلطان نور الدین زنگی رحمہ اللہ

شخصیات اور اہم کتب اور واقعات

نویں صدی	علامہ ابن القیم رحمہ اللہ محمد سلیمان رحمہ اللہ مرتب دلائل الخیرات
دسویں صدی	ملا علی قاری، جلال الدین سیوطی، شہاب الدین قسطلانی، نور الدین سمہودی رحمہ اللہ کتاب فی عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام
گیارہویں صدی	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ مولف جذب القلوب الی دیار المحبوب (ﷺ)
بارہویں صدی	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ مولف فیوض الحرمین و مرتب الدر الثمین (چہل حدیث منامی) مخدوم محمد ہاشم سندھی
تیرہویں صدی	نواب قطب الدین خان رحمہ اللہ مؤلف شرح مشکوۃ بہ نام مظاہر حق بانی دار العلوم دیو بند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ مولف آب حیات

چودھویں صدی	مولانا عبدالحئی لکھنوی، مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی شارح ابی داؤد، مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری شارح بخاری، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی مؤلف الشہاب، حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانوی مؤلف التکشف فی مهمات التصوف، مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی، محتاج شفاعت (قاضی) محمد زاہد الحسینی مؤلف رحمت کائنات، علامہ خالد محمود صاحب مؤلف مقام حیات، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مولف تسکین الصدور، مولانا سید میرک شاہ صاحب مؤلف عقیدۃ المحدثین، مولانا سید نور الحسن بخاری مولف حیات الاموات (رحمہم اللہ)

آب حیات کی وجہ تالیف

بعض عرفاء کو کسی دینی فتنے کے ظہور سے پہلے نسبت فاروقی کے پیش نظر منجانب اللہ القاء ہو جاتا ہے اور وہ خود بھی اور اس فتنے کا دفاع کرنے والے احباب کو اس طرف متوجہ فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ:

مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ نے اپنے مسترشد خاص، بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو آج سے تقریباً ایک سو بیس سال قبل عقیدہ حیات النبی ﷺ پر ایک مدلل کتاب لکھنے کا ارشاد فرمایا، جس کی تعمیل میں آپ نے ۱۲۹۴ھ میں یہ کتاب اس طرح تحریر فرمائی کہ بقول آپ کے: ''دل میں یہ ٹھان کر قلم اٹھایا اور ٹھہرائی کہ شروع تو خدا کے گھر سے کیجئے اور بن پڑے تو بوسہ گاہ عالم سرور عالم ﷺ پر اختتام کو پہنچا دیجئے، تا کہ ابتداء اور انتہاء دونوں مبارک ہوں، ورنہ جس قدر بن پڑے غنیمت ہے۔ کیونکہ اس وسیلہ سے اس ظلوم وجہول کو امید صحت اور ظن حسن قبول ہے۔'' (سوانح قاسمی ج ۳ ص ۱۲)

چنانچہ متوسط تقطیع والی یہ کتاب ۲۵۸ صفحات پر ختم ہوئی اور طبع ہو کر مقبول عام وخواص ہوئی اور بقول حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ: ''دار العلوم دیوبند میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصانیف کو درساً درساً پڑھنے پڑھانے کا اہتمام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے کروایا تھا جس کے بارہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''ہمارے حضرات بڑے زور شور سے اس (حیات جسمانی برزخی) پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ ''آب حیات'' نہایت مبسوط رسالہ ہے جو خاص اسی مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے۔'' (نقش حیات ج ۱ ص ۱۲۰)

منکرین حیات نے اس کتاب کو ناقابل فہم اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا تفرد کہہ کر اکابر علماء دیوبند کے مسلک پر جرح کی تو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے ایک مفصل بیان میں اس کی تردید فرمائی جو ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند میں شائع ہوا۔ یہاں اس بیان کا خلاصہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے: ''بہرحال اس واقعہ سے کتاب کے ناممکن الفہم ہونے یا اس میں بیان شدہ مسئلہ حیات النبی (ﷺ) کے مشکوک یا مشتبہ ہونے پر استدلال کیا جانا قطعاً بے معنی ہے۔ حضرت نانوتوی قدس سرہ اور دیوبند کے تمام اکابر وعلماء کا مسلک اس بارہ میں صاف رہا ہے اور ہے کہ نبی کریم ﷺ برزخ میں حیات جسمانی دنیوی کے ساتھ زندہ ہیں اور یہ ناکارہ خادم اکابر بھی ان ہی اکابر مرحومین کے اس مسلک کا پابند اور من وعن متبع ہے۔'' (محمد طیب غفرلہ مدیر دار العلوم دیوبند، ۱۸ر شعبان ۱۳۸۰ھ)

انکار حیات سید دو عالم ﷺ اور اس کے اثرات

دین اسلام کے خلاف جس قدر فتنے پہلے زمانے میں اٹھے یا اب اٹھ رہے ہیں، ان سب کی مذموم جدوجہد کا مدعا سید دو عالم ﷺ کی شان رفیع کو گھٹانا ہوتا ہے۔ خواہ وہ فتنہ بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی شکل میں ہو یا علمائے سلف کے خلاف بدگمانی پھیلانے کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہو یا ختم نبوت کے خلاف ہو۔ شان رسالت کی بشری اور نبوی تقسیم اور تفریق کی صورت میں، یہ سب۔ کہ سب فتنے دراصل شان سید دو عالم ﷺ کی شان رفیع کو گھٹانے کی مذموم سعی کرتے ہیں۔ جس ذات عالی کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ ''فانک باعیننا'' سے فرمائے اور جس کے لئے ''ورفعنالک ذکرک'' کا تاج رفیع مخصوص فرمائے، اس کی شان کو کوئی نہیں گھٹا سکتا۔ البتہ ایسے بدبخت دونوں جہانوں میں ذلت کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں کئے ہوئے نیک اعمال ان کے ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔

ایسے بدبختوں کی کئی علامات ہیں، مگر بڑی علامت یہ ہے کہ ان کی زبان، ان کے قلم، ان کا ذہن وفکر ایسے مواد کی تلاش میں رہتا ہے جس سے شان رفیع میں کمی پیدا کی جا سکے۔ وہ قرآنی آیات کی تاویلات باطلہ بلکہ تحریف معنوی سے بھی نہیں رکتے۔ وہ اپنی جہری نمازوں میں صرف ان آیات اور سورتوں کی قرأت کرتے ہیں جن سے رفعت شان محمد آشکارا نہ ہو۔ ان کو صرف ''انما انا بشر مثلکم'' ہی یاد ہوتا ہے۔ ''بالمومنین رؤف رحیم'' پڑھنے سے ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ وہ ''عبس وتولی'' تو لہجہ دار طرز سے پڑھتے ہیں مگر ان کی زبان پر سورۃ ''البینہ'' نہیں آتی۔

حضرت عمر فاروق کی خدمت میں یہ شکایت کی گئی کہ ایک امام جہری نماز میں سورہ عبس کی قرأت زیادہ کرتا ہے تو آپ نے اس کو سخت سزا دی۔

یہ واقعہ صحیح مسلم کے شارح اور ہدایہ کے شارح امام تقی الدین ابوبکر بن محمد الحصنی (م ۸۲۹ھ) نے اپنی کتاب ''قمع النفوس ورقیۃ المایوس'' میں نقل کیا ہے۔

محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے: ''ان امور سے جن کی بناء پر فقہاء نے حجاج بن یوسف پر کفر کا فتویٰ دیا تھا ایک بڑا جرم یہ بھی ہے کہ حجاج جب مدینہ منورہ آیا اور زائرین حرم اطہر کو دیکھا کہ وہ پروانہ وار روضہ اطہر کے اردگرد جمع ہو رہے ہیں تو اس نے کہا کہ تم لوگ لکڑیوں اور گلی سڑی ہڈیوں کا طواف کر رہے ہو۔ اس پر علماء حرم نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔''

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''حجاج کے اس کہنے میں سید دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کی تکذیب ہے جو بہ سند صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔'' اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت فرمایا ہے اور ابوجعفر داؤدی نے اس حدیث میں یہ بھی زیادہ روایت کیا ہے کہ اسی طرح شہداء اور علماء اور مؤذنوں کے بدن بھی مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ علماء (جرح وتعدیل) نے فرمایا کہ ابوجعفر داؤدی ان علماء میں سے ہیں جو فقہ کے ساتھ موصوف ہیں۔'' (خزائن الاسرار از حضرت شاہ صاحب شائع کردہ مجلس علمی ڈابھیل ص ۱۷)

ف: حجاج بن یوسف نے عراق پر بیس سال حکومت کی۔ اس کے ظلم و ستم کا نشانہ ایک لاکھ بیس ہزار انسان بنے اور جیل خانوں میں پچاس ہزار مرد اور عورتیں شہید ہوئے۔ مفسر القرآن حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو ۹۵ھ میں شہید کر دیا، مگر یہ بد بخت بھی چین سے نہ بیٹھ سکا۔ حضرت سعید بن جبیر کی شہادت کے فوراً بعد پاگل ہو کر دنیا سے رخصت ہوا۔ ''وما اللہ بغافل عما یعمل الظلمون'' (معالم الخلافہ ص ۱۳۷)

حجاج بن یوسف کی اس گستاخی اور کفریہ حرکت کے بعد بھی یہ عقیدہ اہل اسلام میں بنیادی طور پر مسلم رہا۔ اگرچہ بعض اوقات بعض بے دینوں نے اپنے بغض نبوی کا اظہار کیا۔ جیسا کہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن المعروف بہ علامہ قشیری (م ۴۶۵ھ) نے ارشاد فرمایا: ''کسی کرامی نے (خدا اس کی قبر کو آگ سے بھر دے اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر بھی دیا ہوگا) ہمارے کسی ساتھی کو الزام دیتے ہوئے یہ کہا کہ: ''جب تمہارے نزدیک کسی میت کو مردہ ہونے کی حالت میں نہ حس ہوتا ہے اور نہ علم تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی ﷺ اپنی[1] قبر میں حیات نہیں۔'' اس الزام کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہمارے نزدیک تو آنحضرت ﷺ زندہ ہیں اور انہیں حس بھی ہے اور علم بھی اور آپ ﷺ کے سامنے آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ امت کا سلام اور درود ہمیشہ آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔'' (ترجمہ رسالہ قشیریہ ص ۱۸، ۱۹)

فرقہ کرامیہ کے دیگر غلط اور غیر اسلامی عقائد کے علاوہ یہ عقیدہ بھی قرآن و حدیث کے خلاف تھا۔ شاید اسی لئے محدث کبیر علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) نے ایک کتاب بنام ''حیاۃ الانبیاء'' تحریر فرمائی جو اس عقیدہ کے اثبات کے لئے کافی اور وافی ہے۔ اسی طرح فرقہ متقشفہ کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو موت کے بعد نبوت سے معزول کر دیا جاتا ہے۔ یعنی سید دو عالم ﷺ نے جس وقت اس دنیا سے سفر فرمایا ہے، اسی دن سے آپ ﷺ نبی نہیں رہے۔ حالانکہ اس عقیدہ کے ماننے والا کافر ہوتا ہے۔ سید دو عالم ﷺ آج بھی اسی طرح رسول اور نبی ہیں جس طرح اس دنیا میں موجود ہوتے ہوئے نبی اور رسول تھے۔ (ﷺ) یہی حکم سب ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔

اگر نبی موت سے نبی نہیں رہتا، (جس طرح کہ عام انسان سے موت پر اس کے اعزازات اور حقوق سلب ہو جاتے ہیں) تو پھر قرآن عزیز کا اہل اسلام کو یہ حکم دینا کہ آپ ﷺ سے پہلے تشریف لانے والے سب انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاؤ، درست نہیں۔ حالانکہ اسلام کا حکم یہ ہے کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ آج بھی روضہ اطہر میں اسی طرح رسول اور نبی ہیں (علیہ السلام) جس طرح اس عالم ناسوت میں تشریف فرما ہوتے ہوئے نبی اور رسول تھے۔ آج بھی کلمہ توحید، کلمہ شہادت اور اذان کے کلمات اسی عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہیں کہ آج بھی سید دو عالم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (کتاب التمہید از ابوالشکور سالمی ص ۸۰)

اس کے بعد ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا زور علم اس امر پر صرف کر دیا کہ: ''انبیاء علیہم السلام عموماً اور امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کی خصوصاً قبر پر بالارادہ جانا درست نہیں اور آج تک منکرین حیات ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ہی کا پس خوردہ کھا رہے ہیں بلکہ اس سے ایک قدم آگے ہیں۔ حالانکہ ابن تیمیہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی طرح مدینہ منورہ چلا گیا

[1] (ابوعبداللہ محمد بن کرام سیستانی (م ۲۰۰ھ) کی طرف اس فرقہ کی نسبت ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے۔ وغیر ذالک! شرح مواقف ص ۶۱۷ وملل ج ۱، ۵۱، ۵۲)

تو دربار سید الانبیاء ﷺ میں سلام عرض کرے اور حضور انور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت بھی کرے جو کہ قریب رہتا ہو۔'' (الوصیۃ الکبریٰ ج ص ۲۹۱)

اسی طرح ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ: ''امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ پر اور دونوں صحابہ (ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما) پر بھی سلام کہے۔ کیونکہ سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی مجھ پر سلام کہتا ہے تو اللہ تبارک میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتے ہیں، تا آنکہ میں اس کو جواب کہہ سکوں۔'' اس حدیث کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (الکلام فی مناسک الحج از ابن تیمیہ ص ۳۹۰)

ف: حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے: ''من افضل الاعمال ھاتیک الزیارۃ وھی یوم الحشر فی المیزان'' سب اعمال سے بہتر عمل تیرے لئے سید دو عالم ﷺ کی زیارت ہے اور یہ عمل قیامت کے دن میزان میں رکھا جائے گا۔ (قصیدہ نونیہ)

ف: ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد بن احمد المقدسی (م ۶۴۳ھ) نے اپنی مرتبہ کتاب ''فضائل الاعمال'' میں ''فصل زیارۃ قبر المصطفی علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم'' کے عنوان سے ایک مستقل باب میں عبداللہ بن عمر، حاطب، ابوہریرہ سے چار روایات نقل فرمائی ہیں۔ یہ کتاب دوسری بار ۱۴۰۶ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

حافظ ابن تیمیہ اور اس کا مسلک دوبارہ حیات نبی کریم ﷺ اور اس پر تنقید

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ان علماء کرام میں شمار ہوتا ہے جن کو علوم نبوت کے ساتھ کافی تعلق تھا۔ تفسیر، حدیث علم کلام اور دوسرے علوم منقولات میں اب تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ کا ممتاز فرد مانا جاتا ہے اور یہ بات اس حد تک صحیح ہے مگر بعض اہم عقائد اور مسائل میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علماء سے اختلاف کیا ہے۔ جیسا کہ شارح بخاری حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے: ''واما الحافظ بن تیمیۃ فلا ریب انہ بحر مواج لا ساحل لہ لکن شذ فی مسائل من الاصول والفروع جمہور الامۃ المحمدیۃ والحق مع الجمہور'' حافظ ابن تیمیہ کے بارہ میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ناپیدا کنار سمندر ہے لیکن کئی اصولی اور فروعی مسائل میں امت محمدیہ کے جمہور علماء کرام سے علیحدہ راہ اختیار کی ہے مگر حق جمہور کے ساتھ ہے۔ (فیض الباری ج ا ص ۱۶۴)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول ۶۶۱ھ کو ہوئی اور وفات بحالت اسارت ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ہوئی۔ آپ کے ہم عصر علماء میں سے ابوالحسن علی بن عبداللہ السبکی الکبیر (م ۷۵۶ھ) نے ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم کے نظریات پر سیر حاصل تبصرہ اپنی کتاب السیف الصقیل میں کیا ہے۔ دیگر علماء نے بھی آپ کے نظریات کی تردید کی ہے مگر موضوع کتاب کی مناسبت سے صرف عقیدہ حیات النبی ﷺ کے متعلق ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات نقل کی جاتی ہیں۔ (مندرجہ ذیل عبارات رسالہ نمبر ۱۶ مناسک الحج سے نقل کی جاتی ہیں)

''بل الاحادیث المذکورۃ فی ھذا الباب مثل قولہ من زارنی وزار ابی ابراھیم فی عام واحد ضمنت لہ علی اللہ الجنۃ وقولہ من زارنی بعد مماتی فقد زارنی فی حیاتی ومن زارنی بعد مماتی حلت علیہ شفاعتی ونحو ذلک کلھا احادیث ضعیفۃ بل موضوعۃ لیس فی شئی من دواوین الاسلام التی یعتمد علیھا ولا نقلھا امام من ائمۃ المسلمین لا الائمۃ الاربعۃ ولا نحوھم لکن روی بعضھا البزار والدار قطنی ونحوھما باسانید ضعیفۃ'' (ص ۲۹۲، ۲۹۳)

''اور وہ احادیث جو کہ زیارت نبوی کے بارہ میں نقل کی جاتی ہیں، جیسا کہ جس نے میری زیارت کی اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ایک ہی سال میں کی اس کے لئے میں دربار خداوندی سے جنت کے عطیہ کا ذمہ اٹھاتا ہوں۔ اسی طرح حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، وہ یوں سمجھ لے کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔ وغیرہا! یہ سب احادیث ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہیں۔ (یعنی جھوٹی ہیں) ان کا اسلام کی اصولی کتابوں میں ذکر نہیں جن پر اعتماد کیا جاتا ہو، نہ ہی ان کو مسلمانوں کے کسی امام اور نہ ہی ائمہ اربعہ یا مثل ان کے کسی نے روایت اور نقل کیا ہے۔ بلکہ بعض روایات تو بزاز نے نقل کی ہیں اور بعض دارقطنی وغیرہ نے کمزور اسانید کے ساتھ نقل کی ہیں۔''

حالانکہ اس مضمون کی سترہ احادیث حضرت عمر، ابن عمر، حاطب بن بلتعہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، حضرت علی، حضرت بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ سے منقول ہیں۔

اسی طرح علامہ دمشقی نے اپنی مستند کتاب ''دفع من شبہ من شبہ وتمرد'' میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''من حج ولم یزرنی فقد جفانی روی ھذا الحدیث غیر واحد من الائمة منهم الحافظ ابو عبداللہ النجار فی کتابہ ومنھم الحافظ ابو سعد عبد المالک النیشابوری خرجہ فی کتابہ "شرف المصطفی" وھذا الکتاب فی ثمان مجلدات توفی فی نیشابور ۴۰۶ ورواہ ابن عساکر ص ۹۶''

سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی جس کا ترجمہ یہ ہے جس نے حج تو کر لیا مگر میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر زیادتی کی۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث میں سے کئی اماموں نے روایت کیا ہے۔ جن میں سے حافظ الحدیث ابوعبداللہ النجار نے اپنی کتاب میں اور حافظ الحدیث ابوسعید عبدالمالک نیشاپوری نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں روایت کیا ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں اسی مبارک اور پاکیزہ موضوع پر ہے اور محدث ابن عساکر نے کئی طرق اور اسانید سے اس کو روایت کیا ہے۔

اسی طرح محدث بزاز اور امام دارقطنی پر ابن تیمیہ کا الزام محض الزام ہی ہے۔ کیونکہ یہ ائمہ حدیث درجہ استناد کے امام ہیں۔ ان کا مختصر سا تذکرہ درج ذیل ہے: محدث بزاز کا نام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق ہے۔ بصرہ کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ کو حافظ الحدیث کا مقام حاصل تھا۔ دو کتابیں حدیث میں مسند کی طرز پر تالیف فرمائی ہیں۔ رملہ میں ۲۹۲ھ کو وفات ہوئی۔

امام دارقطنی کا نام ابوالحسن علی بن عمر بن عمر بن عبدالخالق ہے۔ بغداد کے بڑے محلہ دارقطن میں پیدا ہوئے۔ آپ کو اپنے زمانہ میں امیر المومنین فی الحدیث مانا گیا۔ حدیث میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔ بغداد میں ۳۸۵ھ کو وفات ہوئی۔ (الرسالۃ المستطرفہ)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اسی رسالہ کے (ص ۳۹۵) پر یہ تحریر ہے کہ: ''ومن اشبهم مثل قصد البقعة بغیر العبادات التی امر اللہ بھا فانہ لیس من الذین ولھذا کان الائمة العلماء یعدون من جملة البدع المنکرة السفر لزیارة قبور الانبیاء والصالحین وھذا فی اصح القولین غیر مشروع حتی صرح بعض من قال ذالک ان من سافر ھذا السفر لا یقصر الصلوة لانہ سفر معصیة'' اور ان ہی عیسائیوں کی طرح یہ بھی ہے کہ ان عبادات کے بغیر جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس خطہ زمین (روضہ اقدس سید دو عالم ﷺ) کا سفر کیا جائے۔ کیونکہ یہ بات

دین میں سے نہیں، اسی لئے علماء نے قبور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو بدعات منکرہ میں شمار کیا اور یہ بات ان دونوں میں سے زیادہ صحیح قول کے لحاظ سے غیر مشروع ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ زیارۃ قبور انبیاء علیہم السلام کے لئے سفر کرنا گناہ کا سفر ہے۔ اس لئے نماز میں قصر کی رخصت نہ دی جائے۔

اگر ابن تیمیہ ان ائمہ کے نام بھی ظاہر کر دیتے تو بہتر ہوتا، تا کہ ان کے علمی مقام سے واقفیت ہو سکتی کہ جمہور علماء کے مقابلہ میں ان کی حیثیت کیا ہے؟

ف: ابن تیمیہ نے بعض علماء کے حوالہ سے اس سفر کو سفر معصیت کہا ہے۔ اس لئے نماز کی قصر کی رخصت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے تین منازل (۵۰ میل) کے مسافر کو فرضی روزہ نہ رکھنے اور چار رکعت والی نماز کو دو رکعت میں ادا کرنے کی رخصت عطاء فرمائی ہے۔ ہمارے احناف علماء کرام کے ہاں یہ رخصت ہر مسافر کو ہے، خواہ وہ سفر نیکی کے کام کے لئے کرے۔ مثلاً رزق حلال کی تلاش کے لئے یا گناہ کے ارادہ پر کرے۔ مثلاً چوری کرنے کے لئے کم از کم ۵۰ میل کے سفر پر جائے۔ چونکہ وہ مسافر ہے، اس لئے اس کو قصر کی رخصت ہے۔ اگر گناہ کیا تو اس کی سزا ملے گی۔ مگر بعض ائمہ کے ہاں گناہ کے لئے سفر کرنے والے کو یہ رخصت نہیں۔ وہ چار رکعت ہی پڑھے گا تو ابن تیمیہ نے بعض علماء کے حوالہ سے اس پاکیزہ اور مقدس سفر کو سفر معصیت میں شمار کر کے ایک عظیم اعتقادی معصیت کا ارتکاب کیا ہے جس کی ہم پلہ دوسری معصیت نہیں ہو سکتی۔

ف: ابن تیمیہ نے ائمۃ العلماء کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ ائمہ اربعہ نے زیارۃ قبر نبوی کو افضل المندوبات قرار دیا ہے۔ ابن ہبیرہ نے کتاب ''اتفاق الائمہ'' میں تصریح فرمائی ہے: ''اتفق مالک والشافعی وابو حنیفہ واحمد علی ان زیارۃ قبر النبی من افضل المندوبات'' یعنی امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت سب سے زیادہ بہتر کاموں میں سے ہے۔ (حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۲۹)

اسی طرح امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) نے ایک مستقل رسالہ ''حیاۃ الانبیاء'' پر تحریر فرمایا ہے۔ نا معلوم ابن تیمیہ کو یہ رسالہ ملا ہے یا نہیں۔

یہ تو ابن تیمیہ حنبلی کا عقیدہ تھا۔ اب ہمارے اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ بھی پڑھ لیجئے: ''قال الشیخ ابن الہمام ان زیارۃ قبرہ ﷺ مستحبۃ وقریب من الواجب ولعلہ قال قریبا من الواجب نظرا الی ھذا النزاع وھو الحق عندی فان الآف الالوف من السلف کانوا یشدون رحالھم لزیارۃ النبی ﷺ ویزعمونھا من اعظم القربات'' (فیض الباری شرح بخاری از علامہ انور شاہ صاحب ج ۳ ص ۴۳۳)

امام عصر محدث کبیر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شیخ ابن ہمام نے یہ کہا ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب نہیں بلکہ واجب کے قریب ہے اور یہی عقیدہ میرے نزدیک حق ہے۔ کیونکہ لاکھوں علماء سلف اور بزرگان دین دور دراز سے سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے آتے رہے اور اس کو قرب دربار خداوندی اور قرب دربار رسالت کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے رہے۔ (اور آج تک یہی عقیدہ اور عمل ہے)

امام عصر محدث کبیر کے شاگرد رشید شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ العزیز نے اس عقیدہ اور

عمل پر ترمذی شریف کی شرح میں بحث کرتے ہوئے جو فرمایا ہے، اس کا اقتباس درج ذیل ہے: ''جمہور ائمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت اعظم القربات میں سے ہے اور اس کے لئے سفر کرنا مستحب اور باعث اجر ہے۔ حنفی علماء تو اس کو واجب کے قریب کہتے ہیں۔ اسی طرح مالکی، حنبلی اور شافعی علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ علامہ سبکی نے ائمہ مذاہب کے اقوال نقل کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ زیارت دربار سید دو عالم ﷺ کے قرب کا ذریعہ ہے جس کو کتاب اللہ سنت اور اجماع امت سے ثابت کیا ہے۔ خلاصہ اس بحث کا یہ ہے کہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار اس مسئلہ میں اسی طرح جمہور امت کے خلاف ہیں جس طرح بعض دیگر مسائل میں ہیں۔ ابن تیمیہ سے پہلے جن دو تین علماء نے اس عقیدہ کا اظہار کیا تھا اور پھر وہ جمہور امت کے مقابلہ میں دب گئے تھے۔ ابن تیمیہ نے امت میں پھر فتنہ کا نیا دروازہ کھول دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دیگر محققین علماء امت نے کہا ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری کے لئے سفر کرنے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے تو اس لحاظ سے ابن تیمیہ ہی وہ پہلا شخص ہوا جس نے اس اجماع امت سے خروج کیا ہے۔ کئی مفید اور جامع کتب اس خاص موضوع پر لکھی گئی ہیں جن میں سے شیخ ابن حجر ہیتمی (م ۹۷۴ھ) کی کتاب ''الجوهر المنظم في زيارة القبر المكرم'' مطبوعہ ہے۔ ابن تیمیہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ: ''تین مسجدوں کے لئے سفر کے بغیر اور کسی کے لئے سفر نہ کیا جائے مسجد حرام اور میری اس مسجد کے لئے اور مسجد اقصیٰ کے لئے۔''

اس سے ابن تیمیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ روضہ اطہر کی زیارت کے لئے سفر نہ کیا جائے۔ اس استدلال کا جواب محدثین حافظ بدرالدین عینی حنفی نے بخاری کی شرح (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۶۸۲، ۶۸۳) میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے (فتح الباری ج ۳ ص ۵۳) میں یہ دیا ہے کہ اس حدیث سے صرف مساجد کے لئے سفر کرنے کا ارشاد فرمایا۔ (اور یہی اقویٰ ہے کہ سب علماء حدیث نے اس روایت کو ابواب المساجد میں ذکر فرمایا ہے) اس سے مطلق سفر سے نہیں روکا، ورنہ اس سے تو سارے علمی دینی اور دنیاوی سفر ممنوع قرار دیئے جائیں گے، (جن کا تو ابن تیمیہ بھی قائل نہیں) اس سے مراد صرف یہ ہے کہ کسی مسجد میں زیادہ اجر و ثواب کی نیت سے سفر کر کے نہ جائے صرف تین مسجدوں میں زیادہ اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے جا سکتا ہے۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) مسجد سید دو عالم ﷺ (مدینہ منورہ) اور مسجد اقصیٰ (فلسطین) باقی دیگر علمی، دینی اور روحانی فوائد کے لئے مقامات مقدسہ مزارات وغیرہ کے لئے سفر کر سکتا ہے۔ خصوصاً روضہ اطہر کی زیارت کے لئے جانا یہ تو امت کا معمول رہا ہے اور اب بھی ہے اور اس پر قولی اور عملی اجماع علماء امت نے نقل کیا ہے جس کا جواب ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار نہیں دے سکے۔

اگر مدینہ منورہ کا سفر اس لئے تسلیم کیا جائے کہ مسجد نبوی میں نمازوں کے زیادہ ثواب حاصل کرنے کا مکان اور محل ہے تو پھر وہ کون سا آدمی ہے جو مکہ مکرمہ کی مسجد حرام کو چھوڑ کر جائے گا۔ جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، یہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں جو عشاق اور شمع نبوت کے پروانے مکہ مکرمہ میں حج کے بعد یا پہلے مدینہ منورہ جاتے ہیں وہ تو صرف روضہ اطہر کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۳۲۹، ۳۳۴)

اس بحث کو ذکر فرمانے کے بعد شیخ الاسلام علامہ بنوری قدس سرہ نے عربی قصائد میں سے دو کا اقتباس نقل فرمایا ہے جن کے ایک ایک لفظ سے عقیدت اور عشق و محبت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ (جزاکم اللہ احسن الجزاء وتغمدہ بغفرانہ)

اب اس حدیث کا صحیح معنی اور مراد کو سمجھ لیا جائے جس سے ابن تیمیہ اور اس کے پیروکار استدلال کرتے ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے فرمایا کہ شیخ ابن ہمام نے زیارت قبر نبی اکرم ﷺ کو قریب واجب لکھا ہے اور میں بھی اس کو حق سمجھتا ہوں اور فرماتے تھے: میرے نزدیک اس حدیث کا بہترین جواب یہ ہے کہ حدیث شدرحال کا تعلق صرف مساجد سے ہے، قبور وغیرہ سے نہیں۔ کیونکہ مسند احمد اور موطا امام مالک میں یہ روایت یوں مروی ہے: ''لاتشدالرحال الی مسجد یصلی فیہ الا الی ثلاثۃ مساجد''

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے موطا امام مالک کی دونوں شروح مصفیٰ اور مسوی میں فرمایا ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ حج کے بعد واپس نہ آئے بلکہ سید دو عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کرے۔

یہی بات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے ارشاد فرمائی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ساری امت کے علماء صلحاء اور عوام ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک بہ نیت زیارت سفر کرتے اور اس کو افضل اعمال سمجھتے ہیں، اس سے علمی تواتر بھی ثابت ہوتا ہے۔

(انوار الباری ج ۶ ص ۲۵)

احقر مرتب رحمت کائنات عرض کرتا ہے کہ:

۱...... سید دو عالم ﷺ کے روضہ کی زیارت برکات عظیمہ کے حصول کا ایک قوی ذریعہ ہے۔

۲...... روجۂ اطہر پر سلام پیش کرنے والا جواب سے مشرف ہوجاتا ہے جس کی تفصیل اسی کتاب میں ہے۔

۳...... اس مبارک جگہ کو دیکھ لیتا ہے نماز پڑھ لیتا ہے جس کو سید دو عالم ﷺ نے ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' فرمایا یعنی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

۴...... اس جگہ کی زیارت کرلیتا ہے جہاں حوض کوثر پر سید دو عالم ﷺ کا منبر رکھا ہوا ہے جس کے متعلق ارشاد عالی ہے۔ ''ومنبری علی حوضی'' اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

۵...... احد پہاڑ کو دیکھ لیتا ہے جس کے بارہ میں ارشاد فرمایا: ''ھذا جبل یحبنا ونحبہ'' یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

۶...... اس پاکیزہ زمین اور اس کی پاکیزہ ترمٹی اور غبار سے وہ برکات حاصل کرلیتا ہے جس کے بارہ میں ارشاد سید دو عالم ﷺ ہے: ''والذی نفسی بیدہ ان فی غبارھا شفاء من کل داء'' (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۶۷)

(ترجمہ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ مدینہ کی گرد وغبار میں ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔

یہ تو ظاہری برکات کا کچھ حصہ ہے جو ہم جیسے گناہگاروں کو حاصل ہوسکتی ہیں۔ باقی باطنی اور روحانی برکات جو عشاق حاصل کرتے ہیں وہ تو ان ہی سے پوچھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سب اہل ایمان کو ان سے مشرف فرمائے۔ آمین!

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے ان جیسے عقائد کے جواب میں مشہور کتاب شہاب المدینین معرف بہ الشہاب تحریر فرمائی جس میں احمد رضا خان بریلوی کے عائد کردہ الزامات اور اتہامات کے دندان شکن جواب دیئے ہیں۔ ان الزامات اور اتہامات سے علمائے دیوبند بالکل بری اور پاک دامن ہیں۔ البتہ ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کے ایسے نظریات ہیں جو بعض بدعقیدہ لوگ علمائے دیوبند سے منسوب کرکے ان کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا ہے: ''حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا

مسلک حضوری مدینہ منورہ کے بارہ میں مرجوح بلکہ غلط مسلک ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت کی غرض سے اور آپ ﷺ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے۔ آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ ﷺ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی (خداوند قدوس) تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ﷺ ہی کے ذریعہ سے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہئے اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسجد کی نیت خواہ تبعاً کر لی جائے۔ مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی نیت کی جائے، تا کہ "لا یعلمہ لا زیارتی" والی روایت پر عمل ہو جائے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۲۹، ۱۳۰)

سید دو عالم ﷺ جہاں تشریف فرما ہیں، اس مقدس جگہ کا مرتبہ اور مقام ساری کائنات بلکہ عرش عظیم سے بھی بالاتر ہے۔ بلکہ ہر وہ جگہ جس کو سید دو عالم ﷺ کے ساتھ نسبت ہے، اس کا احترام اور ادب بھی ہمارے اکابر کے ہاں محبوب اور باعث اجر وثواب ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمہ اللہ نے ۱۳۴۴ھ میں سلطان ابن سعود کی طرف سے بلائی گئی موتمر عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں جو جامع اور مدلل خطاب فرمایا تھا، اس میں ارشاد فرمایا: "حدیث اسراء میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کو جبریل نے چار جگہ اتارا اور نماز پڑھوائی اور بتلایا کہ یہ یثرب یا طیبہ ہے۔ "والیہ المھاجرہ" یہ طور سینا ہے۔ "حیث کلم اللہ موسیٰ تکلیما" (جس جگہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا) یہ مدین ہے۔ "حیث ورد موسیٰ وسکن شعیب" (جس جگہ موسیٰ علیہ السلام آئے اور شعیب علیہ السلام سکونت پذیر رہے) یہ بیت اللحم ہے۔ "حیث ولد مسیح علیہ السلام" (جس جگہ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پس اگر طور پر آپ سے اس لئے نماز پڑھوائی گئی کہ وہاں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا تو جبل حراء پر جانے اور نماز پڑھنے سے ہم کیوں روکے جائیں؟ جہاں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر جبریل علیہ السلام حضرت محمد ﷺ کے پاس آئے، جب کہ مولد مسیح علیہ السلام پر حضور ﷺ سے دو رکعتیں پڑھوائی گئیں تو کیا غضب ہے کہ امت محمد ﷺ مولد النبی (نبی کریم کی جائے پیدائش) میں دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ مدین میں شعیب علیہ السلام رہتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کچھ عرصہ ٹھہرے تھے، پھر مسکن خدیجہ رضی اللہ عنہا جہاں حضور انور ﷺ ۲۸ برس رہے اور جس کو طبرانی نے "افضل البقاع بعد المسجد الحرام مکۃ" (مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے بعد سب سے افضل جگہ ہے) لکھا ہے۔ کیوں اس قابل نہیں کہ وہاں دو رکعت پڑھ لی جائے یا جبل نور جہاں آپ تین روز مختفی (چھپے) رہے، اس پر نماز کیوں نہ پڑھی جائے۔ یہ حدیث تبرک بہ آثار الصالحین (بزرگوں کے نشانات سے برکت حاصل کرنے) میں اصل اصیل ہے۔" (تجلیات عثمانی از پروفیسر محمد انوار الحسن ص ۳۷۶)

اسی طرح آٹھویں صدی ہجری کے مفسر اور وقت کے مفتی اعظم ہبۃ اللہ بن عبد الرحیم جو کہ شرف الدین لابارزی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ سے حیات النبی ﷺ کے عقیدہ کے متعلق استفتاء کیا گیا تو آپ نے مندرجہ ذیل جواب دیا: "فاجاب انہ حی قال الاستاذ ابو منصور عبد القادر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ الشافعیہ قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا حی بعد وفاتہ وانہ یبشر بطاعات امتہ ویحزن بمعاصی العصاۃ منھم وانہ تبلغہ صلوٰۃ من تصلی علیہ من امتہ وقال ان الانبیاء لا یبلون ولا تاکل الارض منھم شیئا قد مات موسیٰ علیہ السلام فی زمانہ واخبر نا نبینا انہ راٰہ فی قبرہ مصلیا وذکر فی حدیث المعراج انہ راٰہ

فی السماء الرابعة وانه رأی آدم علیہ السلام فی السماء الدنیا ورأی ابراھیم علیہ السلام وقال له مرحبا بالابن الصالح لھذا الاصل قلنا نبینا قد صار حیا بعد وفاته وھو علی نبوته'' (اخماد الاذکیا ص ۸)

''علامہ نے جواب دیا کہ جناب رسول کریم ﷺ زندہ ہیں۔ استاذ ابو منصور بغدادی نے جو کہ تمام شوافع کے شیخ اور استاذ ہیں، فرمایا ہے کہ ہمارے سب محقق علماء کا فیصلہ ہے کہ ہمارے رسول اکرم ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور وہ امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور امت کے برے اعمال سے غمناک ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے دربار میں امت کا وہ درود پیش کیا جاتا ہے جو کوئی بھی پڑھتا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کا جسم نہیں گلتا اور زمین ان کے بدن سے کچھ بھی نہیں کھاتی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانہ میں رحلت فرما چکے ہیں مگر ہمارے رسول اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور معراج کی رات آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو آپ نے آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے: ''مرحبا بابن الصالح والنبی الصالح'' فرمایا۔ جب کہ یہ عقیدہ بادلیل صحیح طور پر ثابت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بھی وفات کے بعد زندہ ہو گئے اور اب بھی آپ ﷺ زندہ تشریف فرما ہیں۔''

ف: علامہ بارزی کا فتویٰ اپنے علاقہ میں آخری فتویٰ سمجھا جاتا تھا۔ آپ نے قرآن حکیم کی ایک تفسیر بھی بنام ''روضات الجنان فی تفسیر القرآن'' لکھی جو دس جلدوں میں ہے۔ آپ کی وفات ۷۳۷ھ کو ہوئی۔ (تذکرۃ المفسرین)

ف: معلوم ہونے پر لوگوں نے آپ سے استفتاء کیا ہوگا جس کے جواب میں یہ فتویٰ دیا۔ کیونکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۷۲۸ھ کو ہوئی ہے۔

ف: ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین نے ان احادیث کو جن میں زیارت سید دو عالم ﷺ کی فضیلت آتی ہے، ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر ان سب اعتراضات کا جواب علامہ تقی الدین سبکی نے اپنی بے نظیر کتاب ''شفاء السقام'' میں دیا ہے جس کے جواب میں ابن تیمیہ کے شاگرد ابن عبدالہادی الحنبلی نے کتاب ''الصارم المنکی'' لکھی۔ پھر الصارم المنکی کا جواب علامہ ابن علان نے اپنی کتاب ''المبرد المبکی'' میں لکھا۔ برصغیر کے جلیل القدر محقق عالم مولانا عبدالحئی لکھنوی قدس سرہ العزیز نے اپنی بہترین کتاب ''السعی المشکور'' میں ان تمام دلائل کا بطریق احسن جواب دیا ہے، جو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں دی گئی ہیں۔

ف: ''وقال الامام ابو بکر بن عمر بن ابی عاصم النبیل من المتقدمین فی مناسک له التزام فیھا الثبوت وکان عمر بن عبد العزیز یبعث بالرسول قاصدا من الشام الی المدینة لیقرء النبی ﷺ السلام ثم یرجع قلت ان رحیل البرید ھذا لم یکن للصلوٰة فی مسجد النبی ﷺ ولا فرق بین تبلیغ السلام وبین خطاب بالسلام بنفسه بل الثانی اقرب الی الضرورة لانه عمل لنفسه وقد فعله التابعی الجلیل ولم ینکر علیه فھو حجة علی ابن تیمیه رحمۃ اللہ علیہ'' (الظرائف والطرائف حصہ دوم ص ۲۳ شائع شدہ در حیات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ جا کر امام الانبیاء کی خدمت میں سلام عرض کرے اور یہ بھیجنا نماز کے لئے نہیں تھا بلکہ صرف صلوٰۃ وسلام کے لئے اور یہ ایک جلیل القدر تابعی کا فعل ہے جس پر کسی نے نکیر نہیں کی۔ پس یہ حجت ہے ابن تیمیہ پر۔ فللہ الحمد''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے متعلق شیخ وقت کا ارشاد

''حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث ومجاور الحرم النبوی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ تقی الدین ابو العباس احمد ابن عبد الحکیم کا اصل مذہب حنبلی ہے۔ مگر اس قدر مستقل الرائے ہیں کہ اکثر جگہ تقلید چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں سلف کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی توصیف کی ہے اور بعض نے ان کو نا قابل اعتبار بتلایا ہے۔ حتیٰ کہ تکفیر بھی کی ہے۔ ہمارے اکابر ومشائخ کا طرز عمل ان کے ساتھ یہ ہے کہ ان کو محققین میں سمجھتے ہیں مگر جن مسائل میں انہوں نے سلف کا خلاف کیا ہے ان کو نا قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔'' (مکتوبات علمیہ از شیخ الحدیث رحمہ اللہ ص ۱۳۷)

مخدوم محمد ہاشم سندھی رحمہ اللہ مہاجر مدنی (م ۱۱۷۴ھ) نے ایک کتاب بنام ''حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب'' فارسی زبان میں تحریر فرمائی تھی جس کو حسب مشورہ فاضل مناسک حضرت شاہ شیر محمد سندھی قدس سرہ العزیز کے پاکستان کے سابق مفتی اعظم (مفتی دار العلوم دیوبند) نے اپنے اہتمام سے اپنے ادارہ ''ادارۃ المعارف'' سے شائع کرایا ہے۔ اس کتاب میں زیارت سید دو عالم ﷺ کے متعلق مندرجہ ذیل ارشادات ہیں:

باب چہاردم در بیان زیارت حضرت سید المرسلین ﷺ و ما یتعلق بہا و ایں مشتمل است بر چہاردہ فصل، فصل اوّل در کیفیت زیارت آنحضرت مع رعایت آداب ومستحبات آں۔

''بدانکہ اجماع کردہ اند مسلماناں بر آنکہ زیارت حضرت پیغمبر ﷺ از اعظم قربات وافضل طاعات واکد سنن ومندوبات است بلکہ تصریح کردہ است در بعض کتب بوجوب آں بدلیل قوی آنحضرت ﷺ من حج ولم یزرنی فقد جفانی رواہ ابن عدی بسند جید حسن ونیز مروی است از آنحضرت ﷺ کہ فرمود من زار قبری وجبت لہ شفاعتی۔ رواہ الدار قطنی والطبرانی والبزار صحیحہ عبد الحق ونیز فرمود او ﷺ من زار قبری بعد موتی کمن زارانی فی حیاتی۔ رواہ ابو سعید بن منصور والدار قطنی وارشدہ اند در فضل زیارت احادیث وآثار بسیار کہ اکتفاء کردہ میشود از آنہا بریں مقدار طلبا للاختصار وترک کردن زیارت آنحضرت ﷺ مع الامکان غفلتے است عظیمہ وشناعتے قبیحہ۔'' (حیات القلوب ص ۲۹۸)

مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ سب مسلمانوں کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کو بعض کتب میں واجب لکھا ہے۔ اگرچہ اس عبادت کی فضیلت اور اجر وثواب میں بہت سی روایات اور آثار آتے ہیں مگر اختصار کرتے ہوئے صرف تین کا ذکر کر دیا ہے اور طاقت کے باوجود زیارت نہ کرنا بہت بڑی غفلت اور بہت ہی بدنصیبی ہے۔

برصغیر کے ایک بہت بڑے محدث محمد بن علی نیموی (۱۳۲۳ھ) گزرے ہیں، جنہوں نے فقہی ترتیب پر ان احادیث کو جمع فرمایا ہے جن سے فقہ حنفی میں استدلال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ زبیدی نے الجواہر المنفیہ نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا نام آثار السنن رکھا ہے۔ یہ دو جلدوں میں ۱۳۷۶ھ میں طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی دونوں جلدوں کے آخر میں محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ العزیز کے مرتبہ عربی قصائد ہیں جو آپ نے علامہ نیموی رحمہ اللہ کی مدح میں اس وقت ارشاد فرمائے ہیں، جب کہ آپ مدرسہ امینیہ دہلی میں صدر مدرس تھے۔ اسی کتاب آثار السنن میں ایک باب بیان فرمایا ہے: ''باب فی زیارۃ قبر النبی ﷺ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال

رسول اللہ ﷺ من زار قبری وجبت له شفاعتي. رواه ابن خزيمة في صحيحه والدار قطني والبيهقي واخرون واسناده حسن'' (ج ۲ ص ۱۲۶)

''یہ باب نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک کی زیارت کے بیان میں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سید دوعالم ﷺ نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور دارقطنی اور دوسرے محدثین نے بھی اور اس کی اسناد حسن ہیں۔''

شارح ابی داؤد مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی قدس سرہ نے فرمایا: ''اعلم ان زيارة سيد المرسلين ﷺ باجماع المسلمين من غير عبرة بما ذكره بعض المخالفين من اعظم القربات وافضل الطاعات وانجح المساعي لنيل الدرجات قريبة من درجة الواجبات بل قيل انها من الواجبات لمن له ثقه وتركها غفلة عظيمة وجفوة كبيرة وفيه اشارة الى حديث استدل به على وجوب الزيارة وهو قوله ﷺ من حج ولم يزرني فقد جفاني. رواه ابن عدي بسند حسن وجزم بعض المالكية بان المشي الى المدينة افضل من الكعبة وبيت المقدس'' (بذل المجهود ج ۳ ص ۲۰۳ مطبوعہ ملتان)

اور جان لے کہ سب رسولوں کے سردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت تمام طاعات سے افضل ہے اور دربار نبوت سے قریب ہونے والے تمام وسیلوں سے بڑا وسیلہ ہے اور درجات آخرت کے حاصل کرنے کی کامیاب کوشش ہے اور واجب کے قریب ہے۔ بلکہ بعض علماء نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ جس آدمی کی طاقت ہو، اس کے لئے تو واجب ہے اور اس کا چھوڑنا بڑی غفلت اور اپنے آپ پر بڑا ظلم ہے اور اس میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس سے زیارت کے وجوب پر استدلال کیا گیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حج تو کرلیا، مگر میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اس روایت کو ابن عدی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور بعض مالکی علماء نے تو اس پر یقین کرلیا ہے کہ مدینہ منورہ کو جانا بیت اللہ اور بیت المقدس کے لئے سفر کرنے سے بہتر ہے۔''

فقہ حنفی میں روضہ اقدس سید دوعالم ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب کے قریب ہے۔ آخری دور کے عظیم حنفی فقیہ علامہ شامی ؒ نے فرمایا ہے: ''انها قريبة من الوجوب لمن له سعة'' (ج ا ص ۲۷۹)

مدینہ منورہ کی زیارت ہر اس مسلمان کے لئے واجب کے قریب ہے جس کے پاس زادراہ کی وسعت ہو۔

علامہ شامی ؒ نے ابن ہمام اور عارف ملا جامی ؒ سے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ: ''صرف سید دوعالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرے، وہاں پہنچ کر مسجد کی زیارت بھی خود بخود ہوجائے گی۔'' (ص مذکور)

مجتہد مطلق علامہ کمال ابن ہمام نے تو اس پاکیزہ مسئلہ پر طویل بحث کی ہے اور اسی میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''جب اللہ تعالیٰ یہ نعمت عظمیٰ عطاء فرمادیں تو اللہ تعالیٰ کے حضور شکریہ کا سجدہ کرے اور حضور ﷺ کی خدمت میں سلام اور درخواست شفاعت پیش کرے اور جس نے سلام پیش کرنے کا کہا ہو، اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر اس کا سلام پیش کرے۔'' (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۶)

علمائے کرام نے دربا نبوت میں حاضری کا طریقہ اور طرز تک تعلیم فرمادیا ہے جس سے ادب شان رسالت اور حیات سید دوعالم ﷺ اور طلب شفاعت جیسے اہم عقائد ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں

ہے: ''ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بی یسمع کلامہ کذا فی الاختیار شرح المختار ثم یقول..... ویبلغہ سلام من اوصاہ فیقول السلام علیک یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بلک الی ربک فاشفع لہ ولجمیع المسلمین''

اور فتاویٰ عالمگیری میں سلام کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے سید دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام اور درخواست شفاعت پیش کرے اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کرتے وقت یوں کہے: ''جئنا کمانتوسل بکما الی رسول اللہ ﷺ یشفع لنا'' یعنی ان ہر دو یاران نبی کو وسیلہ بنا کر شفاعت کی درخواست کرے اور پھر سید دو عالم ﷺ کے حضور میں آ کر یوں درخواست کرے: ''اللھم انک قلت وقولک الحق ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآؤک (الآیہ) وقد جئناک سامعین قولک طائعین امرک مستشفعین نبیک الیک'' (ج۱ص۲۱۰)

ف: فتاویٰ عالمگیری وہ کتاب ہے جسے اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں جلیل القدر فقہاء کرام کی ایک جماعت سے حضرت شاہ ولی اللہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی مرتب کرایا۔ یہ کتاب تمام عالم اسلام میں مقبول اور مستند سمجھی جاتی ہے۔ دیار عرب میں اس کا نام فتاویٰ ہندیہ ہے۔

سید دو عالم ﷺ نے اپنی امت کا تعلق اور دینی روحانی لگاؤ اپنی ذات عالی کے ساتھ رکھنے کے لئے جس طرح درود شریف پڑھنے کی ترغیب دی ہے، اسی طرح اور کئی ارشادات بھی فرمائے ہیں۔ جیسا کہ اذان کی قبولی اجابت کے بعد حضور ﷺ نے مندرجہ ذیل دعا مانگنے والے کو یہ بشارت دی ہے کہ: ''فمن سال لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ'' تو جو آدمی میرے لئے اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ کی دعا کرے گا، اس کے لئے میری شفاعت لازم ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم و بخاری، ورواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی، مرقاۃ)

ف: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ارشاد سے یہ استنباط بھی فرمایا ہے کہ اس آدمی کا خاتمہ علی الایمان ہوگا۔

اس ارشاد کی تشریح کرتے ہوئے قطب الارشاد گنگوہی قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ: ''لانہ ﷺ اوجب علی نفسہ مکافاۃ من احسن الیہ فلو احسن الیہ بالدعاء فانہ یحسن الیہ بالشفاعۃ لامحالۃ'' (کوکب ج۱ص۱۱۳)

اس لئے کہ سید دو عالم ﷺ نے اپنے آپ پر (رحمت اور شفقت کے ساتھ) ہر اس آدمی کے لئے بہترین صلہ لازم کیا ہوا تھا جو آپ ﷺ کے ساتھ احسان کرے تو جب یہ دعا کرنے والے نے آپ ﷺ کے ساتھ اخلاص کا برتاؤ کیا تو آپ ﷺ اس کے ساتھ اخلاص اور احسان کا برتاؤ کرتے ہوئے اس کی شفاعت فرماویں گے۔''

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے سید دو عالم ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دیتے ہوئے فرمایا: ''اشرکنا یا اخی فی دعائک ولا تنسنا فی دعائک'' اے میرے چھوٹے بھائی ہم سب کو بھی اپنی دعاؤں میں شریک کر لینا اور ہم کو اپنی دعا میں نہ بھلانا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی، مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

ظاہر ہے کہ سید دو عالم ﷺ امام الانبیاء والمرسلین ہیں۔ ساری کائنات ان کی رحمت کی دست نگر اور محتاج ہے۔ مگر آپ ﷺ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ کے لئے اور سب امت کے لئے دعا مانگیں۔ چنانچہ قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''فیہ طلب الفاضل من دعاء المفضول'' (کوکب ج۲ص۳۰۶)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ کبھی کبھی اعلیٰ اور افضل ہستی بھی اپنے سے ادنیٰ سے دعا کرالیتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء اسلام کا معمول رہا ہے اور آج تک ہے کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کے حضور اپنی عبادات کو پیش کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سید دو عالم ﷺ کی طرف سے عمرہ کرتے رہتے تھے۔ محقق عالم دین ابن السراج سید دو عالم ﷺ کی طرف سے قربانی دے دیا کرتے تھے۔ آپ ہی نے سید دو عالم ﷺ کے حضور پیش کرنے کے لئے دس ہزار ختم قرآن مجید کے کئے تھے۔ کامل ولی اللہ ابن الموفق نے سید دو عالم ﷺ کی طرف سے ستر حج کئے ہر حج کے احرام پر یوں کہا کرتے تھے: ''لبیک من محمد'' (شامی ج ۱ ص ۶۶۶)

شیخ وقت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ نے فرمایا کہ: ''ابن موفق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کی طرف سے متعدد حج کئے۔ ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابن الموفق تو نے میری طرف سے حج کئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی حضرت! حضور ﷺ نے فرمایا تو نے میری طرف سے لبیک کہا؟ میں نے عرض کیا جی حضرت! حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا کہ حشر کے میدان میں تیرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کردوں گا اور لوگ اپنا حساب کتاب کرتے رہیں گے۔''

(فضائل حج ص ۱۵۱ مطبوعہ کراچی)

تنبیہ: افسوسناک تعجب ہے کہ یہاں بھی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منفردانہ حیثیت سے ایصال ثواب کے لئے ان عبادات کو منع قرار دیا ہے۔ صرف اس عبادت کی اجازت دی ہے جن کا خود نے ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ درود شریف اور دعاء وسیلہ بعد از اذان۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''ذکر ابن حجر فی الفتاوی الفقهية ان الحافظ ابن تيمية منع اهداء ثواب القراة للنبی ﷺ لان جنابه الرفيع لايتجرء عليه الا بما اذن فيه وهو الصلوة عليه وسوال الوسيلة له'' (شامی ج ۱ ص ۶۶۶)

علامہ سبکی وغیرہ نے اس کی تردید میں لکھا ہے کہ: ''جب سید دو عالم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دعا کرنے کا فرمایا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ایصال ثواب بہ دربار سید دو عالم ﷺ نہ صرف جائز ہے بلکہ محبوب اور مرغوب ہے۔''

احقر مرتب رحمت کائنات عرض کرتا ہے کہ اگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا نظریہ مان لیا جائے تو پھر عبادات بدنیہ اور مالیہ سید دو عالم ﷺ سے ساقط اور معاف ہو جانی چاہئیں۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ اس میں ذرہ بھر شک کرنا کفر ہے کہ سید دو عالم ﷺ اس مقام رفیع کے مالک ہیں جو کسی کو عطا نہ ہوا، مگر پھر بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ مجھے بھی اجر و ثواب اس طرح پسند اور مطلوب ہے جس طرح تم کو مطلوب اور محبوب ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: ''عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال كنا يوم بدر كل ثلاثة على بعير فكان ابو لبابة وعلى بن ابى طالب رضی اللہ عنہ زميلى رسول الله ﷺ قال فكانت اذا جائت عقبة رسول الله ﷺ قال نحن نمشى عنك قال ما انتما باقوى منى وما انا باغنى عن الاجر منكما'' (مشکوۃ باب آداب السفر)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے دن ہر تین صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے ایک اونٹ تھا کہ باری باری اس پر سواری کرتے تھے۔ سید دو عالم ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ جب امام الانبیاء ﷺ کے پیدل چلنے کا وقت آتا تو یہ دونوں خادم عرض کرتے کہ آپ ﷺ نہ اتریں۔ ہم آپ ﷺ کی جگہ بھی پیدل چلتے ہیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ تو تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ ہی میں اجر وثواب سے بے نیاز ہوں۔

اس ارشاد عالی میں سید دو عالم ﷺ نے ایک تو یہ فرمایا کہ میں تم دونوں سے زیادہ طاقتور ہوں۔ اس لئے میں بھی چل سکتا ہوں اور چونکہ جہاد کے لئے پیدل جانا زیادہ کارثواب ہے، اس لئے میں بھی اس کو حاصل کروں گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مفسر القرآن والحدیث علامہ طیبی حنفی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس کی تشریح میں فرمایا ہے:

''فیہ الافتقار الی اللہ تعالی'' یعنی حضور انور ﷺ بھی اللہ تعالی کی مزید رحمتوں کے طالب ہیں۔

مدینہ منورہ کی فضیلت (زادہا اللہ شرفا وکرامۃ)

ساری زمین پر صرف ایک ہی ایسی بستی ہے جس کی طرف کرہ ارض پر رہنے والے مسلمانوں کے دل ہر وقت مشتاق رہتے ہیں۔ ان کا دل ہر وقت اس بستی کی زیارت کے لئے بے تاب رہتا ہے۔ وہ مالی، بدنی تکالیف اٹھا کر بھی اس کی زیارت کے لئے آنا سعادت اور بڑی برکت سمجھتے ہیں اور وہ مدینہ منورہ ہے۔ جہاں سید دو عالم ﷺ نے اللہ تعالی کے حکم سے ہجرت فرمائی اور اسی مبارک بستی میں قرآن عزیز کا اکثر حصہ نازل ہوا، وہیں سے جان نثاروں نے ہر قسم کی قربانی دے کر پرچم اسلام کو بلند کیا ہے۔ اسی بستی سے قرآنی معارف اور انوار احادیث کے ہمیشہ جاری رہنے والے چشمے پھوٹے۔ اسی بستی کے لئے سید دو عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے بھی دو چند برکتوں کے نزول کی دعاء مستجاب فرمائی ہے۔

اس بستی کی برکات اور فضائل اس قدر زیادہ ہیں کہ مجھ جیسا گناہگاران کا عشر عشیر بھی بیان نہیں کرسکتا۔ حصول برکت کے لئے اپنی مؤلفہ کتاب ''تذکرہ دیار حبیب'' سے جو کہ علامہ نورالدین سمہودی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) کی مرتبہ مستند تاریخ مدینہ منورہ وفاء الوفاء کا سلیس اردو ترجمہ ہے، چند برکات درج کی جاتی ہیں:

۱ سید دو عالم ﷺ کا جسد عنصری اسی مدینہ منورہ کے جوہر سے بنایا گیا اور پھر اسی پاکیزہ قطعہ میں آپ ﷺ کا روضہ اقدس بنایا گیا۔

۲ اس شہر کے رہنے والوں کو اللہ تعالی نے دین کا مددگار (انصار) فرمایا۔

۳ دوسرے شہر تو تلوار سے فتح ہوئے، مگر مدینہ منورہ قرآنی آیات کی برکات سے فتح ہوا۔

۴ اس شہر میں وہ قبرستان ہے جس میں تقریبا دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کئی تابعین اور آج تک بھی کئی علماء، صلحاء اولیاء مدفون ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا جس کی موت مدینہ منورہ میں آئے گی میں قیامت کے دن اس کے لئے شفیع اور اس کے مومن ہونے کی شہادت دوں گا۔

۵ اس بستی میں وہ ہستی آرام فرما ہے جسے سید دو عالم ﷺ نے سید الشہداء (سب شہیدوں کا سردار) فرمایا۔ (حمزہ رضی اللہ عنہ)

۶ اس میں وہ مسجد ہے جس کو سید دو عالم ﷺ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے بنایا اور اس کی تعمیر میں سارے انسانوں سے افضل ترین انسان (انبیاء علیہم السلام کے بعد) شریک تعمیر تھے۔

۷...... اس شہر میں وہ مسجد ہے جس میں کم از کم چالیس نمازیں پڑھنے والا نفاق اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

۸...... اس شہر میں وہ مسجد (قباء) ہے جس کی زیارت کے لئے آنے والے کو عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

۹...... حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن مدینہ منورہ کے قبرستان سے ستر ہزار انسان جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

۱۰...... یہاں کے رہنے والوں کو حضور انور ﷺ نے اپنا پڑوسی فرمایا۔

۱۱...... بعض عشاق کو مدینہ منورہ آنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شام سے مدینہ کی حاضری کا حکم دیا۔

۱۲...... یہ شہر طاعون اور دجال سے محفوظ رہے گا۔

۱۳...... اس شہر کا ایک نام طابہ، طیبہ، طیّبہ (یائے مشدد) طائبہ بھی ہے جس کے درودیوار سے آج بھی ایمان والے خوشبو کو محسوس کرتے ہیں۔

۱۴...... اس شہر کا نام (طابہ) خود اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ (مشکوۃ باب حرم المدینہ)

ان تمام اسماء مبارکہ کی تشریح علماء کرام نے یہ فرمائی ہے کہ: ''وہب بن منبہ تابعی نے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید ہیں، فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم تورات میں مدینہ منورہ کا نام طیبہ اور طابہ اور مطابہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ابن بطالی نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ کے رہنے والے اس کی دیواروں اور اس کی مٹی سے بہترین خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ اشبیلی نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ سے ایسی خوشبو آتی ہے جو دنیا کی خوشبو سے ممتاز ہے۔ یاقوت نے کہا ہے کہ اس کی ہوا خوشبو والی ہے۔ برسات میں اس مٹی سے ایسی خوشبو نمودار ہوتی ہے جو دوسری بستیوں کی مٹی سے نہیں ہوتی۔

ابو عبید اللہ عطار رحمہ اللہ نے ایک شعر فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''حضور انور ﷺ کی خوشبو سے سارا مدینہ معطر ہو گیا۔ جس کے سامنے کستوری، کافور اور عنبر وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں ایک باب کا عنوان ''باب المدینہ طابہ'' رکھا ہے جس میں اس خوشبو کے بارہ میں روایات نقل فرمائی ہیں۔ (منقول از تذکرہ دیار حبیب ج۱)

گنبد خضراء کا مقام قاسم العلوم کی نظر میں

بانی دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے شجرہ عالیہ میں گنبد خضراء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

بحق آنکہ او جان جہان است فدائے روضہ اش ہفت آسماں است

اس کے طفیل جو تمام کائنات کی روح ہے اور جس کے روضہ پر نثار سات آسمان ہیں۔

بحق آنکہ محبوبش گرفتی برائے خویش مطلوبش گرفتی

اس ذات کے طفیل جسے تو نے محبوب بنایا اور اس ذات کو اپنے لئے مطلوب بنایا۔

پسندیدی ز جملہ عالم آں رابما بگذاشتی باقی جہاں را

اس ذات کو آپ نے سب جہاں میں سے پسند فرمالیا اور ہمارے لئے باقی جہاں رہنے دیا۔

گزیدی از ہمہ گلہا تو او را نمودی صرف او ہر رنگ و بو را

تمام پھولوں سے اس نے آپ کو چن لیا اور تمام نقش و نگار اور خوشبو کو اس پر صرف کر دیا۔

ہمہ نعمت بنام او نمودی دو عالم را بہ کام او نمودی

تمام نعمتوں کا انتساب اسی کے نام سے فرمایا اور دونوں جہانوں کو اسی کے لئے تو نے بنایا۔

بآں کو رحمۃ للعالمین است بدر گاہت شفیع المذنبین است

اس ذات عالی کے طفیل جو سب جہانوں کے لئے رحمت ہے آپ ﷺ کے حضور گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

بحق سرور عالم محمد بحق برتر عالم محمد

تمام جہانوں کے سردار محمد کے طفیل اور تمام جہاں سے افضل محمد کے طفیل اس بے چارہ قاسم پر رحم و کرم فرما۔

عربی زبان کا محاورہ ہے ”شراف المکان بالمکین“ کسی مکان کی عزت اس میں رہنے والے کی شرافت سے ہوتی ہے۔ اینٹ اور پتھر، گارا اور مٹی بذات خود عزت اور شرافت کی حامل نہیں لیکن جوں ہی کسی اشرف اور افضل ذات کا وہاں بسیرا ہو گیا تو وہ اب مشرف اور معظم بن جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت فرمایا: ”اے پتھر میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے مگر تجھے سید دو عالم ﷺ نے چوما اس لئے میں بھی تجھے چومتا ہوں۔“

چنانچہ مدینہ کو منورہ کرنے والی ذات بلکہ یثرب کو مدینہ کا ممتاز مقام عطاء کرنے والی ذات سید دو عالم ﷺ ہی ہے۔

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں آرام فرما رہے ہیں۔ اس لئے چند سطور اس مبارک بستی کے متعلق لکھی جاتی ہیں۔

مدینہ کا نام سید دو عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یثرب تھا۔ جیسا کہ قرآن عزیز میں سورہ احزاب کی آیت نمبر ۱۳ میں منافقوں کا یہ قول موجود ہے۔ ”یا اھل یثرب“ مگر جب سید دو عالم ﷺ تشریف لائے تو اس بستی کا نام مدینۃ النبی ہو گیا جیسا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق میں ایک طالب علم نے حاضر ہو کر کہا۔

”انی جئتک من مدینۃ الرسول اللہ“ (مشکوٰۃ) میں تیرے پاس سید دو عالم ﷺ کے شہر سے آیا ہوں۔

پھر کثرت استعمال سے صرف مدینہ رہ گیا جس کو مدینہ منورہ کہہ کر مخلص مسلمان اپنی محبت نبوی کا اظہار کرتا ہے۔ مدینہ منورہ کے فضائل پر مستقل کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہاں اختصار کے ساتھ اس کے فضائل کو درج کیا جاتا ہے:

مدینہ منورہ کے فضائل اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے لئے کئی مجلدات بھی ناکافی ہیں۔ علامہ نور الدین سمہودی ؒ نے وفاء الوفاء میں اور قاضی عیاض نے الشفاء میں کافی ارشادات نبی کریم ﷺ کو جمع فرمادیا ہے۔ اس مقدس ترین بستی کا ذکر خیر اور فضائل مدینہ کا باب حدیث کی ہر کتاب اور سیرت کی ہر کتاب میں موجود ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ سید دو عالم ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے، جوں ہی مدینہ منورہ کی دیواریں نظر آتیں، اپنی سواری کو تیزی سے دوڑاتے تاکہ مدینہ منورہ جلدی پہنچ جائیں۔

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے احد پہاڑ کے متعلق فرمایا۔ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے باغات سے جب پہلا پھل نکلتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ آپ ﷺ اس کو آنکھوں کے ساتھ لگاتے اور دعا کے بعد مدینہ منورہ کے بچوں کو عنائت فرمادیتے۔

حضور انور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اس کی (مدینہ منورہ) گرد و غبار میں ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے خود بخار کے ایک بیمار کو صعیب نامی جگہ کی مٹی لے کر استعمال کرنے کا حکم دیا، جس پر اسے بخار نے چھوڑ دیا۔ علامہ نور الدین سمہودی (م ۹۱۱ھ) نے فرمایا ہے کہ وہ گڑھا آج تک موجود ہے اور تمام علماء وسلف وخلف اس سے مٹی لے کر استعمال کرتے ہیں اور باہر بھی بھیجتے ہیں۔ (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۶۸)

احقر مرتب رحمت کائنات عرض کرتا ہے کہ: ''سعودی عرب کی اقتصادی حالت بہت بہتر ہونے سے پہلے خاک شفاء غلاف کعبہ اور دوسرے تبرکات حجاج اور زوار کو مہیا کئے جاتے تھے مگر اب یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب فضل المدینہ میں سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد روایت فرمایا ہے: ''یقولون یثرب وھی المدینۃ''

حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ: ''بعض منافق مدینہ منورہ کو یثرب کہا کرتے تھے جیسا کہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۱۳ میں ہے، حضور انور ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور جو قرآن حکیم میں یثرب کا کلمہ آیا ہے، یہ منافقوں کی بات کو نقل فرمایا ہے۔ مسلمان مدینہ منورہ ہی کہا کرتے تھے اور مالکیہ کے مشہور عالم عیسیٰ بن دینار نے کہا ہے کہ جو مدینہ کو یثرب کہے گا اس پر ایک گناہ لکھا جائے گا۔''

سید دو عالم ﷺ نے اب اس بستی کو یثرب کے نام سے یاد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایک ارشاد میں یوں فرمایا کہ جس نے مدینہ کو یثرب کے نام سے پکارا اسے اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی بخشش مانگنی چاہئے۔ ایک اور روایت میں یوں فرمایا کہ اگر ایک مرتبہ منہ سے یثرب کا لفظ نکل گیا تو اس کے کفارہ کے لئے دس مرتبہ مدینہ کہنا چاہئے۔

امام الانبیاء حضور پرنور سید دو عالم ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے بھی اس بستی کی حفاظت کی گئی تھی۔ جیسا کہ جب یمن کے ایک بادشاہ نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو اس وقت وہاں یہودی آباد تھے۔ ان کے چند علماء نے اس بادشاہ کو یہ کہا کہ: ''اے بادشاہ! اس بستی کی حفاظت منجانب اللہ کی جارہی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب (توراۃ) میں اس کا نام طابہ[1] لکھا ہوا پایا ہے اور یہاں حرم مکہ سے ایک عظیم نبی جو اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ہوگا، ہجرت کر کے آئے گا اور پھر یہیں اقامت اختیار کرے گا۔''

چنانچہ تبع نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا اور اسی تبع اول نے (جس کا نام تبان اسعد بن کلکی کرب تھا) ایک مکان تیار کیا کہ جب بھی وہ سید دو عالم ﷺ تشریف لائیں تو اسی مکان میں قیام فرمادیں اور اس یہودی عالم کو ایک خط لکھ کر دیا جس میں اپنے اسلام لانے کا یوں اقرار کیا ہے۔

شهدت علی احمد انه رسول من الله باری النعم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد ﷺ خالق کائنات کے رسول ہیں۔

---

[1] بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب المدینہ طابہ کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے اور اس حدیث کی شرح میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کو طابہ اور طیبہ اس لئے فرمایا کہ اس کی مٹی اور ہوا میں وہ خوشبو ہے جو دوسری کسی جگہ نہیں پائی جاتی اور بخاری کے محشی ابو علی الصدفی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنے والا اس خوشبو اور دل پسند مفرح فضاء کو محسوس کرتا ہے جو دوسری بستیوں میں نہیں آسکتی۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۷۶)

فلومد عمری الی عمرہ لکنت وزیرا له وابن عم

اگر میری عمر لمبی ہو گئی تو میں ان کا بوجھ اٹھانے والا اور چچازاد بھائی بن جاؤں گا۔

اور یہ خط اس عالم کو دے دیا جو ان کے پاس رہا اور اس مکان میں وہ رہائش پذیر رہے۔ یہاں تک وہ مبارک وقت تقریباً سات سو سال بعد آ گیا کہ سید دو عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور اسی مکان کے سامنے آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی جس میں اس وقت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قیام پذیر تھے اور اسی عالم کی اولاد میں سے تھے جس کو شاہ یمن نے مکان بنوا کر دیا تھا۔ چنانچہ سید دو عالم ﷺ نے اسی تبع کے متعلق فرمایا کہ: ''لا تسبوا تبعا فانه کان مؤمنا'' تبع کو برا نہ کہو وہ تو مسلمان تھا۔

روایات میں آیا ہے کہ اس کے باپ سعد نے سب سے پہلے بیت اللہ شریف کا غلاف پہنایا تھا۔

(وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۲۶۵)

ف: بعض علماء کرام کے ہاں مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے بھی اعلیٰ اور افضل ہے۔ علامہ نور الدین سمہودی رحمہ اللہ نے ننانوے وجوہ مدینہ منورہ کی مکہ مکرمہ سے اشرف اور اعلیٰ ہونے کی بیان فرمائی ہیں جن کی تفصیل اس کتاب میں نہیں ہو سکتی۔ مگر اس امر پر تمام امت کا اجماع ہے کہ سید دو عالم ﷺ جس جگہ آرام فرما ہیں وہ جگہ نہ صرف روئے زمین سے بلکہ عرش عظیم سے بھی اعلیٰ اور اشرف ہے۔

امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے بعض مقامات کی تشریح فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة ومنبری علی حوضی'' وہ ٹکڑا جو کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہوا ہے۔

سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد عالی اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ جیسا کہ محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز نے فرمایا: ''اسی روایت میں قبر کا کلمہ بھی آیا ہے۔ یعنی ما بین قبری ومنبری بھی روایت ہے اور اس ارشاد نبوی کی سب سے زیادہ صحیح شرح میرے ہاں یہ ہے کہ یہ زمین کا ٹکڑا جنت ہی سے آیا ہے۔ پھر جنت کی طرف اٹھایا جائے گا۔ اس لئے یہ حقیقی طور پر جنت کا ایک باغ ہے۔'' (فیض الباری)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبرانی کی روایت کی توثیق سے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا میرے منبر کے پائے جنت کی سیڑھیوں پر ہیں۔ اس بات کو اظہر (زیادہ ظاہر) فرمایا ہے اور مجازی معنی کو ابن حزم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ (فتح)

تنبیہ: استاذ العلماء نے جو ارشاد فرمایا وہ بالکل صحیح اور حقیقی ہے مگر جن لوگوں کو ہر وہ قول پسند ہے جس سے شان رفیع میں کمی ظاہر ہوتی ہے۔ ان کے ہاں اس کی شرح یہ ہے: ''قوله (علیہ السلام) مابین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة۔ بیان لقوة سببة الاتیان فی هذه الموضع والصلوة فیه غایة القوة لدخول الجنة الی من اتی هذا الموضع وصلی فیه یکون اتبانه ایاه وصلوة فیه سببا قویا غایة القوة لدخول الجنة الحاصل ان من اتی هذا الموضع وصلی فیه فکانما دخل الجنة هذا هو الصحیح من معنی الحدیث وما قیل سوی ذالک فهو لا یخلو عن تکلف۔

قوله (علیہ السلام) ومنبری علی حوضی اعلم انه کان یکون علی المنبر ویسمع حاضرین ایات القران واحادیثه وکلمه الطیبت المبارکات ویعظمهم ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة فهذه کلها سبب

قوی غاية القوة شرب ماء حوض النبي في المحشر فصار من اخذ ما بينه النبي على المنبر وعمل به كانما شرب الحوض '' (الہام الباری ص ۱۷، ۷۲)

''سید الانبیاء والمرسلین حضور انور ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو قطعہ زمین کا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے، یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اس جگہ آ کر نماز پڑھے گا، اس کا یہ نماز پڑھنا جنت کے داخل کے لئے ایک قوی سبب بن جائے گا۔ گویا وہ یہ سمجھ لے کہ وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ حدیث کا یہی معنی ہے اور جو اس کے سواہ کہا گیا ہے، وہ اپنی طرف سے بات بنانے سے خالی نہیں۔''

''اسی طرح سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد کہ میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سید دو عالم ﷺ اس منبر پر کھڑے ہو کر حاضرین کو قرآن عزیز اور احادیث سنایا کرتے تھے اور اپنے پاکیزہ کلمات ارشاد فرمایا کرتے تھے اور ان کو نصیحت فرمایا کرتے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھایا کرتے تھے۔ یہ ساری باتیں آپ ﷺ کے حوض سے پانی پینے کا قوی سبب ہیں کہ محشر میں اس کو حوض کوثر کا پانی پلایا جائے گا۔ گویا جس نے آپ ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا وہ یہ سمجھ لے کہ اس نے حوض سے پانی پی لیا۔''

یہ بات تو مجھ جیسا ادنیٰ طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ پھر یہ تو اسی طرح ہو گیا۔ جیسا کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا مساجد جنت کے باغ ہیں تو پھر اس میں مدینہ منورہ کی کون سی فضیلت رہ جاتی ہے؟ اس طرح تو ہر مسجد میں نماز پڑھنے والا سید دو عالم ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے والا خواہ جہاں بھی ہو، وہ داخلہ جنت کا مستحق ہو سکتا ہے۔

مقام افسوس ہے کہ ایسے لوگ ادھر تو اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند سے منسوب کرتے ہیں اور ادھر ان اکابر کی ہر اس بات سے اختلاف کرتے ہیں جو انہوں نے شان رفیع سید دو عالم ﷺ میں کہنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

زیادہ افسوس ان حضرات پر ہے جو یہ سب کچھ جان کر پڑھ کر اپنی نجی محافل میں تو ان پر تنقید کرتے ہیں مگر عام مسلمانوں کو ان خطرات سے آگاہ نہیں کرتے۔ جو خطرات دینی طور پر ان کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ!

ف: آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس لئے ہے کہ لوگ مدینہ منورہ کی اقامت کو پسند کریں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''فيه اشارة الى الترغيب في سكنى المدينة'' (فتح ج ۴ ص ۸۵)

حضور اکرم ﷺ نے امت کو مدینہ منورہ آنے، یہاں قیام کرنے، یہاں دفن ہونے کی ترغیب دی ہے۔ جس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ اس لئے ہمیشہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات رہی ہے کہ وہ جس طرح حج بیت اللہ کے لئے آنے والوں کا انتظام کرے، اسی طرح مدینہ منورہ جانے والوں کا انتظام بھی حکومت کے لئے لازم اور ضروری ہے۔ چنانچہ پانچویں صدی ہجری کے محقق عالم ماہر دستور اسلامی علامہ علی بن محمد ماوردی (م ۴۵۰ھ) نے اپنی کتاب ''الاحکام السلطانیۃ'' کے دسویں باب ''الولایۃ علی الحج'' میں لکھا ہے: ''فاذا قضى الناس حجهم امهلهم الايام التي جرت به العادة في انجاز علائقهم فاذا عاد بهم لزيارة قبر رسول الله ﷺ ليجمع لهم بين حج بيت الله عزوجل وزيارة قبر رسول الله ﷺ رعاية لحرمته وقياما لحقوقه'' جب لوگ اپنا حج ادا کر لیں تو حکومت ان کو اتنی دیر مہلت دے کہ وہ اپنی ضروریات مکہ مکرمہ سے فارغ ہو جائیں۔ پھر ان کے لئے زیارۃ قبر سید دو عالم ﷺ کا انتظام کرے تاکہ حج بیت اللہ اور زیارت قبر سید دو عالم ﷺ کا شرف حاصل کر لیں اور جو حقوق حضور انور ﷺ کے امت پر ہیں ان کی ادائیگی ہو جائے۔ (ص ۱۰۵)

ماوردی ابن تیمیہ ﷫ سے پہلے گزرے ہیں، انہوں نے زیارت قبر رسول ﷺ کو مسلمانوں کا ایک اہم ایمانی اور عشقی فریضہ قرار دیا ہے۔

اسی طرح سلطان عبدالعزیز نے ۱۳۴۴ھ میں موتمر عالم اسلامی منعقدہ مکہ مکرمہ میں اپنی حکومت کے فرائض کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''خدمة الحرمين الشريفين واهلها وتوفير الوسائل لراحة الحجاج والزوار''

میری حکومت کے فرائض میں سے کہ بھی ہے کہ حرمین شریفین اور ان دونوں بابرکت شہروں میں رہنے والوں کی خدمت کروں اور ان تمام وسائل کو بروئے کار لاؤں جن سے بیت اللہ کے حاجیوں اور مدینہ منورہ کی زیارت کرنے والوں کو زیادہ آرام اور سہولت پہنچے۔

مدینہ منورہ کا چپہ چپہ انوار رحمت اور برکات سے پر ہے۔ اس کی ساری فضا پودے، پہاڑ، پانی، مٹی، گرد وغبار، غرضیکہ ہر چیز ایک عظیم شرف سے مشرف ہے۔ یہی وہ مقام رفیع ہے جس میں رحمت دو عالم خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے تیرہ سال حیات دنیاوی کے گزارے اور اب چودہ سو سال سے آپ ﷺ کا روضہ اطہر انوار الٰہیہ اور برکات سرمدیہ کا مہبط بنا ہوا ہے۔ اس لئے ملا علی قاری حنفی ﷫ نے فرمایا ہے کہ: ''مدینہ منورہ حاضری دینے والا دربار سید دو عالم ﷺ، مسجد نبوی، جنت البقیع اور شہداء کی قبور (میدان احد وغیرہ میں) اور دوسرے تمام مقامات متبرکہ کی زیارت کرے، یہ اس کے لئے اجر وثواب کا ذریعہ بن جائے گا۔'' (مرقاۃ ج۶ ص ۸۷)

ف: امام الانبیاء ﷺ کا ارشاد ہے: ''من زارني يعني من اتى المدينة كان في جواري''
(المصنف ج۹ ص ۲۳۷)

دور حاضر کے مشہور مؤلف نصرت عباس کرارہ نے تاریخ الحرمین ارشاد فرمایا: ''جب مدینہ منورہ اور اس کے بعض مقامات نظر آجائیں تو پیدل چلنا بہتر ہے۔ جیسا کہ وفد عبدالقیس نے جب سید دو عالم ﷺ کو دیکھ لیا تو فوراً سواریوں سے اتر پڑے۔

حضور انور ﷺ نے ان پر اعتراض نہ فرمایا۔ سید دو عالم ﷺ کی تعظیم وفات کے بعد بھی ایسی ہی ہے جیسا کہ حیات مبارکہ میں تھی۔ (ص ۲۸۰)

اکابر علماء دیوبند اور احترام مدینہ منورہ

شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے اپنی مؤلفہ ''کتاب الشہاب الثاقب'' میں فرمایا ہے:

یہ جملہ حضرات ﷺ جس قدر ادب وتعظیم واجب بہ نسبت حضور ﷺ جانتے اور کرتے ہیں، کوئی طائفہ روئے زمین پر اس درجہ پر نہیں۔ جناب مولانا نانوتوی (حضرت مولانا قاسم نانوتوی ﷫) چند منزل برابر اونٹ پر سوار نہ ہوتے۔ حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا اور خالی پیر میں زخم پڑ گئے تھے، کانٹے لگتے تھے۔ پتھروں نے ٹھکرا ٹھکرا کر حال دگرگوں پاؤں کا کر دیا تھا۔ تمام عمر کیمخت (سبز رنگ) کا جوتا اس وجہ سے نہیں پہنا کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے۔ اگر کوئی ہدیہ لے آتا تو کسی دوسرے کو دے دیا۔ فراق مدینہ منورہ میں ان کے عظیم دفتر سے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں:

امیدیں اور ہیں لاکھوں لیکن بڑی امید یہ ہے
کہ ہو سگان مدینہ میں مرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

جو یہ نصیب نہ ہوا اور کہاں نصیب میرے
کہ میں ہوں اور سگان حرم کی تیرے قطار

اڑا کے باد میری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشت خاک قاسم کا
کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

حیات سید دو عالم ﷺ پر جامع اور مدلل کتاب ''آب حیات'' حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے زور قلم اور غلبہ عشق رحمت دو عالم ﷺ کا بہترین اور بے مثل شاہکار ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے متعلق بھی حضرت مدنی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ہم چند باتیں چشم دید کہ جن سے اکثر حضرات واقف ہوں گے۔ بیان کرتے ہیں حضرت مولانا کے یہاں تبرکات میں حجرہ مطہرہ کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا۔ بصد ادب کبھی کبھی حاضرین و خدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے تو صندوقچہ کو خود اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر اول اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے، پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اور ان کے سروں پر رکھتے اس امر کو ہزاروں نے ملاحظہ فرمایا۔

مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت و حفاظت سے رکھی جاتیں اور اوقات مبارکہ متعددہ میں خود بھی استعمال فرماتے اور حضار بارگاہ مخلصین کو بھی نہایت تعظیم و ادب سے اس طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیر مترقبہ اور اثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں۔ حالانکہ بصرہ، سندھ وغیرہ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھیں، مگر ان کی وقعت اس سے زیادہ ہرگز نہ تھی کہ جملہ میوؤں میں سے یہ بھی ایک میوہ ہے۔ مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے، ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر نوش فرماتے۔ مثل چھالیوں کے کترواکر لوگوں کو استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں بہ ہمراہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوا تھا تو بھائی صاحب سے پہلے ہی حاضری میں حضرت قدس سرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریفہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یا نہیں؟ چونکہ وہ احقر کے پاس تھی، اس لئے بادب ایستادہ پیشکش خدمت اقدس کیا تو نہایت وقعت اور عظمت سے قبول فرما کر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعد از نماز عشاء خواب استراحت فرماتے وقت ''اتباعاللسنۃ'' اس سرمہ کو آخر عمر تک استعمال فرماتے رہے۔ اس قصہ سے عام خدام واقف ہیں۔ (الشہاب الثاقب)

بلکہ آپ کے ہاں تو خاک مدینہ منورہ کا کھانا بھی حلال اور باعث برکت تھا۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ ارشد اور آپ کی سیرت کے مرتب مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''انسان کو جب کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اس کے تمام متعلقات سے الفت پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے سواد قلب میں حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت راسخ ہو گئی تھی۔ اس لئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ مدنی کھجوروں کی گٹھلیاں سوا کر صندوقچہ میں رکھ لیتے اور کبھی کبھی سفوف بنا کر پھانکا کرتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے لوگ حرمین شریفین کی چیزوں زمزمی کے ٹین اور تخم خرما کو یوں پھینک دیتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔''

''مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسی ہوئی حضرت نے صندوقچہ میں سے نکال کر مجھے عطاء فرمائی کہ لو اس کو پھانک لو۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی املی مجھے کھلائی۔ ایک دفعہ مدینۃ الرسول ﷺ کی مٹی مجھ کو عطاء فرمائی کہ اس کو کھالو۔ میں نے عرض کیا حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے۔ آپ نے فرمایا میاں وہ مٹی اور ہوگی۔'' (تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۴۸)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی کتاب زبدۃ المناسک میں ان فضائل اور برکات کا کافی حصہ بیان فرمایا گیا ہے، اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

جب ۲۱۔۱۳۲۰ھ مطابق ۰۲۔۱۹۰۱ء آل سعود اور آل رشید کے درمیان زبردست جنگ جاری تھی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا راستہ خطرناک تھا۔ اس وقت صرف اونٹوں کی سواری ہوسکتی تھی۔ ایسی حالت میں آپ کے پاس ایک استفتاء آیا جس کو نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: جو شخص حج کو مکہ شریف جاوے اور مدینہ منورہ نہ جاوے اس خیال سے کہ مدینہ شریف جانا کوئی فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ ایک کار خیر ہے، ناحق ایسے راستہ خوفناک میں جاؤں کہ جابجا راستہ میں قافلے لٹ رہے ہیں اور خوف جان و مال کا ہے اور اس قدر روپیہ بھی صرف ہوگا، اس سے کیا فائدہ تو یہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

جواب: مدینہ نہ جانا اس وہم سے کمی محبت فخر عالم کا نشان ہے۔ ایسے وہم سے کوئی دنیا کا کام نہیں ترک ہوتا۔ زیارت ترک کرنا کیوں ہوا اور راہ ہر روز نہیں لٹتی۔ اتفاقی بات ہے یہ کوئی حجت نہیں، مگر ہاں واجب بھی نہیں، اور روپیہ خیرات میں صرف ہونا سعادت ہے۔ مکہ سے مدینہ تک پچاس روپیہ اعلیٰ درجہ کا صرف ہے جس نے پچاس روپیہ کا خیال کیا اور حضور ﷺ کے مرقد مبارک کا خیال نہ کیا، اس کا ایمان و محبت لاریب ناقص ہے۔ گو گناہگار نہ ہو مگر اصلی جبلت میں ہی کمی ایمان کی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۷۶)

ف: ایسے خطرناک حالات میں آپ نے مدینہ منورہ کی حاضری کو کمال ایمان کی علامت قرار دیا اور ڈر کے مارے نہ جانے کو ایمان کی کمی قرار دیا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا عشق مدینہ منورہ اور سید دو عالم ﷺ تو اظہر من الشمس ہے۔ چودہ سال تک روضہ اطہر کے سامنے بیٹھ کر درس حدیث اور علوم دینیہ دیا اور بعض ثقہ راویوں کے بیان کے مطابق روزانہ روضہ اقدس کی جالیوں کو اپنی داڑھی کے بالوں سے صاف فرمایا کرتے تھے۔ ان کے عشق مدینہ منورہ کی داستان بہت طویل ہے۔

الغرض اکابر علماء دیوبند عشق مدینہ منورہ میں سرشار تھے اور اب ان کے مخلص خدام کا یہی ایمان اور یقین ہے۔

پاکستان کے شیخ الاسلام شارح صحیح مسلم مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کے تین وطن ہیں۔

۱..... وطن جسمانی: وہ جگہ جہاں وہ پیدا ہوا ہے۔

۲..... وطن ایمانی: مومن کا مدینہ طیبہ ہے جہاں سے اس کو نور ایمانی ملا ہے۔

۳..... وطن روحانی: جنت ہے جہاں عالم ارواح میں اس کا اصلی مستقر تھا۔ (نقوش و تاثرات از مفتی محمد شفیع صاحب ص ۱۰)

احقر قاضی ارشد الحسینی عرض کرتا ہے کہ مدینہ منورہ سے میرے اباجی رحمہ اللہ کو جو عشق و محبت تھی، اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱...... اگر کوئی آدمی حضرت کے سامنے صرف مدینہ کہہ دیتا تو سخت ناراض ہوتے فرماتے صرف مدینہ نہ کہو بلکہ ساتھ منورہ بھی کہو۔

۲...... حضرت مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمۃ اللہ علیہ حج سے واپس آئے تو پیلے رنگ کی رومال نما پگڑی لائے۔ اتفاق کی بات اباجی گھر موجود نہ تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے وہ پگڑی مجھے دی اور فرمایا حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا اور عرض کرنا یہ رسماً نہیں بلکہ حکماً لایا ہوں اور پھر خود ہی تفصیل فرمائی کہ مدینہ منورہ میں قطب زمان امام الاولیاء حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی اور آپ نے حکم فرمایا کہ یہ پگڑی لے جاؤ اور قاضی صاحب کے سر پر میری طرف سے باندھ دو، جب میں نے یہ عرض کیا تو حضرت زار و قطار رو پڑے۔

۳...... حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۷۳ء میں تیسرا حج فرمایا تو مدینہ منورہ کی کھجور کی گٹھلی اٹک میں اپنے مکان کے صحن میں دبا دی وہاں کھجور کا پودا نکلا۔ اس کے ساتھ پھل نہیں لگتا تھا۔ میں نے ایک دن عرض کر دیا کہ اباجی! اس کے ساتھ پھل تو لگتا نہیں، اسے نکال دیں تو بہتر ہے۔ حضرت فرمانے لگے بیٹا! پھل لگے یا نہ لگے میں جب صبح اٹھتا ہوں تو مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلاماً کی کھجور کو دیکھ کر ایمان تازہ کر لیتا ہوں۔ مدینہ منورہ کی یاد آ جاتی ہے۔ چنانچہ وہ پودا کھجور کا اب بھی ہمارے گھر کے صحن میں موجود ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ!

۴...... جو شخص بھی عمرہ، حج یا کسی کام سے سعودیہ جاتا اسے تاکیداً فرماتے کہ میرا نام لے کر اس طرح صلوٰۃ وسلام عرض کرنا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کا گناہگار امتی محمد زاہد ابن قاضی غلام جیلانی مرحوم سلام پیش کرتا ہے اور شفاعت کی درخواست بھی۔

۵...... ہر زائر حرم مدینہ منورہ کو تاکید فرماتے کہ جب مدینہ طیبہ روضہ اطہر پر صلوٰۃ وسلام پیش کر چکو تو پھر یوں عرض کرو کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ کا ایک ادنیٰ گناہگار امتی آپ ﷺ کے دربار اقدس میں حاضر ہے اور میں آپ ﷺ کے سامنے اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔ آپ ﷺ میرے ایمان کے قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں گواہ ہوں گے اور پھر اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کی تجدید کرے۔

۶...... حرم اطہر میں گنبد خضراء پر ایک کبوتر آیا۔ پھڑ پھڑایا اور گر گیا۔ اس کے پر فضا میں بکھر گئے۔ حضرت کے ایک مرید نے جو اس وقت وہاں موجود تھا، ایک پر اٹھا لیا اور حضرت کے لئے لے آیا۔ حضرت نے اس کو فریم کروایا اور ساتھ تحریر فرما دیا۔

۷...... آخری عمر میں اگرچہ کمزوری کافی ہو گئی تھی، منہ میں دانت بھی نہ تھے، مگر مدینہ طیبہ کی کھجور بڑی محبت اور شوق سے تناول فرماتے اور گٹھلی سنبھال کر رکھتے۔ (حالانکہ ہر چیز میں سخت پرہیز فرماتے تھے۔ بغیر مشورہ طبیب کے کوئی چیز استعمال نہ فرماتے تھے)

۸...... حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مخلص عقیدت مند مدینہ طیبہ رہتا ہے، اسے کام کے دوران گنبد خضراء کا چھوٹا سا ٹکڑا ملا، جو اس نے سنبھال کر رکھ لیا۔ پھر اسے سرور کونین ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ گنبد خضراء کا ٹکڑا اٹک قاضی صاحب کو دے دینا۔ چنانچہ وہ اس مبارک ٹکڑے کو لایا، اسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی شوق، محبت وعقیدت سے ہمیشہ اپنے سینہ کے ساتھ رکھا۔'' رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ کاملۃ واسعۃ''

آداب داخلہ مدینہ منورہ

ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب آقا ﷺ کے دربار اقدس میں حاضر ہو جائے۔ اس لئے اس سعادت مند کو جہاں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے وہاں اسے ان تمام آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اس پاکیزہ ترین سرزمین کے زائر کے لئے لازم اور ضروری ہیں۔ علمائے کرام نے اس عنوان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور علامہ نورالدین سمہودی جزاہ اللہ اکرم الجزاء رحمہ اللہ نے وفاء الوفاء میں اس عنوان پر ایک علیحدہ باب بیان فرمایا ہے جس میں سے چند ضروری آداب درج کئے جاتے ہیں۔

پہلا ادب: تو یہ ہے کہ اس شرف زیارت کی تمنا میں رات دن تڑپتا رہے اور اس شوق کو اس قدر قوی کرے کہ ہر سال مدینہ منورہ کی حاضری کو دل وجان سے چاہنے والا بن جائے۔

دوسرا ادب: یہ ہے کہ جب یہ سعادت میسر آجائے تو مدینہ منورہ کو جاتے ہوئے درود شریف بہت زیادہ پڑھے بلکہ سارا وقت اسی میں صرف کرے۔

تیسرا ادب: یہ ہے کہ جوں ہی مدینہ منورہ نظر آئے، سواری سے اتر کر ننگے پاؤں چلے۔ سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں جب قبیلہ عبد القیس کا وفد حاضر ہوا تھا تو سید دو عالم ﷺ کا چہرہ انور نظر آتے ہی وہ لوگ اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سید انبیاء ﷺ کی تعظیم اب بھی اسی طرح ضروری ہے، جس طرح آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھی۔

چوتھا ادب: یہ ہے کہ فرط محبت اور عقیدت سے اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ آج مجھ جیسا گناہگار روضہ اطہر پر حاضری کا شرف حاصل کر رہا ہے، روتا ہوا داخل ہو۔ اکثر صلحائے امت کا یہی طرز رہا ہے۔

پانچواں ادب: یہ ہے کہ دربار اقدس پر حاضری کے وقت غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنے اور خوشبو لگا کر حاضر ہو۔

چھٹا ادب: یہ ہے کہ گنبد خضراء نظر آتے ہی عاجزی اور ادب اور احترام قلبی کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہوا داخل ہو کہ یہ وہ مقدس اور مطہر مقام ہے۔ جہاں سید دو عالم ﷺ تیرہ سال تک چلتے پھرتے رہے۔ اس بستی کو ان مبارک قدموں نے شرف بخشا۔ اسی فضا میں سید دو عالم ﷺ کی پرنور احادیث بکھری ہیں۔ اسی بستی میں جبریل امین ادب کے ساتھ کئی بار آیا ہے اور اس امر پر افسوس کرے کہ میں اپنی ان آنکھوں کے ساتھ جمال مظہر جمال کی زیارت نہ کر سکا۔

ساتواں ادب: یہ ہے کہ اس پاکیزہ ترین بستی میں کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اعمال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، نہ ایسی بات منہ سے نکالے جس سے بے ادبی کا پہلو نکل سکے۔

آٹھواں ادب: یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں حاضری کے بعد اور دربار سید دو عالم ﷺ میں حضوری سے پہلے کچھ صدقہ دے۔ (جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا: ''اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقة (المجادلة: ۱۲)'' جب تم سید دو عالم ﷺ کی خدمت میں کچھ خاص بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ پیش خدمت کر دیا کرو)

نواں ادب: یہ ہے کہ جس قدر ذکر، درود شریف، تلاوت قرآن حکیم اور نفلی روزے رکھ سکے، ضرور رکھے، اگر اجازت مل سکے تو کم از کم ایک رات مسجد نبوی میں اس طرح گزارے کہ ساری رات عبادات میں گزرے۔ دو رکعت تحیة المسجد پڑھ کر شکر کا سجدہ بھی کرے۔ (وفاء الوفاء ص ۱۳۹۴)

دسواں ادب: یہ ہے کہ اہل مدینہ کا احترام کرے اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرے۔ اس پر نکتہ چینی نہ کرے۔ وہ سید دو عالم ﷺ کے پڑوسی ہیں اور حضور ﷺ کو اپنے پڑوس کا بڑا لحاظ ہے۔ (ماخوذ از وفاء الوفاء)

یہ گناہگار مرتب رحمت کائنات عرض کرتا ہے کہ احقر کو اللہ تعالیٰ نے جب بھی یہ سعادت بخشی ہے سلام عرض کرنے کے بعد سید دو عالم ﷺ کے مبارک قدموں کی طرف بیٹھ گیا اور وہاں سے بہت کچھ پایا۔ الحمد للہ!

احقر نے اپنے اس طرز عمل کی بنیاد سید دو عالم ﷺ کے اس ارشاد پر رکھی ہے جس میں سید دو عالم ﷺ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی جوتیاں دے کر یہ فرمانا ہے کہ جو کلمہ پڑھنے والا ملے اس کو جنت کی بشارت دے۔

اسی طرح سید دو عالم ﷺ کے ایک ارشاد کا ترجمہ یہ ہے کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے تو رحمت کائنات سید دو عالم ﷺ کے قدموں میں کیا کچھ نہیں ملے گا؟ ملتا ہے اور ضرور ملتا ہے، کمال ادب اسی میں ہے۔

یہ گناہگار جب بھی زیارت حرم اقدس سے مشرف ہوا تو صلوۃ و سلام عرض کرنے کے بعد برآمدہ میں اس ستون کے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ جہاں پر قدیمی برآمدہ کی پیشانی پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سامنے ہوتا ہے۔

گیارھواں ادب: جن مقامات پر سید دو عالم ﷺ نے کوئی نماز پڑھی، اگر وہ جگہ صحیح طور پر معلوم ہو جائے تو وہاں کم از کم دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے۔ خلیفہ ولید بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو یہ حکم دیا تھا کہ جہاں جہاں سید دو عالم ﷺ کا نماز ادا کرنا ثابت ہو جائے، وہاں ایک مسجد بنا دی جائے۔ یہ مقامات متبرکہ ساتویں صدی ہجری تک موجود تھے جن کا ذکر حافظ محمد بن النجار (م ۶۴۳ھ) نے اخبار مدینۃ الرسول میں فرمایا ہے۔ (ص ۹۶)

افسوس ہے کہ یہ آثار مبارکہ اب تقریباً ختم کر دیئے گئے ہیں۔ "فالی اللہ المشتکی"

عشق نبوی اور اتباع رسالت کا جذبہ پیدا کرنے والی کتابیں

سید دو عالم ﷺ کی سیرت مقدسہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں بلکہ تفسیر قرآن کریم کے بعد سیرت سید دو عالم ﷺ ایسا پاکیزہ اور ہمہ گیر موضوع رہا ہے اور اب بھی ہے کہ اس پر ہر زبان میں نظماً و نثراً کئی مجلدات لکھی گئی ہیں اور یہ بھی سیرت مقدسہ کا ایک اعجاز ہی سمجھ لیا جائے کہ جس کتاب کو بھی پڑھا جائے، دل میں کشش پیدا ہو کر عشق و محبت کی لہریں موجزن ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ خود سید دو عالم ﷺ کا اسم گرامی "محمد" ہی ایسا محبوب نام ہے کہ جس میں روحانی لذت اور ایمانی حلاوت ہے جو دوسرے کسی کے نام میں نہیں یا کم ہے۔ اس لئے اس مبارک نام پر جو بھی لکھا جائے یا کہا جائے اثر انگیز ہوگا۔ مگر پھر بھی اپنے مطالعہ میں چند ایسی کتابیں آئی ہیں جنہوں نے اس گناہگار پر بھی اثر کیا ہے، اس لئے بطور مشورہ یہ عرض ہے کہ عربی زبان میں جامع کتاب "جواہر البحار" کا مطالعہ مفید رہے گا جو سیرت مقدسہ پر لکھی ہوئی کئی کتابوں کا خلاصہ ہے۔

دوسری جامع اور مدلل "کتاب الشفاء" ہے جس کی کئی شروح ہیں مگر ان میں سے زیادہ مفید شرح علامہ خفاجی مصری کی مرتبہ "نسیم الریاض" ہے۔

علیٰ ہذا القیاس! قصیدہ "بردۃ الداء" کا پڑھنا بھی ازدیاد محبت نبوی کا وسیلہ بن سکتا ہے۔ اسی لئے اس کو دار العلوم دیوبند کے نصاب میں داخل کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے "عطر الوردہ" کا مطالعہ مفید ہے جو قصیدہ بردہ کی مفصل شرح اردو زبان میں مرتبہ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کی ہے۔

فارسی زبان میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرتبہ ''مدارج النبوۃ'' اور ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' مفید اور ایمان افروز کتب ہیں۔

اردو زبان میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤلفہ ''نشر الطیب فی ذکر الحبیب'' مبارک کتاب ہے یہ وہ کتاب ہے جس کی تالیف کے زمانہ میں تھانہ بھون کا پورا قصبہ اس طاعون کے حملہ سے محفوظ رہا، جس نے ضلع مظفر نگر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

اسی طرح شمع رسالت کے پروانے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی مؤلفہ کتاب ''رحمۃ للعالمین'' بہت ہی مفید اور موثر اور مدلل ہے۔اس گناہگار کو اس کتاب سے بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔(رحمۃ اللہ علیہ)

سید دو عالم ﷺ کی مبارک بستی کے جامع اور مستند حالات کے لئے محقق مؤرخ عالم باعمل علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) موئفہ کتاب ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی'' کا مطالعہ بہت مفید اور ایمان افروز ہے، یہ کتاب ہمارے اکابر کے ہاں مستند اور مسلم ہے، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز نے اپنے درس حدیث میں اس سے کئی حوالے دیئے ہیں مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ کے حواشی میں اس سے استناد کیا ہے، احقر نے اس کا اردو زبان میں ترجمہ بنام ''تذکرہ دیار حبیب ﷺ'' جلد اول کیا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔اللہ تعالیٰ تکمیل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور قبول فرمائے۔آمین!

ف: جب کسی بھی نبی کا نام زبان سے لے یا لکھا جائے تو م کہا جائے اور حضور انور ﷺ کا نام لے تو ضرور کہے بلکہ حضور انور ﷺ کا نام نامی لینے سے پہلے سید کا کلمہ زیادہ کردے۔کیونکہ س سید الحروف ہے، اس لئے اکثر علماء کرام نے تشہد میں بھی سیدنا کا کلمہ زیادہ کرنے کو بہتر فرمایا۔ (جواہر البحار ج ۳ ص ۸۳۰)

سید دو عالم ﷺ کا بہترین جہان کی طرف سفر اور اس کی امتیازی خصوصیات

قرآن عزیز نے اپنے ابتدائی دور نزول میں امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کو یہ فرمایا تھا: ''وللاخرۃ خیر لک من الاولی (الضحی:۴)'' اور یقینی بات ہے کہ آخرت کا جہان آپ ﷺ کے لئے پہلے جہان سے بہتر ہے۔

اس لئے اس کا وقت آنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کئی دفعہ اپنے سفر آخرت کا ذکر فرمادیا کرتے تھے۔جیسا کہ:

۱...... ایک مرتبہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے جس آدمی کے دو چھوٹے بچے مرجائیں تو یہ جنت میں اس کا استقبال کریں گے اور اس کا انتظار کریں گے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا جس کی ایک چھوٹی اولاد مر جائے؟ تو فرمایا کہ وہ ایک بھی اس کے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جائے گا۔آپ نے عرض کیا جس کا کوئی بھی ایسا ذخیرہ اور ذریعہ نہ ہو تو اس کا کیا بنے گا؟ اس پر سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''فانا فرط امتی لن یصابوا بمثلی'' پس میں اپنی امت کے لئے پہلا جانے والا ہوں گا۔کیونکہ میری رحلت کی طرح میری امت پر کوئی مصیبت نہ آئے گی۔

یعنی میں اپنی امت سے پہلے جنت میں جاؤں گا اور ان کو جنت میں لے کر جاؤں گا میرا دنیا سے سفر کرنا امت کے لئے مصیبت عظمیٰ ہوگا۔ (مرقاۃ)

۲...... ایک مرتبہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے دربار سید دو عالم ﷺ میں عرض کیا کہ ہم میں سے کون سعادت مند جناب کی خدمت میں پہلے پہنچے گی۔ (جب کہ جناب اس دنیا سے سفر فرمائیں گے) تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''اطولکن یدا'' تم میں سے جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔

اس ارشاد کے بعد ازواج مطہرات نے اپنے ہاتھ ناپے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ اور بازو سب سے لمبا نکلا۔ اس لئے یہی خیال رہا کہ آپ ﷺ کے سفر آخرت کے بعد سب سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوگا، مگر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو معلوم ہوا کہ سید دو عالم ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد سخاوت تھی۔ چنانچہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سخاوت کا عالم یہ تھا کہ: ''کانت تعمل بیدھا و تصدق'' اپنے دست مبارک کی محنت سے حاصل شدہ مال صدقہ کر دیا کرتی تھیں۔''

۳...... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب حضور انور ﷺ نے ملک یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو سید دو عالم ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لئے باہر تک تشریف لائے۔ حضور ﷺ پیدل تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے حکم سے سواری پر تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو چند نصائح ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا ہوسکتا ہے کہ تو مجھے آئندہ سال نہ ملے اور ہوسکتا ہے کہ تیرا گزر میری اس مسجد اور میری قبر کے قریب سے ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس کو سن کر سید دو عالم ﷺ کے فراق میں رونے لگے تو حضور انور ﷺ نے چہرہ مبارک مدینہ منورہ کی طرف کر کے ارشاد فرمایا: ''ان اولی الناس بی المتقون من کانوا و حیث کانوا'' (مشکوٰۃ)

میرے قریب تر پرہیزگار لوگ ہوں گے جو بھی ہوں گے اور جہاں بھی ہوں گے۔ یعنی بدن کی دوری سے کوئی فکر نہ کرنا چاہئے بلکہ میری تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے۔

۴...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو ان دو چیزوں میں سے ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیا ہے۔ یا تو وہ دنیاوی زیب و زینت کو پسند کر لے جو بھی اور جتنی بھی چاہے اور یا ان نعمتوں کو پسند کر لے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں۔ مگر اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ نعمتوں کو پسند کر لیا ہے۔

یہ ارشاد سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے عرض کیا۔ ہمارے ماں اور باپ آپ ﷺ پر قربان ہو جائیں۔ یعنی (ہم یہ سب فدیہ دینے کو تیار ہیں مگر آپ ﷺ دنیا ہی میں قیام فرمادیں) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس بات پر تعجب کیا اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس بوڑھے کو دیکھو سید دو عالم ﷺ نے ایک بندے کی خبر دی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی انعامات و اکرامات سے فائدہ اٹھانے اور اپنے ہاں کے انعام و اکرام سے بہرہ ور ہونے کا اختیار دیا ہے اور یہ بوڑھا کہہ رہا ہے ہمارے ماں باپ آپ کا فدیہ ہو جائیں۔ (اس کا تعلق حضور انور ﷺ کے ساتھ کیا ہے؟) مگر ہم کو بعد میں پتہ چلا کہ سید دو عالم ﷺ خود اپنے متعلق فرما رہے تھے جس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سمجھ گئے۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ علم والے تھے۔'' (بخاری و مسلم)

۵...... ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو سید دو عالم ﷺ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خفیہ طور پر ارشاد فرمایا کہ میں اس دنیا سے جانے والا ہوں۔ اس کو سن کر آپ رو پڑیں۔ آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تو مجھے آکر ملے گی۔ اس پر آپ ہنس

پڑیں۔ اس منظر کو دیکھ کر ازواج مطہرات میں سے کسی نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے مجھے پہلے اپنے سفر آخرت کی خبر دی تو میں اس فراق اور غم کی وجہ سے رو پڑی۔ مگر پھر فوراً ہی مجھے یہ ارشاد فرمایا کہ سارے خاندان میں سے سب سے پہلے تو مجھے ملے گی تو میں خوشی سے ہنس پڑی۔" (مشکوۃ بحوالہ داری)

۶...... "ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خود امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "جب کوئی بھی نبی بیمار ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں قیام کا اختیار دیا جاتا ہے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سید دو عالم ﷺ آخری مرتبہ بیمار ہوئے، آپ ﷺ کو بہت زیادہ کھانسی آنے لگی۔ میں نے سنا آپ ﷺ یہ فرما رہے ہیں: "مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصلحین" ان کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے وہ نبی ہیں اور صدیق ہیں اور شہید ہیں اور نیک لوگ ہیں...... تو میں سمجھ گئی کہ حضور انور ﷺ کو بھی اسی طرح اختیار دیا گیا ہے۔ مگر سید دو عالم ﷺ نے عالم آخرت کے قیام کو پسند فرما لیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید دو عالم ﷺ کا سفر آخرت آپ ﷺ کی اپنی مرضی اور خوشنودی سے تھا اور یہ سفر آخرت امت کے لئے یوں باعث رحمت بنا کہ سید دو عالم ﷺ نے اپنی امت کے اعمال صالحہ، جانی مالی قربانی اور آپ ﷺ پر اعتماد کامل اور یقین واثق کو ملاحظہ فرما لیا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: "ان اللہ اذا اراد رحمۃ امۃ من عبادہ قبض نبیھا قبلھا فجعلہ لھا فرطا و سلفا بین یدیھا و اذا اراد ھلکۃ امۃ عذبھا و نبیھا حی فاھلکھا و ھو ینظر فاقر عینہ بھلکتھا حین کذبوہ و عصو امرہ" اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں میں سے کسی نبی علیہ السلام کی امت پر رحم فرماتے ہیں تو اس نبی علیہ السلام کو دنیا سے پہلے اٹھا لیتے ہیں اور اس نبی علیہ السلام کو امت کے لئے پیش رو اور بہترین ذخیرہ نجات فرما دیتے ہیں۔ (کیونکہ نبی علیہ السلام امت سے راضی ہوتا ہے) اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس امت کو نبی کی حیات میں ہلاک کر دیتے ہیں جس کو دیکھ کر نبی علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔ (مشکوۃ شریف بحوالہ مسلم شریف)

جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی تباہ اور ہلاک شدہ قوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "فتولی عنھم و قال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی و نصحت لکم فکیف اسی علی قوم کفرین (الاعراف: ۹۳)" پس آپ نے ان سے منہ پھیر کر فرمایا اے میری قوم میں نے تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچائے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی پس اب کس طرح کافروں کی ہلاکت پر افسوس کروں۔"

۷...... رحلت سے چھ ماہ پہلے سورۃ النصر کا نزول ہوا۔ فرمایا: "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا" جب اللہ کی مدد آ جائے گی اور ملک فتح ہو جائے گا اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوں گے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کریں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرما دیں۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورۃ میں بھی آپ ﷺ کو اپنے عظیم مقصد میں کامیابی کی بشارت دی گئی کہ اب اس دنیا سے تشریف لے جانے والے ہیں۔

۸...... آخری سال امام الانبیاء ﷺ نے بجائے دس دن کے بیس دن رمضان کا اعتکاف فرمایا۔

۹...... ماہ صفر ۱۱ھ کے شروع میں احد تشریف لے گئے اور وہاں آرام کرنے والے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے سلام اور مغفرت کے ہدایا عطایا فرمائے۔ واپس تشریف لا کر اپنے منبر اعلیٰ مقام پر تشریف فرما کر یہ خطاب فرمایا: ''لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں اور تمہاری شہادت دینے والا ہوں۔ واللہ! میں حوض کوثر کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے ممالک کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ مجھے یہ ڈر نہیں رہا کہ تم میرے بعد مشرک ہو گے۔ مگر ڈر ہے کہ منافست نہ کرنے لگو۔'' (دنیاوی معاملات میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو گے)

جنت البقیع میں آپ آدھی رات کو تشریف لے گئے، جہاں آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابیات رضی اللہ عنہن مدفون ہیں۔ ان کو سلام فرمایا اور دعائے مغفرت فرمائی اور دونوں جگہ ''انا بکم لاحقون'' فرمایا۔ یعنی ہم تمہارے ساتھ یقیناً ملنے والے ہیں۔

۲۹ر صفر دوشنبہ کو پھر درد سر شروع ہوا اور اس کے بعد شدید بخار لاحق ہو گیا۔ آخری پورا ہفتہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں قیام فرمایا اور اسی حجرہ مبارکہ میں خداوند قدوس کے حکم سے آرام فرما ہیں۔

آخر اکثر علماء سیرت کے قول کے مطابق ۱۲ر ربیع الاول بروز سوموار اس فانی دنیا سے باقی اور بہترین جہان کو تشریف لے گئے۔ (ﷺ)

آنحضرت ﷺ کے اس سفر کے مختصر امتیازی حالات

چونکہ امام الانبیاء جناب رسول اکرم ﷺ کا صرف دنیا سے انتقال ہوا ہے۔ یعنی آپ ﷺ اس زمین سے اپنے روضہ اقدس میں بامر خداوندی خلوت گزیں ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کے اس سفر کا حال تمام انسانوں سے علیحدہ اور ممتاز ہے۔ جیسا کہ: ''(غسل) جسم اطہر کو غسل دیتے وقت یہ اشکال پیش ہوا کہ جسم اطہر کو کپڑوں سمیت غسل دیا جائے یا عام اموات کی طرح کپڑے اتار دیئے جائیں۔ اسی میں لوگ تھے کہ اس حجرہ میں موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نیند کی سی حالت طاری ہو گئی اور انہوں نے اپنے کانوں سے سنا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے کپڑے نہ اتارے جائیں بلکہ انہی کپڑوں میں وجود اقدس کو غسل دیا جائے۔'' (ﷺ)

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد علمائے اہل حدیث تک نے بھی فرما دیا ہے کہ: ''انه ليس كغيره من الموتى'' یعنی امام الانبیاء جناب رسول اکرم ﷺ عام اموات کی طرح نہیں ہیں بلکہ خاص کیفیت کے مالک ہیں۔

(بلوغ المرام، سبل السلام، نیل الاوطار)

(دفن) دفن کے لئے اسی جگہ کو حسب ارشاد رسول اکرم مخصوص اور مقرر کیا، جہاں آپ ﷺ نے آخری قدم رکھا تھا اور اس بات کو جناب رسول اکرم ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ قرار دیا ہے کہ نبی جس جگہ سے دنیا سے تشریف لے جاتا ہے، اس کی آخری آرامگاہ وہیں بنائی جاتی ہے۔

(صلوۃ وسلام) آپ ﷺ پر عام انسانوں کی طرح نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی کہ کوئی امام ہوتا اور لوگ دعائے مغفرت مانگتے۔ آخر وہ نبی کیسا نبی ہے جس کی بخشش امت مانگے بلکہ آپ ﷺ پر سب سے پہلے فرشتوں کی جماعت نے صلوۃ وسلام پڑھا اور پھر دس دس کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آ کر درود شریف یہ ہے: ''ان الله و ملئكته يصلون على النبى يا ايها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما.... اللهم ربنا لبيك و سعديك

صلوۃ اللہ البر الرحیم والملئکۃ المقربین والنبیین والصدیقین والشھداء والصلحین وما سبح لک من سنی یا رب العلمین علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین وسید المرسلین وامام المتقین ورسول رب العلمین الشاھد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وبارک وسلم علیہ'' (زرقانی ج۸ ص ۲۹۳)

(آرام کا خیال رکھنا) آپ ﷺ کے آرام کا خیال اور لحاظ رکھنا، اسی طرح ضروری ہے۔ جیسا کہ:

۱...... آپ ﷺ کے اردگرد کے مکانات میں میخیں گاڑھنے سے ازواج مطہرات نے منع فرمادیا تھا کہ اس سے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

۲...... صحابہ سرور دو عالم ﷺ کا دروازہ ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔

۳...... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں زور سے کلام کرنے والوں کو منع فرمایا۔

۴...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مکان کے دروازوں کی چوکھٹ بنانے کے لئے حرم سے باہر تشریف لے جاتے تھے تا کہ آواز سے حرم کی بے ادبی نہ ہو۔ (دفع الشبہ ص ۸۱)

۵...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں مسجد نبوی میں بھی کتابوں کے ورق بڑی احتیاط سے پلٹا کرتے تھے کہ اس کھڑکھڑاہٹ سے آپ کے آرام میں فرق نہ آجائے۔

۶...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں سواری نہ کیا کرتے تھے۔

۷...... ہمارے مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پابرہنہ دیار حبیب میں چلا کرتے تھے۔

(ادب واحترام) اب بھی ان مقامات مقدسہ کا ادب واحترام ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ بہادر اور دلیر انسان ہی کیوں نہ ہو، ۱۳۳۴ھ میں انور پاشا وزیر جنگ سلطنت عثمانیہ جب مدینہ منورہ آئے تو ان کی حاضری کا حال حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ نے چشم دید بیان فرمایا ہے کہ: ''انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری لباس اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ دو جہاں ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ہے، غلام بن کر جانا چاہئے، اتار دیئے تھے اور فرمایا کہ ہم پیدل بارگاہ نبوت میں غلامانہ طریق سے چلیں گے۔ نظر زمین پر لگی ہوئی تھی اور آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں پرو رہی تھیں۔'' (سفرنامہ اسیر مالٹا ص ۲۰)

اسی احترام کا یہ تقاضا ہے کہ دربار اقدس میں سلام پیش کرتے وقت ادب کا پورا لحاظ رکھے۔ اسی لئے تو اونچی آواز سے سلام پیش کرنا بہتر نہیں ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی مہاجر مدنی کا حال اور قال یہ تھا کہ: آستانہ محمدیہ پر حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی۔ آواز نکلنا تو درکنار مواجہہ شریف کے قریب یا بالمقابل بھی آپ کھڑے نہ ہوتے تھے خوف زدہ مؤدبانہ دبے پاؤں آتے اور مجرم اور قیدی کی طرح دور کھڑے ہوئے بکمال خشوع صلوۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ: ''آنحضرت ﷺ حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، آپ سن لیتے ہیں۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۶)

آپ ﷺ کے دیدار کے لئے دعوات

سب سے بڑی چیز جو اس سعادت کے لئے ذریعہ اور معاون ومد ہو سکتی ہے وہ آپ ﷺ کی کامل اتباع، آپ ﷺ سے عقیدت کاملہ، آپ ﷺ کی عظمت کا دل میں یقین ہے۔

علمائے ملت اسلامیہ نے بعض اوراد و وظائف بھی ایسے بتائے ہیں کہ جن پر عمل کر کے ان شاء اللہ العزیز! یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے مندرجہ ذیل درود پاک لکھے ہیں جن کو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نشر الطیب میں ذکر فرمایا ہے:

۱...... شب جمعہ میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں بارہ بار آیۃ الکرسی اور گیارہ بار قل ہو اللہ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے۔ ان شاء اللہ! تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے، زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے: ''اللھم صل علی محمد النبی الامی و آلہ و اصحبہ و سلم''

۲...... جو شخص دو رکعت نماز پڑھے پر رکعت میں بعد الحمد کے پچیس بار قل ہو اللہ اور سلام کے بعد یہ درود شریف پڑھے ہزار مرتبہ، تو ضرور زیارت نصیب ہوگی اس کو، انشاء اللہ درود شریف یہ ہے۔ ''صلی اللہ علی النبی الامی''

۳...... کثرت درود سے آنحضرت ﷺ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مشاہدات میں گزر چکا ہے۔

محدث کبیر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی درود شریف برائے زیارت رسول اکرم ﷺ تحریر فرمائے ہیں جو مجربات عزیزی میں موجود ہیں۔

درود شریف کے متعلق اکابر کی عقیدت

درود شریف وہ مقدس عبادت ہے کہ جس کی وجہ سے رحمت خداوندی کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے اجلہ علماء کا یہ معمول رہا ہے۔ علمائے کرام و اولیائے عظام نے درود شریف کی برکات پر مستقل کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ ہمیں سب برکات اسی درود شریف کے طفیل منجانب اللہ عطاء ہوئی ہیں۔ کتاب کے وسط میں گزر چکا ہے کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں جتنا درود شریف زیادہ پڑھا حضور انور ﷺ نے اتنا ہی قرب و وصال سے نوازا۔ (ﷺ)

حضرت شیخ زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ (م ٦٦٦ھ) کی وصیت ہے کہ دین تب ہی سلامت رہ سکتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے۔

ہمارے اکابر کے ہاں درود شریف کا ورد اطہر اس کے لئے مفید ہے۔ جیسا کہ حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: ''زیارت فخر دو عالم اختیاری بات نہیں۔ درود شریف کی کثرت و محبت موجب اس کا ہے۔ (مکاتیب رشیدیہ ص ۲۵)

اسی طرح قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز نے حضرت شاہ عبد الغنی قدس سرہ سے درود شریف صلوۃ تنجینا پانچ سو دفعہ پڑھنے کی اجازت حاصل فرمائی۔

اس گناہگار (مرتب رحمت کائنات) کو اس درود شریف کی اجازت شیخ وقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمائی۔

میرے آقا حضرت مدنی ''اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ و اصحٰبہ و بارک وسلم کما تحب و ترضی'' کو جملہ صیغے درود شریف پر ترجیح دیتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲ ص ۵۴)

درود شریف کے متعلق سابق میں گزر چکا ہے کہ ہمارے اکابر دیوبند کے ہاں ''الحزب الاعظم'' اور ''دلائل الخیرات''، ''مناجات مقبول'' باقاعدہ باجازت ہے اور درود وظائف حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ترتیب دادہ مناجات مقبول میرے خیال میں لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ حضرت ملا علی قاری کی تبع فرمودہ ''الحزب الاعظم'' بھی اکابر کے ہاں معمول ہے۔

اس سیاہ کار کے مکرم و محترم قبلہ والد صاحب کو الحزب الاعظم کی اجازت شیخ حضرت شاہ عبدالحق مہاجر مکی رحمہ اللہ سے حاصل تھی۔ الحمد للہ! رحمت خداوندی سے وہی نسخہ دلائل جس پر حضرت شاہ صاحب کی قلمی اجازت اور مہر شریف ثبت ہے، احقر کو مل گیا۔ اسے باترجمہ ''آغوش رحمت'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔

الغرض! زیارت امام الانبیاء والمرسلین سید دو عالم ﷺ کے لئے درود شریف زیادہ سے زیادہ پڑھنا ایک قوی ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل اور تشریح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی کتاب فضائل ''درود شریف'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اس عقیدہ سے انکار کے نقصانات

پہلا اور سب سے بڑا نقصان تو یہ ہے کہ قرآن عزیز کی تقریباً ساڑھے سات سو (۷۵۰) (ان سب آیات کو باترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ احقر نے اپنی ایک کتاب ''آیات بینات فی اثبات الحیوۃ بعد الممات'' میں جمع کر دیا ہے۔ (اب کھوج لگانے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ غیر مطبوعہ مسودہ ہے جس میں صرف اشارات ہیں) ان آیات کا انکار ہوگا جن میں موت کے بعد زندگی، حساب کتاب، جنت دوزخ اور دوسرے تمام واقعات کا ذکر ہے جن کا تعلق زندگی ہی سے ہے۔ اگر یہ عقیدہ مان لیا جائے کہ موت سے ختم ہو گیا، بس جو ہونا تھا وہ ہو گیا تو ان سب آیات کا انکار لازم ہے جو سراسر کفر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن عزیز نے اس زندگی کے منکروں کو کافر کہا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ مسلمانوں کی قبور پر فاتحہ خوانی اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرنی ختم (ہو جائے گی) جیسا کہ یہ بدنصیب گروہ کرتا ہے۔ حالانکہ بعض قبور پر جا کر فاتحہ خوانی کرنے سے جانے والے کا فائدہ ہوگا۔ جیسا کہ سید دو عالم ﷺ کی حدیث گزر چکی ہے کہ والدین کی قبور پر جانے والے کے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے اور صاحب قبر کے لئے بھی بڑا فائدہ ہے کہ وہ اس کا بے تابی سے انتظار کرتا ہے۔ مخبر صادق سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''بعض میت قبر میں ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے اور بچانے والے کو طلب کرتی ہے۔ میت اس دعا کا انتظار کرتی ہے جو اس کے ورثاء یا احباب میں سے کوئی کرتا ہے۔'' (مفہوم حدیث)

بعض انسانوں کے درجات بڑھ جاتے ہیں جب کہ ان کی مغفرت ہو چکی ہے۔ جناب رسول اللہ نے فرمایا: ''قبر میں بعض اموات کے درجات میں ترقی ہو جاتی ہے وہ اس کی وجہ سے تعجب کے ساتھ پوچھتا ہے تو اس کو بتایا جاتا ہے کہ تیرے لئے تیرے ورثاء یا احباب نے دعا کی، صدقہ دیا۔ اس کی وجہ سے تیرے درجات بلند ہو گئے۔'' (مفہوم حدیث)

تیسرا نقصان یہ ہے کہ اموات کے لئے دعا کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ ان کی مغفرت کے لئے صدقہ خیرات رک جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب چیزیں ضروری ہیں اور مفید ہیں۔ آخر جنازہ بھی تو اسی لئے پڑھا جاتا ہے کہ میت کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ اگر جو ہونا تھا وہ ہو گیا تو پھر جنازہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہے؟ یہ اعلان کرنا لوگوں کو بلانا کیا فائدہ؟ بس مردہ کو دفن کر دیا جائے۔

حالانکہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میت کے اپنے اعمال کا جو اجر ملنا ہوتا ہے وہ تو مل جاتا ہے، مگر کچھ ایسے اعمال بھی ہیں کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو اجر و ثواب ملتا رہتا ہے۔ جیسا کہ:

۱...... وہ علم (شاگرد یا کتاب) جس سے دوسرے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

۲...... صدقہ جاریہ دیرپا، مسجد وغیرہ بنانا۔

۳...... نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔

۴...... اسی طرح مالی صدقہ دینے کا حکم بھی فرمایا۔

جیسا کہ ایک صحابی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وہ اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوا دے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ایک کنواں کھدوایا اور اس کا نام ''بئر ام سعد'' رکھا۔ یعنی سعد کی ماں کا کنواں۔

ف: یہ کنواں حضور انور ﷺ کے تقریباً ایک ہزار سال بعد تک بھی آباد رہا اور لوگ اس سے پانی پیتے رہے، جس کا ذکر مشہور مؤرخ مدینہ منورہ ''علامہ نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی'' میں کیا ہے۔

اس عقیدہ کے منکر مسلمانوں کے قبرستان کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل پاکستان ہی میں بعض جگہ یہ پایا جاتا ہے کہ قبرستان میں ٹریکٹر چلا کر ان پر مکانات اور دفاتر بنا دیئے گئے۔ حالانکہ یہ ایک امت مسلمان کی بہت بڑی توہین اور تذلیل ہے۔ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ: ''قبر پر بیٹھنے سے تو آگ کی ایسی چنگاری پر بیٹھنا بہتر ہے جو بیٹھنے والے کے کپڑوں کو جلا کر اس کے چمڑے کو بھی جلا دے۔'' (مسلم شریف)

حضور انور ﷺ نے ایک آدمی کو قبر پر تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو دکھ نہ دے۔ واللہ الموفق!

شبہات اور ان کے جوابات

سوال نمبر ۱: تم لوگ خود ہی دنیا سے جانے والوں کو مردہ، میت وغیرہا الفاظ سے تعبیر کرتے ہو اور پھر خود ہی ان میں سے بعض کو زندہ کہہ دیتے ہو۔ حالانکہ میت اور زندہ تو متقابل ہیں۔

جواب: ہم ان اموات کو زندہ نہیں کہتے بلکہ قرآن عزیز نے ان کو زندہ بتایا اور مردہ کہنے اور سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ شہداء کے متعلق تفصیل سے گزر چکا ہے بلکہ ہر مردہ میں برزخی زندگی موجود ہے اور اس پر ازروئے قرآن وحدیث ایمان لانا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۲: سید دو عالم ﷺ کو قرآن عزیز نے خود میت فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۳۰ میں فرمایا: ''انک میت وانھم میتون'' بے شک آپ ﷺ نے بھی مرنا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔

جواب: اس تحقیق کو سمجھنے سے پہلے بھی ایک بات کا جاننا ضروری ہے اور وہ یہ کہ بعض خطابات قرآنی میں سید دو عالم ﷺ کو انہی کلمات سے خطاب فرمایا ہے جن سے عام انسانوں کو مگر معنی اور مراد اور مفہوم میں فرق ہے۔

جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت نمبر ۱۵۱ میں ارشاد فرمایا: ''علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم'' خطاب امت کو ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد وہ تمام علوم و معارف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطاء کئے ہیں، انسان اپنی محنت کے ساتھ ان کو حاصل کر لیتا ہے۔ مگر سورۃ النساء میں سید دو عالم ﷺ کو بھی ایسے ہی خطاب سے نوازتے ہوئے فرمایا: ''وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (النساء: ۱۱۳)'' اس کا ترجمہ رمز شناس کلام ربانی شاہ رفیع الدین قدس سرہ العزیز نے یہ فرمایا اور سکھایا۔ تجھے وہ جو تو نہ جان سکتا یعنی سید دو عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ان علوم و معارف سے نوازا جو آپ ﷺ اپنی علمی اور کسبی محنت کے ساتھ کبھی بھی نہ جان سکتے اور ان علوم سے مراد وحی الٰہی، علوم نبوت ہیں جو کہ کسبی نہیں بلکہ وہبی ہیں اور اس نعمت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فضل عظیم سے فرمایا، اب قرآنی ارشادات کے کلمات بظاہر سورۃ بقرۃ اور سورۃ النساء میں بالکل ایک جیسے ہیں اور معنی مراد اور مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اسی طرح سورۃ الزمر کی اس آیت میں واضح فرق موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا: ''انکم میتون'' تم سب نے مرنا ہے بلکہ دو باتیں ارشاد فرمائیں: ''انک میت'' بے شک آپ ﷺ پر بھی موت نے آنا ہے۔

''وانھم میتون'' اور ان لوگوں نے بھی موت کا شکار ہونا ہے۔

اس آیت میں دو مخاطب ہیں اور دو موتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو آنحضرت ﷺ مخاطب ہیں اور آپ ﷺ کی موت کا ذکر ہے اور دوسرے عام انسان مراد ہیں اور ان کی موت کا ذکر ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ان دونوں موتوں میں فرق ہے۔ جیسا کہ:

سید دو عالم ﷺ کی موت ساتر حیات ہے۔ حسب تعبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز اور دوسرے انسانوں کی موت ہادم حیات ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ:

۱...... سید دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح سے روک دیا گیا۔ ارشاد فرمایا: ''ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا (الاحزاب: ۵۳)'' اور تم نکاح نہ کرنا نبی علیہ السلام کی بیویوں کے ساتھ ان کے بعد بھی کبھی بھی۔

یعنی جب کہ ہر مرنے والے کی بیوہ عدت وفات نکال کر دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے بلکہ بیوگان کا نکاح اسلام میں پسندیدہ ہے۔ لیکن چونکہ سید دو عالم ﷺ زندہ ہیں، اس لئے ان کی بیویاں ان کے نکاح ہی میں سمجھی جائیں گی۔ جیسا کہ خود سید دو عالم ﷺ نے ازواج مطہرات کا خرچہ مقرر فرما دیا تھا۔ حالانکہ وہ تو ۸/۱ حصہ لے کر دست بردار ہو جاتیں۔

۲...... آپ ﷺ کا ترکہ تقسیم نہیں کیا گیا اور یہی حال سب انبیاء علیہم السلام کا بیان کرتے ہوئے امام انبیاء سید دو عالم ﷺ نے فرمایا: ''نحن معشر الانبیاء'' ہم نبیوں کی جماعت کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ کی شرح میں فرمایا: ''لان نفقۃ نساءبعدہ تتعلق بحیاۃ کل واحدۃ منھن... لانہ علیہ السلام حی فی قبرہ و کذلک سائر الانبیاء'' (مرقاۃ ج۱۱ ص۲۵۶)

۳...... ہر مرنے والے سے اس کی زندگی کے حقوق اور مراعات ختم ہو جاتی ہیں اور ان کو ختم سمجھا جاتا ہے۔ اگر وہ کسی ملک کا بادشاہ تھا تو اب حکومت ختم۔ اگر وہ امام تھا تو اب امامت ختم۔ جو بھی مراعات اور حقوق اس کو حاصل تھے، اب موت پر ختم ہو گئے۔ مگر امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کی وہ تمام صفات عالیہ جو اس عالم ناسوت میں

آپ ﷺ کو حاصل تھیں، وہ اب بھی حاصل ہیں بلکہ انوار الٰہیہ اور برکات سماویہ کا نزول دنیاوی حیات سے زیادہ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ''وللآخرۃ خیر لک من الاولی (الضحیٰ: ۴)'' اور یہ یقینی بات ہے کہ آخرت کی زندگی آپ کے لئے اس پہلی زندگی سے بہتر ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت اب بھی قائم ہے اور آپ ﷺ قیامت تک کے لئے نبی ہیں۔ قیامت تک ہر انسان آپ ﷺ پر ایمان لانے کا مکلف ہے اور جب بھی کسی کو دولت اسلام کا شرف حاصل ہوگا تو وہ توحید خداوندی کے ساتھ اسی طرح آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کرے گا۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ پر ایمان کی دولت حاصل کی۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے نزول کے بعد تشریف لائیں گے تو وہ بھی آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔

ف: نبوت اور رسالت تو آپ ﷺ کا وصف ہے اور وصف بلا ذات قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر نبی علیہ السلام کی ذات کو حیات حاصل نہیں تو آپ ﷺ کی وصف رسالت اور نبوت کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟ اس لئے آج بھی روضہ اطہر میں آپ ﷺ اسی طرح رسول اور مرسل ہیں جس طرح دور صحابہ میں رسول تھے۔ قرآن عزیز نے آپ ﷺ کو امیین اور آخرین دونوں طبقوں میں مبعوث فرمانے کا اعلان فرمایا ہے: ''هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الجمعۃ: ۲،۳)'' اسی اللہ تعالیٰ نے امی لوگوں میں بڑا رسول بھیجا جو ان ہی میں سے ہے، ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتا ہے اور ان کو پاکیزہ بناتا ہے اور ان کو کتاب اور دین کی باتیں سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے اور یہی نبی سب پچھلوں کے لئے بھی ہے جو آج تک اس سے نہیں ملے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔

یعنی جس طرح آپ ﷺ ان لوگوں کے لئے نبی مبعوث ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے موجود تھے، اسی طرح آپ ﷺ آخرین کے لئے بھی نبی مبعوث ہیں اور آخرین کا اطلاق قیامت تک کے لئے تمام انسانوں پر ہوتا ہے اور آپ ﷺ کو یہ رسالت اور نبوت سرمدی کیوں عطاء کی گئی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم (الجمعۃ: ۴)'' یہ اللہ کا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یعنی سید دو عالم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کو نبوت دائمہ سے سرفراز فرمایا۔

۴...... غیر نبی کا اپنے گھر میں دفن کرنا درست نہیں۔ مگر نبی اور سید الانبیاء ﷺ کی آخری آرام گاہ وہیں بنادی گئی جہاں آپ ﷺ بوقت وفات تشریف فرما تھے۔ ملا علی قاری نے روایت نقل فرمائی: ''ما قبض نبی الا و دفن حیث قبض'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۴۱)

۵...... ہر انسان مرنے کے بعد دعائے مغفرت اور استغفار کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کی خواہ وہ کتنا ہی نیک اور صالح کیوں نہ ہو، نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جس میں اس کی مغفرت کے لئے دعا کی جاتی ہے اور قبر میں دفن ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنے پسماندگان کی طرف سے استغفار کا طالب اور منتظر رہتا ہے مگر نبی اور پھر سید الانبیاء ﷺ کے حضور گناہگاروں کو طلب مغفرت کے لئے حکم دیا گیا ہے، جس کی تفصیل بقدر ضرورت گزر چکی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی بلکہ درود شریف پڑھا گیا۔

۶...... حضور نبی کریم ﷺ روضۂ اقدس میں بھی اپنے وظیفہ عبادت میں معروف ہیں۔ بالفاظ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: ''ابن مبارک نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جس میں نبی اکرم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔''

تلخیص مجموعہ روایات سے علاوہ فضیلت حیات واکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ ﷺ کے یہ مشاغل ثابت ہوئے۔ اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، سلام سننا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً (ہمیشہ کے لئے) ثابت ہیں اور احیاناً (کبھی کبھی) خواص امت (اولیاء علماء) سے یقظہ (بیداری) میں کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار واخبار میں مذکور ہے۔ (نشر الطیب ص ۳۵۹)

۷...... قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کے سامنے بھی یہی اشکال پیش کیا گیا جس کا جواب حضرت نے جو ارشاد فرمایا وہ درج کیا جاتا ہے:

ایک درود شریف حضرت مولانا قدس سرہ نے حضرت قطب العالم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا تھا جس کو احقر نے ایک کاغذ پر بدیں عبارت نقل کر لیا تھا: ''سمعت قطب الارشاد وغوث العباد ومعاذ البلاد مولانا رشید احمد گنگوہی وقت حضوری بحضرة العلية يوم الاثنين ثالث عشر من شهر الله المحرم ۱۳۲۳ھ يقول انی رايت قطب العالم الشيخ عبد القدوس كنكوهی قدس سره فی المنام وهو قائم فی روضته المقدسة مكان دفنه وهو يصلی علی النبی ﷺ بهذه الصيغة اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد بعدد كل ذرة الف الف مرة''

احقر نے وفات حضرت قدس سرہ سے کچھ پہلے غالباً اسی مرتبہ جب کہ درود شریف موصوف حضرت سے سنا، یہ عرض کیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً سردار انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا حیات النبی ﷺ ہونا مسلم ہے اور آیت کریمہ: ''انک میت وانهم ميتون'' سے آپ ﷺ کا میت ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے جواب میں کچھ ایسی پر تاثیر تقریر فرمائی کہ جو مشاہدہ وسماع پر موقوف ہے، الفاظ اور مطلب بسبب قلت وقت کے پوری طرح محفوظ نہیں رہا، مگر خلاصہ اس کا کچھ ایسا تھا کہ موت سب کو شامل ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی ارواح مشاہدہ جمال وجلال حق تعالیٰ وتقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے۔ تمام جسم ان کا عین ادراک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہے۔ اس تحقیق سے نکتہ ''ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء'' ظاہر ہوتا ہے۔ الی آخر ما قال قدس سرہ بوقت بیان اس مضمون کے اس قسم کا اثر قلب پر تھا کہ گویا وہ حالت مشہود اور عجیب کیفیت اور سرور تھا۔ ''فقط والسلام علی من اتبع الهدی والتزم طريقة المصطفی صلوات الله وسلامه عليه وعلی آله واصحابه واتباعه الی يوم الدين۔ وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين'' (تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۲۸، ۲۹)

سوال نمبر ۳: جب کسی خوش بخت کو سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہو گیا تو وہ صحابی بن گیا۔

جواب: صحابی ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہو، مگر پھر بھی جسے زیارت نصیب ہو جائے یا اس ارادہ نیت کے ساتھ مدینہ منورہ جائے گا، اس کو اتنا ہی اجر وثواب ملے گا۔ جیسا کہ دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم مولانا محمد اعزاز علی صاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا: ''ان له اجرا كاجر من زارنی حيا والمشبه لايعطی حكم المشبه به من كل وجه'' (حاشیہ نور الایضاح)

یعنی سید دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی "من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی" "جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، وہ اسی طرح ہے جس طرح اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو) اگر چہ وہ زیارت کرنے والا صحابی تو نہیں کہلایا جا سکتا مگر اس ارشاد عالی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا، جتنا امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ میں زیارت کرنے والے کو ملتا تھا۔

سوال نمبر ۴: اگر مان لیا جائے کہ جناب رسول کریم ﷺ کی حیات از قبیل حیات دنیاوی ہے تو پھر آپ ﷺ کہاں سے کھاتے اور پیتے ہیں؟ خوراک کے بغیر زندگی تو امر محال ہے؟

جواب: حیات کے لئے اس خوراک کا ہونا ضروری نہیں جو ہم کھاتے ہیں۔ آخر فرشتے بھی تو زندہ ہیں۔ تو کیا وہ بھی خوراک کھاتے ہیں؟ پھر اس دنیا میں جب کہ سید دو عالم ﷺ تشریف فرما تھے، اس وقت بھی آپ ﷺ کئی کئی دن تک بظاہر نہ کھاتے تھے۔ مگر اپنے رب کے ہاں سے کھایا کرتے تھے جس کو مادی انسان نہ سمجھ سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال، آسمانوں میں زندہ ہیں؟

چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے صوم وصال رکھنے کی اجازت طلب کی۔ (یعنی رات کو بھی افطار نہ کریں) تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضرت! آپ ﷺ خود بھی تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایکم مثلی فانی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی" "تم میں سے میری مثل کون ہے میں تو اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

یہ ارشاد گرامی واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ ﷺ کے رزق کا معاملہ دوسرے معاملات کی طرح عام انسانوں سے بالکل علیحدہ اور ممتاز تھا۔ یہ سب وساوس اور خطرات دراصل اس لئے پیش آتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو عام انسانوں سے ہر معاملے میں ممتاز اور جدا نہیں سمجھا جاتا۔

چنانچہ شارح مشکوۃ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سابق استاذ دارالعلوم دیوبند وسابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور فرماتے ہیں: "ہم تو انسان کے لئے بھی ایسے رزق کا ملنا ممکن سمجھتے ہیں جو رسول کریم ﷺ کا تمتع ہو تو آپ ﷺ کے لئے اس طرح رزق کا ملنا کیسے ناممکن ہو سکتا ہے؟ (تعلیق ج ۱ ص ۳۸۳)

سوال نمبر ۵: قرآن کریم اور بعض احادیث میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی ارواح جنت میں ہوتی ہیں اور کافروں کی سجین میں تو پھر قبر میں کس طرح زندگی مانی جا سکتی ہے؟

جواب: اس شبہ کا جواب مفصل اور مدلل گزر چکا ہے۔ یہاں اتنا مزید عرض ہے کہ اگر روح کے مستقر کو علیین اور سجین میں مان بھی لیا جائے تو بھی اس کا تعلق اس بدن خاکی کے ساتھ رہتا ہے جس سے وہ سلام کہنے والوں کا جواب دے سکتا ہے۔ منکر نکیر کا جواب دے سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض دفعہ جبریل امین جن کا مستقر تو آسمان تھا مگر وہ اس حد تک سید دو عالم ﷺ کے جسد اطہر کے قریب ہو جایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے ران مبارک پر دونوں ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح روح کا بدن کے ساتھ اتصال رہتا ہے جس کی بناء پر عذاب یا راحت تو روح کو ملتی ہے مگر بدن کو بھی دکھ یا خوشی محسوس ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری از قاضی ثناء اللہ پانی پتی سورۃ تطفیف)

ف: سورج کا مستقر تو زمین سے ہزارہا میل دور ہے مگر اس کی شعاعیں، روشنی اور دھوپ زمین پر اثر

انداز ہوتی ہیں اور آج کل تو ان لوگوں کو یہ اعتراض ہی نہ کرنا چاہئے جب کہ علوم جدیدہ نے انسان کو اتنی قوت دے دی ہے کہ وہ زمین پر رہتے ہوئے ہزار ہا میل دور خلائی جہاز اور راکٹ کو بلا کسی محسوس واسطے کے کنٹرول کر رہا ہے۔

سوال نمبر ۶: اگر حیات قبر کو مان لیا جائے تو اس سے قبر پرستی اور شرک اعتقادی اور عملی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

جواب: اس جواب کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھا جائے کہ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم فرمایا۔ قرآن کریم کی کئی آیات کے علاوہ خود سورہ فاتحہ میں ہر مسلمان پڑھتا ہے۔ اس صراط مستقیم کے ساتھ ہی دو امتوں کا ذکر فرمایا جو اسلام سے پہلے گزر چکی ہیں۔ ایک کو "مغضوب علیہم" اور دوسری کو "الضالین" سے تعبیر فرمایا۔ اس کی تفسیر قرآن کریم ہی نے خود فرمائی ہے: "مغضوب علیھم" تو یہودی ہیں "فباءو بغضب علی غضب (البقرۃ: ۹۰)" اور الضالین نصاریٰ ہیں۔

یہودیوں کے مغضوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ان کی تکذیب کرتے کرتے ان میں سے بعض کو شہید بھی کر ڈالا۔ "ففریقا کذبتم و فریقا تقتلون (البقرۃ: ۸۷)" اور عیسائیوں کے ضالین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا، خدا کا تہائی اور خدا کا بیٹا کہہ ڈالا اور یہ سب محبت کے غلو اور اندھے پن میں کہہ گئے۔ قرآن عزیز نے فرمایا:

"لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم (المائدۃ: ۷۲)"

"لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ (المائدۃ: ۷۳)"

"وقالت النصری المسیح ابن اللہ (التوبۃ: ۳۰)"

یعنی یہودیوں نے تو انبیاء علیہم السلام کی توہین اور بے ادبی کو اپنا شعار بنا لیا اور عیسائیوں نے محبت اور عقیدت میں خداوند قدوس کے تقدس پر ہاتھ ڈالا۔ قرآن حکیم نے ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کا حکم دیا کہ نہ تو بے ادب اور گستاخ بنو اور نہ مشرکانہ امور اور عقائد کو اختیار کرو۔ جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: "یا ایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین اٰذوا موسی (الاحزاب: ۶۹)"

یہ خطاب ایمان لانے والوں کو ہے کہ ان لوگوں کا وطیرہ اور طریقہ اختیار نہ کرو جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ذہنی کوفت پہنچائی تھی اور نہ ہی تم عیسائیوں کی طرح کسی بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شریک کرو۔ جیسا کہ امام الانبیاء سید دو عالم ﷺ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا: "انا عبد اللہ و رسولہ" کلمہ شہادت، اذان، اقامت میں یہی اعلان کروایا کہ سید دو عالم ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس: ہم بحمدہٖ تعالیٰ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔ ادھر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عقیدت کو رکن ایمان سمجھتے ہیں، اسی طرح ہم قرآن عزیز اور حدیث سید دو عالم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں یہ عقیدہ اسلامی سمجھتے ہیں کہ موت کے بعد بھی برزخی زندگی سب کو حاصل ہے تو حضور انور ﷺ کو کیوں حاصل نہیں؟ اگر ایک صحیح عقیدہ کی بناء پر کوئی آدمی یا طبقہ غلط عقیدہ استوار کرلے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ صحیح عقیدہ ترک کر دیا جائے بلکہ ہماری تو یہ دیانت داری کے ساتھ رائے ہے کہ اگر عقائد اسلامیہ کو خصوصاً برزخی عقائد کو قرآن اور سنت کی روشنی میں بیان کیا جائے تو آج امت کے ایک بڑے حصے کے دینی فسادات کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور بغض و عداوت کے جذبات پیار و محبت میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۷: اگر میت سنتی ہے تو پھر حضرت عزیر علیہ السلام نے سو سال تک میت رہنے کی صورت میں یہ کیوں نہ محسوس کیا کہ بادل گرجتے ہوں گے۔ ہوائیں چلی ہوں گی۔ غیر آباد جگہ میں کئی حیوانات بولے ہوں گے۔

جواب: سماع کا تعلق قوت سامعہ کے ساتھ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو نہ سنیں وہ زندہ نہ ہوگا۔ آخر اصحاب کہف جن کا ذکر سورۃ کہف میں موجود ہے کہ وہ تین سو نو سال سوئے رہے، پھر جب جاگے تو کہا: ''لبثنا یوما او بعض یوم'' تو کیا وہ بھی مردہ تھے؟ بلکہ یہ تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بعض لوگ ریل گاڑی میں سو جاتے ہیں اور اس قدر چیخ و پکار بھی ان کو نہیں جگا سکتی۔ اس لئے حضرت عزیر علیہ السلام کا اس وقت نہ سننا، ان کی موت کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو حیات الانبیاء کی دلیل ہے کہ ایک سو سال کا عرصہ گزرنے پر بھی بدن اور لباس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

سوال نمبر ۸: عقیدہ حیات النبی ﷺ اسلام کا بنیادی عقیدہ نہیں، ورنہ اس کو بھی ضروری عقائد میں درج کیا جاتا؟

جواب: یہ عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک لاکھوں انسان روزانہ دربار اقدس رحمت دو عالم ﷺ پر حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام پیش کر کے جواب کی سعادت سے مشرف ہوتے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کاشمیری نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے: ''ان الاف الالوف من السلف کانوا یشیدون رحالھم لزیارۃ النبی ﷺ ویزعمونھا من اعظم القربات''

(فیض الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۴۳۳)

لکھو کھا بزرگان دین اور علماء کرام ہمیشہ سید دو عالم ﷺ کی زیارت کے لئے دور دراز سے آتے ہیں اور آرہے ہیں اور اس کو بڑی عبادت یقین کرتے ہیں۔

جس طرح سید الانبیاء ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح یہ عقیدہ بھی بنیادی اور ضروری ہے۔ شیخ ابو عبداللہ فضل اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''معتمد فی المعتقد معروف تور پشتی'' (چلپی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا یوں ذکر فرمایا ہے: ''المعتمد للامام شہاب الدین فضل اللہ تور پشتی'') میں فرمایا ہے: ''از اں جملہ آنست کہ بداند کہ زمین کالبد ایں ہارا از خورد و بوسیدہ نشود و چوز مین از وے شگافہ شود کالبد بحال خود باشد و حشر دے و دیگر انبیاء علیہم السلام چنیں باشد حدیث درست است کہ: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' ضروری عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ عقیدہ یہ رکھے کہ انبیاء علیہم السلام کے مبارک بدنوں کو مٹی نہیں کھا سکتی اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ (ص ۱۰۷ مطبوعہ ۱۲۸۸ھ)

سوال نمبر ۹: منکرین حیات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ چند مولویوں نے بنا لیا ہے۔ ورنہ جمہور علماء کا یہ عقیدہ نہیں ہے؟

جواب: یہ شبہ بالکل غلط ہے۔ جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً امام الانبیاء ﷺ اسی عنصری بدن مبارک کے ساتھ زندہ ہیں۔ چنانچہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۳ھ) نے (القول البدیع ص ۱۷۲) میں فرمایا ہے: ''ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکلہ الارض والاجماع علی ھذا'' اور اسی طرح وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر اور جامعہ فاروقیہ کے شیخ الحدیث جناب مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مرتبہ کشف الباری شریف میں فرمایا ہے: ''انبیاء علیہم السلام کی حیات کے متعلق علمائے دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبند کا ہے بلکہ تمام امت کا ہے۔'' (کشف الباری کتاب المغازی ص ۱۲۵)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر ہر زمانہ کے محقق علماء کرام نے مستقل کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ جیسا کہ پانچویں صدی ہجری کے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی موضوع پر ایک رسالہ "حیات الانبیاء علیہم السلام" تحریر فرمایا جو مطبوعہ اور دستیاب ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کا مختصر سا تعارف درج ذیل ہے: "آپ شعبان ۳۸۴ھ میں خراسان کے مردم خیز قصبہ خسرو جرد میں پیدا ہوئے۔ دور دراز کے سفر کئے۔ علوم تفسیر و حدیث میں خصوصی طور پر اس زمانہ کے ائمہ حدیث و تفسیر سے فیض حاصل کیا۔ ۱۰ ر جمادی الاوّل ۴۵۸ھ کو نیشاپور میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف ایک ہزار سے زیادہ ہیں جن میں "سنن کبریٰ" گیارہ جلدوں میں ہے۔ باقی تالیفات بھی حدیث تفسیر کے موضوع پر ہیں۔

اسی طرح دسویں صدی ہجری کے مجدد امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بھی "حیات الانبیاء" پر مستقل کتاب لکھی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا مختصر سا تعارف درج ذیل ہے: "امام جلال الدین رحمہ اللہ مصر کے قصبہ اسیوط میں ۸۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ اس علاقہ کے تمام علمی مراکز سے استفادہ کیا۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار ہے جن میں سے تفسیر کے متعلق چوبیس کتب ہیں۔ تفسیر ترجمان القرآن، درمنثور اور مشہور تفسیر جلالین جو آج تک متداول ہے، اس کی تیرہ شروح لکھی گئی ہیں۔ سلطان وقت تاتبائی ان کے بڑے معتقد تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ مجھے پچاس مرتبہ سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ کبھی خواب میں اور کبھی بیداری میں۔ آپ رحمہ اللہ نے حیات الانبیاء علیہم السلام خصوصاً "حیات سید الانبیاء ﷺ" کے مقدس موضوع پر کتاب لکھی ہے جو متداول ہے۔ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ (تذکرۃ المفسرین)

برصغیر میں اسی موضوع پر اردو زبان میں "آب حیات" نامی کتاب بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمائی جس کا ذکر مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

ابھی حال ہی میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا عبد القدیر سابق شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی نے اردو زبان میں علمی دلائل سے مزین کتاب بنام "ارشاد العلماء" شائع فرمائی، جو علماء کرام کے لئے قابل دید ہے۔ اس لئے منکرین حیات کا یہ اعتراض صرف مغالطہ کے لئے ہے۔

سوال نمبر ۱۰: آج بھی دنیا میں کئی انسانوں کے ڈھانچے ویسے بھی موجود ہیں اور جو لاشیں ممی کی جاتی ہیں وہ تو ہزارہا سال محفوظ رہتی ہیں تو بدن کا سلامت رہنا صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ کیسے ہوا؟

جواب: (۱) جسد سے مراد صرف ظاہری ڈھانچہ نہیں بلکہ پورا بدن ظاہری اور باطنی اعضاء کے ساتھ مراد ہے۔ جو ڈھانچے بعض مقامات پر مل جاتے ہیں، وہ صرف ظاہری ہڈیاں اور اعضاء ہوتے ہیں۔

(۲) کسی انسان کے تصرف کے بغیر صرف انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ محفوظ رہے ہیں یا دوسرے صلحاء امت کے باقی رہتے ہیں۔ دوسرے انسانوں کے بدن تو کافی ادویات کی وجہ سے کچھ وقت باقی رہ سکتے ہیں مگر بعد میں گل سڑ جاتے ہیں۔

(۳) حدیث میں "الارض" کا کلمہ آیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زمین پر ان پاکیزہ اجسام کو حرام کر دیا ہے۔ یہ لاشیں تو ادویات کے ساتھ تابوت یا شیشے کے کور میں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ ایسا کوئی بدن نہیں ملتا جو کئی سال تک زمین پر پڑا رہا ہو اور وہ آب و ہوا اور زمین کے اثرات سے محفوظ رہا ہو۔ صرف انبیاء علیہم السلام یا صلحائے امت پر خداوند کریم کی یہ خاص نوازش ہے۔

سوال نمبر ۱۱: جو آیات یا احادیث حیات بعد الموت کے بارے میں نقل کی گئی ہیں، ان کا تعلق قیامت کے دن زندہ ہونے سے ہے جو سب مانتے ہیں۔

جواب: یہ ایک مغالطہ دیا جاتا ہے۔ حیات بعد الموت، موت کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے۔ قبر میں بھی زندہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مفسر القرآن امام ابو بکر الجصاص حنفی رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) نے اپنی (تفسیر احکام القرآن ج۱ ص ۹۳) پر فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''قیامت کے دن زندہ ہونا تو سب جانتے ہیں، اگر یہ مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ ''ولٰکن لا تشعرون'' نہ فرماتے بلکہ اس سے مراد قبر کی زندگی ہے۔ جب مومنوں کو قبر میں راحت اور آرام ملتا ہے تو کافروں کے لئے عذاب بھی ثابت ہو گیا۔ اس لئے منکرین عذاب وثواب کا عقیدہ باطل ہے۔''

چند ضروری گزارشات

۱...... احقر نے یہ مضمون اور یہ کتاب خلوص قلب کے ساتھ اس لئے لکھی ہے کہ اس کی برکت سے کوئی غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو جائے تاکہ آگ کے عذاب سے بچ جائے اور مسلمان بھائی سید دو عالم ﷺ کی بے ادبی اور غیر ارادی گستاخی سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

۲...... مجھے اس کتاب کی تصدیق اور تصویب کے لئے کسی داد و دہش کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس عقیدہ پر بحث و تکرار کی غرض ہے سید دو عالم ﷺ کی تصدیق اور خوشنودی میرے لئے سرمایہ سعادت دارین ہے۔ ''الحمد للہ والشکر للہ''

۳...... سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا منامی شرف یا بیداری میں زیارت کا شرف ایک عظیم نعمت خداوندی ہے بلکہ بے نظیر رحمت ہے مگر اس کا تعلق اپنی روحانی بصیرت اور ایمانی وجدان ہے۔ اس لئے اگر سید دو عالم ﷺ کی زیارت کا شرف کسی سعادت مند کو حاصل ہو گیا اور کسی نے اس کی تصدیق نہ کی تو اس سے دست و گریبان نہ ہونا چاہئے۔

۴...... اگر کسی کو یہ سعادت حاصل نہ ہوئی اس نے عالم بیداری یا عالم خواب میں حضور انور ﷺ کے رخ پر انور کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا اور ویسے کسی غرض سے یہ کہہ دیا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے یا حضور انور ﷺ اس کے گھر تشریف لائے ہیں تو ایسے آدمی کے لئے سید دو عالم ﷺ کی سخت وعید ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار'' جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا چاہئے۔

یہ وہ حدیث ہے جس کو عشرہ مبشرہ (ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم) نے روایت کیا ہے۔ اس لئے اس عقیدہ میں صداقت اور احتیاط ضروری ہے۔

۵...... بفضلہ تعالیٰ رحمت کائنات ان متلاشیان حق کے لئے باعث رحمت ہو گی جو علمائے دیوبند پر لگائے جانے والے الزامات کو اپنی ایمانی بصیرت سے صرف الزام ہی سمجھتے ہیں۔ مگر انہوں نے عقائد اکابر وعلماء دیوبند پوری وضاحت کے ساتھ تا حال مطالعہ نہیں کئے تھے۔ ان حضرات کے لئے یہ کتاب ان شاء اللہ! اسی طرح مشعل راہ ہو گی جس طرح الہامی مدرسہ دار العلوم دیوبند پر لگائے ہوئے اتہامات کا جواب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نے اپنی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں دیا تھا، جو کہ حاسدین نے خوف خداوندی

سے نڈر ہو کر ان اکابر پر لگائے تھے۔ اسی طرح عامۃ المسلمین عقائد علماء دیو بند کو جو کہ اسلامی عقائد ہیں، اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور وہ کسی بھی غلط نظریہ کو علمائے دیو بند کی طرف منسوب نہ کریں گے اور دیو بند کی آڑ میں اپنے عقائد پھیلانے والوں سے خبر دار رہیں گے۔

مشورہ: اگر آپ عقائد علماء دیو بند کو سمجھنا چاہیں تو ''عقائد علماء دیو بند'' نامی کتاب کا مطالعہ فرمادیں اور ساتھ ہی شیخ السلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کی مرتبہ کتاب ''الشہاب'' کا مطالعہ بھی فرمادیں۔ ان شاء اللہ! آپ کی پوری تسلی ہو جائے گی۔

۶..... ''رحمت کائنات ﷺ'' میں ہر مسئلہ بادلیل لکھا گیا ہے اور زیادہ حوالہ جات اکابر علماء دیو بند کی کتابوں کے دیئے گئے ہیں، تاکہ ان پر عائد کردہ الزامات کا ازالہ ہو سکے اور اہل اسلام کو قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح اسلامی عقائد سے واقفیت ہو جائے۔ واللہ الموفق!

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے نقش روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی بزم کون ومکاں کو سجایا گیا
وہ محمد بھی احمد بھی حامد بھی محمود بھی حسن مطلق کا شاہد بھی مشہود بھی
علم وحکمت میں وہ غیر محدود بھی ظاہرا امیوں میں اٹھایا گیا
اس کی شفقت ہے بے حد وبے انتہا اس کی رحمت تخیل سے بھی ماوراء
جو بھی عالم جہاں میں بنایا گیا اس کی رحمت سے اس کو بسایا گیا
حشر کا ڈر مجھے کس لئے ہو قاسم میرا آقا ہے وہ میرا مولا ہے وہ
جس کے قدموں میں جنت بسائی گئی جس کے ہاتھوں سے کوثر لٹایا گیا

تنبیہ: منکرین حیات ایسی کتابوں کے بارہ میں عموماً اور رحمت کائنات کے بارہ میں خصوصاً یہ کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں صرف قصے کہانیاں ہی درج ہیں۔ یہی اعتراض کافروں نے قرآن عزیز پر کرتے ہوئے کہا تھا۔

''وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملٰی علیه بکرة واصیلا (الفرقان:۵)'' اور کہنے لگے یہ تو کہانیاں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے پس وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح وشام۔

قرآن عزیز نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''یہ قصے کہانیاں نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔'' ارشاد قرآنی ہے: ''قل انزله الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض (الفرقان:۶)'' آپ فرمادیجئے (یہ بات نہیں) بلکہ اتارا ہے اس قرآن کو اس اللہ تعالیٰ نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں اور زمین میں۔

اسی طرح کفار قبروں سے زندہ نکلنے کو بھی پہلوں کی کہانیاں کہا کرتے تھے۔ قرآن عزیز میں فرمایا:

''وقال الذین کفروا ءاذا کنا ترابا وأباؤنا ائنا لمخرجون۔ لقد وعدنا هذا نحن واباؤنا من قبل ان هٰذآ الا اساطیر الاولین (النمل:۶۷،۶۸)'' اور کافر کہتے ہیں کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے کیا ہم کو زمین سے زندہ نکالا جائے گا، یہی وعدہ کیا گیا ہے ہمارے ساتھ اور پہلے بھی ہمارے باپ دادوں کے ساتھ یہ تو پہلوں ہی کی کہانیاں ہیں۔

یعنی کافر یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا ہم کو قبروں سے زندہ نکالا جائے گا؟ یہ کیسے ہو سکتا

ہے؟ اور یہ بات ہمارے باپ دادا سے پہلے بھی کہی گئی تھی۔ یعنی ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو یہ فرمایا تھا کہ تم قبروں سے زندہ اسی حالت میں نکالے جاؤ گے۔ اسی لئے جو یہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں یہ بھی پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ اس لئے منکرین حیات کا یہ اعتراض انہی لوگوں کی پیروی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازے۔ آمین!

ضروری گزارش

قرآن عزیز نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ وہ ایسا کلمہ زبان سے نہ کہیں اور نہ سنیں اور نہ دل میں کسی بےادبی کا خیال لائیں، ورنہ وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۰۴ میں راعنا کا کلمہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ سید دو عالم ﷺ کی ذات عالی صفات اور مقامات نبوت اور شان نبوت میں بحث کرنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ ورنہ ایسے آدمی کی ساری عبادات برباد ہو جاتی ہیں اور اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ (وہ سمجھتا ہے علمی بحث کر رہا ہوں) سورۃ الحجرات آیت نمبر ۲ میں یہی ارشاد فرمایا۔ اس لئے ایسی کتابیں پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک ایسی ہی کتاب اپنے کتب خانہ میں رکھنے کی اجازت نہ دی بلکہ وہ جلا دی گئی تھی۔ آپ کے خلیفہ اعظم مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے ایسی کتابیں پڑھنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح ایسے بےادبوں کی تقاریر سننے سے بھی منع فرمایا۔ ان کی گفتار سے بےادبی اور گستاخی کا علم ہو سکتا ہے۔ قرآن عزیز نے ایسے لوگوں کی نشانی بتلاتے ہوئے فرمایا: ''ولتعرفنهم فی لحن القول واللہ یعلم اعمالکم'' اور تو ان کو ضرور پہچان لے گا بات کرنے کے ڈھب سے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے عملوں کو۔

یعنی جب وہ بےادب بات کرتے ہیں تو اس سے بےادبی ظاہر ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لیتے وقت ان آداب کا لحاظ نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ساتھ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ عز اسمہ، جیسے کلمات کہنے ضروری ہیں۔ ہر نبی علیہ السلام کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا اور لکھنا ضروری ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ ''ﷺ'' کہنا ضروری ہے۔ اس لئے گزارش ہے کہ نہ تو ایسے بےادبوں کی کتابیں پڑھیں اور نہ ہی ان کی تقاریر سنیں۔ ورنہ ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے۔ آمین!

ماخذ کتاب ''رحمت کائنات'' قرآن عزیز

۱...... تفسیر: بیان القرآن از حضرت تھانوی رحمہ اللہ تفسیر خازن، تفسیر عزیزی، تفسیر قرطبی، روح البیان، جمل علی الجلالین، شیخ زادہ شرح بیضاوی، شہاب شرح بیضاوی، مشکلات القرآن از شاہ صاحب رحمہ اللہ، تاویل مشکل القرآن لابن قتیبہ روح المعانی ابن کثیر، تفہیم القرآن، تفسیر فتح القدیر للشوکانی، معالم التنزیل وحی الٰہی، افادات مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ۔

۲...... حدیث: بخاری شریف عینی شرح بخاری فتح الباری شرح بخاری، تیسیر القاری شرح بخاری، فیض الباری، شرح بخاری، انوار الباری شرح بخاری، شرح تراجم البخاری از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ، الرسالہ المستطرفہ، الہام الباری، صحیح مسلم مع شرح نووی واکمال المسلم، سنن ترمذی، العرف الشذی، کوکب دری، معارف السنن، سنن ابوداؤد، بذل المجہود شرح عون المعبود، ابن ماجہ شرح انجاح الحاجہ، الجامع لاصول لاحادیث، مستدرک حاکم، نیل الاوطار، للشوکانی، سنن بیہقی، کتاب الآثار للامام محمد، ریاض الصالحین، دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین، کتاب

الزہد لابن المبارک الترغیب والترہیب للمنذری، مشارق الانوار، مسند امام اعظم، بلوغ المرام، الجواہر المنفیہ، مشکوٰۃ شریف، مظاہر حق، مرقاۃ از ملا علی قاری، التعلیق الصبیح، رحمت مہداۃ شرح مشکوٰۃ، مسند طبرانی، ترجمان السنہ کتاب البعث والنشور، المصنف، اشعۃ اللمعات، مناوی شرح شمائل، افادات محمود، خصوصیات کبریٰ للسیوطی، حیات الانبیاء للبیہقی والسیوطی۔ جمع الفوائد۔ عمل الیوم واللیلہ، التاج۔

۳...... فقہ: شامی، عالمگیری، فتح القدیر، شرح ہدایہ از ابن ہمام، فتاوی رشیدیہ، فتاویٰ نذیریہ، ارکان اربعہ از مولانا بحر العلوم لکھنوی، طحاوی شرح درمختار، زبدۃ المناسک، شرح ابانۃ الاحکام۔

۴...... عقائد: شرح عقائد نسفی، خیالی، نبراس، التمہید لابی الشکور سالمی، شرح فقہ اکبر، شرح عقیدہ طحاوی، شرح مواقف، شرح تجرید قوشجی، المسامرہ، کتاب التعبیر للاسفرائنی، قصیدہ امالی، نظم الفرائد شیخ زادہ، عقیدۃ الاسلام از شاہ صاحب۔ اکفار الملحدین، انفاس العارفین، آب حیات، التنکیت فی شرح ابیات التثبیت، کتاب النبوات لابن تیمیہ، الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول (ﷺ)، حیات الاموات، جواہر الغوالی، مشارق الانوار، الدرۃ الفاخرۃ، شرح الصدور، کتاب الروح، تبشیر الاصفیاء، السیف الصقیل، رسائل ابن تیمیہ، رسائل کوثری، المعتمد فی المعتقد للتورپشتی، ابوالمعین شرح عقائد، حجۃ البالغہ وشرح، کتاب الآداب الشرعیہ، تعبیر نامہ از ابن سیرین، کتاب الوسیلہ، لابن تیمیہ، ندائے حق، الادلۃ القویہ، اعتقاد نامہ از شاہ ولی اللہ، مصباح الظلام۔

۵...... سیرت: کتاب الشفاء، نسیم الریاض شرح شفاء، اسمی الرسالات، فیوض الحرمین، تلقیح لابن الجوزی، اکمال الشیم، جواہر البحار، سیرت النبی ﷺ از سید سلیمان ندوی ؒ۔ حیات القلوب، زرقانی، نشر الطیب، النبوۃ والانبیاء علیہم السلام۔

۶...... تصوف: التعرف لمذہب اہل التصوف، تذکرۃ مشائخ دیوبند، کشف المحجوب، الکشف، عبقات، مبدء ومعاد از حضرت مجدد الف ثانی، امداد السلوک، امداد المشتاق، رسالہ مکیہ، ذخیرہ کرامت، عشرۃ طروس، سلاسل طیبہ از حضرت مدنی ؒ، البرہان المؤید، المنن الکبریٰ، الیواقیت والجواہر للشعرانی۔ رسالہ قشیریہ۔

۷...... تاریخ: العبر فی خبر من غبر للذہبی۔ وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ ﷺ، درکامنہ، عمدۃ الاخبار، تاریخ مدینۃ الرسول، تاریخ الحرمین، شاطبی، تذکرۃ القراء، تذکرۃ المحدثین، تذکرۃ المفسرین، نزہۃ الخواطر، المنتظم لابن الجوازی، طبقات الحنابلہ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، سوانح شیخ الاسلام حضرت مدنی (منظوم)، کتاب الاموال للشقفی، تجلیات عثمانی، تجلیات رحمانی، سوانح قاسمی، نقش حیات از حضرت مدنی ؒ، مکاتیب شیخ الاسلام، مکاتیب رشیدیہ، معالم الخلافۃ، بستان المحدثین، طبقات کبریٰ از سبکی ؒ۔ حسن المحاضرہ فی اخبار مصر وقاہرہ، البدر الطالع۔ فتح افغانستان۔ الامام العاذل۔ اسیر مالٹا، تذکرۃ الرشید۔ تذکرۃ الخلیل۔ نقوش وتاثرات۔ مکتوبات علیہ المتوفیٰ رمضان ۸۰۶ھ۔

۸...... فضائل: القول البدیع فی الصلوٰۃ علی النبی الشفیع ﷺ از حافظ شمس الدین بن عبد الرحمن سخاوی ؒ ۹۰۲ھ جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام، فضائل درود شریف از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔

۹...... نعت وثناء: دیوان حسان بن ثابت۔ قصیدہ بردہ۔ لامیۃ المعجزات۔ قصائد قاسمی۔

۱۰...... رسائل: نقیب ختم نبوت، ماہنامہ دار العلوم دیوبند، الفرقان مجدد نمبر، صدق جدید لکھنو، ماہنامہ المفتی دیوبند، الصدیق ملتان، الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر، التبلیغ از حضرت تھانوی۔

چند مبارک کلمات

از: سید اخلد مدنی حفظہ اللہ

(نواسہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ مدینۃ المنورہ)

حق تعالیٰ شانہ نے دین اسلام کو پسند فرما کر قیامت تک اس کو باقی رکھنے کا اعلان فرمایا اور آقاء نامدار کی ختم نبوت کے صدقے میں اس دین مبین کی نشر واشاعت اور اس پر اٹھنے والے اعتراضات کے جوابات کے لئے اس امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلاما کے علماء راسخین کو پیدا فرمایا۔

ہمارے دور میں جس جماعت علماء حق نے اس کام کو پورے خلوص کے ساتھ احسن طور پر ادا فرمایا وہ جماعت علماء دیوبند ہے۔ امر بالمعروف کا شعبہ ہو، نہی عن المنکر ہو، تبلیغ ہو، جہاد ہو، تعلیم ہو، تزکیہ باطن ہو، نت نئے فتنوں کی سرکوبی ہو۔ امت کی راہنمائی ہو، ہر ہر میدان میں علماء دیوبند نے ہراول دستے کا کردار ادا فرمایا۔

پاکستان میں ایک فتنہ ''حیات الانبیاء علیہم السلام کا انکار اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر النبی ﷺ'' کو بعض علماء نے بڑی شدومد کے ساتھ ابھار کر امت میں اختلاف وافتراق کا بیج بونے کی کوشش کی جن کو عرف عام میں مماتی اشاعتی کہتے ہیں۔ مگر علماء حق نے بروقت اس فتنے کی سرکوبی کی اور اس خالص پاکستانی فتنے کو ختم فرمادیا۔

ان علماء ربانیین میں ایک ممتاز نام ومقام ہمارے نانا جی شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کے انتہائی مخلص خادم اور شاگرد رشید حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ آپ نے سب سے پہلے اس فتنے کے خلاف اور حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر انتہائی مقبول ومحبوب کتاب بہ نام ''رحمت کائنات'' تحریر فرمائی، جس کی مقبولیت عنداللہ مسلم ہے۔ اب اس کا بیسواں ایڈیشن حضرت کے جانشین مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی طبع کرارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطاء فرمائیں اور خلق خدا کو اس سے بہت زیادہ نفع اٹھانے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین!

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ہمارے بہت قدیمی تعلقات ہیں۔ آپ کی وفات پر میرے والد گرامی حضرت مولانا سید رشید الدین نور اللہ مرقدہ سب اہل خانہ کی طرف سے تعزیت کے لئے اٹک خانقاہ مدنی تشریف لے گئے۔ میرے بڑے ماموں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ اور میرے منجھلے ماموں استاد حدیث دارالعلوم دیوبند حضرت سید ارشد مدنی دامت برکاتہم العالیہ بھی بارہا اٹک تشریف لے جاتے رہے۔

اور میں خود بھی خانقاہ مدنی اٹک شہر حاضر ہوا۔ قلبی سکون اور روحانی مسرت حاصل ہوئی۔ جانشین قاضی صاحب رحمہ اللہ، مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی صاحب کے علمی مشاغل، مساجد ومدارس کی تعمیرات اور ان کا نظم ونسق اور خانقاہی معمولات دیکھ کر دل سے دعائیں دیں۔ ''اللھم زد فزد وبارک فیہ''

اللہ تبارک وتعالیٰ حاسدین کے حسد اور ہر قسم کے فتنے اور تمام حوادثات سے ہمیشہ مامون مصؤن رکھیں۔ امین بحرمۃ سید المرسلین وسلم!

اخلد رشید الدین حسین، مقیم حال مدینۃ المنورۃ

۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

عقیدہ حیاتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن سے ثبوت

تالیف: ترجمان اہلسنت، وکیل صحابہؓ، رہبر شریعت

حضرت مولانا الحاج قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

عقیدہ حیات النبی زندہ باد — یا اللہ مدد — مذہب اہلسنت والجماعت زندہ باد

خلافت راشدہ — حق چار یار ؓ

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن سے ثبوت

از

ترجمانِ اہلسنت، وکیلِ صحابہ، رہبرِ شریعت حضرت مولانا الحاج قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مِنجانب

شعبہ نشر و اشاعت: انجمن تحفظ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم چھبر ولی
تحصیل و ضلع میانوالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

امام اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: یکم/اکتوبر ۱۹۱۴ء......وفات: ۲۶/جنوری ۲۰۰۴ء

حضرت قاضی صاحب بھیں ضلع چکوال کے رہنے والے تھے۔ چکوال شہر میں مدنی مسجد و مدرسہ اظہار الاسلام آپ کی یادگار ہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور اپنے استاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی سے مجاز بیعت تھے۔ آپ ایک متحرک عالم دین تھے۔ عمر بھر دینی تحریکوں میں سرگرم عمل رہے۔ مجلس احرار، جمعیۃ علماء اسلام کے پلیٹ فارم سے گرانقدر خدمات انجام دیں۔

اس کے بعد خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی اور پھر اس کی آبیاری میں عمر کھپا دی۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ تحریکی شخصیت ہونے کے باعث عمر بھر کسی نہ کسی طرح کسی بھی دینی خدمت سے سرشار رہے۔ فارغ رہنے کا ان کی لغت عمل میں نام نہ تھا۔

''عقیدہ حیات النبی ﷺ کا قرآن سے ثبوت'' کے نام پر ان کے کسی مضمون کو ان کے ہرلولی کے منتسبین نے پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا جو اس مجموعہ میں شریک اشاعت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ سیدنا محمد المصطفیٰ خاتم النبیین

و علی خلفاء الراشدین و علی الہ اصحابہ اجمعین، اما بعد!

منکرین حیات چونکہ اصرار کرتے ہیں کہ قرآن سے ثبوت پیش کیا جائے اور وہ خود اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ حیات النبی ﷺ قرآن کے خلاف ہے، اس لئے بندہ مختصر قرآن مجید سے اس کا ثبوت پیش کرتا ہے:

۱...... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، بل احیاء ولکن لا تشعرون (البقرۃ:۱۵۴)'' ترجمہ: (شاہ عبدالقادر مفسر دہلوی رحمہ اللہ)''اور نہ کہو جو کوئی مارا جائے اللہ کی راہ میں کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔''

ترجمہ: (شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ)''اور مت کہو واسطے ان لوگوں کے کہ مارے جاتے ہیں بیچ راہ اللہ کے کہ مردے نہیں بلکہ زندہ ہیں اور لیکن نہیں تم سمجھتے۔''

۲...... ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء عند ربھم یرزقون، فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ (ال عمران:۱۶۹)'' ترجمہ: (مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ)''اور (اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت خیال کر، بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے تقرب میں، ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں، اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطاء فرمائی۔''

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے اور دوسری آیت میں ان کو مردہ سمجھنے سے بھی منع کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو وہ قتل بھی ہوئے اور ان پر موت بھی واقع ہوئی ہے لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حیات عطاء فرما دی ہے، اس لئے اب ان کو مردہ کہنا اور سمجھنا خلاف حقیقت اور خلاف قرآن ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

منکرین حیات اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شہیدوں کے اجسام اگر کہیں نظر آتے ہیں تو ان میں کوئی زندگی محسوس نہیں ہوتی۔ اس لئے قرآن میں جو بل احیاء فرمایا ہے، اس سے مراد ان کی ارواح کی حیات ہے نہ کہ ان کے اجسام کی؟

ان کا یہ جواب بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ارواح تو کفار کی بھی زندہ ہیں۔ شہداء کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اس لئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حیات کا تعلق ان کے اجسام عنصریہ سے ہی ہے اور آیت کے الفاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ من یقتل یعنی جس کو قتل کیا گیا ہے وہ جسم ہے نہ کہ روح اور قتل کئے گئے جسم کو ہی بل احیاء میں زندہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن موت وقتل کے بعد عالم برزخ میں منتقل ہونے کی وجہ سے چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات پر پردہ ڈال دیا ہے اور وہ حیات ہم کو اس دنیا کے حواس ظاہرہ سے محسوس نہیں ہوتی، اس لئے ولکن لا تشعرون فرمایا کہ ان کے ابدان میں حیات تو ہے لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ لیکن ہمیں اس کا شعور نہ ہونے سے

یہ تو لازم نہیں آتا کہ ان کے ابدان میں کوئی حیات نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کی بناء پر ہمارا ایمان تو یہی ہونا چاہئے کہ من یقتل یعنی جو اجسام قتل کئے گئے ہیں، ان میں حیات ہے خواہ ہمیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔

عالم برزخ کا تعلق عالم غیب سے ہے اور عالم غیب کی باتوں کو حسب ارشاد خداوندی یؤمنون بالغیب بغیر دیکھنے کے ہی مانا جاتا ہے۔ بہر حال قرآنی آیات سے بطور عبارت النص عالم برزخ وقبر میں شہداء کی جسمانی حیات ثابت ہوتی ہے اور چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام شہدائے امت سے افضل ہیں اور ہمارے رسول کریم رحمت للعالمین ﷺ کی امت کے شہداء کو یہ نعمت شہادت خصوصی طور پر حضور ﷺ کی محبت واطاعت سے ہی نصیب ہوتی ہے، اس لئے اسی آیت سے بطریق اولیٰ انبیائے کرام علیہم السلام کی عالم برزخ وقبر میں حیات جسمانی بطور دلالۃ النص کے ثابت ہو جاتی ہے اور اسی بناء پر علماء حق کا اس عقیدہ پر اجماع ہو گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں ارواح مطہرہ کے تعلق سے زندہ ہیں اور بہ نسبت شہداء کے ان کی یہ حیات زیادہ قوی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں) لیکن ان کی یہ حیات اور نماز کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے، اس لئے حسب ارشاد خداوندی ہم ان ظاہری حواس سے ان کے احوال کو محسوس نہیں کر سکتے۔

ایک دوسرا مغالطہ اور جواب

منکرین حیات شہداء کی حیات کو محض روحانی ثابت کرنے کے لئے مذکورہ دوسری آیت کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں: ''احیاء عند ربھم یرزقون'' کہ وہ اپنے رب کے ہاں عالم بالا میں زندہ ہیں اور ان کو وہاں ہی روحانی رزق ملتا ہے جس کا ان کے ابدان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے؟

یہ ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جب من یقتل یعنی اجسام عنصریہ کو احیاء (زندہ) قرار دیا گیا ہے تو رزق کا تعلق ان کے انہیں جسموں سے ہوگا اور عند ربھم کے الفاظ اس رزق جسمانی کی نفی نہیں کرتے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ثابت ہے۔

۱...... حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کو حجرہ میں بند کر جاتے تھے۔ پھر جب بھی حجرہ کا دروازہ کھولتے تو وہاں ایسے پھل دیکھتے جو اس موسم میں نہیں ہوتے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''یامریم انا لک ھذا قالت ھو من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب (آل عمران:۳۷)''

ترجمہ: (شاہ عبدالقادر ؒ) اے مریم کہاں سے آیا تجھ کو یہ کہنے لگی یہ اللہ کے پاس سے، اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے قیاس۔

ترجمہ: (حضرت تھانوی ؒ) جب کبھی زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے اور یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں؟ وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق رزق عطا فرماتے ہیں۔

کیا منکرین حیات یہاں بھی من عند اللہ کے الفاظ کی بناء پر کہیں گے کہ حضرت مریم رزق (پھل) لینے کے لئے اللہ کے پاس عالم بالا میں چلی جاتی تھیں: رزق تو ان کو اس حجرہ میں ہی زمین پر ملتا تھا لیکن یہ رزق چونکہ دنیوی

اسباب کے بغیر اللہ تعالیٰ محض اور محض اپنی قدرت سے عطاء فرمادیتا تھا، اس لئے اس کو من عنداللہ سے تعبیر فرمایا۔

۲...... ارشاد خداوندی ہے: ''وان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقا فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ وشکروالہ الیہ ترجعون (العنکبوت:۱۷)''

ترجمہ: (حضرت تھانوی ﷫) تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ سو تم رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور تم کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

ترجمہ: (شاہ رفیع الدین دہلوی ﷫) بے شک جن کو پوجتے ہو اللہ کے سواء مالک نہیں تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو۔ اللہ کے ہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو اس کی طرف پھر جاؤ گے۔

مندرجہ بالا آیت میں عنداللہ کے الفاظ میں یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق (روزی) ڈھونڈو، تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے بندے مقام علیین میں پہنچ کر اپنا رزق حاصل کریں؟ تو جب ان دونوں آیتوں میں عنداللہ کے الفاظ مذکورہ ہیں، لیکن وہ رزق بندوں کو زمین سے ہی دیا جاتا ہے جس کا تعلق ان کے اجسام عنصریہ سے ہی ہے تو اسی طرح شہداء کرام کے بارے میں جو عند ربھم یرزقون فرمایا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم اسباب سے بالاتر ان کو جو رزق عطاء فرماتا ہے، اس کا تعلق بھی ان کے اجسام عنصریہ سے ہے جو زمین میں مدفون ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ وہ بوجہ موت کے عالم شہادت سے منتقل ہو کر عالم برزخ (قبر) میں آرام فرما ہیں۔ اس لئے ان کی حیات اور رزق خداوندی کے آثار و کیفیات کا ہم ان ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

حیات دنیوی حسی کا مطلب

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد الموت کے لئے جو بعض اکابر نے دنیوی حسی حیات کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت کے بعد ان کو من کل الوجوہ (ہر حیثیت سے) یہ دنیوی حیات حاصل ہے، بلکہ اس سے مراد عالم برزخ کی وہ حیات ہے جو ان کے اپنے ابدان میں ہے جو اس دنیا میں تھے نہ یہ کہ ان کی حیات کا تعلق محض ان کے مثالی ابدان سے ہے۔ البتہ قبر میں ان کو اس دنیا کی غذا اور دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی جسمانی حیات کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے، اس لئے تا قیامت اپنی قبور میں حیات پانے کے باوجود نہ ان کو تھکاوٹ ہوتی ہے نہ ہی کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ وہ دنیوی عوارض سے وہاں محفوظ رہتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں خود اپنی حیات کو محسوس کرتے ہیں اور حاضر ہونے والوں کا سلام سنتے ہیں ان کے سماع میں قبر مبارک کی مٹی اور دیواریں حائل نہیں ہو سکتیں۔ اسی بناء پر حضور ﷺ کا ارشاد صحیح حدیث میں منقول ہے: ''من صلی علی نائیا ابلغتہ من صلی علی عند قبری سمعتہ'' (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: جو شخص مجھ پر دور سے درود پڑھے گا وہ فرشتوں کے ذریعہ مجھ تک پہنچایا جائے گا اور جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا اس کو میں خود سنوں گا۔

اس عقیدہ سماع انبیاء کرام علیہم السلام پر امت کا اجماع ہے اور آج تک کسی قابل اعتماد دینی عالم نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اگر آج کے بعض لوگ اس کے منکر نظر آتے ہیں تو ان کی اجماع کے خلاف کوئی حیثیت نہیں۔

احوالِ نوم (نیند)

عالم برزخ وقبر کے احوال کا ایک نمونہ اس جہاں میں نیند میں بھی موجود ہے۔ خواب میں چونکہ روح کا تعلق عالم برزخ سے ہو جاتا ہے، اس لئے سویا ہوا شخص وہ حالات دیکھتا اور سنتا ہے جو اس کے پاس بیٹھا ہوا نہیں دیکھتا اور خواب بعض سچے بھی ہوتے کہ جیسا خواب میں دیکھا یا سنا تھا، ویسا ہی بیداری میں دیکھ لیا اور اس جہاں کے دریا پہاڑ اس کے مشاہدہ میں حائل نہیں ہو سکتے تو موت کے بعد تو اس سے بھی زیادہ تعلق عالم برزخ سے ہوتا ہے۔ اس کی قبر کی دیواریں وغیرہ اس کے دیکھنے اور سننے میں کیونکر حائل ہو سکتی ہیں؟

ایک شبہ کا ازالہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: "شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے جسم میں رکھا جاتا ہے اور وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں۔" تو یہ ان کی حیات جسمانی کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی روحیں جہاں بھی ہوں ان کا تعلق ان کے ابدان سے رہتا ہے۔ چنانچہ نیند میں بھی روح بدن سے جدا ہوتی ہے، لیکن اس کا تعلق جسم عنصری سے رہتا ہے۔

حیات جسمانی کی قسمیں

۱...... عورت کے پیٹ میں بچہ (جنین) رہتا ہے لیکن وہ اس دنیا کی غذا کا محتاج نہیں ہوتا۔

۲...... وہی بچہ اس دنیا میں آتا ہے تو وہ اس جہان کی غذاؤں کا محتاج ہوتا ہے۔

۳...... اس جہان کی موت کے بعد انسان برزخ وقبر کے عالم میں پہنچتا ہے اور وہاں شہداء اور خصوصاً انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات روح کے تعلق سے جسمانی ہوتی ہے، لیکن اس دنیا کی غذاؤں کے وہ محتاج نہیں ہوتے۔

۴...... انہی اجسام دنیوی کے ساتھ جنت میں اہل جنت جب چاہیں اور جتنا چاہیں جنت کے پھل کھاتے رہیں گے، لیکن ان کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی اور نہ ان کو بول وبراز کی حاجت ہوگی۔ حالانکہ اس دنیا میں یہ عوارض ان کو لاحق ہوتے تھے۔

مذکورہ چاروں مقامات میں روح کے تعلق سے جسمانی حیات پائی جاتی ہے، لیکن کیفیات اور آثار جدا جدا ہیں اور یہ سب خالق کائنات کی قدرت کے کرشمے ہیں تو پھر انبیاء اور خصوصاً رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کو اپنے روضہ مقدسہ میں قیامت تک باوجود جسد اطہر کے محفوظ ماننے کے محض بے جان اور مردہ سمجھنا، محض بے عقلی و بے شعوری کا مظاہرہ ہے اور قرآن کا نام لے کر قرآن حکیم ہی کی زیر بحث آیت کریمہ: بل احیاء ولکن لا تشعرون کی نافرمانی ہے۔

"ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة إنك أنت الوهاب (ال عمران:۸)"

دار العلوم دیوبند اور پاکستان کے علماء کا متفقہ فیصلہ

سوال: یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے۔ آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کی قبر پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں۔ کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدہ والے کی امامت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا!

جواب: آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود وحیات ہیں۔ آپ کے مزار پر پاس کھڑے ہوکر جو سلام عرض کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے، آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ اپنے مزار مبارک میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے، جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء''

''وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ'' (راوہ ابو شیخ وسندہ جید القول البدیع ص ۱۱۶)

''عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء (صلوۃ اللہ علیھم) احیاء فی قبورھم یصلون''
(رواہ ابن عدی ؒ والبیہقی وغیرھا شفاء السقام ص ۱۳۴)

تین حدیثیں نقل کردی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب! کتبہ السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند

مہر دارالعلوم دیوبند...... ۱۳؍ جمادی الاولی ۱۳۷۶ھ

الجواب الصحیح:...... مفتی جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور...... ۲۱؍ شوال ۱۳۷۶ھ

اجاب المجیب واجاد:...... محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ

الجواب صواب:...... محمد رسول خان عفی اللہ عنہ

الجواب صحیح:...... ابوزاہد محمد سرفراز صفدر عفاء اللہ عنہ گوجرانوالہ

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ کا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ

۱...... بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا کہ نہیں؟

جواب: بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

۲...... بدعتی کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یا کہ نہیں؟

جواب: مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ (فتویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۳)

اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے جبکہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہو۔ (فتویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۹۷)

پاکستان کے تمام صحیح العقیدہ اکابر علماء ومشائخ کا متفقہ فیصلہ تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی البرزخ والقبور تالیف لطیف علامہ ابوزاہد محمد سرفراز خان صفدر گوجرانوالہ ص ۱۴۱ طبع دوم ملاحظہ کریں۔

نوٹ: تمام صحیح العقیدہ ائمہ اور خطباء حضرات سے پرزور اپیل ہے کہ وہ عوام الناس تک اس مسئلہ حیات النبی ﷺ کو پہنچائیں اور ان کو سمجھائیں اور اپنا صحیح العقیدہ ہونے اور نبی الکریم ﷺ سے عقیدت ومحبت کا ثبوت دیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

عقیدۃ المحدثین

علیٰ

حیوۃ النبیین

تالیف:

حضرت مولانا سید میرک شاہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ

قالت لہم رسلہم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ

جزء
ماورد فی

عَقِیدَۃُ الْمُحَدِّثِیْن
علیٰ
حَیٰوۃِ النَّبِیِّیْن

تالیف

عبدہ الاواہ محمد مختار اللہ المدعو الشاہ میرک شاہ الاندرابی عفا اللہ عنہ و عن والدیہ

وقد ثبت

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ایکم مثلی ان اللہ حرم اجساد الانبیاء علی الارض ان الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون۔
مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا سید میرک شاہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک جید اور متبحر عالم دین تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۱۸ء میں فراغت حاصل کی۔ دربھنگہ، مرادآباد اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے رہے۔ ملکانہ راجپوتانہ میں جب شدھی کی تحریک چلی تو دارالعلوم کے تبلیغی وفد میں آپ بھی شریک تھے۔ آپ کی جدوجہد نے مسلمانان علاقہ کو ارتداد سے محفوظ رکھا۔

بعد میں آپ لاہور آگئے اور جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ کے آپ صدر المدرسین بھی رہے۔ جیسا کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند از جناب سید محبوب رضوی ج ۲ ص ۱۳۲ پر تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

آپ نے "عقیدۃ المحدثین فی حیوۃ النبیین" رسالہ تحریر فرمایا جسے کتاب خانہ پنجاب لاہور ۲۶ بیرون دروازہ نے شائع کیا۔ اس رسالہ کو مولانا اعزاز علی کتب خانہ عزیزیہ دیوبند سے بھی شائع کرنا چاہتے تھے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس رسالہ کو ملاحظہ فرمایا افسوس کہ مصنف کے ہمیں زیادہ حالات سے آگاہی نہ ہو پائی۔ آپ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ لاہور میں تدریس کے زمانہ میں وصال فرمایا۔ لاہور ہی میں تدفین ہوئی۔ اس مجموعہ میں اس علمی دستاویز کو شائع کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اوّلین

یہ رسالہ جو ناظرین کرام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، صرف ان مسلمانوں کے لئے اردو زبان میں تالیف کیا گیا ہے جو نقول صحیحہ کو سند مان لیتے ہیں، احادیث نبویہ کے منکر نہیں۔ کتاب وسنت کی پیروی واتباع کے دلدادہ ہیں، اور مادہ پرستی یا یورپین ملاحدہ کے طرز فکر نے ان کو اس کا عادی نہیں بنایا ہے کہ ہر بات میں اپنی عقل وخرد ہی کو معیار صداقت قرار دیں۔ اس لئے صرف اہل سنت و جماعت کو اور کتاب وسنت کے ماننے والوں کو اس کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

اس رسالہ میں مؤلف نے صرف منقولات کو پیش کیا ہے اور صحت وثبوت یا تشریحات سے متعلق بھی نقول ہی سے کام لیا جو اہل فن بلکہ ماہرین فن سے قابل اعتبار ذرائع سے لے کر درج کئے گئے اور اپنی طرف سے نہ تو کوئی دعویٰ پیش کیا اور نہ ہی اس کی تالیف سے کسی فرقہ کا رد یا حمایت مقصود تھی بلکہ مسئلہ کی تحقیق اور حسب امکان اس کے متعلق مختلف مباحث کو اور متعلقہ احادیث کو ایک جگہ جمع کرنا پیش نظر رہا۔ یہ سارا ذخیرہ عربی میں تھا اور علماء وائمہ حدیث نے اس کے ساتھ غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا تھا، متعلقہ روایات کو کتب حدیث میں درج کر کے ان کی تطریق اور رواۃ کی تعدیل وتنقید میں کافی سے زیادہ اپنے قیمتی اوقات کو صرف کیا تھا یہاں تک کہ فن حدیث پر وسیع ترین عبور رکھنے والے اکابر نے خاص طور سے صرف اس مسئلہ پر مستقل تصانیف کو ان احادیث کے لئے وقف کیا اور صحت وثبوت حدیث سے متعلق فنی مہارت سے کام لے کر تمام پہلوؤں کو زیر بحث لا کر انجام کار اس پر متفق ہو گئے کہ حیات انبیاء سے متعلق حدیث نبوی ﷺ کا ثابت وصحیح ہونا مسلم ہے، جس کے بعد علماء وائمہ حدیث نے اس عقیدہ کو اپنایا اور تمام ائمہ مذاہب متبوعہ اور سبھی علماء اہل سنت ہی ان کے ہمنواء ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مسئلہ اہل حق میں بدوں کسی اختلاف کے مقبول ومسلم رہا۔ اسی جذبہ کے ماتحت مؤلف نے یہ رسالہ مرتب کیا اور ائمہ حدیث نے عربی میں جو کچھ اس بارے میں فراہم کیا تھا، اس کو عربی سے اردو میں جہاں تک ہو سکا اختصار کے ساتھ تطویلات سے محترز ہو کر منتقل کر دیا تا کہ اردو دان اہل حق کو اس مسئلہ کے بارے میں محدثین اور سلف صالحین کا عقیدہ اور اس عقیدہ سے متعلق دلائل ومسائل اور روایات کا معلوم کرنا ممکن وآسان ہو جائے۔

اس مسئلہ پر مختلف گروہوں کی طرف سے خامہ فرسائیاں بلکہ ہنگامہ آرائیاں بھی ہوئی ہیں اور رد وکد میں یا طعن وتشنیع میں بہت سا وقت ایسے لوگوں نے ضائع بھی کیا ہے جو اپنے وقت کو'' تو تو، میں میں کرنے میں'' صرف کرنا اپنے وقت کا بہترین مصرف خیال کرتے ہیں، لیکن یہ سب کچھ جدل اور مناظرانہ رنگ میں یا فریق مخالف کو پچھاڑنے کی سعی میں کیا گیا ہے۔ اس لئے ایسی باتوں کو رسالہ ہذا میں نظر انداز کیا گیا۔ کیونکہ یہاں صرف مسئلہ کی تحقیق (اور وہ بھی نقلا) منظور نظر تھی۔

میں نے یہ رسالہ سب سے پہلے حضرت الشیخ مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ شیخ الفقہ والادب دار العلوم دیو بند کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔ حضرت ممدوح نے اسے پسند کیا اور اس کے طبع کرنے پر بے حد زور دیا اور اس کی اہمیت کے پیش نظر باوجود اس کے کہ بہت ہی عدیم الفرصت تھے اپنی نگرانی میں اس کی طباعت کا انتظام کرنا قبول فرمایا بلکہ کچھ حصہ کاپی نویس سے لکھوا بھی دیا تھا مگر چاہتے تھے کہ کاپیوں کی تصحیح میں خود کروں اور چونکہ اس موقع پر

بعد مسافت کی وجہ سے کاپیاں صرف بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچ سکتی تھیں۔ اس لئے موسم کی خرابی اور بعد مسافت کے علاوہ میری عدیم الفرصتی کی پیدا کردہ غیر معمولی تاخیر و دیگر اس جیسے کچھ امور اس میں مخل ثابت ہوئے۔

پھر ۱۹۵۵ء میں اس رسالہ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ العزیز نے دیکھا اور مطالعہ کے لئے اپنے پاس چند دنوں تک رکھ کر فرمایا کہ یہ رسالہ بہت مفید ہے اور ہمارے عقائد و مسلک کے مطابق ہے اس کو جس قدر جلد ہو سکے چھاپ دیجئے۔ (افسوس ہے کہ دونوں بزرگوں کی زندگی میں رسالہ چھپ نہیں سکا)

اس مسئلہ میں امت محمدیہ ﷺ کے اہل حق کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نص قرآنی (کل نفس ذائقة الموت، انک میت و انهم میتون) کے مطابق موت دنیاوی سے دوچار ہو گئے اور آپ ﷺ کے انتقال ظاہری اور وفات جسمانی کا انکار کسی نے نہیں کیا ہے۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مغلوب الحال ہو کر آپ ﷺ کی وفات کے موقع پر انتقال کے قائل ہونے والوں کو سختی سے ٹوکا تھا۔[1] لیکن سید الصدیقین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے انک میت و انهم میتون کی آیت کی تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر حاضرین نے وفات کا یقین کیا اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

پھر یہ مسئلہ بھی اہل سنت کے یہاں مسلمات میں سے ہے کہ ہر میت کو عالم برزخ میں دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور یہ کہ روح پر موت طاری نہیں ہوتی بلکہ بدن اور روح کے اس ارتباط کا زائل ہونا جس کا اثر حیات بدن ہوا کرتا ہے موت کہلاتا ہے اور اسی ارتباط کے زوال کے بعد وقوع موت کے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ یعنی نکاح منقطع ہوتا اور ترکہ کی ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ! مگر زمرہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے انتقال کے بعد بھی کچھ خصوصی امور وابستہ رہتے ہیں جو عموماً وقوع موت کے بعد قائم نہیں رہا کرتے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے لئے نکاح کا عدم جواز اور املاک کا وارثوں میں تقسیم نہ ہونا اور آپ ﷺ کی مملوکات کی آمدنی سے خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی طرف سے ازواج مطہرات کا نان و نفقہ ادا کیا جانا، اجساد انبیاء کا زمین پر حرام ہونا، دوبارہ زندہ ہو جانے کے بعد انبیاء علیہم السلام کا تا قیامت زندہ رہنا، یہ ایسے امور ہیں کہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ خصوصیت بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ عام انسانوں کی حیات و ممات سے اسی طرح شہداء کی حیات و ممات سے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ممات کی نوعیت جداگانہ ہے (و کم طیر یطیر و لا کبازی) اس لئے ارباب تحقیق اور علماء حقائق نے مذکورہ امتیاز کی بنیادی کائنات کی تلاش کی جس کے بعد ارباب تحقیق نے ممات کو ممات مستمر اور ممات غیر مستمر میں تقسیم کرنے کے بعد ممات غیر مستمر کو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت قرار دیا مگر ان کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ آپ ﷺ موت سے دوچار ہو گئے مگر موت غیر مستمر سے کیونکہ وفات کے بعد آپ ﷺ کو عالم قبر میں پھر زندہ کیا گیا جس کے بعد قبر میں زندہ ہیں، اس زمرہ کی تحقیق کو رسالہ ہذا میں کتاب شفاء السقام، شرح جامع الصغیر، تحفۃ الذاکرین وغیرہ کی عبارات میں بالفاظہا درج کیا گیا ہے اور علماء حقائق میں سے مشہور و معروف حقائق شناس حضرت قاسم الخیرات رحمہ اللہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ ممات و حیات دونوں وجودی ہیں اور یہ کہ ان میں تضاد ہے تناقض

---

[1] کما فی الحدیث سالم الطویل "لم ان رسول اللہ قبض فقال عمر واللہ لا اسمع احد" یذکر ان رسول اللہ قبض الاضربتہ بسیفی ھذا الحدیث (شمائل ص ۲۹)

نہیں۔ اس لئے من جہتین مختلفین ان کا اجتماع محال نہیں اور یہ کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی صفت ذاتی ہے اور ممات صفت عارضی، اسی کو آپ نے حیات انبیاء کی امتیازی شان قرار دے دیا یعنی انبیاء علیہم السلام پر جب موت طاری ہوتی ہے تو وہ ان کی صفت ذاتی کے ساتھ مجتمع ہو جاتی ہے اور حیات ذاتی و ممات عارضی کا اجتماع ہو جاتا ہے لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ ممدوح اس بات کے قائل ہیں کہ: ''ایک لمحہ کے لئے بھی موت مستعارف بمعنی انفکاک الروح عند الجسد آپ پر طاری نہیں ہوئی۔'' بلکہ مسلک قاسمی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دنیا میں وفات پائی مگر وفات کی نوعیت عام لوگوں کی وفات کی نوعیت سے متفاوت ہے، جیسا کہ ملفوظات ذیل سے ظاہر ہے۔

۱...... ہمچناں حیات انبیاء و موت آن کبش را کہ روز جزاء مین الجنۃ والنار ذبح کردہ خواہد شد۔ ذاتی[1] باید دانست۔ الخ! (فیوض قاسمیہ ص ۱۸)

۲...... وقتے[2] کہ کیفیت حیات جسمانی و روحانی اوشان چنیں باشد در صورت عروض موت حاجت انفکاک حیات از اجسام ہیچ نیست بلکہ نشاید آنچہ تصورش بہر اطمینان خاطر در بارہ اجتماع حیات و موت کہ اول بوجہ دلائل معروضہ واجب التسلیم است و دوم بوجہ ارشاد کل نفس ذائقۃ الموت و ہدایت انک میت و انہم میتون واجب الایمان ضروری است ایں است کہ چنانچہ اجتماع برودت ذاتیہ و اجتماع حرارت خارجہ از آب گرم مشہود است یا اجتماع نور اصلی و ظلمت عرضی در شمس وقت کسوف یا اجتماع نور قمر کہ سواء اوقات خسوف دائمی است و ظلمت اوقات ابر کہ بہ نسبت آن عرضی است معلوم ہمچناں اگر اجتماع حیات ارواح اوشاں با موت آنہا و اجتماع حیات اجسام اوشاں با موت آنہا باشد چہ حرج است۔ الخ! (فیوض قاسمیہ ص ۲۰)

۳...... وقت مشاہدہ آثار موت انبیاء علیہم السلام با جتماع موت عرضی حیات ذاتی ایمان باید آورد۔ (ایضاً)

ان عبارات سے واضح ہو گیا کہ ارباب تحقیق علماء حقائق کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء دنیاوی موت سے دوچار ہونے سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ البتہ جس طرح طبقہ انبیاء گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے دوسرے تمام انسانوں سے ممتاز ہیں۔ اسی طرح ان کی موت اور حیات بعد الممات کی نوعیت بھی جداگانہ ہے۔

اثر

تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس رسالہ کے بار بار پڑھنے یا سن لینے سے قارئین و ناظرین اور سامعین کو آنحضرت ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی محبت و ازدیاد محبت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح درود شریف کا اشتیاق بھی بڑھ جاتا اور نبی کریم ﷺ کی روحانیت کے ساتھ خاص ارتباط پیدا ہو جاتا ہے۔ آداب و شرائط کی پابندی کے ساتھ پڑھ کر دعاء کی سرعت اجابت و دیگر مبارک آثار بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔ واللہ الموفق!

مؤلف

---

[1] یعنی جب غیر انبیاء کی حیات ذاتی نہیں لہٰذا انبیاء علیہم السلام پر طریان موت کی نوعیت جداگانہ ہوگی۔ منہ

[2] اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ میں چار مرتبہ حضرات انبیاء سے متعلق موت کا ذکر کیا گیا ہے اور دو آیتیں قرآن عزیز کی درج کی گئیں جن سے دنیا میں ایک مرتبہ انبیاء کی وفات کا وقوع مان لینا واجب الایمان قرار دیا ہے جو وقوع موت کا اعتراف صریح ہے۔

جزء[1] ما ورد فی عقیدہ المحدثین علیٰ حیاۃ النبیین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد!

نوعِ[2] انسانی میں طبقہ انبیاء کو جس فوقیت و برتری سے ممتاز بنا دیا گیا ہے وہ اس قدر بلند ہے کہ دوسروں کے طائر خیال و آرزو کی پرواز اس کے حصول کے قرب و رسائی سے عاجز و قاصر ہے، پھر اس فوقیت کے کائنات میں کچھ فضائل وہ ہیں جو ہمارے رسول کریم علیہ التحیۃ و التسلیم کے اور دوسرے انبیاء کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ انہی کا قائل کرنے کے لئے امت کو لانفرق بین احد من رسلہ کے موافق ایمان رکھنے کا مکلف بنا دیا گیا اور بہت سے مخصوص[3] کمالات ایسے ہیں کہ ان میں دوسرے انبیاء و مرسلین صلوٰات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین میں سے کوئی بھی جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک و سہیم نہیں۔ چنانچہ اس کا اعلان وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا کے منشور ربانی نے فضائے عالم کے اندر نشر کر دیا اور تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض میں اسی کی تاسیس بطور اصل کلی کے کر دی گئی۔ ان دونوں میں سے مقدم الذکر کا تعلق حقیقت نبوت اور موخر الذکر میں حقیقت محمدیہ کی کائنات ارباب بصیرت کو نظر آتی ہے جس کی جامعیت[4] کی یہ شان ہے کہ نبوت و اصطفاء اور رسالت و اجتباء کے جملہ شئون کو اس نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔

---

[1] جزء الخ یہ محدثین کی ایک اصطلاح ہے، کسی مسئلہ پر احادیث کو کسی رسالے میں جمع کرنا محدثین وائمہ حدیث کا معمول ہے ایسے رسالے کو وہ جزء کہتے ہیں۔ جیسا کہ جزء رفع الیدین۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے کا نام تجویز کیا ہے۔ جس میں آپ نے صرف مسئلہ مذکورہ کی احادیث کو جمع کیا ہے۔

[2] اس رسالے میں طبقہ انبیاء و مرسلین سے متعلق ان احادیث کا ذخیرہ مع اقوال سلف صالحین وائمہ محدثین کے جمع کیا گیا ہے جس سے اس گروہ عالی مقام کا عالم قبر سے متعلق حال معلوم ہوگا۔ اس لئے ابتداء میں اس طبقہ کرام کا ذکر اجمالا کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی نوع میں یہ زمرہ بہ ممتاز ہے اور یہ امتیاز و رفعت مرتبہ ان کے جسمانی پہلو کے لحاظ سے بھی ثابت ہے اور روحانی پہلو کے لحاظ سے بھی مسلم۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کی لطافت کو عام لوگوں کی ارواح کی لطافت سے بھی زیادہ اور بالاتر مان لیا گیا ہے۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو جان پاکی سربسر نے آب و خاک اے نازنین

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''انسان کامل نزدیک ما نوع علیحدہ ہست درمیان اصناف انسان چنانکہ انسان نوع علیحدہ است درمیان ابناء جنس خویش۔'' (الطاف القدس مطبوعہ مطبع احمدی ص ۱۷ واقع کلاں محل دہلی)

کنز العمال میں ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اجساد الانبیاء نابتۃ علی اجساد الملائکۃ'' (ذکرہ فی الفیض ص ۲۵۱) وقال اسنادہ ضعیف قلت وھو مقبول فی الفضائل پھر جو حالات انبیاء کے عموماً اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصاً بتواتر ثابت ہیں۔ اس سے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ان کے اجسام کا عروج سماوی، عرق کا معطر ہونا فضلات شریفہ کی خوشبو کا عطر سے بھی زیادہ معطر ہونا وغیرہ وغیرہ! اور ان کا (انبیاء علیہم السلام) قبور میں زندہ اور مشغول بہ نماز وغیرہ ہونا جس راستے سے آپ علیہ السلام چلتے اس کا خوشبو کی مہک سے بھر جانا۔

[3] اس سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ زمرہ انبیاء و مرسلین نوع انسانی کے باقی تمام زمروں سے برتر ہیں۔ پھر یہ برتری بھی متنوع ہے۔ اس کا ایک قدر مشترک وہ ہے جو سب انبیاء میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی لئے جو کمالات دوسروں میں الگ الگ موجود تھے، خاتم النبیین ﷺ کے وجود مسعود میں وہ سب ہی مجتمعاً پائے گئے۔ یہی ہمہ گیری ہے کہ جس نے مراتب کلیم اللٰہی و مدارج مسیحائی کے علاوہ آدم کی صفوت اور خلیل اللہ کی خلت بلکہ زمرہ انبیاء کے تمام محاسن و کمالات کی کل کائنات کا مظہر اتم آپ ﷺ کی ذات جامع الصفات کو بنا دیا ؎

خط سبز ولب لعل و رخ زیبا داری حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری

شیوہ شکل و شمائل حرکات و سکنات آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کے علاوہ جو خصوصی کمالات آپ ﷺ کے ہیں وہ اور کہیں نظر نہیں آتے اور نہ ہی زبان و قلم ان کی شرح و بیان کو احاطہ تقریر و تحریر میں کماحقہٗ محصور کر سکتے ہیں۔ ہاں! اجمالاً یہ کہنا ممکن ہے کہ حقیقت مذکورہ اس انسانی اکملیت کا نام ہے جس سے بالاتر اور جس سے ارفع دائرہ تخلیق میں کوئی بھی درجہ نہیں ؎

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسی کا لازمی نتیجہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیینؐ بھی ہیں اور عدیم النظیر بھی واقع ہوئے ہیں ؎

آفاق ہا گر دیدہ ام مہر بتاں در زیدہ ام

بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) مثلاً یہ کہ وہ سب کے سب قبور میں زندہ ہو کر نماز میں مشغول ہیں یا یہ کہ وہ سب کے سب نبوت سے نوازے گئے ہیں۔ ان کے اجساد میں خاص قسم کی لطافت و پاکیزگی ودیعت رکھی گئی ہے۔ پھر ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان ان سب میں مزید شرف و کمال اور فضل و جمال سے بہت ممتاز تر ہے۔ مثل اس کے کہ جو جزئی فضائل کسی نبی وہ مرسل میں انفراداً موجود تھے وہ سب کے سب مجتمعاً آپ ﷺ کی ذات مبارکہ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی ﷺ وہ خصوصیات ہیں جو آپ کے سوا کسی اور پیغمبر میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ یہ تو اس زمرۂ عالی مقام کی شان کمال ہے اس سب ہی کو رسالہ ہذا کا موضوع قرار دینا اس لئے مشکل ہے کہ یہ موضوع کسی ضخیم و مبسوط کتاب ہی میں سما سکتا ہے اور یہ رسالہ ایک مقالہ اور نہایت مختصری تالیف ہے اس لئے اس میں اس زمرۂ عظیم الشان کے صرف ایک امر کو جو ان سب میں قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے، موضوع بنایا گیا ہے، (یعنی حیات انبیاء فی القبور کو) اور اسی سے متعلق احادیث و اقوال سلف صالحین کو اس میں پیش کیا جائے گا۔ دوسرے بہت سے ایسے مسائل بھی ضمناً آئیں گے جو علی العموم علماء سے بھی اوجھل ہوتے ہیں۔ مگر اس سب کا تعلق نقل سے ہے جس کی صحت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ منہ

ؔ حدیث سے ثابت ہے جو کمال بھی کسی پیغمبر میں جزئی فضیلت کے طور پر تھا، وہ ضرور رسول اللہ میں بھی پایا گیا ہے جو فضائل سب میں منتشر تھے، آپ میں وہ سب مجتمعاً موجود تھے۔ یہیں کیفیت جامعیت یہاں مراد ہے: قال رسول اللہ في حدیث طویل ان ابراھیم خلیل اللہ وھو کک وان موسی نجی اللہ وھو کک وان عیسی روح اللہ وھو کک وان آدم اصطفاہ اللہ وھو کک الا وانا حبیب اللہ ولا فخر الحدیث۔ حبیب اللہ کا مفہوم اس قدر وسیع ہے کہ اس میں دوسری سب فضیلتیں مجتمعاً پائی جاتی ہیں۔ ۱۲ منہ

لؔ انبیاء سب کے سب کامل ہوتے ہیں اور علماء حقائق کے نزدیک انسان کامل کا زمرہ ایک الگ صنف یا نوع ہے۔ ملاحظہ ہو رسالہ الطاف القدس مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۷ جس میں موصوف فرماتے ہیں۔ انسان کامل نزد ما یک نوع علیحدہ است درمیان اصناف انسان الخ اور رسول اللہ ﷺ کو مرتبہ اکملیت حاصل ہے اور اس میں تعدد نہیں ہو سکتا ورنہ اسے اکملیت کہنا غلط ہوگا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ خاتم النبیین ہوئے۔ اسی طرح آپ ﷺ جیسا کوئی اور نہیں ہوگا۔ اس لئے آپ عدیم النظیر ہیں۔

اور اسی اکملیت کی جھلک کبھی کبھی نمودار ہوئی تو دیکھنے والوں کی عقول عالم حیرت میں خیرہ و ششدر رہ گئیں۔
چنانچہ: دستِ[۱] قدرت کی آبیاری نے آپ ﷺ کو مصداق ''الم نشرح'' بنا دیا تو عالم پست و بالا کی کائنات پر مطلع ہوکر ''علمت مافی السمٰوات والارض'' فرما گئے اور ''علمک مالم تکن تعلم'' کے فیض باری سے مستفیض ہوئے تو دانش کے دریا بہا دیئے اور ''بدءِ[۲] خلق'' سے لے کر دخول جنت و دوزخ تک کے واقعات اور قیامت تک کے ہونے والے[۳] حالات کو مسلسل بیان کر دیا۔

امی گویا بزبان فصیح از الف آدم و میم مسیح (نظامی)

نصوص[۴] صحیحہ بتاتی ہیں کہ انتخاب در انتخاب کے بعد آخری انتخاب کا قرعہ قدرت نے صرف آپ ﷺ کی ذات اقدس پر ختم کر دیا۔ اسی لئے جس طرح اپنے خصائص معنوی میں آپ ﷺ بے نظیر ہیں۔ اسی طرح محاسن ظاہری میں بھی آپ بے مثال ہیں۔ محاسن ظاہری و معنوی کی اسی یکتائی کو صاحب بردہ بالفاظ ذیل ظاہر کرتے ہیں۔

منزۃ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم (بوصیری)

ترجمہ فارسی:

بےؔ نظیری ہم بہ پیکر ہم بہ گوہر در جہاں جوہرؔ فرد نکوئی در تو بے قسمت عیاں (مولف)

الغرض یہ حاملان نوامیس جہان در ذات خود اس قدر غیر معمولی برتری (اپنے اندر) رکھتے ہیں۔ وہاں حلقہ بگوشان اسلام کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے بارے میں یہ عقیدہ اپنے دل میں راسخ کر دیں۔ کیونکہ

---

[۱] حدیث میں آیا ہے کہ خواب میں پروردگار نے اپنی ہتھیلی میرے شانوں کے درمیان رکھی، جس کا اثر میں نے بین الیدین محسوس کیا۔ پھر میں نے مافی السمٰوات ولارض کو جان لیا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں: قولہ مافی السمٰوات والارض یعنی ما اعلمہ اللہ مما فیھا من الملائکۃ والاشجار وغیرھما وھو عبارۃ عن سعۃ علمہ الذی فتح اللہ علیہ الخ

(مشکوٰۃ باب المساجد بحوالہ داری، ترمذی، شرح السنۃ و مرقاۃ)

[۲] عن عمر ﷛ قال، قال فینا رسول اللہ ﷺ مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ (بخاری)

[۳] عن عمرو بن اخطب الانصاری قال صلّٰی بنا رسول اللہ ﷺ یوما الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد علی المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیامۃ قال فاعلمنا احفظنا (مسلم) یعنی ایک دن رسول اللہ ﷺ نے بعد نماز فجر منبر پر چڑھ کر اس دن کی مغرب کی نماز تک ہم کو خطبہ دیا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر دے دی۔ بیچ میں صرف ظہر اور عصر کے لئے منبر سے اترے۔ (صحیح مسلم)

[۴] امام ترمذی نے حضرت عباس ﷛ سے مرفوعاً روایت کی ہے: ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیر فرقھم وخیر الفریقین ثم خیر القبائل فجعلنی فی خیر قبیلۃ ثم خیر البیوت فجعلنی من خیر بیوتھم فانا اخیرھم نفسا واخیرھم بیتاً خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات میں فرقہ بہ فرقہ پھر قبیلہ بہ قبیلہ پھر خاندان بہ خاندان انتخاب کیا گیا۔ اس انتخاب کے ذریعے جو خاندان سب سے زیادہ بہتر بنا کر دوسرے سب خاندانوں سے ممتاز کر کے فوقیت افضلیت میں سب سے الگ نکالا گیا وہ میرا خاندان تھا اور پھر جملہ اشخاص عالم سے جو شخص سب سے زیادہ افضل ہوکر منتخب کیا گیا وہ میں تھا۔ اس لئے میں سب سے زیادہ افضل و بہتر ہوں۔ (بقیہ حاشیے اگلے صفحہ پر)

گروہ[1] انبیاء پر ایمان لانا امور ایمانی میں داخل ہے یعنی دائرہ اسلام میں قدم رکھنے کا پہلا زینہ "جن امور کا یقین کرنا" قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء پر ایمان لانا بھی ان میں سے ایک ہے اور امور ایمانیہ و نیز ان کے متعلقات کی واقفیت حاصل کرنا ان کو جان لینا[2]، جان لینے کے بعد مان لینا شریعت محمدیہ میں جو اہمیت رکھتا ہے، محتاج بیان نہیں۔ اسی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر علماء دین بالخصوص محدثین نے اس گروہ عالی مقام سے متعلق برزخی حالات کو مستقل تالیفات میں جمع کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے تاکہ اہل دین و دانش ان کی معرفت حاصل کرنے کا یہ پہلو[3] بھی مکمل کریں۔ مگر یہ سارا ذخیرہ عموماً عربی زبان میں تھا، اس لئے میں نے چاہا کہ اردو دان اصحاب کے لئے ان معلومات کو جو احادیث سے اس باب میں مستفاد ہیں، اس عجالہ[4] میں (جس کا نام جزء عقیدۃ المحدثین علی حیاۃ النبیین تجویز کیا گیا ہے) جمع کروں تاکہ انبیاء کا تعارف ان کے ماننے والوں کو اچھی طرح حاصل ہو جائے۔ و اسأل اللہ العظیم ان یجعلها خالصۃ لوجهه الکریم بمنه و کرمه العمیم!

تنبیہ: رسالہ ہذا کا بنیادی مضمون اگرچہ تمام اہل سنت والجماعت کا مسلمہ اور متفق علیہ عقیدہ ہے لیکن پھر بھی اسے "عقیدۃ المحدثین" کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ سے ہوئی کہ اس میں عموماً احادیث و آثار نیز اقوال محدثین ہی سے استدلال کا کام لیا گیا اور جس طرح ائمہ حدیث نے عربی زبان میں اس موضوع پر خاص خاص اجزاء[5] تالیف کئے ہیں، اسی طرح یہ رسالہ بھی اردو زبان میں ان ہی کے طرز پر تالیف کیا گیا اور اس کے لئے نام بھی اسی قسم کا انتخاب میں کیا۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب آپ ﷺ کا مثیل و نظیر اور کوئی نہ ہوگا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ آپ ﷺ کا انتخاب آخری نہ ہو۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے: ان اللہ خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیرهم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیرهم قبیلة ثم جعلهم بیوتاً فجعلنی فی خیرهم بیتاً فانا خیرهم نفساً و خیرهم بیتاً (ص ۵۱۳)

(حاشیہ گزشتہ) ۵ یہ حسن صورت اور حسن سیرت کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

(حاشیہ گزشتہ) ۶ جوہر فرد سائنس کی اصطلاح میں آج کل ان ذرات کو کہتے ہیں جن سے اجسام کو مرکب مانا جاتا ہے۔ قدیم فلسفہ میں جزء لایتجزیٰ پر بھی جوہر فرد کا اطلاق بعض نے کیا ہے، جس کی تقسیم عقلاً وحساً بر طرح منتفی ہو۔ ۱۲ منہ

[1] کل امن باللہ و ملائکته و کتبه و رسله ۱۲ منہ

[2] ایمان درحقیقت یقین رکھنا اور کسی چیز کو باور کرنا یعنی اچھی طرح جان لینا ہے، پھر اگر یہ اضطراری ہو تو تصدیق منطقی ہے اور اگر اختیاری ہو تو تصدیق لغوی کہلاتا ہے اور مؤخر الذکر کو تصدیق شرعی یا ایمان کہا جائے گا جس کا مکلف ہر مؤمن ہے لہٰذا انبیاء پر ایمان لانا یہ ہوگا کہ ہم ان کی شرعی ہستی کو معلوم کریں اور جو کچھ شرعی طریق ثبوت سے ان کے بارے میں ثابت ہو جائے اسے دل سے قبول کرے چونکہ ان کی شرعی ہستی (یا بالفاظ دیگر ان کی شرعی پوزیشن) میں ان کی حیات برزخی کی وہ خاص صورت بھی داخل ہے جو نصوص شرعیہ سے اس باب میں ثابت ہے اس لئے جس مسلمان کو ان پر ایمان لانا ہو اسے ان کی یہ حیثیت جان لینی اور جان لینے کے بعد مان لینی پڑے گی۔

[3] چونکہ ان کی معرفت کا یہ پہلو عمومی معلومات عامہ سے ایک حد تک اوجھل تھا اس لئے اس کی زیادہ اہمیت تھی۔

[4] عجالہ مختصر سے رسالہ کو کہتے ہیں اور عقیدۃ المحدثین علیٰ حیاۃ النبیین کے معنی یہ ہیں کہ: "وہ عقیدہ جسے ائمہ حدیث نے انبیاء کی حیات (برزخی زندگی) کے بارے میں قائم کیا ہے۔" چونکہ اس رسالے میں یہی عقیدہ مذکور ہے، اس لئے اس نام میں مسمیٰ کی کائنات علمی کی طرف اشارہ موجود ہے۔ (حاشیہ نمبر ۵، اگلے صفحہ پر)

مقدمہ

جس انسان نے دنیا میں زندگی پائی اس کے لئے موت سے دوچار ہونا ضروری ہے اور انسانی زندگی روح وجسد کے اس تعلق کو کہتے ہیں جس کے اثر کو حیاۃ دنیوی سے یاد کیا جاتا ہے اور ارواح اگرچہ ماضی کے لحاظ سے اسلامی نقطہ نگاہ کی بنا پر حادث ہیں لیکن مستقبل ان کا غیر فانی مان لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نظریہ کے مطابق موت کا اثر روح پر فناء کی صورت میں نہیں پڑتا، بلکہ مرنے والے کی روح اس کے بدن سے تدبیر وتصرف کا جو تعلق قطع کرتی ہے۔ اسی کو مر جانا کہا اور سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ روح نہیں مرتی بلکہ مرنے والے کے جسد سے مذکورہ بالا تعلق منقطع کرتی ہے اور یہ انقطاع اہل سنت کے عقیدے کے مطابق دائمی نہیں ہوتا بلکہ عالم آخرت میں اس کا پھر سے قائم ہو جانا ان کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اس لئے یہ سوال پیدا ہونا ضروری تھا کہ عالم برزخ میں روح کا کیا حال ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب تمام انسانوں کے بارے میں متعدد اقوال ومتنوع اختلافات پر شامل ہونے کی وجہ سے طویل الذیل ہے، جس کے لئے کتب ضخیمہ ہی کام دے سکتی ہیں۔ بناء علیہ اس اہمیت کے سبب سے جو گزشتہ سطور میں بیان کی جا چکی ہے اور آگے بھی آرہی ہے۔ صرف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے زمرہ عالی مقام کے بارے میں اس سوال کا جواب رسالہ ہذا میں درج کیا جائے گا۔

مسئلہ کی اہمیت

یہ امر تو ان مذہبی بدیہیات میں سے ہے (جو بداہیت شرعیہ کی تمام کائنات کو اپنے اندر لئے ہوئے استدلال ودلیل کی کاوشوں کے منت کش نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر، اعزاز وتکریم، دین ومذہب کے اہم ترین واجبات واکبر فرائض میں سے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی واجب التعظیم ہستی کی تعظیم کا حق اسی وقت ہم ادا کر سکتے ہیں جب کہ ہمیں پہلے سے اس کی واقفیت اور اس کی ان صفات ومآثر کی معرفت حاصل ہو چکی ہو کہ جن کی بناء پر اس کی تعظیم بجالانا اور اس کا احترام کرنا ہمارے اوپر ضروری اور واجب کر دیا گیا ہو۔ یا بالفاظ دیگر واجب الاحترام ہستی کے احترام وتعظیم بجالانے کا موقوف علیہ اس ہستی کی شناخت اور معرفت وشناسائی ہے۔ پھر یہ امر بھی مسلمات میں سے ہے کہ موقوف علیہ کا درجہ موقوف کا ہمسر[ا] ہوا کرتا ہے۔

ان سادہ اور آسان اصول کو ملحوظ رکھ کر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اہل اسلام پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کا بجالانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرنا فرض عین ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت وواقفیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات کی واقفیت وشناسائی حاصل کرنا بھی جن کے سبب سے یہ مرتبہ عالی یا اس کے لوازم ولواحق کا کوئی ذخیرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت نے دے دیا ہے۔ فرض اور لازمی ہوگا، ورنہ تعظیم بجالانے والا بسا اوقات ایسے غلط معلومات کو

(حاشیہ گزشتہ) ۵ اجزاء ''جزء'' کی جمع ہے، اور محدثین کی اصطلاح میں جزء اس رسالے کو کہتے ہیں جس میں کسی خاص مسئلے سے متعلق احادیث کا پورا ذخیرہ جمع کیا جائے۔ محدثین نے انبیاء علیہم کی حیات برزخی (قبر میں زندگی) کو مان لیا ہے۔ عام طور پر کتب احادیث میں ان احادیث کو درج کیا ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے خاص طور سے اس مسئلے کی احادیث کو ایک جگہ جمع کر کے جزء حیات الانبیاء سے اسے موسوم کیا ہے اسی طرح سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ایک جزء تالیف کیا ہے اور اس کا نام انباء الاذکیاء تجویز کیا ہے۔ ۱۲ منہ

ا اگر موقوف فرض ہے تو موقوف علیہ کو حاصل کرنا (تاکہ موقوف کو عمل میں لایا جائے) بھی فرض ہوگا مثلاً جواز نماز موقوف ہے اور طہارت مکان موقوف علیہ لہٰذا جس پر نماز فرض ہے اس پر پاک جگہ بہم کرنا بھی فرض ہے، جس پر وہ نماز ادا کرے گا۔

باعث تعظیم سمجھ سکتا ہے جو در پردہ توہین اور نادانستہ بے ادبی یا گستاخی کے مرادف ہوں۔ مثلاً عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کی شناخت میں کوتاہی کی تو عیسیٰ علیہ السلام کو بجائے عبد کے معبود سمجھنے لگے، خدا اور رسول کے درمیانی فرق کو مٹا کر جو سرحد ان دونوں کے بیچ میں حائل ہے، اسے اڑا دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کی حدود سے نکل کر کفر کے احاطے میں جا پہنچے، قرآن پاک بتاتا ہے کہ لوگوں کو ایمان کی دولت سے رشد و ہدایت کے موصول ہونے کے بعد اگر کسی چیز نے محروم کر دیا ہے تو وہ یہی تھی کہ کسی انسان کا رسول ہونا انہوں نے مستبعد اور ناشدنی قرار دیا:[۱] و ما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴) ظاہر ہے کہ یہ خرابی رسول کی تعریف سے بے خبری اور حقیقت نبوت سے بے بصری نے پیدا کر دی۔ امت محمدیہ[۲] کے کچھ حرماں نصیب اشخاص سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنے میں کوتاہی سرزد ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات کا انکار محض اس لئے کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بھی اپنے اوپر قیاس کر گئے۔ چنانچہ زیر بحث اہم ترین مسئلہ کو بھی غلط سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو اسی طرح دوسرے انبیاء کے اجساد مبارکہ کو اپنے جسد پر قیاس کر کے عالم قبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد پاک و نیز اجساد انبیاء کے بارے میں جن خوارق عادت، حالات کا تذکرہ نصوص میں آیا ہے ان کے ماننے میں پس و پیش کے اندر مبتلا ہوئے۔ بلکہ توہین آمیز انکار کرنے لگے اور اس افراط و تفریط میں کبھی کبھی حدود اسلام سے بھی نکل گئے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ ہذا کی فصل چہارم)

مختصر یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم بجالانا ہر مسلمان پر فرض ہے اور جن امور و عقائد سے یہ فریضہ بجالایا جا سکتا ہے، ان میں سے یہ عقیدہ بھی ایک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد پاک عالم برزخ میں زندہ ہے۔ اس لئے اس عقیدہ کو سمجھ لینا اور اس کے دلائل و براہین کو معلوم اور ذہن نشین کر لینا دین میں ضروری ہے جیسا کہ علم کلام کی مشہور کتاب مؤلفہ تورپشتی کی عبارت مندرجہ ذیل سے ثابت و مفہوم ہوتا ہے:

''واز اں جملہ (یعنی منجملہ عقائد اہل سنت) آنست کہ بدانند کہ کالبد ویرا زمین نخورد و بوسیدہ نشود...... دانستن ایں ہمہ کہ یاد کریم مہم است تا از توقیر و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ حق تعالیٰ برما فرض کردہ است بوجہ خوب بجا آوردہ شود در جمیع امور'' (کتاب المعتمد)

ترجمہ: جادۂ اہل سنت پر قائم رہنے کے لئے جن عقائد کا ماننا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانان اہل سنت جان لیں (یعنی یقین کر لیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پاک کو زمین نہیں کھائے گی اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی بوسیدگی اثر کرے گی...... ان باتوں کا کہ جن کو ہم نے ذکر کیا ہے، یقین اور عقیدہ رکھنا مہمات دین میں سے ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کو جو ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ نے فرض کر دی ہے تمام[۳] امور میں جیسا کہ چاہئے کما ینبغی بجالایا جا سکے۔

---

[۱] لوگوں کو ایمان لانے سے اسباب ہدایت ان کے سامنے آجانے کے بعد بھی اگر کسی چیز نے روک دیا تو وہ چیز یہی تھی کہ ان کو سخت تعجب اس بات پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیغمبر بنا کر مبعوث کرے یہ تعجب اس لئے ہوا کہ وہ حقیقت نبوت سے ناواقف تھے اور ان کے خیال میں نبوت درحقیقت خدائی ہی کا کوئی شعبہ تھا۔ اس لئے وہ باور نہ کر سکے کہ کوئی انسان پیغمبر ہو۔

[۲] جس طرح دوسری اقوام و امم نے حقیقت نبوت کو پہچاننے میں کوتاہیاں کیں اسی طرح امت محمدیہ کے حرمان نصیب لوگوں نے حقیقت نبوت اور حقیقت محمدیہ کی شناخت میں کوتاہیاں کیں اور افراط و تفریط میں پڑ کر حقیقت شناسی سے دور جا پڑے انہی میں سے وہ تفرنج زدہ بھی ہیں جو معجزات کا انکار کرنا اپنی روشن خیالی کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ (حاشیہ نمبر ۳، اگلے صفحہ پر)

علم عقائد کے اس مسئلے میں صراحت کے ساتھ بتلا دیا گیا کہ جسد اطہر نبوی ﷺ کی برزخی حالت جو نصوص شرعیہ سے ثابت ہوئی ہے ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہئے کہ اس کی معلومیت کے بدون تعظیم کا فرض ادا نہیں کر سکے گا۔ اس کے علاوہ ائمہ حدیث نے اس مسئلے کے متعلق وارد ہونے والی احادیث کو مستقل تصانیف میں جمع کر کے عملاً بھی اس کی اہمیت کو ظاہر کر دیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے جزء[1] حیات الانبیاء کے علاوہ دلائل النبوۃ نامی ایک کتاب فن حدیث میں لکھی ہے، جس کا نام خود بتلا رہا ہے کہ اس میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلائل میں محسوب ہوسکتی ہیں پھر مسئلہ زیر بحث کی بنیادی دلیل (یعنی حدیث الانبیاء احیاء الخ) کی تخریج[2] بھی کتاب مذکور میں کر کے اپنی صنیع[3] سے بتا دیا ہے کہ مسئلہ حیات انبیاء بھی علامات نبوت میں سے ایک ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کا مقر نبوت کی علامات کا مقر اور اس کا منکر نبوت کی دلائل کا منکر سمجھا جائے گا۔ اسی طرح حدیث کی مشہور ومعروف کتاب موسوم بہ نام ''کتاب الاعتقاد'' میں موصوف نے مسئلہ ہذا کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے: الانبیاء بعدما قبضوا ردت الیهم ارواحهم الخ۔ (دیکھو رسالہ ہذا کی فصل چہارم)

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے حیات انبیاء فی القبور کو ان عقائد اسلامیہ میں سے ایک اہم عقیدہ قرار دے دیا ہے کہ جن کا ثبوت اس قدر کثیر التعداد احادیث صحیحہ سے ملتا ہے جن کی کثرت اور صحت کی وجہ سے یہ مسئلہ علم حدیث کا ایک اہم اور قابل اعتناء مسئلہ بن گیا ہے اور جس طرح ائمہ حدیث نے قراءت خلف الامام، رفع یدین وغیرہ پر خصوصی توجہ کر کے مستقل تصانیف لکھی ہیں اسی طرح مسئلہ ہذا کے بارے میں بھی احادیث صحیحہ نے ان کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلے کو بھی مستقل اور علیحدہ تصنیفوں میں جمع کریں۔ اسی وجہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر ایک جزء یعنی ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام جزء حیاۃ الانبیاء صلوٰت اللہ سلامہ علیہم اجمعین آپ نے رکھا ہے۔

جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے حیات انبیاء فی القبور کو ان عقائد اسلامیہ میں سے ایک اہم عقیدہ قرار دے دیا ہے کہ جن کا ثبوت اس قدر کثیر التعداد احادیث صحیحہ سے ملتا ہے جن کی کثرت اور صحت کی وجہ سے یہ مسئلہ علم حدیث کا ایک اہم اور قابل اعتناء مسئلہ بن گیا ہے اور جس طرح ائمہ حدیث نے قراءت خلف الامام، رفع یدین وغیرہ پر خصوصی توجہ کر کے مستقل تصانیف لکھی ہیں اسی طرح مسئلہ ہذا کے بارے میں بھی احادیث صحیحہ نے ان کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلے کو بھی مستقل اور علیحدہ تصنیفوں میں جمع کریں۔ اسی وجہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر ایک جزء یعنی ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام جزء حیاۃ الانبیاء صلوٰت اللہ سلامہ علیہم اجمعین آپ نے رکھا ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے بھی ایک مستقل تصنیف بنام انباہ الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء اسی موضوع پر لکھی ہے۔

ان حقائق میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصحاب سنن وارباب حدیث وغیرہم کے نزدیک یہ مسئلہ کس قدر اہم اور مہتم بالشان ہے۔

(حاشیہ گزشتہ) ۳ تمام امور ان تمام امور میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں۔ ۱۲ منہ

[1] محدثین کی اصطلاح میں جزء اس تصنیف کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی خاص مسئلے کے متعلق احادیث کا کافی ذخیرہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ کما مر ۱۲ منہ

[2] تخریج الخ یہ لفظ بھی اصطلاح حدیث کا ہے یعنی کسی محدث کا کسی حدیث کو کسی کتاب میں درج کرنا ۱۲ منہ

[3] روش، یعنی طرز عمل، ۱۲ منہ

فصل اوّل

حیاتِ انبیاء کی دلیل

اس مسئلہ پر سب سے زیادہ صریح اور صحیح دلیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' یعنی انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مرفوعاً وموقوفاً علی انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ مرفوع کی اسانید میں سے جزء حیاۃ الانبیاء میں ایک سند یہ بیان فرمائی: ''وقد روی عن یحیی[۱] بن ابی بکر قال ثنا المستلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (حیاۃ الانبیاء ص ۲)

اس سند پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں محققانہ بحث کر کے اس کے ہر ہر راوی کے حق میں ائمہ حدیث ورجال[۲] سے ان کی توثیق نقل کر دی ہے۔

امام بیہقی کے علاوہ یہ حدیث اسی سند سے مسند ابو یعلی میں بھی مروی ہے۔ بزار نے بھی اس کی تخریج کی ہے، لیکن بزار کی سند میں ''حجاج'' کو ''حجاج صواف'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے نزدیک وہم (یعنی غلط) ہے۔ صواب یوں ہے کہ یہ راوی وہ ہے جسے حجاج اسود کہتے ہیں۔ اور حجاج اسود کی توثیق امام احمد اور ابن معین نے کر دی ہے۔ اس کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ امام بیہقی کی ایک روایت میں تصریحاً بھی یہ راوی بنام حجاج اسود واقع ہوا ہے۔

تصحیحات[۳]

امام بیہقی رحمہ اللہ سے حافظ نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (فتح الباری)

---

۱ قولہ یحیی بن ابی بکر الخ ھکذا وقع فی جزء حیاۃ الانبیاء للبیھقی فی موضعین علی ما وجدنا وفی النسخۃ الحاضرۃ لدینا ووقع فی الفتح یحیی بن کثیر علی ما فی النسخۃ المطبوعۃ فی المطبع الانصاری بدھلی فی ۱۳۰۴ھ فعلی ھذا تحب مراجعۃ الاصول لتفتیش ان الراوی ھھنا ھل ھو یحیی بن کثیر کما وقع فی النسخۃ الحاضرہ لدینا من فتح الباری ام ھو یحیی بن ابی بکر کما وقع فی النسخۃ الحاضرۃ من جزء حیاۃ الانبیاء وھی نسخۃ وطبعت بمصر فی ۱۳۴۹ھ ثم راجعت التقریب فلم اجد فیہ یحیی بن ابی بکر ووجدت یحیی بن کثیر والمستلم کلیھما من التاسعۃ فالصواب عندی یحیی بن کثیر۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ

۲ علم الرجال وہ علم ہے جس میں احادیث کے راویوں کے متعلق ان حالات کو درج کیا گیا ہوتا ہے کہ جن پر حدیث کے قابل قبول ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے۔ ۱۲ منہ

۳ ایک حدیث کی صحت کے لئے جس طرح پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے ہر راوی کو پرکھا جائے، اسی طرح تمام راویوں کی انفرادی توثیق کے بعد یہ ضروری ہوا کرتا ہے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس حدیث کے حق میں الفاظ صحیح میں سے کوئی لفظ کہہ دیا ہو، مثلاً ھذا حدیث صحیح وغیرہ اس مؤخر الذکر کو اصطلاح محدثین میں تصحیح کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

امام سیوطی رحمہ اللہ نے جامع الصغیر میں یہ حدیث مسند ابو یعلی موصلی کی طرف منسوب کی ہے۔ شارح جامع کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (یعنی الانبیاء احیاء الخ) حدیث صحیح ہے۔

''النظم المتناثر[1] من الحدیث المتواتر'' میں مذکور ہے: ''ان من جملۃ ماتواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الانبیاء فی قبورھم''

ترجمہ: احادیث متواترہ میں سے وہ حدیث بھی ہے کہ جس سے انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ثابت ہے۔

مرقاۃ الصعود حاشیہ ابوداؤد میں امام سیوطی فرماتے ہیں: ''تواترت بھا الاخبار''

ترجمہ: یعنی جن احادیث سے انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ثابت ہے وہ حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔

اسی طرح ''انباہ الاذکیاء'' امام موصوف کی یہ تصریح موجود ہے کہ: ''حیوۃ النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار''

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کا اپنی قبر پاک میں اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی قبور میں زندہ ہونا ہمارے نزدیک (یعنی محدثین وگروہ اہل سنت کے نزدیک) یہ علم قطعی معلوم ومتیقن ہے کیونکہ ہمارے پاس اس پر کافی دلائل قائم ہو چکی ہیں اور جو احادیث واخبار اس پر دلالت کرتی ہیں وہ متواتر ہیں۔

حافظ ابن قیم کتاب الروح میں ابو عبداللہ القرطبی سے نقل کرتے ہیں: ''صح عن النبی ﷺ ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء وانہ ﷺ اجتمع بالانبیاء لیلۃ الاسراء فی بیت المقدس وفی السماء خصوصا بموسیٰ وقد اخبر بانہ ما مسلم یسلم علیہ الا رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام الیٰ غیر ذٰلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الیٰ ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وانکانوا موجودین احیاء وذلک کالحال فی الملائکۃ فانھم احیاء موجودون ولا نراھم اھ (ب)''

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ اجساد انبیاء کو زمین نہیں کھاتی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ لیلۃ الاسراء میں بیت المقدس میں ونیز آسمانوں میں انبیاء کرام خصوصا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے ساتھ مجتمع ہو گئے، ونیز آپ ﷺ نے خبر دے دی ہے کہ جو بھی آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ سلام بھیجنے والے کو آپ ﷺ سلام کا جواب دے دیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی نصوص اور احادیث ہیں کہ جن کے مجموعہ سے اس امر کا یقین کامل حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ان کو ہم سے اس طرح پوشیدہ اور غائب کر دیا گیا ہے کہ ہم ان کا ادراک واحساس نہیں کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ موجود اور زندہ ہیں اس کی کیفیت ایسی ہے جیسے کہ فرشتے زندہ اور موجود ہیں، لیکن ہم ان کو نہیں دیکھتے ہیں۔ (انتھی قول القرطبی المنقول فی کتاب الروح کما فی تعلیق حیاۃ الانبیاء)

امام تورپشتی فرماتے ہیں کہ ''ھم[2] احیاء فی قبورھم یصلون'' حدیث درست وصحیح ہے۔

(کتاب المعتمد فصل چہارم)

---

[1] النظم المتناثر ایک کتاب ہے جو احادیث متواترہ کو ایک جگہ جمع کرنے کی غرض سے تالیف کی گئی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] تفصیل کے لئے اس رسالہ کی فصل چہارم ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ

حدیث انس رضی اللہ عنہ کے مختلف الفاظ میں سے کون سا لفظ محفوظ ہے؟

حدیث انس رضی اللہ عنہ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو اوپر مرفوعا درج کیا گیا، اس کے علاوہ یہ حدیث موقوفا بھی کتب حدیث میں مروی ہے، مگر مرفوعا وموقوفا دونوں طرح بھی لفظ محفوظ[1] ہے جو سطور بالا میں گزرا۔ اس کے علاوہ حدیث ہذا (یعنی الانبیاء احیاء فی قبورھم) کی ایک اور روایت وارد ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

''الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عزوجل حتیٰ ینفخ فی الصور''

ترجمہ: انبیاء کو اپنی اپنی قبور میں چالیس رات کے بعد رہنے نہیں دیا جاتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نفخ صور تک نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ (جزء الحیاۃ)

مگر یہ روایت اوپر کی روایت کا مقابلہ کر نہیں سکتی کیونکہ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی ایک روای ہے جو سیئ الحفظ تھا[2]۔

اسی طرح غزالی رحمہ اللہ اور اس کے بعد رافعی رحمہ اللہ نے بھی ایک حدیث کی روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''انا اکرم علی ربی من ان یترکنی فی قبری بعد ثلث''

ترجمہ: میرا احترام عند اللہ اس سے بالاتر ہے کہ وہ مجھے تین شب کے بعد قبر میں چھوڑے، یعنی رہنے دے۔

لیکن حافظ نے فتح الباری میں اس کے حق میں لا اصل لہ کہہ دیا ہے۔

محفوظ اور غیر محفوظ کے درمیان تطبیق

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ کے دو لفظ[3] منقول ہیں جن میں سے پہلا لفظ یہ ہے: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' اور دوسرا یہ ہے: ''الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ عزوجل حتیٰ ینفخ فی الصور'' اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے پہلا لفظ محفوظ اور اصح بلکہ متواتر ہے۔ لہٰذا اگر دوسرا لفظ (جو غیر محفوظ ہے) اس کے ساتھ متعارض ہو تو دوسرا لفظ ہی ساقط ہوگا اور اگر دونوں میں تطبیق کی کوئی صورت نکل آئے گی تو پھر دونوں کو ''معمول[4] بہ'' بنایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تطبیق کو پسند کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ: ''محمد بن عبدالرحمٰن کی روایت اگر پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو تطبیق یہ ہوگی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں پہنچتے ہی نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں مگر اس اشتغال کی مدت وہاں چالیس رات سے زیادہ نہیں ہوتی، اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے صلوٰۃ کے شغل میں منہمک رہتے ہیں جس کا تسلسل نفخ صور تک باقی رہے گا۔''

---

[1] قولہ محفوظ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جب کسی حدیث کے الفاظ میں اختلاف واقع ہوتا ہے تو فن حدیث کے ماہرین کے نزدیک جو لفظ زیادہ وقیع اور راجح ہوتا ہے اس کو محفوظ کہا جاتا ہے اور اس کا مقابل اصطلاح حدیث میں شاذ کہلاتا ہے یعنی محفوظ۔

[2] یعنی حافظہ ان کا کمزور تھا۔ ۱۲ منہ

[3] قولہ دو لفظ: یعنی انا اکرم کو لا اصل لہ کہنے کے بعد کالعدم تصور کر کے قابل بحث دو لفظ رہ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[4] قولہ معمول بہ الخ یہاں دونوں کو معمول بہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں سے اس قسم کے مفہوم کو لیا جا سکے کہ جس سے یہ دونوں آپس میں موافق ہو جائیں اور دونوں سے ایسے دو عقیدے اخذ کئے جائیں جو باہم متضاد نہ ہوں۔ ۱۲ منہ

توضیح مراد

بیہقی کے کلام مذکور کی مراد میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ قبور مطہرہ میں پہنچنے اور اعادہ روح ہو جانے کے بعد فوراً ہی انبیاء نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں (یہ عقیدہ تو حدیث انس رضی اللہ عنہ کے لفظ محفوظ سے ماخوذ ہے) اس کے بعد چالیس دن تک وہ مسلسل اسی شغل نماز میں مشغول رہ کر اپنی قبروں ہی میں مقیم ہوتے ہیں یعنی دفن کے وقت سے لے کر چالیس دن تک باوجود زندگی کے قبور ہی کے اندر رہنا ان کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اس "اربعین اوّل" میں قبور سے باہر نہیں آسکتے ہیں۔ "اربعین اوّل" ختم ہو جانے کے بعد "قبور ہی کے اندر رہنے" کی قید مرتفع ہو جاتی ہے بلکہ پھر جہاں چاہتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح اربعین اوّل میں اشتغال صلوٰۃ کی جگہ قبور کے ساتھ مخصوص تھی اب یہ خصوصیت باقی نہیں رہتی اور ملک خدا میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے وہاں نماز کا شغل جاری رکھتے ہیں اور یہ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھنے کے معنی[1] ہیں۔ (وھذا ھو الذی یجب ان یکون مراد البیھقی علی ما ادی الیہ نظری واللہ اعلم بمراد عبادہ) یہ آخری حصہ جس میں چالیس رات کا ذکر ہے، حدیث انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت سے (جس کو محمد بن عبدالرحمٰن کی وجہ سے غیر محفوظ[2] قرار دے دیا گیا ہے) ماخوذ ہے اور اس طرح دونوں[3] لفظوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ (توضیح مراد ختم ہوگئی)

رجوع بکلام بیہقی رحمہ اللہ

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنے کلام مذکور کے ابہام[4] میں کہتے ہیں کہ: "اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے "اجساد مع الارواح" کو اٹھایا جاتا ہوگا" اور اس کی تائید میں فرماتے ہیں: "فقد روی سفیان الثوری فی الجامع قال قال شیخ لنا عن سعید بن المسیب قال مامکث نبیء فی قبرہ اکثر من اربعین لیلۃ حتی یرفع فعلیٰ ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلھم اللہ عزوجل کما روینا فی حدیث المعراج وغیرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم راٰہ مع سائر الانبیاء علیھم السلام فی بیت المقدس ثم راٰھم فی السمٰوات واللہ تبارک وتعالیٰ فعال لما یرید" (حیاۃ الانبیاء)

ترجمہ: چنانچہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے "جامع" میں اپنے ایک شیخ کی روایت سے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: "چالیس رات سے زیادہ مدت تک کسی نبی نے اپنی قبر میں توقف نہیں کیا ہے" (بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ) بناء علیہ انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہو جاتے ہوں گے جیسے کہ وہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں جو ہنوز دنیاوی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ اس لئے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کو ان کا نزول منظور ہوتا ہوگا وہاں رہتے ہوں گے جیسا کہ حدیث معراج وغیرہ میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر دوسرے

---

[1] قولہ معنی الخ میں نے یہ شرح اس حدیث سے اخذ کرلی ہے جس میں وارد ہوا کہ غروب کے بعد آفتاب اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں رہتا ہے یعنی ایک جگہ سے غائب ہو کر دوسری جگہ حسب مشیت اور تابع تقدیر الٰہی ہو کر رہتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ غیر محفوظ الخ اس کو اصطلاح میں "شاذ" کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[3] قولہ دونوں لفظوں الخ یعنی دونوں روایتوں میں۔ ۱۲ منہ

[4] قولہ ابہام الخ ابہام کے معنی سمجھانے کے آتے ہیں۔ ۱۲ منہ

انبیاء کے مجمع میں بھی ان کو (یعنی موسیٰ کو) آپ ﷺ نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد تمام انبیاء کو سماوات میں دیکھ لیا۔ (یعنی لیلۃ الاسراء میں متعدد مقامات کے اندر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گیا جو مختلف مواضع میں ان کی نقل و حرکت پر دلالت کرتا ہے اور یہ انتقالات حسب تصریح سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ مع الروح والجسد[1] تھے) اور اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہتا ہے اسے برابر کرتا رہتا ہے۔

بیہقی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تطبیق کے بناء پر دفن کے بعد چالیس دن گزار کر انبیاء علیہم السلام کے اجساد حیات جسمانی پا کر قبور سے باہر بھی ہوتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے ان میں سے بعض کو حج میں اور سب[2] کو اسراء میں دیکھا بھی ہے۔ یعنی ان کے اجساد کو بحالت حیات معاینہ کیا ہے مگر جمہور نے لفظ محفوظ کو ترجیح دے کر اختیار کیا ہے کہ ان کے اجساد زندہ ہو کر قبور ہی میں مقیم ہیں۔ قبور سے باہر ان کی ارواح کی مثالی صورت دکھائی دیتی ہے۔

قال الحافظ ان تمام هذا التوجيه ان يقال المنظور اليه هي ارواحهم فلعلها مثلت له في الدنيا الخ واما اجسادهم فهي في القبور اه (فتح الباری باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی)

حدیث انس رضی اللہ عنہ کے شواہد[3]

حدیث انس رضی اللہ عنہ جس سے انبیاء کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے اوپر درج ہو چکی ہے۔ اب ذیل میں چند احادیث کو درج کیا جاتا ہے جن کو بیہقی رحمہ اللہ نے بطور "شاہد[4]" اپنی کتاب "جزء حیاۃ الانبیاء" میں پیش کیا ہے یہ احادیث حسب تصریح امام بیہقی صحیح ہیں:

الف: صحیح مسلم میں مرفوعاً بروایت حماد بن سلمہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "مررت بموسیٰ ليلة اسرى بي عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلي في قبره"

ترجمہ: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں سرخ ریت کے تودہ کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے جب میں گزرا تو موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے اندر نماز میں کھڑا مشغول دیکھا۔

ب: صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً مروی ہے: "لقد رأيتني في الحجر وانا اخبر قريشا عن مسراى فسألوني عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها فكربت كربا ما كربت مثله قط فرفعه الله لي انظر اليه ما يسألوني عن شيء الا انباتهم به وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا موسىٰ قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كانه من رجال شنوءة واذا عيسىٰ بن مريم يصلي اقرب الناس به شبها عروة بن مسعود الثقفي واذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه فحانت الصلوٰة فاممتهم"

---

[1] قولہ والجسد الخ مؤلف کہتا ہے کہ ابن المسیب رحمہ اللہ کے اس قول کے مطابق بھی ماننا پڑے گا کہ چالیس دن کے بعد انبیاء قبور سے باہر جا سکتے ہیں اور قبور کے اندر بھی رہ سکتے ہیں کیونکہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اس وقت ان کی وفات پر صدیاں گزر چکی تھیں۔

[2] قولہ سب کو الخ وهذا كما في رواية عبد الرحمن عن انس رضی اللہ عنہ ...... هذا لم يبعث له آدم فمن دون فامهم تلك الليلة اه (جمع الفوائد ص ۵۶ ج ۴)

[3] قولہ عن البیہقی رحمہ اللہ فی الجزء۔

[4] اصطلاح حدیث میں وہ حدیث کہ جس سے دوسری حدیث کی تائید ہوتی ہے، "شاہد" کہلاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور ابراہیم علی نبینا وعلیہم کو آپ ﷺ نے شب معراج میں نماز پڑھتے[1] دیکھا پھر جب نماز کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے ان کو مع دیگر انبیاء کے نماز پڑھائی۔ (یعنی رسول اللہ امام ہوئے، دوسرے انبیاء مقتدی)

ج: سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''انہ ﷺ لقیھم بیت المقدس'' (جزء حیات الانبیاء)

یعنی بیت المقدس میں آپ ﷺ نے انبیاء کے ساتھ ملاقات کر لی۔

د: ابوذر اور مالک رضی اللہ عنہ بن صعصعہ کی حدیث میں قصہ معراج میں منقول ہے: ''انہ لقیھم فی جماعۃ[2] الانبیاء فی السموات وکلمھم وکلموہ''

ترجمہ: یعنی نبی کریم ﷺ کی ملاقات اور بات چیت ساوات میں انبیاء علیہم السلام کی جماعت کے ساتھ ہوئی۔

احادیث مذکورہ سے حیات انبیاء علیہم السلام پر استدلال کی کیفیت

احادیث مذکورہ میں موسیٰ کا اپنی قبر پاک میں نماز میں مشغول ہونا اور انبیاء علیہم کا بیت المقدس میں تشریف فرما ہونا مذکور ہے۔ (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ وفات کے بعد پھر بحالت زندگی دیکھے گئے) انبیاء کے ساتھ خاتم الانبیاء کا مکالمہ بھی مذکور ہے جو حسب تحقیق وتصریح امام بیہقی رحمہ اللہ بروح وبجسد تھا۔ ان جملہ امور سے ''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اس لئے یہ احادیث اس کے لئے شواہد ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ان کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''وکل ذلک صحیح لایخالف بعضہ بعضا فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنبینا ﷺ فیراھم ثم یعرج بھم الی بالسموات کما یعرج عرج بنبینا ﷺ فیراھم کما اخبر وصلوٰتھم فی اوقات مواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بھا خبر الصادق وفی کل ذلک دلالۃ علیٰ حیاتھم، اھ'' (حیاۃ الانبیاء ص۸)

ترجمہ: یہ سب احادیث صحیح ہیں، ان میں سے کوئی حدیث کسی دوسری حدیث کی مخالف بھی نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ نے قبر میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتے دیکھ لیا ہو۔ پھر بطور اسراء کے موسیٰ علیہ السلام و نیز دیگر انبیاء کو بیت المقدس میں اسی طرح پہنچایا گیا ہو کہ جس طرح ہمارے نبی ﷺ کے بطریق اسرار کے بیت المقدس میں پہنچایا گیا۔ لہٰذا ان کو آپ ﷺ نے وہاں دیکھ لیا ہوگا۔ اس کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو بطور معراج کے ساوات پر چڑھا دیا گیا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کو بھی اسی موقع پر بطریق معراج کے

---

[1] اس حدیث میں کئی اشکال ہیں کیونکہ نماز اب تک فرض نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہ انفرادی نماز پہلے کیسی پڑھی گئی۔ پھر نماز کا وقت ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟ تفصیلی جواب کے لئے میرا رسالہ ''ارفع الادراج بسرالمعراج'' دیکھئے۔ یہاں اس قدر سمجھ لیجئے کہ یہ عمل درحقیقت اسی نماز کی عملی صورت دکھانے کے لئے کیا گیا جو عنقریب امت محمدیہ میں رائج ہونے والی تھی کہ پہلے یہ حضرات نوافل میں مشغول ہوئے پھر اس نماز کا وقت آیا جو سب پر فرض تھی تو اس کی جماعت کھڑی ہو گئی اور امامت کا منصب سید الانام کو دیا گیا۔ یہ کون سی نماز تھی۔ اس کا جواب بھی رسالہ مذکور میں دیا گیا ہے۔ یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

[2] وفی حدیث المعراج فی روایۃ فجمع لی الانبیاء وفی اخری ثم بعث لہ آدم فمن دونہ۔ (باب المعراج)

وہاں پہنچا دیا گیا ہو۔ اس لئے سماوات پر بھی آپ ﷺ نے ان سب کو دیکھا ہوگا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمادیا ہے اور اوقات مختلفہ میں مواضع متعددہ کے اندر ان کا نماز پڑھنا عقلاً ممکن ہے جو مخبر صادق کی خبر سے نقلاً بھی ثابت ہوا۔ الغرض ان تمام تفاصیل میں حضرات انبیاء کی حیات پر دلالت موجود ہے۔ (حیاۃ الانبیاء ص ۸)

امام بیہقی رحمہ اللہ کے اس بیان کے ساتھ امام ممدوح کی عبارت گزشتہ بھی ملحوظ رہے کہ جس میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ "فعلی ھذا یصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلھم اللہ الخ یعنی سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد پھر سے دوسرے زندہ انسانوں کی طرح ہو جاتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ ان کو اتارتا ہے وہاں ہی ہوتے ہیں۔"

نیز اسراء اور معراج کا بجسد عنصری اور حیات دنیوی کی حالت میں ہوتے ہوئے واقع ہونا اہل سنت کے عقیدہ منصورہ کے مطابق نبی کریم ﷺ کے حق میں ثابت ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ کا دوسرے انبیاء کے حق میں بھی اسی قسم کا اسراء اور معراج تسلیم کرنا اور اس سے حیات انبیاء فی القبور کو ثابت کرنا بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کس قسم کی حیات ائمہ حدیث کے نزدیک عالم برزخ میں مسلم الثبوت ہے۔

تنبیہ: شب معراج میں نبی کریم ﷺ کی سیر کے دو حصے ہیں:

ایک حصہ مکہ سے بیت المقدس تک شباشب جانا۔

دوسرا حصہ بیت المقدس سے سماوات پر چڑھ کر عالم بالا کی سیر کرنا۔

ان میں سے پہلے حصے کو "اسراء" کہتے ہیں، جس کا ذکر نص قرآن میں بتصریح موجود ہے: "قال تعالیٰ: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ"

دوسرا حصہ احادیث صحیحہ میں بتصریح مذکور ہے، اس حصے کو معراج[1] کہا جاتا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرات انبیاء کا اپنی ان قرارگاہوں سے (کہ جن میں رب العزت جل مجدہ نے ان کو عالم برزخ میں مقیم کر دیا ہے) آکر بیت المقدس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مجتمع ہونا بطریق اسراء کے مان لیا ہے۔ پھر سماوات کے مجمع میں جانا موصوف نے سب انبیاء کے لئے جو بیت المقدس میں تھے بطور معراج کے قرار دیا ہے اور اس کو دوسرے محدثین نے تلقی بالقبول کر لیا ہے۔

فتح الباری کی عبارت

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی تحقیق بالا کو حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے: "قال البیھقی و شاھد الحدیث الاول ما ثبت فی صحیح مسلم رحمہ اللہ . . . عن انس رضی اللہ عنہ رفعہ مررت لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر و ھو قائم یصلی فی قبرہ . . . فان قیل ھذا خاص بموسیٰ فلنا وجدنا لہ شاھدا من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اخرجہ مسلم ایضا مرفوعا لقد رأیتنی فی الحجر و قریش تسالنی عن مسرای الحدیث و فیہ رأیتنی فی جماعۃ من الانبیاء فاذا موسیٰ قائم یصلی . . . و اذا عیسیٰ بن مریم قائم یصلی . . . و اذا ابراھیم قائم یصلی فحانت الصلوٰۃ فاممتھم قال البیھقی و فی حدیث سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ لقیھم ببیت المقدس فحضرت الصلوٰۃ فامھم نبینا ﷺ ثم اجتمعوا فی بیت المقدس و فی حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ و مالک رضی اللہ عنہ بن صعصعۃ فی قصۃ الاسراء انہ لقیھم بالسموات و طرق ذلک

[1] یہ علمی اصطلاح ہے، عام لوگ اس ساری سیر کو معراج ہی سے یاد کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

صحیحۃ فیحمل علیٰ انہ رأی موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ ثم عرج بہ ھو ومن ذکر من الانبیاء الی السمٰوات فلقیھم النبی ﷺ ثم اجتمعوا فی بیت المقدس فحضرت الصلوٰۃ فامھم نبینا قال وصلوٰتھم فی اوقات مختلفۃ وفی اماکن مختلفۃ لایردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذلک علیٰ حیاتھم"

بیان فائدہ

ناظرین! اس عبارت کے اندراج کو تکرار بے فائدہ خیال نہ کریں کیونکہ اس سے بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام مذکور کی توضیح اور احادیث مذکورہ کی مزید توثیق وتصحیح کے ساتھ ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ حافظ جیسے محقق ومحدث نے بھی دیگر محدثین کی طرح بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو قبول کرلیا ہے۔

افادہ: تحقیق بالا کے مطابق ماننا پڑے گا کہ محفل "اسراء" میں ان انبیاء علیہم السلام کو کہ جو اس سے پیشتر وفات پاچکے تھے اور ان کو جو ہنوز موت کا ذائقہ نہیں چکھ چکے تھے، سب سے پہلے بطور اسراء کے قدس میں پھر بطور معراج کے سماوات میں زندہ ہوکر پہنچایا گیا اور ان سب کی حیات میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں تھا کہ بعض کو احیاء بعد الموت کے بعد اور بعض کو قبل الموت اس "اسراء" اور "معراج" سے نوازا گیا۔ اور اس تمام واقعہ سے "فدل ذلک علیٰ حیاتھم" کا نتیجہ نکلنا بتاتا ہے کہ ائمہ حدیث اور اصحاب سنن واحادیث کے نزدیک وہ حیات جو انبیاء کو وفات کے بعد حاصل ہوتی ہے اور وہ حیات جو موت سے پہلے حاصل ہوا کرتی ہے، اپنی حقیقت وماہیت کے لحاظ سے یکساں اور غیر متفاوت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

قیاس اولویت سے حیات فی القبور کا ثبوت

حافظ ابن حجر عبارت بالا کے بعد فرماتے ہیں کہ: "قلت واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویۃ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشھداء"

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ دلیل نقلی سے تو انبیاء کا زندہ ہونا ثابت ہوگیا۔ علاوہ بر آں درایت سے بھی اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ نص قرآنی کے مطابق شہداء زندہ ہوا کرتے ہیں، درآں حالیکہ انبیاء کا مرتبہ شہداء سے برتر ہے۔ (لہٰذا بقیاس اولویت انبیاء کا زندہ ہونا ضروری ہے) (فتح الباری شرح بخاری)

فصل دوم

حدیث انس کے دیگر شواہد[1]

حدیث معراج کے علاوہ اور بھی چند احادیث سے حدیث انس رضی اللہ عنہ کی تائید ہوتی ہے جن کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں حدیث انس رضی اللہ عنہ (الانبیاء احیاء الخ) کے لئے "شاہد" قرار دے دیا ہے۔ ہم ذیل میں ان کو درج کرتے ہیں:

[1] حدیث معراج سے موسیٰ علیہ السلام کا نیز دیگر انبیاء کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے جو معراج سے پہلے وفات پاچکے ہیں اس لئے اس سے الانبیاء احیاء کی تائید صراحۃً ہوتی ہے۔ اس فصل کی حدیث سے تائید مذکور التزاماً ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو الگ فصل میں درج کیا گیا۔

بلوغ صلوٰۃ[1]

۱ ...... ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً سنن ابوداؤد میں ایک حدیث مروی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے: ''صلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم۔ سندہ صحیح، اھ'' (فتح)

ترجمہ: تم درود پڑھا کرو کیونکہ جہاں کہیں بھی تم درود پڑھو گے، مجھے ضرور پہنچے گا۔

حافظ نے باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم الخ کی احادیث مندرجہ کی شرح میں اس حدیث کا صرف یہ ایک قطعہ نقل کر کے اس کے حق میں فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور یہ دراصل ایک شبہ کا جواب آپ رحمہ اللہ نے دے دیا ہے۔ وہ یہ کہ ابوداؤد نے جس سند سے اس کی روایت کی ہے اس میں ایک راوی عبداللہ بن نافع ہے جس کے حافظہ پر ابن معین نے اعتراض کیا ہے، مگر ابوزرعہ کی تحقیق اعتراض مذکور کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے لاباس بہ کہہ کر اس کی توثیق کر لی ہے۔

اس اختلاف کا فیصلہ حافظ رحمہ اللہ نے یوں کر دیا کہ عبداللہ بن نافع کی روایت کو مخدوش کہنا درست[2] نہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی جزء حیاۃ الانبیاء میں اس کی تخریج کی ہے اور فاضل بوسنوی اپنے حاشیہ میں اختلاف مذکور نقل کر کے رقم طراز ہیں کہ: ''وللحدیث شواھد روی نحوہ ابو یعلی الموصلی وفی سندہ ایضا عبداللہ بن نافع المذکور اھ'' اور حافظ فرماتے ہیں کہ ابوالشیخ نے اس کی تخریج[3] سند جید کے ساتھ کی ہے۔

پوری حدیث ابوداؤد میں یوں ہے: ''قال رسول اللہ ﷺ لاتجعلوا بیوتکم قبورا ولاتجعلوا قبری عیدا وصلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم''

ترجمہ: اپنے گھروں کو قبرستان اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور درود پڑھا کرو کیونکہ جہاں بھی تم ہو گے، تمہارا درود ضرور مجھے پہنچ جائے گا۔ اس حدیث میں تین امور مذکور ہیں:

اوّل: یہ کہ گھروں میں نوافل پڑھا کرو اور ان کو قبرستان کی طرح نماز سے خالی مت رکھا کرو۔ جس گھر میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے اسے قبرستان کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ عام طور پر یہ بیان کی جاتی ہے کہ مقابر میں نماز ممنوع ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو بھی مقابر جیسا مت بناؤ۔ حافظ[4] رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں وجہ تشبیہ یوں بیان کی ہے کہ رات بھر نوافل سے غافل ہو کر اس طرح مت سویا کرو کہ نیند کی وجہ سے تم اموات جیسے ہو جاؤ کہ جس سے تمہارے گھر بھی قبور جیسے ہوں گے۔

---

[1] یعنی احادیث میں بلوغ صلوٰۃ وارد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تک درود پڑھنے والوں کا درود پہنچ جاتا ہے اور ان حدیثوں سے حیات فی القبر کا ثبوت اس طرح ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ کو حیات حاصل نہ ہوتی تو درود پہنچ جانے کا لفظ بے محل ہوتا اس لئے کہ مردہ تک تو کوئی چیز نہیں پہنچ جاتی۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی ابوزرعہ کی رائے اس راوی کے حق میں حافظ کے نزدیک زیادہ وقیع ہے۔ علاوہ برآن ابوالشیخ کے یہاں یہ حدیث سند جید کے ساتھ مروی ہے۔ لہٰذا حافظ کا یہ فیصلہ ہر حال میں قابل قبول ہے۔ ۱۲ منہ

[3] لیکن ابوالشیخ کا لفظ یہ ہے: من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ گویا حافظ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ ہم آگے چل کر اس کے متعلق مزید بحث کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

[4] باب العمل فی العشر الاواخر فی کتاب الصوم۔ ۱۲ منہ

دوم: یہ کہ میری قبر کو عید[1] کی طرح اجتماع کا ذریعہ مت بناؤ۔

سوم: مجھ پر درود پڑھنے کے لئے یہ ضروری مت سمجھو کہ صرف میری قبر پر ہی آ کر درود پڑھنا جائز ہے، نہیں! ہرگز نہیں بلکہ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی درود پڑھے گا مجھے ضرور پہنچ جائے گا۔

''لاتجعلوا قبری عیداً'' کے متعلق علماء کے اقوال

آپ ﷺ کا ارشاد کہ میری قبر کو عید مت بناؤ تشریح طلب ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغۃ میں اس کی شرح یوں کرتے ہیں کہ: ''ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصاریٰ بقبور انبیائھم وجعلوھا عیداً وموسما بمنزلۃ الحج''

ترجمہ: حفظ ما تقدم کے طور پر مذہبی احکام میں تحریف کا راستہ بند کرنے کی غرض سے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کیونکہ یہود ونصاریٰ نے اپنے انبیاء کی قبور کو موسمی اور حج جیسے اجتماعات کا ذریعہ بنادیا تھا۔[2]

ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں: ''والمعنی لاتجعلوا زیارۃ قبری عیداً ومعناہ النھی عند الاجتماع لزیارتہ علیہ السلام اجتماعھم للعید من الایام وقد کانت الیھود والنصاریٰ یجتمعون لزیارۃ قبور انبیائھم ویشتغلون بالطرب واللھو مع ابائھم وابنائھم ونسائھم فنھی النبی ﷺ عن ذلک ویحتمل ان یکون الحث علی کثرۃ زیارۃ اھ'' (شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۴)

ترجمہ: قبر کو عید بنانے سے منع کرنے کا مقصد قبر اطہر کی زیارت کو عید بنانے سے روکنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنی قبر پاک کی زیارت کے لئے اس قسم کا اجتماع ممنوع قرار دے دیا ہے جو عید جیسے اجتماع کے رنگ میں ہو۔ درآنحالیکہ یہود ونصاریٰ کا معمول تھا کہ وہ انبیاء کے مزارات پر زیارت کے لئے جمع ہوتے اور طرب ولہو میں عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے سب ہی اکٹھے ہوجاتے تھے۔ اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس ارشاد سے قبر اطہر کی زیارت کثرت کے ساتھ کرنے کی رغبت دلانا منظور ہو (یعنی عید کا چاند مت ہو، بلکہ باربار آیا کرو) یعنی عید کی طرح شاذ ونادر مت آؤ بلکہ بار بار آیا کرو۔

مؤلف کی شرح

میں کہتا ہوں کہ تینوں فقروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کے بعد اس حدیث کا مطلب ترغیب نوافل فی البیوت کے علاوہ دو امر پر شامل ہے:

اوّل: یہ کہ آپ ﷺ نے زیارت قبور کو علی العموم اور اپنی قبر اطہر کی زیارت کو علی الخصوص مشروع ومسنون فرما کر مؤخر الذکر کے متعلق عوام کی سابقہ روایات کی بناء پر اس میں ایسی تحریف واقع ہونے کا خطرہ محسوس کیا، جو ہر مذہب[3] میں عموماً بے علموں اور بداعمال لوگوں کے ہاتھوں اس حکم مشروع میں داخل ہوگئی تھی۔

---

[1] شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس جگہ مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے: لاتجعلوا زیارۃ قبری عیداً۔

[2] مثلاً یہود نے پیغمبروں کی قبور کو پھر ان کے بعد نصاریٰ نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب اشیاء کو ذریعہ اجتماع بنادیا تھا۔

[3] یعنی زیارت قبور کے مسئلہ میں۔

اس لئے اپنی امت کو تحریف مذکور کے راستے پر گامزن ہونے سے روک دیا۔ یعنی میری قبر اطہر اور روضہ منورہ کی زیارت تو ضرور کیا کرو، مگر زیارت کو بہانہ بنا کر اپنی عیاشی، جشن لہو ولعب غیر مسنون اجتماع و دیگر خرافات کو میری قبر کے ساتھ وابستہ مت کرو۔ پھر ان[1] دونوں کے درمیان مزید امتیاز کی مہمائش یوں فرمائی کہ زیارت کو عید کی ہیئت سے جدا کرو۔ پس زیارت کی جو ہیئت عید کی ہیئت سے مشابہ ہو، وہ ممنوع اور جو اس سے خالی ہو وہی مشروع ہوگی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی کا کلام مذکور بھی اسی مضمون کی طرف مشیر ہے کہ: ''مذہبی احکام میں تحریف کا راستہ بند کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا ہے۔'' جس کی مراد میری سمجھ میں یہی آتی ہے کہ روضہ اطہر کی زیارت ایک امر مشروع ہے اس کو ایسے اجتماعات[2] سے جو منکرات پر مشتمل ہوں پاک رکھنے کے لئے یہ ارشاد وارد ہوا ہے۔ (واللہ اعلم بمراد عبارۃ)

اسی طرح ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام کا مفاد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زیارت تو کثرت سے کرنی چاہئے، لیکن اس کے ضمن میں ایسے اجتماعات سے احتراز کرنا ضروری ہے کہ جن میں (دیگر تفریحات کی طرح سارا کنبہ بطور تفریح و سیر کے شامل ہو کر یاد الٰہی سے غافل ہو جانے کی حالت میں) بسا اوقات منکرات و منہیات شرعیہ سے بھی محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث لاتجعلوا قبری[3] عیدا بھی ان نصوص میں سے ایک ہے جو نبی کریم ﷺ کی قبر پاک کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرتی اور ساتھ ہی اس کا مسنون طریقہ بھی بتاتی ہے۔ اسی مضمون کو ملا علی قاری اور محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس سے اخذ کیا ہے اور یہ استنباط اصحاب سنن وائمہ حدیث کے طریق استدلال کے ساتھ بھی مطابق ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو سنن ابو داؤد کے کتاب المناسک میں درج کر کے ''ترجمۃ الباب[4]'' کا عنوان باب زیارۃ القبور امام ابوداؤد نے تجویز کیا ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ کا شہداء احد کی قبور کی زیارت کے ارادے سے تشریف لے جانے کی حدیث بھی آپ نے اسی باب میں درج کی ہے اور اس مجموعے[5] سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد اس بات میں یہ مسئلہ بتا گئے ہیں کہ حج کے ساتھ روضہ مطہرہ کی زیارت کی نیت کرنا مشروع ہے اور یہ کہ اس حدیث[6] سے روضہ مطہرہ کی زیارت کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے مگر زیارت کو لہو وطرب یا بدعات ومنکرات کے ساتھ خلط ملط کرنے کی نہی صریح بھی اسی میں مذکور ہے۔

دوم: یہ کہ آپ نے قبر اطہر کی زیارت کو عید بنانے سے روک دینے کے بعد یہ فرمایا کہ درود پڑھا کرو

---

[1] یعنی زیارت مسنونہ اور وہ زیارت جس میں تحریف واقع ہونے کی وجہ سے صورت مسنونہ باقی نہ رہے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ عید کے لفظ سے مستفاد ہے کیونکہ عید کا مابہ الامتیاز در حقیقت اجتماع ہی ہے۔ ۱۲ منہ

[3] میری قبر کی زیارت کو عید مت بناؤ۔ ۱۲ منہ

[4] ''ترجمۃ الباب'' علماء حدیث کی اصطلاح میں اس سرخی کو کہا جاتا ہے جو کسی حدیث کے درج کرنے سے پہلے فصل یا باب کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اسی میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک حدیث کا مطلب اور مضمون کیا ہے؟ ۱۲ منہ

[5] یعنی امام ابوداؤد کا سنن ابوداؤد کے کتاب الحج میں اس حدیث کو درج کرنا پھر ترجمۃ الباب میں باب زیارۃ القبور رکھ دینا پھر اس میں حدیث زیر بحث کے علاوہ عام مسلمانوں کی قبور کی زیارت کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی حدیث کو لانا ان تینوں امور کے مجموعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابوداؤد بھی لاتجعلوا قبری کا مطلوم وہی قرار دیتا ہے کہ جو اوپر بیان کیا گیا۔ ۱۲ منہ

[6] خلاصہ یہ کہ محط نہی زیارت کو عید بنانا ہے۔ نفس زیارت نہیں جیسا کہ نفی مقید کا قاعدہ ہے کہ نفی صرف قید پر وارد ہوتی ہے۔

کیونکہ وہ مجھے ضرور پہنچے گا، خواہ درود پڑھنے والا دور دراز مقام پر ہی کیوں نہ ہو۔ دونوں قطعوں[1] کے ارتباط باہمی یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کو قبر اطہر کی حاضری میسر نہ آئے تو اس کی تسکین قلب اور اکتساب ثواب وسعادت کے لئے یہ تجویز فرمائی گئی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو وہاں سے ہی درود بھیجا کرے اور اس وہم میں نہ پڑے کہ دور ہونے کی وجہ سے اس کا درود نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کیسے پہنچے گا؟ کیونکہ حق تعالیٰ جل مجدہ نے انتظام کر رکھا ہے۔ اس لئے درود پڑھنے والوں کا درود دربار نبوی ﷺ میں ضرور پہنچتا ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ گھروں میں نماز جائز و مستحب ہے، وہاں ترک نوافل مت کرو۔ روضہ مطہرہ کی زیارت مشروع ہے اس کو غیر مشروع امور کے ساتھ خلط مت کرو۔ درود شریف نبی کریم ﷺ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے کہ مبادا دور[3] سے پہنچ نہ سکے، درود خوانی ترک مت کرو۔ اور جس طرح نماز کے لئے مسجد کا وجود لازمی نہیں اسی طرح درود کے لئے زیارت کوئی شرط لازمی نہیں بلکہ زیارت[2] اور درود تو نور علی نور ورنہ صرف درود[4] بھی مثمر برکات ضرور ہے۔

۲...... جزء حیاۃ الانبیاء میں موقوفاً علی ابن عباس مروی ہے: ''لیس احد من امۃ محمد ﷺ یصلی علیہ صلوۃ الا وھی تبلغہ یقول لہ الملک فلان یصلی علیک کذا وکذا صلوۃ '' (وھو مع کونہ موقوفا فی حکم المرفوع لان مثلہ لایدرک بالقیاس۔ ۱۲ ب)

ترجمہ: امت محمدیہ میں سے جو شخص بھی درود پڑھتا ہے، اس کا درود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔ فرشتہ[5] آپ ﷺ سے کہتا ہے کہ فلاں شخص[6] نے اتنے درود پڑھ لئے ہیں۔

ابلاغ[7] و تبلیغ صلوٰۃ

۳...... حافظ نے شرح صحیح[8] میں بحوالہ ابوالشیخ روایت کی ہے کہ: ''من صلّٰی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیاً ابلغتہ''

---

[1] یعنی لاتجعلوا الخ اور وصلوا الخ۔ ۱۲ منہ

[2] وقد اخلت ھذا مما اخرجہ ابو یعلی الموصلی عن علی بن الحسین انہ رأی رجلا یجیئی الی فرجۃ کانت عند قبر النبی ﷺ فیدخل فیھا فیدعوا فقال الا احدثکم حدیثا سمعتہ عن ابی عن جدی عن النبی ﷺ قال لاتتخذوا قبری عیدا ولا بیوتکم قبورا فان تسلیمکم یبلغنی اینما کنتم، اھ (جمع ص ۲۰۲) ۱۲ منہ

[3] من صلی علی عند قبری سمعتہ۔ ۱۲ منہ

[4] صلوا علی حیث کنتم فان صلوتکم تبلغنی۔ ۱۲ منہ

[5] یعنی وہ فرشتہ جو درود شریف پہنچانے کی خدمت پر مامور ہے۔ ۱۲ منہ

[6] کذا و کذا کا اس جگہ عدد کے لئے ہونا ظاہر ہے جیسا کہ اس کے صلوۃ کا بطور تمیز واقع ہونے سے معلوم ہوتا ہے: فان قولک قبضت کذا وکذا درھما محمول علی الکنایۃ عن العدد ۱۲ منہ

[7] ابلاغ پر جو احادیث شامل ہیں ان سے حیات پر اس طرح دلالت ہوتی ہے کہ جس کو کوئی چیز پہنچائی جائے، اس کا زندہ ہونا ضروری ہے۔

[8] یعنی صحیح بخاری۔ ۱۲ منہ

ترجمہ: میری قبر کے پاس آ کر جو شخص درود پڑھے گا، اسے میں بذات خود سن لوں گا اور جو دور سے درود بھیجے گا اس کا درود میرے پاس پہنچایا جائے گا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق یہ دراصل مذکورہ بالا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا لفظ ہے اور اس کی سند کو حافظ نے جید[1] قرار دیا ہے۔

۴ ...... ''ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام (جزء حیاۃ الانبیاء عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا واخرجہ النسائی واحمد والحاکم وصححہ والدارمی والبیھقی فی الشعب والبزار وابن حبان فی صحیحہ۔ قال الخفاجی اسنادہ صحیح)

ترجمہ: فرشتوں کی ایک جماعت زمین میں گھومتی رہتی ہے۔ میری امت کا سلام مجھے وہی پہنچاتے ہیں۔

۵ ...... ''من صلّٰی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ'' (عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا جزء حیاۃ الانبیاء)

ترجمہ: یہ حدیث اسی لفظ کے ساتھ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔ اس لئے ترجمہ وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

بحث رواۃ وتصحیح

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے رواۃ میں ایک راوی ابو عبدالرحمٰن ہے اور وہ غالباً وہی شخص ہے، جس کا نام ''محمد بن مروان السدی'' ہے۔ اس لئے یہ حدیث اعتراض سے خالی نہیں۔ (قول البیہقی رحمۃ اللہ علیہ)

مراد یہ ہے کہ محمد بن مروان السدی مذکور کو ضعیف اور متہم بالکذب کہا گیا ہے۔ اس وجہ سے حدیث کی صحت میں اشکال ہے۔

اس اشکال کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حافظ نے ابوالشیخ کے حوالے سے فتح الباری میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں اس کی تخریج سند جید کے ساتھ کی ہے۔ دوسرا جواب بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے کلام میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے اعتراض بالا کا ذکر کرنے کے بعد خود ہی فرمایا ہے: وقد مضی مایؤ کدہ اور اس کا مطلب حافظ کے کلام سے واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ موصوف نے فتح الباری[2] میں اس حدیث کو دراصل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع کا دوسرا لفظ قرار دے دیا ہے۔ جس کو بسند صحیح ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (ولفظہ صلّوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم) گویا حدیث نمبر ۱، ۳، ۴ ایک ہی حدیث ہے۔ جسے الفاظ کے معمولی تفاوت[3] کے ساتھ مختلف محدثین نے روایت کیا ہے۔

---

[1] یہ علم حدیث کا اصطلاحی لفظ ہے۔ مراد یہ ہے کہ حدیث درست ہے اور اس کی سند میں کوئی رخنہ نہیں۔ اس حدیث کے متعلق مزید بحث آگے آ رہی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] فتح الباری کی عبارت یہ ہے: ومن شواھد ھذا الحدیث (یعنی الانبیاء اصاد الخ) مااخرجہ ابو داؤد من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ رفعہ وقال فیہ وصلّوا علیّ فان صلوٰتکم تبلغنی حیث کنتم سندہ صحیح واخرجہ ابو الشیخ سند جید بلفظ من صلّٰی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ۔ ۱۲ (فتح)

[3] قولہ تفاوت الخ، مثلاً: نمبر ۱ کے الفاظ میں عند القبر یا بعد عند القبر کے الفاظ نہیں اور نمبر ۲، نمبر ۳ کے الفاظ بھی ایک سے ہیں، صرف اسانید وتخریج متفاوت ہیں۔ ۱۲ منہ

اب جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث زیر بحث کی وہ سند جو ابو الشیخ کی روایات میں واقع ہوئی ہے، اعتراض بالا سے محفوظ ہے اور امام بیہقی ﷫ نے جس سند پر ابو عبدالرحمٰن کی وجہ سے اعتراض کیا تھا اس کو خود ہی زائل بھی کر دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس حدیث کو ابوداؤد کی حدیث ابو ہریرہ ﷜ کا دوسرا لفظ مانتے ہیں جو سابقا گزر چکی ہے۔ لہٰذا اوّلاً اعتراض بالا کی کوئی وقعت تحقیق و تفصیل صدر کے بعد باقی نہیں رہتی۔ بالفرض اگر اس کی کوئی وقعت تسلیم کی جائے۔ تب بھی اس کا تعلق صرف اس سند کے ساتھ ہوگا، جو اس کے متعلق جزء حیاۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔ مضمون حدیث کی صحت میں کوئی تردد باقی نہیں رہا۔

۶...... ''ان اللہ وکّل بقبری ملکا اعطاہ اسماع الخلائق فلا یصلی علی احد الیٰ یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہ واسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک ''(عن عمار بن یاسر ﷜ مرفوعا اخرجہ البزار بضعف کذا فی جمع الفوائد)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر ﷜ رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو دنیا[۱] بھر کی مخلوق کے کان عطا فرما کر میری قبر کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے، پس ہر شخص کو درود وہی فرشتہ قیامت تک اس کے نام اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ میرے پاس پہنچا دیا کرے گا۔

اس حدیث کو بعض راویوں کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن متعدد شواہد کے بناء پر نفس مضمون کو صحیح ماننا ضروری ہے (دیکھو حدیث نمبر ۴ جس کی صحت مسلم ہے)

عرض صلوٰۃ[۲]

۷...... ''اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فی یوم الجمعۃ فانہ لیس احد یصلی علی یوم الجمعۃ الا عرضت علی صلاتہ ''(اخرجہ البیہقی فی الجزء عن ابی مسعود ﷜ مرفوعا)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود ﷜ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تم جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ جو شخص جمعہ کے دن درود پڑھتا ہے، اس کا درود میرے سامنے ضرور پیش کیا جاتا ہے۔

توضیح

اس کی مزید وضاحت اگلی حدیث سے ہوگی کہ جمعہ کا درود اسی روز پیش ہوا کرتا ہے۔

۸...... ''اکثروا علیّ من الصلوٰۃ فی کلّ یوم جمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علی فی کل یوم[۳] جمعۃ فمن کان اکثرھم علی صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ ''(اخرجہ البیہقی فی الجزئ عن ابی امامۃ مرفوعاً)

---

[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فرشتے میں ایسی قوت قدرت نے ودیعت کر رکھی ہے کہ تمام مخلوقات کے درود کو سن سکتا ہے۔ حدیث نمبر ۴ میں ایک جماعت کا درود پہنچانے پر مامور ہونا مذکور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں اسی مضمون کو ان لفظوں میں ادا کر دیا گیا ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ جماعت اس فرشتے کے ذریعے سے کہ جس کا ذکر حدیث ہذا میں ہے درود پہنچاتی ہو اور یہی مضمون اسماع خلائق کے اعطاء سے مراد ہو۔ واللہ اعلم!

[۲] درود کا رسول اللہ ﷺ پر پیش ہونا تب ہی ممکن ہے کہ جب آپ ﷺ زندہ ہوں۔ اس لئے امام بیہقی ﷫ نے ان احادیث کو شواہد میں محسوب کیا۔ ۱۲ منہ

[۳] دوسری احادیث میں یہ قید مذکور نہیں کہ جمعہ کو درود پیش ہوتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر جمعہ کے دن میں کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ امت کا درود ہر جمعہ کے روز میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پس جس کے درود کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی بلحاظ مرتبہ وہی سب سے زیادہ میرا مقرب ہوگا۔ یعنی قیامت میں میرا مقرب سب سے زیادہ وہ ہوگا جس نے سب سے زیادہ تعداد میں درود پڑھا ہوگا۔

۹...... امام نسائی اور ابو داؤد نے اوس بن اوس ﷛ کی روایت سے جمعہ کی فضیلت کے متعلق ایک حدیث کی تخریج کی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ یوں ارشاد فرماتے ہیں: ''فاکثروا علی من الصلوٰۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمتَ[1] قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عز و جل حرم علی الارض اجساد الانبیاء''

ترجمہ: روز جمعہ میں تم کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارے درود کا میرے سامنے پیش کیا جانا یقینی ہے۔ صحابہ ﷡ نے عرض کیا کہ ہمارا درود کیسے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا، حالانکہ آپ ﷺ کے جسد اقدس کے متعلق بھی ہمارا وہی خیال ہے جو عام طور پر اموات کے ابدان کا حال مٹی میں ہوا کرتا ہے کہ ان کو خاک کھا جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس سوال کا جواب یوں دیا کہ انبیاء کے اجساد کو تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ ﷡ نے کوئی عقیدہ محض بے سوچے سمجھے یا وہم پرستی کے طور پر قائم نہیں کیا ہے اور نہ ہی اپنی طرف سے یا صرف اپنے قیاس سے کسی ایسی بات کو تسلیم کیا ہے جو عادۃ اللہ کے خلاف ہو، بلکہ وہ معجزات کے قائل تھے اور عادۃ اللہ کو بھی اچھی طرح جانتے تھے، جب تک وحی آسمانی یا نطق رسالت پناہی نے ان کو کسی بات کے متعلق خرق عادت کے طور پر واقع ہونے کا سبق نہیں دیا تب تک وہ کسی امر کو اس کا عادۃ اللہ کے خلاف واقع ہونا تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ہاں مادہ پرست مدعیان عقل و خرد کی طرح صرف نیچر[2] کو آخری مؤثر یا غیر مقدور[3] خالق برحق نہیں مانتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ''عام[4] عادت'' اس حقیقت کو جانتے تھے جس کو آج کل نیچر یا قانون قدرت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس لئے یا تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا اور یا اس حدیث کو جمعہ کی مخصوص خصوصیت پر حمل کیا جائے گا کہ اس میں اکثار درود کا حکم دیا گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں کثرت کے ساتھ عرض صلوٰۃ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ ہر ہر روز پانچ مرتبہ نماز کی جماعت ہوتی ہے مگر جمعہ کو جو خصوصیت جماعت کے ساتھ ہے وہ دوسرے ایام کو نہیں اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ جمعہ کے دن جماعت ہوتی ہے تو اس بناء پر درست ہوگا کہ جمعہ کو جو خصوصیت جماعت کے ساتھ ہے وہ دوسرے ایام کو نہیں۔ ۱۲ منہ

[1] ارمت مخفف ارممت ہے: یقال ارم العظم و بلی۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ نیچر الخ یعنی قانون قدرت جسے اصطلاح علماء میں ''عادۃ اللہ'' کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی خالق کائنات کی قدرت کی ماتحتی سے الگ۔ ۱۲ منہ

[4] قولہ عام عادت الخ، علماء کلام عادۃ اللہ (یا اللہ تعالیٰ کی عام عادت) اس کو کہتے ہیں جسے آج کل کے متورین نیچر یا قانون قدرت سے یاد کرتے ہیں۔ شریعت نے قدرت باری تعالیٰ کو قانون قدرت پر غالب مان لیا ہے۔ اس لئے شریعت جائز رکھتی ہے کہ کسی مصلحت کی بناء پر باری تعالیٰ کی قدرت مطلقہ اپنی عام عادت (یا قانون قدرت) کو بدل دے، مگر ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے جبکہ کسی بندہ کی عزت کا اظہار مقصود ہو۔ اسی لئے ہم نے ''اللہ تعالیٰ کی خاص عادت'' اس کا نام تجویز کیا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس لئے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص عادت سے اپنی عام عادت کو بدل سکتا ہے۔ ورنہ وہ قادر مطلق اور فاعل مختار نہیں ہوگا۔ لہٰذا جب کسی ممکن عقلی[1] کو مخبر صادق[2] کی خبر[3] نے ثابت کر دیا تو فوراً اپنا عقیدہ بدل دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ نیچر اور قانون قدرت کو خالق کائنات نہیں جانتے تھے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حیات انبیاء فی القبور کا عقیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ابتدائی عقیدہ نہیں، بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عقیدہ پہلے یہی تھا کہ انبیاء بھی دوسرے انسانوں کی طرح قبور میں جسد عنصری کو خیر باد کہتے ہوں گے۔

اس تفصیل کو ذہن نشین کرنے کے بعد عیاں ہے کہ جو سوال[4] و جواب یہاں مذکور ہے، اس کا تعلق نبی کریم ﷺ کے جسد "مع الروح" کے ساتھ اس وقت کے بارے میں ہے۔ جب کہ آپ ﷺ عالم قبر میں تشریف فرما ہوں گے۔ اس کا تعلق[5] محض روح کے ساتھ سمجھنا انتہائی کم فہمی ہے۔ ورنہ (معاذ اللہ) صحابہ رضی اللہ عنہم سائلین کے فہم پر اعتراض پڑے گا کہ آپ ﷺ نے روح پر درود کا "معروض ہونا" فرمایا تھا اور انہوں نے جسد پر قبر میں ہونے کی حالت میں "معروض ہونا" اس سے سمجھ لیا۔ اسی طرح حضور ﷺ کا جواب بھی محل نظر ہو جائے گا کہ اگر صرف روح پر درود کا معروض ہونا ہی آپ ﷺ کی مراد تھی تو "وقد ارمت" کا یہ جواب کیوں دے دیا کہ اجساد انبیاء علیہم السلام کو زمین نہیں کھاتی بلکہ یہ فرمانا کافی تھا کہ یہ معاملہ روح کا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ: "فان صلاتکم معروضۃ علی" کا مطلب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سمجھا کہ قبر اطہر میں میرے پاس تمہارا درود لایا جایا کرے گا۔

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) اس کا ماننا اس شخص پر فرض ہے جو وجود باری تعالیٰ کو مانتا ہے۔ خدا کے وجود کا انکار کرنے والے اس کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک آخری موثر صرف نیچر یا دہر ہے۔ عام عادت اور خاص عادت کو سمجھنے کے لئے اس پر غور کیجئے کہ نیچر یعنی طبیعت کا عام قانون یہ ہے کہ روشنی گرم اور تاریکی سرد ہے۔ روشنی کو حرارت سے جدا کرنا سائنس جاننے والوں کے نزدیک ناممکن ہے لیکن جگنو (کرم شب تاب) کی دم میں جو روشنی قدرت نے پیدا کی ہے، اس میں حرارت نہیں، علماء سائنس اس کی وجہ سمجھنے سے اب تک قاصر ہیں اور جب تک یہ راز سربستہ ہے تب تک یہی کہا جائے گا کہ جگنو کی بے حرارت روشنی قدرت کی خاص عادت ہے اور دوسری تمام گرم روشنیاں قدرت کی عام عادت کا کرشمہ ہیں گویا فطرت کا ایک خرق عادت جگنو میں موجود ہے جو قدرت کی عام عادت (یا بالفاظ دیگر عام قانون قدرت) کے خلاف ہے، اس تجربہ سے وہ شخص جو وجود باری کا قائل ہے، یہ نتیجہ نکالے گا کہ اللہ تعالیٰ کی عام عادت (مثلاً ہر روشنی کا گرم ہونا) کبھی کبھی اس کی خاص عادت سے بدل جایا کرتی ہے۔ علماء کلام خاص عادت کو قدرت اللہ اور عام عادت کو عادۃ اللہ کہتے ہیں اور خاص عادت یا قدرۃ اللہ کا کسی نیک بندے کے اعزاز و تائید میں عام عادت (یا قانون قدرت یا نیچر یا فطرت اور رفتار زمانے کے معروف اثرات کو بدلنا) علماء کلام کی اصطلاح میں خرق عادت کہلاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] قولہ ممکن عقلی الخ فلاسفہ کے نزدیک ممکن عقلی وہ ہے جس کے وقوع سے کوئی محال عقلی لازم نہ آئے اور محال عقلی اس کو کہتے ہیں جو اجتماع نقیضین کا مستلزم ہو۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ مخبر صادق الخ مخبر صادق سے جناب پیغامبر ﷺ مراد ہیں۔ علماء کلام کا اصول ہے کہ چونکہ پیغمبر کی خبر سچی ہوتی کیونکہ پیغمبر کا سچا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جو بات پیغمبر کے کلام سے ثابت ہو جائے اور وہ ممکن عقلی ہو تو اس کو مان لینا اہل ایمان پر فرض ہے۔

[3] خبر یعنی حدیث صحیح۔ ۱۲ منہ۔

[4] یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ سوال کہ آپ ﷺ پر ہمارا درود کیسے پیش ہوگا اور آپ ﷺ کا جواب کہ انبیاء کے جسد کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

[5] قولہ اس کا تعلق الخ کوئی مستند عالم نہ تو یہ بات کہتا ہے اور نہ ہی کہہ سکتا ہے بلکہ بعض یورپ زدہ جہلاء کو ایسی باتیں کہتے ہوئے سنا گیا ہے اور ان سے متجاوز ہو کر کند ذہنوں کے ایک گروہ میں بھی یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

آپ ﷺ کی مراد بھی یہی تھی کہ میں بروح وجسد قبر اطہر میں زندہ ہوں گا اور تمام معروضات کو قبر میں محسوس[1] ومعلوم کرلیا کروں گا۔ اور چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اب تک یہ عقیدہ انبیاء کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا، اس لئے انہوں نے سوال کیا کہ جسد تو قبر میں قائم نہیں رہا کرتا ہے۔ اس لئے وہاں آپ ﷺ پر درود کے معروض ہونے کی کیا صورت ہوگی۔ اسی بناء پر آپ ﷺ نے جواب میں جسد شریف کے متعلق ان کو وہ بات بتادی جو بطور خرق عادت کے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

الحاصل: اس حدیث سے صرف یہ ثابت کرنا کہ اجساد انبیاء کو زمین نہیں کھاتی ہے اور ان کی حیات فی القبر کو منفی سمجھنا کسی طرح بھی حدیث کے سیاق وسیاق کے ساتھ موافق نہیں اور نہ ہی اس صورت میں سیاق منتظم رہ سکتا ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو جواب اس قسم کا ہونا چاہئے تھا ''انما تعرض صلوتک علی روحی فمالکم ولکونی ارمت مع ان ظنکم ھذا ایضا فاسد فان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' مگر جب یہ اختصاص بالروح حدیث میں مذکور نہیں تو اس قسم کا تصرف اپنی طرف سے حدیث میں کرنا کسی کو جائز نہیں اور اگر جسارت کر کے کوئی شخص ایسا کرے تو یہ اس کی اپنی رائے[2] ہوگی حدیث کا مفہوم نہیں ہوگا۔

حدیث کی تخریج اور تصحیح

حدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء کو ابوداؤد اور نسائی کے علاوہ امام احمد، ابن ماجہ، دارمی، ابن ابی شیبہ، حاکم (رحمہم اللہ) نے بھی روایت کیا ہے۔ (بوسنوی)

اسی طرح ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح ابن حبان میں اس کی تخریج کی ہے۔ حاکم نے علی شرط البخاری رحمہ اللہ اس کے حق میں کہہ دیا ہے۔ (عون الودود) ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہہ دیا ہے۔ (فتح)

اس کی اسناد میں ایک راوی عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے، جس کی توثیق یحییٰ بن معین نے کردی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کے حق میں لیس بہ باس فرمایا ہے اور ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال میں ''ھو احد العلماء الثقات'' کہہ کر جو تضعیف بخاری نے اس کی کردی تھی، اس کا جواب بھی دے دیا ہے اور بعض کی تحقیق یہ ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تضعیف نہیں کی ہے، بلکہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔ بہرکیف حدیث کی صحت مسلم ہے اور منذری نے ایک مستقل تالیف میں اس کے متعدد طرق کو جمع کیا ہے۔ حاکم رحمہ اللہ اور نووی رحمہ اللہ نے اس کے حق میں ''حدیث صحیح'' کہہ دیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کے شواہد بھی اسانید کے ساتھ جمع کردیئے ہیں جو رسالہ ہذا میں بھی بحذف اسانید درج ہیں۔

ادخال[3] الصلوٰۃ فی القبر الکریم

۱۰...... ''ان اقربکم منی یوم القیمۃ فی کل موطن اکثرکم علیّ صلوٰۃ فی الدنیا من صلّی علیّ فی یوم

---

[1] یعنی مسموع۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی وہ اپنی ایک بات کو حدیث قرار دے دے گا جو دراصل اس کی طبع زاد بات ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہوگا۔

[3] یعنی قبر پاک میں درود شریف کا بطور تحفہ کے داخل کیا جانا۔ ۱۲ منہ

الجمعة و ليلة الجمعة قضى الله له مائة حاجة سبعين حاجة من حوائج الآخرة و ثلاثين من حوائج الدنيا يؤكل الله به ملكا يدخله في قبري كما يدخل عليكم الهدايا يخبرني من صلّى عليّ باسمه و نسبه الى عشيرته فاثبته عندي في صحيفة بيضاء'' (اخرجه البيهقي في الجزء عن انس مرفوعا و اخرجه الاصبهاني في الترغيب و الترهيب)

خلاصہ مطلب

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

اوّل: یہ کہ منازل آخرت کے ہر ہر منزل میں سید دو عالم ﷺ کا زیادہ قرب اسی شخص کو حاصل ہوگا، جو دنیا میں سب سے زیادہ درود خوانی کرتا ہوگا۔

دوم: یہ کہ روز جمعہ اور شب جمعہ میں درود پڑھنے والے کے لئے یہ وعدہ ہے کہ اس کی سو حاجات پوری ہوں گی جن میں سے ستر (۷۰) حاجات کا تعلق آخرت سے اور تیس (۳۰) کا تعلق[1] دنیا سے ہوگا۔

سوم: یہ کہ ایک فرشتہ مامور ہے جو درود شریف کو اطراف و نواحی عالم سے لے جا کر اس شان کے ساتھ قبر اطہر میں داخل کرتا ہے کہ جس طرح ''ہدایا'' اور ''تحفوں'' کو دنیا میں ان کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے کہ جن کو اہل دنیا سوغات اور تحائف پیش کیا کرتے ہیں اور سرکار دو عالم کی پیش گاہ میں اس پیش کش کو پیش کرتے ہوئے یہ بھی گوش گزار کرتا ہے کہ درود شریف کا یہ ''ہدیہ'' جس نے بھیجا ہے، اس کا نام، نسب، قبیلہ و عشیرہ کیا ہے؟

چہارم: یہ کہ جب درود شریف کا تحفہ پیش ہو جاتا ہے تو اس کا اندراج آپ ﷺ اپنے یہاں ایک صحیفہ بیضاء کے اندر فرماتے ہیں۔

تنبیہ: اس حدیث میں صرف ایک فرشتہ کا ذکر ہے جو حدیث نمبر ۲، ۶ کے ساتھ موافق ہے، لیکن نمبر ۴ سے مفہوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ایک گروہ کو اس خدمت پر مامور کر دیا گیا ہے۔ تطبیق کی صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس خدمت پر ایک جماعت مامور ہے اور درود پڑھنے والے اشخاص میں سے ہر ایک کے درود کو اس جماعت کے افراد ایک ایک کر کے لے جاتے ہیں۔

طریق استشہاد

مذکورہ بالا احادیث سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ درود پڑھنے والا جہاں ہو، اس کے درود کا آپ ﷺ کے حضور میں پہنچ جانا اور قبر اطہر کے پاس درود پڑھنے والوں کے درود کو آپ ﷺ کا خود سن لینا اطراف و اکناف عالم کے درود خوانوں کے تحفہ ہائے درود کو آپ ﷺ کے روضہ پاک میں داخل کیا جانا۔ پڑھنے والوں کے نام، ولدیت، نسب، قبیلہ اور درود شریف کی تعداد کا آپ ﷺ کے حضور میں پیش ہونا، پھر مذکورہ بالا مراحل کے بعد آپ ﷺ کے صحیفہ بیضاء میں اس کا ثبت[2] ہو جانا ثابت کر دیتا ہے کہ سید عالم ﷺ اپنے مرقد پاک میں بروح و بجسد[3] زندہ ہیں۔ اس لئے محدثین نے ان تمام احادیث کو حدیث انس رضی اللہ عنہ کے شواہد میں شمار کیا ہے۔

---

[1] واضح رہے کہ دنیاوی حوائج کی بھی دو صورتیں ایک ان مطالب کا حصول جن کو ہم مشاہدہ دیکھتے ہیں، دوم ان بلیات کو دفع کرنا جن کی ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ بسا اوقات آسمان سے اترنے والی بلا کو بندہ کی دعا روکتی ہے۔

[2] اقول وھذا یکون بلا و امر بالفعل۔ ۱۲ منہ

[3] البتہ ہم سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے موجود ہیں، مگر باوجود آں ہم سے غائب ہیں۔ ۱۲ منہ

فصل سوم

ردّ[1] روح کی حدیث سے استشہاد

"عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیه السلام "(اخرجه ابو داؤد فی ابواب المناسک من السنن واخرجه البیهقی رحمہ اللہ فی الجزء و اورده الحافظ فی الفتح بلفظ مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیه السلام ثم قال ورواته ثقات اهـ اخرجه ایضاً احمد والبیهقی فی الشعب وفی الدعوات الکبیر قال النووی فی الاذکار ورياض الصالحین اسناده صحیح وصححه ایضاً ابن القیم اهـ ب)

اس[2] حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کبھی کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجے گا تو میری روح کو میری طرف اللہ تعالیٰ لوٹا دے گا تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

ظاہر ہے کہ ردروح کے بعد سلام کا جواب دینا آپ ﷺ کی جسمانی حیات پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس حدیث پر ایک اشکال وارد کیا گیا ہے، وہ یہ کہ اگر روح سے نبی کریم ﷺ کی "روح اقدس" اور رد سے "انفصال کے بعد پھر متصل کر دینا" مراد ہو تو اس میں "انفصال روح عن الجسد" کو "قبل الرد والاتصال" تسلیم کرنا ایک امر لازمی ہے اور یہ دراصل موت کی حقیقت کو تسلیم کرنا ہے کیونکہ اتصال روح مع الجسد کو حیات اور انفصال روح عن الجسد کے اثر کو ممات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ان احادیث متواترہ کے ساتھ متعارض ہے، جو حیات[3] انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتی ہیں۔

علماء حدیث نے رفع تعارض کے سلسلے میں بہت سے جوابات دے دیئے ہیں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے انباہ الاذکیاء میں پندرہ جواب درج کئے ہیں، جو اس کی مراجعت سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تمام احادیث میں تطبیق کی یہ صورت نکالی ہے کہ "رد اللہ علی روحی" دراصل جملہ حالیہ ہے جس میں "قد[4]" مقدر ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "وانما اراد واللہ اعلم الا وقد رد اللہ روحی حتی ارد علیه السلام" (حیاۃ الانبیاء)

---

[1] ردروح کی حدیث بھی حدیث انس رضی اللہ عنہ یعنی الانبیاء احیاء الخ کے شواہد میں عندالمحدثین محسوب ہے، اس لئے یہ فصل گزشتہ میں درج ہونی چاہئے تھی۔ لیکن بعض طویل الذیل مباحث کے بناء پر ہم نے اس کو مستقل فصل میں ذکر کیا۔ ۱۲ منہ

[2] اس حدیث کی شرح کئی طریقے سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس لیے اس کے ترجمے بھی متعدد ہو سکتے ہیں جیسا کہ ہر شرح کے ذیل میں ایک ایک ترجمہ آگے آئے گا۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی جن احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو قبر میں زندہ کر دینے کے بعد باری تعالیٰ نے تا قیام قیامت حیات مسلسل عطا فرمائی ہے، ان کے ساتھ یہ حدیث متعارض ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

[4] جب فعل ماضی حال واقع ہو تو اس سے پہلے قد کا ملفوظ یا مقدر ہونا ضروری ہے، جیسا کہ کلام پاک ہے: جاؤکم حصرت صدورهم ای وقد حصرت الخ

بیہقی رحمہ اللہ کی اس توجیہ کے بعد حدیث کا مفہوم بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب اس کے ساتھ امام سیوطی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق (کہ یہاں "حتیٰ" بمعنی "الواؤ" ہے) ملا دی جائے تو اس حدیث کا دوسری احادیث کے ساتھ کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا اور اصل عبارت یوں ہو جاتی ہے: "ما[1] من احد یسلم علیّ الا و قدر دّ اللہ علیّ روحی قبل ذلک و ارد علیہ السلام" یعنی وفات کے بعد جو بھی مجھ پر سلام بھیج دے گا، اس کے سلام (و درود) سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے میری روح کو میری طرف لوٹا دیا ہوگا اور میں اس کو بذات خود جواب دوں گا۔

یہ شرح بیہقی اور سیوطی رحمہ اللہ کی تحقیق صدر کے بناء پر ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ "حتیٰ" کو اپنے معنی پر باقی رکھ کر بھی امام بیہقی رحمہ اللہ کی توجیہ کافی ہو سکتی ہے اور حدیث کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا: "وفات کے بعد اللہ تعالیٰ میری روح کو میرے بدن کی طرف لوٹا دے گا تاکہ میں ہر ایک سلام بھیج دینے والے کو بذات خود جواب دوں۔"

خفاجی رحمہ اللہ "ردّ روح" کو "ارسال روح" کے مرادف قرار دے کر فرماتے ہیں کہ: "انبیاء علیہم السلام قبور مطہرہ میں خواب ناز جیسی راحت و سکون میں ہوتے ہیں اور جس طرح نیند سے نکلنے کو قرآنی تعبیر میں "ارسال روح" کے لفظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ اسی طرح انبیاء کا حالت مذکورہ سے نکل کر امت کے درود و سلام کی طرف متوجہ ہونا، حدیث زیر بحث میں "ردّ روح" کے ساتھ ملحوظ[2] ہو گیا ہے۔"

مزید توضیح کرتے ہوئے خفاجی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ انبیاء اور شہداء یہ دونوں گروہ برزخ میں زندہ ہیں، لیکن انبیاء کی حیات نسبۃً شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب کہ زمین کو ان پر تسلط نہیں کیا گیا ہے تو ان کے درمیان اور خواب راحت میں سونے والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر نائم کا حالت نوم میں سننے اور بولنے سے معطل ہونا بھی مسلم ہے۔ لہٰذا استیقاظ من النوم کی سی حالت ردّ روح کے لفظ میں ادا کیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ ردّ روح کا مفہوم اس حدیث میں وہی ہے جو آیت قرآنی[3] میں ارسال روح کا مفہوم ہے "قال تعالیٰ ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمی الایۃ" اس تحقیق کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا کہ: "جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری یکسوئی و استغراق کو دور کر کے اس شخص کی طرف مجھے متوجہ کرے گا تاکہ اس کو جواب دوں۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرح بخاری رحمہ اللہ میں محدثین سے ذیل کے پانچ جواب نقل کئے ہیں:

اوّل: یہ کہ آپ ﷺ کی روح دفن ہونے کے بعد جسد اطہر کی طرف لوٹا دی گئی ہے، اسی کو ردّ اللہ روحی کے فقرے میں بیان فرمایا گیا ہے، نہ یہ کہ اس کا اعادہ بار بار ہوتا ہے اور بار بار اس کا نزع متحقق ہوتا رہتا ہے۔

یہ جواب وہی ہے جسے ہم نے امام بیہقی رحمہ اللہ اور سیوطی رحمہ اللہ سے اوپر نقل کر لیا ہے۔

۱؎ والتقدیر مامن احد یسلم علیّ بعد مماتی الا و یکون اللہ قد رد علیّ روحی قبل ذلک و اردانا علیہ السلام لکونی احییت قبل تسلیمہ۔ ۱۲ منہ

۲؎ قولہ ھذا یشعر بان حفظ الاجساد انما ورد فی حق الانبیاء ولم یرد فی الشھداء وانما ورد فی الشھداء انھم احیاء عند اللہ فکان من المزیۃ فی الانبیاء انہ ورد فیھم حرمۃ اجسادھم علی الارض و کونھم احیاء فی قبورھم یصلون فاجسادھم محرمۃ علی الارض واجساد غیرھم تحت مشیۃ اللہ مع ان کثیراً من اجساد الشھداء والاولیاء شواھدت بعد عھود واعصار فی قبورھم کیوم وضعت فالقن ھذا واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲ منہ

۳؎ قولہ تعالیٰ: اللہ یتوفی الانفس حین موتھا، الایۃ۔ ۱۲ منہ

دوم: اگر ردِ روح سے بار بار نزعِ روح بھی مستفاد ہوگا، تب بھی وہ نزع موت نہیں بلکہ اس[1] میں ذرہ برابر کلفت و مشقت نہیں ہوتی۔

سوم: روح سے وہ فرشتہ مراد ہے، جس کو اس خدمت پر موکل و مامور کر دیا گیا ہے، لہٰذا ردِ روح کا مطلب یہ ہوگا کہ جب سلام بھیجنے والے سلام بھیجتے ہیں تو وہ فرشتہ کہ جس کے سپرد سلام (و درود) رسانی کی خدمت کی گئی ہے، آپ ﷺ کے حضور میں تحفہ درود و سلام لے کر بھیج دیا جاتا ہے تاکہ آپ ﷺ کے جواب سے وہ لوگ سرفراز ہو جائیں کہ جنہوں نے ہدیہ سلام بھیجا ہو۔

چہارم: ردِ روح سے نطق مراد ہے اور مجازاً روح کا اطلاق نطق[2] پر کیا گیا ہے، تاکہ ہم کو سہولت سے اصل مطلب سمجھ میں آ جائے۔

پنجم: آپ ﷺ ملأ اعلیٰ کے امور میں مستغرق[3] رہتے ہیں۔ جب کوئی شخص سلام بھیجتا ہے تو اس کو جواب سے سعادت اندوز کرنے کے لئے استغراق مذکور سے باز آتے ہیں اور چونکہ امورِ آخرت کو امورِ دنیا[4] پر قیاس کرنا ممکن نہیں، اس لئے جواب ہٰذا پر یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا کہ اس صورت میں ہر وقت ''ردِ سلام'' میں آپ ﷺ کا منہمک ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ اقطارِ ارض و اکنافِ عالم میں بے حد و حساب نفوس آپ ﷺ پر ہر وقت درود و سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ (فتح الباری)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں فرماتے ہیں کہ ردِ روح کی کیفیت جس کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے، یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ[5] کی ارواح کو ہمت و توجہ کے ذریعہ سے اپنی اپنی استعدادات کے مطابق جلبِ انوار کا موقع روحِ اقدس نبوی ﷺ سے حاصل ہوتا ہے: ''ثم قال وقد شاهدت ذلک مالا احصی فی مجاورتی المدینۃ، اھ''

---

1. اس صورت میں نزع سے توجہ کا بدل جانا مراد ہوگا۔ فهم تارة فی الصلوة وتارة فی رد السلام۔ ۱۲ منہ
2. یعنی وقد تأملت فی قوله هذا فبدا لی انه اراد ان کونهم یصلون فی القبور یمنعهم عن النطق ولکن الله اذن لرسول الله ﷺ ان یرد من یسلم علیه فهذا هو رد الروح ای اذن النطق والتکلم برد السلام فافهم۔ ۱۲ منہ
3. یعنی جو اوقات نماز سے فراغت کے ہوتے ہیں۔ ان میں یا عین نماز میں ہی استغراق بھی ہو جاتا ہے اور اس سے نکلنا ردِ روح ہے۔
4. قولہ دنیا الخ یعنی دنیا کی خصوصیات اور عالمِ آخرت کی خصوصیات ایک سی نہیں کیونکہ فانی اور باقی کے درمیاں بہت بڑا فرق ہے۔ پھر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا کی خصوصیات پر اب تک بتا مہا کوئی حاوی نہیں ہوا نہ ہو سکے گا۔ جو راز معلوم کئے گئے یا کئے جاتے ہیں وہ ذرہ از خروارے سے زائد نہیں: کس ندانست کہ منزل گہ مقصود کجاست   اس قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید
اور جو کچھ جان لیا گیا ہے وہ بھی ناقص اور اس قدر ناقص ہے کہ ہر لاحق اپنے سابق کی کوتاہی معلوم کر سکتا اور کرتا ہے۔ قدیم فلاسفہ نے بتایا تھا کہ اعراض باقی نہیں رہ سکتے اور اصوات منہ سے نکلتے تو متلاشی اور نابود ہو گئے، جدید تجارب نے ثابت کر دیا کہ آواز موجود رہ سکتی اور رہتی ہے۔ پھر ریڈیو نے دکھا دیا کہ ایک آدمی اپنا ایک لفظ جس طرح اپنے سامنے ہزاروں کانوں تک پہنچاتا ہے۔ اسی طرح اطراف و اکنافِ عالم میں وہ اپنا ایک ہی لفظ پہنچا سکتا ہے، جب یہ اس دنیائے فانی کی خاصیت ہے تو امورِ آخرت کے اندر جو راز قدرت کے ہوں گے ان کو ہم اپنے فہم ناقص و حادث اور فانی سے کیا حل کر سکتے ہیں: کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا۔ ۱۲ منہ
5. یعنی صلحاء امت کی ارواح جن کا رتبہ رسول اللہ ﷺ کی روحِ پاک سے نسبۃً ادنیٰ اور کمتر ہے۔ ۱۲ منہ

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں، جب درود و سلام کا ہدیہ کسی کی طرف سے پیش ہوتا ہے تو آپ ﷺ کی روح اقدس کے انوار اس شخص کی روح کی طرف اس کی استعداد کے مطابق ہمت[1] و توجہ کے بدولت فائض ہو جاتے ہیں اور محدث دہلوی رحمہ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تجربہ کے مطابق اس کا مشاہدہ بھی اہل مناسبت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موصوف نے اس کے بے شمار مشاہدات مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں مجاورت روضہ مطہرہ کے موقع پر کئے ہیں۔

فصل چہارم ...... متفرقات میں

۱...... ''اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ انبانا ابو عبداللہ الصفار ثنا ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنی سوید بن سعید حدثنی ابن ابی الرجال عن سلیمان بن سحیم قال رأیت النبی ﷺ فی النوم فقلت یا رسول اللہ ھؤلاء یأتونک فیسلمون علیک اتفقہ سلامھم قال نعم وارد علیھم (جزء)''

خلاصہ ترجمہ: امام بیہقی رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ سلیمان بن سحیم سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ سے نبی ﷺ نے خواب میں فرمایا: ''میں زائرین کے سلام کا احساس کرتا اور ان کے سلام کو اچھی طرح سمجھ لیتا ہوں اور بذات خود ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ساتھ حدیث ذیل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے: ''من رانی فقد رأی الحق فان الشیطان لایترائی بی'' (اخرجہ الشیخان عن ابی قتادۃ مرفوعاً، ج)

ترجمہ: سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا ہے، کیونکہ شیطان کو قدرت نے اس کی طاقت نہیں دے کہ وہ میری صورت میں کسی کو خواب میں نظر آجائے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۲...... امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف (حیاۃ الانبیاء) کے آخر میں ایک طویل حدیث کو (کہ جس میں نفخ صور کا واقعہ مذکور ہے) مزید استدلال کے طور پر درج کیا ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''لا تخیرونی علی موسی فان الناس یصعقون[2] فاکون اول من یفیق فاذا موسی باطش بجانب العرش'' (الحدیث) جزء حیاۃ الانبیاء۔

اور اس میں قیامت قائم ہونے کی کیفیت اس طرح مذکور ہے کہ نفخہ اولی[3] سے سکان سماوات وارض سب کے سب (باستثناء من شاء اللہ) سکتہ کی حالت میں پڑ جائیں گے۔ پھر جب دوسری مرتبہ نفخ صور ہوگا اور سب کے سب مخلوقات زندہ ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اور موسیٰ علیہ السلام کو عرش کا کنارہ پکڑے ہوئے دیکھوں گا۔

---

[1] قولہ ہمت الخ ہمت کا اطلاق عزم قوی پر اور دعا پر ہوتا ہے۔ یہاں ہمت سے اصحاب دل اور اولیاء اللہ کی توجہ کامل مراد ہے۔ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درود خوان ارباب ہمم و توجہ کا میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے کہ ان کی ارواح کی توجہ و ہمت بار آور ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس کے فیض انوار ان پر افائض ہو گئے۔ اسی حقیقت کو رد اللہ روحی کے لفظوں میں بتایا گیا ہے۔

[2] قولہ یصعقون الخ یقال: صعق کسمع و ضعق بصیغۃ المجھول ای غشی علیہ و ذھب عقلہ من صوت یسمعہ۔

[3] قولہ نفخہ الخ، نصوص شرعیہ کے مطابق جب قیامت کا وقت قریب ہو جائے گا تو پہلے سب کو فنا کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد سب کو زندہ کر دیا جائے گا۔ پہلے سب کو فنا کر دینا بھی صور کی آواز سے ہوگا۔ پھر سب کو زندہ کر دینا بھی دوسری مرتبہ صور کی آواز سن سے ہوگا، اسی کا ذکر حدیث ہذا میں ہے۔ ۱۲ منہ

قابل غور یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات اقدس کے بارے میں اس حدیث میں نفخہ ثانیہ کے بعد زندہ ہو جانے کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ افاقہ یعنی ہوش میں آ جانے کا لفظ اختیار کر کے یوں فرمایا ہے کہ: سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اور یکا یک موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا عرش کو پکڑے ہوئے ہیں۔ (نبی کریم ﷺ آگے چل کر حدیث مذکور میں فرماتے ہیں کہ) پس مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے افاقہ پا چکے ہوں گے یا یہ کہ آپ علیہ السلام پر نفخہ اولیٰ کی غشی طاری ہی نہیں ہوئی ہوگی بلکہ صعقہ طور کو نفخہ اولیٰ کی غشی کے عوض میں ان کے حق میں محسوب کر دیا گیا ہوگا۔

طریق استدلال

یہ حدیث صحیحین اور ابوداؤد و ترمذی وغیرہ میں متعدد اسانید سے مروی ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کی صورحال بیان فرمائی ہے جبکہ تمام لوگ نفخہ ثانیہ سے زندہ ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ[1] سب سے پہلے میں افاقہ پاؤں گا اور افاقہ کہتے ہیں غشی وہ بیہوشی کے بعد ہوش میں آنے کو، جس سے لازماً و اقتضاءً ثابت ہوا کہ نفخہ اولیٰ کے موقع پر یا اس سے پہلے بھی آپ ﷺ زندہ ہوں گے۔ البتہ نفخہ اولیٰ کے موقع پر آپ ﷺ پر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی ہوگی، جو نفخہ ثانیہ سے دور ہوگی اور آپ ﷺ کو افاقہ حاصل ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس حدیث کے اگلے فقرہ میں فرمایا کہ: ''جب میں افاقہ پاؤں گا تو یکا یک میری نظر موسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی اور وہ عرش کے کنارے کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا، آیا وہ مجھ سے پہلے افاقہ پا چکے ہوں گے یا یہ کہ ان پر نفخہ اولیٰ کے موقع پر کسی قسم کی غشی طاری ہی نہ ہوئی ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نفخہ ثانیہ کے موقع پر زندہ نہیں ہو جائیں گے بلکہ ان پر بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح نفخہ اولیٰ کا اثر صرف غشی کی صورت میں پڑا ہوا ہوگا، اور یا وہ غشی طاری ہونے سے بھی محفوظ رہے ہوں گے۔ پس جب حشر کے موقع پر اس حدیث کی تصریح کے مطابق خاتم الانبیاء اور موسیٰ علیہما السلام پر نفخہ ثانیہ کا اثر زیادہ سے زیادہ صرف افاقہ کی صورت نمودار ہوگا تو ضروری ہے کہ نفخہ اولیٰ سے ان پر غشی طاری ہوئی ہو اور غشی کا محل وہ بدن ہوتا ہے جو زندہ ہو۔ لہٰذا نفخہ اولیٰ کے موقع پر بھی ان کی یہ زندگی ختم نہ ہی ہوئی ہوگی، بلکہ صرف غشی کی کیفیت کی صورت میں نفخہ ثانیہ کا اثر ان کے اجساد مطہرہ پر وارد ہوا ہوگا، مگر موسیٰ[2] علیہ السلام کے بارے میں یہ غشی بھی متیقن نہیں۔

''قال القرطبی نقلاً عن بعض مشائخه الموت لیس بعدم محض بالنسبة الی الانبیاء علیهم السلام والشهداء فانهم موجودون احیاء وان لم نرهم فاذانفخت نفخة الصعق صعق کل من فی السماء والارض، وصعقة غیر الانبیاء موت وصعقتهم غشی فاذا کانت نفخة البعث عاش من مات وافاق من غشی ولذا وقع فی الصحیحین فاکون اول من یفیق۔ اه (ب)''

خلاصہ ترجمہ: قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک شیخ سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام موجود اور زندہ ہیں۔ اس لئے

---

[1] یعنی محشر میں قبر پاک سے نکلنے کے موقع پر۔

[2] حضرت موسیٰ نے رب العزۃ جل شانہ سے دیدار کی استدعا کی۔ جواب ملا کہ تاب نہیں لا سکتے ہیں، ہاں کوہ طور کی طرف دیکھتے رہیں۔ اتنے میں رب العزت کی تجلی کوہ طور پر جلوہ افروز ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تجلی کی حالت میں نظر نہیں جما سکے بلکہ ہوش و حواس کو بھی خیر باد کہہ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے اسی کو صعقہ طور کے ساتھ حدیث زیر بحث میں یاد کیا گیا ہے۔

ان کے حق میں موت کو عدم محض نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہم ان کو دیکھتے نہیں، پس جب وہ زندہ اور موجود ہیں تو قیام قیامت کے موقع پر جب نفخہ اولی کا واقعہ پیش آئے گا جس کا اثر آیت قرآنی میں "فصعق من فی السمٰوات ومن فی الارض" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تو غیر انبیاء کے صعقہ کی حقیقت وہی ہوگی جسے موت کہا جاتا ہے، لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے صعقہ کی کیفیت غشی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس لئے جب نفخہ ثانیہ کا موقع آئے گا تو غیر انبیاء کو اس سے حیات دوبارہ حاصل ہوگی، مگر انبیاء پر اس کا اثر صرف یہ ہوگا کہ وہ حالت غشی سے افاقہ پائیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ حدیث مذکور (فاکون اول من یفیق) کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وھذا انما یصح علی ان اللہ جل ثنائہ رد الی الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء فاذا نفخ فی النفخۃ الاولی صعقوا ثم لایکون موتا فی جمیع معانیہ الا فی ذھاب الاستشعار"

ترجمہ: یعنی (صحیحین[1] کی) حدیث مذکور میں "افاقہ" کا جو واقعہ مذکور ہے وہ صرف اس صورت میں درست ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے انبیاء کی روح کو لوٹا دیا ہو۔ اس لئے یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ بھی شہداء کی طرح عنداللہ زندہ ہیں اور جب نفخہ اولی میں ان پر صعقہ کا ورود ہوگا تو موت کی ساری کائنات سے ان کو دوچار ہونا نہیں پڑے گا بلکہ موت کی خصوصیات میں سے صرف عدم احساس یعنی بیہوشی کا اثر ان میں پایا جائے گا۔

تفصیل بالا سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث صحیح بھی حدیث انس رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

۳...... "روی ابو نعیم عن سعید بن المسیب رحمہ اللہ قال لقد رأیتنی لیالی الحرۃ وما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیری ومایاتی وقت صلوۃ الا وسمعت الاذان من القبر (بوسنوی)"

ترجمہ: ابو نعیم نے سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ "واقعہ حرہ[2]" کے ایام میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر میرے سوا دوسرا کوئی متنفس نہیں تھا۔ ان ایام میں جب نماز کا وقت ہوجاتا تو میں قبر اطہر سے اذان سن لیتا تھا۔

(ابو نعیم کے علاوہ اس واقعہ کو زبیر بن بکار نے بھی "اخبار مدینہ" میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ اور قاضی عیاض نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔)

۴...... فاضل ازہری "تعلیق الحیاۃ" میں کہتے ہیں:

"وقد دل القرآن علی حیاۃ الانبیاء بعد وفاتھم ایضاً وذلک ان اللہ تعالی قال: ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم، الایۃ! فھذا الایۃ تدل علی حیاۃ جمیع الانبیاء بعد وفاتھم بمفھوم الموافقۃ وذلک ان الانبیاء اولی بتلک المنقبۃ"

ترجمہ: یعنی حیات شہداء جس نص قرآنی سے ثابت ہے وہی اپنے مفہوم موافقت کے ساتھ حیات انبیاء

---

[1] قرطبی اور بیہقی رحمہما اللہ وغیرہما کے اس طرح استدلال کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کے بعض روایات کو جو بلفظ "فاکون اول من یبعث" صحیحین وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں۔ روایت بالمعنی پر ان حضرات نے محمول کیا اور اصلی لفظ مرفوع من یفیق ہی کو قرار دیا ہے۔

[2] یہ ایک شورش اور لڑائی کا مشہور واقعہ ہے، جس میں مدینہ مطہرہ اور اہل مدینہ کی حرمت کی کوئی پروا نہیں کی گئی اور مسلمان کہلانے والوں کے ہی ہاتھوں اہل مدینہ کی وہ بے حرمتی ہوئی کہ اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دہشت وبدامنی کا یہ حال تھا کہ مسجد نبوی میں حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کے سوائے کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا اور نہ کوئی نماز یا زیارت کے لئے آ سکتا تھا۔

پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک فضیلت ہے اور انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ اس کے لئے موزوں ہیں۔

۵...... تلخیص الحبیر میں حافظ نے اس پر بحث کرتے ہوئے (کہ آیا انبیاء زندہ ہونے کے بعد اپنی قبور میں رہتے ہیں یا یہ کہ ان کو وہاں سے اٹھایا جاتا ہے؟) قبور میں ان کا قیام (یعنی استقرار فی القبور) ہی راجح قرار دے کر فرمایا ہے:''وقد افرد البیھقی جزاً فی حیاۃ الانبیاء فی قبورھم واورد فیہ عدۃ احادیث تؤید ھذا وقال فی دلائل النبوۃ''الانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء'' وقال فی کتاب الاعتقاد الانبیاء[1] بعد ما قبضوا ردت الیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء''

ترجمہ: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات انبیاء کے اثبات میں ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں بعد اد کثیر احادیث کو امام ممدوح نے جمع کر دیا ہے اور وہ تمام احادیث اس مسئلہ کی تائید کرتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اسی طرح (حدیث کی مشہور کتاب) دلائل النبوۃ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ پھر''کتاب الاعتقاد'' میں فرمایا ہے کہ انبیاء میں سے جن کی ارواح کو قبض کیا گیا ہے وہ سب کے سب قبض ارواح کے بعد پھر زندہ کئے گئے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اپنے پروردگار کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔

اس عبارت میں پوری وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ محدثین کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور یہ کہ دنیا میں قبض ارواح کے بعد ان انبیاء کی ارواح (کہ جنھوں نے موت کا ذائقہ چکھ لیا ہے) پھر سے ان کے اجساد کی طرف واپس کردیئے گئے ہیں۔ یعنی ان کی ارواح واجساد میں پھر سے وہ تعلق قائم کردیا گیا ہے، جس کا اثر زندگی ہوتی ہے۔

۶...... انباہ الاذکیاء میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتویٰ علامہ بارزی کا نقل کیا ہے، جس میں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، پھر استاذ ابومنصور عبدالقاہر بغدادی شیخ الشافعیہ سے یہ مضمون نقل کیا ہے:''ہمارے متکلمین محققین کا قول ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ امت کی طاعات سے مسرور اور گنہگاروں کے معاصی سے محزون ہوجاتے ہیں۔ امت کا درود وسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ جاتا ہے اور یہ کہ اجساد انبیاء کو زمین ضائع نہیں کرسکتی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام عمر کے ایام پورے کرکے وفات پاگئے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صدہا برس گزر چکنے کے بعد اپنے زمانے میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو) قبر میں نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ اسی طرح معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی دیکھ لیا۔ پس جب یہ اصل ثابت ہوگئی تو ہم اسی کے بناء پر کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد پھر زندہ ہوچکے ہیں اور اپنی نبوت پر بحالہ قائم ہیں۔ (انتہی کلام الاستاذ) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ قبض ارواح کے بعد (وفات پانے والے) انبیاء علیہم السلام کے ارواح کو ان کے اجساد میں پھر سے لوٹا دیا گیا ہے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے بعد بھی نبی اللہ اور رسول اللہ اور صفی اللہ اور خیرۃ اللہ من خلق اللہ الآن کما کان ہیں۔'' (انتہی جواب البارزی الذی اوردہ السیوطی فی تعلیق الحیاۃ نقلاً عن الانباہ للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

تمام اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ

۷...... المعتمد کو اہل سنت وجماعت کی بہت بڑی معتبر ومستند کتاب سمجھا جاتا ہے جو امام تورپشتی کی تالیف فارسی زبان میں ہے۔ امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ علم کلام کے مسلم الثبوت امام مان لئے گئے ہیں۔ اسی کتاب سے ان کی دو

---

[1] یہ الف لام عہد خارجی ہے یعنی جن انبیاء کا انتقال مسلم ہے فعیسیٰ علیہ السلام خارج۔

عبارتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ محدثین کے مذکورہ بالا عقیدہ کو تمام اہل سنت اور علم عقائد و کلام کے ائمہ نے قبول کرلیا ہے، امام تورپشتی کتاب مذکور کی ابتداء میں حمد کے بعد رقمطراز ہیں کہ: ''صلوات وبرکات چندانکہ فہم از و پرشود و اندیشہ دردو گم گردد از سراپردہ کبریائی او نثار روان پاک و'' کالبد زندہ'' ساکن مدینہ، میزبان حضور ربوبیت ورہنمائے طریق عبودیت۔ امیں عالم غیب و ترجمان وحی بلا ریب محمد مصطفیٰ ﷺ''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں اس قدر کہ انسانی سمجھ کو بھر دیں اور مخلوقات کا قیاس و اندازہ ان کی بہتات میں گم ہو جائے، رب العزت کی درگاہ کبریائی سے، مدینہ میں سکونت رکھنے والے، حضور ربوبیت کے میزبان، طریقہ بندگی کے رہنما، عالم غیب کے امانتدار، وحی بلا ریب کے ترجمان یعنی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے زندہ جسد اور پاک روح پر نچھاور ہوجیو۔

اس عبارت میں رسول اللہ ﷺ کے بدن پاک کو'' کالبد زندہ'' سے یاد کیا گیا ہے اور'' کالبد'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا اطلاق جسم، تن قالب پر ہوتا ہے۔ پھر اسی کتاب کے باب چہارم میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''وازاں جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبد وے راز مین نخوردو بوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد و حشر وے ﷺ و جملہ انبیاء چنیں باشد و حدیث درست است کہ ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء ھم[1] احیاء فی قبورھم یصلون'' واول ہمہ پیغمبر ما برخیزد از گور دانستن ایں ہمہ کہ یاد کردیم مہم است تا از توقیر و تعظیم رسول ﷺ کہ حق تعالیٰ بر ما فرض کردہ است بوجہ خوب بجائے آوردہ شود در جمیع امور'' (کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲[2] فصل ۴ للتورپشتی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقائد میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمان اس امر کا یقین کرے کہ نبی کریم ﷺ کے جسد کو زمین نہیں کھائے گی اور وہ بوسیدہ نہیں ہوگا اور یہ کہ جب قبر پاک کی جگہ چاک ہوگی تو آپ ﷺ کا بدن پاک کسی قسم کے تغیر کے بدون بحالہ ہوگا اور آپ ﷺ کا، و نیز دیگر تمام پیغمبروں کا حشر بھی قیامت میں اسی طرح ہوگا (کہ سب کے اجساد اپنی اصلی حالت میں کسی قسم کے تغیر کے بدون زمین سے نکلیں گے) یہ ایک حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو زمین پر حرام کر رکھا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، سب سے پہلے ہمارے رسول کریم ﷺ قبر اطہر سے نکلیں گے۔ یہ تمام باتیں جو ہم نے یہاں بیان کیں، ہر مسلمان کو بطور عقیدہ کے معلوم ہونی چاہئیں، کیونکہ ان کے جاننے اور ان کا یقین رکھنے سے ہی جناب رسول مقبول ﷺ کی وہ تعظیم و توقیر جسے اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے، تمام امور میں بجا لائی جاسکتی[2] ہے۔ (عقائد تورپشتی باب دوم فصل چہارم)

ان دونوں عبارتوں میں اہل سنت و جماعت کا یہ متفق علیہ عقیدہ مذکور ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا جسد پاک مدینہ منورہ میں روضہ مطہرہ کے اندر بلا کسی تغیر کے اپنی اصلی حالت پر الآن کما کان موجود اور زندہ ہے اور اسی حال پر حشر تک باقی رہے گا اور یہ کہ وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کا اجساد انبیاء کو زمین پر حرام کر دینا و نیز وہ حدیث

---

[1] لفظ حدیث یہ ہے ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کما تورپشتی نے بجائے اسم ظاہر کے اسم ضمیر کو بغرض اختصار استعمال کیا ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ اسلام کا رکن اول شہادتین کا اقرار و ایمان ہے اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا مقصد جن امور سے حاصل ہوگا۔ ان میں ان عقائد کو مان لینا اور ان کو تسلیم کرنا داخل ہے۔ ۱۲ منہ

جس میں ان انبیاء کا کہ جن کا وصال ہو چکا ہے، اپنی قبور میں زندہ ہونا اور نماز میں مشغول ہونا مذکور ہے۔ امام تورپشتی جیسے امام الحدیث والکلام کے اعتراف کے مطابق صحیح و درست ہے۔

۸...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مدینہ منورہ میں داخل ہو جائے یا وہاں سے باہر جانا چاہئے تو حاضری اور رخصت کے دونوں مواقع پر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے بعد مدینہ میں قیام کرنا یا وہاں سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ (شفاء شرح شفا ص۱۵۵)

اس سے ثابت ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیاۃ انبیاء کی احادیث بلاشبہ صحیح و ثابت ہیں۔

۹...... ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے: ''صلی اللہ و ملائکتہ علی محمد السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ باسم اللہ دخلنا و باسم اللہ خرجنا و علی اللہ توکلنا''

پھر جس وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر جانے کا ارادہ کرتے تو نکلتے وقت بھی یہی کلمات کہہ کر باہر نکلا کرتے تھے۔ (نقلہ القاضی عیاض فی الشفاء عن ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس معمول سے ثابت ہوا کہ وہ احادیث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر و نیز عند القبر درود و سلام سن لینے اور جواب دینے پر دلالت کرتی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک صحیح و ثابت تھیں اور ان ہی کے بناء پر انہوں نے اپنا معمول یہ بنایا تھا۔

۱۰...... منکرین حیات شہداء و انبیاء کو اہل حق کے فرقہ سے خارج سمجھا گیا ہے اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ حیات شہداء فی البرزخ کا انکار معتزلہ کا ایک فرقہ کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

۱۱...... زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں حجاج کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ علماء نے اس کے کفر میں اختلاف کر لیا ہے، مگر امام ابو عبداللہ بن عرفہ کا مختار یہی ہے کہ وہ کافر تھا اور ''کامل'' میں مذکور ہے کہ حجاج کی تکفیر جن امور کی بناء پر کی گئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریفہ کے زائرین کی ایک جماعت کے بارے میں یہ کہہ دیا تھا کہ: ''انما یطوفون باعواد و رمۃ'' (یہ لوگ لکڑیوں اور بوسیدہ ہڈیوں کے ارد گرد گھوم رہے ہیں) علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ (مالکی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ یہ فقرہ کہنے کی وجہ سے حجاج کی تکفیر اس بناء پر کی گئی ہے کہ اس میں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء''[۱] کی تکذیب کی تھی۔ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ج۱ ص۱۵۶)

۱۲...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں منکرین حیات کا استدلال مع الجواب حسب ذیل بیان کرتے ہیں:

''(قولہ لا یذیقک اللہ الموتتین) و قد تمسک بہ من انکر الحیاۃ فی القبر و اجیب عن اھل السنۃ المثبتین لذلک بان المراد نفی الموت اللازم من الذی اثبتہ عمر بقولہ و لیبعثہ اللہ فی الدنیا لیقطع ایدی القائلین بموتہ و لیس فیہ تعریض لما یقع فی البرزخ و احسن من ھذا الجواب ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر

---

[۱] اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے ابدان کو حرام کر دیا ہے۔ اھ! یہ حدیث بتاتی ہے کہ پیغمبروں کے ابدان کو زمین بوسیدہ نہیں کر سکتی ہے۔ اس لئے کسی پیغمبر کے بدن کو بوسیدہ ہڈیوں سے یاد کرنا اس حدیث کے انکار کا مستلزم ہے۔ ۱۲ منہ

لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم و لعل هذا هو الحکمة فی تعریف الموتتین ای ...... الموتتین الواقعتین لکل احد غیر الانبیاء "(فتح الباری، ابواب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ) "وقیل[۱] اراد لایموت موتة اخری فی القبر کغیره اذ یحیی لیسئل لم یموت" (فتح ابواب الجنائز)

خلاصہ ترجمہ: یعنی نبی کریم ﷺ کا انتقال جب ہوا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پریشانی سے مغلوب الحال ہو کر کبھی آپ ﷺ کے انتقال ہی کا انکار کرنے لگے اور کبھی یہ کہنے لگے کہ "آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ عنقریب دفن سے پہلے دنیا ہی میں اس لئے زندہ کرے گا کہ جو لوگ آپ ﷺ کی موت کے قائل ہوں، آپ ﷺ ان کے ہاتھ قطع کریں گے۔" تو اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ضبط قائم اور تیقظ بالکل بحال رہا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تشدد کی پروا نہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ دو مرتبہ موت کا ذائقہ نہیں چکھائے گا" یعنی آپ ﷺ کی موت واقع ہو گئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کے ساتھ منکرین حیات انبیاء نے تمسک کیا ہے اور اہل[۲] سنت نے جو حیات کے قائل ہیں ان کو یہ جواب دے دیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دنیا میں آپ ﷺ کی موت واقع ہونے کا اثبات و اقرار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو دو مرتبہ مرنا نہیں ہے۔ (کیونکہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کا قول درست ہوتا اور آپ ﷺ دفن سے پہلے ہی پھر زندہ ہو جاتے تو آپ ﷺ کی وفات دنیا میں دو مرتبہ ہو جاتی، حالانکہ یہ درست نہیں۔) رہا یہ کہ برزخ میں آپ ﷺ کا کیا حال ہوگا، اس کے متعلق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اظہار خیال بالکل نہیں کیا (اور نہ اس کا کوئی موقع تھا) حافظ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قول کی شرح اس طرح کی جائے کہ نبی کریم ﷺ کو عام مخلوق کی طرح دو مرتبہ موت سے دوچار ہونا نہیں ہے بلکہ قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کو ہمیشہ زندہ رہنا ہے جیسا کہ یہی حال دوسرے انبیاء کرام کا بھی اپنی قبور میں ہے۔ غیر انبیاء کو دو دفعہ موت کا سامنا کرنا ہوتا ہے جو شرعاً معلوم و معہود ہے، اور بہت ممکن ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کلام میں "الموتتین" کے لفظ میں لام عہد ان ہی دو موتوں کی طرف مشیر ہو جن کا غیر انبیاء کے لئے واقع ہونا شریعت کے واقفین کے یہاں معلوم و معہود ہے۔

یہ مضمون حافظ رحمہ اللہ نے بخاری کے ابواب المناقب کی شرح میں بیان کیا ہے اور بخاری رحمہ اللہ کے ابواب الجنائز میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقولہ مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے بھی ایک قول کے بیان میں اسی مضمون کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ادا کیا ہے کہ دو مرتبہ موت کا ذائقہ نہ چکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو ایک مرتبہ آپ ﷺ کی موت واقع ہو چکی ہے اور اب دوسروں کی طرح آپ ﷺ کو قبر میں دوسری مرتبہ ہرگز ہرگز مرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ دوسروں کو قبر میں سوال کئے لئے جب زندہ کردیا جاتا ہے تو سوال کے بعد وہ پھر مرجاتے ہیں (اور رسول اللہ ﷺ قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد پھر موت کا ذائقہ چکھنے سے محفوظ و مصؤن ہیں)

---

[۱] یہ فتح الباری کی دوسری جگہ کی عبارت ہے جو اس مضمون کو ادا کر رہی ہے، جسے عبارت بالا میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے ہمارا مقصد متعدد عبارات کی نقل کرنا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ مضمون مندرجہ بالا محدثین کے درمیان مشہور و معروف ہے۔ اگرچہ قلیل الاستعداد لوگ اس سے بے خبر ہیں۔ ۱۲ منہ

[۲] قولہ اہل سنت الخ، منکرین حیات فی القبر کے مقابل جو جماعت ہے ان کو اہل سنت کے نام سے یاد کرنے میں۔ حافظ رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ منکرین حیات انبیاء فی القبور زمرہ اہل سنت سے خارج ہیں۔ جیسا کہ امام رازی نے ان کو معتزلہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے ان بیانوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات فی القبر کا انکار جو شخص یا جو فرقہ کرتا ہے وہ اہل سنت اور متبعین حدیث و گروہ محدثین سے خارج اور جدا ہے۔

خاتمہ

قبور میں عبادت کی نوعیت

جب نصوص صحیحہ سے انبیاء علیہم السلام کا برزخ میں بروح و بجسد زندہ ہونا اور ان کا عبادات متعددہ میں مشغول ہونا ثابت ہو چکا تو اب اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز یا دیگر عبادات کا سلسلہ شرعاً موت کے بعد کیسے باقی رہ سکتا ہے کیونکہ موت سے تکلیف[1] باقی نہیں رہتی؟

اس کا جواب حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ قبور میں عبادات دار التکلیف ہی کی عبادات ہیں جیسا کہ عبارت ذیل سے (جو بخاری کی ابواب التفسیر کی شرح سے نقل کی جاتی ہے) واضح ہے: "احدها الانبیاء افضل من الشہداء والشہداء احیاء عند ربهم فکذالک الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا و یحجوا و یتقربوا الی اللہ بما استطاعوا ما دامت الدنیا و ھی دار تکلیف باقیۃ" (فتح الباری فی شرح قول البخاری باب قول اللہ اذا انتبذت من اھلھا)

ترجمہ: جب انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو یہ امر بھی مستبعد نہیں کہ نماز، حج و دیگر قربات کو حسب استطاعت دنیا کے بقا تک کرتے رہیں۔ درآں حالیکہ دنیا کا دار التکلیف ہونا مسلم ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے اس سوال و جواب میں غور کرنے سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہے کہ انبیاء کی کس قسم کی حیات کو ائمہ حدیث اور گروہ محدثین نے تسلیم کرلیا ہے، اور اسی سے قبور میں ان کی عبادات کی نوعیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

شبہ تعارض اور اس کا جواب

اس کے علاوہ ایک اور جگہ ابواب الحج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج اور نماز کے متعلق حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ عبادات تکلیفیہ نہیں بلکہ جس طرح اہل جنت کو ذکر اللہ کا اشتیاق اس بناء پر پیدا ہوگا کہ وہ ان کو مرغوب و محبوب ہے۔ اسی طرح یہ عبادات بھی نفوس انبیاء کو مرغوب ہیں۔ اس لئے حضرات انبیاء سے عالم قبر میں صادر ہوتی ہے۔

لیکن ان دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ابواب الحج میں جو وجہ نقل کی ہے وہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے جس کا تعلق ارواح[2] انبیاء کے ساتھ ہے جبکہ ان کی ارواح قبور سے باہر ہوکر یہ عبادات ادا کریں اور یہاں (یعنی ابواب التفسیر میں) ان عبادت کے متعلق حافظ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں جو اجساد مبارکہ سے قبر میں صادر ہوتی ہیں۔ (وسیاتی ابسط من ہذا ان شاء اللہ!)

---

[1] یعنی مرنے کے بعد آدمی پر شریعت کوئی فرض عائد نہیں کرتی۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ ارواح الخ رسالہ ہذا کی فصل اول میں یہ اختلاف گزر چکا ہے کہ آیا اجساد انبیاء بھی قبور سے باہر آتے ہیں یا صرف ان کی ارواح اور اگر اس قول کو لیا جائے کہ صرف ارواح قبور سے باہر آکر عبادات میں مشغول ہوتی ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے تو اروح کا اشتغال بالعبادات اس وجہ پر مبنی ہوسکتا ہے جو قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے کیونکہ روح محل تکلیف نہیں۔ اس لئے اس کی عبادت غیر تکلیفی ہوگی اور جسد محل تکلیف ہے۔ اس لئے اگر زندہ جسد کی عبادت دار التکلیف کی حالت بقاء کے ایام میں تکلیفی ہو تو یہ مستبعد نہیں۔

فذلکہ

میں نے اس رسالہ میں کوشش کرلی ہے کہ ہر بات کو ائمہ حدیث اور محققین علمائے اہل سنت سے نقل کروں، سو الحمدللہ یہ کوشش بارآور ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ احادیث مرفوعہ صحیحہ اور آثار صحابہ و تابعین، اقوال ائمہ حدیث، نقول محدثین سے ثابت ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبض ارواح کے بعد پھر زندہ کئے گئے ہیں، یعنی ان کی ارواح مقدسہ کو ان کے اجساد مبارکہ کی طرف ہمیشہ کے لئے لوٹا دیا گیا ہے اور وہ مجھ اوٹی تک عبادات میں مشغول ہیں اور رہیں گے جب دلائل نقلیہ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوگیا تو اگر ہم کو ان کی حیات کا احساس نہ ہو تو اس سے ان کا عدم حیات لازم نہیں آتا، بلکہ جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی ان کا یا ان کے زندہ ہونے کا کوئی احساس ہم کو ہوتا ہے، لیکن دلائل نقلیہ سے ان کا وجود اور ان کی حیات ثابت ہونے کی وجہ سے شرعاً ہم ان کے وجود و حیات کے قائل ہونے پر مجبور[1] ہیں۔ اسی طرح محض ہمارے نہ دیکھنے یا ہمارے عدم احساس سے حیات انبیاء علیہم السلام منتفی نہیں ہوسکتی بلکہ یہ نظریہ قائم کرنا کہ جس چیز کا احساس ہم کو نہیں، اس کا وجود بھی نہیں۔ شرع کے علاوہ فلسفہ قدیم وجدید اور عقل سلیم کے بھی قطعاً خلاف ہے جسے کوئی تعلیم یافتہ (خواہ علوم قدیمہ کا ہو خواہ علوم جدیدہ کا) کسی حال میں مان نہیں سکتا۔ کیونکہ جہالت اور تاریک خیالی، بے علمی اور ہٹ دھرمی کی بنیاد اسی پر ہے کہ جس چیز کا علم یا احساس ہم کو نہیں اس کا وجود ماننا نہ چاہئے۔

رہا یہ سوال کہ ان کی حیات کی کیفیت ونوعیت کیا ہے؟ اور غیر انبیاء کی جو حیات اہل سنت نے تسلیم کرلی ہے، اس میں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کیا فرق ہے؟ سو طریقہ سلف کے مطابق ایسے مسائل میں اہل حق کا مسلک اگرچہ اس قسم کی تدقیقات سے اجتناب کرنے میں منحصر ہے تاہم گزشتہ مباحث سے عام اموات اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے درمیان یہ فرق معلوم کرنا آسان ہے کہ عام اموات کے اجساد کو زمین پر حرام نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہ تحت الحشیٰ[2] ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ارواح کے اعادہ کے بعد پھر سے اذاقہ موت سے دوچار ہونا نہیں، انبیاء کی حیات نسبۃً حیات شہداء سے بہت زیادہ قوی ہے۔ فضائل وکمالات کے تفاوت سے قطع نظر کرکے ارواح کا نفس بقاء ایک امر مشترک ہے اور غیر انبیاء کی حیات برزخی کا تعلق بہ درجہ اتم ان[3] کی ارواح کا اتصال ان کے اجساد کے بعض اجزاء کے ساتھ ہوجانا بھی بعض[4] محدثین نے حدیث "ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی الخ اخرجہ البخاری فی ابواب الجنائز وغیرہ عن عبداللہ بن عمر" کے بناء پر یا اسی قسم کی دیگر نصوص صحیحہ کے بناء پر مان لیا ہے اور بعض نے اس کا انکار کرکے صرف روح کے ساتھ عرض مقعد کا متعلق ہونا تسلیم کرلیا ہے۔

---

۱ مجبور الخ کیونکہ فرشتوں کا انکار موجب کفر ہے۔ ۱۲ منہ

۲ قولہ تحت الحشیٰ الخ چنانچہ بہت سے اجساد غیر انبیاء کو صدیوں کے بعد قبور میں علیٰ حالہا دیکھا گیا ہے۔ ۱۲ منہ

۳ قولہ ان کی الخ یعنی غیر انبیاء کی۔ ۱۲ منہ

۴ قولہ بعض الخ قال ابن التین...... وھو محمول علی انہ یحیی منہ جزء لیدرک ذلک...... وقال القرطبی یجوز ان یکون ھذا العرض علی الروح فقط ویجوز ان یکون علیہ مع جزء من البدن...... ثم ھو مخصوص بغیر الشھداء لانھم احیاء وارواحھم تسرح فی الجنۃ...... (قال الحافظ رحمہ اللہ) وفی ھذا الحدیث ان الروح لاتفنی بفناء الجسد لان العرض لایقع الا علی حی واستدل بہ علی ان الارواح علی افنیۃ القبور یعنی انھا قد تکون علی افنیۃ قبورھا لا انھا لا تفارقھا بل ھی کما قال مالک بلغہ ان الارواح تسرح حیث شاءت الخ (فتح الباری ملخصاً باب المیت یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی)

بعض[1] کی تحقیق کے مطابق برزخی تعذیب وغیرہ کا احساس وادراک عالم مثال کے اجساد کے ساتھ مخصوص ہے۔ دونوں (یعنی حیات انبیاء اور حیات غیر انبیاء) کے درمیان فرق معلوم کرنے کے لئے یہ ایک اجمالی خاکہ ہے، جس سے زیادہ کی اس مختصر رسالہ میں گنجائش نہیں اور حیات مذکور کی نوعیت میں یہ کہنا کافی ہے کہ نصوص صحیحہ اور اقوال سلف سے جو کچھ ہم کو معلوم ہوسکا، وہ یہ ہے کہ قبض ارواح کے بعد جب انبیاء علیہم السلام کو پھر سے زندہ کیا گیا ہے تو یہ زندگی تا قیامت ان کو بایں معنی حاصل ہے کہ ان کے ارواح کا زندہ ہونا تو ایک عام بات ہے جو ہر انسان کی روح کے لئے مان لی گئی ہے۔ البتہ قبر میں زندہ ہوجانے کے بعد پھر مرجانے سے انبیاء علیہم السلام محفوظ ہیں۔ حضرات انبیاء کو صرف نفخ صور کے موقع پر غشی جیسی کیفیت لاحق ہوگی اور نفخہ ثانیہ کے موقع پر غشی مذکور سے افاقہ پائیں گے۔ قبور میں ان کے اجساد کو زمین میں رہنے کی وجہ سے باوجود مرور ایام وعصور کے کسی قسم کا تغیر نہیں آسکتا بلکہ ان کے اجساد قبر میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں دیگر عبادات حسب استطاعت کرتے رہتے ہیں، ان کی حیات شہداء کی حیات سے بہت قوی ہے۔ سلام کا جواب نبی کریم ﷺ بذات خود دیتے ہیں۔ قبر اطہر کے پاس حاضر ہو کر درود پڑھنے والوں کے درود وسلام کو بلا واسطہ بطور معجزہ[2] کے بذات خود سن لیتے ہیں دور افتادگان ومہجوران کا سلام ودرود آپ ﷺ کی قبر اطہر میں نہایت شاندار طریقہ کے ساتھ بطور تحفہ وہدیہ کے داخل کیا جاتا اور آپ ﷺ کی پیش گاہ میں پہنچایا جاتا ہے اور اس خدمت کے لئے ملائکۃ اللہ مامور موکل ہیں۔ آپ ﷺ درود وسلام بھیجنے والوں کے نام ونسب اور قبیلہ سے ونیز درود وسلام کی تعداد سے مطلع کردیئے جاتے ہیں۔

غرض کہ زندہ ہیں اگرچہ ان کی زندگی کو ہماری نظروں سے اوجھل کردیا گیا ہے۔ ان تمام امور سے ایک سچا مسلمان خود بخود سمجھ سکتا ہے کہ عالم قبر میں جو حیات آپ ﷺ ونیز دیگر انبیاء کو حاصل ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اس سے زیادہ مختصر اور سادہ لفظوں میں یہ کہنا کافی ہے کہ ارواح کا باقی ہونا بجائے خود ایک امر مسلم ہے، اور نصوص صحیحہ متواترہ نے ثابت کردیا کہ قبض ارواح کے بعد انبیاء کی ارواح کو ان کے اجساد کی طرف پھر لوٹا دیا گیا ہے۔ یعنی ارواح واجساد کا وہ تعلق جو مرنے کی وجہ سے منقطع ہوجاتا ہے یہ تعلق پھر سے قائم کردیا گیا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ ان کے اجساد کو زمین کسی قسم کا نقصان پہنچا نہیں سکتی اور کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ اعادہ روح کے بعد پھر ان کی ارواح کو قبض کیا گیا ہے۔ بلکہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ اس کے خلاف پر قائم ہوچکی ہیں۔ (جیسا کہ اس رسالہ میں بالتفصیل پیچھے گزر گیا)

اسی بناء پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے حضرات بھی تصریح کرتے ہیں کہ: ”موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا احیاء موجودین، الخ“

ترجمہ: انبیاء کی موت کا مآل صرف یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب کردیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے ہم ان کا احساس نہیں کرتے۔ اگرچہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی۔

حیات انبیاء فی القبور ماں لینے کے بعد ”اہل ہوی“ کی طرف سے اس قسم کے سوالات بھی پیش کئے جاتے ہیں کہ کھانا، پینا، قضائے حوائج بشریہ ودیگر لوازم حیات کی کیا صورت ہوسکتی ہے، چونکہ یہ رسالہ درحقیقت

---

[1] وھو الغزالی والشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمہ اللہ فراجع حجۃ اللہ البالغۃ۔ ۱۲ منہ

[2] انسانی خصوصیت کے بناء پر ایک کمرہ میں دوسرے کمرہ کی آواز سن لینا یا قبر میں مدفون کا اگرچہ وہ زندہ ہی ہو باہر کی آواز سن لینا متصور نہیں۔ اس لئے یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ زائرین کا سلام سنتے ہیں۔ ۱۲ منہ

صرف اہل حق اور متبعین کتاب وسنت کے لئے لکھا گیا ہے اور اس میں فن حدیث کے علاوہ بالذات کوئی دوسری بات درج کرنا منظور نہیں۔ اس لئے ایسے سوالات کے جوابات کی یہاں نہ تو ضرورت ہے اور نہ موقع۔ لیکن ''لیطمئن قلبی'' کے اصول کو پیش نظر رکھ کر فن حدیث ہی کا مناسب جواب یہ ہے کہ اہل جنت کا آخرت میں زندہ اور مرزوق ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (کلما رزقوا منہا من ثمرۃ رزقا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل) مگر باوجود آں اطعمہ جنت کا لطیف ہونا اور ان سے ایسے فضلات کا جو ''اغذیہ دنیاوی کے لئے لازم ہیں'' پیدا نہ ہونا بھی اہل حق کے نزدیک ایک حقیقت واقعیہ ہے۔ علاوہ براں ہم کو نبی کریم ﷺ کی دنیاوی زندگی کے حالات معلوم کرنے سے بھی اس قسم کے سوالات کا جواب سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آپ ﷺ نے صوم[1] وصال سے امت کو منع کیا اور خود صوم وصال رکھتے رہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے وجہ دریافت کرلی تو جواب یہ میں ارشاد ہوا: ''انی لست کھیئتکم انی ابیت لی مطعم یطعمنی وساق یسقینی'' (صحیح بخاری باب الوصال)

ترجمہ: میری کیفیت[2] تم سے مختلف ہے، مجھے تو رات میں کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

یہی جواب اہل حق اور حدیث وقرآن کی پیروی کرنے والوں کو یہاں بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غیر انبیاء کو بے شمار خصوصیات کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ غیر انبیاء (یعنی ساری امت کو) ایسے صوم سے روک دیا گیا جو دن رات مسلسل رکھا جائے تا کہ ان کے قویٰ فنا نہ ہوں۔ (کیونکہ دن رات کی مسلسل بھوک سے عام طور پر آدمی کی طاقت ختم ہوجاتی ہے) برعکس آں رسول اللہ ﷺ ''صوم وصال'' کے سلسلہ میں لگاتار فاقہ کر کے کئی کئی دن تک دن رات کھانا پینا ترک کرتے تھے، مگر پھر بھی قویٰ میں یا زندگی کے کسی کاروبار میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی کسی قسم کا ضعف یا فتور دامن گیر ہوتا تھا اور اس کی وجہ آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی کہ: ''مجھے غیر محسوس طریقہ سے بدن کے اندر باطنی غذا پہنچائی جاتی ہے۔'' اور اس کا نتیجہ بھی سب کے سامنے تھا کہ آپ ﷺ پر ذرہ برابر ضعف کمزوری کا اثر صوم وصال سے نمودار نہیں ہوتا تھا۔ جب دنیاوی زندگی میں آپ ﷺ کا یہ طرفہ ترماجرا نظروں کے سامنے آچکا ہے تو برزخ میں دنیا کی سی حیات کا حصول پھر اس کے ساتھ ساتھ کھانے پینے سے مستغنی ہوجانا یا باطنی اطعمہ واغذیہ کا آپ ﷺ کے وجود کے اندر پہنچ جانا کیسے مستبعد ہوسکتا ہے؟ ایک دیندار متبع حدیث اور کتاب وسنت کے پیرو کو اس کے مان لینے میں کوئی تردد وتامل نہیں ہوسکتا۔

قال فی ''المرقاۃ'' نقلا عن ابن حجر مانصہ: ''وما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیاۃ بہا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملئکۃ امر لامریۃ فیہ''

ترجمہ: انبیاء کی ایسی حیات کہ جس کے سبب سے وہ اپنی قبور میں فرشتوں کی طرح کھانے پینے سے مستغنی ہوکر عبارت کرتے اور نماز پڑھتے رہتے ہیں ایک ایسا امر ہے کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

''[3] وعلی ھذا الما(سد) قالہ الحافظ فی ابواب الحج من الفتح بعد نقلہ قول القرطبی ''(حبیت

---

[1] یعنی کئی کئی روز تک دن رات کچھ نہ کھانا نہ پینا: وقد ورد ان النبی ﷺ کان یواصل من سحر الی سحر اخرجہ احمد وغیرہ...... الوصال ان یمسک فی اللیل فجمیعہ کما یمسک فی النہار (فتح الباری باب صوم الوصال)۔ ۱۲ منہ

[2] قولہ کیفیت الخ اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ قضائے حاجت کی جگہ پر براز کی قسم سے کوئی کثافت نہیں ہوتی تھی۔ ۱۲ منہ

[3] یہاں سے آخر تک عربی عبارت میں بھی مولف نے اسی مضمون کو درج کیا ہے جس کا ذکر رسالہ میں آچکا ہے، مگر اس کا فائدہ زیادہ تر اہل علم کو ہوسکتا ہے جو نصوص واقوال کی تطبیق اور ظاہری تدافع کے ازالہ کے خواہشمند ہوں اس لئے اس عبارت کا اردو ترجمہ نہیں کیا گیا۔

الیهم العبادة فهم انما یتعبدون بما یجدونه من دواعی انفسهم لا بما یلزمون به کما یلهم اهل الجنة الذکر، الخ) ان تمام هذا التوجیه ان یقال المنظور الیه هی ارواحهم واما اجسادهم فهی فی القبور، الخ" (مرہ) لا ینافی کونه بل کون غیره من ائمة الحدیث قائلا بحیاة الانبیاء فی قبورهم اما اولا فلانه صرح کغیره فی مواضع بکونهم احیاء فی قبورهم یصلون واما ثانیا فلانه صحح حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" واید ما قاله البیهقی وما رواه من الاخبار فی هذا الباب واما ثالثا فلانه حمل قول القرطبی علی عبادة الارواح منفصلة عن الاجساد او متمثلة صورا مثالیة و معلوم ان محل التکلیف بنحو الصلاة والحج انما هی الاجساد مع انه معترف بان اجسادهم فی القبور وحیاتها فیها ثابتة عنده وعند المحدثین من دون شک وارتیاب۔ واما رابعا فما قاله فی ابواب الحج انما هو ابداع احتمال منه وما نقلناه عنه وعن غیره فهو اما احادیث واخبار او آثار واقوال للسلف الصالحین رضوان الله علیهم اجمعین واما خامسا فلانه صرح فی حق اجساد الانبیاء التی فی القبور بان لها حیاة فیها۔ فقد جنح الی ان موسی لا یصعق بالنفخة الاولی لا صعقة الموت ولا صعقة الغشی۔ ثم قال ما نصه "لان الانبیاء احیاء عند الله وان کانوا فی صورة الاموات بالنسبة الی اهل الدنیا" وقال فی ابواب فضل ابی بکر ؓ من الفتح ما نصه "ان حیاته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم الخ" وقال فی باب قول الله عز وجل واذکر فی الکتاب مریم ما نصه "فلا یبعد ان یصلوا ای یحجوا ویتقربوا الی الله بما استطاعوا ما دامت الدنیا وهی دار تکلیف باقیة (فتح)" ونقل فی التلخیص عن کتاب الاعتقاد "الانبیاء بعد ما قبضوا ردت الیهم ارواحهم فهم احیاء الخ" فغایة ما فی الباب ان یقال ان لاجسادهم فی القبور حیوة کاملة کسائر الاحیاء فی الدنیا وهی لیست بمنظورة الیها خارج القبور بل المنظور الیه خارجها کما فی الحج وغیره انما هی ارواحهم وهذا احد قولی المحدثین والقول الآخر ان المنظور الیه خارج القبور ایضاً انما هی اجسادهم بناء علی ما مر من انهم یرفعون عن قبورهم بعد الاربعین ویصیرون کسائر الاحیاء یکونون حیث ینزلهم الله کما اورده البیهقی فی الجزء عن ابن المسیب بهذا اللفظ ثم جری البیهقی علیه فانه اید حدیث انس ؓ بحدیث الاسراء والمعراج بناء علی ان الانبیاء الذین لقیهم النبی ﷺ فی القدس وفی السموات انما کانوا هناک بعد اعادة الارواح الیهم والاسراء کذا المعراج بهم کما فصلناه فی هذه الرسالة وتبعه الحافظ وغیره ایضاً۔ وبالجملة حیاتهم فی القبور امر مجمع علیه لا خلاف فیه للمحدثین ولا لاحد من اهل السنة اجمعین۔ وهذا هو الحق المتبع والحق احق ان یتبع ولیکن هذا آخر ما اردنا ایراده فی هذه العجالة۔ وقد شرعت فی تالیفها وتحریرها لاربع بقین من شهر صفر سنة ۱۳۹۵ھ تسع وخمسین بعد الالف وثلثمائة من هجرة خیر النبیین صلوات الله وسلامه علیه وعلیهم الی یوم الدین وختمتها فی آخر یوم من الشهر المذکور بین الظهر والعصر مع اشغال هنالک وعوائق بدت مرة بعد اخری اثناء ذلک۔ سائلا من الله ان یجعلها خالصة لوجهه الکریم۔ اللّٰهم اغفر لی وارحمنی ولوالدی ولکل من له حق علی ولجمیع المؤمنین۔ واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین"

تتمہ

واعلم انی حصلت بعد الفراغ علی عبارات لجھا بذۃ من اہل التحقیق فی تفسیر حیوۃ الانبیاء والشہداء وعامۃ الموتی فی البرزخ فاجبت ان اجعلھا تتمۃ لھذہ العجالۃ وھی ھذہ: قال السبکی مانصہ: واعلم انہ لابد من تفسیر الحیوۃ التی نثبتھا للنبی ﷺ التی نثبتھا للشہید وحیوۃ سائر الموتی ایضاً فاما النبی ﷺ فعد صاحب التلخیص من الشافعیہ فی خصائصہ ان مالہ بعد موتہ قائم علی نفقتہ وملکہ وقال امام الحرمین رحمہ اللہ ان ما خلفہ بقی علی ما کان فی حیوتہ فکان ینفق ابوبکر رضی اللہ عنہ علی اہلہ وخدمہ وکان یری انہ باق لعی ملک رسول اللہ ﷺ فان الانبیاء احیاء۔ واعلم ان ھذا القول یقتضی اثبات الحیوۃ فی احکام الدنیا وذلک زائد علی حیوۃ الشہید والقرآن العزیز ناطق بموتہ ﷺ قال تعالیٰ انک میت وانھم میتون وقال ﷺ انی مقبوض وقال الصدیق رضی اللہ عنہ فان محمداً قد مات اجمع المسلمون علی اطلاق ذلک فالوجہ اذاثبت القول المذکور ان یقال ان ذلک موت غیر مستمر وانہ احیی بعد الموت ویکون انتقال الملک ونحوہ مشروطا بالموت المستمر والا فالحیوۃ الثابتۃ حیوۃ اخرویۃ ولاشک انھا اعلیٰ واکمل من حیوۃ الشہید وھی ثابتۃ للروح بلا اشکال والجسد قد ثبت ان اجساد الانبیاء لاتبلی وعود الروح الی البدن سنذکرہ فی سائر الموتی فضلاًعن الشہداء فضلاعن الانبیاء۔ واما النظر فی استمرارھا فی البدن وفی ان البدن یصیر حیاتھا کحالتہ فی الدنیا او حیاۃ بدونھا وھی حیث شاء اللہ تعالیٰ فان ملاذمۃ الحیاۃ للروح امر عادی لاعقلی فھذا مما یجوزہ العقل فان صح بہ سمع اتبع وقد ذکرناہ عن جماعۃ من العلماء وشھد لہ صلوۃ موسی علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ یستدعی جسدا احیا وکذلک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجساد ولایلزم من کونھا حیاۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذلک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد یکون لھا حکم أخر فلیس فی العقل مایمنع من اثبات الحیاۃ الحقیقیۃ لھم واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک ان ذلک ثابت وسنذکر ثبوتہ لسائر الموتی فکیف بالانبیاء۔

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ص ۲۰۳ للعلامۃ السبکی)

وفی السراج المنیر تحت حدیث جابر مانصہ رحمہ اللہ عن جابر (مامن مسلم یسلم علیَ الا ردَ اللہ علیَ روحی) ای رد علی نطقی لانہ حی دائما وروحہ لاتفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم (حتی ارد علیہ السلام)

(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر للعلامۃ الشیخ علی ابن الشیخ احمد الشھیر بالعزیزی ج ۳، ص ۲۶۰)

وقال الشوکانی فی شرح ردالروح مانصہ: (قولہ الا ردَاللہ علی روحی) لفظ احمد الا ردَاللہ الیَ روحی قال القسطلانی وھو الطف وانسب وبین التعدیتین فرق لطیف فان رد یتعدی قال الراغب بعلی فی الاھانۃ وبالی فی الاکرام قیل والمراد برد الروح النطق لانہ ﷺ حی فی قبرہ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کذا قال ابن الملقن وغیرہ وقال ابن حجر الاحسن ان یؤول رد الروح محصول الفکر کماقالوہ فی خبر (یغان علی قلبی) تحفہ الذاکرین (شرح حصن حصین)

(للعلامہ الشوکانی باب فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ ص ۲۸)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

(منتخب)

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

جس میں برزخ (قبر) اہل قبر، دوزخ، اہل دوزخ، قیامت، حشر ونشر
حساب وکتاب، شفاعت اور اعراف والوں کے مفصل حالات
قرآن وحدیث کی روشنی میں درج کئے گئے ہیں۔ آخر میں جنت اور
اہل جنت کی نعمتیں پوری تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

تالیف:

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

اضافہ شدہ ایڈیشن

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

جس میں برزخ (قبر) اہل قبر، دوزخ، اہل دوزخ، قیامت، حشرونشر حساب وکتاب، شفاعت اور اعراف والوں کے مفصل حالات قرآن وحدیث کی روشنی میں درج کیے گئے ہیں۔ آخر میں جنت اور اہل جنت کی نعمتیں پوری تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔

مؤلف

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۴۳-۱۴۲۲ھ

۱۹۲۴-۲۰۰۱ء

مکتبۃ البشریٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۲۴ء ...... وفات: ۲۸ رنومبر ۲۰۰۱ء (مدینہ منورہ)

مولانا عاشق الٰہی بلندشہری نامور مدرس، متبحر عالم دین اور شہرہ آفاق مصنف تھے۔ آپ کی تصانیف کو قبولیت کا درجہ حاصل ہے۔ آپ نے ''انوار البیان'' کے نام پر تفسیر لکھی۔ آپ عرصہ تک دارالعلوم کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ میں پڑھاتے رہے۔

آپ نے ''مرنے کے بعد کیا ہوگا'' نامی کتاب لکھی، جس میں برزخ (قبر، اہل قبر) دوزخ، اہل دوزخ، قیامت، حشر ونشر حساب وکتاب شفاعت اور اعراف کے مفصل حالات قلمبند فرمائے۔ ہمارے مخدوم حضرت مولانا منیر احمد منور نے اس کی تلخیص کی جو اس مجموعہ میں شامل کی جارہی ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احوال برزخ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا محمد سید المرسلین

وعلی آلہ وصحبہ ھداۃ الدین المتین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین!

سرور عالم ﷺ کے ارشادات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کو گو ہم مردہ سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ زندہ ہوتا ہے۔ گو اس کی زندگی ہماری اس زندگی سے مختلف ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مردہ کی ہڈیاں توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس کی ہڈی توڑ دی جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹، ابوداؤد وابن ماجہ ومالک)

ایک مرتبہ سرور عالم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو ایک قبر سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا دیکھ کر فرمایا کہ اس قبر والے کو تکلیف نہ دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹، از احمد)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس عالم سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے، خواہ ابھی اسے قبر میں نہ رکھا جائے یا آگ میں بھی نہ جلایا جائے۔ اس میں سمجھ اور شعور ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نعش (چارپائی وغیرہ پر) رکھ دی جاتی ہے اور اس کے بعد قبرستان لے جانے کے لئے لوگ اٹھاتے ہیں تو اگر وہ نیک تھا تو کہتا ہے کہ مجھے جلد لے چلو اور اگر وہ نیک نہ تھا تو گھر والوں سے کہتا ہے کہ ہائے میری بربادی، مجھے کہاں لے جاتے ہو؟ (پھر فرمایا) کہ انسان کے سوا ہر چیز اس کی آواز سنتی ہے۔ اگر انسان اس کی آواز سن لے تو ضرور بے ہوش ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۳، از بخاری)

موت کے بعد سے قیامت قائم ہونے تک ہر شخص پر جو زمانہ گزرتا ہے اس کو برزخ کہا جاتا ہے۔ برزخ کے لغوی معنی پردہ اور آڑ کے ہیں، چونکہ یہ زمانہ دنیا وآخرت کے درمیان ایک آڑ ہوتا ہے اس لئے اسے برزخ کہتے ہیں۔

چونکہ عام انسان اپنے مردوں کو دفن کیا کرتے ہیں، اس لئے احادیث شریفہ میں برزخ کی راحت یا عذاب کے بارے میں قبر ہی کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن انسانوں کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے یا جو پانی میں بہا دیئے جاتے ہیں وہ برزخ میں زندہ نہیں رہتے۔ درحقیقت ان کو بھی برزخی زندگی حاصل ہے اور عذاب میں مبتلاء ہیں یا آرام وراحت میں ہیں اور کافر ومشرک کو برزخ میں اور اس کے بعد کے حالات میں کوئی آرام نہیں، ان کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

اللہ جل شانہٗ جلے ہوئے ذرّوں کو بھی جمع کر کے عذاب وثواب دینے پر قادر ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ (پہلے زمانہ میں) ایک شخص نے بہت زیادہ گناہ کئے، جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا دینا اور میری راکھ کو آدھی خشکی میں اڑا دینا اور آدھی سمندر میں بہا دینا۔ یہ وصیت کر کے اس نے کہا کہ اگر خدا مجھ پر قادر ہو گیا (اور اس نے اس کے باوجود بھی مجھے زندہ کر لیا) تو مجھے ضرور بالضرور ایسا عذاب دے گا جو (میرے علاوہ) سارے جہانوں میں سے اور کسی کو نہ دے گا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس نے وصیت کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ اس شخص کے سارے ذروں کو جمع

کردے۔ سمندر نے اپنے اندر کے سارے ذروں کو جمع کر دیا اور اسی طرح خشکی کو حکم دیا، اس نے بھی اس شخص کے جسم کے سارے ذروں کو جمع کر دیا۔ سارے ذرّے جمع فرما کر اللہ جل شانہٗ نے اسے زندہ فرمایا۔ پھر اس سے فرمایا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی؟ اس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیرے ڈر سے میں نے ایسا کیا اور آپ خوب جانتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۷، از بخاری و مسلم)

روایات حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن بندے برزخ میں ایک دوسرے کی زیارت بھی کرتے ہیں اور اس عالم سے جانے والے سے بھی دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے اور کس حالت میں ہے؟

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب مرنے والا مرجاتا ہے تو برزخ میں اس کی اولاد اس کا اس طرح استقبال کرتی ہے جیسے دنیا میں کسی باہر سے آنے والے کا استقبال کیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۸، از ابن ابی الدنیا)

اور حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مرنے والا مرجاتا ہے تو عالم برزخ میں اس کے عزیز و اقارب جو پہلے مر چکے ہوتے ہیں اسے گھیر لیتے ہیں اور وہ آپس میں مل کر اس خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو دنیا میں کسی باہر سے آنے والے سے مل کر ہوتی ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۸، از ابن ابی الدنیا)

حضرت قیس بن قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مؤمن نہیں ہوتا اسے مردوں سے بات چیت کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا مردے کلام بھی کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں اور ایک دوسرے کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ (بشریٰ الکئیب بلقاء الحبیب للسیوطی ص ۱۰۰ علی ہامش شرح الصدور)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی (قبر کی) زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو وہ صاحب قبر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے یہاں تک کہ زیارت کرنے والا اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۸، از ابن ابی الدنیا)

حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا بھلا ہو! روح مطمئنہ جنت میں سبز پرندوں کے قالب میں ہوتی ہے (اب تو خود سمجھ لے) کہ پرندے اگر آپس میں درختوں پر ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں تو روحیں بھی آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں۔ (شرح الصدور ص ۱۰۱، از ابن سعد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف پڑھنا شروع کرے اور پورا کئے بغیر ہی مرجائے تو قبر میں ایک فرشتہ اسے قرآن شریف پڑھاتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اسے پورا قرآن حفظ ہوگا۔ (شرح الصدور ص ۸۴)

جو حضرات اعمال صالحہ میں زندگی خرچ کرتے ہیں اور مرنے کے بعد کی زندگی کا یقین رکھتے ہیں، اس دنیا میں ان کا دل نہیں لگتا اور موت کو یہاں کی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور جو لوگ یہاں کی زندگی کو برائیوں میں گزارتے ہیں وہ موت سے گھبراتے ہیں۔

سلیمان بن عبدالملک نے ابو حازم رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ یہ بتایئے کہ ہم موت سے کیوں گھبراتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس لئے گھبراتے ہو کہ تم نے دنیا کو آباد اور آخرت کو برباد کیا ہے۔ لہٰذا آبادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں کرتے۔ سلیمان نے کہا: واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔ (صفوۃ الصفوہ ج ۲ ص ۸۹)

جس شخص کو قبر کی زندگی کا یقین ہو اور اپنے اعمال صالحہ کے بدلے وہاں اچھے حال میں رہنے کی امید ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ اس عالم سے دوست احباب، اقربا کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا تو برزخ میں رشتہ دار اور جان پہچان والے مل جائیں گے تو پھر موت سے کیوں گھبرائے؟ اور اس زندگی کو برزخ کی زندگی پر کیوں ترجیح دے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یحب الانسان الحیاۃ والموت خیز لنفسه '' انسان زندگی کو محبوب رکھتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے بہتر ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۶، از بیہقی فی شعب الایمان)

بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موت کو مؤمن کا تحفہ بتایا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۰، از بیہقی فی شعب الایمان) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ انسان موت کو مکروہ جانتا ہے، حالانکہ موت اس کے فتنوں میں پڑنے سے بہتر ہے کہ جتنی جلدی موت آجائے گی اتنی ہی جلدی دنیا کے فتنوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

(شرح الصدور ص ٦، از احمد وسعید بن منصور بہ سند صحیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے دنیا سے انتقال کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ ماں کے پیٹ (کی تنگی اور تاریکی) سے نکل کر دنیا کے آرام وراحت میں آجاتا ہے۔

الحاصل مؤمن کے لئے موت بڑی اچھی چیز ہے، بشرطیکہ نیک عمل کرنے والا ہو اور اس نے اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ درست رکھا ہو۔ جو بندے اعمال صالحہ میں زندگی گزارتے ہیں وہ موت کو اس زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور یہاں کی مصیبتوں اور پریشانیوں سے نکل کر جلد سے جلد امن وامان اور راحت وچین والی ہمیشہ کی زندگی میں جانا چاہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کسی سے دریافت فرمایا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: بازار کا قصد ہے۔ فرمایا: ہو سکے تو میرے لئے موت خریدتے لانا۔ (شرح الصدور ص ٦، از ابن ابی شیبہ وابن سعد بیہقی) مطلب یہ تھا کہ ہمیں اس دنیا میں رہنا پسند نہیں ہے، اگر قیمت سے بھی موت ملے تو خریدلیں۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو شخص سب سے پہلے فلاں چیز چھولے تو وہ اسی وقت مرجائے گا تو مجھ سے پہلے کوئی شخص اس چیز کو نہیں چھو سکتا۔ ہاں اگر مجھ سے زیادہ دوڑ سکتا ہو اور مجھ سے پہلے پہنچ جائے تو اور بات ہے۔ (شرح الصدور ص ۵، از ابن سعد)

اللّٰھم حبب الموت الیّ والی من یعلم ان سیدنا محمداً صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عبدک ورسولک

موت کے وقت اور موت کے بعد مؤمن کا اعزاز

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں قبرستان گئے۔ جب قبر تک پہنچے تو دیکھا کہ ابھی لحد نہیں بنائی گئی ہے، اس وجہ سے نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے آس پاس (باادب) اس طرح بیٹھ گئے کہ جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں[1]۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے زمین کرید رہے تھے (جیسے کوئی غمگین کیا کرتا ہے)

[1] یعنی اس طرح خاموش دم بخود ہو کر بیٹھ گئے جیسا کہ ہم میں حرکت ہی نہیں رہی، پرندہ غیر متحرک چیز پر بیٹھتا ہے۔

آپ نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا کہ قبر کے عذاب سے پناہ مانگو! دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بلا شبہ جب مؤمن بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے فرشتے آتے ہیں جن کے سفید چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں، اس کے ساتھ جنتی کفن ہوتا ہے اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے۔ یہ فرشتے اس قدر ہوتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر (حضرت) ملک الموت علیہ السلام تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے پاکیزہ روح! اللہ کی مغفرت اور اس کی رضامندی کی طرف نکل کر چل۔ چنانچہ اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل آتی ہے جیسے مشکیزہ میں سے (پانی کا) قطرہ بہتا ہوا باہر آجاتا ہے۔ پس اسے حضرت ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے (جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں) پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے۔ حتیٰ کہ اسے لے کر اسی کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں۔ اس خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو کبھی عمدہ سے عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اس روح کو لے کر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جن سے دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے۔ اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک اسے رخصت کرتے ہیں (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کو کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ۔ کیونکہ میں نے انسان کو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا اور اسی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا۔ چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو آکر اسے بٹھاتے ہیں، اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ صاحب کون ہیں جو تمہارے اندر بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا عمل کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، سو اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔

اس کے بعد ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے (جو اللہ کا منادی ہوتا ہے) کہ میرے بندہ نے سچ کہا، سو اس کے لئے جنت کے بچھونے بچھا دو اور اس کو جنت کے کپڑے پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ جنت کا آرام اور خوشبو آتی رہتی ہے اور اس کی قبر اتنی کشادہ کر دی جاتی ہے کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔

اس کے بعد نہایت خوبصورت چہرے والا، بہترین لباس والا (اور) پاکیزہ خوشبو والا ایک شخص اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ خوشی کی چیزوں کی بشارت سن لے، یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے: تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ حقیقت میں چہرہ کہنے کے لائق ہے اور اس لائق ہے کہ اچھی خبر لائے، وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل صالح ہوں۔

اس کے بعد وہ (خوشی میں) کہتا ہے اے رب! قیامت قائم فرما۔ اے رب! قیامت قائم فرما تا کہ میں اپنے[1] اہل و عیال اور مال میں پہنچ جاؤں۔

---

[1] اس سے جنت کی حوریں اور جنت کی نعمتیں مراد ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح)

کافر کی ذلت

اور بلا شبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بوٹیاں بھوننے کی سیخ بھیگے ہوئے اون سے صاف کی جاتی ہے (یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پل جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ فوراً ان سے لے کر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ان ٹاٹوں میں ایسی بدبو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو۔ وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، حتیٰ کہ وہ اسے لے کر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں۔ مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے: "لاتفتح لهم ابواب السمآء ولا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سم الخياط (الاعراف: ۴۰)"

ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ چلا جائے (اور اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہیں جا سکتا۔ لہٰذا وہ بھی جنت میں نہیں جا سکتے۔)

پھر اللہ عزوجل فرماتے ہیں اس کو کتاب سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچی زمین میں ہے۔ چنانچہ اس کی روح (وہیں سے) پھینک دی جاتی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "ومن يشرك بالله فكانما خرّ من السمآء فتخطفه الطير او تهوى به الريح فى مكان سحيق (الحج: ۳۱)"

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا اس کو ہوا نے دور دراز جگہ میں لے جا کر پھینک دیا۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتہ نہیں۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے پتہ نہیں۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ شخص کون ہیں جو تمہارے اندر بھیجے گئے ہیں؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے! مجھے نہیں پتہ۔

جب یہ سوال و جواب ہو چکتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا[1]۔ اس کے نیچے آگ بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کا دروازہ کھول دو۔ (چنانچہ دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے) اور دوزخ کی تپش اور سخت گرم لو آتی رہتی ہے اور قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے، حتیٰ کہ اس کی پسلیاں بھنچ کر آپس میں ادھر کی ادھر چلی جاتی ہیں۔

---

[1] یعنی اس کو اپنے رب کی خبر ہے، لیکن یہ اس کو نہ مانتا تھا اور جس دین پر تھا اس کا بھی علم تھا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا بھی علم ہے، لیکن عذاب سے بچنے کے لئے اپنے کو نادان ظاہر کر رہا ہے۔

اس کے پاس ایک شخص آتا ہے جو بدصورت اور برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے، اس کے جسم سے بری بدبو آتی ہے، وہ شخص اس سے کہتا ہے کہ مصیبت کی خبر سن لے۔ یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں تیرا برا عمل ہوں۔ یہ سن کر وہ (اس ڈر سے کہ میں قیامت میں یہاں سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوں گا) یوں کہتا ہے کہ اے رب! قیامت قائم نہ کر۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲ و ۱۴۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب مؤمن کی روح نکلتی ہے تو آسمان وزمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اور وہ سب فرشتے جو آسمان میں ہیں سب کے سب اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر دروازے والے فرشتے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح کو ہماری طرف سے لے کر چڑھایا جائے اور کافر کے بارے میں فرمایا کہ اس کی جان رگوں سمیت نکالی جاتی ہے اور آسمان وزمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اور وہ سب فرشتے جو آسمان میں ہیں، سب کے سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ہر دروازے والے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح کو ہماری طرف سے لے کر نہ چڑھا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۳، از احمد)

مؤمن کا قبر میں نماز کا دھیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن کو قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سورج چھپ رہا ہو۔ سو جب اس کی روح لوٹائی جاتی ہے تو آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھتا ہے اور (فرشتوں سے) کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھتا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶، از ابن ماجہ)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ گویا وہ اس وقت اپنے آپ کو دنیا میں ہی تصور کرتا ہے کہ سوال و جواب کو رہنے دو مجھے فرض ادا کرنے دو، وقت ختم ہوا جا رہا ہے، میری نماز جاتی رہے گی۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ بات وہی کہے گا جو دنیا میں نماز کا پابند تھا اور اس کو ہر وقت نماز کا خیال لگا رہتا تھا۔

اس سے بے نمازیوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے اور اپنے حال کا اس سے اندازہ لگائیں اور اس بات کو خوب سوچیں کہ جب اچانک سوال ہوگا تو کیسی پریشانی ہوگی؟

قبر میں مؤمن کا بے خوف ہونا اور اس کے سامنے جنت پیش ہونا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مردہ اپنی قبر میں پہنچ کر بے خوف اور باطمینان بیٹھتا ہے۔ پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ (تو دنیا میں) کس دین میں تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میں اسلام میں تھا۔ پھر اس سے سوال ہوتا ہے کہ (تیرے عقیدہ میں) یہ کون ہیں؟ (جو تمہاری طرف بھیجے گئے) وہ جواب دیتا ہے یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو ہمارے پاس اللہ کے پاس سے کھلے کھلے معجزے لے کر آئے، سو ہم نے ان کی تصدیق کی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ (دنیا میں) کوئی آدمی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ (پھر میں کیسے دیکھ لیتا؟)

پھر اس کے سامنے دوزخ کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے (جس کے ذریعہ) وہ دوزخ کو دیکھتا ہے کہ آگ کے انگارے آپس میں ایک دوسرے کو کھائے جاتے ہیں، (جب وہ دوزخ کا منظر دیکھ لیتا ہے) تو اس سے کہتے ہیں کہ دیکھو اللہ نے تجھے کس مصیبت سے بچایا۔ پھر اس کے سامنے جنت کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے (جس کے ذریعہ) وہ جنت کی رونق اور جنت کی دوسری چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ (جنت) تیرا ٹھکانہ ہے تو یقین ہی پر زندہ رہا اور یقین ہی پر تو قیامت کے روز (قبر سے) اٹھے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

پھر فرمایا کہ نافرمان خوف زندہ اور گھبرایا ہوا اپنی قبر میں بیٹھتا ہے۔ اس سے سوال ہوتا ہے کہ تو دنیا میں کس دین میں تھا؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے پتہ نہیں۔ پھر اس سے (حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق) سوال ہوتا ہے کہ (تیرے عقیدہ میں) یہ کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ اس بارے میں میں نے وہی کہا جو اور لوگوں نے کہا۔ پھر اس کے سامنے جنت کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ اس کی رونق اور اس کے اندر کی دوسری چیزیں دیکھ لیتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ (تو نے خدا کی نافرمانی کی) خدا نے تجھے کس نعمت سے محروم کیا۔

پھر اس کے سامنے دوزخ کی طرف ایک روشن دان کھولا جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ دوزخ کو دیکھ لیتا ہے کہ آگ کے انگارے ایک دوسرے کو کھائے جاتے ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانہ ہے تو شک ہی پر زندہ رہا اور شک ہی پر تجھے موت آئی اور ان شاء اللہ قیامت کو بھی تو اسی شک پر اٹھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶، از ابن ماجہ)

مؤمن سے فرشتوں کا کہنا کہ دلہن کی طرح سو جا اور منافق و کافر کو زمین کا بھینچنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں، جن میں سے ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں اس سے پوچھتے ہیں کہ تو کیا کہتا ہے ان صاحب کے بارے میں (جو تمہاری طرف بھیجے گئے؟) وہ اگر مؤمن ہے تو جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہ سن کر وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا، پھر اس کی قبر ستر ہاتھ مربع کشادہ کر دی جاتی ہے، پھر منور کر دی جاتی ہے، پھر اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ (اب تو) سو جا۔ وہ کہتا ہے کہ میں تو اپنے گھر والوں کو (اپنا حال) بتانے کے لئے جاتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ (یہاں آ کر جانے کا قانون نہیں) تو سو جا، جیسا کہ دلہن سوتی ہے جسے اس کے شوہر کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ (لہٰذا وہ آرام سے قبر میں رہتا ہے) یہاں تک کہ اللہ اسے قیامت کے روز اس جگہ سے اٹھائے گا۔

اور اگر مرنے والا منافق ہوتا ہے تو وہ منکر نکیر کو جواب دیتا ہے کہ میں نے جو لوگوں کو کہتے سنا وہی کہا۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم تو خوب جانتے تھے کہ تو ایسا ہی جواب دے گا۔ پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ اس کو بھینچ دے۔ چنانچہ زمین اسے بھینچ دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کی پسلیاں ادھر ادھر چلی جاتی ہیں۔ پھر وہ قبر کے اندر عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ (قیامت کو) خدا اسے وہاں سے اٹھائے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵، از ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایمان والے عالم برزخ میں مطمئن ہوں گے اور ان کے ہوش وحواس سالم رہیں گے۔ حتی کہ ان کو نماز کا دھیان ہوگا اور فرشتوں کے سوال کا جواب دینے میں بے خوف ہوں گے اور جب اپنا اچھا حال دیکھ لیں گے تو گھر والوں کو خوشخبری دینے کے لئے فرشتوں سے کہیں گے کہ میں ابھی نہیں سوتا، گھر والوں کو خبر کرنے جاتا ہوں اور انتہائی خوشی میں اپنا انجام بخیر دیکھ کر فوراً ہی قیامت قائم ہونے کا سوال کریں گے تا کہ جلد سے جلد جنت میں پہنچیں۔ جس پر خداوند عالم کا کرم ہو اس کے ہوش وحواس باقی رہتے ہیں اور اس سے اللہ جل شانہٗ صحیح جواب دلاتے ہیں جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں فرمایا: ''یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ (ابراھیم:۲۷) ''ایمان والوں کو اللہ اس پکی بات یعنی کلمہ طیبہ) سے دنیا وآخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبر کے جانچنے والوں (یعنی منکر نکیر) کا تذکرہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس وقت ہماری عقلیں واپس کردی جائیں گی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ایسے ہی ہو گے جیسے آج ہو۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اس کے منہ میں پتھر (یعنی جب عقل ٹھیک ہوگی اور ایمان کی دولت ساتھ لے کر جاؤں گا تو سوال وجواب سے ڈرنا کیا؟ میں ان کو ایسا جواب دوں گا کہ جیسے سوال کرنے والے کے منہ میں پتھر دے دیا جاتا ہے)

(قال المنذری فی الترغیب ج ۴ ص ۲۶۲، رواہ احمد من طریق ابن لھیعۃ، والطبرانی باسناد جید)

برزخ والوں کا مؤمن سے پوچھنا کہ فلاں کا کیا حال ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرشتے مؤمن کی روح کو لے کر (ان) مؤمنین کی ارواح کے پاس لے جاتے ہیں (جو پہلے سے جاچکے ہیں) تو وہ ارواح کے پہنچنے پر ایسی خوش ہوتی ہیں کہ (اس دنیا میں) تم بھی اپنے کسی غائب کے آنے پر اتنا خوش نہیں ہوتے۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ پھر وہ (خود ہی آپس میں) کہتے ہیں کہ اچھا ابھی ٹھہرو (پھر پوچھ لینا، چھوڑ دو ذرا آرام کرنے دو، چونکہ دنیا کے غم میں مبتلا تھا) پھر (وہ بتانے لگتا ہے کہ فلاں اس طرح ہے اور فلاں اس طرح ہے اور) وہ کسی شخص کے بارے میں کہتا ہے جو اس سے پہلے مرچکا تھا کہ وہ تو مرگیا، کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ یہ سن کر وہ کہتے ہیں کہ (جب وہ دنیا سے آگیا اور ہمارے پاس نہیں آیا تو) ضرور اس کو دوزخ میں پہنچادیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۲، از احمد ونسائی والروایۃ طویلۃ)

برزخ والوں پر زندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں

''طبرانی'' کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں اور خاندان والوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، جو آخرت میں پہنچ چکے ہیں۔ اگر تمہارا عمل نیک ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں اور خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ آپ کا فضل اور رحمت ہے، سو آپ اپنی نعمت اس پر پوری فرمادیجئے اور اسی پر اس کو موت دیجئے۔

اور اگر برا عمل ان کے سامنے پیش ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے دل میں نیکی ڈال دے جو تیری رضا اور تیرے قرب کا سبب ہوجائے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۷)

قبر کا مؤمن کو دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے ماں بیٹے کا سر دباتی ہے

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب سے آپ نے منکر نکیر کی (ہیبت ناک) آواز اور قبر میں بھینچنے کا ذکر فرمایا ہے اس وقت سے مجھے کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی ہے (اور دل کی پریشانی دور نہیں ہوتی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! منکر نکیر کی آواز مؤمن کے کانوں ایسی ہوگی جیسے (ایک سریلی آواز کانوں میں بھلی معلوم ہوتی ہے، جیسے) آنکھوں میں سرمہ لگانے سے آنکھوں کو لذت محسوس ہوتی ہے اور مؤمن کو قبر کا دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفقت والی ماں آہستہ آہستہ اپنے بیٹے کا سر دباتی ہے اور وہ اس سے آرام و راحت پاتا ہے اور (یاد رکھ) اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے اور وہ قبر میں اس طرح بھینچے جائیں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے۔ (شرح الصدور ص ۴۶)

زمین و آسمان کا مؤمن سے محبت کرنا اور اس کی موت پر رونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے لئے آسمان کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سے اس کا عمل چڑھتا ہے اور دوسرے دروازہ سے اس کا رزق اترتا ہے۔ جب مؤمن مرجاتا ہے تو دونوں دروازے اس کے (مرنے پر) روتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۱، از ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک مؤمن مرجاتا ہے تو اس کے مرنے پر قبرستان اپنے آپ کو سجا لیتے ہیں، لہٰذا ان میں کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہوتا جو یہ تمنا نہ کرتا ہو کہ یہ مجھ میں دفن ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ مؤمن کے مرنے پر چالیس دن تک زمین روتی ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۴، از ابن ابی الدنیا والحاکم) اور یہ مضمون حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) سے بھی منقول ہے۔

(شرح الصدور ص ۱۴، از سعید بن منصور وابونعیم)

حضرت عطاء الخراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو بندہ زمین کے کسی حصہ میں سجدہ کرتا ہے وہ حصہ قیامت کے روز اس کے حق میں گواہی دے گا اور اس کے مرنے کے دن روئے گا۔ (شرح الصدور ص ۱۴، از ابونعیم)

صدقۂ جاریہ اور اولاد وغیرہ کی طرف سے استغفار کا نفع

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مرنے کے بعد جو چیزیں مؤمن کو اس کی نیکیوں سے پہنچتی ہیں ان میں سے ایک علم ہے۔ جس نے اس کو پھیلایا ہو، یا نیک اولاد چھوڑی ہو، کوئی قرآن شریف ورثہ میں چھوڑ گیا ہو، یا مسجد تعمیر کرا گیا ہو، یا مسافر خانہ بنا گیا ہو، یا نہر جاری کر گیا ہو، یا اپنی زندگی و تندرستی کی حالت میں اپنے مال سے صدقہ کر گیا ہو جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۶، از ابن ماجہ و بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیک بندہ کا درجہ جنت میں بلند فرمادے گا۔ وہ کہے گا کہ اے اللہ! یہ درجہ مجھے کیسے ملا؟ اللہ جل شانہ ارشاد فرمائیں گے: تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کی جس کی وجہ سے یہ مرتبہ تجھ کو ملا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۶، از احمد)

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے روز بعض آدمیوں کے ساتھ پہاڑوں کے برابر نیکیاں ہوں گی، وہ یہ دیکھ کر عرض کرے گا کہ یہ مجھے کہاں سے ملیں؟ ارشاد ہوگا: تیری اولاد کے استغفار کرنے کی بدولت تجھے عنایت کی گئی ہیں۔ (شرح الصدور ص ۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت اپنی قبر میں بس ایسا ہی محتاج ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبتا ہوا ہو۔ (پھر فرمایا کہ) وہ دعا کا منتظر رہتا ہے جو اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی جانب سے اسے پہنچ جائے۔ جب اسے (ان میں سے کسی کی) دعا پہنچتی ہے تو ساری دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے زیادہ اس کو وہ دعا محبوب ہوتی ہے اور بے شک زمین والوں کی دعا سے اللہ تعالیٰ قبر والوں پر پہاڑوں کے برابر ثواب داخل فرماتے ہیں اور بے شک زندوں کا ہدیہ مردوں کے لئے ان کے واسطے استغفار کرنا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۶، از بیہقی)

مؤمن کو ملک الموت کا سلام

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ملک الموت خدا کے مقبول بندہ کے پاس آتے ہیں تو اس کو سلام کرتے ہیں اور یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''السلام علیک یا ولیَّ اللہ! قم فاخرج من دارک التی خربتھا الٰی دار التی عمّرتھا'' تم پر سلام ہو اے اللہ کے دوست! اٹھو اور اس گھر سے نکلو جسے تم نے (خواہشات نفس کو قربان کر کے) برباد کیا ہے اور اس گھر کو چلو جسے تم نے (عبادت کر کے) آباد کیا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۶)

مؤمن کا دنیا میں رہنے سے انکار کرنا اور اس کو بشارت ملنا

حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ جب مؤمن (مرتے وقت) فرشتوں کو دیکھتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو دنیا میں واپس کر دیں اور روح کو قبض نہ کریں؟ وہ کہتا ہے: کیا مجھے غموں اور فکروں کے مقام میں چھوڑ جانا چاہتے ہو؟ اب تو میں نہیں رہتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس لے چلو۔ (شرح الصدور ص ۳۵، از ابن جریر)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ موت کے وقت مؤمن کے پاس فرشتے آ کر اسے خوشخبری سناتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تم جہاں جا رہے ہو وہاں جانے سے ڈرو نہیں۔ لہٰذا اس کا خوف جاتا رہتا ہے اور اس سے یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا اور اہل دنیا (سے جدا ہونے) پر رنج نہ کرو اور جنت کی خوشخبری سن لو۔ لہٰذا وہ اس حال میں مرتا ہے کہ اس دنیا میں خدا اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۶، از ابن جریر)

شہداء سے اللہ جل شانہٗ کا خطاب

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی: ''و لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹)'' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے مقرب ہیں، ان کو رزق ملتا ہے۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اس کی تفسیر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔ ان کے لئے عرش الٰہی کے نیچے قندیل لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ جہاں چاہیں جنت میں چلتی پھرتی ہیں، پھر ان قندیلوں میں آ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم کیا چاہیں حالانکہ جہاں چاہتے ہیں جنت میں چلتے پھرتے ہیں۔

چنانچہ تین بار خدا نے ان سے یہی سوال و جواب فرمایا، سو جب انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب تک ہم جواب نہ دیں گے سوال ہوتا ہی رہے گا تو انہوں نے یہ عرض کیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کر دی جائیں حتیٰ کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل کر دیئے جائیں۔ سو جب پروردگار عالم نے ان سے معلوم کر لیا ان کو کوئی حاجت نہیں تو چھوڑ دیئے گئے (اور پھر ان سے سوال نہیں کیا گیا۔ یعنی وہاں کی کوئی چیز انہوں نے طلب نہ کی اور سوال کیا تو دنیا میں واپسی کا سوال کیا جو قانون کے خلاف ہے۔ لہٰذا پھر ان سے سوال نہ کیا گیا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۰، از مسلم)

روحوں کا سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہونا شہداء کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ دوسرے مؤمنوں کی روحیں بھی ان پرندوں کے پوٹوں میں جنت کی سیر کرتی ہیں جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ان ارواح المؤمنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ'' (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۳، از ابن ماجہ)

بلاشبہ ایمان والوں کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہوتی ہیں جو جنت کے درختوں سے کھاتی پیتی ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''مرقات شرح مشکوٰۃ'' میں لکھتے ہیں کہ ایک حدیث میں ہے کہ بلاشبہ ایمان والوں کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں جنت کے پھل کھاتی اور پانی پیتی پھرتی ہیں اور عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔ (المرقاۃ ج ۴ ص ۳۰ طبع ملتان)

شہادت کی تکلیف چیونٹی کے کاٹنے کے برابر ہوتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہید قتل ہونے کی تکلیف بس اتنی ہی محسوس کرتا ہے جیسی تم چیونٹی کے کاٹنے کی تکلیف محسوس کرتے ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۳، از ترمذی وغیرہ)

عذاب قبر کی تفصیلات

اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں عذاب قبر حق ہے۔ جس طرح مؤمنین صالحین کو قبر میں آرام ملتا ہے اور خوشی کے ساتھ قیامت تک رہنا ہوتا ہے اسی طرح کافروں اور بدکاروں کو قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ احادیث شریفہ سے یہ باتیں ثابت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک یہودی عورت آئی اور اس نے ان کے سامنے عذاب قبر کا تذکرہ کیا اور کہا کہ: ''اعاذک اللہ من عذاب القبر'' یعنی تجھے اللہ عذاب قبر سے پناہ میں رکھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''نعم عذاب القبر حق'' ہاں قبر کا عذاب حق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی نماز پڑھی قبر کے عذاب سے ضرور اللہ کی پناہ مانگی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵، از بخاری و مسلم)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی۔ سوال کیا گیا کہ آپ جنت و دوزخ کا تذکرہ کر کے نہیں روتے اور قبر کو دیکھ کر (اس قدر) روتے ہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، سو اگر اس سے نجات پائی تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶، از ترمذی و ابن ماجہ)

عذاب قبر کی کچھ تفصیلات گزر چکی ہیں اور کچھ اب ذکر کی جاتی ہے۔

قبر میں عذاب دینے والے اژدھے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں کافر پر ضرور ۹۹ (ایک سو ننانوے) اژدھے مقرر کر دیئے جاتے ہیں جو قیامت تک اسے ڈستے رہتے ہیں۔ ان کے زہر کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھنکار مار دے تو زمین بالکل سبزہ نہ اگائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶، از دارمی)

یعنی ان کے زہر کا یہ اثر ہے کہ ان میں سے ایک اژدہا بھی اگر ایک دفعہ زمین کی طرف پھنکار مار دے تو اس کے زہر کے اثر سے زمین گھاس کا ایک تنکا بھی اگانے کے قابل نہ رہے۔ آج کل کے آلات جنگ جیسے ایٹم بم وغیرہ دیکھ کر اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے میں ذرا بھی تامل کی گنجائش نہیں رہتی۔

قبر میں عذاب کی وجہ سے میت کا چیخنا اور لوہے کے گرزوں سے اس کا مارا جانا

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کافر جواب دیتا ہے کہ ہاہا! مجھے پتہ نہیں تو آسمان سے منادی آواز دیتا ہے کہ اس نے جھوٹ کہا، اس کے نیچے آگ بچھا دو، اور اسے آگ کا پہناوا پہنا دو اور اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ دوزخ کی تپش اور سخت گرم لو آتی رہتی ہے اور اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جاتی ہیں۔ پھر اس کے عذاب دینے کے لئے (عذاب دینے والا) مقرر کر دیا جاتا ہے جو اندھا اور بہرا ہوتا ہے، اس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر مار دیا جائے تو پہاڑ ضرور مٹی ہو جائے۔ (پھر ارشاد فرمایا کہ) اس گرز کو ایک مرتبہ مارتا ہے تو اس کی آواز کو انسان اور جنات کے علاوہ پورب پچھم کے درمیان کی ساری مخلوق سنتی ہے۔ ایک مرتبہ مارنے سے وہ مٹی ہو جاتا ہے اور پھر روح لوٹا دی جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶، از احمد و ابوداؤد)

''بخاری'' اور ''مسلم'' کی ایک روایت میں ہے کہ اس گرز کے مارے جانے سے وہ اس زور سے چیختا ہے کہ انسان اور جنات کے سوا، اس کے قریب کی ہر چیز اس کی چیخ و پکار سنتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵)

سوال: یہاں یہ بات دریافت طلب ہے کہ انسانوں اور جنات کو میت کے مارنے اور اس کے چیخنے کی آواز کیوں نہیں سنائی جاتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں اور جنات کو عالم برزخ سے واسطہ پڑتا ہے، اگر ان کو عذاب قبر دکھایا جائے یا کانوں سے وہاں کے مصیبت زدوں کی چیخ وپکار کی آواز سنادی جائے تو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کرنے لگیں، حالانکہ خدا کے یہاں ایمان بالغیب معتبر ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی بات سن کر مان لیں، سمجھ میں آئے یا نہ آئے، بہر حال آپ ﷺ کی بات صحیح مانیں۔ اسی کو ایمان فرمایا گیا ہے: "ان الذین یخشون ربھم بالغیب لھم مغفرۃ واجز کبیز (الملک: ۱۲)" بلاشبہ جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

اگر دوزخ وجنت اور برزخ کے حالات آنکھوں سے دکھا دیئے جائیں تو پھر ایمان بالغیب نہ رہے اور سب مان لیں اور مؤمن ہو جائیں۔ مگر خدا کے یہاں آنکھوں سے دیکھے ہوئے پر ایمان لانا معتبر نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مرتے وقت ایمان لانے کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس وقت عذاب کے فرشتے نظر آتے ہیں۔

"فلم یک ینفعھم ایمانھم لمّا راو بأسنا (المومن: ۸۵)" سو ان کو ان کا ایمان لانا نفع مند نہ ہوا جب کہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔

جب قیامت کو اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر جنت ودوزخ آنکھ سے دیکھ لیں گے تو سب ہی ایمان لے آئیں گے اور رسولوں کی باتوں کی تصدیق کرلیں گے، مگر اس وقت کا ایمان اور تصدیق معتبر نہیں ہے۔ انسانوں کو عذاب قبر کے نہ دکھانے اور اس کی آواز نہ سنانے میں یہ مصلحت بھی ہے کہ انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر انسان عذاب قبر کا حال آنکھوں سے دیکھ لیں یا کانوں سے سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں، جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نافرمان کی میت کو جب لوگ اٹھا کر چلتے ہیں تو وہ کہتا ہے: ہائے میری بربادی! مجھے کہاں لے جارہے ہو؟ اس کی آواز کو انسان کے سوا ہر چیز سنتی ہے، اگر انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۴، از بخاری)

البتہ خداوند عالم نے اپنے رسول ﷺ کو برزخ کی چیزیں نہ صرف بتادیں بلکہ دکھا بھی دیں۔ چونکہ آپ ﷺ میں ان کو دیکھ کر برداشت کا ظرف موجود تھا حتیٰ کہ دوزخ کے منظر کو دیکھ کر بھی آپ کے ہنسنے بولنے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں فرق نہ آتا تھا۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ ایک مرتبہ آفتاب غروب ہونے کے بعد (مدینہ منورہ سے) باہر تشریف لے گئے۔ آپ نے ایک آواز سنی (جو بھیانک آواز تھی) اس کو سن کر فرمایا کہ یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۳۶، از بخاری ومسلم)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنے خچر پر سوار ہو کر قبیلۂ بنونجار کے ایک باغ میں تشریف لے جارہے تھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خچر بدک گیا اور ایسا بدکا کہ قریب تھا کہ آپ کو گرادے۔ وہیں پانچ یا چھ قبریں تھیں، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان قبر والوں کو کون پہچانتا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا: میں پہچانتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ یہ کب مرے تھے؟ اس نے کہا کہ زمانۂ شرک میں مرے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو قبروں میں

عذاب دیا جاتا ہے، سو اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تم آپس میں دفن کرنا چھوڑ دو گے تو خدا سے ضرور دعا کرتا کہ تم کو (بھی) اس قبر کے عذاب کا کچھ حصہ سنا دے جسے میں سن رہا ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵، از مسلم)

چغلی کرنے اور پیشاب سے نہ بچنے سے عذاب قبر ہوتا ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے مشکل کام کے سبب عذاب نہیں ہو رہا ہے (بلکہ ایسی معمولی باتوں پر جن سے بچ سکتے تھے) (پھر آپ نے ان دونوں کے گناہوں کی تفصیل بتائی کہ) ان دونوں میں ایک پیشاب کرنے میں پردہ نہیں کرتا تھا (اور ایک روایت میں ہے کہ پیشاب سے نہ بچتا تھا) اور یہ دوسرا چغلی کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تر ٹہنی منگا کر بیچ میں سے اس کو چیر کر آدھی اس قبر میں گاڑ دی اور آدھی دوسری قبر میں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ارشاد فرمایا: امید ہے کہ ان دونوں کا عذاب ان کے سوکھنے تک ہلکا کر دیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲، از بخاری و مسلم)

چند مخصوص کاموں پر مخصوص عذاب

''بخاری شریف'' میں ایک طویل روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب روایت کیا گیا ہے جس میں عالم برزخ کے خاص خاص عذابوں کا ذکر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو ایک مقدس زمین کی طرف لے چلے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور دوسرا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہے کا زنبور ہے۔ اس بیٹھے ہوئے شخص کے کلّے کو اس سے چیر رہا ہے۔ یہاں تک کہ گدی تک جا پہنچتا ہے، پھر دوسرے کلّے کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتا ہے اور پہلا کلّہ اس کا درست ہو جاتا ہے، وہ پھر اس پہلے کلّہ کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا بات ہے؟ وہ دونوں شخص بولے: آگے چلو، ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جو لیٹا ہوا ہے اور اس کے سر پر ایک شخص بھاری پتھر لئے کھڑا ہے۔ یہ کھڑا ہوا شخص اس پتھر سے اس لیٹے ہوئے شخص کا سر نہایت زور سے پھوڑتا ہے، جب وہ پتھر اس کے سر پر دے مارتا ہے تو پتھر لڑھک کر دور جا گرتا ہے۔ جب وہ اس کو اٹھانے کے لئے جاتا ہے تو ابھی تک لوٹ کر اس کے پاس آنے نہیں پاتا کہ اس کا سر جیسا تھا ویسا ہی ہو جاتا ہے اور پھر اس کو اسی طرح پھوڑتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے آگے چلو۔

یہاں تک کہ ہم ایک غار پر پہنچے جو مثل تنور کے تھا، اوپر سے تنگ تھا نیچے سے فراخ تھا، اس میں آگ جل رہی تھی اور اس میں بہت سے ننگے مرد اور عورتیں بھرے ہوئے تھے۔ جس وقت وہ آگ اوپر کو اٹھتی تو اس کے ساتھ وہ سب اوپر کو اٹھتے تھے، یہاں تک کہ قریب نکلنے کے ہو جاتے۔ پھر جس وقت آگ بیٹھتی تو وہ بھی سب نیچے چلے جاتے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے: آگے چلو۔

ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ایک خون کی نہر پر پہنچے، اس کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہے اور نہر کے کنارہ کی طرف آتا ہے جس وقت وہ نکلنا چاہتا ہے یہ کنارہ والا شخص اس کے منہ پر اس زور سے پتھر مارتا ہے کہ وہ پھر اپنی پہلی جگہ پر جا پہنچتا ہے۔ پھر جب بھی وہ کنارہ کی طرف آنا چاہتا ہے اسی طرح پتھر مار کر ہٹا دیتا ہے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ وہ دونوں بولے: آگے چلو۔

ہم آگے چلے، یہاں تک کہ ایک ہرے بھرے باغ میں پہنچے، اس میں ایک بڑا درخت ہے اس کے نیچے ایک بوڑھا آدمی ہے اور بچے ہیں، اس درخت کے قریب ایک اور شخص بیٹھا ہے اور اس کے سامنے آگ جل رہی ہے جسے وہ دھونک رہا ہے۔ پھر وہ دونوں مجھ کو چڑھا کر درخت کے اوپر لے گئے، وہاں ایک گھر درخت کے بیچ میں نہایت عمدہ تھا اس میں مجھے داخل کر دیا گیا۔ میں نے اس گھر سے اچھا گھر کبھی نہیں دیکھا، اس میں بہت سے مرد، بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے تھے۔ پھر اس سے باہر لا کر اور اوپر لے گئے، وہاں ایک گھر پہلے گھر سے بھی عمدہ تھا، اس میں لے گئے۔ اس میں بوڑھے اور جوان تھے۔ میں نے ان دونوں شخصوں سے کہا کہ تم نے مجھ کو تمام رات پھرایا، اب بتاؤ کہ یہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا کیا تھا؟

انہوں نے کہا: وہ جو تم نے دیکھا تھا جس کے کلّے چیرے جاتے تھے وہ شخص جھوٹا ہے، جو جھوٹی باتیں بیان کرتا تھا اور وہ باتیں جہان میں مشہور ہو جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ قیامت تک یوں ہی کرتے رہیں گے اور جس کا سر پھوڑتے ہوئے دیکھا وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن سکھایا، وہ رات کو اس سے غافل ہو کر سوتا رہا اور دن کو اس پر عمل نہ کیا، قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ رہے گا اور جن کو تم نے آگ کے غار میں دیکھا وہ زنا کرنے والے لوگ ہیں اور جن کو خون کی نہر میں دیکھا وہ سود کھانے والے ہیں اور درخت کے نیچے جو بوڑھے شخص تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے ارد گرد جو بچے تھے وہ لوگوں کی نابالغ اولاد ہے اور جو آگ دھونک رہا تھا وہ مالک دراوغہ دوزخ کا ہے اور پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے وہ عام مسلمانوں کا ہے اور دوسرا گھر شہیدوں کا ہے اور میں جبرائیل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔ پھر بولے کہ سر اوپر اٹھاؤ۔ میں نے سر اٹھایا تو میرے اوپر ایک سفید بادل نظر آیا۔ بولے: یہ تمہارا گھر ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ بولے: ابھی تمہاری عمر باقی ہے، پوری نہیں ہوئی۔ اگر پوری ہو چکی ہوتی تو ابھی چلے جاتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۹۵)

فائدہ: جاننا چاہئے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ یہ تمام واقعے سچے ہیں۔ اس حدیث سے کئی چیزوں کا حال معلوم ہوا۔ اوّل جھوٹ کا کیسی سخت سزا ہے، دوسرے علم بے عمل کا، تیسرے زنا کا، چوتھے سود کا، خدا سب مسلمانوں کو ان کاموں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

زمین کا میت سے بات کرنا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ کھلکھلا کر ہنس رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے، ان کا یہ حال دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ خبردار! بلاشبہ اگر تم لذتوں کو کاٹنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرتے تو تم کو میں اس حال میں نہ دیکھتا۔ لہٰذا تم لذتوں کو کاٹنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو۔ کیونکہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس دن وہ یہ نہ کہتی ہو کہ میں بیگانگی کا گھر ہوں اور میں تنہائی کا گھر ہوں اور میں مٹی کا گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں۔

پھر فرمایا کہ جب مؤمن بندہ دفن کر دیا جاتا ہے کہ تو اس سے قبر کہتی ہے کہ مرحبا! تو اپنے ہی گھر آیا ہے، سمجھ لے بلاشبہ تو مجھے ان سب سے زیادہ محبوب تھا جو مجھ پر چلتے ہیں، سو جب تو آج میرے سپرد کر دیا گیا ہے اور میرے پاس آ گیا ہے تو اب میرا سلوک دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیسا اچھا سلوک کرتی ہوں۔ اس کے بعد جہاں تک نظر پہنچتی ہے وہاں تک قبر کشادہ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

اور جب فاجر یا کافر بندہ دفن کر دیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے کہ تیرا آنا برا آنا ہے اور تو بری جگہ آیا، سمجھ لے کہ مجھ پر چلنے والوں میں تو مجھے سب سے زیادہ مبغوض (دشمن) تھا۔ سو اب جب تو میرے سپرد کر دیا گیا ہے اور آج میرے بس میں آ گیا ہے۔ اب تو دیکھے گا کہ تجھ سے کیا معاملہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد وہ اسے اس طرح بھینچتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں پسلیوں میں اور بائیں پسلیاں دائیں پسلیوں میں گھس جاتی ہیں۔ اس کو حضور اقدس ﷺ نے اس طرح ظاہر فرمایا کہ اپنے مبارک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۷، از ترمذی)

عذاب قبر سے محفوظ رہنے والے

حضرت فخر بنی آدم محبوب رب العالمین سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو دفن کرنے کے بعد جب لوگ واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ سو اگر وہ مؤمن ہوتا ہے تو نماز اس کے سرہانے آ جاتی ہے اور روزے اس کی داہنی طرف آ جاتے ہیں اور زکوٰۃ اس کے بائیں طرف آ جاتی ہے اور (نفل کام جو کئے تھے، مثلاً) صدقہ اور نفل نماز اور لوگوں کے ساتھ جو خیر اور نیکی (بھلائی) کی تھی وہ اس کے پیروں کی طرف آ جاتی ہے۔ اگر اس کے سرہانے کی جانب سے عذاب آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہ ملے گی، پھر اس کے داہنی طرف سے عذاب آتا ہے، روزے کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی، پھر بائیں طرف سے عذاب آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہ ملے گی۔ پھر پیروں کی طرف سے عذاب آتا ہے تو امور خیر صدقہ اور احسان کے کام جو لوگوں کے ساتھ کئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری جانب سے جگہ نہ ملے گی۔ (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۷۳، از طبرانی وابن حبان، والحدیث طویل اختصرتہ)

سورۂ ملک اور الٓمٓ سجدہ پڑھنے والا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک قبر پر خیمہ لگایا اور ان کو پتہ نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ (خیمہ میں) بیٹھے بیٹھے اچانک دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک انسان ہے جو سورۂ "تبارک الذی بیدہ الملک" پڑھ رہا ہے، پڑھتے پڑھتے اس نے پوری سورت ختم کر دی۔ یہ واقعہ انہوں نے حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سورت عذاب روکنے والی ہے (اور) اس کو اللہ کے عذاب سے بچا رہی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۷، از ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ قرآن میں ایک سورت ہے جس کی تیس آیتیں ہیں۔ اس نے ایک شخص کی سفارش کی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا، پھر فرمایا کہ وہ سورہ 'تبارک الذی بیدہ الملک" ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۷، از ترمذی وابوداؤد وغیرہ)

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) سورۂ 'تبارک الذی بیدہ الملک" اور سورۂ الم سجدہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے لئے قبر میں اللہ سے جھگڑیں گی اور دونوں میں

سے ہر ایک کہے گی کہ اے اللہ! اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا دے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ یہ پرندوں کی طرح اپنے پڑھنے والے پر پَر پھیلا دیں گی اور اسے عذاب قبر سے بچالیں گی۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۹، از دارمی)

ان دونوں سورتوں کو عذاب قبر سے بچانے میں بڑا دخل ہے جیسا کہ مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ ان دونوں سورتوں کو پڑھے بغیر نہ سوتے تھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۸، از ترمذی وغیرہ)

فائدہ: جس طرح سورۂ الم سجدہ اور سورۂ ملک قبر کے عذاب سے بہت زیادہ بچانے والی ہیں، اسی طرح چغل خوری کرنا اور پیشاب سے نہ بچنا دونوں فعل عذاب قبر میں بہت زیادہ مبتلا کرنے والے ہیں۔

پیٹ کے مرض میں مرنے والا

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اس کے پیٹ (کے مرض) نے قتل کیا اس کو قبر میں عذاب نہ دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۷، از احمد و ترمذی)

پیٹ کے مرض کئی ہیں، ان میں سے جو بھی موت کا سبب بن جائے اس کو قبر میں عذاب نہ ہوگا۔ ہر ایک کو حدیث شریف کا مضمون شامل ہے۔ مثلاً استسقاء، ہیضہ، پیٹ کا درد وغیرہ۔

جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن مرنے والا

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرتا ہے اس کو خدا قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۱، از احمد و ترمذی، وقال اسنادلیس بمتصل)

رمضان میں مرنے والا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بلا شبہ رمضان[1] کے مہینہ میں مردوں سے قبر کا عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۱، از بیہقی باسناد ضعیف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص جمعہ کے دن وفات پا گیا وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۸۱، از ابی یعلیٰ)

مجاہد اور مرابط اور شہید

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ

[1] لفظ الحدیث: "ان عذاب القبر یرفع عن الموتی فی شهر رمضان" ولترجمه علی ان لفظة فی شهر رمضان متعلق به یرفع وفیه احتمال آخر: ان یکون متعلقاً به الموت فیکون المعنی: ان الذین یموتون فی شهر رمضان لا یعذبون منه عفا الله عنه!

کے پاس شہید کے لئے چھ انعام ہیں:

۱...... خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں جو اس کا ٹھکانہ ہے وہ اسے دکھایا جاتا ہے۔

۲...... اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

۳...... اور وہ بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔ (جو صور پھونکے جانے کے وقت لوگوں کو ہوگی)

۴...... اور اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا (ایک ایک) یاقوت دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سب سے بہتر ہوگا۔

۵...... اور بہتر حور عین (بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں) اس کے جوڑے کے لئے دی جائیں گی۔

۶...... اور ستر رشتہ داروں کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۳۳، از ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اسلامی ملک کی حفاظت کے لئے سرحد (اسلامی ملک کی سرحد کے محافظ کو مرابط کہتے ہیں) پر ایک دن اور ایک رات گزارنا ایک مہینہ کے (نفلی) روزے رکھنے اور راتوں رات نماز میں ایک ماہ تک کھڑے رہنے سے بہتر ہے اور یہ حفاظت کرنے والا اگر (اسی حالت میں) مر گیا تو جو عمل وہ کرتا تھا اس کا ثواب اس کے لئے برابر ہے، قیامت تک جاری رکھا جائے گا اور اس کا رزق جاری رہے گا (جو شہیدوں کے لئے جاری رہتا ہے) اور قبر میں فتنہ ڈالنے والوں سے امن میں رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۹، از صحیح مسلم)

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دشمن سے مقابل ہوا اور پھر ثابت قدم رہا یہاں تک کہ مقتول یا غالب ہوگیا تو قبر کے اندر فتنہ میں نہ ڈالا جائے گا۔

(شرح الصدور ص ۶۳، از نسائی و طبرانی)

ایک شخص کو زمین نے قبول نہ کیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور وہ اسلام سے پھر کر مشرکین سے جا ملا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی کہ اس کو زمین قبول نہ کرے گی۔ اس کے بعد جب وہ مر گیا تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس کی قبر کی طرف تشریف لے گئے تو اسے قبر سے باہر پڑا ہوا پایا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس کو ہم نے کئی بار دفن کیا۔ مگر زمین نے اس کو قبول نہیں کیا۔ ہر بار اس کو زمین نے باہر پھینک دیا، لہٰذا ہم نے باہر ہی چھوڑ دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۳۵، از بخاری و مسلم)

بعض اساتذہ سے احقر راقم الحروف نے یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک عالم کی قبر کسی ضرورت سے کھودی گئی جو مدینہ منورہ میں تھی، تو اس میں ایک لڑکی کی نعش نکلی۔ دیکھنے والوں میں سے بعض لوگ اس لڑکی کو پہچانتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ یہ فلاں شہر کے فلاں عیسائی کی لڑکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر اس کے ماں باپ سے اس کا حال پوچھا اور قبر دریافت کی تو انہوں نے قبر بھی بتائی اور یہ بھی فرمایا کہ دل سے مسلمان تھی اور مدینہ منورہ میں مرنے کی خواہش رکھتی تھی۔ پھر اس کی قبر کھدوا کر دیکھی گئی تو اس میں اس عالم کی نعش نکلی جس کی قبر میں وہ لڑکی مدینہ منورہ میں دیکھی تھی۔ پھر اس عالم کی بیوی سے ان کا

عمل دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ بڑے نیک آدمی تھے۔ یہ بات ضرور تھی کہ وہ یوں کہا کرتے تھے کہ عیسائی مذہب میں یہ بات بڑی آسانی کی ہے کہ ان کے یہاں جنابت کا غسل ضروری نہیں ہے۔ اس وجہ سے وہ لڑکی کی قبر میں پہنچائے گئے۔

برزخ میں صبح و شام جنت یا دوزخ کا پیش ہونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح و شام اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ (اس کے سامنے) پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو صبح شام اس کے سامنے جنت پیش کی جاتی ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو صبح شام اس کے سامنے دوزخ پیش کی جاتی ہے اور اس کا ٹھکانہ دکھا کر کہا جاتا ہے کہ یہ (قبر آرام وراحت یا عذاب کی حالت میں) تیرا ٹھکانہ ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن اس ٹھکانے کی طرف اٹھائے جو تجھے دکھایا جارہا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵، از بخاری و مسلم)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا وفات پاجانے کے بعد عالم برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہونا

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء'' (علیہم السلام) میں تحریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا قبروں میں زندہ ہونا ہمیں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہے، کیونکہ اس بارے میں دلائل قائم ہیں اور اخبار تواتر کے ساتھ پہنچی ہیں۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس بارے میں مستقل رسالہ تالیف فرمایا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ جن احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کی امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج ہوئی۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرے اور وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔[1]

اور حافظ ابونعیم نے (بھی) ''حلیۃ الاولیاء'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر سے گزرے وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

حافظ ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''حیاۃ الانبیاء'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں (یہ نماز ادائیگی فرض کے طور پر نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں احکام کے مکلف نہیں ہیں، بلکہ یہ نماز لذت اور تنعم کے لئے ہے)

حضرت امام ابوداؤد اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت اوس بن اوس ثقفی سے روایت کی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا ہے۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا

---

[1] فی صحیح مسلم، کتاب الفضائل (ج ۲ ص ۲۶۸) عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اتیت وفی روایۃ مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ۔''

حالانکہ آپ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل چکے ہوں گے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے[1]۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد الموت زندہ ہونے کے متعدد شواہد ہیں، ان میں سے معراج کی رات کی ملاقات بھی ہے۔ اس رات میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی اور آپس میں گفتگو ہوئی[2]۔

اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی ہے، وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک جماعت میں دیکھا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کا جسم ہلکا پھلکا ہے اور گھونگریالے بال ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ (بھی) کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا کہ وہ (بھی) کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کی شکل و شباہت تمہارے صاحب (یعنی خود رسول اللہ ﷺ) سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان حضرات کی امامت کی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان ج ۱ ص ۹۶)

حافظ ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" میں اور زبیر بن بکار نے "اخبار مدینہ" میں اور ابن سعد نے "طبقات" میں اور دارمی نے اپنی "مسند" میں روایت کی ہے کہ واقعہ حرہ کے زمانہ میں حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ برابر مسجد نبوی میں رہے، باہر کشت و خون ہوتا رہا اور مسجد نبوی سے باہر نہ نکلے۔ تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی اور نہ اقامت ہوئی۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو میں آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر کی جانب سے ایک خاص قسم کی آواز سنتا تھا۔ جس سے مجھے معلوم ہو جاتا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ ان دنوں میں حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے علاوہ مسجد نبوی میں کوئی بھی نہ تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۵ باب الکرامات، میں بھی بحوالہ سنن دارمی یہ واقعہ مذکور ہے)

یہ احادیث اور اخبار حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

---

[1] "اخرجه ابو داؤد فی باب فضل یوم الجمعة و لیلة الجمعة و سکت علیه۔ قال النووی فی ریاض الصالحین فی آخر باب فضل یوم الجمعة رواه ابو داؤد باسناد صحیح لکن النووی اختصر الحدیث و اخرجه الحاکم فی المستدرک (ج ۱ ص ۲۷۸) و قال صحیح علی شرط البخاری و لم یخرجاه۔ و وافقه الذهبی"

[2] (بخاری شریف ج ۱ ص ۵۰ باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ شب معراج میں حضرت جرائیل علیہ السلام کے ساتھ قریب والے آسمان تک پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا: "مرحبا بالنبی و الصالح و الابن الصالح" اس کے بعد دوسرے آسمانوں پر تشریف لے گئے، ان آسمانوں میں حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔ حضرت ادریس اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے بطور ترحیب کے فرمایا: "مرحبا بالنبی و الصالح و الاخ الصالح" اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "مرحبا بالنبی الصالح و الابن الصالح" صحیح مسلم، کتاب الایمان ص ۹۱ پر اس طرح تفصیل مذکور ہے کہ پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سب حضرات نے ترحیبی کلمات فرمائے۔

حضرات شہداء کے بارے میں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے: ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون (آل عمران: ۱۶۹)'' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

جب حضرات شہداء کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ ان کو مردہ خیال نہ کرو، کیونکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ بات کیوں کر نہ ہوگی۔[۱]

یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کے بارے میں کیوں شک کیا جائے جب کہ وہ حضرات شہداء سے بہت بڑے اور بزرگ و برتر ہیں[۲] اور کوئی نبی ایسا نہیں جو وصف شہادت سے متصف نہ ہو۔ لہٰذا آیت کے عموم میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

''صحیح بخاری'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں برابر اس کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں جو (زہر والا کھانا میں نے خیبر میں کھا لیا تھا۔ پس اس وقت اس زہر کے اثر سے میری رگ (ابہر) کٹ گئی ہے۔[۳]

امام بیہقی رحمہ اللہ ''کتاب الاعتقاد'' میں لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی روحیں قبض کئے جانے کے بعد واپس کردی گئیں، لہٰذا وہ شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موت عدم محض نہیں ہے، وہ تو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے اور اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حضرات

---

[۱] تفسیر بیان القرآن میں آیت: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ شہید کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے، لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کی اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے حتیٰ کہ شہید کی حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے۔ جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی ہے اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہدا سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامتی جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات (برزخی) میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء، پھر اور معمولی لوگ ہیں۔ (الیٰ آخر ما قال)

[۲] بلکہ شہداء کو جو یہ درجہ ملا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت اور اتباع کی وجہ سے ملا ہے۔

[۳] یہ حدیث (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۳۷) پر موجود ہے۔ اس کا مفصل واقعہ سیرت اور غزوات کی کتابوں میں لکھا ہے اور وہ یہ کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملا دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ کے گوشت بھیج دیا۔ آپ نے اس کا دست لے کر تناول فرمایا اور بھی چند صحابہ نے آپ کے ساتھ اس میں سے کھایا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شہدائے کرام اپنے قتل اور موت کے بعد زندہ ہیں، رزق پاتے ہیں اور خوب خوش ہیں اور دنیا میں جو لوگ زندہ ہیں ان کی یہی صفت ہوتی ہے اور جب یہ حال شہداء کا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس کے زیادہ احق اور اولیٰ ہیں اور یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ زمین حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے جسم کو نہیں کھاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے بیت المقدس میں شب معراج میں ملاقات فرمائی اور (اس کے بعد) آسمانوں میں بھی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ جو شخص آپ پر سلام بھیجے آپ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن سے مجموعی طور پر علم قطعی حاصل ہوجاتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی موت کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب کردیئے گئے، اس طرح سے کہ ہم ان (کی زندگی) کا ادراک نہیں کرسکتے، اگرچہ وہ (برزخی زندگی میں) موجود ہیں اور زندہ ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے فرشتے موجود ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص انہیں نہیں دیکھ پاتا ہے۔ ''الا من خصہ اللہ بکرامتہ من اولیائہ''

(انتہی ملخصا و ملتقطا من رسالۃ انباء الاذکیاء لجلال الدین السیوطی (انظر الحاوی للفتاوی ص ۱۴۸، ۱۴۹)

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) پھر آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ اپنے ہاتھ اٹھالیں اور اس عورت کو بلوایا اور اس سے فرمایا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ کہنے لگی: آپ کو کس نے بتایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بکری کے اسی دست نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس پر کہنے لگی کہ ہاں میں نے زہر ملایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرا ایسا کرنے سے کیا مقصد تھا؟ کہنے لگی کہ میرا یہ مقصد تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ کو نقصان نہ دے گی اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو ہم آپ کی طرف سے راحت پاجائیں گے (یعنی اس کے کھانے سے آپ کی وفات ہوجائے گی تو ہمارا چھٹکارا ہوجائے گا) آپ نے اس کو معاف فرمادیا اور کوئی سزا نہیں دی اور بعض صحابہ جنہوں نے اس میں سے کھالیا ان کی وفات ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاندھے پر پچھنا لگوالیا (تاکہ زہر کا اثر رک جائے) بعض روایات میں ہے کہ اس عورت کو قتل کردیا گیا تھا ممکن ہے کہ ابتداء اس کو قتل نہ کیا ہو، پھر جب حضرت بشر بن معرور کی وفات ہوگئی تو قصاص میں اس کو قتل کردیا ہو۔ یہ تفصیل حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۹، ۲۱۰) پر لکھی ہے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اس واقعہ کے بعد تین سال تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے یہاں تک کہ مرض الوفات میں فرمایا کہ میں برابر اس لقمہ کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے بکری کے گوشت سے خیبر کے دن کھالیا تھا، یہاں تک کہ اب میری رگ ابہر کے کٹ جانے کا وقت آگیا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھیدا'' یعنی اس زہر کے اثر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت والی وفات ہوگئی۔ لفظ ''ابہر'' کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اہل لغت سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک رگ ہے جو پشت میں چھپی ہوتی ہے جو دل سے متصل ہے، جب وہ کٹ جاتی ہے تو آدمی مرجاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۱) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی زاد المعاد میں یہی عورت کا زہر ملانے کا اور زہر ملی ہوئی بکری کا بارگاہ رسالت میں پیش کرنے اور اس میں سے آپ کے اور بعض صحابہ کے تناول فرمانے کا تذکرہ کیا اور اخیر میں وہی الفاظ لکھے ہیں جو البدایۃ والنہایۃ میں ہیں یعنی ''توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھیدا'' (زاد المعاد فصل فی ہدیہ فی علاج السم الذی اصابہ بخیبر) ان حضرات نے جو درجہ شہادت ملنے والی بات لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زہر آپ کو جہاد کے موقع پر کھلایا گیا اور دشمن نے کھلایا اور یہ اقرار کیا کہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ تھا۔ جہاد کے موقع پر دشمن کی طرف سے جو بھی کوئی زخم لگ جائے یا اور کوئی تکلیف پہنچ جائے جو جان لیوا ثابت ہو تو اس سے شہادت کا درجہ مل جاتا ہے۔ اگرچہ فوری طور پر موت واقع نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے نبوت بلکہ ختم نبوت کے عہدہ پر فائز فرماتے ہوئے درجہ شہادت بھی نصیب فرمایا۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ بقدر کمالہ وجمالہ۔

یہاں تک ہم نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ ''انباء الاذکیاء'' سے ملخص کر کے اردو میں مضمون لکھ دیا ہے۔ رسالہ مذکورہ میں احادیث صحیحہ سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ پر استدلال کیا ہے۔ درحقیقت برزخ ایک مستقل عالم ہے، اس کی باتیں اس دنیا میں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے اس دنیا میں قوت وضعف کے اعتبار سے زندگی کے مختلف درجات ہیں اسی طرح وہاں بھی فرق مراتب ہے۔ سب سے زیادہ اقویٰ واکمل حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخی ہے اور ان کے بعد حضرات شہداء کی حیات کا درجہ ہے اور ان کے بعد دیگر اموات کا درجہ ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں تو ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت موجود ہے۔ آپ ان کو نماز پڑھاتے ہیں، پھر جب آسمانوں پر تشریف لے جاتے ہیں تو وہاں بھی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا تھا، پھر ان کو چھٹے آسمان پر پایا اور انہوں نے کہہ سن کر بار بار بارگاہ خداوندی میں بھیج کر پچاس نمازوں کی پانچ نمازیں کرائیں۔ جن حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی تک نہیں ہوئی قیامت کے قریب تشریف لائیں گے، دجال کو قتل کریں گے اور ایک عرصہ زندہ رہ کر وفات پائیں گے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۳ ص ۵۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں اسی دنیاوی زندگی میں تھے جو صحابی ہونے کی شرط ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام اس وقت برزخی زندگی میں تھے۔ جب شب معراج میں آپ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ آپ نے ایک وادی کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ یہ ''وادی ارزق'' ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف۔ یہ فرما کر ان کا رنگ اور بالوں کی کیفیت کچھ بیان فرمائی (اور فرمایا کہ وہ) اس حال میں (نظر آ رہے) ہیں کہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں دیئے ہوئے ہیں (اور) اپنے رب کے نام کا تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اور آگے چلے حتیٰ کہ ایک وادی آئی۔ اس کے متعلق فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ یہ وادئ ہرشیٰ (نامی) ہے یا بجائے ہرشیٰ کے لفت کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گویا میں یونس (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں، ان کے جسم پر اون کا جبہ ہے اور ان کی اونٹنی کی لگام درخت کی چھال ہے۔ تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۹۵)

اس مبارک حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام کو بحالت بیداری تلبیہ پڑھتے ہوئے دیکھا، معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ اس قدر اکمل اور اس قدر رفیع ہے کہ اس دنیا میں تشریف لا سکتے ہیں اور مناسک حج ادا کر سکتے ہیں اور ان کا دیکھا جانا بھی ممکن ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "اشعة اللمعات" شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے: وحیات انبیاء متفق علیہ است، ہیچ کس را در وے اختلافے نیست، حیات جسمانی دنیاوی نہ حیات معنوی روحانی۔

حضرات انبیاء کرام کی حیات کا مسئلہ ایسا ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں اور یہ حیات جسمانی ہے جیسا کہ دنیا میں تھی، ان کی زندگی روحانی اور معنوی نہ سمجھی جائے۔

برزخی زندگی اس دنیا کی زندگی سے بہت مختلف ہے اور عجیب بھی ہے، وہاں کے حالات یہاں کے حالات پر قیاس نہیں کئے جاسکتے۔

آنحضرت ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے اور میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے، پس جو بھلائی (تمہاری طرف سے پیش کی جائے گی جسے) میں دیکھوں گا تو اس پر اللہ کی تعریف کروں گا اور جو کوئی برائی دیکھوں گا (جو تمہاری طرف سے پیش کی جائے گی) تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کروں گا۔

(عزاہ فی جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۴۳ فی کتاب الجنائز الی مسند البزار وکذا عزاہ الیہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴ وقال رجالہ رجال الصحیح)

روضہ مطہرہ کے پاس درود وسلام پڑھا جائے تو آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں اور جو کوئی دور سے درود وسلام بھیجے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو زمین میں گشت لگاتے پھرتے ہیں (اور) میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔

(رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ، کما فی الترغیب والترہیب للمنذری ج ۲ ص ۴۹۸ وقال ابن القیم فی جلاء الافہام، وہذا اسناد صحیح)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچ جائے گا۔ (قال فی الترغیب ج ۲ ص ۴۹۸ رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا۔ حالانکہ آپ ریزہ ریزہ ہوکر مٹی میں مل چکے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز مجھ پر درود کثرت سے بھیجا کرو، کیونکہ یہ دن مشہود ہے۔ (جس کے معنی یہ ہیں کہ) اس میں فرشتوں کی آمد (بکثرت) ہوتی ہے۔ (پھر ارشاد فرمایا کہ) بے شک تم میں سے جو بھی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے پیش ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وفات کے بعد کیا ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ (وفات کے بعد بھی درود پیش ہوگا کیونکہ) بے شک اللہ نے زمین پر یہ حرام فرمادیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا اللہ کا نبی ﷺ زندہ رہتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ (قال المنذری فی الترغیب ج ۲ ص ۵۰۳ رواہ ابن ماجہ باسناد جید الخ وہو مؤید بحدیث اوس بن اوس الذی صححہ الحاکم وغیرہ)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روضہ اقدس پر سلام پیش کرنا

حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کھڑے ہو کر درود پڑھتے تھے اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرتے تھے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر کا ارادہ فرماتے یا سفر سے واپس آتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اقدس کے پاس آتے اور درود پڑھ کر اور دعا کر کے واپس چلے جاتے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب سفر سے آتے تھے تو پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر آتے اور آپ پر درود بھیجتے اور قبر شریف کو چھوتے نہیں تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے ہوئے یوں کہتے ''السلام علیک یا ابت!'' اور ایک روایت میں سلام کے الفاظ اس طرح سے ہیں: ''السلام علیک یا رسول اللہ! السلام علی ابی بکر'' (یہ سب روایات حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع ص ۲۱۰ پر نقل کی ہیں)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی'' (ج ۲ ص ۱۹۹) پر حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ قبر شریف پر آتے اور یوں کہتے ''السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم السلام علی ابی'' اس کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مؤطا میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر کا ارادہ فرماتے یا سفر سے واپس آتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آتے اور آپ پر درود پڑھ کر اور دعا کر کے واپس چلے جاتے۔ اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ھکذا ینبغی ان یفعل اذا قدم المدینۃ یاتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی مدینہ منورہ میں حاضری دینے والے کو ایسا ہی کرنا چاہئے کہ جب وہاں حاضر ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے۔ (موطا امام محمد ص ۳۹۶)

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''القول البدیع'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھی یہ عمل نقل کیا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہو کر سلام پڑھا اور واپس چلے گئے۔ (القول البدیع ص ۲۱۱)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''الشفاء'' میں اس کو نقل کیا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۸)

دوسروں کے واسطہ سے سلام بھجوانا

حافظ شمس الدین سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''القول البدیع'' میں بحوالہ ابن ابی الدنیا و بیہقی فی ''شعب الایمان'' نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن ابی سعید مدنی سے کہا کہ جب تم مدینہ منورہ پہنچو تو بارگاہ رسالت میں سلام پیش کر دینا۔ (القول البدیع ص ۲۱۱)

اس کو ''الشفاء'' میں بھی نقل کیا ہے اور مزید بات یہ لکھی ہے کہ ''وکان یبرد الیہ البرید من الشام'' یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ رسالت میں سلام پیش کرنے کے لئے شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۸)

دنیا میں قاعدہ ہے کہ حاضرین آپس میں بالمشافہ سلام کرتے ہیں اور جو دور ہوتے ہیں ان کو ڈاک سے یا آدمی کے ذریعہ سلام بھیجتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کاملہ سے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے کہ جو مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دور سے سلام بھیجیں تو اس کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیتے ہیں اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کے علاوہ مدینہ منورہ آنے جانے والے کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی درست ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حیات برزخیہ میں بھی اپنی امت سے تعلق باقی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ فرشتوں کو اس کار عظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے کہ امتیوں کا سلام فخر کائنات ﷺ کو پہنچاتے رہیں۔ فرشتوں کا سلام پہنچانے کے لئے مقرر فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو فرشتوں کو سلام پہنچانے کے لئے واسطہ بنانے کی ضرورت نہ تھی۔ جب آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تو اولیاء اللہ کے بارے میں حاضر و ناظر ہونے کا خیال کرنا اور اس کا عقیدہ رکھنا بالکل ہی غلط ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔

شہدائے احد کے جسم برس ہا برس کے بعد صحیح سالم پائے گئے

مؤطا امام مالک رحمہ اللہ میں ہے کہ عمرو بن جموع انصاری اور عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما (یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے) کی قبر کو پانی کے بہاؤ نے کھود دیا تھا۔ یہ دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک ہی قبر میں دونوں کو دفن کر دیا گیا تھا۔ جب پانی نے قبریں کھود ڈالیں تو دوسری جگہ دفن کرنے کے لئے ان کی قبر بھی کھودی گئی تو اس حالت میں پائے گئے کہ ان کے جسموں میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کل ہی وفات پائی ہے۔ ان میں سے ایک کو ایک جگہ زخم آ گیا تھا۔ دفن سے پہلے انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھ لیا تھا اور اسی حالت میں دفن کر دیئے گئے تھے۔ اب جب قبر کھودی گئی تو ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا دیا گیا، پھر جب چھوڑ دیا گیا تو اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ غزوہ احد اور اس واقعہ کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ (مؤطا امام مالک، آخر کتاب الجہاد)

یہ واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اس طرح نقل کیا ہے کہ جہاں حضرات شہدائے احد رضی اللہ عنہم مدفون تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں سے نہر نکالنے کا ارادہ کیا گیا (اس وقت ان حضرات کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے وہاں کھدائی کی تو میں نے اپنے والد صاحب کو قبر میں اس طرح پایا جیسے کہ اپنی عادت کے مطابق سو رہے ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تھا۔ ان کو دیکھا کہ ان کا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا ہے۔ ہاتھ ہٹا دیا گیا تو زخم کی جگہ سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ان کی قبروں سے مشک کی طرح خوشبو محسوس کی گئی اور یہ واقعہ ان کو دفن کرنے کے دن سے چھیالیس سال بعد کا ہے۔

نیز حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بحوالہ امام بیہقی رحمہ اللہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چشمہ جاری کرنے کے لئے کھدائی کی گئی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک میں پھاوڑا لگ گیا اور اس کی وجہ سے خون جاری ہو گیا۔ (دیکھو البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۴۳)

شہدائے احد کے علاوہ اور بھی بعض اکابر امت کے متعلق سیر و تاریخ کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ دفن کرنے کے بعد جب برس ہا برس کے بعد دیکھے گئے تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا تھا۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق تو حدیث شریف میں قطعی فیصلہ ہے کہ ان کے جسموں کو زمین گلا نہیں سکتی ہے، لیکن کسی غیر نبی کو بھی اللہ رب العزت یہ شرف بخشیں تو ان کی رحمت اور قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔

(مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ ص ۱۷ تا ۲۱)

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحديث)

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف:
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم: از فقیہ العصر
حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ


عقیدہ حیات النبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

پیدائش: ۱۹۲۴ء ...... وفات: ۲۸ر نومبر ۲۰۰۱ء (مدینہ منورہ)

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری البرنی، تقسیم ہند کے بعد کراچی تشریف لائے۔ جامعہ دار العلوم کورنگی کے اعلیٰ درجہ کے مدرس تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ آپ عصر سے عشاء اور صبح تہجد سے اشراق تک تسلسل کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ میں عبادت گزار رہے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ نو جلدوں میں آپ نے تفسیر القرآن "انوار البیان" لکھی جس کی اہل علم نے بہت تعریف کی۔

آپ نے حیات النبی ﷺ پر ایک رسالہ "عقیدہ حیات النبی ﷺ" لکھا جس کا مقدمہ مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی نے لکھا جو جامعہ الحقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا سے شائع ہوا، جسے ہم اس مجموعہ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد و الصلوۃ!

عرض آنکہ رسالہ ہذا ''عقیدہ حیات النبی ﷺ'' جناب محترم مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی البرنی المہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ کی تالیفات مفیدہ میں سے ہے۔ مولانا ممدوح سلمہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اکابر کے ذوق کے مطابق لکھنے کا بڑا سلیقہ عطا فرمایا اور آپ کو بحمد اللہ کثیر التصانیف بنایا ہے اور آپ کی تصانیف نہایت آسان زبان میں عام فہم اور بہت ہی مفید ہوتی ہیں یہ رسالہ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی اور عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلہ کی احادیث کا مختصر مجموعہ ہے اس کی زبان نہایت آسان اور اسلوب بیان بڑا ہی دلکش اور عاشقانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے استفادہ اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

اس احادیث کے مجموعہ کو ''عقیدۃ المحدثین فی حیاۃ النبیین'' سے موسوم کرنا مناسب معلوم ہوتا تھا مگر عوامی افادہ کی غرض سے اردو میں متذکرہ نام تجویز کیا گیا ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ

موضوع زیر بحث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد جو حیات طیبہ حاصل ہے وہ جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ اطہر میں موجود ہے یا وہ حیات کسی اور بدن برزخی میں ہے اور جسد عنصری تعلق حیات سے بالکل خالی ہے؟ یعنی حضور ﷺ کی عالم برزخ میں حیات دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے یا کسی برزخی جسد سے تعلق ہے موضوع زیر بحث وفات النبی ﷺ نہیں جس معنی میں بھی آپ ﷺ کے لئے وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا اور آپ ﷺ نے عالم برزخ کی طرف انتقال فرمایا ہاں ورود وفات کے بعد آپ ﷺ اپنے روضہ اطہر میں ہی فائز الحیات ہیں اب موضوع زیر بحث یہی ہے کہ آپ ﷺ کی وہ حیات طیبہ کیسی ہے اس دنیوی جسد کے ساتھ ہے یا کسی اور برزخی بدن کے ساتھ ہے اور بدن عنصری سے کوئی تعلق حیات نہیں۔

خطبہ صدیقی (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶۶) وقوع وفات کی تو دلیل ہے اور اس کے ہم قائل ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور دو عالم ﷺ کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضروری ہے۔'' (لطائف قاسمی مجتبائی ص ۴)

اسی طرح ورود موت پر ایسی آیتیں پڑھتے چلے جانا جن میں ورود موت کی آئندہ جزوی خبر دی گئی ہے، ہمارے موضوع سے غیر متعلق ہے۔ زیر بحث موضوع تو یہ ہے کہ اس دنیا سے انتقال کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ انور میں محفوظ موجود ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ ﷺ روضہ انور پر پڑھے گئے درود و سلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمی ص ۳)

اسی عقیدہ کو ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے ''المہند'' میں حیات برزخیہ دنیویہ سے تعبیر فرمایا ہے (تفصیل آگے آرہی ہے) ہمارا یہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جملہ اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے مسلمہ عقائد میں داخل ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور اکابر اہل سنت

اہل سنت کے اس اجماعی عقیدہ کا جب کسی گمراہ فرقہ معتزلہ وغیرہ نے انکار کیا تو اکابر علماء اہل سنت نے اس کا دفاع کیا۔ چوتھی صدی میں علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس کے اثبات پر مستقل رسالہ ''حیات الانبیاء'' تالیف فرمایا۔ پھر نویں صدی میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ''انباء الاذکیاء'' کے نام سے اسی عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے اثبات کے لئے مفصل رسالہ تحریر فرمایا۔ تیرہویں صدی کے آخر میں بانی دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے نہایت ضخیم کتاب ''آب حیات'' اسی عقیدہ کے اثبات پر بڑے عجیب انوکھے طرز پر ارقام فرمائی، شروع چودہویں صدی ہجری میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں فرمایا:

''آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔''نبی اللہ حی یرزق'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۹)

اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''آب حیات'' میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ہدایۃ الشیعہ مصنفہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ)

نیز فرماتے ہیں: ''ولان النبیین صلوۃ اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منہم'' (الکوکب الدری ج ۱ ص ۲۳۳ تقریر ترمذی)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام جب زندہ ہیں تو ان سے وارث بننے کے کوئی معنی نہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان نبی اللہ ﷺ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابھا'' (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

ترجمہ: تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح نبی کریم ﷺ بھی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع متلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی اعتقاد تھا حدیث میں نص ہے کہ ''نبی اللہ حی یرزق'' کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔'' (وعظ راس الربعین)

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط'''' الانبیاء احیاء فی قبورھم'' سے آنحضرت ﷺ کی مراد ارواح اور جسم کے مجموعہ کی زندگی ہے صرف روحوں کی زندگی مراد نہیں۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

اور اپنی خود نوشت سوانح میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مجدی اور ان کے فرقہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: ''وہ (مجدی) وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقاء علاقہ

بین الروح والجسم (روح اور جسم کے درمیان تعلق باقی رہنے) کے منکر ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ "آب حیات" نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے۔" (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات جسمانی اور بقاء علاقہ بین الروح والجسم کے مسئلہ سے سنیت اور وہابیت میں امتیاز حاصل ہوتا ہے اس علاقہ کا قائل سنی اور منکر وہابی ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وفات شریفہ کے بعد آپ کی روح مقدس دوسرے انبیاء کی ارواح طیبہ کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں استقرار پذیر ہے لیکن اس سے آپ کے اپنی قبر شریف میں زندہ نہ ہونے کا وہم نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ کی روح مقدس بدن مبارک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔ اس کی اس پر روشنی پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔" (ترجمہ فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

علامہ ابن قیم (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹) پر فرماتے ہیں: (ترجمہ) "آپ ﷺ کی وفات کے بعد روح نے ارواح انبیاء کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں قرار حاصل کر لیا۔ اس کے باوجود روح کو بدن کی طرف توجہ ہے اور اس کو منور کئے ہوئے ہے اور اس کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس کی وجہ سے آپ پر سلام عرض کرنے والے کے سلام کا جواب عطاء ہوتا ہے۔"

اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کی مسلکی دستاویز

اس مسئلہ کے متعلق تمام اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کا عقیدہ معلوم کرنے کے لئے شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شارح ابوداؤد شریف کا تالیف کردہ رسالہ "المہند علی المفند" جس کی تالیف کو ۹۵ سال ہو چکے ہیں کافی ہے، جس کے پانچویں سوال کے جواب کی عربی عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے.... برزخی نہیں جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی میں برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے مشائخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کا نام "آب حیات" ہے۔" (المہند ص ۱۴)

اس وقت کے اکابر دیوبند میں سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا سید احمد حسن امروہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی (رحمہم اللہ) نے اس رسالہ اور عقیدہ کی تصدیق فرمائی اور ان کے علاوہ دوسرے علماء دیوبند نے بھی تصدیق فرما کر اس پر دستخط فرمائے۔ ۲۴ علماء دیوبند کے اس پر دستخط ثبت ہیں۔ گویا اب سے ۹۵ سال پہلے اس عقیدہ پر اور بعض دوسرے عقائد مندرجہ رسالہ پر علماء دیوبند کا اتفاق اجماعی طور پر ظاہر ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو حیات عالم برزخ میں حاصل ہے وہ دنیا کی سی ہے۔

اس رسالہ "المہند" پر علماء دیوبند کے علاوہ اس وقت کے علماء حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً اور علماء شام وغیرہ کی بھی تصدیقات حاصل کر کے شائع کی گئیں تھیں اور اس وقت سے مع تصدیقات برابر یہ رسالہ شائع ہو رہا ہے۔

۱۹۵۸ء کے قریب جلسہ خیر المدارس ملتان میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی نے علماء دیوبند کے خلاف اپنے مخصوص عقائد برملا ظاہر کئے اور عقیدہ حیات النبی ﷺ کے خلاف بھی اپنے نظریات کا اظہار کیا جس کو اہل علم حاضرین جلسہ نے بہت برا محسوس کیا مگر حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احترام میں جلسہ میں گڑبڑ نہیں ہونے دی اس نشست میں حضرت مولانا تشریف فرما نہیں تھے۔ صبح کو علماء کرام نے شب کی تقریر کی شکایت حضرت مولانا سے کی۔ اس پر اگلی شب کو حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے اس تقریر کی تردید کی اور علماء دیوبند کے عقائد بیان فرمائے۔ جزاھم اللہ خیرا!

اس کے بعد اس عقیدہ پر مفصل اور مختصر مزید رسائل اور کتابیں لکھی گئیں جن میں حضرات اکابر دیوبند رحمہم اللہ کے عقائد کی کتاب وسنت اور اجماع امت سے تائید پیش کی گئی اور شکوک وشبہات کا ازالہ کیا گیا۔ اس سلسلہ کی ایک مفید کتاب علامہ خالد محمود صاحب کی تالیف ''مقام حیات'' ہے اور دوسری حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر زاد فیضہم کی تصنیف ''تسکین الصدور'' ہے احقر نے بھی ''ھدایة الحیران فی جواھر القرآن'' کے علاوہ ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' اسی سلسلہ میں لکھی ہے۔ یہ سب کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔

احقر نے ''المہند'' کا خلاصہ عوام کے لئے مع بعض اضافات لکھا تھا وہ اضافات بھی اکابر علماء دیوبند کی معتبر کتب سے ہی کئے گئے تھے۔ اس خلاصہ پر اس وقت کے اکثر اکابر علماء کرام مثل حضرت مولانا قاری محمد طیب، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کراچی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود احمد صاحب، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری (رحمہم اللہ) وغیرہ کی تصدیقات حاصل کر کے شائع کیا گیا ہے اور کئی مرتبہ شائع ہوا ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم کراچی کے بیان کا خلاصہ

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے، جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور میرے سب بزرگان دیوبند کا ہے اور ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں سلف اور جمہور اہل سنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے جو عقیدہ جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔ میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔'' واللہ الموفق للسداد!

(از ماہنامہ الصدیق ملتان بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ)

مقصد یہ ہے کہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کی حیثیت معلوم کرنے کے لئے اس کے علاوہ کہ المہند میں اس کا ذکر ہے اور تمام اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ نے اس پر اپنا اور اپنے مشائخ کا عقیدہ ہونا بیان فرمایا۔ بعد کے دوسرے بعض اکابر علماء دیوبند کے عقیدہ کا بھی مختصر طریقہ پر ذکر کر دیا گیا ہے۔

''مقام حیات'' میں شائع شدہ حسب ذیل اکابر علماء دیوبند کی متفقہ تحریر بھی مفید ہوگی اس کو بھی ملاحظہ کیا جائے۔

اکابر دیوبند کا مسلک

''حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارہ میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ

میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھا جائے بلاواسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء علیہم السلام پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ''المهند على المفند'' بھی اہل انصاف واہل بصیرت کے لئے کافی ہے اور جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ ''واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل''

۱...... محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ کراچی۔
۲...... عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔
۳...... مفتی محمد صادق عفا اللہ عنہ سابق صدر محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور۔
۴...... مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔
۵...... بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی۔
۶...... ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار۔
۷...... محمد رسول خان عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔ (مقام حیات ص ۲۷۲)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ بھی مقام حیات میں طبع ہو چکا ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

آگے لکھا ہے تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں۔ (ص ۲۶۷)

عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت

تمام اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں۔ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''والحاصل ان حياة الانبياء ثابتة بالاجماع'' (المنحۃ الوہبیہ ص ۶)

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اجماع سے ثابت ہے، اجماع کے علاوہ احادیث متواترہ سے بھی اس کا ثبوت موجود ہے امت کے تمام طبقات اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ گو اس حدیث: ''الانبياء احياء فى قبورهم يصلون'' کے

الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا شرف اس کو حاصل ہے۔

دوسرے حیات فی القبر کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہے جس پر قبر کی تنعیم وتعذیب مبنی ہے اس جہت سے بھی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت اور اس کی کلامی حیثیت امت کے کسی دور میں اہل سنت کے نزدیک اختلافی اور نزاعی نہیں رہی۔اب جو لوگ ،اس مسئلہ کی اہمیت اور حیثیت کو کم کرنے کے لئے اس کے فروعی ہونے پر زور دیتے ہیں۔ان کو غور کرنا چاہئے کیا حیات فی القبر کا مسئلہ علماء عقائد نے فروعی سمجھ کر بیان فرمایا ہے۔مقصد یہ ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت سمجھنے کے لئے اتنی بات سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

ایک گمراہ کن مغالطہ اور نئے فرقوں کی ذہنیت

بعض لوگ جن کی نظر میں سلف کی اتباع کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔وہ کہا کرتے ہیں کہ اصل چیز بس قرآن وحدیث ہے اور دین میں ہم قرآن وحدیث کے سواء کسی چیز کو سند نہیں مانتے۔یہ بات صحیح ہے کہ اصل چیز دین کے بارہ میں قرآن وحدیث ہی ہیں لیکن یہ لوگ اس بات کو غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں اور مغالطہ دیتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ سلف صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو ان کے علم وفہم سے زیادہ اپنے علم وفہم پر اعتماد ہے وہ اپنی رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب وسنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اسی کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔

ہمارے اور ان کے طرز فکر اور طرز عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل سند کتاب وسنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلف صالحین کو، بلکہ یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت کا منشاء متعین کرنے کے بارہ مین سلف صالحین کے فہم وفکر کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی بجائے سلف کے ان کی تقلید کریں۔

دراصل ان کی ذہنیت بالکل وہی ہے جو خوارج کی تھی اور وہ لوگوں کو سلف کی اتباع سے توڑ کر اپنے متبعین میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور جو سادہ لوح ان کی بات مانتے ہیں وہ درحقیقت سلف صالحین کے اتباع سے آزاد ہو کر خود ان کے متبع اور مقتدی بن جاتے ہیں اور اسی سے امت میں نئے نئے فرقے اور نئے نئے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔

بہر حال دین کے بارہ میں سلف صالحین پر اعتماد اور ان کا اتباع ہمارے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اسی میں تمام مسلمانوں کے دین اور ایمان کی حفاظت ہے۔ (دین وشریعت از مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ ص ۱۳۶)

احقر نے اس وقت تک جو حضرات اکابر رحمہم اللہ کی آرا گرامی پیش کی ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ دین کے بارہ میں قرآن وسنت کے فہم میں ان حضرات کی آراء گرامی کو مختار اور سند کا درجہ حاصل ہے ہمیں اپنے علم وفہم کی بجائے ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کے علم وفہم پر اعتماد کرنا چاہئے۔اسی میں ہمارے دین وایمان کی حفاظت ہے۔واللہ الموفق والمعین للحق والصواب!

عقیدہ حیات النبی ﷺ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔اس کے اظہار میں کوئی مصلحت مانع نہیں ہونی چاہئے، جیسے دوسرے ضروری عقائد اہل سنت کا ذکر کیا جاتا ہے۔اس کا ذکر بھی تحریراً وتقریراً کرنا لازم ہے بلکہ جس شدت

سے اس کا انکار کیا جارہا ہے، اسی شدت کے ساتھ اس کا اثبات کرنا چاہئے۔ اس میں مداہنت کرنا اور خاموشی سے کام لینا جائز نہیں ہے۔ اسی عقیدہ کے اثبات کے لئے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ شائع کیا جارہا ہے۔

مکرر دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقائد اہل سنت والجماعت علماء دیوبند پر قائم رکھے اور ہم سب کو اس رسالہ سے استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

''وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین''

احقر سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
۲۵/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۲۰ھ

عقیدہ حیات النبی ﷺ

از حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی البرنی مدظلہم مہاجر مدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم!

السوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس بارہ میں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں یا مثل دیگر اموات کے ان کے اجسام بھی ریزہ ریزہ ہوکر مٹی میں مل گئے۔ ہم تو یہی سنتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے نکلے ہیں جو ان کی حیات برزخیہ کے منکر ہیں اور انہیں مماتی فرقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے عالم برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ رہنے کے کیا دلائل ہیں، اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں ذرا مماتی زیادہ ہی ضد کرنے لگے ہیں۔

الجواب: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا وفات پا جانے کے بعد عالم برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہونا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء علیہم السلام'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: آنحضرت سرور عالم ﷺ اور دیگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا قبروں میں زندہ ہونا ہمیں علم قطعی کے ساتھ معلوم ہے۔ کیونکہ اس بارے میں دلائل قائم ہیں اور اخبار تواتر کے ساتھ پہنچی ہیں۔

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس بارے میں مستقل رسالہ تالیف فرمایا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جن احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جس رات معراج ہوئی۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرے اور وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (فی صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۲۶۸) ''عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال اتیت وفی روایۃ مررت علی موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وقائم یصلی فی قبرہ'' اور حافظ ابو نعیم نے بھی حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت سرور عالم ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے تھے۔

حافظ ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے اپنی کتاب حیات الانبیاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں (یہ نماز ادائیگی فرض کے طور پر نہیں ہے کیونکہ وہاں احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ یہ نماز لذت اور تنعم کے لئے ہے)

حضرت امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے حضرت اوس بن اوس ثقفی سے روایت کی ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا ہے۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا۔ حالانکہ آپ ریزہ ریزہ ہوکر مٹی میں مل چکے ہوں گے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

(اخرجہ ابو داؤد فی باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ وسکت علیہ۔ قال النووی فی ریاض الصالحین فی آخر باب فضل یوم الجمعۃ رواہ ابو داؤد باسناد صحیح لکن النووی اختصر الحدیث واخرجہ الحاکم فی المستدرک۔ ج ۱ ص ۲۷۸ وقال صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاہ ووافقہ الذہبی)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد الموت زندہ ہونے کے متعدد شواہد ہیں۔ ان میں سے معراج کی رات کی ملاقات بھی ہے۔ اس رات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ سے ملاقات کی اور آپس میں گفتگو ہوئی۔ (بخاری شریف ص ۵۰ ج ۱ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ شب معراج میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قریب والے آسمان تک پہنچے تو حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: ''مرحبا بالنبی الصالح وابن الصالح'' اس کے بعد دوسرے آسمانوں پر تشریف لے گئے ان آسمانوں میں حضرت ادریس حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئی۔ حضرت ادریس اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بطور ترحیب کے فرمایا: ''مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''مرحبا باالنبی الصالح والابن الصالح'' صحیح مسلم کتاب الایمان ص ۹۱ پر اس طرح تفصیل مذکور ہے کہ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے اور دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام سے اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سب حضرات نے ترحیبی کلمات فرمائے۔

اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بھی ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت میں دیکھا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں ان کا جسم ہلکا پھلکا ہے اور گھونگھریالے بال ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوہ کے آدمیوں میں سے تھا اور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ بھی کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا وہ بھی کھڑے ہوئے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کی شکل وشباہت ہمارے

صاحب (یعنی خود رسول اللہ ﷺ) سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان حضرات کی امامت کی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان ج ۱ ص ۹۶)

حافظ ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اور زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں اور ابن سعد نے طبقات میں اور دارمی نے اپنے مسند میں روایت کی ہے کہ واقعہ حرہ کے زمانہ میں حضرت سعید بن مسیب برابر مسجد نبوی ﷺ میں رہے۔ باہر کشت و خون ہوتا رہا اور مسجد نبوی ﷺ سے باہر نہ نکلے۔ تین دن تک مسجد نبوی ﷺ میں نہ اذان ہوئی اور نہ اقامت ہوئی۔ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تھا تو میں آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر کی جانب سے ایک خاص قسم کی آواز سنتا تھا جس سے مجھے معلوم ہو جاتا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ ان دنوں میں حضرت سعید بن مسیب ؒ کے علاوہ مسجد نبوی میں کوئی بھی نہ تھا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۵۴۵ باب الکرامات میں بھی بحوالہ سنن دارمی یہ واقعہ مذکور ہے)

یہ احادیث اور اخبار حضور اقدس ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرات شہداء کے بارے میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون'' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو ہرگز مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

جب حضرات شہداء کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کو مردہ خیال نہ کرو کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں یہ بات کیونکر نہ ہو گی۔

(تفسیر بیان القرآن میں آیت: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ شہید کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزاء و سزاء کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کی اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ حتیٰ کہ شہید کی حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح و سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا ہے اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی ہے اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامتی جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات برزخی میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی لوگ ہیں۔ (الی آخر ما قال)

یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے بارے میں کیوں شک کیا جائے۔ جب کہ وہ حضرات شہداء سے بہت بڑے اور بزرگ و برتر ہیں۔ (بلکہ شہداء کو جو یہ درجہ ملا ہے نبی اکرم ﷺ ہی کی اطاعت اور اتباع کی وجہ سے ملا ہے) اور کوئی نبی ایسا نہیں جو وصف شہادت سے متصف نہ ہوا لہٰذا آیت کے عموم میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی داخل ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مرض الموت میں ارشاد فرماتے تھے کہ میں برابر اس کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں جو زہر والا کھانا میں نے خیبر میں کھالیا تھا۔ پس اس وقت اس زہر کے اثر سے میری رگ ابہر کٹ گئی ہے۔ (یہ حدیث بخاری شریف صفحہ ۶۳۷) پر موجود ہے۔ اس کا مفصل واقعہ سیرت اور غزوات کی کتابوں میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بھنی ہوئی بکری میں زہر ملادیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے گوشت بھیج دیا۔ آپ نے اس کا دست لے کر تناول فرمایا اور بھی چند صحابہ نے آپ کے ساتھ اس میں سے کھایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ اپنے ہاتھ اٹھالیں اور اس عورت کو بلوایا اور اس سے فرمایا کہ تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا مجھے بکری کے اس دست نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے اس پر کہنے لگی کہ ہاں میں نے زہر ملایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرا ایسا کرنے سے کیا مقصد تھا؟ کہنے لگی کہ میرا یہ مقصد کہ اگر آپ نبی ہیں تو یہ آپ ﷺ کو نقصان نہ دے گی اور اگر آپ ﷺ نبی نہیں ہیں تو ہم آپ کی طرف سے راحت پاجائیں گے۔ (یعنی اس کے کھانے سے آپ ﷺ کی وفات ہوجائے گی تو ہمارا چھٹکارا ہوجائے گا) آپ ﷺ نے اس کو معاف فرمادیا اور کوئی سزا نہیں دی اور بعض صحابہ جنہوں نے اس میں سے کھالیا ان کی وفات ہوگئی اور حضور ﷺ نے کاندھے پر پچھنا لگوالیا تاکہ زہر کا اثر رک جائے)

بعض روایات میں ہے کہ اس عورت کو قتل کردیا گیا تھا۔ ممکن ہے کہ ابتداء میں اس کو قتل نہ کیا ہو، پھر جب حضرت بشر بن معرور کی وفات ہوگئی تو قصاص میں اس کو قتل کردیا گیا ہو۔ یہ تفصیل حافظ ابن کثیر نے (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۹، ۲۱۰) پر لکھی ہے۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ﷺ اس واقعہ کے بعد تین سال تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ یہاں تک کہ مرض الوفات میں فرمایا کہ میں برابر اس لقمہ کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے بکری کے گوشت سے خیبر کے دن کھالیا تھا۔ یہاں تک کہ اب میری رگ ابہر کے کٹ جانے کا وقت آگیا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''توفی رسول اللہ ﷺ شهيدا'' یعنی اس زہر کے اثر سے آنحضرت ﷺ کی وفات شہادت والی وفات ہوگئی۔

لفظ ابہر کے بارے میں حافظ ابن حجر اہل لغت سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک رگ ہے جو پشت میں چھپی ہوتی ہے جو دل سے متصل ہے جب وہ کٹ جاتی تو آدمی مرجاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۱)

حافظ ابن قیم نے بھی زاد المعاد میں یہودی عورت کے زہر ملانے کا اور زہریلی ہوئی بکری کا بارگاہ رسالت میں پیش کرنے اور اس میں سے آپ ﷺ کے اور بعض صحابہ کے تناول فرمانے کا تذکرہ کیا اور اخیر میں وہی الفاظ لکھے ہیں جو البدایہ والنہایہ میں ہیں۔ یعنی ''توفی رسول اللہ ﷺ شهيدا''

(زاد المعاد فصل فی هديه ﷺ فی علاج السم الذی اصابه بخيبر)

ان حضرات نے درجہ شہادت ملنے والی جو بات لکھی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زہر آپ کو جہاد کے موقع پر کھلایا گیا اور دشمن نے کھلایا اور یہ اقرار کیا کہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ تھا۔ جہاد کے موقع پر دشمن کی طرف سے جو بھی کوئی زخم لگ جائے یا اور کوئی تکلیف پہنچ جائے جو جان لیوا ثابت ہو تو اس سے شہادت کا درجہ مل جاتا ہے۔

اگر چہ فوری طور پر موت واقع نہ ہو حضور اقدس ﷺ کو اللہ جل شانہ نے نبوت بلکہ ختم نبوت کے عہدہ پر فائز فرماتے ہوئے درجہ شہادت بھی نصیب فرمایا: ''فصلی اللہ تعالٰی علیہ والہ بقدر کمالہ و جمالہ''

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی روحیں قبض کئے جانے کے بعد واپس کردی گئیں۔ لہٰذا وہ شہدا کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تذکرہ میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موت عدم محض نہیں ہے وہ تو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے اور اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حضرات شہداء کرام اپنے قتل اور موت کے بعد زندہ ہیں رزق پاتے ہیں اور خوب خوش ہیں اور دنیا میں جو لوگ زندہ ہیں ان کی یہی صفت ہوتی ہے اور جب یہ حال شہداء کا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس کے زیادہ احق اور اولیٰ ہیں اور یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم کو نہیں کھاتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بیت المقدس میں شب معراج میں ملاقات فرمائی اور اس کے بعد آسمانوں میں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ نے یہ بھی خبر دی ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر سلام بھیجے آپ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں جن سے مجموعی طور پر علم قطعی حاصل ہوجاتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت کا حاصل یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب کردیئے گئے۔ اس طرح سے کہ ہم ان کی زندگی کا ادراک نہیں کرسکتے۔ اگر چہ وہ برزخی زندگی میں موجود ہیں اور زندہ ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے فرشتے موجود ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص انہیں نہیں دیکھ پاتا ہے۔ ''الا من خصہ اللہ بکرامتہ من اولیائہ''

(انتھی ملخصا و ملتقطا من رسالۃ انباء الاذکیاء للجلال الدین سیوطی انظر الحاوی للفتاوی من ص ۱۴۷ الی ص ۱۴۹)

یہاں تک ہم نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ انباء الاذکیاء سے ملخص کر کے اردو میں مضمون لکھ دیا ہے۔ رسالہ مذکورہ میں احادیث صحیحہ سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخیہ پر استدلال کیا ہے۔ درحقیقت برزخ ایک مستقل عالم ہے اس کی باتیں اس دنیا میں سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے اس دنیا میں قوت وضعف کے اعتبار سے زندگی کے مختلف درجات ہیں، اسی طرح وہاں بھی فرق مراتب ہے۔ سب سے زیادہ اقوی واکمل حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی ہے اور ان کے بعد حضرات شہداء کی حیات کا درجہ ہے اور ان کے بعد دیگر اموات کا درجہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ معراج کی رات میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزر رہے ہیں تو ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ جب بیت المقدس پہنچے تو وہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت موجود ہے آپ ﷺ ان کو نماز پڑھاتے ہیں۔ پھر جب آسمانوں پر تشریف لے جاتے ہیں تو وہاں بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا تھا، پھر ان کو چھٹے آسمان پر پایا اور انہوں نے کہہ سن کر بار

بار، بارگاہ خداوندی میں بھیج کر پچاس نمازوں کی پانچ نمازیں کرائیں جن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی۔ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے، دجال کو قتل کریں گے اور ایک عرصہ زندہ رہ کر وفات پائیں گے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آنحضرت سرور عالم ﷺ کے صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ (دیکھو الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۳ ص ۵۲)

آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں اسی دنیاوی زندگی میں تھے جو صحابی ہونے کی شرط ہے۔ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اس وقت برزخی زندگی میں تھے جب شب معراج میں آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک وادی کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ وادی ارزق ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ فرما کر ان کا رنگ اور بالوں کی کیفیت کچھ بیان فرمائی (اور فرمایا کہ وہ) اس حال میں (نظر آرہے) ہیں کہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں دیئے ہوئے ہیں (اور) اپنے رب کے نام کا تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اور آگے چلے حتیٰ کہ ایک وادی آئی اس کے متعلق فخر دو عالم ﷺ نے سوال فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ یہ وادی ہرشی (نامی) ہے یا بجائے ہرشی کے لفت کہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گویا میں یونس (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں ان کے جسم پر اون کا جبہ ہے اور ان کی اونٹنی کی لگام درخت کی چھال ہے تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۹۵)

اس مبارک حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ اور حضرت یونس کو بحالت بیداری تلبیہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ اس قدر اکمل اور اس قدر رفیع ہے کہ اس دنیا میں تشریف لا سکتے ہیں اور مناسک حج ادا کر سکتے ہیں اور ان کا دیکھا جانا بھی ممکن ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ میں لکھا ہے: ''وحیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے اختلافے نیست، حیات جسمانی و دنیاوی نہ حیات معنوی روحانی۔''

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا ایسا مسئلہ ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں اور یہ حیات جسمانی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں تھی ان کی زندگی روحانی اور معنوی نہ سمجھی جائے۔

برزخی زندگی اس دنیا کی زندگی سے بہت مختلف ہے اور عجیب بھی ہے وہاں کے حالات یہاں کے حالات پر قیاس نہیں کئے جا سکتے۔

آنحضرت ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری حیات تمہارے لئے

بہتر ہے اور میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے۔ پس جو بھلائی (تمہاری طرف سے پیش کی جائے گی جسے) میں دیکھوں گا تو اس پر اللہ کی تعریف کروں گا اور جو کوئی برائی دیکھوں گا (جو تمہاری طرف سے پیش کی جائے گی) تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ (عزاہ فی جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۲۴ فی کتاب الجنائز الی مسند البزار و کذا عزاہ الیہ الھیثمی فی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴ و قال رجالہ رجال الصحیح)

روضہ مطہرہ کے پاس درود وسلام پڑھا جائے تو آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں اور جو کوئی دور سے درود وسلام بھیجے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو زمین میں گشت لگاتے پھرتے ہیں (اور) میری امت کا سلام میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ (رواہ النسائی و ابن حیان فی صحیحہ کما فی الترغیب و الترھیب للمنذری ج ۲ ص ۴۹۸، و قال ابن القیم فی جلاء الافھام و ھذا اسناد صحیح)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچ جائے گا۔ (قال فی الترغیب ص ۴۹۸، ج ۲ رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا؟ حالانکہ آپ ﷺ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل چکے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز مجھ پر درود کثرت سے بھیجا کرو کیونکہ یہ دن مشہود ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ) اس میں فرشتوں کی آمد (بکثرت) ہوتی ہے۔ (پھر ارشاد فرمایا کہ) بے شک تم میں جو بھی شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے پیش ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس فارغ ہو۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ وفات کے بعد کیا ہوگا؟ ارشاد ہوا کہ (وفات کے بعد بھی درود پیش ہوگا کیونکہ) بے شک اللہ نے زمین پر یہ حرام فرما دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا اللہ کا نبی ﷺ زندہ رہتا ہے اور اس کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ (قال المنذری فی الترغیب ج ۲ ص ۵۰۳ رواہ ابن ماجہ باسناد جید و ھو مؤید بحدیث اوس بن اوس الذی صححہ الحاکم)

حضرات صحابہ کرام کا روضہ اقدس پر سلام پیش کرنا

حضرت عبداللہ بن دینار تابعی نے بیان فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر پر کھڑے ہو کر درود پڑھتے تھے اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرتے تھے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر کا ارادہ فرماتے یا سفر سے واپس آتے تو حضور اقدس ﷺ کی قبر اقدس کے پاس آتے اور درود پڑھ کر اور دعا کر کے واپس چلے جاتے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب سفر سے آتے تھے تو پہلے نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر پر آتے اور آپ پر درود بھیجتے اور قبر شریف کو چھوتے نہیں تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھتے ہوئے یوں کہتے: ''السلام علیک یا ابت'' اور ایک روایت میں سلام کے الفاظ اس طرح سے ہیں: ''السلام علیک یا رسول اللہ السلام علی ابی بکر'' (یہ سب روایات حافظ شمس الدین سخاوی نے (القول البدیع ص ۲۱۰) پر نقل کی ہیں)

قاضی عیاض نے (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ج ۲ ص ۱۹۹) پر حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ قبر شریف پر آتے اور یوں کہتے: ''السلام علی النبی ﷺ السلام علی ابی'' اس کے بعد واپس تشریف لے جاتے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مؤطا میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر کا ارادہ فرماتے یا سفر سے واپس آتے تو حضور ﷺ کی قبر شریف پر آتے اور آپ پر درود پڑھ کر اور دعا کر کے واپس چلے جاتے۔ اس کے بعد امام محمد فرماتے ہیں: ''ھٰکذا ینبغی ان یفعل اذا قدم المدینۃ یاتی قبر النبی ﷺ'' یعنی مدینہ منورہ میں حاضری دینے والے کو ایسا ہی کرنا چاہئے کہ جب وہاں حاضر ہو تو آنحضرت ﷺ کی قبر پر آئے۔ (مؤطا امام محمد ص ۳۹۶)

حافظ سخاوی نے القول البدیع میں حضرت انس بن مالک کا بھی یہ عمل نقل کیا ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہو کر سلام پڑھا اور واپس چلے گئے (القول البدیع ص ۲۱۱) قاضی عیاض نے بھی الشفاء میں اس کو نقل کیا ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۸)

دوسروں کے واسطہ سے سلام بھجوانا

حافظ شمس الدین سخاوی نے القول البدیع میں بحوالہ ابن ابی الدنیا و بیہقی فی شعب الایمان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یزید بن ابی سعید مدنی سے کہا کہ جب تم مدینہ منورہ پہنچو تو بارگاہ رسالت ﷺ میں میرا سلام پیش کر دینا۔ (القول البدیع ص ۲۱۱)

اس کو الشفاء میں بھی نقل کیا ہے اور مزید بات یہ لکھی ہے کہ: ''وکان یبرد الیہ البرید من الشام'' یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز بارگاہ رسالت میں سلام پیش کرنے کے لئے شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۸)

دنیا میں قاعدہ ہے کہ حاضرین آپس میں بالمشافہ سلام کرتے ہیں اور جو دور ہوتے ہیں ان کو ڈاک سے یا آدمی کے ذریعہ سلام بھیجتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کاملہ سے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے کہ جو مسلمان اپنے نبی ﷺ پر دور سے سلام بھیجیں تو اس کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیتے ہیں اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عمل سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کے علاوہ مدینہ منورہ آنے جانے والے کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی درست ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حیات برزخیہ میں بھی اپنی امت سے تعلق باقی ہے اور یہ کہ اللہ رب العزت نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ فرشتوں کو اس کار عظیم کے لئے مقرر فرمایا ہے کہ امتیوں کا سلام فخر کائنات ﷺ کو پہنچاتے رہیں۔ فرشتوں کا سلام پہنچانے کے لئے مقرر فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو فرشتوں کو سلام پہنچانے کے لئے واسطہ

بنانے کی ضرورت نہ تھی۔ جب آنحضرت ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تو اولیاء اللہ کے بارے میں حاضر و ناظر ہونے کا خیال کرنا اور اس کا عقیدہ رکھنا بالکل ہی غلط ہے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

شہداء احد کے جسم برس ہا برس کے بعد صحیح سالم پائے گئے

مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ عمر بن جموح انصاری رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ (یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام انصاری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے) کی قبر کو پانی کے بہاؤ نے کھود دیا تھا۔ یہ دونوں غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک ہی قبر میں دونوں کو دفن کر دیا تھا۔ جب پانی نے قبریں کھود ڈالیں تو دوسری جگہ دفن کرنے کے لئے ان کی قبر بھی کھودی گئی تو اس حالت میں پائے گئے کہ ان کے جسموں میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کل ہی وفات پائی ہے ان میں سے ایک کو ایک جگہ زخم آ گیا تھا۔ دفن سے پہلے انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھ لیا تھا اور اسی حالت میں دفن کر دیئے گئے تھے۔ اب جب قبر کھودی گئی تو ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا دیا گیا۔ پھر جب چھوڑ دیا گیا تو اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ غزوہ احد اور اس واقعہ کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ (مؤطا امام مالک، آخر کتاب الجہاد)

یہ واقعہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ جہاں حضرات شہداء احد رضی اللہ عنہم مدفون تھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں سے نہر نکالنے کا ارادہ کیا گیا۔ (اس وقت ان حضرات کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے وہاں کھدائی کی تو میں نے اپنے والد صاحب کو قبر میں اس طرح پایا جیسے کہ اپنی عادت کے مطابق سو رہے ہیں۔ ان کی قبر میں ان کے ساتھ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تھا۔ ان کو دیکھا کہ ان کا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا ہے۔ ہاتھ ہٹا دیا گیا تو زخم کی جگہ سے خون بہنا شروع ہو گیا۔

اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ ان کی قبروں سے مشک کی طرح خوشبو محسوس کی اور یہ واقعہ ان کو دفن کرنے کے دن سے چھیالیس سال بعد کا ہے۔

نیز حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چشمہ جاری کرنے کے لئے کھدائی کی گئی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قدم مبارک میں پھاوڑا لگ گیا اور اس کی وجہ سے خون جاری ہو گیا۔ (دیکھو البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۴۳)

شہداء احد کے علاوہ اور بھی بعض اکابر امت کے متعلق سیر و تاریخ کی کتابوں سے ثابت ہے کہ دفن کرنے کے بعد جب برس ہا برس کے بعد دیکھے گئے تو ان کے جسموں میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہوا تھا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق تو حدیث شریف میں قطعی فیصلہ ہے کہ ان کے جسموں کو زمین گلا نہیں سکتی ہے لیکن کسی غیر نبی کو بھی اللہ رب العزت یہ شرف بخشیں تو ان کی رحمت اور قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔

"وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین"

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

حیاتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بعد الوفات، سماع، استشفاع
مسئلہ عذاب قبر کے اثبات پر ایک بے نظیر محققانہ مدلل ونفیس کتاب

مؤلف:
حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ
بانی مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون
الحدیث

حیاتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الوفات، سماع، استشفاع، مسئلہ عذاب قبر، کے اثبات پر ایک بے نظیر محققانہ مدلل و نفیس کتاب۔

مؤلفہ
حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہم
خلیفہ مجاز حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی و حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
مہتمم، بانی۔ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

ناشر
المکتبۃ الاشرفیۃ ○ جامعہ اشرفیہ
فیروزپور روڈ ○ لاہور ۱۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

پیدائش: ۲۸ رفروری ۱۹۲۳ء

وفات: یکم رجنوری ۲۰۰۱ء

مولانا سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ کے ہاں انڈیا میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث شریف، پاکستان بننے کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا تشریف لائے۔ جامعہ حقانیہ قائم کیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع کراچوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ بہت ہی قابل فخر، ثقہ عالم دین تھے۔ آپ نے جمادی الاوّل ۱۳۹۴ھ میں ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کے نام سے کتاب تحریر فرمائی۔ اب اس کی ترتیب وتہذیب آپ کے صاحبزادہ مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی نے فرمائی ہے۔ انہی کی کمپوزنگ بغیر پڑھے ہم اس مجموعہ میں شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رائے گرامی

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی قدس سرہ

محسن بندہ اطال اللہ بقاءہ و متعنا بہ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کتاب ''حیات الانبیاء علیہم السلام'' وصول ہوئی، نصف سے زائد مطالعہ بھی کر لی۔ بہت معلومات افزا اور ایمان کو تازہ کرنے والی کتاب ہے، سوائے معاند کے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی اس عقیدہ کو اپنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی محنت کو قبول فرمائے، امت مسلمہ پہ بہت بڑا علمی احسان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے تاکہ آپ کے وجود سے زیادہ سے زیادہ دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچے، اپنے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ عقائد صحیحہ حقہ اختیار کرنے کی توفیق دے اور علماء دیوبند کی عقیدت و محبت پہ قائم رکھے، فقط!

والسلام

عبدالمجید ...... ۲۵ / محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب ''حیاتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام''

پیش نظر کتاب مستطاب ''حیاتِ انبیاء کرام کرام علیہم السلام'' حضرت والد ماجد فقیہ العصر یادگار سلف مولانا الحاج القاری المقری المفتی السید عبدالشکور الترمذی رحمہ اللہ (جانشین و فرزند گرامی فقیہ وقت حضرت الحاج مولانا المفتی عبدالکریم ترمذی گم تھلوی رحمہ اللہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون و بانی جامعہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال) کی تصنیف لطیف ہے، جو آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ برزخیہ دنیویہ کے اثبات اور سماع صلاۃ وسلام عند القبر الشریف، استشفاع من قبر النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم، نیز عقیدۂ عذابِ قبر و سماع موتیٰ وغیرہ مسائل پر تحریر فرمائی ہے۔

حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر اگرچہ پہلے بھی متعدد مفید کتب و رسائل موجود ہیں، اور یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں، شروع ہی سے اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل رہے ہیں بلکہ قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد جب ایک گروہ نے اس کا انکار کیا تو اہل السنۃ نے اس کی برملا تردید کی، چنانچہ امام اہل السنۃ حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مستقل مقالہ تحریر فرما کر منکرین حیات النبی علیہ السلام کا رد فرمایا، آپ کے بعد حضرت علامہ بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اس پر ''انباء الاذکیاء'' کے نام سے رسالہ تحریر فرمایا۔

اہل التشیع کا قدیم اعتراض کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد آپ کے ترکہ میں وراثت

جاری نہیں ہوئی، اور یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدۃ نساء اہل الجنۃ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مطالبہ وراثت کے باوجود انہیں باغ فدک نہیں دیا گیا، اس کے جواب میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے "ھدیۃ الشیعہ" اور مسئلہ حیات پر "آب حیات" کے نام سے مستقل کتاب تحریر فرمائی جس میں اس مسئلہ کو بمالا مزید علیہ تحریر فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کو ثابت فرمایا اور منکرین حیات اور اہل التشیع کا رد فرمایا۔

۱۳۲۴ھ میں بریلوی مکتب فکر کے سربراہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے علماء دیوبند کی عبارات کو قطع برید کر کے اور انہیں سیاق وسباق سے ہٹا کر جب علماء حرمین شریفین سے ان پر "حسام الحرمین" کے نام سے کفر کا فتوی لکھوایا، تو اصل صورت حال کی وضاحت کے لیے ان حضرات نے علماء دیوبند سے ان کے عقائد کے متعلق استفسار کیا اس میں ایک سوال عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی تھا۔

جس کے جواب میں رئیس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ نے واضح طور پر اس بارہ میں اپنا عقیدہ تحریر فرمایا جوان کی عقائد کی کتاب "المہند علی المفند" میں موجود ہے۔

اس پر اس وقت کے تمام اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ نے دستخط فرمائے اور اپنے عقائد لکھ کر حجاز کے علماء کرام کو بھیجے اور ان حضرات نے اس کے بعد اپنے تکفیری فتویٰ سے رجوع کیا۔

اسی طرح اس عقیدہ کے متعلق جب بھی کسی نے حضرات اکابر علماء دیوبند سے سوال کیا تو انہوں نے اپنے جواب میں ہمیشہ وہی عقیدہ تحریر فرمایا جو ہمیشہ سے جمہور اہل السنۃ کا چلا آرہا ہے اور ان کی کتبِ عقائد میں موجود ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں بھی ۱۹۵۸ء تک علماء دیوبند کے حوالہ سے اس عقیدہ میں کوئی ابہام نہ تھا کہ اہل علم کا ایک گروہ جو خود کو علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتا تھا انہوں نے اس مسئلہ اور دیگر مسائل میں علماء دیوبند سے اختلاف یا صحیح معنیٰ میں خلاف کیا، حتیٰ کہ اس عقیدہ کو وہ عوام میں اور اسٹیج پر بھی لے آئے اور پھر مناظرہ کے چیلنج کا سلسلہ بھی چلا اور عوام الناس میں یہ مسئلہ حیات وممات کے نام سے مشہور ہوا، حتیٰ کہ قائلین حیات کو حیاتی اور منکرین کو مماتی اور پتھری کا لقب دے دیا گیا اور آج تک اسی لقب سے ان کو یاد کیا جاتا ہے، اگرچہ اس عقیدہ کا انکار کرنے والے عقیدہ کے اعتبار سے بدعتی اور معتزلہ کے ہمنوا تھے لیکن عوام نے انہیں مماتی کے عنوان سے معنون کر دیا اور اب وہ عوام میں اسی نام سے مشہور ہیں۔

نزاع کا یہ سلسلہ چار سال تک جاری رہا، تا آنکہ جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۲ء میں پاکستان تشریف لائے، آپ نے فریقین کی صلح کرائی اور درج ذیل متفقہ عبارت پر فریقین نے دستخط کر دیئے:

"وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو عالم برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور جو شخص قبر اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے، آپ اس کے سلام کو سنتے ہیں"۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن، راولپنڈی۔ اگست ۱۹۶۲ء)

اس صلح سے چار سالہ نزاع کا خاتمہ ہوا اور ملک بھر میں جاری بحران وقتی طور پر ختم ہوا۔

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کی اہمیت

اکثر حضرات کہہ دیتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا مسئلہ ایک فرعی مسئلہ ہے، یہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوتا، اور نہ ہی ایسا ضروری عقیدہ ہے کہ قبر میں اس کے متعلق سوال کیا جائے گا، اس لیے اسے اتنی اہمیت نہیں دینی چاہئے کہ اس پر کتابیں لکھی جائیں اور دلائل سے اسے ثابت کیا جائے۔ اور جو اس عقیدہ کو نہ مانتا ہو اس کے پیچھے نماز کی کراہت کا فتویٰ جاری کر دیا جائے، اور اسے اہل السنۃ یا دیوبندیت سے ہی خارج کر دیا جائے۔ اس حوالہ سے جہاں تک اصولی بات ہے تو اپنی جگہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ عقیدہ اور مسئلہ بھی دیگر فروعی عقائد اور مسائل کی طرح ایک فرعی مسئلہ ہے، اسلام و ایمان کا اس پر مدار نہیں ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ قبر یا حشر میں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، لیکن سوچنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جن مسائل کا سوال قبر میں نہ ہوگا کیا انہیں سیکھنے اور ان کا علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یا اس وجہ سے ان کی ضرورت اور اہمیت کم یا ختم ہو جاتی ہے؟

اگر یہ قانون اور قاعدہ صحیح ہو تو سوائے تین سوالات کے جو قبر میں کئے جائیں گے دین اسلام اور شریعت اسلامیہ کے تمام مسائل اور تعلیمات، عبادات، معاملات، اور معاشرت وغیرہ کی اہمیت اور ضرورت ختم ہو جاتی ہے، جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، جبکہ صدہا ایسے مسائل ہیں جن کے فروعی ہونے کے یہ حضرات قائل ہیں اور اس کے باوجود دن رات ان میں منہمک ہیں تقریر و تحریر کے ذریعہ ان کی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ فروعی مسئلہ ہے قبر میں اس کا سوال نہیں ہوگا "کلمۃ حق ارید بھا الباطل" کے قبیل سے ہے۔

کسی بھی مسئلہ کے فرعی ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اسے ذکر ہی نہ کیا جائے، یا ضرورت پڑنے پر اسے اہمیت ہی نہ دی جائے، خاص طور پر جب کہ وہ مسئلہ فرعی ہونے کے باوجود خاص اہمیت کا حامل بھی ہو۔

چنانچہ حضرت والد ماجد قدس سرہ اس بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"دوسرے یہ کہ بعض مسائل اگر چہ اپنی اصل کے اعتبار سے فروعی ہوتے ہیں مگر ان کے ذریعہ چونکہ اہل سنت کو دوسرے بدعتی فرقوں سے امتیاز حاصل ہوتا ہے اس اعتبار سے وہ دوسرے فروعات کی بہ نسبت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اسی لئے علم کلام کی کتابوں میں بھی علماء کلام ایسے مسائل کو اصولی مسائل کے بعد بیان کرتے ہیں جیسے مسح علی الخفین کا جواز باوجود یکہ یہ ایک فقہی جزئی اور فروعی مسئلہ ہے مگر اس کو شرح عقائد نسفی میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ "جو شخص اس کے جواز کا قائل نہ ہو وہ بدعتی ہے" اصل عبارت یہ ہے: وَبِالْجُمْلَةِ مَنْ لَّا يَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْبِدْعَةِ (عقائد نسفی ص ۱۸۸) (جو شخص موزوں پر مسح کے جواز کا قائل نہ ہو وہ بدعتی ہے) تو کیا مسح علی الخفین کے انکار اور خلاف کو اس لئے برداشت کر لیا جاوے گا کہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے اور فروعات میں الجھنا اچھا نہیں ہے؟" (ہدایۃ الحیران ص ۱۸۲)

امتیازی مسائل کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

عنوان بالا کے تحت حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: "اس قسم کے امتیازی اور اہل سنت کے

خصوصی مسائل سے بے توجہی برتنا اور یہ کہہ کر ٹال دینا کہ یہ کوئی اصولی مسائل نہیں ہیں اور فروعی مسائل میں اہل حق کے مابین اختلاف پہلے سے چلا آ رہا ہے، یہاں تک کہ اصاغر اپنے اکابر سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہو سکتا ہے؟

ہرگز نہیں، اصل میں تو اس طریقہ کو ایسے مخصوص مسائل کی شان امتیازی کی طرف سے توجہ ہٹانے اور ان کی اہمیت کو لوگوں کی نظروں میں کم کرنے کی غرض سے وہ لوگ ایک حربہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں جو اکابر کے مسلک کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، مگر بعض وہ حضرات بھی جو اس پروپیگنڈے کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں ان لوگوں کے ہم نوا ہو کر یہ فرمانے لگ جاتے ہیں کہ فروعی مسائل میں اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں، حالانکہ جن مسائل میں اختلافات کو برداشت کیا جاتا رہا ہے وہ مسائل اس شان اور حیثیت کے نہیں ہوتے جن کے ذریعہ اہل حق کو دوسرے فرقوں سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔" (ہدایۃ الحیران، ص: ۱۹۷)

عقائد اور دلائل کے اقسام

عام طور پر ان مسائل کو فروعی کہہ کر ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور یہ مغالطہ بھی دیا جاتا ہے کہ عقائد کے لیے تو قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، عقیدہ حیات الانبیاء پر قطعی دلائل نہیں ہیں اس لیے اسے عقائد میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

افسوس! کیا ان حضرات کو یہ معلوم نہیں کہ عقائد کی ایک ہی نہیں بلکہ دو قسمیں ہیں۔ اصولی اور فروعی۔

اصولی عقائد کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے جبکہ فروعی عقائد کے لیے ظنی دلیل بھی کافی ہے۔ چنانچہ "شرح العقائد" کی شرح "نبراس" میں حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وقيد الجمهور الادلة بالقطعية لان اتباع الظن في العقائد مذموم ولكن فيه بحثان الاول انه قد يجتمع الادلة الظنية فتفيد القطع بالحدس فلا يكون ايراد الادلة الظنية لهذا الغرض من باب اتباع الظن، الثاني ان العقائد قسمان فقسم لابد فيه من تحصيل اليقين كوجود الواجب ووحدته وقسم ظني لايمكن فيه تحصيل اليقين كفضيلة الرسل على الملك فلا بأس فيه باتباع الظن لاجماعهم على ايراد هذا القسم في كتاب العقائد فما يقع في كلام بعض المتكلمين من اسقاط الادلة الظنية من الاعتبار فليس بوجه فاحفظ" (النبراس ص ۲۴)

ولا خفاء في ان هذه المسئلة ظنية يكتفى فيها بالادلة الظنية (شرح عقائد)

وحاصل الجواب ان المسائل الاعتقادية قسمان احدهما ما يكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب تعالى وصدق النبي صلى الله عليه وآله وسلم وثانيهما ما يكتفى فيها بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظني انما لا يجوز في الاول بخلاف الثاني۔ (النبراس ص ۵۹۸)

وبالجملة من لا يرى المسح على الخفين فهو من اهل البدعة اجماعاً من اهل السنة الا انها بدعة فسق عند بعضهم وبدعة كفر عند بعضهم، الخ (شرح، شرح عقائد ۵۵۹)

اس سے واضح ہے کہ کسی ایک خصوصی عقیدہ کے خلاف سے بھی خروج عن المذہب ہو جاتا ہے،

اور عقائد ظنیہ میں دلائل ظنیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، ہر عقیدہ کے لیے دلیل قطعی کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، نیز حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ''عقائد قطعیہ کے لیے ضرورت ہے دلیل قطعی کی جو ثبوتاً بھی قطعی ہو اور دلالۃً بھی قطعی ہو اور عقائد ظنیہ کے لیے دلیل ظنی کافی ہے بشرطیکہ اپنے مافوق کے ساتھ معارض نہ ہو ورنہ دلیل مافوق ماخوذ ہوگی اور یہ دلیل متروک ہوگی۔'' (بوادر النوادر ص ۸۸۲)

حیاۃ الانبیاء کرام علیہم السلام فی القبور کا عقیدہ اگرچہ اصولی نہیں، لیکن یہ اہل السنۃ کی علامات سے ہے، اور اس کے اثبات کے لیے ظنی دلائل بھی کافی ہیں اس کے منکر کو کوئی بھی کافر نہیں کہتا، البتہ اسے مبتدع اور بدعتی کہا جائے گا، فافہم!

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور کتب عقائد

حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد کے ہاں جامعہ حقانیہ ساہیوال تشریف لائے، مرحوم مولانا مخدوم نذیر صاحب بھی ان کے ساتھ تھے، فرمانے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کی کتاب ''جواہر القرآن'' کا جواب لکھا ہے، میں وہ سننے آیا ہوں اور مولوی نذیر کو بھی ساتھ لایا ہوں، تاکہ یہ بھی سنے۔

چنانچہ حضرت والد ماجد نے انہیں ''ہدایۃ الحیران'' کا پورا مسودہ حرفاً حرفاً سنایا جو انہوں نے بڑے غور سے سنا اور بعض جگہ سوالات بھی کیے، حضرت والد صاحب جن کا شافی جواب ساتھ ساتھ دیتے رہے۔ پوری کتاب سن کر خوشی کے اظہار کے ساتھ فرمایا کہ ہمارے استاذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب ''انہی'' ضلع گجرات والے فرماتے تھے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کا ذکر کتب عقائد میں نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جب یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے تو اس کا ذکر کتب عقائد میں ہونا چاہئے تھا، اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت والد صاحب نے سنتے ہی فرمایا کہ عقائد کی تمام کتابوں میں ''عذابِ القبر حق'' کی تصریح ہے اور قبر کا عذاب وثواب بغیر حیات کے نہیں ہوتا اور جب عام موتی کے عذاب وثواب کے لیے قبر میں حیات ضروری ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام اور سرور دو عالم ﷺ کو راحت اور ثواب کے لیے قبر مبارک میں حیات بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگی، اس طور پر اس مسئلہ حیات کا ذکر بھی کتب عقائد میں آجاتا ہے۔ حضرت مولانا چوکیروی اس جواب کو سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ اس مسئلہ کے لیے کھول دیا ہے۔''

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور قادیانی

اہل السنۃ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بعد الوفات اپنی قبور مطہرہ میں بہ تعلق روح بالجسد الشریف حیات ہیں، اس عقیدہ کا انکار معتزلہ نے کیا ہے، معتزلہ کے علاوہ، مرزائی جو کہ ختم نبوت کے منکر اور غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد مانتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اس عقیدہ کے منکر بلکہ اسے شرک قرار دیتے ہیں، گویا ان کے ہاں اس عقیدہ کے ماننے والے مشرک ہیں۔

۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء کی بات ہے کہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ نے لاہور کے ایک جلسہ میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق تقریر فرمائی تو آپ نے اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''رسول اللہ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات کا نکاح کسی جائز نہ ہونا بھی اس کا مؤید ہے۔''

آپ کے اس بیان ذی شان کا رد کرتے ہوئے مرزائیوں کے اخبار'' پیغام صلح'' لاہور نے لکھا تھا کہ:

''یہ مشرکانہ خیال ہے اور ازواج مطہرات سے نکاح کا جائز نہ ہونا اس لیے ہے کہ قرآن شریف میں وازواجہ امہاتہم آیا ہے۔''

سید المناظرین حضرت مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ'' دفع العجاج'' میں مرزائیوں کے اس بیان کی سخت تردید فرمائی اور ثابت فرمایا کہ مرزائیوں کی یہ بات کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قبور مطہرہ میں زندہ ماننا شرکیہ خیال ہے اور یہ کہ ازواج مطہرات سے نکاح کی حرمت فقط یہ ہے کہ وہ امہات ہیں بالکل غلط ہے۔

تفصیل کے لیے حضرت چاند پوری کے مذکورہ رسالہ اور حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کی کتاب'' ہدایۃ الحیران'' کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیں، سوچنے کی بات ہے کہ جو حضرات عقیدہ حیات الانبیاء کو شرکیہ عقیدہ قرار دیتے ہیں وہ کس کی تائید کر رہے ہیں؟ فاعتبروا یااولی الابصار!

کتاب ''المہند'' کی عقائدی حیثیت

اہل بدعت کی طرف سے جب علماء حق اکابر اہل سنت والجماعت علماء دیوبند پر بیجا الزامات اور اعتراضات کئے گئے اور خود ساختہ عقائد اور منگھڑت نظریات ان کی طرف منسوب کر کے ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور علماء حرمین شریفین سے ان پر تصدیق حاصل کر کے اس فتویٰ کو ہندوستان میں شائع کیا گیا تو اصل صورت حال معلوم کرنے کے لئے علماء حرمین نے اکابر علماء دیوبند سے چھبیس سوالات کے جواب طلب کئے ان کے تفصیلی جواب ملنے پر علماء حرمین نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کیا اور ان جوابات کی تصدیق فرمائی یہ جوابات ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع ہوئے جنہیں شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ شارح ابی داؤد خلیفۂ ارشد حضرت اقدس قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے تحریر فرمایا اور حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ سے لے کر مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تک سب حضرات نے ان جوابات کی تصدیق فرمائی۔

کتاب مستطاب ''المہند'' میں مندرجہ عقائد کی حیثیت صرف اتنی نہیں کہ وہ کسی فرد یا کسی شخص کی ذاتی رائے یا انفرادی نظریہ اور عقیدہ ہے بلکہ وقت کے اجلہ علماء و محدثین اور متکلمین نے ان عقائد کو دیوبند کے تحقیقی مسلک کے طور پر اور وہ بھی بحیثیت ''جماعتی مسلک دیوبند'' کے پیش کیا تھا اس لئے المہند علماء دیوبند کے عقائد معلوم کرنے کے لئے ایک تحریری دستاویز اور متفقہ مسلکی وثیقہ نیز مسلک دیوبند کے دیکھنے اور جانچنے کے لئے بمنزلہ آئینہ اور کسوٹی کے ہے اور مسلک دیوبند کی سرکاری ترجمان ہے جس کا تسلیم کرنا دیوبندیت اور جس سے انحراف مسلک دیوبند سے گریز ہے۔ ذیل میں المہند سے بعض اکابر کی تصدیقات کے ضروری اقتباس نقل کئے جاتے ہیں جن سے واضح ہے کہ المہند میں مندرجہ نظریات سے یہ حضرات حرف بحرف متفق ہیں اور ان کے یہی عقائد ہیں:

۱...... حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ: وھو معتقدنا ومعتمد مشائخنا جمیعا لاریب فیہ

۲...... حضرت مولانا سید احمد حسن امروہی رحمہ اللہ: وکل ذلک ھو معتقدنا و معتمد مشائخنا وساداتنا اماتنا اللہ علیہ وحشرنا مع عبادہ المخلصین المتقین۔

۳...... حضرت مولانا عزیز الرحمن دیوبندی رحمہ اللہ مفتی اعظم دیوبند: ھو الحق عندی و معتقدی و مشائخی۔

۴...... حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ: نقر بہ و نعتقدہ و او کل امر المفترین الی اللہ۔

۵...... حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمہ اللہ: وھو معتقدی و معتقد مشائخی۔

۶...... حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ: رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتہا حقۃ صریحۃ لا یحوم حول سرادقاتہا شک ولا ریب ھو معتقدی و متعقد مشائخی۔

نیز مصنف علام حضرت سہارنپوری قدس سرہ بھی ''المہند'' کے مندرجات کو اپنے عقائد اور دین و ایمان قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ھذا الذی ذکرنا فی الجواب ھو ما نعتقدہ و ندین اللہ تعالٰی بہ۔

غرض کہ تمام اکابر ان کو اپنے اور اپنے مشائخ کے عقائد بیان کرتے ہوئے ان کا اقرار فرما رہے ہیں اور انہیں کتاب و سنت، اجماع امت اور ائمہ کرام کے مذہب کے مطابق سمجھتے ہیں، چنانچہ کتاب کے آغاز میں اس اصول کو انہوں نے یوں بیان فرمایا ہے:

انا لا نتکلم بکلام ولا نقول قولا فی الدین الا و علیہ عندنا دلیل من الکتاب او السنۃ او اجماع الامۃ او قول من ائمۃ المذہب (ص ۳۰)

معلوم ہوا کہ یہ عقائد کسی کی ذاتی رائے نہیں بلکہ قرآن و سنت، اجماع امت پر مبنی ہیں جن کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

''المہند'' پر تصدیق کرنے والے اکابر کے بعد ان کے تلامذہ اور متعلقین نے بھی ان عقائد کی بھرپور تصدیق فرمائی اور المہند کے مندرجات کو قبول فرمایا چنانچہ جب المہند کا خلاصہ '' عقائد علماء دیوبند'' کے نام سے ۱۳۸۸ھ میں حضرت اقدس والد ماجد فقیہ العصر یادگار اسلاف مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ نے تیار فرمایا تو اس پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہم اللہ وغیرہ سب حضرات نے تصدیق فرمائی اور المہند کے عقائد کو تسلیم فرمایا، پھر ان کے تلامذہ کرام جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ اور دیگر علماء کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا انہوں نے بھی اس پر دستخط فرمائے جن میں حضرت علامہ سرفراز خان صفدر، حضرت مولانا قاضی عبدالکریم کلاچی، حضرت قاضی مظہر حسین صاحب، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب قاسمی، حضرت علامہ عبدالستار صاحب تونسوی، حضرت علامہ شیخ محمد سلیم اللہ خان صاحب رحمہم اللہ اور دیگر علماء کرام شامل ہیں، موجودہ دور کے علماء دیوبند میں مشاہیر علماء کرام کی تصدیقات بھی خلاصہ ''المہند'' پر ثبت ہیں۔

حضرت علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے لے کر آج تک کے تمام علماء دیوبند

(جن کا دور تقریباً سوا سو سال پر محیط ہے) ان عقائد پر متفق ہیں اور ''المہند'' کو مسلکی عقائد کی وثیقہ اور دستاویز تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ تفصیل بالا سے واضح ہے۔

ایک اعتراض

یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ''المہند'' کے بارہ میں اہل بدعت بریلوی تو کہتے ہی تھے کہ اس میں جو عقائد ہیں وہ علماء دیو بند کے نہیں اور یہ کتاب جعلی ہے، لیکن اب اپنے آپ کو دیو بندیت کی طرف منسوب کرنے والا گروہ بھی کہہ رہا ہے کہ یہ حضرت سہارن پوری کی تالیف نہیں ہے اور ان کی زندگی میں بھی شائع نہیں ہوئی، نیز یہ کہ اس میں تحریف کردی گئی ہے، وغیر ذلک من الاشکالات الفاسدۃ والتوھمات الواھیۃ۔

حالانکہ یہ بات قطعاً غلط اور خلاف واقعہ ہے، تمام اکابر اسے حضرت سہارنپوری کی ہی تالیف قرار دے رہے ہیں۔ پھر حضرت سہارنپوری قدس سرہ کی حیات مبارکہ میں اس کا مطبوعہ اڈیشن بھی اب تک موجود ہے جس کا ایک نسخہ احقر کے پاس بھی ہے، یہ ۱۳۴۴ھ کا مطبوعہ ہے اور حضرت سہارنپوری کا وصال ۱۳۴۶ میں ہے۔ بعد کے نسخے بالکل اس کے مطابق ہیں اس لیے اس پر تحریف کا اشکال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ ''فتاویٰ خلیلیہ'' میں بھی ''المہند'' شامل ہے اس کے مندرجات بھی من وعن وہی ہیں جو عرصہ سے شائع ہو رہے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

کتاب ''المہند'' پر ایک عتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ عقائد کی کتاب نہیں ہے، اس میں دوسرے فروعی مسائل بھی ہیں اور علم کلام سے متعلق بھی کچھ مباحث مذکور ہیں۔ اگرچہ بعض عقائد کا ذکر بھی پایا جاتا ہے فلہٰذا اسے عقائدی دستاویز یا علماء دیو بند کے عقائد کی کتاب کہنا صحیح نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ کتاب ''المہند'' علماء دیو بند کے عقائد پر کوئی مستقل کتاب کے طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ بنیادی طور پر یہ سوالات کے جواب کے طور پر تحریر کی گئی، پھر جہاں تک سوالات کا تعلق ہے وہ کوئی ایک نوع اور قسم سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان کی انواع مختلف ہیں اس لیے جواب میں تحریر کردہ جوابات بھی مختلف اقسام سے متعلق ہوں گے، بعض کا تعلق قطعی عقائد سے ہے اور بعض کا ظنی عقائد اور پھر بعض کا تعلق فروعی مسائل یا علم کلام سے ہے، سارے جوابات عقائد سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان میں دیگر مباحث بھی ہیں لیکن چونکہ بعض قطعی اور بعض ظنی عقائد کا ذکر بھی اس میں موجود ہے اس لیے پوری کتاب کو تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے عقائد کی کتاب کہہ دیا گیا ہے۔ کتابوں کے نام میں یہ توسع اور یہ اطلاق ذائع شائع ہے، اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، بعض حضرات ''المہند'' کے بارہ میں جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس میں توحید، رسالت، قیامت وغیرہ اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ عقائد کی کتاب کیسے ہوسکتی ہے، تفصیل بالا سے واضح ہوا کہ یہ سوال کتاب ''المہند'' کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ جب یہ کتاب کل عقائد پر مشتمل ہی نہیں ہے بلکہ بعض سوالات کے جواب کے طور پر تحریر کی گئی ہے تو یہ سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، فافہم وانصف۔

اسی طرح یہ کہنا کہ عقائد کے اثبات کے لیے تو قطعی دلیل کی ضرورت ہے اور ''المہند'' میں موجود بعض عقائد پر قطعی دلائل نہیں ہیں، پس وہ کیسے صحیح ہوں گے؟

تو ایسے حضرات کو سمجھ لینا چاہئے کہ قطعی دلائل کی ضرورت قطعی عقائد کے لیے ہوتی ہے، ان کا اثبات بدوں قطعی دلائل کے نہیں ہوتا، جہاں تک ظنی عقائد کا تعلق ہے ان کے اثبات کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ ظنی دلائل سے بھی ثابت ہو جاتے ہیں، کما مر مفصلاً۔

وفاق المدارس کے اعلان پر اعتراض کا جائزہ

وفاق المداس العربیہ پاکستان کی طرف سے ۱۴۲۵ھ میں جب رسالہ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں اعلان کیا گیا کہ اس ادارہ سے انہیں مدارس کا الحاق کیا جائے گا جن کا مسلک ''المہند'' کے مطابق ہوگا۔ تو اس وقت جماعت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے نمائندگان نے حیات النبی علیہ السلام سے متعلق ''المہند'' کی عبارت پر اعتراضات تحریر کر کے اکابرین وفاق کی خدمت میں بھجوائے۔ احقر نے حضرت رئیس المحدثین مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے حکم سے ان کے اشکالات کا مفصل جواب تحریر کیا، جسے حضرت نے بہت سراہا اور پسند فرمایا، ذیل میں فریق مخالف کے اشکالات اور ان کے جواب پیش خدمت ہیں:

ان حضرات نے اپنے اس پرزور مطالبہ کی بنیاد جن تین امور کو بنایا ہے وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:

۱...... الف: ''المہند'' میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں دنیاوی حیات سے زندہ ہیں ان کی حیات برزخی نہیں ہے''

ب: اس نظریہ کے ساتھ اختلاف بعض اکابر جن کے اسماء گرامی المہند میں موجود ہیں کا بھی ہے مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ''ان کی حیات برزخی ہے۔''

۲...... حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی ہے دنیوی نہیں ہے ان پر موت کا اطلاق بھی جائز ہے'' (کفایت المفتی)

۳...... اسی طرح حیات شہداء کی تفسیر نبوی میں ارواحہم فی اجواف طیر خضر (الحدیث) سے بھی برزخی حیات کا ہی اشارہ ملتا ہے۔ (انتہیٰ)

نمائندگان اشاعۃ التوحید نے مذکورہ بالا امور سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں ''المہند'' کی عبارت، حدیث نبوی، ''بیان القرآن'' اور ''کفایت المفتی'' کے خلاف ہے اس لئے اسے دیوبندیت کا معیار اور وفاق سے الحاق کی شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نمائندگان اشاعت کا یہ دعویٰ چونکہ خلاف حقیقت اور غلط ہے اس لئے ہم ذیل میں ان امور کا منصفانہ اور تحقیقی تجزیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ حقیقت سامنے آجائے اور ''المہند'' کی عبارت کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ و مغالطہ باقی نہ رہے اس کے ساتھ ہم کتاب ''المہند'' کی عقائدی حیثیت کو بھی واضح کریں گے تاکہ وفاق المدارس کی تجویز کی اہمیت اور ضرورت بھی واضح ہو جائے، فنقول وباللہ التوفیق!

عقیدہ حیات النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ (قبر شریف) میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضۂ پاک میں محفوظ ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضۂ انور پر پڑھے گئے درود و سلام کو بغیر واسطہ کے علی الدوام سماعت فرماتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو "المہند علی المفند" میں اکابر علماء دیوبند نے حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح

آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات کو دنیوی حیات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسد اطہر میں ہے جو روضۂ اطہر میں محفوظ ہے نہ یہ کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اسی دنیا والی حیات ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں "انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں" (لطائف قاسمی)

اس عبارت سے حیات دنیوی کا مفہوم واضح ہے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ حیات چونکہ دنیا میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہے اس لئے ہم آنحضرت ﷺ کو عالم برزخ میں ہی فائز الحیات سمجھتے ہیں لیکن برزخی حیات میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت کا نہیں یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم برزخی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حیات برزخی اور دنیوی میں مختلف جہات سے اجتماع ممکن ہے ان میں ایسا تضاد نہیں کہ یہ دونوں جمع نہ ہو سکیں، بزرگوں کے کلام میں جہاں اس حیات کو دنیویہ و برزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ یہ حیات اسی دنیا والے جسد اطہر میں بتعلق روح عالم برزخ میں ہے۔ حیات برزخی کا یہ مفہوم کہ عالم برزخ میں ایسی حیات جو دنیوی جسد اطہر میں نہیں ہے اور دنیوی جسد اطہر تعلق حیات سے یکسر خالی ہے بالکل غلط ہے، فریق مخالف ایسی ہی حیات کا قائل ہے اور وہ اسی کو حیات برزخی کہتا ہے اور ان کے نزدیک حیات برزخی میں علاقہ نوعیت کا ہے یعنی ایسی حیات جو دنیوی جسد میں نہ ہو بلکہ کسی اور برزخی بدن میں ہو۔ (ماخوذ از رسالہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بتغیر)

فریق مخالف کا بیان کردہ حیات برزخی کا مذکورہ بالا مفہوم چونکہ صحیح نہیں ہے اسی لئے "المہند" میں بھی "لابرزخیة" سے آنحضرت ﷺ کے لئے قبر شریف میں ایسی حیات جس میں جسد اطہر سے روح مبارک کا تعلق نہ ہو کی نفی کی گئی ہے۔

"المہند علی المفند" کی اصل عبارت اور اس کی تشریح

۱...... **الف:** عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حي في قبره الشريف وحياته صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة

السیوطی فی رسالۃ "انبیاء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء" حیث قال، قال الشیخ تقی الدین السبکی حیوٰۃ الانبیاء والشہداء فی القبر کحیوتہم فی الدنیا ویشہد لہ صلوٰۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلاۃ تستدعی جسدا حیا الی آخر ما قال "فثبت بہذا ان حیا تہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ۔ ولشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز فی ہذہ المبحث رسالۃ مستقلۃ دقیقۃ الماخذ بدیعۃ المسالک لم یر مثلہا قد طبعت وشاعت فی الناس واسمہا "آب حیات" ای ماء الحیوۃ" (المہند علی المفند)

اس عبارت سے واضح ہے کہ لا برزخیۃ سے عالم برزخ کی حیات کی مطلقاً نفی نہیں کی جا رہی بلکہ اس میں اس حیات برزخیہ کی نفی کی جا رہی ہے جو عالم برزخ میں عام لوگوں کو حاصل ہے جیسا کہ عبارت کما ھی حاصلۃ لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کی تشبیہ سے واضح ہے اور جس سوال کا یہ جواب ہے اس کا منشا بھی یہی تھا، پس معلوم ہوا کہ المہند میں آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا انکار نہیں کیا گیا بلکہ برزخی وسے اس کے برزخیہ ہونے اور لکونہا فی عالم البرزخ سے اس میں علاقہ ظرفیت کو بتایا گیا ہے اور برزخیۃ سے پہلے دنیویۃ فرما کر واضح کر دیا گیا کہ یہ حیات دنیوی جسد اطہر میں ہے برزخیہ محضہ نہیں ہے اسی کو حیات دنیویہ اور برزخیہ کہا جاتا ہے اس معنی کے اعتبار سے دنیویہ اور برزخیہ میں کوئی تضاد نہیں ہے اور نہ ہی "المہند" کی پہلی عبارت "لا برزخیۃ" اور دوسری عبارت "دنیویۃ برزخیۃ" میں کوئی تعارض ہے کما لا یخفی علی المتأمل المنصف۔

غرض کہ "المہند" کی تصریح فثبت بہذا ان حیا تہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ کے باوجود سخت حیرت ہے کہ نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ نے المہند کے حوالہ سے کیسے لکھ دیا کہ "ان کی حیات برزخی نہیں ہے" یا للعجب، ہاں اس معنی کے اعتبار سے بے شک وہ حیات برزخی نہیں ہے جس معنی کے اعتبار سے ارباب اشاعۃ التوحید اسے حیات برزخی کہتے ہیں جس میں جسد اطہر سے روح مبارک کا کوئی تعلق نہ ہو چونکہ اہل سنت میں ایسی حیات برزخی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس لئے اس معنی کے اعتبار سے اس کی نفی بلاشبہ درست ہے کما مر تفصیلاً۔

تفسیر بیان القرآن کی عبارت کی وضاحت

ب: بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ آیت کریمہ "ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ال آیۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے...... حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور

قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔ (بیان القرآن ص ۹۷)

''بیان القرآن'' کی اس عبارت کو بغور پڑھنے سے واضح ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شہداء اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بعد الوفات جس حیات برزخی کے قائل ہیں وہ ایسی حیات نہیں ہے جس میں ان کے اجسام پر حیات کا اثر نہ ہو بلکہ حضرت کے ہاں بھی ایسی حیات مراد ہے جس کی قوت کا اثر شہداء کے اجسام تک پہنچتا ہو اور بیان القرآن کی اس عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس حیات میں شہداء سے زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ حیات برزخی ایسی نہیں ہے جس میں اجسام حیات سے خالی ہوں جیسا کہ اشاعۃ التوحید کا عقیدہ ہے۔

جب ''بیان القرآن'' کی اس عبارت میں اجساد پر بھی حیات کے آثار کی تصریح ہے اور اسی کا نام حیات دنیویہ بھی ہے تو پھر یہ المہند کے خلاف کیسے ہوگی؟ بالفرض اگر یہ عبارت ''المہند'' کے خلاف ہو تب بھی ''المہند'' کی عبارت ہی راجح ہوگی کیونکہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''بیان القرآن'' کا یہ مقام جس میں حیات شہداء کی بحث ہے ''المہند'' سے پہلے لکھا ہے کیونکہ ''المہند'' شوال ۱۳۲۵ھ میں تصنیف کی گئی جبکہ ''بیان القرآن'' کی سورۃ بقرہ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ میں مکمل ہوئی اب خود غور کرلیجئے کہ تفسیر بیان القرآن میں ''المہند'' کے نظریہ سے حضرت نے کیسے اختلاف فرمالیا؟ یا للعجب!

علاوہ ازیں خود حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے:

اول بطور مقدمہ کے جانئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر خود موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی مع متلبس روح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام ؓ کا بھی یہ اعتقاد تھا، الخ (رأس الاربعین ص ۵۰۸)

اسی وعظ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں ''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے'' (۵۱۴) نیز وعظ ''الکمال فی الدین'' (جو ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۴۰ھ کو دھلی میں فرمایا) میں فرماتے ہیں: اور اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے جس کے بعض آثار یہ ہیں کہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی الخ (ص ۵۵)

اس میں صاف تصریح ہے کہ روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو بتعلق روح حیات حاصل ہے اسی کو حیات دنیویہ اور برزخیہ کہتے ہیں تو پھر یہ ''المہند'' کے خلاف کیسے ہوا؟ نمائندگان اشاعۃ التوحید غور فرماویں کہ کیا اس کے بعد بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ''المہند'' کے نظریہ سے اختلاف کرنے والوں میں شمار کرنا صحیح ہے؟

اور کیا موجودہ اشاعۃ التوحید حیات النبی ﷺ کی اسی تفصیل کے ساتھ قائل ہے جس کی تصریح حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اوپر نقل کی گئی ہے؟

کفایت المفتی کی عبارت کی تشریح

۲...... حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں انک میت وانہم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۸)

اشاعۃ التوحید کے نمائندگان کا اس عبارت سے یہ تاثر دینا کہ حضرت مفتی صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیوی کے قائل نہیں سراسر غلط اور دھوکہ ہے کیونکہ اس فتوئی میں واضح طور پر لکھا ہے کہ دنیا کے اعتبار سے وہ تو سب اموات میں داخل ہیں اس اعتبار سے وہ زندگی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے کیونکہ وہ حضرات برزخ میں زندہ ہیں نہ کہ دنیا میں، اب رہا یہ کہ عالم برزخ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جو زندگی اور حیات حاصل ہے وہ روحانی ہے جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ بات حضرت مفتی صاحب نے ہرگز نہیں لکھی اور نہ ہی وہ اس کے قائل ہیں بلکہ حضرت مفتی صاحب کا نظریہ اس بارہ میں وہی ہے جو ''المہند'' میں لکھا ہے اور اسی نظریہ پر وہ تمام کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر دستخط بھی فرما چکے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یارسول ویا حبیب ندا کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام حضور ﷺ کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے اور آپ تک ہماری ندا اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے ...... ہاں اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجلس مولود میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ کہ موجب تعظیم''

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۵۹، ۱۶۰)

نیز ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' جنوری ۱۹۶۰ء میں حضرت مفتی صاحب موصوف کے حوالہ سے لکھا ہے ''لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہل سنت سے خارج نہیں کرنا چاہئے۔'' (خدام الدین لاہور)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حیات دنیویہ کی نفی عالم دنیا کے اعتبار سے ہے نہ کہ تعلق روح بالجسد کے اعتبار سے اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں آپ ﷺ کی حیات کا اہل حق میں کوئی بھی قائل نہیں ہے جن حضرات نے

دنیوی حیات کی نفی کی ہے وہ اسی معنی کے اعتبار سے کی ہے ورنہ اہل حق عالم برزخ میں جسد اطہر کی بتعلق روح حیات پر متفق ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی بھی اسی حیات کے قائل ہیں ان کا نظریہ اس بارہ میں ''المہند'' کے بالکل مطابق ہے۔

حیات شہداء وانبیاء کرام علیہم السلام کی تحقیق

حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون (پ ۲) اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی حیات جسمانی حیات ہے صرف روحانی نہیں ہے اس لئے کہ قتل فعل حسی ہے اس کا محل جسم ہے نہ کہ روح لہٰذا جو جسم قتل کا محل ہے وہی جسم حیات کا بھی محل ہوگا اور جسم کی حیات روح کے تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ عبدالحق مکی ''اکلیل شرح مدارک التنزیل'' میں لکھتے ہیں: فذھب کثیر من السلف الی انہا حیاۃ حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرک ولا نعلم حقیقتہا لانہا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیہا (اکلیل ج ۲ ص ۲۹)

حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واختلف فی ہذہ الحیاۃ فذھب کثیر من السلف الی انہا حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکہا فی ہذہ النشأۃ۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ورد النص فی کتاب اللّٰہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۲۴)

جمہور مفسرین اور اکابر علماء متقدمین کی تصریحات کے مطابق شہداء کو جسدی حیات حاصل ہے ان کی حیات فقط روحانی نہیں ہے جب حضرات شہداء کرام کی حیات برزخی دنیوی حیات ہے تو پھر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی بطریق اولیٰ جسدی اور دنیوی ہوگی لیکن یاد رہے کہ دنیوی سے مراد عالم دنیا میں نہیں بلکہ دنیوی جسد میں حیات مراد ہے آیت قرآنی ولا تقولوا الآیۃ سے بھی اشارہ ملتا ہے اور مفسرین اسی کو راجح فرما رہے ہیں۔

حیات شہداء سے متعلق حدیث نبوی کی تشریح

۳...... اب رہی حدیث نبوی ارواحہم فی طیر خضر (جس کا ذکر نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ نے بھی اپنی تحریر میں کیا ہے) یا اس قسم کی بعض وہ روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور مؤمنین کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اور وہ احادیث صحیحہ جن میں یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ رفیق اعلیٰ یا اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہیں تو وہ اس حیات جسدی کے ہرگز منافی نہیں ہیں اس لئے کہ ارواح کا مقر علیین یا سجین میں ہونا قبر میں حیات حاصل ہونے کی خلاف نہیں ہے کیونکہ علیین یا سجین میں ارواح کا مستقر ہوتے ہوئے بھی فی الجملہ ان کا اتصال وتعلق قبروں میں اپنے اپنے اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو لذت یا کلفت کا ادراک واحساس ہوتا رہتا ہے اور وہ اس تعلق کی وجہ سے منکر ونکیر کے سوال کا جواب دیتے اور عند القبر سلام کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔ اس طرح ان دونوں قسم کی روایات میں کسی قسم کا تعارض نہیں رہتا ان میں ظاہری تعارض کے رفع کے لئے مذکورہ تطبیق کو حضرات علماء کرام نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ

تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں: ''وجہ التطبیق ان مقرارواح المؤمنین فی علیین اوفی السماء السابعۃ کما مر ومقرارواح الکفار فی سجین ومع ذلک لکل روح منہا اتصال بجسدہ فی قبرہ لایدرک کنہہ الا اللہ تعالٰی وبذلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنۃ والنار ویحس اللذۃ والالم ویسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذلک مما ثبت بالکتاب والسنۃ'' (تفسیر مظہری ج۱۰ ص ۲۲۵)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: ''فالروح ھناک لہا اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بہ بحیث یصلی فی قبرہ ویرد علیہ سلام من سلم وھی فی الرفیق الاعلٰی'' (کتاب الروح ص ۵۴)

نیز فرماتے ہیں: ''وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلٰی مع ارواح الانبیاء ومع ہذا فلہا اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ وبہذا التعلق رای موسٰی قائما یصلی فی قبرہ'' (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ حدیث شریف انما نسمۃ المؤمن طیر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ یوم یبعثہ کے تحت فرماتے ہیں'' اس سے معلوم ہوا کہ یوم بعثت تک ارواح مؤمن کا مستقر شجر جنت ہے پس یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار فی الجنۃ مختلف حیثیتوں سے ایک وقت میں مجتمع ہو جاتے ہوں یعنی اصل قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ وہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو کہ جس سے ادراک نعیم والم ہو سکے'' الخ ا (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱۹)

اکابر کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ حدیث نبوی ارواحہم فی طیر خضر عالم برزخ میں شہداء کی حیات جسدی کے منافی نہیں ہے، پس نمائندگان اشاعۃ التوحید کا اس کو اپنے مدعا پر بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

تفصیل مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ ''المہند'' کی عبارت بالکل صحیح ودرست ہے اور قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ اور عبارات اکابر

''المہند علی المفند'' میں حیات النبی ﷺ کے متعلق جو عقیدہ لکھا ہے اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ اس سلسلہ کی بعض عبارات ذیل میں پیش خدمت ہیں: ''حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورہم احیاء عند ربہم وان لارواحہم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فہم بحسب القلب عرشیون باعتبار القالب فرشیون'' (شرح شفا ج ۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را در وے خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' (اشعۃ اللمعات ج ۱)

علامہ نورالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تیسیرالقاری شرح بخاری میں ارقام فرماتے ہیں: قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم السلام بعد از ذاقت موت زندہ بحیات دنیوی'' (ج ۳ ص ۲۶۲)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین خان دہلوی ''مظاہر حق'' میں لکھتے ہیں:
''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔'' (ج ا ص ۴۴۳)

حجۃ الاسلام حضرت قاسم العلوم والخیرات فرماتے ہیں: انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔ (لطائف قاسمی ص ۳)

حضرت قطب عالم ابوحنیفۂ وقت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں نبی اللہ حی یرزق اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالامزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸)

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ''بذل المجہود'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورہم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابہا'' (ج ۲ ص ۱۱۷)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یریدبقولہ ''الانبیاء احیاء'' مجموع الاشخاص لاالروح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں: ''ولایتوہم من ہذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقا علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقا بہ'' (ج ۳ ص ۴۲۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خودنوشت سوانح ''نقش حیات'' میں بغیر تعلق روح فقط جسم نبوی کے محفوظ ہونے کا قائل مجدی فرقے کو قرار دیا ہے اور حضرات اکابر علماء دیوبند کو نہ صرف یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور روح و جسم کے درمیان تعلق کا قائل بتلایا ہے بلکہ ان حضرات کو اس کا ثابت کرنے والا اور بڑے زور و شور سے اس پر دلائل قائم کرنے والا فرمایا ہے۔ (نقش حیات ج ا ص ۱۰۳)

مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:
''جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی حیات برزخی روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں...... صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں جمہور اہل سنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے جو عقیدہ جمہور اہل سنت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (الصدیق ملتان جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ)

مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو ''المہند'' میں بالتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء بجسد عنصری زندہ

ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیو بند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔'' (الصدیق ج ا، ۱۳۷۸ھ)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن سابق مفتی دارالعلوم دیو بند ارقام فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ اپنی مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہوکر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔'' (الصدیق ملتان)

شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ارقام فرماتے ہیں: ''تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عام مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۷۸)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رسالہ فضائل درود شریف میں فرماتے ہیں: اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک دونوں پر پیش ہوتا ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ''المہند'' میں تحریر کردہ عقیدہ تمام اسلاف اور اخلاف علماء دیو بند کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا عظیم کارنامہ

کتاب ''المہند'' عقائد علماء دیو بند ۱۳۲۵ھ میں تحریر کی گئی تھی اس وقت جو اکابر موجود تھے، ان سب نے اس کے مندرجات کی تائید اور توثیق فرمائی، ضرورت تھی کہ اس میں مندرج عقائد اور مسائل کی تائید و تصدیق کا سلسلہ آگے بھی بڑھے کہ بعد کے حضرات پہلوں کی تصدیق کر کے یہ ثابت کر دیں کہ یہ عقائد صرف ہمارے سلف ہی کے نہیں تھے بلکہ خلف بھی یہی عقائد رکھتے ہیں اور اخلاف اس بارہ میں اپنے اسلاف کے پیرو اور متبع ہیں نہ کہ مبتدع اور یہ نعم الخلف لنعم السلف کا صحیح مصداق ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر حضرت والد ماجد فقیہ وقت یادگار سلف مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے اصل کتاب ''المہند'' کو سامنے رکھتے ہوئے حضرات اکابر کے جواب کو بطور عقیدہ اردو عبارت میں تحریر فرمایا۔ کتاب ''المہند'' کی اس طرح تلخیص فرمائی کہ اصل عبارت کا مفہوم محفوظ رہے اور بعض وہ مسائل جن کی ضرورت نہ تھی انہیں حذف کر کے بعض اہم عقائد کا اضافہ کر دیا جائے اور ان کے دلائل بھی لکھ دیے جائیں۔

چنانچہ ۱۳۸۸ھ میں آپ نے ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ المعروف بہ عقائد علماء دیو بند'' کے نام سے ''المہند'' کا خلاصہ تیار فرما دیا۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پر اسی دور کے اکابر کی تائید و تصدیق لی جائے، اس حوالہ سے حضرات اکابر علماء دیو بند سے رابطہ اور ان سے اس رسالہ پر تصدیق کا حصول آسان کام نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ اس وقت کے ناظم اعلیٰ مرکز مجلس تحفظ ختم نبوت مخدوم العلماء مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس مرحلہ کو حل فرمایا۔ حضرت جالندھری نے اکثر حضرات کی تصدیق وفاق المدارس کے سالانہ اجتماع منعقدہ ملتان میں حاصل فرمائی، جبکہ بعض اکابر کی تصدیق کے لیے ان سے رابطہ فرما کر ان کی جائے قیام سے ان کی تصدیق حاصل کی، بعض بزرگوں سے حضرت والد ماجد نے خود بھی تصدیق لکھوائی۔ یوں یہ رسالہ علماء دیو بند کے جید علماء کرام کی تصدیق و توثیق سے مزین ہوا۔

ان حضرات اکابر رحمہم اللہ میں اس دور کے ان حضرات کے اسماء گرامی نمایاں ہیں:

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا عبدالحق صاحب، حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ!

حضرت جالندھری رحمہ اللہ نے اس کے بعد یہ رسالہ ''عقائد علماء دیوبند'' پہلی مرتبہ اپنی جماعت مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی طرف سے ۱۹۶۹ء میں شائع فرما کر ملک بھر میں پھیلایا، جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء!

حضرت جالندھری رحمہ اللہ کا یہ بہترین صدقہ جاریہ اور جماعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا یہ عظیم کارنامہ ہے، جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

ان عقائد حقہ اور کتاب ''المہند'' اور اس کے خلاصہ پر بعد کے حضرات علماء کرام کی تائید کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اس دور کے حضرات سے تصدیق لی گئی، اور پھر جب احقر نے ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں اس رسالہ کی تلخیص کی اس وقت سے اب تک کے حضرات اکابر سے اس پر تائید وتصدیق کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح کتاب ''المہند'' پر حضرت اقدس سہارنپوری اور حضرت شیخ الہند قدس سرہما سے لے کر موجودہ دور کے تمام اکابر تک کی تائید وتصدیق موجود ہے، اس طرح یہ واحد ہے جس پر سوا سو سال سے علماء دیوبند متفق چلے آرہے ہیں۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت واضح ہے۔ بعض دیگر اہم عقائد کے علاوہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ بھی اس میں موجود ہے، جس کی اصل عبارت ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

''المہند'' کی تالیف کے زمانہ سے لے کر آج تک سب علماء دیوبند کا اس عقیدہ پر اتفاق چلا آرہا ہے۔ جو حضرات اس عقیدہ میں علماء دیوبند اور ''المہند'' سے اختلاف رکھتے ہیں، واضح بات ہے کہ وہ علماء دیوبند کے مخالف ہیں اور علماء دیوبند کا مسلک بالکل وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی الگ ہیں۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں، سلف اور جمہور علماء امت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبند ہے، جو عقیدہ جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان: ۱۳۷۸ھ)

عقیدہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور اکابرین خاندان عثمانی

انبیاء کرام علیہم السلام اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا عقیدہ جمہور اہل السنۃ کے مسلمہ عقائد میں سے ہے، اس کی تفصیل اور دلائل کتاب ھذا میں اپنے مقام پر ذکر کر دیے گئے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل السنۃ کے نزدیک تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مطہرہ میں حیات ہیں اور ان کی یہ حیات روح مبارک کے تعلق سے انہی اجسام مطہرہ میں ہے جو قبور میں محفوظ ہیں، اسی وجہ سے اس حیات کو حیات دنیویہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ حیات مکمل طور پر ہرگز دنیوی حیات کی طرح اور تکلیفی حیات نہیں ہے۔

علماء دیوبند جمہور اہل السنۃ کی طرح مفتی اعظم پاکستان حضرت سیدی مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ اور سیدی شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ تمام اکابر کی طرح یہ بزرگ اور اکابر بھی عالم برزخ میں دنیوی جسد اطہر ہی میں بہ تعلق روح حیات کے قائل

ہیں، ان حضرات میں سے کسی ایک بزرگ کا بھی یہ عقیدہ نہیں کہ قبر اطہر میں جسد اطہر بغیر حیات کے صرف محفوظ ہے اور اس میں حیات نہیں، یا اس میں بغیر تعلق روح کے حیات ہے، جیسا کہ منکرین حیات کا عقیدہ ہے، حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کا عقیدہ بھی بالکل وہی ہے جو "المہند" میں مرقوم ہے جیسا کہ "المہند" کے خلاصہ پر ان کی مفصل تحریر اور ماہنامہ "الصدیق" ملتان ج ۱، ۸، ۷ ۱۳۷ھ میں شائع شدہ آپ کے فتویٰ اور دیگر تحریرات سے واضح ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ کی عبارات

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "اس مسئلے میں صرف اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو برزخ میں خاص قسم کی حیات نصیب ہوتی ہے، جس کا اثر بدن تک پہنچتا ہے کہ بدن بھی مٹی سے متاثر نہیں ہوتا، باقی اس کی حقیقت اور کیفیت کی بحث، نہ اللہ اور رسول نے اس (کی) تحقیق کرنے کا حکم دیا نہ ہمارے ذمہ (ہے)، نہ اس میں بحث کرنا کوئی دین کی خدمت ہے۔" ۸/۶/۸۲ ۱۳ھ (امداد المستفتین ج ۱ ص ۳۸۹)

ماہنامہ الصدیق کی عبارت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومنا المحترم دامت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوالات کے جواب سے پہلے یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں پہلے بھی میری تحریر کا منشأ کچھ زیادہ مبہم نہ تھا مگر تعمیل ارشاد کے لئے مزید توضیح عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

۱...... میرے نزدیک عوام کا یہ اجمالی عقیدہ کہ "حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں" ان کے ایمان اور نجات کے لئے کافی ہے، ان کے ذہنوں کو اس کی تفصیلات میں الجھانا مناسب نہیں خصوصاً ایسے زمانے میں کہ ہمارے عوام کو اسلام کے ضروری احکام فرائض و واجبات اور حلال وحرام تک کی خبر نہیں اور ان کو کسی واقعی مجبوری یا غفلت کی بنا پر ان ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کی فرصت بھی نہیں۔ ہمارے لئے یہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہ ہوگی کہ ہم ان کو ضروری احکام دین بتلانے کی بجائے اس مسئلے کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھائیں جس بزرگ یا جس عالم نے عوام میں یہ بحث پیدا کردی ہے میرے نزدیک کوئی ثواب کا کام نہیں کیا اور آئندہ بھی اگر اس بحث کے کچھ اختلافی پہلو ہیں تو علماء کو چاہئے کہ صرف کسی علمی مجلس میں بیٹھ کر ان کو سلجھائیں عوام میں اس بحث اور اختلاف کی اشاعت تقریراً یا تحریراً کرنا سوائے مفاسد کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا، اس لئے پچھلے جواب میں احقر نے قصداً مسئلے کی تفصیل وتنقیح سے گریز کیا تھا اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے آیا اور ایک علمی رنگ میں آیا تو اپنی معلومات پیش کرتا ہوں۔

۲...... جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ان کی حیات برزخی کے کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی

ہیں مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا۔

متقدمین میں امام بیہقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لئے کافی ہے جن میں روایات حدیث پوری تنقیح کے ساتھ درج ہیں، بیہقی نے فرمایا: وَلِحَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ بَعْدَ الْمَمَاةِ شَوَاهِدُ مِنَ الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آئی ہے روح پر نہیں اس لئے حیات بعد الموت وہی ہوسکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔ اور ''شفاء السقام'' میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے لکھا ہے، اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے: ''وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْعُلَمَاءِ وَشَهِدَ لَهُ صَلٰوةُ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ قَبْرِهٖ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ يَسْتَدْعِيْ جَسَدًا حَيًّا وَكَذٰلِكَ الصِّفَاتُ الْمَذْكُوْرَةُ فِي الْاَنْبِيَاءِ لَيْلَةَ الْاِسْرَاءِ كُلُّهَا صِفَاتُ الْاَجْسَامِ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِهَا حَقِيْقِيَّةً اَنْ تَكُوْنَ الْاَبْدَانُ مَعَهَا كَمَا كَانَتْ فِي الدُّنْيَا مِنَ الْاِحْتِيَاجِ اِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَالْاِمْتِنَاعِ عَنِ النُّفُوْذِ فِي الْحِجَابِ الْكَثِيْفِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْاَجْسَامِ الَّتِيْ نُشَاهِدُهَا بَلْ قَدْ تَكُوْنُ لَهَا حُكْمٌ اٰخَرُ فَلَيْسَ فِي الْعَقْلِ مَا يَمْنَعُ مِنْ اِثْبَاتِ الْحَيَاةِ الْحَقِيْقِيَّةِ لَهُمْ'' (شفاء السقام سبکی ص ۱۴۳)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: ''فَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَنَّهَا حَيَاةٌ حَقِيْقِيَّةٌ، وَاَنَّ الشُّهَدَاءَ اَحْيَاءٌ حَقِيْقَةً وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ لٰكِنْ هَلْ ذٰلِكَ لِلرُّوْحِ فَقَطْ اَوْ لِلْجِسْمِ مَعَهَا فِيْهِ قَوْلَانِ''

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لئے نہیں بلکہ جسد کے لئے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لئے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہے تو انبیاء کی حیات کچھ اس سے اعلیٰ واقویٰ ہی ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیو بند کا ہے۔

۳، ۴...... مسئلۂ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آچکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیو بندیت کوئی مستقل مذہب نہیں سلف اور جمہور اہل سنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیو بندیت ہے، جو عقیدہ جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیو بندیت کے بھی خلاف ہے۔

میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِلسَّدَادِ!

آخر میں پھر عاجزانہ التماس ہے کہ حیات انبیاء کے تفصیلی درجات کی خالص علمی بحث کو علمی دائروں میں ہی رکھا جائے عوام میں نفیاً یا اثباتاً اس بحث کو ڈالنا نہ ان کے لئے کوئی خیر خواہی ہے اور نہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت ہے، جو بحث کسی طرح سے رسالوں میں یا اشتہاروں کی صورت میں چل چکی ہے اس کو وہیں ختم کر کے اگر ہمت کرتا ہے تو کسی علمی مجلس میں مشافہۃً بحث کر لی جائے۔ والسلام

بندہ محمد شفیع غفرلہ دارالعلوم کراچی ۱۴/۴/۷۸ھ

(نشان مہر) نمبر ۶۴ ج/۲ دارالعلوم کراچی ۲۰/۴/۷۸ھ

(ماہنامہ ''الصدیق''، ملتان، جمادی الاولی ۱۳۷۸)

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی عبارات

۱...... رسالہ عقائد علماء دیوبند پر تصدیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بندہ عاجز نے حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحب دامت برکاتہم کے رسالے ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ'' کا اکثر حصہ بغور حرفاً حرفاً سنا اور باقی کا خود مطالعہ کیا، اس طرح بحمد اللہ اس عظیم النفع رسالے سے اول تا آخر استفادے کا موقع ملا۔

اس رسالے میں اہل السنۃ والجماعۃ کے وہ عقائد بیان کئے گئے ہیں جن سے پوری واقفیت نہ ہونے کے باعث اس زمانے میں عام طور پر افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف دامت برکاتہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان عقائد کو ہر قسم کی افراط وتفریط سے دامن بچاتے ہوئے، پوری سلامت روی کے ساتھ اکابر علماء امت کی تصریحات کے مطابق نقل فرمادیا ہے۔

اس رسالے سے یہ حقیقت بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ ان مسائل میں بھی علماء دیوبند کے عقائد بعینہ وہی ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کی مستند اور مسلمہ کتابوں میں صدیوں سے نقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ جو شخص علماء دیوبند کے عقائد جاننا چاہے، اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ اور خصوصاً فقہاء حنفیہ کی مستند اور مسلمہ کتابوں کا مطالعہ کرلے۔ جو کچھ ان کتابوں سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے وہی علماء دیوبند کے عقائد ہیں۔

مؤلف دامت برکاتہم نے ہر عقیدے کے آخر میں اُس کے ماخذ کا حوالہ بھی درج فرمادیا ہے۔ بیشتر عقائد مشہور ومعروف کتاب ''المہند علی المفند'' سے نقل فرمائے ہیں، جو اس موضوع پر اکابر علماء دیوبند کی مستند ترین دستاویز ہے، بندۂ ناچیز نے اپنے استفادے کے لیے ایسے تمام عقائد کا بیان خود ''المہند'' میں بھی نکال کر بغور پڑھا اور سنا، اور سب کو مطابق اصل پایا۔ ''المہند'' کے بیشتر مسائل اس رسالے میں کہیں تفصیل سے اور کہیں اختصار کے ساتھ آگئے ہیں۔ اس طرح یہ رسالہ بحمد اللہ ''المہند'' کا بھی ایک مستند خلاصہ بن گیا ہے۔ اس رسالہ میں کچھ عقائد علماء اہل السنۃ والجماعۃ کی دیگر مستند اور مسلمہ کتابوں اور فتاوٰی سے بھی لیے گئے ہیں، جن کا حوالہ ساتھ درج کردیا گیا ہے۔

اس بابرکت رسالے کی وقعت واہمیت کے لیے یہی سند کافی ہے کہ اس کا اصل ماخذ ''المہند علی المفند'' ہے، اور اصل کی طرح یہ بھی اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات سے مزین ہے۔ لہٰذا بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی ان عقائد سے اختلاف رکھتا ہے تو ان مسائل میں اُس کے عقائد مسلک علماء دیوبند کے مطابق نہیں۔ واللہ علی ما نقول وکیل!

بندہ ناچیز محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

۲۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ ۷ر مارچ ۱۹۸۶ء جمعۃ المبارک

۲...... حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ اور کتاب ''المہند''

''کتاب ''المہند'' اپنے موضوع پر علماء دیوبند کی مستند ترین دستاویز ہے، اس میں جو عقائد علماء دیوبند کے تحریر کئے گئے ہیں وہ مسلک دیوبند کے عین مطابق ہیں جو شخص ان عقائد سے اختلاف رکھتا ہے ان مسائل میں ان کے عقائد مسلک دیوبند کے مطابق نہیں ہیں۔ سماع النبی ﷺ فی قبرہ الشریف اور مسئلہ توسل کے متعلق بھی جو عقیدہ کتاب ''المہند علی المفند'' میں بیان کیا گیا ہے وہی ہمارا اور تمام اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ہے اور ہمارے نزدیک وہی درست ہے، اس کے خلاف کا عقیدہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک درست نہیں۔'' ۱۳۹۶/۱۰/۳ھ

(فتاویٰ دارالعلوم کراچی، امداد السائلین، ج ۱ ص ۲۵۵)

۳...... انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ برزخی

''انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی ہے لیکن یہ حیات برزخی عام مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے اس میں روح کا رشتہ جسد کے ساتھ اتنا زیادہ قوی رہتا ہے کہ اسے حیات دنیویہ کے ساتھ بہت قرب ہے اور اس کی بنا پر ان پر مطلقاً احیاء کا اطلاق کیا جاتا ہے، اسی لیے انبیاء علیہم السلام کی نہ میراث تقسیم ہوتی ہے، نہ ان کی ازواج مطہرات سے بعد میں کوئی نکاح کر سکتا ہے...... اور انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا بظاہر اجساد کے ساتھ ہی ہے۔'' (امداد السائلین)

سیدی حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی تحقیق اور عقیدہ بھی بالکل وہی ہے جو اہل السنۃ والجماعۃ اور علماء دیوبند کا عقیدہ ہے، چنانچہ ''تکملہ فتح الملہم'' ج ۶ اور ''فتاویٰ عثمانی'' ج ۵ دیکھنے سے واضح ہے۔

وضاحت: واضح رہے کہ ان اکابر کا ذوق فروعی مسائل سے متعلق ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ بغیر ضرورت ان کا ذکر نہ ہو، نیز ان میں اشتغال وانہماک اور قیل وقال یا مناظرہ بازی نزاع اور جھگڑا ہرگز مناسب نہیں اور نہ ہی ان میں حد سے زیادہ غور وخوض اور غیر ضروری تفصیلات میں الجھاؤ مناسب ہے۔

اسی لیے ان بزرگوں نے بوقت ضرورت اس طرح کے سوالات کے جواب میں اکثر بقدر ضروری جواب پر ہی اکتفا فرمایا ہے ورنہ اس مسئلہ میں بھی ان کا اپنا مسلک اور عقیدہ بالکل اسی تفصیل کے مطابق ہے، اکابر علماء دیوبند اور اہل السنۃ جس کے قائل ہیں۔ ان بزرگوں نے حکمت مصلحت اور مقتضائے حال کے مطابق مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام سے متعلق اپنے بعض بیانات اور فتاویٰ یا تحریرات میں جس اجمال کا ذکر فرمایا ہے اس کا منشا بھی یہی تھا کہ ان جیسے مسائل میں بحث ومباحثہ، غور وخوض اور تفصیل میں عوام کا الجھنا مناسب نہیں۔

لیکن افسوس! کہ منکرین حیات نے اس اجمال کی وجہ سے ان حضرات کو اپنے عقیدہ کا حامل اور تائید کنندہ قرار دینا شروع کر دیا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، جیسا کہ مسئلہ ھٰذا میں ان اکابر کی مندرجہ ذیل تصریحات کے دیکھنے سے واضح ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی عبارات

''ان الاصل فی ھذہ المسئلۃ قول اللہ تبارک وتعالیٰ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون۔ ولما ثبتت الحیاۃ للشہداء ثبتت للانبیاء علیہم السلام بدلالۃ ھذا النص لان مرتبۃ

الانبیاء اعلیٰ من مرتبة الشهداء بلاریب یقول الشوکانی فی نیل الاوطار(آداب الجمعة ۲۱۱/۳) وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیہم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین۔" (تکملہ ج ۵ ص ۲۸)

حدیث پاک: ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء سے متعلق تحریر فرماتے ہیں: "وان ذکر بقاء جسدہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ فی سیاق عرض الصلاۃ علیہ یدل علی ان لروحہ المبارکۃ تعلقاً بجسدہ وان عرض الصلاۃ یکون علی مجموع جسدہ وروحہ والا لما کان لذکر الجسد فی الجواب معنی" (ج ۵ ص ۲۹)

مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "وبالجملۃ فان ہذہ الاحادیث مع حدیث الباب تدل علی کون الانبیاء احیاء بعد وفاتہم وہو من عقائد جمہور اہل السنۃ والجماعۃ ۔۔۔ وانما المقصود حیاتہم بمعنی ان لارواحہم تعلقاً قویاً باجسادہم الشریفۃ المدفونۃ فی القبور وبہذا التعلق القوی حدثت لاجسادہم خصائص کثیرۃ من خصائص الاحیاء مثل سماع السلام وردہ واشتغالہم بالعبادۃ وما الی ذلک من الخصائص المنصوصۃ" (ج ۵ ص ۳۰)

"والذی یتحصل بالنظر فی النصوص ان الموت وان کان عبارۃ عن مفارقۃ الروح للجسد ولکن یبقی للروح بعد الموت علاقۃ ما بالجسد الذی فارقتہ وبہذہ العلاقۃ یتألم الجسد بعذاب القبر ویتنعم بنعیم البرزخ علی ما ذہب الیہ جمہور اہل السنۃ من ان عذاب القبر یقع علی الجسد مع الروح وہو المراد من اعادۃ الروح الی الجسد عند السوال فی القبر وعند التعذیب الخ۔" (ص ۳۱)

روح کا یہ تعلق قبر میں موجود جسم سے ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ کسی سے یہ تعلق قوی ہے، کسی سے ضعیف اور کسی سے اقوی چنانچہ عام ارواح کے ساتھ یہ تعلق بہت ضعیف ہوتا ہے، جبکہ شہداء کے اجساد کے ساتھ یہ تعلق بہ نسبت عام موتی کے قوی ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں: "حتی ان الارض لا تأکل اجسادہم فاطلق القرآن علیہم اسم الاحیاء ولو کان المراد حیاتہم البرزخیۃ والروحیۃ فقط لما کان بینہم وبین الآخرین فرق وانما الفرق بینہم وبین سائر الموتی ان لارواحہم تعلقاً قویاً بالاجساد فحیاتہم جسمانیۃ بہذا المعنی۔"

رہا معاملہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تو ان کی ارواح طیبہ کا تعلق ان کے اجساد کے ساتھ سب سے زیادہ قوی ہوتا ہے، اسی لیے شہداء کرام اور انبیاء کرام کی حیات کو حیات جسمانیہ حقیقیہ کہا جاتا ہے، حیث قال: "واما الانبیاء علیہم السلام فعلاقۃ ارواحہم باجسادہم الشریفۃ اقوی العلاقات التی تتصور فی انسان بعد طریان الموت علیہ وان ہذہ العلاقۃ القویۃ قد اثرت علی بعض احکامہ الدنیویۃ ایضاً الخ۔" (ص ۳۱)

"فالحیاۃ الجسمانیۃ حقیقیۃ کلیۃ تطلق علی عدۃ مدارج من تعلق الروح بالجسد بعضہا اقوی من بعض وما ثبت للانبیاء والشہداء بعد وفاتہم انما ہو حیاۃ جسمانیۃ حقیقیۃ لثبوت کثیر من خصائص الحیاۃ السابقۃ علی الموت ولکنہا تفارق ہذہ الحیاۃ الدنیویۃ التی کانت ثابتۃ لہم قبل وفاتہم فی کثیر من الاحکام، وحاصل ہذہ الحیاۃ الجسمانیۃ الحقیقیۃ تعلق الروح بالجسد تعلقاً قویاً یفرق التعلق

الذی حصل لغیرھم من الموتی۔۔۔اعتیاف فمن لھذا القدر الثابت بالنصوص وفوض کنھہ الی اللہ تعالیٰ سلمت عقیدتہ ان شاء اللہ۔'' (ص ۳۲)

وکذٰلک انکار ھذہ العلاقۃ بین الروح والجسد التی ثبتت بالنصوص المتکاثرۃ التی لا مجال لانکارھا زیغ ومکابرۃ ولا یجوز لاحد من العلم والانصاف ان ینکرھا صریحاً۔ (ص ۳۲)

فالحقائق التی یجب الاعتراف بھا بمقتضی النصوص ھی کالتالی:

۱...... ان لارواح الانبیاء الشریفۃ بعد وفاتھم تعلقاً قویاً باجسادھا۔

۲...... وان ھذا التعلق اقویٰ بکثیر من تعلق ارواح غیرھم من الموتیٰ باجسادھم۔

۳...... وبفضل ھذا التعلق حدث لھم من خصائص الحیاۃ السابقۃ علی وفاتھم ما قد علمہ بالنصوص۔

۴...... وان ھذا التعلق القوی یصح التعبیر عنہ بالحیاۃ وعن اصحابہ بالاحیاء کما ورد فی النصوص۔

۵...... وان ھذہ الحیاۃ الحاصلۃ لھم بعد وفاتھم لیست الحیاۃ الدنیویۃ بعینھا او بجمیع خصائصھا بل ھی مثل الحیاۃ الدنیویۃ فی بعض خصائصھا المنصوصۃ جزماً وفی بعضھا احتمالاً۔

ومادام الانسان یعترف بھذہ الحقائق فانہ موافق لعقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ ولا حاجۃ الی الخوض فی تفاصیلھا باکثر مما ذکرنا، واللہ سبحانہ اعلم! (ج ۵ ص ۳۳)

تکملہ فتح الملہم کے اقتباسات کا ترجمہ

اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون۔ایک بنیاد اور اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور جب شہداء کرام کے لیے اسی آیت قرآنی کی وجہ سے حیات ثابت ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو بلاشبہ شہداء سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں اس نص کی دلالت سے ان کی حیات بھی اس سے ثابت ہے۔

امام شوکانی ''نیل الاوطار''، آداب الجمعہ ج ۳ ص ۳۱۱ میں فرماتے ہیں، کتاب اللہ میں شہداء کی حیات سے متعلق نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات ان کے جسد سے متعلق ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ کا کیا حال ہوگا (جن کا درجہ ان سے کہیں زیادہ ہے)۔ (تکملہ: ج ۵ ص ۲۸)

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کے کھانے کو حرام کر دیا۔اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: ''صلاۃ وسلام پیش کرنے کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انبیاء کرام کے اجساد کے باقی رہنے کا ذکر اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارکہ کا آپ کے جسد اطہر سے تعلق ہے اور صلاۃ وسلام روح اور جسد اطہر دونوں پر پیش ہوتے ہیں ورنہ جواب میں جسد کی حفاظت اور بقاء کے ذکر کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔'' (ج ۵ ص ۲۹)

مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام سے متعلق احادیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''حاصل یہ کہ مذکورہ احادیث اور حدیث باب اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد زندہ ہیں اور یہ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد میں سے ہے (لیکن اس حیات سے مراد بالکل دنیا والی حیات نہیں ہے)۔۔۔ بلکہ اس حیات سے مقصود یہ ہے کہ

انبیاء کرام علیہم السلام کے جو اجسام ان کی قبور میں محفوظ ہیں ان سے ان کی ارواح مبارکہ کا قوی تعلق ہے، اس قوی تعلق کی وجہ سے ان کے اجسادِ شریفہ میں زندہ حضرات کی بہت سی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں، جیسے صلاۃ وسلام کا سننا اور اس کا جواب عنایت فرمانا اور عبادات میں مشغول ہونا، اسی طرح دوسرے خصائص جو منصوص ہیں۔ (ج ۵ ص ۳۰)

نصوص یعنی قرآن اور احادیث طیبہ میں غور کے بعد جو کچھ حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ موت اگرچہ روح کے جسم سے علیحدگی کا نام ہے، لیکن موت کے بعد روح کا اس جسم سے کچھ نہ کچھ تعلق باقی رہتا، اسی تعلق روح کی وجہ سے جسم عذاب قبر سے تکلیف اور برزخ کی راحت سے راحت کو محسوس کرتا ہے، جیسا کہ جمہور اہل السنۃ کا مذہب ہے کہ قبر کا عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے، قبر میں سوال اور عذاب کے وقت روح کے جسم کی طرف لوٹنے کا یہی مطلب ہے، یہاں تک کہ زمین ان کے جسموں کو نہیں کھاتی، پس قرآن کریم نے (بھی) انہیں زندہ کہا اور اس حیات سے شہداء کی برزخیہ یا فقط روحانی حیات مراد ہوتی تو ان کی اور دوسرے عام اموات کی حیات میں کوئی فرق نہ رہتا، بے شک ان کی اور دیگر عام موتی کی زندگی میں یہی فرق ہے کہ ان کی ارواح کا ان کے اجسام کے ساتھ قوی تعلق ہے، اس اعتبار سے ان کی حیات جسمانی ہے۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام پس ان کے اجساد مبارکہ سے ان کی ارواح طیبہ کا تعلق ان تمام تعلقات سے جو موت کے طاری ہونے کے بعد کسی بھی انسان کے ساتھ ہو سکتے ہوں ان سب سے قوی ہے، اور یہ قوی تعلق بعض دنیوی احکام پر بھی اثر انداز ہے۔

حیات جسمانی ایک کلی حقیقت ہے، روح کے جسم کے ساتھ تعلق کے جو درجات ہیں ان پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور وہ تعلق ایک درجہ کا نہیں بلکہ ایک دوسرے سے قوی ہے، انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء کی وفات کے بعد ان کی حیات جسمانی اور حقیقی ہے، کیونکہ موت سے پہلے کے زندگی کے بہت سے خصائص ان کے لیے ثابت ہیں لیکن ان کی یہ دنیوی حیات بہت سے احکام میں اس حیات سے مختلف ہے، جو انہیں وفات سے قبل حاصل تھی۔

اس حیات جسمانی حقیقی کا حاصل یہ ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے، جو اس تعلق سے قوی ہے جو عام موتی کو حاصل ہوتا ہے۔ پس جو شخص نص سے ثابت اس حیات کا قائل ہو اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، ان شاء اللہ اس کا عقیدہ صحیح سالم ہے۔ (ص ۳۲)

اسی طرح روح اور جسد کے ساتھ اس تعلق کا انکار (جو بہت سے ایسے نصوص سے ثابت ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں) گمراہی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اہل علم اور اہل انصاف کے لیے اس کا انکار جائز نہیں ہے۔ (ص ۳۲)

پس نصوص کے تقاضہ کے مطابق جن حقائق کا اعتراف ضروری ہے وہ اس طرح ہیں:

۱...... وفات کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ کا ان کے اجساد سے قوی تعلق ہے۔

۲...... دوسرے موتی کے اجساد کے ساتھ ان کی ارواح کا جو تعلق ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ سے ان کی ارواح طیبہ کا تعلق ان سے قوی ہے۔

۳...... اس تعلق کی بدولت وفات سے قبل ان کی حیات طیبہ کی خصوصیات ان کے لیے ثابت ہیں جو نصوص سے ثابت ہیں۔

۴...... اور اس قوی تعلق کو حیات اور جن حضرات کے اجسام سے روح کا یہ تعلق ہے انہیں زندہ سے تعبیر کرنا صحیح ہے، جیسا کہ نص میں وارد ہے۔

وفات کے بعد انہیں جو حیات حاصل ہے، بعینہا یہ دنیوی حیات نہیں، نہ دنیوی حیات کی تمام خصوصیات اس حیات میں پائی جاتی ہیں بلکہ بعض خصائص منصوصہ پائے جانے کے اعتبار سے یقیناً اسے دنیوی حیات کے مثل کہا جائے گا اور بعض خصائص کی وجہ سے احتمالاً اور جب تک انسان ان حقائق کا اعتراف کرتا رہے گا تو اس کا عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہوگا، جو تفصیلات ہم نے ذکر کر دی ہیں اس سے زیادہ میں غور وخوض کی ضرورت نہیں ہے۔ (ج ۵ ص ۳۳)

تکملہ فتح الملہم میں جب حیات الانبیاء علیہم السلام کا مسئلہ آیا تو حضرت شیخ الاسلام نے اسے قدرے تفصیل سے تحریر فرمایا۔ یہ بحث ''تکملہ'' کی پانچویں جلد سے متعلق تھی۔ تکملہ کی پانچویں جلد بالکل تیار تھی اور وہ پریس میں جارہی تھی کہ حضرت شیخ الاسلام جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے جلسہ پر تشریف لائے، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے آپ نے فرمایا کہ ''تکملہ'' میں حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ میں لکھ چکا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے کہ ایک نظر آپ بھی اس پر ڈال لیں تا کہ اگر کوئی غلطی ہوئی تو طباعت سے قبل ہی تصحیح ہو جائے، ورنہ طباعت کے بعد بھی آپ اس پر ضرور گرفت فرمائیں گے۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ آپ یہ بحث بھیج دیں میں دیکھ لوں گا، چنانچہ رمضان المبارک کے مہینہ میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہم نے ''تکملہ'' کے متعلقہ صفحات ارسال فرمائے، حضرت والد صاحب نے انہیں بامعان نظر ملاحظہ فرما کر کئی مقامات پر توضیح وایضاح کے لیے حواشی تحریر فرمائے، اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی تصحیح فرما کر مسودہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کو بھیج دیا، اس پر حضرت کا شکریہ کا خط آیا اور ایک مقام جس کی حضرت والد صاحب نے تصحیح فرمائی تھی اسے اصل کتاب میں شامل فرما لیا گیا۔ یوں ''تکملہ'' کی یہ ساری بحث حضرت والد صاحب کی بھی مصدقہ ہے۔ فیصل آباد کی اسی ملاقات پر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت شیخ الاسلام سے جب اپنی کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کے مطالعہ سے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: ''آپ کی کتاب میں نے دو مرتبہ پڑھی ہے، آپ نے ان (منکرین حیات) کو گھر تک پہنچا دیا ہے۔''

مفتی محمود اشرف عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت کی توضیح

اس بحث کے تتمہ کے طور پر عرض ہے کہ اصل عربی کتاب ''المہند'' پر جب جناب مولانا محمد بن آدم الکوثری مدظلہ نے تحقیق وتعلیق کا کام کیا تو انہوں اس کتاب پر حضرت مولانا مرحوم سے بھی تقریظ لکھوائی مولانا محمد بن آدم الکوثری حفظہ اللہ نے کتاب کا نام ''مباحث فی عقائد اہل السنۃ المسمی المہند علی المفند'' رکھا مکتبہ دارالعلوم کراچی نے اسے ۱۴۳۳ھ میں شائع کیا اس پر حضرت مولانا نے تقریباً تین صفحات پر مشتمل اپنی رائے گرامی تحریر فرمائی ہے جس میں مولانا محمد بن آدم الکوثری کی خدمات کو سراہتے ہوئے کتاب ''المہند'' کے متعلق دو اہم نکات کو ذکر فرمایا ہے: ''ایک یہ کہ ''المہند'' درحقیقت عقائد کی کوئی مستقل کتاب نہیں اور نہ ہی حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے یہ کتاب مستقلاً عقائد کے موضوع پر تحریر فرمائی ہے بلکہ عرب کے علماء کرام کے سوالات کے جواب کے

طور پر لکھی گئی ہے اور ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع ہوئی لیکن اکثر جوابات کا تعلق عقائد سے بلکہ صحیح تعبیر کے مطابق ایسے فروعی مسائل سے تھا جو عقائد اور علم کلام سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے یہ کتاب ''عقائد'' کے نام سے مشہور ہوگئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل علم کلام کے فروعی مسائل سے متعلق ہیں نہ کہ اصول اور عقائد قطعیہ سے'' اسی لئے اگر کوئی مسلمان ان عقائد میں کسی چھوٹے یا بڑے مسئلہ کو نہیں جانتا تو اس کے ایمان واسلام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔اصل عربی عبارت یہ ہے:

''ھٰذا ومما ینبغی ان یعلم القاری نقطتین مھمتین فی صدد ھٰذا الکتاب:۔''

''الاولٰی:ان ھٰذا الکتاب اسمہ''المھند علی المفند''وانہ وان اشتھر فی بعض اوضاع الھند وباکستان ب''عقائد اہل السنة والجماعة''اوب''عقائد علماء دیوبند''فانہ فی الحقیقة لیس کتاباً مستقلاً للعقائد،ولا کتبہ مؤلفہ الشیخ الفاضل الفقیہ المحدث خلیل احمد السہارنفوری رحمہ اللہ تعالٰی ککتاب مستقل فی العقیدة۔وانما ھو مجموع اجوبة عن اسئلة تسأل بھا علماء العرب اذ ذاک،فاجاب الشیخ بھٰذہ الاجوبة،وقد جمعت ھٰذہ الاسئلة والاجوبة فی کتاب،وطبع باسم''المھند علی المفند''

''ولما کانت ھٰذہ الاجوبة اکثرھا یتعلق بالعقائد، وبالتعبیر الصحیح کانت تتعلق بالفروع التی تتعلق بالعقائد وعلم الکلام،اشتھرت ب((العقائد))، والحق ان اغلبیتھا تتعلق بالفروع الکلامیة لا بالاصول والعقائد القطعیة،ولذا لو لم یعرف مسلم بعضھا اوجلھا لا یقع فی اسلامہ وایمانہ ای خلل۔۔۔ولذا الافضل ان لا یسمی ھٰذا الکتاب باسم ((عقائد اھل السنہ والجماعة))وانما ھو احریٰ ان یسمی ب((مسلک اھل السنة والجماعة))۔''

اسی وجہ سے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا نام ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ'' نہ رکھا جائے بلکہ ''مسلک اہل السنہ والجماعۃ'' نام رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

''الثانیة:ان ھٰذہ المسائل التی ذکر فی ھٰذا الکتاب وان کانت صحیحة بلاریب،ولکن بعضھا ثابتة بالنصوص القطعیة،وبعضھا ثبتت بالنصوص الظنیة، وبعضھا ثبتت باقوال العلماء الکبار بالقیاس الصحیح،ولم یرد بہ نص قطعی ولا ظنی،کمسألة افضلیة البقعة الشریفة علٰی العرش والکرسی،فھٰذہ المسائل لیست علٰی مستویً واحد بل تختلف درجاتھا حسب ثبوتھا،وباختلاف ثبوتھا ودرجاتھا تختلف احکامھا۔۔۔۔فھٰذہ المسائل التی ذکرت فی ھٰذا الکتاب القیم صحیحة بلاریب،ثابتة بالاصول الشرعیة،ولٰکن تختلف درجاتھا،وباختلاف درجاتھا تختلف احکامھا۔''

دوسری اہم بات یہ ہے کہ:اس کتاب میں ذکر کردہ تمام مسائل اگرچہ بلاشک وشبہ درست ہیں،البتہ ان میں سے بعضے مسائل قطعی دلائل اور مضبوط نصوص سے ثابت ہیں،کچھ مسائل ظنی دلائل سے ثابت شدہ ہیں اور بعض مسائل درست معیار وقیاس کے ذریعے بڑے بڑے علماء کے اقوال سے ثابت ہیں،ان کے بارے میں کوئی قطعی یا ظنی نصوص اور دلیل وارد نہیں ہے،مثلاً یہ مسائل کہ:''آپ علیہ السلام کے روضۂ مبارک کا وہ حصہ جو آپ علیہ السلام کے جسد اطہر سے ملا ہوا ہے وہ مبارک ومقدس زمین کا ٹکڑا عرش وکرسی سے افضل ہے۔''

تو اس طرح ان تمام مسائل کا درجہ یکساں نہیں ہے، بلکہ ان کے ثبوت کے اعتبار سے ان کے درجات میں فرق ہے، اور ثبوت و درجات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کے احکامات بھی باہمی مختلف ہیں۔۔۔۔تو اس مایہ ناز کتاب میں ذکر کردہ یہ مسائل بلا شک وشبہ درست ہیں، شرعی اصولوں اور دلیلوں سے ثابت شدہ ہیں، لیکن ان کے درجات مختلف ہیں اور ان کے درجات مختلف ہونے سے ان کے احکام بھی مختلف ہوں گے۔

فلوفهم القاری هاتين النقطتين اللتين ذكرناهما آنفاً لكان القارئ محفوظاً عن الافراط والتفريط في هٰذه المسائل الصحيحة۔

تو اگر قارئین سابق میں ذکر کردہ ہماری ان دو باتوں کو ذہن نشین کر لیں تو ان درست مسائل میں افراط وتفریط کا شکار ہونے سے محفوظ و مامون رہیں گے۔

کتاب کی اصل عربی عبارت اور ترجمہ سے واضح ہے کہ چونکہ ''المہند علی المفند'' میں بیان کردہ اکثر مسائل کا تعلق فروعی عقائد سے ہے (اگر چہ اس میں بعض قطعی عقائد بھی ہیں) لیکن اکثر مسائل کا لحاظ کرتے ہوئے اگر اسے ''مسلک اہل السنۃ'' کا نام دے دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے یہ کتاب سوالات کے جواب میں تحریر فرمائی نہ کہ مستقلاً عقائد کے موضوع پر۔

دوسرے یہ کہ: ''اگر چہ اس میں ذکر کردہ تمام مسائل صحیح ہیں لیکن سب کا ایک درجہ نہیں۔''

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کہ ''بہتر یہ ہے کہ اس کا نام عقائد کی بجائے مسلک کی کتاب رکھا جائے'' اس کا منشا یہ نہیں کہ اس میں سرے سے عقائد کا ذکر ہی نہیں یا یہ کہ جن عقائد کا ذکر آیا ہے وہ سب ظنی اور فروعی ہیں یا یہ کہ وہ صحیح نہیں، بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ ''المہند'' کے تمام مسائل کو قطعی عقائد کا درجہ نہ دیا جائے کیونکہ اس میں اکثر مسائل عقائد سے متعلق نہیں ہیں، یہ بات اگر چہ فی نفسہ صحیح ہے، لیکن چونکہ بعض مسائل اس میں ایسے بھی ہیں جو اعتقادی ہیں اس لئے اگر تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے پوری کتاب پر عقائد کے نام کا اطلاق کر دیا جائے تو یہ بھی غلط نہیں کیونکہ کتابوں کے اسماء میں یہ تعبیر عند المؤلفین ذائع شائع ہے، اسی لئے انہوں نے کتاب کے نام کی تبدیلی کے لیے ''اولیٰ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے نہ کہ ''یجب'' کا ''فافہم حق الفہم'' ھذا ما عندی، واللہ اعلم بمراد کلام عبادہ۔

اس لئے ان کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ کلیۃً یعنی سرے سے ''المہند'' کو عقائد کی کتاب ہی نہیں مانتے، خلاف واقعہ ہے۔

رہی دوسری بات کہ ''المہند'' میں ذکر دہ مسائل عقائد ایک درجہ کے نہیں ہیں ان میں باہم تفاوت ہے، اس لیے ہر ایک کا حکم الگ الگ ہوگا تو یہ بالکل حق اور صواب ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بات بھی بڑی وضاحت کے ساتھ فرمائی ہے کہ اس کتاب میں مندرجہ تمام مسائل حق ہیں، اس کے باوجود انہیں بعض حضرات کا ''المہند'' کے مخالفین میں شمار کرنا باعث حیرت ہے، یا للعجب!

اب رہا یہ کہ کیا مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء عظام کے متعلق اتنا عقیدہ رکھنا کافی ہوگا کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں؟ یا اس تفصیل کا ماننا بھی ضروری ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور المطہرۃ ان کے دنیوی اجسام میں روح مبارک کے تعلق سے ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ فقط اتنا عقیدہ رکھنا کافی نہیں کہ عالم برزخ میں وہ زندہ ہیں، بلکہ اہل السنۃ اوراہل حق کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ عالم برزخ (قبر) میں ان حضرات کوروح کے تعلق سے حیات حاصل ہے، یہ صرف روح یاصرف بدن کی حیات نہیں ہے کیونکہ بغیر تعلق روح حیات کا عقیدہ جمہور اہل السنۃ میں سے کسی کا نہیں یہ معتزلہ وغیرہ کی شاخ صالحیہ وکرامیہ اورروافض کا ہے،عقائد اہل السنۃ کی دوسری کتاب ''الخیالی'' کے مشہور محشی علامہ ابوبی اسی مسئلہ کی تشریح میں فرماتے ہیں :''اعلم ان المذھب فی ھذاالمقام ثلاثۃالاول المیت حی فی قبرہ فیعذب وھذاھو المذھب اھلالسنۃ والحق والثانی انہ جمادلایعذب ولا یدرک العذاب ھذا ھوالمذھب جمھورالمعتزلۃ والروافض والثالث انہ جمادیعذب وھذاھو مذھب الصالحیۃمن المعتزلۃومذھباابن جریر'' (الخیالی ۱۱۸)

اورعلامہ نووی شارح مسلم وغیرہ نے اعادہ روح کی تصریح کی ہےاور بغیراعادہ روح کے تعذیب کوفاسد کہا ہے چنانچہ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: ثم المعذب عنداھل السنۃالجسد بعینہ او بعضہ بعداعادۃ الروح الیہ اوالیٰ جزئٍ منہ وخالف فیہ محمد بن جریر وعبداللہ بن کرام وطائفۃ فقالوا لاتشترط اعادۃ الروح قال اصحابناھذافاسدلان الالم والاحساس یکون فی الحی الخ (شرح مسلم ص ۳۸۵ ج ۲) علامہ ملاعلی قاری حنفی رحمہ اللہ الفاظ حدیث فیعاد روحہ فی جسدہ کی شرح میں فرماتے ہیں:ظاھر الحدیث ان عود الروح الیٰ جمیع اجزاء بدنہ فلاالتفات الی قول البعض ولاالیٰ قول ابن جریر الیٰ نصفہ فانہ لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الیٰ صحۃالنقل (مرقات ص ۲۰۵ ج ۴)

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: واذاجاز ان یکون المؤمنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیامۃ وھم منعمون فیھا جاز ان یحی الکفار فی قبورھم فیعذبوا (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۸) علامہ سید محمود الحنفی آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں:''وتحقیقہ فی شرح الشمائل للعلامۃابن حجر ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزاء البدن وان تفرقت وکان جزأبالمشرق وجزأبالمغرب ولعل ھذاالاشراق علے الاجزاء الاصلیۃ لانھاالتی یقوم بھا الانسان من قبرہ یوم القیمۃ علے مااختارہ جمع'' (تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳) (ترمذی ص ۲۱۲ تا ۲۱۳)

ان عبارات سے واضح ہے کہ قبر میں عام اموات کوبھی روح کے تعلق سے زندہ کرکے عذاب یاثواب دیاجاتا ہے اور بغیر تعلق روح کے عذاب قبر متصور نہیں ہے،عذاب قبر کے حق ہونے پرتمام اہل السنۃ متفق ہیں۔چنانچہ ''شرح مواقف'' میں ہے:

احیاء الموتیٰ فی قبورھم ومسئلۃ منکرونکیروعذاب القبر للکافر والفاسق کلھاحق عندنا، اتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظھور الخلاف واتفق علیہ الاکثر بعدہ۔

جوشخص حیات فی القبر کا منکر ہے،درحقیقت وہ عذاب قبرکاانکار کررہا ہے، چنانچہ علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''واذاثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئلۃ لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما۔'' (شرح المواقف: ۷۱۶)

حضرت علامہ شریف جرجانی رحمہ اللہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا ہر قائل حیات فی القبر کا قائل ہے، ظاہر ہے کہ قضیہ موجبہ کلیہ ہے چونکہ اس کا عکس نقیض سالبہ کلیہ ہی آتا ہے، اس لیے کہا جائے گا: کل من لم یقل بهما لم یقل بعذاب القبر۔ معلوم ہوا کہ جو منکر حیات ہے وہ عذاب قبر کا بھی منکر ہے کیونکہ بدوں حیات کے عذاب متصور نہیں، جیسا کہ علامہ خیالی فرماتے ہیں: ''جوز بعضهم تعذيب غير الحي ولاشك انه سفسطة لان الجماد لاحس له فكيف يتصور تعذيبه۔'' (ص ۱۱۸)

عذاب وثواب قبر کا مسئلہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ضروریہ میں سے ہے، اس کا منکر اہل السنۃ سے خارج ہے، اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا عقیدہ جمہور اہل السنۃ کا متفقہ ہے اور قبر میں انہیں جو حیات حاصل ہے وہ بتعلق روح ہے کیونکہ روح کے تعلق کے بغیر حیات متصور نہیں، کما مر۔ پس جو شخص اس تفصیل کے ساتھ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا قائل ہے اس کا عقیدہ بالکل اہل حق کے مطابق ہے لیکن جس کا عقیدہ اس تفصیل کے مطابق نہیں بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر الشریف کو محض برزخی روحانی مانتا ہے وہ دراصل انبیاء کرام کی حیات کا منکر ہے اور اتنی بات یقینی ہے کہ اس شخص کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں، جیسا کہ کتاب ''مقام حیات'' ص ۲۷۲ طبع اول پر تمام اکابر کے متفقہ فیصلہ سے واضح ہے۔

دار العلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی حضرت مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ نے تو ایسے شخص کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج قرار دیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''آپ اپنے مزار میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے، جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔''

آخر میں فرماتے ہیں: ''تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے اور خارج از اہل سنت والجماعت ہے۔'' (مقام حیات: از: علامہ خالد محمود)

منکرین حیات، حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالہ سے اپنا جو عقیدہ بیان کرتے ہیں تفصیل بالا سے واضح ہے کہ ان کا یہ عقیدہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ اور علماء دیوبند کے عقیدہ کے خلاف ہے، ایسے عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اب یہ کہ اس عقیدہ کا قائل اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی ہے یا نہیں، اس بارہ میں ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ انہیں اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار نہ دیا جائے، کیونکہ یہ ایک فروعی عقیدہ کے منکر ہیں، جبکہ ایک طبقہ کے مطابق یہ اہل السنۃ سے خارج اور بدعتی ہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا عقیدہ اگرچہ فروعی ہے لیکن یہ ان عقائد میں سے ہے جو اہل السنۃ کے لیے بمنزلہ علامت اور شعار کا درجہ رکھتے ہیں، اس لیے اس کا انکار اہل السنۃ سے خروج کا موجب ہوگا۔

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی تحریر، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ کے فتویٰ میں بھی اس کی تصریح ہے۔ بندہ کے والد ماجد فقیہ وقت حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کا رجحان اور فتویٰ بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ''حیات ترمذی'' ص ۱۹۷)

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر سے متعلق کتنا عقیدہ ضروری ہے اور یہ کہ جو اس عقیدہ کا منکر ہے اس

کا حکم کیا ہے، ان دونوں امور سے متعلق ضروری تفصیل ہم نے تحریر کر دی ہے۔

دراصل یہ وہی تفصیل ہے جس پر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحب قدس سرہ سابق رئیس دارالعلوم دیوبند نے فریقین کی صلح کرائی تھی اور وہی عقیدہ ہے جو اس نزاع کے حل کے لیے قدر مشترک تھا، لیکن آج اشاعۃ التوحید والسنۃ کا ایک بڑا طبقہ واضح طور پر اس قدر مشترک عقیدہ کے ماننے اور اسے تسلیم کرنے سے انکاری ہے، حتیٰ کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کے بارہ میں بھی ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اس قدر مشترک عقیدہ پر اس وقت دستخط حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے حکم پر محض نزاع کے خاتمہ اور مصالحت کے لیے کیے تھے، مسئلہ حیات النبیا سے متعلق انہوں نے اس عبارت پر دستخط کیے تھے کہ: ''آپ علیہ السلام کو عالم برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور قبر مبارک پر حاضر ہونے والوں کا سلام آپ سماعت فرماتے ہیں۔''

اشاعۃ التوحید کے حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہ تھا بلکہ ان کا عقیدہ یہی تھا جو اشاعۃ التوحید کا ہے کہ'' آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد اطہر قبر اطہر میں محفوظ ہے لیکن روح اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہے، اور اسی کا نام حیات برزخی ہے۔''

اشاعۃ التوحید کے اکثر حضرات کا یہی عقیدہ ہے، اصرار کے ساتھ ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کا عقیدہ بھی یہی تھا، ان کے بعض تلامذہ اور جماعت کے ذمہ دار حضرات نے اس پر رسالہ بھی تحریر کیا ہے اور اس پر دلائل بھی قائم کیے ہیں جبکہ اشاعۃ التوحید کے بعض بزرگوں نے اس رسالہ کا رد کیا اور جوابی رسالہ میں یہ موقف اختیار فرمایا کہ حضرت شیخ کا عقیدہ بالکل وہی تھا جس پر انہوں نے دستخط فرمائے تھے، جوابی رسالہ تحریر فرمانے والے یہ بزرگ حضرت مرحوم کے خاص شاگرد اور فیض یافتہ، مؤلف کتب کثیرہ حضرت مولانا عبدالمعبود صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیف ''حیات شیخ القرآن'' میں بھی بڑی تفصیل سے اس موضوع پر کلام کیا ہے، لیکن جماعت کا ایک بڑے حصے کو ان کی تحقیق سے اتفاق نہیں۔ احقر نے پنڈی میں ان سے ایک ملاقات میں جب استفسار کیا کہ حضرت مولانا مرحوم کا عقیدہ کے بارے میں آپ نے اپنے رسالہ اور سوانح میں جو موقف اختیار کیا ہے، کیا حضرت شیخ کی جماعت اور ان کے صاحبزادگان اس کی تائید کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ مجھ پر اس وجہ سے ناراض ہیں کہ تم نے یہ کیوں لکھا ہے۔ (انتہیٰ)۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنا رسالہ بندہ کو بھی برائے تائید ارسال فرمایا تھا لیکن بندہ نے اسی لیے اس کی تائید نہیں کی کہ ایک تو جماعت کی اکثریت اور حضرت شیخ مرحوم کے بہت سے تلامذہ اس کی نفی کرتے ہیں دوسرے خود حضرت مرحوم کی بعض تحریریں اور ان کا طرز عمل بھی حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے معاہدہ کی نفی کرتا ہے، اس لیے جزماً حضرت مولانا مرحوم کے عقیدہ کو معاہدہ پنڈی کے مطابق قرار دینا محل نظر ہے۔ مزید تفصیل ''ہدایۃ الحیران'' اور رسالہ ''ردمنکرات'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، ھذا ما عندی واللہ اعلم!

ملاحظہ: یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کے بعض بزرگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اور اشاعۃ التوحید کے حضرات کا اختلاف صرف مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام میں ہے، یا یہ کہ ان حضرات سے ہمارا اختلاف مسائل کی تعبیر اور طریق ادا اور انداز بیان میں ہے مسائل میں نہیں، جبکہ حقیقت بالکل اس کے خلاف

اور برعکس ہے، کیونکہ ان حضرات کا مسلک علماء دیوبند سے صرف کسی ایک مسئلہ میں اختلاف نہیں بلکہ کئی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف محض تعبیر کا اختلاف نہیں بلکہ مسلک کا اختلاف ہے، مثلاً حضرات علماء دیوبند آپ ﷺ کے لیے حیاتِ دنیوی کے بھی قائل ہیں، یہ حضرات دنیوی حیات کے منکر ہیں صرف روح کی حیات کے قائل ہیں، اسی طرح علماء دیوبند شدرحال الی زیارۃ قبر سید النساء والرجال کے قائل ہیں اور یہ منکر ہیں۔ علماء دیوبند توسل بالذوات القدسیہ کے قائل ہیں یہ منکر ہیں، سماع موتی کے قائلین کو علماء دیوبند اہل السنۃ کہتے ہیں، جبکہ ان کے بعض قائلین سماع موتی خارج اہل السنۃ اور بعض ان کی تکفیر کرتے ہیں، وغیر ذٰلک۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علماء دیوبند سے ان کا تعبیری یا لفظی نزاع نہیں بلکہ حقیقی اور مسلکی اختلاف ہے یہ اور بات ہے کہ بعض اکابر اس پر مطلع نہیں ہوئے، اس لیے انہوں نے ان کے بارہ میں حسن ظن سے کام لیا اور اپنا ہم مسلک سمجھا۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: میں نے جب مولانا غلام اللہ خان صاحب کے تفسیری تفردات پر کتاب ''ہدایۃ الحیران'' لکھی اور حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے ذکر کیا، حضرت نے فرمایا کہ تم نے اتنی محنت کی اور وقت لگایا لکھنے سے پہلے مشورہ کر لیتے تو میں تمہیں کسی اور اہم کام پر لگا دیتا، لیکن تم نے مشورہ ہی نہیں کیا اور اتنا وقت اس کے لکھنے پر لگا دیا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت ابھی یہ کتاب طبع نہیں ہوئی، آپ اس کا صرف ایک مقام سن لیجئے اس کے بعد جیسے آپ حکم فرمائیں گے اس کے مطابق عمل ہوگیا، اگر اس کی اشاعت مناسب نہ ہوئی تو نہیں کی جائے گی۔ حضرت مفتی اعظم نے فرمایا کہ سناؤ! حضرت والد صاحب نے ''تفسیر جواہر القرآن'' سے آیت کریمہ: قدنریٰ تقلب وجھک فی السماء پر جو کچھ ''جواہر القرآن'' میں لکھا تھا آپ کو پڑھ کر سنایا، سنتے ہی حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

''یہ تو تحریف ہے، ہم سمجھتے تھے ہمارا اور ان کا اختلاف صرف تعبیر کا اختلاف ہے، اہل بدعت کے مقابلہ کی وجہ سے ان میں تشدد ہے اور مسائل ہمارے اور ان کے ایک ہیں، آج پتہ چلا کہ مسائل میں بھی اختلاف ہے، آپ یہ کتاب شائع کر دیں۔''

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت نے ''تفسیر جواہر القرآن'' کے اس مقام پر میری تنقید اور گرفت کو نہیں سنا، فقط مؤلف ''جواہر'' کی تقریر کو سنتے ہی فرمایا کہ یہ تحریف ہے۔

معلوم ہوا کہ اکثر حضرات یہی سمجھتے رہے کہ ہمارا ان کا اختلاف تعبیری یا محض ایک دو فروعی مسائل میں اختلاف ہے، اس لیے وہ تسامح فرماتے رہے اور یہ حضرات اس تسامح کا بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے، اگر ان بزرگوں کو ان کی صحیح صورت حال کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی یہ تسامح نہ فرماتے۔ ادھر ان حضرات نے بزرگوں کے اس رویہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو جماعت دیوبند میں شامل رکھا اور برملا اپنے آپ کو دیوبندی کہلوایا، مسلکی طور پر دیوبندیت کو اس کا جو نقصان ہوا وہ اپنی جگہ واضح ہے۔

ان حضرات کا مسلک دیوبند سے متعدد مسائل میں اختلاف کے باوجود دیوبندی کہلوانا اور اکابر دیوبند کا انہیں دیوبندی سمجھنا اور ان کے مدارس کا الحاق دیوبندی مدارس کی سب سے بڑی تنظیم وفاق المدارس العربیہ

پاکستان سے کرنا یہ سب ایسے امور ہیں جس کی وجہ سے ان حضرات کو دیوبندی قرار دیا گیا اور دیوبندیوں کا نمائندہ سمجھا گیا اور ان حضرات نے مسلک دیوبند کی جو تشریح اور تعبیر اور تصویر پیش کی دوسرے مکاتب فکر کے عوام وخواص نے اسے مسلک دیوبند سمجھ کر علماء دیوبند اور دیوبندیت پر اعتراض کئے اور انہیں بدنام کیا، جس کا سخت نقصان ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے کہ عوام ان کو اصل دیوبندی سمجھ کر اصل علماء دیوبند سے دور ہو رہے ہیں۔

اس نقصان سے بچنے کے لیے ضروری تھا اور ہے کہ ان کے مدارس کے الحاق اور بقاء الحاق کے لیے کتاب ''المہند'' کی تصدیق کو معیار بنایا جائے ورنہ ماضی کی طرح یہ حضرات مسلک دیوبند کے خلاف نظریات رکھنے اور اکابر دیوبند کی صریح مخالفت کے باوجود دیوبندی مسلک کی بڑی تنظیم وفاق المدارس سے اسناد حاصل کر کے دیوبندی کہلواتے رہیں گے جو ایک دھوکہ کے سوا کچھ نہیں، جس کا سدباب بہرصورت ضروری ہے، احقر کو خوب یاد ہے کہ دارالعلوم کبیر والا کے سالانہ جلسہ پر ایک مرتبہ حضرت علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ سے طلبہ نے اجازت حدیث کا مطالبہ کیا تو علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''صرف ان علماء وطلبہ کو اجازت ہے جن کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں علماء دیوبند کے مطابق ہے۔''

صدر وفاق سیدی حضرت شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ بھی دارالعلوم کبیر والا میں تشریف لائے ہوئے تھے، احقر نے اس شرط اجازت کا ان سے ذکر کیا تو حضرت نے اس کی تائید کے ساتھ فرمایا کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ بھی منکرین حیات کو اجازت حدیث نہیں دیا کرتے تھے، احقر نے اس پر عرض کیا کہ وفاق المدارس انہیں کیوں سندیں جاری کر رہا ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم اس کا سدباب کریں گے۔

چنانچہ آپ نے ۱۴۲۵ھ وفاق المدارس سے الحاق وبقاء الحاق کے لیے ''المہند'' کے عقائد کو معیار قرار دے کر ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں اس کا اعلان فرمادیا تھا۔ اشاعۃ التوحید کے حضرات نے اس کی مخالفت کی اور افسوس کہ بعض بزرگوں نے بھی ان کی تائید کی جس کی وجہ سے اب تک اس شرط پر عمل نہیں ہوا۔ اگرچہ منکرین حیات نے اب اپنا الگ وفاق بنالیا ہے لیکن ایک طبقہ اب بھی وفاق المدارس سے منسلک ہے، اس لیے ضروری ہے کہ الحاق کے لیے شرط مذکور کا لحاظ رکھا جائے، جب تک علماء دیوبند کے صحیح مسلک کے مطابق عقائد رکھنے کی شرط کو لازم قرار نہیں دیا جائے گا اس وقت تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا اور تلبیس واختلاط مسلک کا یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا۔ اسی لیے سابق صدر وفاق سیدی حضرت شیخ سلیم اللہ خان رحمہ اللہ اور دوسرے وہ حضرات اکابر جنہیں مسلک دیوبند کا نہ صرف نمائندہ بلکہ ترجمان سمجھا جاتا ہے کی کوشش رہی کہ وفاق المدارس سے الحاق کے لیے کم سے کم اسی شرط کو لازم قرار دیا جائے لیکن تاہنوز ایسا نہ ہوسکا، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا!

مسئلہ سماع موتی

کتاب حیات انبیاء کرام علیہم السلام میں ضمناً سماع موتی کی بحث بھی آئی ہے، اس مسئلہ میں چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے اس لیے اس میں شروع سے ہی دو گروہ موجود ہیں، ایک طبقہ اہل حق کا سماع موتی کا قائل نہیں ہے اور ایک گروہ سماع موتی فی الجملہ کا قائل ہے، لیکن اہل حق کے مابین یہ اختلاف راجح مرجوح کا اختلاف ہے حق وباطل کا نہیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں، علماء دیوبند اور جمہور اہل السنۃ سماع فی الجملہ کے

قائل ہیں اور اسی کو راجح سمجھتے ہیں، دیگر علماء دیو بند کی طرح حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع قدس سرہ اور آپ کے علمی جانشین حضرات کا عقیدہ بھی یہی ہے، چنانچہ ذیل کی تصریحات سے واضح ہے۔

حضرت مفتی اعظم قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: ''مسئلہ سماع موتی زمانہ قدیم سے مختلف فیہ ہے۔کلام اس میں طویل ہے، میرا ایک مستقل رسالہ بزبان عربی، بنام ''اعدل الامور فی سماع اہل القبور'' بہ شکل مسودہ موجود ہے، مگر ہنوز شائع نہیں ہوا۔اس سے خلاصہ کر کے حقیقت لکھتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت انبیاء وشہداء کی تو اپنے اپنے درجوں کے موافق ثابت ہی ہے، عام اموات کی ارواح کا زندہ ہونا بھی ثابت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ نوعیت اس حیات کی حیات ناسوتی سے مختلف ہے، وہ حیات ایک دوسرے عالم کی حیات ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک عالم کے حالات کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ جو شخص اس دنیوی زندگی میں ہمارا کلام سنا کرتا تھا، وہ بعد الموت بھی اسی طرح سنا کرے، یہ ضروری نہیں، اس کے لیے کوئی دلیل مستقل ہونا ضروری ہے، اور ظاہر ہے دلیل عقلی نہ کوئی اثبات پر قائم ہے، نہ نفی پر، اب صرف دلیل نقلی رہ گئی، سو اس میں قرآن وحدیث کے متعدد نصوص ہیں، بعض اموات کا یا عام اموات کا خاص خاص حالات میں اَحیاء کا کلام سننے، بلکہ بعض جگہ جواب دینے کا بھی ثبوت موجود ہے، لیکن ان سے کوئی ضابطۂ کلیہ مستفاد نہیں ہوتا کہ ہر مردہ، ہر شخص کا کلام، ہر وقت سن سکتا ہے، اس لیے سیدھا راستہ یہ ہے کہ جن مقامات میں سماع موتی کسی روایت سے ثابت ہے، اس کا اقرار کرلیا جائے، اور جہاں قرآن وحدیث ساکت ہیں، وہاں یہ اختیار کیا جائے، نہ اثبات کرے، نہ نفی، ہاں اگر کسی شخص کو بذریعہ کشف سننا معلوم ہوجائے، اور وہ اس کو صحیح سمجھے، تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اس سے بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بنتا کہ ہر میت، ہر وقت، ہر شخص کا کلام سن سکتی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اس کے یقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم جس وقت میت سے، جو کلام کریں گے، وہ ضرور سنے گا، اور ایسا عقیدہ رکھنا بے اصل اور بے بنیاد ہے۔'' (امداد المفتین جامع، ج ۵ ص ۲۰۶)

یہاں حضرت مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے جس عربی رسالہ کا حوالہ دیا ہے وہ رسالہ ''تکمیل الحبور بسماع اھل القبور'' کے نام سے ''احکام القرآن'' ج ۳ کا جزء بن کر شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں آپ کے فتاویٰ ''امداد المفتین جامع'' کی جلد پنجم ص ۲۱۲ سے ۲۳۰ تک میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

احقر نے تقریباً پچیس سال قبل اردو میں اس کا جو ترجمہ کیا تھا وہ بھی اسی کے ساتھ ۲۳۰ تا ۲۴۵ شائع ہو چکا ہے۔

مردے قبر میں سنتے ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ جس کو چاہے جو چاہے سنوادے، عام ضابطہ نہیں کہ ہر بات کو ضرور سنیں، قرآن وحدیث کی نصوص کا خلاصہ اور محققین کی تحقیق یہی ہے۔'' (امداد المفتین جامع، ج ۵ ص ۲۰۷)

حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی قدس سرہ

''سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر اب تک مختلف فیہ ہے، بعض صحابہ کرام سماع موتی کے قائل تھے بعض منکر تھے، لہٰذا کسی بھی فریق کو گمراہ یا کافر کہنے کی کسی کو گنجائش نہیں، اس سے بہرصورت

ہر فریق کو اجتناب لازم ہے، ورنہ صحابہ کرام کے کسی فریق کی تفسیق یا تکفیر لازم آئے گی جو کسی حال میں جائز نہیں الخ۔" (امداد السالکین، ج ۱ ص ۲۵۲)

حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم

"اصل یہ ہے کہ مردوں میں موت کے بعد سننے کی طاقت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں تصریح ہے، لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ کسی مصلحت سے انہیں کوئی آواز سنانا چاہے تو سنا دیتا ہے، حدیث میں جو جوتیوں کی آواز سننے کا ذکر ہے وہ اسی پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ عبرت کے لیے اس کو آواز سنا دیتا ہے۔" (فتاویٰ عثمانی، ج ۱ ص ۶۷)

مسلم شریف کی حدیث: قرع نعال پر بحث کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے سماع موتی کا مسئلہ اپنی محققانہ اور مایہ ناز شرح "تکملہ فتح الملہم" ج ۶ میں سماع موتی کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں: "وقد دل حديث الباب صريحا على ان الميت يسمع قرع نعال اصحابه، الخ" (ج ۶ ص ۲۴۷)

حضرت شیخ الاسلام مدظلہم کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ آپ مسئلہ سماع موتی میں بھی علماء دیوبند کے ساتھ ہیں، دیگر اکابر کی طرح سماع فی الجملہ کے قائل ہیں۔

سورۃ نمل کی آیت ۸۰، ۸۱: انک لاتسمع الموتی الی قولہ: فھم مسلمون کے تحت "معارف القرآن" جلد ششم میں حضرت مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں:

"اس پورے مضمون میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سننے سنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچانا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ سماع اور سننا ہے جو نفع بخش ہو۔ اور جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ آخر آیت میں یہ ارشاد ہے کہ "آپ تو صرف اُن لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ایمان لائیں۔" اگر اس میں سنانے سے مراد محض اُن کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور اُن کے سننے، جواب دینے کی شہادتیں بے شمار ہیں کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ سنانے سے مرد سماع نافع ہے۔ ان کو مردہ لاش سے تشبیہ دے کر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں کیونکہ وہ دنیا کے دار العمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان وعمل نافع ہو سکتا تھا، مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو بھی کافر منکر ایمان وعمل صالح کی تمنا ئیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان وعمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماع اموات

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم

اختلاف رہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورہ نمل میں آیا ہے، اور دوسرے سورہ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورہ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲) یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰) (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔)

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک باقی رہ سکتا ہے، بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دُنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے:

مَا مِنْ أَحَدٍ يَمُرُّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ رُوحَهُ حَتَّى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ (ذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ مصححا عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اُس مُردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اُس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت اس کی روح اس دنیا

میں واپس بھیج دیتے ہیں۔اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مردے سن سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اُن کا سننا اور ہمارا سنانا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں، جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلا دیا کہ حق تعالیٰ مُردہ کی روح واپس لا کر اس کو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔باقی حالات وکلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ مردہ ان کو سنے گا یا نہیں۔اسی لیے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں اَحیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں اور بعض کے کلام کو نہ سنیں، یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورہ نمل، سورۂ روم، سورہ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

حضرت امام اعظم اور مسئلہ سماع موتیٰ

بعض حضرات نے حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ آپ سماع موتیٰ کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ حضرت علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اکثر مشائخ کی طرف منسوب فرمایا ہے، چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:واما التلقین بعد الموت وھو فی القبر فقیل یفعل لحقیقة ماروینا ونسب الی اہل السنة والجماعة وخلافه الی المعتزلة ۔۔۔۔ وعندی ان مبنی ارتکاب ھذا المجاز ھنا عند اکثر مشایخنا ھو ان المیت لا یسمع عندھم علی ماصرحوا به فی کتاب الایمان فی باب الیمین بالضرب لو حلف لا یکلمه فکلمه میتا لا یحنث لانها تنعقد علی۔۔۔والمیت لیس کذلک لعدم السماع۔ (باب الجنائز ج ۲ ص ۶۸)

کتاب ''حیات انبیاء کرام'' کی تالیف کا سبب اور محرک

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ سرپرست تنظیم اہل السنۃ پاکستان سے بہتر گہرے تعلقات تھے۔حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ اکثر ہمارے علاقہ ساہیوال میں بیان اور متوسلین کی اصلاح کے لیے تشریف لاتے تھے اور آپ کا معمول تھا کہ جب بھی ساہیوال یا قرب وجوار میں تشریف لاتے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور ملاقات فرماتے، اگر زیادہ وقت نہ ہوتا تو جامعہ حقانیہ میں تشریف لا کر کھڑے کھڑے سلام کر کے فرماتے:''میرے پاس وقت نہیں میں جارہا ہوں۔'' حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساہیوال اڈے تک اور بعض دفعہ تانگے میں فرودگاہ اور دوسرے علاقہ میں ساتھ ہی تشریف لے جاتے اور یوں دونوں بزرگوں میں مختلف موضوعات پر خوب گفتگو ہوتی۔

حضرت قریشی صاحب تعلیم القرآن راولپنڈی میں حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب کی دعوت پر جلسہ

میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت والد صاحب کو یہ بات پسند نہیں تھی اس لیے انہوں نے حضرت سے اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آپ کے لیے اور حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب کے پنڈی تعلیم القرآن کے اسٹیج پر جانے سے بہت سے حضرات کو شبہ ہوتا ہے کہ مسلک میں آپ ان کے ساتھ ہیں یا کم از کم یہ کہ وہاں جانے سے ان کی تائید ہوتی ہے، اور آپ حضرات کے وہاں تشریف لے جانے کو وہ اپنی تائید پیش کرتے ہیں اس لیے آپ حضرات کو وہاں نہیں جانا چاہیے۔

حضرت قریشی صاحب کا فرمانا تھا کہ: مسلک میں ہم بالکل اپنے اکابر کے ساتھ ہیں۔ مولانا غلام اللہ صاحب کے مسلک سے ہمیں شدید اختلاف ہے، بلکہ اگر وہ اپنے عقیدہ حیات النبی ﷺ پر مناظرہ کا چیلنج کریں تو میں ان سے مناظرہ کے لیے بھی تیار ہوں۔ لیکن جہاں تک ان کے جلسہ میں شرکت کا تعلق ہے تو وہ جماعتی پالیسی کی وجہ سے ہے نہ کہ مسلک و مشرب کے اتحاد کی وجہ سے۔

لیکن چونکہ ان بزرگوں کے وہاں جانے سے عوام میں مسلک کے اعتبار سے بھی شدید تحفظات تھے، اس لیے حضرت والد صاحب کی خواہش تھی کہ تنظیم اہل السنۃ کے ذمہ دار حضرات اول تو پنڈی والے حضرات کے اسٹیج پر نہ جائیں یا پھر اس حوالہ اپنا مسلک تحریری طور پر واضح کریں۔

حضرت والد صاحب نے اس حوالہ سے جماعت کے سرپرست حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری سے بھی یہی فرمایا، حضرت علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ سے جب بات ہوئی تو انہوں نے حضرت والد صاحب کی زبردست تائید فرمائی اور فرمایا کہ: ''میں کبھی بھی تعلیم القرآن کے اسٹیج پر نہیں گیا، حالانکہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے نہ صرف مجھے وہاں کی دعوت دی بلکہ جہاز کے ٹکٹ کی بھی پیشکش کی، ان کے اسٹیج پر جانے سے یقیناً عوام ان کی تائید سمجھتے ہیں جبکہ ان کا مسلک اکابر سے جدا ہے، اس لیے میری رائے بھی یہی ہے کہ تنظیم کے ذمہ دار حضرات وہاں نہ جائیں اور جن مسائل میں ان سے اختلاف ہے ان میں تنظیم کو اپنا موقف تحریری طور پر واضح کرنا چاہیے تاکہ کسی کو اشتباہ نہ رہے۔''

چنانچہ طے پایا کہ اس سلسلہ میں غور کے لیے دفتر تنظیم اہل السنۃ کا اجلاس بلایا جائے، جس میں تنظیم کے علاوہ دیگر علماء کرام کو بھی دعوت دی جائے اور اس مسئلہ پر غور کے بعد فیصلہ کیا جائے۔

حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے یہ اہم اجلاس دفتر تنظیم ملتان میں منعقد کیا، اس میں تنظیم کے اکابر حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، حضرت مولانا دوست محمد قریشی، حضرت علامہ محمد عبدالستار تونسوی رحمہم اللہ کے علاوہ جامعہ خیر المدارس ملتان سے حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ (مہتمم جامعہ خیر المدارس)، حضرت علامہ محمد شریف کشمیری، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب، حضرت مولانا نذیر احمد صاحب اور ساہیوال سے حضرت والد صاحب نے بھی شرکت فرمائی، یہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے، حضرت قریشی صاحب رحمہ اللہ اس وقت حیات تھے، پھر اسی سال ۷۴ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

غور و خوض کے بعد اس اجلاس میں طے ہوا کہ اس موضوع پر کتاب لکھنے کی ضرورت ہے اور یہ کتاب سرپرست تنظیم حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب لکھیں، حضرت بخاری صاحب نے اس موضوع پر مواد کی کمی کا عذر

فرمایا، اس پر فیصلہ ہوا کہ حضرت والد صاحب اور حضرت مفتی عبدالستار صاحب صدر مفتی جامعہ خیرالمدارس دونوں حضرات ان کو مواد فراہم فرمائیں گے، چنانچہ طے ہوگیا کہ حضرت بخاری صاحب اس موضوع پر کتاب لکھیں گے۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے حسب وعدہ ملتان سے واپس آکر ایک مبسوط اور مدلل تحریر عقیدہ حیات النبیا کے عنوان پر لکھ کر حضرت بخاری صاحب کو ارسال فرمادی، انہوں نے ''حیات الاموات'' کے نام سے کتاب لکھ کر شائع فرمادی جس کا مقصد ان مسائل میں اکابر تنظیم کے مسلک وموقف کو واضح کرنا تھا۔ لیکن دوسرے فریق نے کتاب شائع ہوتے ہی ''ردمنکرات'' کے نام سے رد لکھا اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بھی اس کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اپنے عقیدہ کی وضاحت کی اور حضرت مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی خوب تردید کی، حضرت شاہ صاحب نے ''فتنہ کبریٰ'' کے نام سے رسالہ لکھ کر ہمیشہ کے لیے ان حضرات سے اپنے تعلقات ختم کرنے کا اعلان کردیا۔

حضرت والد صاحب کی ارسال کردہ تحریر سے اگرچہ کتاب ''حیات الاموات'' میں استفادہ کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود ضرورت تھی کہ حضرت والد صاحب کی تحریر کی افادیت کی بنیاد پر اسے الگ مستقل کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اس پر دوبارہ محنت کی اور اسے مفصل کتاب کی صورت میں ڈھال کر اس کا ایک مستقل نام بھی رکھ دیا ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام''

۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء میں کتاب مکمل ہوچکی تھی، لیکن عرصہ دراز تک اشاعت کی نوبت نہیں آئی۔ اگرچہ پہلے بھی اپنے حضرات میں سے بہت سے علماء کرام نے کتابیں تحریر فرمائی تھیں لیکن کسی کتاب میں بھی موضوع کی واضح تعیین اور تنقیح نہ تھی، اس لیے اس کی سخت ضرورت تھی کہ دوسرے فریق کے ساتھ جو مابہ النزاع اور وجہ اختلاف ہے اس کی بھی تعیین کردی جائے۔ ساتھ ہی اس امر کی وضاحت اور ضرورت سامنے آئی کہ فریق دوم نے اس موضوع پر تحریری بیان سے کیوں اعراض کیا تھا اور یہ کہ پاکستان میں اس مسئلہ کے شروع ہونے کا سبب کیا تھا، اسے بھی تفصیلاً ذکر کردیا جائے تاکہ اس حوالہ اس مسئلہ کا تاریخی پس منظر سامنے آجائے۔ چنانچہ ان تفصیلات کے لیے حضرت والد صاحب نے دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں حضرت مولانا عزیز الرحمن جالندھری مدظلہم سے رجوع کیا۔ آپ نے ازراہِ کرم وہ اصل فائل ارسال فرمادی جس میں ان امور کا مفصل جواب موجود تھا۔

حضرت والد صاحب نے ان حضرات کا شکریہ کے ساتھ اپنی کتاب کے آغاز میں وہ اصل تحریرات شامل فرماکر کتاب کی افادیت اور انفرادیت کو دوبالا کردیا۔

حضرت جالندھری رحمہ اللہ نے اپنی تحریر میں فریقین کے مابین محل نزاع کی تعیین فرماکر اپنے مسلک، دعویٰ اور مدلائل کا بھی ذکر فرمادیا ہے، حضرت کی یہ تحریر اپنے موضوع پر نہایت جامع، مدلل اور فیصلہ کن ہے۔ فریق دوم سے گفتگو اور مناظرہ کے لیے یہ تحریر کافی وافی اور ایک عظیم راہنما ہے، فللہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

مولانا اکاوڑوی رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ جنہوں نے اس موضوع پر منکرین حیات کے مشہور مناظر وعالم

مولوی احمد سعید ملتانی اور اس کے استاذ مولوی اللہ بخش گکھڑوی سے مناظرہ کرکے انہیں لاجواب کیا اور فتنہ غیر مقلدیت کی بھی انہوں نے خوب سرکوبی فرمائی، ایک مرتبہ حضرت والد صاحب سے سوال کیا کہ:

''حضرت ہمارا اور دوسرے فریق کا اصل اختلاف کس چیز میں ہے؟ میں نے اس موضوع پر علامہ خالد محمود صاحب کی کتاب ''مقامِ حیات'' اور حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی ''تسکین الصدور'' اور آپ کی کتاب ''ہدایۃ الحیران'' کو بغور پڑھا، لیکن مجھے محلِ نزاع کا پتہ نہیں چلا، حتیٰ کہ میں نے اس موضوع پر مناظرے بھی کئے اور ان میں نمایاں فتح بھی حاصل کی، لیکن محلِ نزاع اب تک بھی معلوم نہ ہوسکا''، شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ یہ لوگ اپنا صحیح عقیدہ واضح نہیں کرتے تھے۔

حضرت والد صاحب نے جواب میں ایک تقریر فرمائی، لیکن پورے طور پر اس سے بھی محلِ نزاع کی وضاحت نہ ہوئی، اس کے بعد جب حضرت والد صاحب نے حضرت جالندھری رحمہ اللہ کی تحریر پڑھی تو اس میں بڑے محقق اور منقح انداز میں محلِ نزاع کی تقریر موجود ہے تو آپ نے یہ تحریر انہیں پیش کی، جسے پڑھ کر وہ بالکل مطمئن ہوگئے، احقر نے اس واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے:

''حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک مرتبہ ساہیوال تشریف لائے اور حضرت والد صاحب قدس سرہ سے فرمایا کہ میں نے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر منکرینِ حیات کے عمائدین سے مناظرے کیے ہیں اور مناظروں میں ان کو شکستِ فاش بھی دی۔ پھر اسی موضوع سے متعلق کافی کتب، تحریرات کا بھی بغور مطالعہ کیا ہے لیکن مجھے ابھی تک منقح طور پر واضح نہیں ہوا کہ ہمارے اور فریق مخالف کے مابین محلِ نزاع کیا ہے۔ اس پر حضرت نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس سے محلِ نزاع کی قدرے تعیین ہوئی مگر مولانا اوکاڑوی فرماتے تھے کہ مجھے پورے طور پر اطمینان نہیں ہوا اور میں واپس چلا آیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ساہیوال جامعہ حقانیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حضرت دروازہ میں کھڑے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ: میں تمہیں یاد کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھیج دیا، ہنس کے فرمایا کہ تم لوگ کرامتوں کے قائل نہیں ہو، کیا یہ کرامت نہیں کہ تم اس وقت پہنچ گئے۔ پھر فرمانے لگے کہ میں تمہیں اس لیے یاد کر رہا تھا کہ آپ نے جو سوال کیا تھا اس کا تفصیلی جواب مل گیا ہے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح وہ آپ تک پہنچا دوں، پھر حضرت نے مجھے وہ مفصل تحریر پڑھ کر سنائی جو اس موضوع سے متعلق حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی تھی۔ اس میں واضح طور پر محلِ نزاع اور موضوع کی تعیین تھی۔ یہ تحریر حضرت نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر سے حاصل فرمائی تھی۔ اسے پڑھ کر پہلی مرتبہ واضح اور منقح طور پر اس موضوع اور محلِ نزاع کا علم ہوا، جس پر بڑی خوشی ہوئی۔ حضرت اوکاڑوی فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں نے بہت سے حضرات کو یہ بات بتائی، پھر جب والد صاحب کی کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' میں یہ تحریر مکمل طور پر طبع ہوئی تو مولانا مرحوم اس سلسلہ میں علماء کرام کو اکثر اس کتاب کا حوالہ دیتے تھے۔'' (ماہنامہ ''الخیر'' اشاعت خاص: مولانا امین صفدر اوکاڑوی، ص: ۲۳۸)

کتاب ''حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام'' ایک نظر میں

کتاب شروع ہونے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر اس کے مندرجات پر بھی ڈال لی

جائے، تا کہ قارئین کے سامنے کتاب کے تمام اہم مضامین کے عناوین ابتداء میں ہی سامنے آجائیں، اور انہیں کتاب کی اہمیت وافادیت کا بھی اندازہ ہو جائے۔

حضرت رحمہ اللہ نے اس کتاب میں سب سے پہلے مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا تاریخی پس منظر بیان فرمایا کہ پاکستان میں اس مسئلہ کا آغاز کب ہوا، کس فریق نے اسے عوامی اسٹیج پر پہلے بیان کیا اور دوسرے فریق کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور پھر جب دوسرے فریق نے یہ چیلنج قبول کرلیا اور مناظرہ کے بعد فیصلہ کے لیے ثالث حضرات کا تقرر بھی ہو گیا تو فریق اول نے ثالث حضرات کے حکم کی تعمیل سے انکار کر کے مناظرہ سے کیسے راہ فرار اختیار کی۔

جس کا خلاصہ یہ کہ: چار سال تک اس مسئلہ میں فریقین کے مابین نزاع کی صورت حال جاری رہی، اور فضا میں اس کی آوازیں گونجتی رہیں، مناظرے کے چیلنج بھی ہوئے اور جگہ جگہ اس موضوع پر ایک دوسرے کے خلاف بیان بھی، عوام نے بھی اس میں حسب استعداد بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا، وہ تو پہلے ہی جنگ وجدال اور ہنگامہ آرائی کے طلبگار اور خواہاں ہوتے ہیں، انہیں یہ اچھا موقع ملا کہ سوائے اس ایک موضوع کے ان کے ہاں گفتگو، تحریر وتقریر کے لیے گویا کوئی اور موضوع نہ رہا۔

بہرحال! عجیب صورت حال ہوگئی، سنجیدہ طبقہ اس کوشش میں رہا کہ فریقین میں اعتدال پیدا ہو اور مفاہمت کی کوئی شکل نکل آئے، بالآخر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے رئیس ومہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نوراللہ مرقدہ نے پاکستان کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا اور انہوں نے بڑی حکمت وبصیرت اور فراست ایمانی، خداداد صلاحیت سے کام لیتے ہوئے فریقین کو ایک مشترکہ عبارت پر دستخط کے لیے راضی کرلیا، اور یوں چار سال کا جاری نزاع اپنے اختتام کو پہنچا، حضرت اقدس قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ نے مسئلہ سے متعلق ایک متفق علیہ تحریر فریقین سے لی، ایک تحریر اور تھی جو فریق ثانی سے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے بائیکاٹ سے متعلق تھی، لیکن بعد میں اس دوسری تحریر کو منسوخ کر دیا گیا تھا، البتہ پہلی تحریر جو نفس مسئلہ سے متعلق تھی اسے نہ صرف برقرار رکھا گیا بلکہ اشاعت التوحید والسنۃ کی مرکزی شوریٰ سے اس کی تائید بھی کرائی گئی، اور پھر صلح کی تکمیل ۳۱ر جولائی ۱۹۶۲ء میں حضرت اقدس مخدوم العلماء مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے جامعہ خیر المدارس میں کرائی۔ اس کی پوری تفصیل کتاب ھذا کے پہلے حصہ میں آپ کی نظر سے گزرے گی۔

اس حوالہ سے یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ فریق ثانی کے بعض حضرات یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے دیوبند جانے سے قبل دونوں تحریروں کو منسوخ فرمادیا تھا یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے، نسخ کا تعلق صرف دوسری تحریر سے تھا جو شاہ صاحب بخاری کے بائیکاٹ سے متعلق تھی۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''خیر المدارس ملتان کے اجلاس میں جس میں حضرت علامہ محمد شریف کشمیری اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہما اللہ جیسے جید علماء کرام تشریف فرما تھے شاہ صاحب بخاری نے کتاب ''المہند'' طلب کی تو خیر المدارس سے کتاب نہ مل سکی، بالآخر حضرت شاہ صاحب بخاری نے اپنے تھیلے سے انہیں ''المہند'' نکال کر دی اور مجلس میں موجود حضرات سے مطالبہ کیا کہ وہ حیات النبیا سے متعلق اس کی عبارت پڑھیں

لیکن کسی کو عبارت پڑھنی نہ آئی، بالآخر حضرت کشمیری کے کہنے پر شاہ صاحب نے خود عبارت پڑھی اور بتایا کہ "المہند" کی اس عبارت میں تعارض ہے۔" (انتہی)

اس پر سوائے انا للہ اور سبحانک ھٰذا بہتان عظیم کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ان حضرات اکابر کو کتاب نہیں ملی، اور پھر ملنے کے بعد وہ عبارت نہ پڑھ سکے، اور نہ ہی بخاری صاحب کا جواب دے سکے؟۔

ان حضرات کا "المہند" پر یہ پرانا اعتراض ہے، احقر اس کا جواب تفصیلا پہلے لکھ چکا ہے، جسے بغور پڑھنے سے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

۱۹۹۰ء میں جب حضرت مولانا محمد حسین نیلوی شاہ صاحب مرحوم سے احقر کی ملاقات ہوئی، انہوں نے بھی اس اعتراض کا ذکر فرمایا تھا، احقر نے اسی وقت "المہند" ہی کی عبارت سے انہیں جواب دے دیا تھا۔

بہر حال! یہ محض دروغ بے فروغ اور اکابر پر بہتان ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا جواب دینا ہوگا۔

حیرت ہے کہ جھوٹے الزام اور بہتان لگاتے وقت انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈر کیوں نہیں لگتا والی اللہ المشتکیٰ!

کتاب ھٰذا میں حضرت قاضی شمس الدین صاحب مرحوم کی تحریر اور مکتوب بھی شائع کی گیا ہے جس سے حیات النبی ﷺ کے متعلق ان کے عقیدہ کی پنڈی کے معاہدہ وصلح سے موافقت اور اتفاق واضح ہے۔

۱۹۸۴ء محرم الحرام ۱۴۰۴ھ میں احقر جامعہ صدیقیہ گجرانوالہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے بخاری شریف سے متعلق اپنے مطبوعہ افادات عطا فرمائے۔ احقر نے مطالعہ کے بعد ان خدمت میں ایک عریضہ لکھا، جس میں عقیدہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ان کی عبارت اور "فتح الملہم" میں اسی سے متعلق حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت لکھ کر ان کی خدمت میں ارسال کی اور لکھا کہ:

"بظاہر ان دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے، اگر میں صحیح سمجھا ہوں تو تصدیق فرما دیں، اور اگر دونوں میں فرق ہے تو وضاحت فرما دی جائے۔"

حضرت نے جواب میں اپنے قلم سے صرف یہ عبارت تحریر فرمائی:

"روح کے اسی تعلق کا نام حیات برزخی ہے۔"

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی اصل عبارت یہ ہے: "ولا یتوھم من ھٰذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فانہ لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرافاً علی البدن المبارک المطیب واشراقاً وتعلقاً بہ۔"

(فتح الملہم: ج ۳ ص ۴۶۱)

نیز ارشاد فرماتے ہیں: "ومن کشف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ھذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلھا وتعلقھا وتاثیرھا فی الارض وحیات الحیوان والنبات بھا لہ" (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

اس کے بعد حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے بھی انہیں ایک تفصیلی مکتوب تحریر فرمایا تھا جس کا مقصد یہی تھا کہ اس مسئلہ میں اسی معاہدہ کو معیار قرار دیا جائے جو حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ نے ۱۹۶۲ء میں فریقین کے مابین کرایا تھا، تشدد، غلو اور تکفیر بازی کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ جانبین اور فریقین اختلاف کو اپنی حدود اور علمی انداز میں

رکھیں، اور عوام کو وہ ان مباحث میں نہ الجھائیں۔ لیکن افسوس اکہ ضعف پیری اور امراض کے ہجوم میں حضرت اس کا جواب تحریر نہ فرما سکے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد انتقال فرما گئے۔

اس فصل میں سب سے اہم تحریر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سابق ناظم اعلیٰ مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کی ہے، جو انہوں نے ثالث حضرات شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کی فرمائش پر لکھی تھی، اس میں حضرت مولانا جالندھری رحمہ اللہ نے فریقین میں اختلاف کے پس منظر کے ساتھ مسئلہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام میں اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کا مسلک بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے اور ساتھ ہی فریقین کے مابین محل نزاع کی تعیین بھی بڑے واضح انداز میں بیان فرمائی ہے، نیز تنقیحات خمسہ اپنا دعویٰ، منکرین حیات کا حکم، اپنے دعویٰ پر قرآن وسنت، اجماع، قیاس اور مذاہب اربعہ کے ساتھ دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے موضوع پر حضرت جالندھری رحمہ اللہ کی یہ تحریر اس قدر جامع، مدلل اور مکمل ہے کہ اس موضوع پر اس سے جامع تحریر اور کتاب نظر سے نہیں گزری۔

اس تحریر کے بعد مسئلہ حیاۃ الانبیاء کرام علیہم السلام کو سمجھنا اور اس پر گفتگو کرنا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے، یہ تقریر دلپذیر اس موضوع پر گفتگو کے لیے ایک اساس و بنیاد کی حیثیت کی حامل ہے، جو پہلی مرتبہ اس کتاب کی زینت بنی ہے اور بلاشبہ اس کے شامل ہونے سے کتاب کی اہمیت کہیں زیادہ ہو گئی ہے، یہ تحریر اپنے موضوع پر یہ بڑے ہی خاصہ کی چیز ہے، امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کریں گے۔ حضرت جالندھری کی تحریر کے چند اہم اور بنیادی نکات یہ ہیں:

۱...... ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جیسی بھی وفات مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی، ہم آپ پر موت کے وقوع کا ہرگز انکار نہیں کرتے، ہمیں موت کے ورود کا منکر قرار دینا جھوٹ ہے۔

۲...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات کو دنیوی کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اس دنیا کی حیات ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسم اطہر میں ہے جو دنیا میں تھا۔

۳...... حیات برزخی میں تعلق ظرفیت کا ہے، یعنی ایسی حیات جو بہ تعلق روح دنیوی جسد اطہر میں عالم برزخ میں ہے۔ حیات کی کوئی اپنی برزکی قسم نہیں ہے۔ عالم برزخ کی ایسی حیات جو دنیوی جسد اطہر میں نہ ہو، ہم ہرگز اس کے قائل نہیں ہیں۔

۴...... ہمارے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ اطہر میں موجود ہے۔ اور اسی تعلق روح کی وجہ سے روضہ اطہر پر پڑھے گئے صلاۃ وسلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام آپ سماعت فرماتے ہیں۔ ''المہند علی المفند'' میں اسی عقیدہ کو حیات دنیویہ اور برزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵...... یہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت اور اہل السنۃ والجماعۃ اور جملہ اکابر دیوبند کا نہ صرف یہ کہ متفقہ عقیدہ بلکہ ان کے عقائد مسلمہ میں شامل ہے۔

۶...... عالم برزخ میں حاصل ہونے والی آپ کی حیات طیبہ میں ایسی نہیں ہے جو ہر اینٹ پتھر میں ہے، کما قال تعالی: "وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" جو شخص ایسی حیات کا قائل ہے وہ منکر حیات ہے۔

۷...... آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر کو روح مبارک کے تعلق سے جو حیات حاصل ہے، جو لا بشرط شئ کے درجہ میں ہے، یعنی دنیوی جسد اطہر سے روح مبارک کا اتصال ہو یا دخول دونوں میں سے کسی طرح کا تعلق مراد لے لیا جائے، صحیح ہے۔ روح مبارک کے مستقر کو اعلیٰ علیین میں مان کر جسم اطہر میں اس کے اتصال سے حیات مان لی جائے، یا جسم اطہر میں اس کے تلبس اور دخول سے حیات مان لی جائے اس سے مسئلہ حیات پورا ہو جاتا ہے، اگر ان دونوں میں سے کسی قسم کا تعلق جسم اطہر سے نہ مانتا ہو تو ایسا شخص منکر حیات ہے۔

۸...... اگر روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کا انکار ہو اور وہ صرف ایسے تعلق کا قائل ہو جو گھر کے مالک کو اپنے گھر سے ہوتا ہے، یہ شخص بھی منکر حیات ہے کیونکہ حیات النبی کے لیے جس تعلق کا ماننا ضروری ہے وہ تعلق حیات ہے، تعلق حیات کا انکار دراصل آپ کی حیات فی القبر کا انکار ہے۔

۹...... قبر اطہر پر پڑھے جانے والے درود وسلام کو حضرت نبی کریم ﷺ بغیر واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں، عند القبر الشریف صلاۃ وسلام کا سماع روح مبارک کے تعلق کے ساتھ ہے، یہ محض روحانی یا خرق عادت کے طور پر نہیں ہے۔

۱۰...... ہمارے نزدیک اس عقیدہ کا منکر کافر نہیں ہے بلکہ گمراہ ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

فتاویٰ جات

دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ (جو شاہ صاحب بخاری کے بھی استاذ محترم ہیں) سے جب عقیدہ حیات النبی ﷺ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا پاکستان کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب کے علاوہ استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب، اور حضرت فقیہ وقت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ کی تصدیق سے یہ فتویٰ "تسکین الصدور" میں شائع ہوا، اس وقت تو اس فتویٰ پر حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی نے فقط تائیدی دستخط فرمائے تھے لیکن ایک عرصہ کے بعد ۱۳۹۵ھ میں جب یہی سوال آپ سے دوبارہ ہوا تو آپ نے ایک تفصیلی فتویٰ جس میں قرآن وحدیث کے دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت فرمایا، یہ فتویٰ اس موضوع پر ایک جامع اور مدلل فتویٰ ہے، چنانچہ اس کی اہمیت کے پیش نظر حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے اس کی نقل طلب کی، حضرت نے از راہ عنایت یہ مدلل ومفصل فتویٰ برائے نقل ارسال فرمادیا، یہ برادرم مکرم ومحترم جناب مولانا قاری امتیاز الرحمن تھانوی مدظلہم کے ہاتھ سے بہت ہی شاندار خط میں لکھا ہوا تھا۔

حضرت والد ماجد نے احقر کو اس کی نقل کا حکم فرمایا، چنانچہ احقر کو اس کے نقل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، کسی تفصیلی مضمون یا فتویٰ کی نقل کا احقر کے لیے یہ پہلا موقع تھا، جیسے کیسے بن پڑا احقر نے اسے نقل کرلیا، حضرت والد صاحب نے اصل سے سے تقابل فرما کر اس کی تصحیح خود فرمائی، بہرحال کتاب ھذا میں یہ فتویٰ پہلے آخر میں شائع کیا گیا تھا اب ابتدائی حصہ میں شائع کیا جارہا ہے۔

گزارش احوال واقعی

کتاب ھذا کے لکھنے کی ضرورت کے بیان کے بعد حضرت نے اس عقیدہ کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔اور اکابر کے متفقہ اعلان کے بعد حضرت مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔

رسالہ ''تعلیم القرآن'' پنڈی۔اپریل،مئی ۱۹۸۴ء میں حضرت مفتی محمد وجیہہ رحمہ اللہ کے فتویٰ کی وضاحت انہی کے قلم سے کی گئی ہے۔پھر حضرت محمد وجیہہ صاحب ہی کا ایک تفصیلی فتویٰ درج ہے،جس پر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کی بھی تصدیق ثبت ہے۔

''ندائے حق جدید'' ۵۹۶ پر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ شائع کر کے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کے متعلق یہ کہنا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی یہ غلو اور تشدد ہے۔

ظاہر ہے کہ سائل نے نام لے کر سوال کیا تھا،اس کا جواب یہی ہو سکتا تھا جو حضرت نے تحریر فرمایا۔اصل طریقہ یہ تھا کہ ان حضرات کے عقائد لکھ کر سوال کیا جاتا اور اس پر جو جواب آتا اسے شائع کیا جاتا۔چنانچہ حضرت والد صاحب نے ان کی کتابوں سے ان کے عقائد تحریر فرما کر سوال مرتب کر کے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی اعظم رحمہما اللہ کو ارسال فرمائے،دونوں بزرگوں کا مصدقہ جواب یہی آیا کہ یہ عقائد صحیح نہیں اور ان عقائد رکھنے والوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

حضرت والد صاحب کا ارسال کردہ استفتاء اور ان اکابر کے مصدقہ جواب کو مکمل طور پر اس کتاب میں شائع کر کے اس پروپیگنڈہ اور باطل کا ازالہ کر دیا گیا ہے جو ''ندائے حق'' کے نام پر کیا جا رہا تھا،بحمد اللہ یہ اصل فتاویٰ احقر کے پاس محفوظ اور موجود ہیں۔

حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی ماہ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا،جس میں آپ ﷺ کی حیات فی القبر الشریف کو حیات برزخی قرار دیا گیا تھا۔اس فتویٰ سے یہ تاثر دیا گیا کہ حضرت مفتی صاحب آپ ﷺ کے لیے قبر اطہر میں محض حیات روحانی کے قائل ہیں۔ایک بزرگ عالم دین کے استفسار پر حضرت مفتی اعظم نے بڑی تفصیل سے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور دلائل سے ثابت فرمایا کہ آپ ﷺ کی حیات فی البرزخ محض روحانی حیات نہیں بلکہ حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔

حضرت مفتی اعظم فرماتے ہیں کہ: جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہ کہ میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔آپ کا یہ وضاحتی تفصیلی اور مدلل فتویٰ ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا۔

کتاب ھذا میں حضرت والد صاحب نے یہ تمام تفاصیل مع فتویٰ درج فرما دی ہے۔یہ فتویٰ اس مسئلہ میں فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہے۔

''کفایت المفتی'' ج ۱ ص ۱۶۸ پر ایک فتویٰ میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی ایک عبارت جس میں آپ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کو برزخی قرار دیتے ہوئے دنیوی ہونے کی نفی فرمائی ہے۔اس عبارت سے بھی مغالطہ دیا جاتا ہے۔

''المہند'' پر حضرت مفتی صاحب کی تصدیق کی عبارت اور دوسری عبارات کی روشنی میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن اکابر کی عبارت میں قبر اطہر کے دنیوی ہونے کی نفی ہے اس سے مراد دنیوی مطلق کی نفی ہے، یعنی ہر اعتبار سے دنیوی ہونے کی نفی ہے، مطلق دنیوی کی نفی نہیں ہے، یعنی اگر جسم مبارک دنیوی ہو اور اس میں روح مبارک کے تعلق سے ایسی حیات آجائے جس سے صلاۃ وسلام آپ سماعت فرما کر جواب دے سکیں اس کی نفی مراد نہیں ہے۔

''المہند'' پر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی تقریظ سے یاد آیا کہ احقر نے ۱۹۹۰ء مولانا محمد حسین نیلوی صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ آپ ''المہند'' کو کیوں نہیں مانتے؟ جبکہ آپ کے استاذ محترم حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ نیلوی شاہ صاحب نے فرمایا کہ: ''استاذ محترم نے اپنے بڑوں کے اعتماد پر تصدیق فرمادی، کتاب کو پڑھا نہیں۔'' احقر نے فوراً حضرت مفتی صاحب کی مصدقہ عبارت پڑھ کر سنادی، جس میں تصریح ہے کہ: ''میں نے ان تمام جواب کو پڑھا ہے، یہ سب حق ہیں اور یہی میرا اور میرے مشائخ کا عقیدہ ہے۔'' تو انہیں اس سوال کا جواب نہیں آیا۔

افسوس! کہ اپنے اکابر اساتذہ کرام کا دامن چھوڑ کر ہمیشہ یہ حضرات ان کی مخالفت کرتے رہے، اور اپنے بڑوں پر عدم اعتماد کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ حفظنا اللّٰہ جمیعاً من الغوایۃ والضلالۃ ومن سوء الادب مع الاکابر!

مکتبہ فیصل سرگودھا کے بانی مولانا خدا بخش صاحب مرحوم سے پرانا تعلق تھا، وہی اس مکتبہ کے بانی اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے مرید بھی تھے۔ مناظرہ سلانوالی بابت ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء مطبوعہ لکھنو کا ذاتی نسخہ حضرت والد صاحب نے ہی انہیں اشاعت کے لیے دیا تھا، موصوف نے اسے شائع کیا تھا لیکن انہی کے ہم مسلک ایک اور مکتبہ نے اس کا عکس شائع کردیا جس کی وجہ سے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا، موصوف ہمیشہ اس کا شکوہ کرتے رہے۔

بہرحال! ایک مرتبہ احقر نے ان سے ملنے اور کتابیں دیکھنے کے لیے ان کے مکتبہ پر حاضر ہوا تو انہوں نے ''اعلاء السنن'' ج ۱۷ کتاب الاضحیۃ کی ایک عبارت کا ایک فوٹو اسٹیٹ صفحہ پیش کیا، ان کا کہنا تھا کہ اس میں تصریح ہے کہ آپ ﷺ کو قبر اطہر میں جو حیات حاصل ہے کہ وہ برزخی ہے۔ اسے دنیوی کہنا صحیح نہیں، نہایت ضروری تھا کہ اس مغالطہ کو بھی دور کردیا جائے، چنانچہ حضرت نے اس کتاب میں اس عبارت کی وضاحت بھی فرمادی۔

ان مباحث کے بعد مقدمۃ الکتاب کے عنوان سے حضرت نے مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت حدیث ما انا علیہ واصحابی کی تشریح، مسلک اہل السنۃ کے امتیازات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، بعض لوگ سلف صالحین کی اتباع کو اہمیت نہیں دیتے، قرآن اور حدیث کا مفہوم ان سے ہٹ کر بیان کرکے اس بات کے مدعی بن جاتے ہیں کہ اصل قرآن وسنت ہے۔ اتباع سلف کی کوئی اہمیت نہیں۔ خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یہی طریقہ اپنایا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ اتباع سلف صالحین سے ہٹ کر قرآن وسنت کا آزادانہ معنیٰ کرکے اسے قرآن وسنت کے نام پر پیش کرنا یہ خوارج کا طریقہ ہے۔

قبر میں اعادۂ روح کو قرآن کریم کی نص کے خلاف قرار دینا بھی اسی کی ایک مثال ہے۔ بعض حضرات قبر میں اعادۂ روح اور قبر میں جسم سے روح کے تعلق کو نص قرآنی: اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا، الآیۃ کے خلاف قرار دے کر قبر میں میت کے جسم سے روح کے تعلق کے ماننے والوں کو کافر قرار دے رہے ہیں، ان کے زعم میں یہ

اعادہ اور تعلق اس آیت کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ مغالطہ ہے اہل حق اعادۂ روح اور تعلق روح کے قائل ہیں، ان کو نص قرآنی کے مخالف کہنا انتہا درجہ کی دلیری اور بے باکی ہے۔

بہر حال! اس مغالطہ کا مکمل جواب کتاب میں دے دیا گیا ہے، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ منکرین حیات کی اعادہ روح الی القبر کے انکار پر: اللّٰہ یتوفی الانفس، الآیۃ۔ بڑی مایہ ناز دلیل ہے، چنانچہ ان کے ایک مشہور عالم نے ''علماء پاکستان کے نام ایک کھلا خط'' کے عنوان سے اسی آیت کو پیش کر کے دعویٰ کیا تھا کہ اعادہ روح الی القبر قرآن کریم کی اس نص صریح کے خلاف ہے، جبکہ یہ ان کی کھلی خطا اور غلطی تھی۔ یہ بالکل بدیہی اور عقلی بات ہے کہ اگر اعادہ روح کا عقیدہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہوتا تو علماء حق اس کے کیوں قائل ہوتے؟ کیا ان حضرات نے قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھا اور سمجھا نہیں تھا؟ کیا ان سب کی تغلیط اور تخطیہ کی بجائے اس شخص کو خطا پر قرار دینا بہتر نہیں ہے جو ان سب کے خلاف اپنی سمجھ اور فہم کو حجت قرار دے کر سب کو غلط کہہ رہا ہے، فاعتبروا یااولی الابصار!

دراصل یہ سب غلط ہے، قرآن کریم کی آیت کا یہ معنیٰ ہے ہی نہیں جو ان منکرین حیات نے سمجھا ہوا ہے۔ تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں، حقیقت سمجھ آجائے گی۔ اسی سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ کا ارشاد چشم کور کے لیے سرمہ بصیرت کا درجہ رکھتا ہے۔

''جواہر القرآن'' میں حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے عدم سماع موتی پر استدلال کیا گیا ہے، اسی طرح اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی نفس سماع موتی پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کتاب ھذا میں اس کا تحقیقی جواب لکھ دیا گیا ہے، ان مباحث پر کتاب کا مقدمہ مکمل ہو جاتا ہے۔

اصل کتاب کا آغاز

اصل کتاب کے آغاز میں حضرت نے مسلک علماء دیوبند کی وضاحت فرما کر ثابت فرمایا کہ یہ کوئی الگ فرقہ یا جماعت نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا دوسرا نام مسلک دیوبند ہے۔ سلف اور خلف سے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا جو مسلک چلا آرہا ہے علماء دیوبند کا بھی وہی مسلک ہے، اس بارہ میں جو غلط نظریہ ہے اس کی مدلل تردید کرتے ہوئے قبر میں عود روح الی الجسد کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

عذاب اور ثواب قبر کے بارے میں جمہور اہل السنۃ کا مسلک یہی ہے کہ یہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اس کا اثبات اور اس کے خلاف دوسرے نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

اگر مردہ جلا دیا جائے، غرق ہو جائے، درندہ اسے کھا لے اس کا عذاب وثواب کہاں ہوگا؟ اس کا مفصل جواب بھی اہل سنت کی کتب سے دیا گیا ہے۔

انکار حیات کا منشأ اور عالم برزخ میں روح کا اعادہ جسم کے معذب ہونے کا ثبوت نیز حضرت حکیم الامت تھانوی کی عبارت سے استدلال، جسم سے روح کے تعلق پر حضرت مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمن صاحب کا فتویٰ، قبر کی حیات کے انکار پر آیت قرآنی: قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین سے استدلال کا مدلل جواب بھی دے دیا گیا ہے۔

ایک عظیم مغالطہ کہ اخبار احاد سے عقیدہ کیسے ثابت ہوگا؟ اس کے جواب کے بعد قبر کی حقیقت اور بعض

دیگر مغالطات کا جواب بھی لکھ دیا گیا ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی عبارات سے واضح کر دیا گیا ہے۔ قبر کا گڑھا بھی عالم برزخ کا حصہ ہے، البتہ عالم برزخ کو اس میں منحصر کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ عام ہے جو اس گڑھے کو بھی شامل ہے۔ منکرین حیات حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی کی بعض کتب ''اشرف الجواب'' وغیرہ کی عبارات کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کر کے مغالطہ دیتے ہیں، اسی طرح بعض اور بزرگوں کی عبارات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں۔ جناب مولانا نیلوی صاحب مرحوم نے بھی اسی پر سارا زور لگا دیا ہے، لیکن افسوس انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اس گڑھے سے قبر کی نفی کس درجہ میں ہے: ع

سخن شناس نہ ای دلبرا خطا ایں جاست

مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی مرحوم بانی ضیاء العلوم سرگودھا نے اپنے رسالہ ''الاقوال المرضیۃ'' میں ایک انوکھی تحقیق پیش فرمائی کہ عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔

یہ نظریہ چونکہ اہل السنۃ کے مسلک کے خلاف اور معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور کرامیہ کی صدائے بازگشت ہے اس لیے اس کی مفصل اور مدلل تردید کی گئی۔

عالم برزخ میں ابدان کے ساتھ ارواح کا تعلق اہل السنۃ کے ہاں ثابت ہے لیکن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم اس کے قائل نہیں ہیں اور وہ اس سلسلہ میں سکوت کو سب سے احوط قرار دیتے ہیں۔

حضرت نے ان کے اس نظریہ پر بڑا بصیرت افروز تبصرہ فرما کر ثابت کیا ہے کہ یہ کسی طرح بھی احوط مسلک نہیں بلکہ جمہور اہل السنۃ کے خلاف ہے۔ بدن مثالی کے ساتھ عذاب وثواب کا قول اگرچہ بعض صوفیاء کا ہے لیکن علماء متکلمین اس کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی منکرین حیات قرآن وسنت سے اسے ثابت کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس کتاب ''حیات الانبیاء'' میں حیات انبیاء کرام کے عقیدہ پر بحث کی گئی ہے، اس میں علماء دیوبند کا مسلک اور کتاب ''المہند'' کے مختصر تعارف کے ساتھ حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح کے بعد حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ پر انکار وفات کے الزام کا رد فرمایا گیا ہے اور آپ علیہ السلام پر وفات شریفہ کے ورود کی تصریح خود حضرت نانوتوی ہی کی عبارت سے ثابت کی گئی ہے۔

پھر حضرت نبی کریم علیہ السلام کی حیات جسمانی پر قرآن کریم کے دلائل قائم کیے گئے ہیں، نیز حیات شہداء سے متعلق روایات کے ظاہری تعارض میں تطبیق کی ایسی تقریر کی گئی ہے جس سے تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد عقیدہ حیات النبیا پر احادیث سے استدلال کا آغاز ہوا۔ اور علماء امت کے اجماع سے اس عقیدہ کو ثابت فرمایا گیا ہے۔

انکار حیات کا منشاء

معتزلہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ آپ علیہ السلام وفات شریفہ کے بعد مکمل طور پر آپ نبی اور رسول ہیں، حقیقی اعتبار سے آپ نبی اور رسول نہیں رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ نبوت کے لیے شعور لازم ہے اور علم واحساس کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن نہیں، جب وفات کے بعد شعور نہیں رہا تو نبوت کیسے باقی رہے گی۔

کرامیہ کے اس نظریہ کی تردید اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اکابر اہل سنت کی تصریحات کے ذکر کے بعد حیات دنیوی کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، اسے سمجھنے کے بعد کوئی مغالطہ باقی نہیں رہتا۔

مسئلہ سماع انبیاء کرام علیہم السلام

آنحضرت ﷺ کے سماع عند القبر الشریف پر تمام اہل السنۃ کا اتفاق اور اجماع ہے، لیکن منکرین حیات نے اس کا بھی انکار کیا ہے، وہ جیسے حیات روحانی کو مانتے ہیں ان کے ہاں سماع بھی روحانی ہے اور روضہ اطہر پر پڑھے جانے والے درود شریف کو بھی آپ خود سماع نہیں فرماتے، حالانکہ یہ اہل السنۃ کے مسلک کے خلاف ہے۔ کتاب ھذا میں اس اجماعی مسئلہ کو بھی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

سماع عند القبر الشریف کے اثبات میں جن روایات واحادیث سے استدلال کیا گیا ہے، ان کی سند پر بھی بحث کی گئی ہے بطور خاص حدیث پاک: من صلی علی عند قبری سمعتہ پر تفصیلی کلام کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ اس کی جس سند میں مروان بن سدی صغیر ہے، ہمارا استدلال اس سے نہیں بلکہ دوسری سند ہے، اسی طرح اس مسئلہ کا اثبات اسی حدیث پر موقوف نہیں دیگر دلائل سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اپنے روایتی تشدد اور بعض مسائل میں تفرد کے باوجود علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن القیم بھی اہل حق کے ساتھ ہیں۔ ان کے حوالے اور حضرت علامہ شبیر احمد عثانی اور دیگر اکابر رحمہم اللہ کے حوالہ جات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور مسئلہ سماع موتی

کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کا اصل موضوع اگرچہ اصلی موضوع انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبور اور سماع کا مسئلہ ہے، لیکن ضمناً عام موتی کے سماع عند القبور کے مسئلہ کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ عام سماع موتی کا مسئلہ شروع سے ہی اختلافی چلا آرہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی اس مسئلہ میں اختلاف تھا اور بعد کے اہل حق میں بھی یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے اہل حق میں اب تک اس میں دو گروہ موجود ہیں، علماء دیوبند اور جمہور فی الجملہ عام سماع موتی کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہی راجح ہے، جبکہ ایک طبقہ اس کا منکر ہے لیکن ان کے درمیان یہ کوئی حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ راجح ومرجوح کا اختلاف ہے، دلائل کی روشنی میں جس کے ہاں جو رائے صحیح ہے وہ اس کا قائل ہے چونکہ دونوں مسلک صحیح ہیں، اس لیے جس مسلک کو بھی اپنا لیا جائے صحیح ہے، لیکن سماع موتی یا عدم سماع کے قائلین میں سے کسی کی بھی تفسیق وتجہیل اور تکفیر جائز نہیں، اور نہ ہی قائلین سماع کو شرک یا نص قطعی کا منکر کہنا صحیح ہے، کیونکہ یہ انتہا درجہ کا غلو تشدد اور تجاوز عن الحدود ہے، جس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو، اس کا آج فیصلہ نہیں ہو سکتا اگر اس مسئلہ میں ایسی نص قطعی ہوتی جس کی دلالت بھی عدم سماع موتی پر قطعی ہوتی تو صحابہ کرام اور اہل حق میں اختلاف ہی نہ ہوتا، ان حضرات میں اختلاف ہونا ہی اس کی دلیل ہے کہ عدم سماع موتی پر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص نہیں ہے۔

بہرحال! سماع موتی فی الجملہ کے قائلین کو نص قرآن کا مخالف بلکہ مشرک تک کہا جا رہا ہے۔ اور ''جواہر القرآن'' میں صحابہ کرام کے مابین اسے اختلافی مان کر بعد میں عدم سماع موتی کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ عقیدہ قرار دیا جا رہا ہے، اس لیے ضرورتاً وضمناً اس مسئلہ پر بھی اہل حق کا موقف اور راجح مسلک کے دلائل بیان

کر کے سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مسلک پر تفصیلی کلام کیا گیا ہے اس کے بعد منکرین سماع موتی جن آیات سے اپنے موقف پر استدلال کرتے ہیں ان کا مدلل جواب اور ان آیات کی صحیح تفسیر و مفہوم بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

استعارہ کی نفیس بحث

حق تعالیٰ کے ارشاد گرامی :انک لا تسمع الموتی۔ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے، اس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتی اور مردوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہاں مردوں سے حقیقی مردے مراد نہیں ہیں بلکہ کفار مراد ہیں۔اور لا تسمع میں سماع نافع کی نفی کی گئی ہے،یعنی جیسے مردے سننے کے باوجود بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور انہیں سنانے کا کوئی فائدہ نہیں،اسی طرح کفار بظاہر سنتے ہیں لیکن قبول نہیں کر سکتے تو ان کے حق میں آپ کا یہ سنانا یعنی تبلیغ کرنا مفید نہیں ہے۔

بہر حال !یہاں کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے اس مقام کو کما حقہ سمجھنے کے لیے علم بلاغت میں ذکر کردہ استعارہ کی بحث سمجھنے کی ضرورت ہوگی اس لیے حضرت نے یہاں استعارہ کی نفیس بحث ذکر فرما کر واضح کر دیا کہ اس آیت سے عدم سماع موتی پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہاں سرے سے سماع کی نفی ہی نہیں ہے بلکہ اسماع (سنانے) کی نفی ہے اور مراد سماع و اسماع سے نافع ہے نہ کہ مطلق سماع،اس لیے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ کسی نے بھی نہیں کیا کہ مردے نہیں سنتے۔

احقر کو یاد ہے کہ حضرت والد ماجد مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا میں شہر کے علماء کرام سے خطاب فرما رہے تھے،اس میں اوقاف کے ضلعی خطیب صاحب جو سماع موتی کے منکر تھے وہ بھی موجود تھے،حضرت والد صاحب نے سماع موتی کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے اسی آیت کے بارہ میں فرمایا کہ اس کا یہ ترجمہ کہ:''مردے نہیں سنتے''، ہرگز صحیح نہیں اور نہ ہی کسی نے یہ ترجمہ کیا ہے،حتیٰ کہ''جواہر القرآن''میں مولانا غلام اللہ خان صاحب نے بھی اس آیت کا یہ ترجمہ نہیں کیا،اس آیت کے علاوہ بھی پورے قرآن کریم میں سے کوئی شخص ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کر سکتا،جس میں یہ ہو کہ مردے نہیں سنتے،اسی طرح مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر''ازالہ اوہام''میں جو تیس آیتیں لکھی ہیں منکرین حیات بھی انہی سے اپنے عقیدہ پر استدلال کرتے ہیں،ان آیات کے علاوہ وہ کوئی آیت اپنے دعویٰ پر پیش نہیں کر سکتے،اس وقت عجیب سا تھا اور ضلعی خطیب صاحب جو اپنے جلال و دبدبہ میں مشہور تھے بالکل دم بخود تھے۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ تحصیل شاہ پور صدر میں عرصہ دراز قبل منکرین حیات وسماع کے ایک عالم نے پورے علاقہ میں اس مسئلہ کو پھیلا رکھا تھا اور ہر جگہ ان کی تقریر کا موضوع یہی مسئلہ سماع موتی ہوتا تھا۔عوام میں وہ قرآن کریم کی آیت :ان لا تسمع الموتی، وماانت بمسمع من فی القبور وغیرہ پڑھ کر یہی ترجمہ اور تشریح کر رہے تھے کہ:اللہ تعالیٰ کا کلام واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ مردے نہیں سنتے اور جو سماع موتی کا قائل ہے وہ قرآن کریم کی اس نص کا منکر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

جب کئی مقامات پر انہوں نے اس طرح کے بیان سے عوام کے ذہنوں کو خراب اور فضا کو مسموم کیا،تو حضرت والد صاحب نے مقتضائے حال اور ضرورت کے پیش نظر ان کا تعاقب کیا،ان کی تقریر کا رد،اہل السنۃ کے موقف کی وضاحت اور علماء دیوبند کے مسلک کی تبلیغ فرمائی،آپ تحصیل شاہ پور کے ایک موضع گجرانوالہ تشریف لے گئے،جہاں وہ مولوی صاحب اسی مسئلہ پر بیان کر چکے تھے،آپ نے ظہر تا عصر بڑی تفصیل اور دلائل سے اصل مسئلہ کو بیان فرمایا اور مختلف کتب تفسیر اور تراجم کا حوالہ دیا،دوران تقریر مسجد کے امام صاحب جو خیر سے مماتی تھے،ہاتھ

میں مصحف لے کر کھڑے ہوئے، اور: "انک لا تسمع الموتی" کا ترجمہ پیش کیا۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا یہ کس کا ترجمہ ہے؟ امام صاحب نے کہا یہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے، یہ حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ نہیں، اسے ترجمے سمیت پکڑ کر میرے پاس لاؤ، چنانچہ لوگ اسے پکڑ کر اسٹیج کے قریب لائے، حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ سرورق کھول کر دکھاؤ یہ کس کا ترجمہ ہے۔ جب اس نے سرورق کھولا تو اس پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا نام نہیں تھا، اس طرح حضرت کی بات صحیح ثابت ہوئی اور سب کے سامنے وہ رسوا ہوا۔ اللہ کے گھر میں جھوٹ پر اس قدر دیدہ دلیری سے سب کو حیرت ہوئی اور ساتھ ہی حضرت والد صاحب کی گرفت اور ان کے استحضار پر سب لوگ حیران تھے۔

بہرحال! آیت بالا اور اس طرح کی دوسری آیات میں مردوں کو آپ کے سنانے کی نفی کی گئی ہے، یہ کسی آیت میں بھی نہیں کہ مردے نہیں سنتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے: ان اللہ یسمع من یشاء، میں تصریح فرمادی ہے کہ سنانا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، وہ جب چاہتا ہے سناتا ہے آپ ہر ایک کو نہیں سنا سکتے، ہاں البتہ جو مومن بالآیات ہے انہیں آپ یقیناً سناتے ہیں، ان تسمع الا من یومن بآیتنا، کیونکہ وہ آپ کی بات قبول کرتے ہیں۔ یہ ہے اصل صورتحال لیکن منکرین سماع نے ان آیات کی تشریح کچھ سے کچھ کر کے عدم سماع موتی کو قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہونے کا دعویٰ کر دیا، اور قائلین سماع کو ان آیات کا منکر قرار دے دیا، نعوذ باللہ من ذلک۔

الغرض! استعارہ کی نفیس علمی اور مفید وافید بحث کے بعد عبارات اکابر کی روشنی میں سماع موتی کے راجح ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

پھر حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی کتاب "عبارات حدیث" سے دو حدیثیں پیش کی گئی ہیں جن سے سماع صلاۃ وسلام عند القبر الشریف پر استدلال کیا گیا ہے۔

حضرت الوانی رحمہ اللہ نے ان دو حدیثوں کو صرف پیش نہیں فرمایا بلکہ ان سے استدلال بھی فرمایا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کی تحقیق اور حدیث میں رد اللہ علی روحی کے مطلب کی تقریر اکابر کے حوالہ سے بیان کر کے اس پر ہونے والے اشکال کو دور کیا گیا ہے، ساتھ ہی ایک دوسرے عامیانہ بلکہ گستاخانہ اعتراض کہ آپ علیہ السلام اتنے سلام کا جواب کیسے دیتے ہوں گے، اسے بھی دور کیا گیا ہے، اور اس کے بعد عقلی طور پر کئے جانے والے شبہات کا ایسا جواب جو انتہائی اہم اور اصل کلی کا درجہ رکھتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے جسے بغور پڑھنے کے بعد تمام عقلی استبعادات اور شبہات دم توڑ جاتے ہیں، اور تمام برزخی اور اخروی معاملات کے حوالہ سے شرح صدر ہو جاتا ہے۔

منکرین حیات کا مشہور اشکال ہے کہ اگر آپ ﷺ کی قبر مبارک میں دنیوی حیات ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسئلہ خلافت وغیرہ کا فیصلہ آپ سے کیوں نہیں کرا لیا؟ انا للہ، یا للعجب۔ یہ کس نے کہا ہے کہ قبر شریف کی یہ حیات مبارکہ ہر اعتبار سے دنیوی ہے اور تکلیفی حیات ہے، حد ہو گئی۔

بہرحال! کتاب میں اس کا جواب بھی موجود ہے اور غیر متعلقہ آیات سے استدلال کا جواب بھی دیا گیا ہے، جس میں غیر متعلقہ آیات سے عدم سماع موتی پر استدلال کے شافی کافی جواب دیے گئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

استشفاع عند القبر الشریف

آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت فرمائیں، جائز اور درست ہے۔

کتاب ھذا میں اس مسئلہ پر بحث فرمائی گئی ہے، متعدد کتب کے حوالہ جات اور اکابر کی عبارات نیز آیت قرآنی اور صحابہ کرام کے اثر سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد صاحب ''جواہر القرآن'' مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کا نظریہ نقل کر کے اسے رد کیا گیا ہے، آیت قرآنی: ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک سے جن حضرات نے استشفاع من قبر النبی ﷺ کے جواز پر استدلال کیا ہے ان کتابوں کے حوالے جدید صفحات لکھ دیے گئے ہیں۔

کتاب ''حیات انبیاء کرام علیہم السلام'' کی سب سے اہم اور آخری بحث بلوغ صلاۃ وسلام سے متعلق ہے، اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ آپ علیہ السلام کی قبر اطہر پر حاضر ہو پڑھے گئے درود و سلام کو آپ خود سماعت فرماتے ہیں اور دور سے پڑھے جانے والے صلاۃ وسلام کو آپ خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں، اس اجماعی موقف کے خلاف کتاب ''شفاء الصدور'' کے مؤلف اور مترجم نے لکھا ہے کہ: ''باقی رہا سلام و درود کا بلوغ سو اس سے مراد ثواب ہے جو ہر فوت شدہ کو ملتا ہے'' (ص ۴۴)

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید فرما کر اصل مسلک کی تائید فرمائی ہے اور اسی بحث پر کتاب کی مباحث بخیر وخوبی مکمل ہو جاتی ہے، فللہ الحمد ولہ الشکر!

مکتبہ اشرفیہ لاہور سے کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ عرصہ دراز سے ضرورت تھی کہ اسے شائع کیا جائے، چنانچہ اسی لیے ایک عرصہ قبل اس کی کمپوزنگ کرائی گئی تھی، خیال تھا کہ تصحیح اور نئی ترتیب کے بعد اسے شائع کر دیا جائے، لیکن کئی سال تک اس کی نوبت نہ آئی، اب جبکہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے مالک محترم ومکرم جناب حافظ محمد اسحاق صاحب زید مجدہم نے اپنے ادارہ سے اس کی اشاعت کا تقاضہ کیا تو پوری کتاب کی از سر نو خواندگی اور مطبوعہ کتاب سے تقابل، تصحیح اور ترتیب جدید کا اہتمام کیا گیا۔ برادر زادہ برخوردار مولوی عبدالناصر ترمذی سلمہم نے اس کے لیے خاص وقت نکالا اور شب و روز محنت کر کے ان تمام مراحل کی تکمیل کی۔ بندہ نے بھی پوری کتاب کی خواندگی، جدید ترتیب اور بعض مقامات کی تصحیح کی سعادت حاصل کی اور ساتھ ہی ایک مفصل و مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا جس میں بہت سی ضروری اور مفید ابحاث کا اضافہ کر دیا ہے، نیز کتاب ہذا کا مفصل تعارف بھی کرا دیا ہے جس سے اس کی اہمیت اور عظمت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب مساعی کو قبول فرمائیں اور حضرت مؤلف رحمہ اللہ کے درجات کی بلندی کا سبب اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین!

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

خادم الافتاء والحدیث جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۷ رشعبان المعظم ۱۴۴۵ھ ۹ رمارچ ۲۰۲۴ء

***

عقیدۂ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے انکار کا پس منظر

ازقلم

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

حرف اولین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

اہل علم میں غالباً ۱۹۵۸ء سے پاکستان میں بعض مسائل وجہ نزاع اور سبب افتراق بنے ہوئے ہیں، بعض وہ علماء جو خود کو اکابر علماء دیوبند کی طرف منسوب کرتے ہیں وہی اکابر دیوبند کی تحقیق سے ان مسائل میں اختلاف و انحراف کررہے ہیں۔ان مسائل میں سرفہرست مسئلۂ حیات النبی ﷺ ہے اور اس کی فرع آنحضرت ﷺ کا سماع عند القبر الشریف اور استشفاع من القبر المنیف کا مسئلہ بھی ہے، عالم برزخ اور قبر کے عذاب وثواب کا مسئلہ بھی انہیں مسائل میں شامل بلکہ متذکرہ مسائل کے لئے بمنزل اصل الاصول کے ہے جن میں اختلاف شدت اختیار کرگیا ہے۔

پاکستان میں نزاع کی ابتداء

(پاکستان میں ان مسائل میں) اس نزاع کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ملک کے مشہور دینی مدرسہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی نے داعی حضرات کی رواداری اور حسن سلوک اور تمام تر آداب مجلس سے قطع نظر کرکے اپنے خاص نظریات کی تبلیغ شروع کردی اور اس خالص مسلک دیوبند کے سٹیج کو اپنے خصوصی نظریات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا۔جس کا اسی موقعہ پر شدید ردعمل ہوا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلک اکابر دیوبند کی تائید وحمایت کرتے ہوئے علمی انداز میں باحوالہ مخالف مسلک ونظریات کی تردید اسی جلسہ میں کردی مگر افسوس معاملہ اسی پر ختم نہیں کیا گیا بلکہ اکابر دیوبند کے گروہ علماء اپنے ذاتی نظریات کی ہر جگہ برملا تشہیر وتبلیغ شروع کردی اور ملک کے طول وعرض میں یہ مسائل عوامی سطح پر مشتہر کردیئے گئے۔

نزاع کے ختم کرنے کی کوشش

اس اختلاف کو سلجھانے اور عوام کو افتراق سے بچانے کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ثالثی کی تجویز بھی فریقین نے تسلیم کی اور دونوں ثالث حضرات نے فریقین کو اپنے اپنے مؤقف اور اس کے دلائل لکھنے کے لئے خط بھی ارسال کیا۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا لال حسین اختر مرحوم نے تحریری طور پر اپنے مؤقف کو مدلل کرکے ثالث حضرات کی خدمت میں بھیج دیا۔مگر دوسرے فریق نے اس سے پہلوتہی کی۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی آگاہی کے لئے اس جگہ مذکورہ ثالثی کی ضروری تفصیل بیان کردی جائے۔مجلس تحفظ ختم نبوت کا شکریہ: یہ تفصیل مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی اس قلمی فائل سے مرتب کی گئی ہے جو مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے دفتر میں موجود ہے اور اس فائل میں اس سلسلے کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ فریقین کی تحریرات محفوظ ہیں۔

کارکنان عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا شکریہ

یہ احقر مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنوں اور منتظمین کا بے حد شکر گزار ہے کہ انہوں نے یہ قیمتی معلوماتی فائل محفوظ رکھی ہوئی ہے اور استفادے کے لئے حقیر کے پاس بھیج دی۔ جزاھم اللہ خیرا!

محب محترم مولانا عبدالرحیم اشعر ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان خصوصیت سے احقر کے لئے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کی توجہ اور عنایت سے اس علمی تحریر کی نقل مہیا ہو سکی جو مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور مولانا لال حسین اختر مرحوم نے ثالث حضرات کی خدمت میں مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بارے میں ان کی طلب پر بھیجی تھی۔ جس سے فریقین کے اختلاف ونزاع کا پتہ چلتا اور موضوع اختلاف کا تعین ہوتا ہے۔ ہم اس مفصل تحریر کی نقل افادہ عام کے لئے آگے ہدیہ ناظرین کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

نزاع کے خاتمہ کے لئے ثالثی اور معاہدہ سکھر

واضح ہو ۵ رجنوری ۱۹۶۱ء کو سکھر کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کو فریقین مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا لال حسین اختر، مولانا غلام اللہ خانؒ، مولانا سید عنایت اللہ شاہ نے درج ذیل تحریر پر دستخط کر کے ثالث تسلیم کر لیا تھا۔

ثالث نامہ از فریقین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

بخدمت گرامی حضرت شیخ الحدیث علامہ مولانا ظفر احمد عثانی

وحضرت مولانا احتشام الحق تھانوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ہم مندرجہ ذیل فریقین نے مسئلہ حیات النبی ﷺ (حیات برزخی وحیات دنیوی) کے تصفیے کے لئے آپ دونوں بزرگوں کو حکم تسلیم کیا ہے۔ امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر مسئلہ مذکور میں فریقین کے دلائل سن کر جو فیصلہ فرمائیں گے فریقین اسے تسلیم کریں گے۔

مکرر آں کہ ہم نے آپ کو حکم تسلیم کر کے آپ کا فیصلہ ماننا باہمی تسلیم کر لیا ہے۔ ہم آپ کے فیصلے کے پابند ہوں گے۔ نہایت ادب سے التماس ہے کہ آپ ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخش کر موجودہ نزاع کو ختم کرنے میں امداد فرمائیں۔ یہ اجتماع سکھر میں ہوگا تاریخ ۱۷، ۱۸ رجنوری ۱۹۶۱ء مقرر کی گئی ہے۔

والسلام المرقوم ۵ رجنوری ۱۹۶۱ء

محمد علی جالندھری　　بقلم لال حسین اختر　　لاشئ غلام اللہ　　عنایت اللہ

ہوا یہ کہ اس مقررہ تاریخ مناظرہ پر بوجہ وارنٹ گرفتاری مولانا محمد علی رحمہ اللہ سکھر نہ پہنچ سکے اور ان تاریخوں میں سکھر میں اجتماع نہ ہو سکا۔ اس کے بعد مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ نے مناسب سمجھا کہ زبانی مناظرے اور گفتگو سے پہلے فریقین سے ان کے اپنے اپنے دعوے اور دلائل کی تحریر حاصل کر لی جائے تاکہ زبانی

بحث ومناظرے اور فیصلے کے وقت اس سے مدد لی جاسکے۔ چنانچہ مجوزہ ان دونوں ثالث حضرات کا مکتوب گرامی جس کو انہوں نے اس مقصد کے لئے فریقین کی طرف ارسال فرمایا تھا حسب ذیل ہے:

ثالث حضرات کا مکتوب گرامی

محترم گرامی قدر مولانا محمد علی صاحب جالندھری

السلام علیکم! آپ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ میں ہمیں ثالث تسلیم کیا ہے اس سلسلہ میں تحریر ہے کہ آپ اپنا دعویٰ اور اس کے دلائل تحریر کر کے ارسال کریں اور اپنی تحریر کی دو کاپیاں بھیجیں تا کہ ایک کاپی ہم دوسرے فریق کو روانہ کر سکیں۔ اسی طرح چار چار پرچہ تحریر کرائے جائیں گے۔

۲...... جو آپ تحریر کریں اس پر مولانا لال حسین صاحب اختر کے بھی دستخط ہوں اگر مولانا لال حسین صاحب کو آپ سے کوئی اختلاف ہو تو وہ اپنا اختلافی نوٹ تحریر کریں۔

۳...... اس کا جواب دس روز کے اندر اندر روانہ کریں۔

(دستخط ثالث حضرات ۱۴ر فروری ۱۹۶۲ء، ترجمان اسلام ص ۳ لاہور ۲۷ر اپریل ۱۹۶۲ء)

فریقین کا ردعمل

اس مکتوب گرامی کے جواب میں مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے دس روز کے اندر اندر موضوع و دلائل سے متعلق مفصل تحریر لکھی اور اس پر مولانا لال حسین اختر صاحب رحمہ اللہ کی تصدیقی تحریر بھی حاصل کر لی۔ وہ تحریر مع تصدیق مولانا لال حسین اختر ۲۴ر اپریل ۱۹۶۲ء کو ثالث حضرات کی خدمت میں بھیج دی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کی وصول یابی کی اطلاع دیتے ہوئے مولانا محمد علی صاحب رحمہ اللہ کے نام اپنے ۷ر ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ (۱۲ر مئی ۱۹۶۲ء) کے گرامی نامے میں ارقام فرمایا۔

''آپ کا خط مع مضمون حیات النبی ﷺ موصول ہوا۔''

اب سنئے کہ مذکورہ ثالث نامہ لکھنے والے دوسرے فریق، مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے اس مکتوب گرامی کے جواب میں کیا طرز عمل اختیار کیا۔ چونکہ اسی مضمون کا مکتوب گرامی ثالث حضرات کی طرف سے دوسرے فریق کے نام بھی بھیجا گیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے تو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کے نام اپنے طویل خط میں لکھا۔

''ہم جماعتی فیصلہ کی پابندی میں سکھر کے معاہدہ (شرائط نامہ) کے مطابق موضوع مناظرہ (حیات برزخی و دنیوی) پر بالمشافہ گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں اور فریق ثانی کے لئے اعلان کے مطابق مقام مناظرہ مسجد جامع کالری دروازہ گجرات ہوگا، ثالث حضرات اصول مناظرہ کے مطابق فریقین سے بالمشافہ موضوع مذکور پر دلائل کتاب اللہ، حدیث صحیح، اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم اجتہاد وقیاس حضرت امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف (رحمہم اللہ) سن کر اور باقاعدہ جرح فرما کر نقض ومعارضہ وارد کر کے اصل حوالہ جات ملاحظہ فرما کر جو فیصلہ فرمائیں گے، ہمیں منظور ہوگا۔ معاہدہ سکھر (شرائط نامہ) میں یہ طے ہو چکا ہے کہ ثالث حضرات فریقین کے دلائل سن کر فیصلہ فرمائیں گے۔ واقعی مسائل کے اختلاف ونزاع میں سنت نبوی ﷺ اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم بالمشافہ گفتگو کا ہے۔ الخ

اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ۲۴/اپریل ۱۹۶۲ء کے اپنے خط میں مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو لکھا...... "تحریری مناظرہ اندریں حالات کہ یہ مسئلہ اب ہر جگہ پہنچ چکا ہے اور خواص تو خواص عوام بھی منتظر ہیں کہ ہم بھی دلائل سنیں گے۔ اب آپ کے ارشاد سے مولوی محمد علی اور اس کی جماعت کا مقصد پورا ہو گیا کہ سامنے بھی نہ آئیں اور بدنام کرنے کے لئے پوری طرح سازشیں کرتے رہیں۔ عوام و خاص کو بے خبر رکھیں۔ لہٰذا میں عرض کرتا ہوں کہ مناظرہ تو سامنے ہوگا ہر فریق کے علماء کرام جمع ہوں گے اور کتابیں ساتھ ہوں گی دلائل پر جرح اور قدح ہوگی بلکہ لوگوں کو موقع عنایت فرمائیں وہ صرف مناظرہ سن سکیں تاکہ لوگوں کو صادق وکاذب معلوم ہوسکے۔" (از پمفلٹ بار بار عہد شکنی حافظ حبیب الرحمن نائب ناظم جمعیت اشاعت التوحید والسنہ راولپنڈی)

تبصرہ: ثالث نامے میں فریقین کے اجتماع کا مقام سکھر مقرر کیا گیا تھا۔ مگر ثالث حضرات کے مکتوب گرامی کے جواب میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب مقام مناظرہ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات مقرر کر رہے ہیں۔ یہ تبدیلی کیسے کردی گئی؟ مختصراً اس کی حقیقت یہ ہے کہ سکھر کے معاہدہ کے علاوہ درمیان میں ایک اور مناظرہ کے انعقاد کے لئے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوال سے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی خط وکتابت شروع ہو چکی تھی۔ اس لئے مناظرے کے لئے جس میں حضرت قاضی صاحب مناظر ہوتے مقام جامع مسجد کالری دروازہ گجرات مقرر کیا جارہا تھا اور حضرت قاضی صاحب موصوف کی طرف سے ثالث بنا کر انہیں دو بزرگوں کو گجرات لانے پر اصرار کیا جارہا تھا۔ لیکن یہ ایک بالکل مختلف اور علیحدہ مناظرہ تھا۔ حضرات ثالثان کے مذکورہ مکتوب گرامی کے جواب میں اس نئے مناظرے کے مقام کا ذکر بے تعلق اور اجنبی تھا۔ اصل مناظرہ معاہدہ سکھر کے مطابق سکھر میں ہی ہونا تھا یا پھر ثالث حضرات کی تجویز کے مطابق کسی مقام پر ہوتا اور اس میں فریقین یہی اشخاص ہوتے جنہوں نے سکھر میں ثالث نامے پر دستخط کر کے ان دونوں بزرگوں کو ثالث تسلیم کیا تھا۔

اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے خط سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس مناظرے کو تحقیق مسئلہ کے طور پر نہیں بلکہ عوامی سطح پر ہار جیت کا مسئلہ بنانا چاہتے تھے اور ثالث حضرات کی تجویز کے خلاف عوام کے سامنے مناظرہ کرنا چاہتے تھے اور فریقین میں سے کسی کے صادق وکاذب معلوم کرنے کا مدار عوام پر رکھنا چاہتے تھے، گویا ان کے نزدیک یہ حضرات علماء مسلمہ فریقین مناظرے کے ثالث نہیں تھے اور نہ ان کے فیصلہ پر مدار تھا بلکہ عوام پر ثالثی کردار کی ذمہ داری ڈالنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کے خطوط کے جواب میں مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا گرامی نامہ جس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط بھی ثبت ہیں اور ۲۴/ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ کی تاریخ تحریر ہے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے نام بدیں مضمون جاری ہوا۔

مکتوب گرامی مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

گرامی قدر جناب مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری

السلام علیکم! یہاں سے رخصت ہوتے وقت آپ کا پرچہ اور بعد میں ایک تار ملا جس میں اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ آپ تحریری مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ میری تحریر کا مدعا نہیں سمجھے...... اس کا مقصد تحریری مناظرہ کرنا نہ تھا جیسا کہ آپ نے سمجھ لیا بلکہ دونوں فریق کی طرف سے اپنے اپنے مدعا

کی وضاحت مطلوب تھی تا کہ زبانی بحث میں اس سے مدد لی جاسکے اور فیصلے کے وقت دستخط شدہ ذمہ دارانہ تحریر ہمارے پاس ہونا چاہئے تا کہ اس میں کسی فریق کے لئے ردوبدل اور انکار کا امکان نہ رہے۔ لہٰذا میں آپ کو یہ خط اس لئے لکھ رہا ہوں کہ آپ خط ملنے کے دس روز کے اندر اندر اپنا مدعا و دلائل کے ساتھ لکھ کر بھیج دیجئے تا کہ ہم قریبی مدت میں اجتماع کی کوئی تاریخ مقرر کرلیں اور ٹنڈو الہ یار میں مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ کی موجودگی میں دونوں فریق کی زبانی گفتگو کا اندازہ کیا جاسکے، مجھے امید ہے کہ تحریری مناظرے کی جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی وہ میری اس تحریر سے دور ہوگئی ہوگی۔ والسلام

احتشام الحق تھانوی ۲۴رذوالحجہ ۱۳۸۱ھ (۲۹رمئی ۱۹۶۲ء) دستخط از مولانا ظفر احمد عثمانی

(نوٹ) میرے پہلے خط کے جواب کی اب ضرورت نہیں۔ ظفر احمد عثمانی

ثالث حضرات کا مقصد

ثالث حضرات کے اس خط سے واضح ہوگیا کہ ان حضرات کا مقصد تحریری مناظرہ نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مناظرہ زبانی ہی ہوگا۔ فریقین سے تحریری مضمون پہلے اس لئے طلب کیا گیا تھا کہ زبانی بحث میں اس سے مدد لی جاسکے اور فیصلے کے وقت فریقین کے دستخط شدہ مضامین ان کے پاس ہوں اور اس طرح کسی فریق کے لئے ردوبدل اور انکار کی گنجائش نہ رہے۔ مگر اس وضاحتی خط کے بعد بھی تحریری مناظرے کی جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی وہ دور نہیں ہوسکی اور ثالث حضرات کے بار بار طلب کرنے پر بھی اپنے دعوے اور دلائل پر مشتمل وہ مطلوبہ تحریر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے ثالث حضرات کی خدمت میں نہیں بھیجی۔ اس وجہ سے نہ تو فریقین کا زبانی مناظرہ ہی ہوسکا اور نہ ہی ثالث حضرات کو اپنا ثالثی کردار ادا کرنے اور فیصلہ دینے کا موقع مل سکا۔

کیا اچھا ہوتا کہ ثالث حضرات کی تجویز کے مطابق فریقین کا دعویٰ مع دلائل منضبط ہوجاتا اور کسی فریق کے لئے بھی اپنے دعوے کے بدلنے اور روزمرہ نئے نئے دعوے کرنے کا موقع نہ رہتا اور اس طرح آنے والی نسلوں اور اپنے معتقدین و متوسلین کے لئے بھی اس مسئلے میں فریقین کے اختلاف و نزاع اور دلائل میں غور و فکر کا سامان جمع ہوجاتا۔ پھر اس تحریر کے بعد جب حسب تجویز ثالث حضرات اور بقول مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق فریقین کا زبانی مناظرہ ثالث حضرات کی موجودگی میں ہوتا تو یقیناً مولانا غلام اللہ خان صاحب کی زبان میں صادق اور کاذب کا علم ہوجاتا اور صرف اس مجلس مناظرہ ہی میں نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے وہ تحریریں صادق اور کاذب ہونے پر گواہ رہتیں۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا اور اس کا اصل سبب بھی معلوم نہ ہوسکا کہ ایک فریق نے اپنے مدعا کو مع دلائل کے ضبط و تحریر میں لانے سے راہ فرار کیوں اختیار کی؟ اگر تحریری مناظرہ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف تھا تو پھر بالمشافہ گفتگو اور زبانی مناظرے میں ثالث کا باقاعدہ جرح و تنقیض اور معارضہ وارد کرنا وغیرہ جن امور پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اپنے خط مذکور میں اصرار کررہے ہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عین مطابق ہوں گے؟ اور مناظرہ نبوی اور صحابہ کرام کے مناظروں میں اسی طرح ثالث بنائے جاتے ہوں گے؟

بامقصد مناظرے سے گریز

ثالث حضرات کے درست اور جائز اقدام میں رکاوٹ ڈال کر بامقصد مناظرے سے گریز کی راہ اختیار کرنے کا مقصد نہ معلوم کیا تھا۔ جب کہ ثالث حضرات زبانی مناظرہ کرانے کے لئے بھی تیار اور آمادہ تھے اور اس کا اظہار ان دونوں بزرگوں نے اپنی اسی تحریر میں بھی کر دیا تھا؟ اگر پہلے مطلوبہ تحریر دے دی جاتی تو کیا کسی شرعی دلیل سے یہ ناجائز ہوتا؟ اور ثالث حضرات کا اس کو طلب کرنا کیا ناجائز تھا؟ اس کے بعد زبانی مناظرے کی سنت پر بھی عمل کر کے اپنا شوق پورا اور ثواب حاصل کر لیا جاتا۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایسی تحریر کے دینے سے انکار وفرار کہ جس میں دعویٰ اور دلائل منضبط ہوں اس لئے تھا کہ فریق مخالف یا ثالث حضرات میں سے کوئی شخص ان پر گرفت نہ کر سکیں اور کسی طرح کی ان پر حجت قائم نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم!

فریقین کے دلائل پر جس قسم کے نقض ومعارضہ کا مطالبہ اپنے جوابی خط میں مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے ثالث حضرات سے کیا تھا۔ از راہ انصاف اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فیصلے کے وقت فریقین کا دعویٰ اور دلائل ثالث حضرات کے ذہن میں مستحضر ہوں اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بہ نسبت زبانی مناظرے کے تحریر سے بہتر طریقے پر حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک طرف تو ثالث حضرات سے دلائل پر معارضہ اور نقض وجرح کا مطالبہ کیا جارہا تھا اور ان پر یہ بھاری ذمہ داری ڈالی جارہی تھی کہ وہ اصول مناظرہ کے مطابق فریقین سے نہ صرف یہ کہ دلائل سن کر بلکہ ان پر باقاعدہ جرح اور نقض معارضہ وارد کر کے اور اصل حوالہ جات ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں اور دوسری طرف اس ذمہ داری کے تقاضوں سے گریز کیا جارہا تھا۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش

انہی ایام میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے حضرت موصوف نے اپنے حکیمانہ انداز اور تحریر وبیان سے فریقین کے عمائد کو ایک متفقہ تحریر پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ چنانچہ حسب ذیل تحریر پر اس وقت کی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کے صدر مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم قلعہ دیدار سنگھ گوجرانوالہ اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ راجہ بازار راولپنڈی اور دوسری طرف سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف کے دستخط ثبت ہیں۔ اس مسلمہ فریقین تحریر کو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء سے بعینہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ جو یہ ہے:

فریقین کی مسلمہ تحریر

''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

اس تحریر میں برزخ سے قبر شریف کا مراد ہونا اور روح مبارک کے تعلق سے دنیا والے جسد اطہر میں حیات کا حصول، پھر اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس کے پاس سے صلوٰۃ وسلام سننے کو واضح طور پر تسلیم کیا گیا تھا۔

مسلّمہ تحریر سے انکار

چونکہ یہ تحریر اصل اختلاف اور نزاع قائم کرنے والے بزرگ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی مرضی کے موافق نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے اس سے سخت اختلاف کیا۔ باوجودیکہ ان کی جماعت کے اعلیٰ عہدہ دار، صاحب صدر اور ناظم اعلیٰ، دونوں نے اس تحریر کو منظور کر لیا تھا اور اسی روز راولپنڈی کے جلسہ عام میں اس مصالحت کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔ مگر شاہ صاحب موصوف کی بے جا ضد اور شدت نے اس معاملہ کو پھر الجھا دیا اور ملک میں بدستور اختلاف وافتراق کی فضا قائم رہی۔ بلکہ بڑھتی چلی گئی۔ پھر اس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے حکم کے مطابق خیر المدارس ملتان میں علماء فریقین کا مصالحت کے لئے اجتماع ہوا۔ مگر نتیجہ بجائے اتحاد واتفاق کے نزاع وجدال اور ہاتھا پائی کی صورت میں نکلا اور بڑی تلخی و بدمزگی کی حالت میں یہ اجتماع ختم ہوا اور اندازہ ہو گیا کہ کسی طرح کی مصالحتی گفتگو نتیجہ خیز تو کیا ثابت ہوگی، مزید تلخی کا باعث ہوگی، اس طرح مجلسی شریفانہ گفتگو سے بھی ناامیدی ہو گئی۔

سمجھوتہ راولپنڈی کی تفصیل

سمجھوتہ راولپنڈی

۲۶ ر اپریل ۱۹۶۲ء کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند پاکستان تشریف لائے اور باہمی صلح کا آغاز ہوا، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے اپنے پہلے خط میں مولانا غلام اللہ خان صاحب کو حسب ذیل مشترکہ عنوان لکھا: ''نبی کریم ﷺ جسمانی طور پر برزخ میں حیات ہیں۔''

مولانا غلام اللہ صاحب نے اس کے جواب میں اس عنوان کو رد کئے بغیر ایک اور عنوان تجویز کر کے محترم قاری صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ مگر حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے اپنے تجویز فرمودہ عنوان کو ہی راجح خیال فرمایا۔ چنانچہ اس عنوان سے مولانا غلام اللہ خان صاحب، قاری نور محمد صاحب، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے کلی اتفاق کر کے اور چاروں حضرات نے اس پر دستخط کر کے حضرت مولانا قاری صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر دوسرے حضرات نے اس عنوان سے اتفاق نہیں کیا۔ بالآخر فریقین سے خط وکتابت اور گفت وشنید کے بعد ۲۲ رجون ۱۹۶۲ء یوم الجمعہ کو دونوں جانب کے اکابر حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی، مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ اور مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا مفتی عبدالرشید صاحب، حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی قیام گاہ، مدرسہ حنفیہ عثمانیہ ورکشاپی محلہ راولپنڈی میں جمع ہوئے۔

اس مجلس میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ کا منقح قدر مشترک دونوں جانب کے ان ذمہ دار حضرات کے سامنے رکھا دونوں حلقوں نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی پیش کردہ قدر مشترک کے عنوان کو قبول کر لیا اور اس قدر مشترک کی تحریری یادداشت پر جو حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے اپنے دستخطوں سے پیش کی۔ فریقین نے دستخط فرما دیئے اس یادداشت کا متن حسب ذیل ہے۔

عامۃ المسلمین کو فتنۂ نزاع وجدال سے بچانے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلے کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبادت ذیل پر دستخط فرمائیں۔ یہ مسئلے کا قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے عوام کے سامنے پیش کر دیا جاوے۔ تفصیلات پر زور نہ دیا جائے عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے۔

''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔''

محمد طیب حال وارد راولپنڈی ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء

محمد علی جالندھری لاشیٔ غلام اللہ نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ ۱۸ر محرم ۱۳۸۲ھ

(از تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

راولپنڈی کے اس اجتماع کے پروگرام کی اطلاع مولانا غلام اللہ خان صاحب نے مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا قاضی شمس الدین اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو پہلے ہی دے دی تھی۔ چنانچہ قاضی نور محمد صاحب اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب ۲۱ر جون ۱۹۶۲ء جمعرات کو راولپنڈی پہنچ گئے تھے۔ مگر قاضی شمس الدین صاحب نے راولپنڈی پہنچنے کے بعد مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کو راولپنڈی فی الحال نہ آنے کا ٹیلی فون کرادیا اور خود بھی پنڈی گھیب جلسے پر تشریف لے گئے۔ اس لئے موخر الذکر دونوں حضرات اس اجتماع میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر چونکہ قاضی شمس الدین صاحب اپنے خطوط میں اس مختصر مجوزہ عبارت کی کافی تفصیل لکھ کر مولانا محمد علی جالندھری کے پاس بھیج چکے تھے۔ اس لئے یہ عبارت بالا ان کی بھی مسلمہ سمجھی گئی اور قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب دونوں حضرات قاضی شمس الدین صاحب کی طرف سے مطمئن تھے۔ (از ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

البتہ اس موقع پر مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے راولپنڈی اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکنے کا خلاء پر نہیں ہوسکا۔ حالانکہ ۲۲ر جون ۱۹۶۲ء کو جمعہ کے دن صبح ۸ بجے ان کو گجرات فون کیا گیا تھا کہ فوراً راولپنڈی پہنچ جائیں۔ کسی دوسرے آدمی کی وساطت سے یہ فون کیا گیا تھا۔ اس لئے شاہ صاحب کو دس بجے اس کی اطلاع ملی۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کے بارہ میں مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب سے اس صلح کی مجوزہ مذکورہ عبارت پر دستخط لینے اور شاہ صاحب بخاری کو اس صلح کی پابندی کرانے کی ضمانت حاصل کرنے کی غرض سے ایک تحریر کا مطالبہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے فرمانے اور مسودہ پیش کرنے پر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب نے مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارے میں حسب ذیل تحریر پر دستخط کر کے حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کو دے دی۔ جس کا متن بلفظہٖ حسب ذیل ہے۔

''ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے بھی اس تحریر پر دستخط کرائیں جس پر ہم نے دستخط کئے ہیں اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات پر تقریر نہ کرائیں گے اور اگر وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم انہیں اس بارے میں مدد نہ دیں گے۔ نور محمد خطیب جامع مسجد قلعہ دیدار سنگھ ۱۸ر محرم ۱۳۸۲ھ، لاشیٔ غلام اللہ''

مجلس اشاعۃ التوحید والسنۃ کی توثیق

چونکہ جناب مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم صدر (امیر) اشاعۃ التوحید والسنۃ اس فیصلے کے بعد ۲۵ رجون ۱۹۶۲ء کو دنیا سے رحلت فرما گئے تھے۔ اس لئے ۲۲ رجولائی ۱۹۶۲ء کو جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کا جو خصوصی اجتماع زیر صدارت حضرت مولانا خدا بخش صاحب سجادہ نشین حضرو منعقد ہوا۔ اس میں قاضی نور محمد صاحب مرحوم کی جگہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کو امیر (صدر) منتخب کیا گیا۔

جمعیت کے اس نمائندہ اجتماع میں ۸۴ علماء کرام کو مختلف اضلاع سے دعوت دی گئی تھی۔ اس میں بھی ''مسئلہ حیات النبی ﷺ کا فیصلہ'' کے زیر عنوان اس سمجھوتے کی توثیق اور اس سے متعلق درج ذیل لفظوں میں قرار داد منظور کی گئی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

۳...... ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا یہ اجتماع اس بات کا فیصلہ کرتا ہے اور اپنی تمام جماعت کو اس کی پابندی کرنے کی درخواست کرتا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تجویز کردہ عبارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی ہے، اسے قائم رکھا جائے اور اسے ہرگز نہ توڑا جائے۔ (مگر یہ کہ فریق ثانی صلح کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے) ہماری جماعت جس طرح پہلے متحد ہو کر اشاعت التوحید والسنۃ کا کام کرتی رہی ہے اسی طرح کرتی رہے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۵۳ راولپنڈی ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

جمعیت کی اس قرار داد سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی تجویز کردہ عبارت پر فریقین کے درمیان جو صلح ہوئی وہ کسی شخص واحد یا چند اشخاص کے مابین نہیں بلکہ اس کو بحیثیت جماعت کے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ نے نہ صرف یہ کہ تسلیم وقبول کیا بلکہ اس پر عمل کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لئے اپنی ''تمام جماعت'' سے درخواست بھی کی تھی۔

فریقین کی متفقہ اس عبارت میں چونکہ برزخ سے قبر شریف کا مراد ہونا اور روح مبارک کے تعلق سے دنیوی جسد اطہر میں حیات کا حصول اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس کے پاس سے صلوٰۃ وسلام سننے، کو فریقین نے واضح طور پر تسلیم کرلیا تھا اور یہ مقصد پہلی مجوزہ عبارت سے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے معاہدہ سکھر میں جو ثالثی تحریر ''برزخی حیات و دنیوی حیات'' میں نزاع کے فیصلہ سے متعلق فریقین نے لکھی تھی، راولپنڈی کے اس سمجھوتے نے اس کا مقصد بھی پورا ہو گیا تھا اور فیصلہ ہو گیا تھا کہ عالم برزخ میں حاصل ہونے والی اس حیات کو دنیوی کہنے والوں کی مراد صرف یہ ہے کہ ''دنیوی جسد اطہر میں روح مبارک کے تعلق سے وہ حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ سنتے ہیں۔'' جس کو سمجھوتے کی عبارت بالا میں فریقین نے صراحتاً تسلیم کرلیا تھا اور مرکزی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ نے اپنے محولہ بالا اجلاس میں بطور قرار داد کے منظور کر کے اس کی پابندی کی اپنی پوری جماعت سے درخواست کی تھی۔

اقتباس مکتوب گرامی قاضی شمس الدین صاحب

مکتوب مولانا قاضی شمس الدین صاحب بنام مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ

از شمس الدین گوجرانوالہ

محترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم

''کافی مدت کے بعد نوازش نامہ ملا یاد آوری کا شکریہ''......

''آپ جب یہ معلوم کر چکے کہ ہماری عام جماعت مسئلہ حیات النبی ﷺ میں یہ تسلیم کرتی ہے کہ رسول کریم ﷺ اس جہان سے رحلت فرمانے کے بعد قبر مبارک میں زندہ ہیں جسد اطہر تغیرات سے بالکل صحیح سالم محفوظ ہے روح کا ایک غیر مدرک بالکنہ تعلق بھی جسد اطہر سے ہے اور آپ قبر کے نزدیک سے صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ گو روح اطہر کا مقام اعلیٰ علیین ہے۔ جیسا کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے اس کی تصریح فرمائی ہے تو اب ہماری عام جماعت سے آپ لوگوں کا کیا اختلاف باقی رہا؟ ہم میں سے بعض حضرات جن کے متعلق آپ کو معلوم ہے حیات روحانی کے قائل ہیں۔ ہمارے پاس کوئی ایسی پاور ہے نہیں کہ ان کو ہم اپنا ہم مسلک بنا سکیں۔ ان حضرات سے ہمارے تعلقات مسئلہ توحید کی اشاعت کی بناء پر قائم ہیں وہ ٹوٹ نہیں سکتے۔ بایں ہمہ ہم آپ حضرات سے پرانے تعلقات خوشگوار ہی چاہتے ہیں۔ اگر آپ لوگ از راہ کرم اس استدعا کو منظور فرمالیں تو اس میں اسلام...... اہل اسلام اور جماعت علماء دیوبند کا بھلا اور خیر خواہی ہوگی۔ والسلام احقر شمس الدین'' (از قلمی فائل مولانا محمد علی جالندھری مرحوم)

اقتباس مکتوب ثانی مولانا قاضی صاحب موصوف

ازاحقر شمس الدین از گوجرانوالہ

محترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم

(تمہیدی مضمون کے بعد)''احقر اپنا مسلک پھر عرض کر دیتا ہے کہ اس سے آپ کو قریب آنے کو موقع ملے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں اور جب ہمارے قریب آنے کی ہم پر نوازش کریں تو ہمیں سمجھ کر کریں کہ ہم یہ کچھ ہیں۔

۱...... آنحضرت ﷺ کو موت انقباض روح اور انحیاز روح فی القلب سے نہیں بلکہ خروج اور نزع روح طیب سے ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۸ فی ہذا نزروحہ)

۲...... پھر قبل از یوم قیامہ اعادہ روح الی الجسد الاطہر بمعنی نفخ فی الجسد نہیں، قرآن کریم کی نص قطعی اس پر ناطق ہے۔ فیمسک التی قضی علیھا الموت!

۳...... اگر کوئی خبر واحد صحیح بھی ان کے خلاف آجاوے تو اس سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کریں گے۔ جس کی علمائے اصول اجازت نہیں دیتے۔ البتہ اس کی کوئی صحیح تاویل اور محمل نکالیں گے۔

۴...... روح طیب کے اعلیٰ علیین میں ہوتے ہوئے اس کا جسد اطہر کے ساتھ تعلق (جس کی کنہ اور پوری کیفیت ہم نہیں جانتے) تسلیم کرتے ہیں جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے لکھا ہے۔

۵...... آنحضرت ﷺ کے روضۂ اقدس قبر اطہر کے پاس سے آنحضرت ﷺ کی سماع کے (جیسا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے) قائل ہیں۔'' (از فائل مولانا محمد علی مرحوم)

محترم جناب مولانا قاضی شمس الدین صاحب موصوف کے مذکورہ بالا دونوں خطوط اس کا واضح ثبوت ہیں کہ آں موصوف سمجھوتہ راولپنڈی کی تجویز شدہ عبارت بالا سے بالکل متفق تھے اور وہ مجوزہ عبارت ان کی مسلمہ تھی۔

اشاعۃ التوحید والسنۃ کی قرارداد پر تبصرہ

البتہ مرکزی جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کی قرارداد مذکور میں حسب ذیل فقرے کا مفہوم قابل غور ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے (مگر یہ کہ فریق ثانی صلح کے خلاف کسی قسم کا اقدام کرے) غور طلب بات یہ ہے کہ صلح تو بغیر کسی شرط کے عقیدہ مذکورہ کو تسلیم کرنے پر ہوئی تھی پھر اس قرارداد میں اس صلح کے بقاء کو دوسرے فریق کے صلح کے خلاف کسی قسم کے اقدام نہ کرنے پر معلق کیوں کیا گیا تھا؟

اگر اس عقیدے کو حق سمجھ کر تسلیم کیا جارہا تھا اور اس کو حقیقت واقعہ کے طور پر قبول کرلیا گیا تھا تو دوسرے فریق کی طرف سے صلح کے خلاف کسی قسم کے اقدام سے کیا اس عقیدہ حقہ سے انحراف درست ہوگا؟ کیونکہ راولپنڈی کے سمجھوتے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تجویز کردہ جس عبارت پر فریقین کے درمیان صلح ہوئی تھی جس کے قائم رکھنے اور اس پر پابندی کرنے کی درخواست مرکزی جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ اپنی تمام جماعتوں سے اس قرارداد میں کررہی تھی۔ اس میں نفس مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماع عندالقبر کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ تحریر نفس مسئلے سے متعلق تھی۔ بظاہر نظر اس کے کسی شرط پر معلق ہونے کا کوئی معنی نہیں مفہوم ہوتا؟

اور اگر اس فقرہ کا تعلق حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی اس دوسری تحریر سے ہو جس کا تعلق مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے اس تحریر پر دستخط کرانے اور بصورت دستخط نہ کرنے کے ان سے برأت کا اعلان کردینے اور اپنے جلسوں میں مسئلہ حیات پر ان سے تقریر نہ کرانے اور ان کے مناظرے میں ان کی مدد نہ کرنے سے تھا تو بھی یہ بات قابل فہم معلوم نہیں ہوتی۔

اوّل تو اس لئے کہ وہ تحریر ۸ رجولائی ۱۹۶۲ء کو کالعدم قرار دے دی گئی تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور ۳۱ رجولائی کی صلح ابھی تک ہوئی نہیں تھی۔ دوسرے اس لئے کہ نفس مسئلہ سے متعلق پہلی تحریر کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا کہ جو شخص بھی اس مسئلہ فریقین عقیدے اور سمجھوتے کے خلاف تحریر و تقریر اور مناظرے وغیرہ میں مشغول ہو اس کے ساتھ کم سے کم عدم تعاون کا سلوک اور برتاؤ کرنا چاہئے تاکہ فریقین کی یہ صلح دائم اور قائم رہ سکے اور جماعت فتنہ انتشار وافتراق سے محفوظ رہے۔ چونکہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے پہلی تحریر پر جو مسئلہ سے متعلق تھی دستخط کرنے سے انکار کردیا اور اب دوسری تحریر کا تقاضا تھا کہ ان سے برأت کا اظہار کردیا جاتا۔ مگر ہوا یہ کہ مولانا غلام اللہ صاحب، قاضی شمس الدین صاحب وغیرہ حضرات ۷ رجولائی ۱۹۶۲ء کو لاہور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی خدمت میں پہنچے اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارے میں جو تحریر لکھی گئی تھی اس کے منسوخ کرانے کی کوشش کی۔ کیونکہ بقول ''تعلیم القرآن'' اس تحریر کی وجہ سے صلح نامہ میں توازن قائم نہیں رہا تھا۔ اس لئے حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے ہندوستان کی روانگی کے دن یعنی ۸ رجولائی ۱۹۶۲ء کو بمقام لاہور اسے کالعدم قرار دے دیا۔ (ص ۵۳)

اس کی تفصیل حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی تحریر کے ذریعہ آگے آرہی ہے۔ اس جگہ اتنا عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۸ رجولائی کو سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں اس تحریر کے منسوخ ہوجانے کے باوجود ۲۲ رجولائی ۱۹۶۲ء کے اجلاس جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ میں اس صلح کو برقرار رکھا گیا اور نفس مسئلہ پر

صلح قائم رہی۔ مقام مسرت ہے کہ دوسری تحریر کی وجہ سے پہلی تحریر کو منسوخ نہیں سمجھا گیا۔ جیسا کہ جمعیت کی مذکورہ قرارداد نمبر ۳ سے واضح ہے۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ پر صلح کی تکمیل بمقام خیر المدارس بتاریخ ۱۳ر جولائی ۱۹۶۲ء

مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری چونکہ راولپنڈی کی صلح میں موجود نہیں تھے۔ اس لئے عبارت نمبر ۲ تحریر ہو کر اس پر مولانا قاضی نور محمد صاحب مرحوم اور مولانا غلام اللہ خان صاحب کے دستخط کرائے گئے تھے۔ مگر سید عنایت اللہ شاہ صاحب نے عبارت نمبر ۱ پر جس میں نفس مسئلہ حیات تحریر کیا گیا تھا دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا اور حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بمعہ قاضی شمس الدین صاحب اور دیگر احباب کے ان کی روانگی ہندوستان سے ایک دن قبل ملاقات کی اور عبارت نمبر ۲ کی تنسیخ کی نسبت درخواست کی۔ اس پر حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام حسب ذیل گرامی نامہ لکھ دیا:

گرامی نامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بملاحظہ گرامی حضرت المخدوم مولانا خیر محمد صاحب مدفیوضہم

سلام مسنون! آں کہ عرض ہے مسئلہ حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں راولپنڈی میں مصالحت ہوئی تو اس میں دو تحریریں مرتب ہوئی تھیں جس پر فریقین کے ذمہ داروں کے دستخط ہوئے تھے۔ ایک تحریر نفس مسئلہ اور اس کے قدر مشترک کے بارہ میں تھی اور دوسری مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب کے بارہ میں۔ اس دوسری تحریر کے سلسلہ میں کچھ پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اور اندازہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں توازن باقی نہیں رہتا اور بہت ممکن ہے کہ عملی میدان میں اس کی پابندی دشوار ہو جائے اور اس سے معاہدہ شکنی کا کسی فریق پر الزام آئے۔ اس لئے احقر کے خیال میں مناسب یہ ہے کہ آں محترم ہر دو جانب کے حضرات کو جمع کر کے اس دوسری تحریر کی بجائے اور ایسا عملی معاہدہ قلمبند کر دیں جس سے یہ مصالحت بھی برقرار اور کوئی ایک فریق پابند اور مقید ہو کر نہ رہ جائے۔ آپ کی سرکردگی میں اگر فریقین اس تحریر کو (جو عمل کے دائرہ کی ہے) ختم کر کے دوسری تحریر مرتب کریں تو بندہ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بلکہ جب تک دوسری تحریر مرتب نہ ہو احقر کی رائے میں اس تحریر ثانی کو کالعدم تصور کیا جائے اور اس لئے جدید تحریر مرتب کرانے میں امکانی حد تک عجلت سے کام لیا جائے۔ والسلام محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۸ر جولائی ۱۹۶۲ء

تکمیل صلح میں حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش

اس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فریقین کے پانچ پانچ حضرات کو خیر المدارس ملتان میں بتاریخ ۱۳ر جولائی جمع فرمایا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس گرامی نامہ کو نقل فرما کر تحریر فرمایا:

''چنانچہ میں نے آج کے لئے فریقین کو بلایا اس موقع پر مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ جب مسئلہ میں دو فریقین کا ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے دونوں فریق کے پانچ پانچ کس بلائے ہیں۔ دوسرے فریق

سے ان حضرات (مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب اور ان کی جماعت) کے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض لوگ ہمیں بتاتے رہے کہ آپ یوں فرماتے رہے کہ مسئلہ حیات میں ہمارے مخالف کوئی نہیں، صرف احرار سے ہمارا مقابلہ ہے اس پر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ ہم نے کبھی احرار کو اپنا مدمقابل نہیں کہا، بلکہ دو فریق سے ہماری مراد مسئلہ حیات میں دو رائے رکھنے والے ہیں۔ ہم اور ہم سے سب اختلاف کرنے والے مراد ہیں۔ اس بات سے صلح میں فائدہ ہوا۔

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خط کی عبارت جس میں درج ہے کہ جب تک دوسری تحریر مرتب نہ ہو احقر کی رائے میں اس تحریر ثانی کو کالعدم تصور کیا جائے۔ ایک فریق نمبر ۲ کو منسوخ سمجھتا ہے اور دوسرا دوسری تحریر کرنے تک التواء سمجھتا ہے اور منسوخ ہونا قبول نہیں کرتا۔ جس کی وجہ سے صلح کی صورت خطرہ میں پڑتی نظر آتی ہے۔ اس پر میں یہ بیان مرتب کرتا ہوں فریقین اس پر دستخط کر دیں۔

نزاع مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ کیا تھا، پھر لاہور میں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب کے متعلق جو لکھا تھا اس کو کالعدم قرار دیا۔ جب تک تحریر ثانی پر فیصلہ نہ ہو جائے اور اس معاملہ کو خیر محمد پر چھوڑا گیا۔ اس پر قرار پایا کہ مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب، مولانا غلام اللہ خان صاحب کے جلسہ اور طلباء کے سامنے کبھی مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریر نہیں کریں گے اور مولانا غلام اللہ خان صاحب ان سے اپنی برأت نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ مناظرہ میں شریک ہو سکیں گے۔ نیز قرار پایا کہ موجودہ تلخی دور کرنے کے لئے مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب مع اپنی جماعت کے اور مولانا محمد علی صاحب اور مولانا لال حسین صاحب مع اپنی جماعت کے کسی سٹیج پر اور نہ کسی مدرسہ کے طلباء کے مجمع میں اس مسئلہ پر مفصل تیاریاں نہیں کرائیں گے۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ بمقام خیر المدارس ملتان ۱۳ر جولائی ۱۹۶۲ء

۱..... محمد علی جالندھری بقلم خود، بقلم لال حسین اختر، عبد الرحمن میانوی بقلم خود،
محمد عبد اللہ بقلم خود، منور حسین صدیقی بقلم خود۔

۲..... لاشیٔ غلام اللہ خان، عنایت اللہ، احقر شمس الدین عفی عنہ،
احقر احمد حسین سجاد بخاری، محمد یار عفی عنہ۔

اس صلح کی تکمیل میں یہ دوسری تحریر لکھی گئی جس میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے برأت وغیرہ کی پابندی ختم ہو گئی اور فریقین پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ کسی اسٹیج پر اور نہ کسی مدرسہ کے طلباء کے مجمع میں اس مسئلہ پر مفصل تیاری نہیں کرائیں گے۔ مگر پہلی تحریر جو نفس مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھی اس میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کیا گیا وہ بدستور باقی رہی اور نفس مسئلہ پر بحیثیت مجموعی صلح بھی قائم رہی۔ البتہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کا اس صلح اور تحریر سے بھی اختلاف رہا جو نفس مسئلہ کے بارے میں ہوئی تھی۔

اب حسب وعدہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس تحقیقی علمی غیر مطبوعہ تحریر کی نقل ناظرین کے افادہ کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ جس کو مولانا محمد علی جالندھری مرحوم نے ثالث حضرات رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ سے متعلق ایک تحقیقی علمی تحریر

از قلم: حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ

تمہید

۱ ...... مسئلہ حیات النبی ﷺ کے موجودہ نزاع میں دو سال تک فریق مخالف مناظرہ کا چیلنج زور شور سے دیتا رہا۔ جوں جوں یہ بات ظاہر ہوتی گئی کہ ان کا عقیدہ اکابر دیوبند اور سلف کے خلاف ہے۔ علماء و عوام ان سے علیحدہ ہوتے گئے۔ اب ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی جدید پہلو بدلیں۔ چنانچہ انہوں نے اب یہ کہنا شروع کیا کہ محمد علی جالندھری، مولانا غلام غوث اور احرار نے مولانا غلام اللہ خان صاحب کا بڑھتا ہوا اقتدار برداشت نہیں کیا۔ از راہ حسد یہ مسئلہ کھڑا کر دیا۔ ورنہ ہم اکابر دیوبند کے مسلک کے پابند ہیں اور ملک میں مسئلہ حیات میں دراصل کوئی نزاع نہیں۔ پنجاب و سرحد میں تو ان کا اعتبار نہیں رہا۔ البتہ کراچی کے بزرگوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی جو ایک عرصہ تک کامیاب رہی۔ اس لئے میں تمہید میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس گروہ (جس کو پنجاب و سرحد میں غلام اللہ خانی گروہ کہا جاتا ہے) کے ساتھ باقی دیوبندیوں کا اختلاف اس وقت سے ہے جب کہ میرا ان سے تعارف نہ تھا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رائے

الف: کسی زمانہ میں قطب عالم حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں اس گروہ کا تذکرہ آیا اور ان کے بعض مسائل سامنے آئے جو سلف کے خلاف تھے۔ چنانچہ بلغۃ الحیران (جو دراصل تفسیری نوٹ مولوی غلام اللہ خان کے ہیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں) تھانہ بھون میں حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ ایسی کتاب میرے کتب خانہ میں رکھی بھی جائے۔ اس وجہ سے ایک بزرگ نے اس کتاب کو تھانہ بھون میں[۱] آگ کی نذر کیا۔ (یہ واقعہ امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۱۲۳ میں لکھا ہوا موجود ہے)

مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ کا سفر راولپنڈی

ب: غالباً ۱۰ ر ۸ سال کا ذکر ہے کہ مولوی غلام اللہ خان صاحب نے مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ امرتسری کو اپنے مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے سالانہ جلسہ میں شریک ہونے کی درخواست کی تو حضرت مفتی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ تم اکابر دیوبند کا مسلک چھوڑ چکے ہو۔ اس لئے میں نہیں جاتا۔ اس پر مفتی صاحب سے کہا گیا کہ ہم سب ساتھی راولپنڈی میں جمع ہوں گے۔ آپ ہمارے بڑے ہیں ہمیں سمجھا دیں۔ ہم آپ کی بات قبول کر لیں گے۔ چنانچہ اس گروہ کو سمجھانے کی نیت سے حضرت مفتی صاحب نہ صرف خود ہی تشریف لے گئے بلکہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب، مولانا بدر عالم صاحب، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور دو ایک اپنے رفقاء کو بھی ساتھ لے گئے۔ بعض[۲] مسائل پر گفتگو ہوئی۔ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب اب تک کہتے ہیں کہ یہ حضرات ہمارے دلائل کا جواب نہیں دے سکے۔

---

۱ مگر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو بعد میں اس کا علم ہوا۔ سید عبدالشکور ترمذی

۲ زیادہ تر گفتگو اسی میں رہی کہ بریلویوں کی بحیثیت جماعت ہمارے اکابر تکفیر نہیں کرتے۔

تلمیذ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے مناظرہ

ج: موضع سکھر ضلع کیمل پور میں کئی برس ہوئے ایک مناظرہ ہوا، ایک طرف مولوی غلام اللہ خان صاحب و مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب وغیرہ تھے۔ دوسری طرف کے دیوبندی علماء میں اس علاقہ کے پرانے فاضل لوگ جو حضرت شیخ الہند صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے شریک ہوئے۔

احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کا ارشاد

د: کئی برس ہوئے حضرت مولانا احمد علی صاحب سے مولوی غلام اللہ خان صاحب نے اپنے ہاں تقریر کی غرض سے تاریخ لی۔ جب تاریخ نزدیک آ گئی تو حضرت مولانا احمد علی صاحب نے ان کو فرمایا کہ تم مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند اور سلف کا مسلک ترک کر چکے ہو۔ اس لئے اگر میں آؤں گا تو مسئلہ حیات بیان کروں گا اور فرمایا کہ یہ مسئلہ وہ سمجھ سکتا ہے جس کو یا عقیدت ہو یا بصیرت حاصل ہو۔ بصیرت تم کو حاصل نہیں اور عقیدت تم کو رہی نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا احمد علی صاحب پھر راولپنڈی تشریف نہ لے گئے۔

مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا سالانہ جلسہ میں تردید نہ فرمانا

ہ: جس طرح مرزا محمود قادیانی کسی زمانہ میں سر ظفر اللہ اور میجر نذیر و دیگر سرکاری قادیانی ملازمین کے اقتدار کی وجہ سے آپے سے باہر ہو گیا اور غرور کے نشہ میں ایسی تقریریں کیں جس سے اس کے خفیہ ارادے ظاہر ہو گئے اور ایک بے نظیر تحریک شروع ہو گئی۔ اسی طرح مولوی عنایت اللہ اسی غرور میں کہ انہوں نے ہر مدرسہ میں طلباء کی ایک تعداد اپنے ہم خیال بنالی ہے آپے سے باہر ہو گئے اور خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں اپنے مخصوص خیالات بیان کئے ان کی تقریر میں خوب نعرے لگتے رہے۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب ان کی تقریر میں موجود نہ تھے صبح دوسرے روز حضرت مولانا خیر محمد صاحب کو علم ہوا اور علماء دیوبند کی ایک جماعت نے جو جلسہ سالانہ میں شریک تھی اور اس نے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کی تقریر سنی تھی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے عرض کیا کہ ہم نے ضبط سے کام لیا آپ کے جلسہ کی وجہ سے تقریر میں مداخلت نہیں کی۔ اس پر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے اگلی رات اکابر دیوبند اور سلف کے عقائد بیان فرمائے اور مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کی تقریر کی تردید فرمائی۔

مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب نے اس کے بعد ملتان کی ایک مسجد کو اپنا اڈہ بنا کر اپنی تقریر کی تائید اور مولانا خیر محمد صاحب کی تردید میں اکثر تقریریں کیں اور مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کے اکثر ساتھی مولوی عنایت اللہ کی تائید اور مولانا خیر محمد صاحب کی تردید کے لئے ملتان سال بھر کے بعد دیگرے آتے رہے اور مناظرہ کا چیلنج دیتے رہے اور یوں بھی کہا گیا کہ مولانا خیر محمد صاحب کو شیخ الحدیث کس نے بنا دیا جن کو یہ بھی پتہ نہیں وہ بھی پتہ نہیں تو میرا فرض تھا کہ میں ان کو جواب دیتا۔ جس وجہ سے انہوں نے مجھ کو فریق قرار دے دیا ہے۔

تفصیلی حالات تو مولانا خیر محمد صاحب سے دریافت کر لیں صرف نمونہ کے چند واقعات عرض ہیں۔

مسلک سلف کا ترک کرنا

۱...... کراچی سے پشاور تک دیوبندی مسلک کے مدارس عربیہ کے مہتمم صاحبان ومدرسین حضرات کا اجتماع بلایا جائے اور دریافت فرمایا جاوے کہ کیا مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب ومولوی غلام اللہ خان صاحب نہ صرف مسئلہ حیات بلکہ کتنے اور چیدہ چیدہ مسائل میں سلف کا مسلک ترک کر چکے ہیں یا نہیں۔ یہ لوگ بعض اور مسائل میں بھی اکابر سے جدا ہو گئے ہیں۔ مثلاً عذاب قبر، توسل بالذوات، درخواست شفاعت جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت ولو انھم اذ ظلموا میں ہے اور کیا ہر مدرسہ عربی میں ان طلباء کے درمیان جنہوں نے مولوی غلام اللہ خان صاحب سے ترجمہ پڑھا ہے اور دوسرے طلباء میں بھی اچھی خاصی جنگ سال بھر رہتی ہے یا نہیں؟ اور ان کے شاگردوں کی گفتگو اکابر کے حق میں گستاخانہ ہے یا نہیں۔ اگر چیدہ چیدہ بیس حضرات کا اجتماع بلایا جاوے تو اس اجتماع کے کل اخراجات کا بار میرے ذمہ ہوگا۔

میرا اختلاف

۲...... میرا اختلاف صرف مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب سے ہے کیونکہ انہوں نے اکثر تقریروں میں اپنا مسلک واضح کر دیا ہے۔ مولانا غلام اللہ خان موقعہ کے مطابق اپنے خیال تبدیل فرماتے رہتے ہیں۔ جب تک وہ یہ صریح اعلان نہ کر دیں کہ مولوی عنایت اللہ سے کوئی اختلاف ان کا ہے یا نہیں۔ ان کی نسبت رائے قائم کرنا اور مشکل ہے۔ البتہ مولوی غلام اللہ خان جب طلباء کو ترجمہ پڑھاتے ہیں تو چند روز کے لئے مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب کو بلاتے ہیں اور مسئلہ حیات مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب ہی پڑھاتے ہیں۔

ثالثی سے گریز

۳...... تین چار سال تک یہ جھگڑا رہا کہ مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب مناظرہ کا چیلنج پہ چیلنج دیتے تھے۔ مگر میں بدون ثالث تسلیم کئے مناظرہ قبول نہ کرتا تھا۔ کیونکہ بدوں ثالث مناظرہ جھگڑوں کا دروازہ تو کھلتا ہے مگر فیصلہ نہیں ہو سکتا اور دیوبندی جماعت تفریق سے نہیں بچتی۔ اگر شروع ہی میں دوسرا فریق، ثالث تسلیم کر لیتا تو جھگڑا کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ سکھر کے اجتماع میں صبح سے عشاء تک جھگڑا رہا حتی کہ بدمزگی بھی ہوئی۔ مگر یہ لوگ ثالثی پر نہ آئے۔ آخر حاضرین کے دباؤ سے ثالثی تسلیم کرنی پڑی۔

سلف کا مسلک

۴...... ہم کیا اور ہماری تحقیق کیا۔ ہم اکابر دیوبند کی تحقیق کو صحیح و درست اور کتاب وسنت کے مطابق سمجھتے ہیں۔ جو کچھ میں نے صحیح سمجھا تحریر کر دیا ہے اگر میری تحریر کا کوئی جزء اکابر کی تحقیق کے خلاف ہوا تو میری تحریر غلط ہوگی اور صحیح وہی ہوگا جو اکابر رحمہم اللہ نے فرمایا ہوگا۔ اس لئے ثالثان کی رائے میرے نزدیک صحیح و درست ہوگی اور میں اپنی تحریر سے رجوع کر لوں گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں: ''میرے اکابر اور جمیع سلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری دنیوی مدفون فی القبر الشریف میں حیات بسبب تعلق روح تسلیم کرتے ہیں اور اسی تعلق روح بالجسد العنصری کی وجہ سے سماع علی القبر علی الدوام تسلیم کرتے ہیں۔''

دوسرا فریق اگر یہ تسلیم کرے تو نزاع ختم ہو جائے گا ورنہ جیسے قادیانی حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین تسلیم کرنے کا اعلان کرتے ہیں اور خاتم النبیین کی ایسی تفسیر کرتے ہیں جس سے ختم نبوت کا انکار پایا جاتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کی حیات کا اقرار کرنا اور حیات کی ایسی تفسیر کرنا جس سے حیات ہی کا انکار پایا جاتا ہے دھوکہ اور فریب ہے۔

کتاب ''آب حیات'' اور مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب

۵...... مولوی عنایت اللہ شاہ صاحب نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت آب حیات کے مضمون حیات النبی کی وجہ سے بارہا یوں فرمایا:

الف: مولانا قاسم اس مسئلہ میں متفرد ہیں۔

ب: ان کا مضمون کتاب وسنت کے خلاف ہے۔

ج: ان کے مضمون سے انکار موت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم لازم آتا ہے۔ حالانکہ وقوع موت پر اجماع امت ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

***

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

تعیین موضوع

موضوع زیر بحث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد جو حیات طیبہ حاصل ہے وہ دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ اطہر میں موجود ہے یا وہ حیات کسی اور بدن برزخی میں ہے اور جسد عنصری تعلق حیات سے بالکل خالی ہے؟ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخ میں حیات دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے یا کسی برزخی جسد سے ہی متعلق ہے۔ تعیین موضوع میں یہ امور مسلمہ ملحوظ ہیں۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ورود مدت

۱...... ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جیسی بھی وفات مقدر تھی وہ آپ پر وارد ہوئی یہ غلط اور جھوٹ ہے کہ ہم آپ پر ورود موت کے منکر ہیں قرآن پاک میں تو موت کے تحقق کا وقوع کا بیان تو ہو نہیں سکتا محض پیشین گوئی ہے تاہم اس کے وقوع پر مندرجہ ذیل دلائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

(الف) خطبہ صدیقی۔ (بخاری ج۱ ص۱۶۶)

(ب) تصریح حضرت نانوتوی حسب ہدایت: ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور امام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ (لطائف قاسمی مجتبائی ص۴)

حیات کا مفہوم

چونکہ غرض موضوع زیر بحث حسب معاہدہ سکمر حیات النبی ﷺ ہے۔ وفات النبی نہیں ۔ اس لئے ہم وفات النبی ﷺ کی مزید تفصیل میں نہیں جاتے کیونکہ یہ خروج عن المبحث ہوگا۔ جس معنی میں بھی حضور علیہ السلام کے لئے وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا اور آپ نے عالم برزخ کی طرف انتقال فرمایا۔ ہاں ورود وفات کے بعد آپ اپنے روضۂ اطہر میں بھی فائض الحیات ہیں۔ اب موضوع زیر بحث یہی ہے کہ آپ کی وہ حیات طیبہ کیسی ہے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے یا کسی اور برزخی بدن کے ساتھ ہے اور بدن عنصری سے کوئی تعلق حیات نہیں۔

حیات دنیوی کا مفہوم

۲...... ہم جب آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات کو دنیوی حیات کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسد اطہر میں ہے جو روضۂ اطہر میں موجود ہے نہ یہ کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اس دنیا والی حیات ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی خود تصریح فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمی مجتبائی ص ۳)

پس ہر اصطلاح کا وہی مفہوم معتبر ہونا چاہئے جو اس اصطلاح کو اختیار کرنے والے مراد لیتے ہیں۔

حیات برزخی

حیات برزخی میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت کا نہیں یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم برزخی ہے اس اعتبار سے ہم آنحضرت ﷺ کو عالم برزخ میں ہی فائز الحیات سمجھتے ہیں۔ لیکن آپ کی یہ حیات طیبہ اسی دنیوی بدن کے ساتھ ہے اور برزخ کا کسی ایک جہت سے مواطن دنیوی میں سے بھی ہونا ہرگز ممتنع نہیں۔ حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں ''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں وطن نظر مع اشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشد۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم نمبر ۱۶ ص ۲۹،۳۰)

معلوم ہوا کہ برزخی اور دنیوی میں مختلف جہات کا اجتماع کوئی امر ناممکن نہیں اور اگر حیات برزخی سے مراد حضور اکرم ﷺ کی عالم برزخ کی ایسی حیات ہے جو دنیوی جسد اطہر میں نہیں اور دنیوی جسد اطہر تعلق حیات سے یکسر خالی ہے تو ہم اس حیات برزخی کے قطعاً منکر ہیں۔ یہ تفصیل اس لئے ضروری ہے کہ بزرگوں کے کلام میں جہاں جہاں حیات برزخی کے الفاظ ہیں وہاں علاقہ ظرفیت کا مراد ہے۔ یعنی حیات فی البرزخ اور حیات النبی ﷺ کے موجودہ بحث میں فریق مخالف جہاں حیات برزخی کے الفاظ استعمال کرتا ہے وہاں علاقہ نوعیت کا مراد لیتا ہے۔ یعنی حیات دنیوی جسد میں نہ ہو بلکہ صرف کسی اور بدن برزخی میں ہو۔ حاصل آں کہ موضوع زیر بحث یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اسی دنیوی جسد اطہر سے فائض الحیات ہیں یا آپ کی یہ حیات محض کسی اور بدن برزخی کے متعلق ہے۔ موضوع زیر بحث کی تعیین کے بعد ہمارے عقیدہ کی تصریح۔

ہمارا عقیدہ

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضہ انور میں محفوظ موجود ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضہ انور پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں اسی عقیدہ کو ہمارے اکابر نے المہند میں حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

ہمارا دعویٰ

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت ہے اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جملہ اکابر دیوبند نہ صرف اس پر متفق ہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ عقائد مسلمہ میں داخل ہے۔

تنقیحات خمسہ

پیش تر اس کے کہ ہم اپنے دعویٰ پر دلائل کا آغاز کریں اس اجماعی عقیدہ کی تنقیح کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو سکے۔

پتھری حیات

۱...... حضور اکرم ﷺ کے دنیوی جسد اطہر کو جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے ہے وہ ایسی حیات ہرگز نہیں جو ہر اینٹ پتھر وغیرہ میں بلحوائے آیت کریمہ: ''وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم'' موجود ہے اگر کوئی حضور کے دنیوی جسد اطہر میں اس پتھری حیات کا قائل ہو تو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں وہ حیات النبی کا منکر ہے۔ اس لئے کہ ہم اہل سنت حضور کے دنیوی جسد اطہر میں جو حیات مانتے ہیں وہ ان کی روح کے تعلق سے مانتے ہیں۔ پتھری حیات اس انسانی روح سے یکسر خالی ہوتی ہے۔ اس لئے اس پتھری حیات کا اکابر اہل سنت میں سے کوئی قائل نہیں۔ پس جو آنحضرت ﷺ کے دنیوی جسد اطہر میں اس پتھری حیات کا قائل ہو وہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدے کا منکر بلکہ آنحضرت کا موہن ہے۔

حیات کی کیفیت

۲...... آنحضرت ﷺ کے دنیوی جسد اطہر کو روح مبارک کے تعلق سے جو حیات حاصل ہے وہ تعلق تعلق حیات ہے اور لابشرط شئ کے درجہ میں روح مبارک کے اتصال اور دخول دونوں سے عام ہے۔ اگر روح مبارک کا مستقر اعلیٰ علیین میں مان کر اس کے اتصال ونفوض (شاید ناقل کی غلطی ہے صحیح نفوذ ہو، عبد الشکور ترمذی) سے دنیوی جسد اطہر میں حیات تسلیم ہو اور ایسی تعلق حیات سے سماع عند القبر الشریف کا اعتقاد ہو تو بھی عقیدہ حیات النبی قائم ہو جاتا ہے اور اگر روح مبارک کا آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر میں دخول وتلبس مان کر آپ کی حیات تسلیم کی جائے اور سماع کا اقرار کر لیا جائے تو بھی عقیدہ حیات النبی کا تحقق ہو جاتا ہے۔ کیفیت وصولی حیات کا اختلاف دنیوی جسد اطہر کے فائز الحیات ہونے کے اجماعی عقیدے کو ہرگز متاثر نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

حیات النبی دنیوی جسد اطہر کے روح مبارک کے تعلق سے فائز الحیات ہونے سے پورا ہو جاتا ہے اور یہ تعلق دخول روح واتصال روح کے باب میں لابشرط شیٔ کے درجہ میں ہے۔

تعلق روح کا مفہوم

۳...... اگر کوئی روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق حیات کا قائل نہ ہو بلکہ صرف اس تعلق کا اقرار کرے جو صاحب خانہ کو اپنے گھر سے باہر ہونے کی صورت میں اپنے گھر سے تعلق ہوتا ہے یا مالک کو اپنے مال میں غیر متصرف ہونے کی حالت میں ہوتا ہے تو حقیقت میں وہ روح مبارک کے جسد اطہر سے حقیقی تعلق کا منکر ہے۔ اس لئے کہ حیات النبی کے مسئلہ میں جس تعلق کا اعتبار ہے وہ تعلق حیات ہے۔ ہاں اگر صاحب خانہ کا وہ تعلق تسلیم کیا جائے جو صاحب خانہ کو اپنے گھر کے اندر ہونے کی صورت میں ہوتا ہے یا مالک کو اپنے مملوک میں متصرف ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اور پھر اصل حیات کا انکار نہ کیا جائے تو اس صورت میں روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق تسلیم ہو جاتا ہے اور بدوں اس تعلق کا اقرار ایک مغالطے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

سماع درود شریف

۴...... جو درود وسلام آنحضرت ﷺ کے روضہ انور پر پڑھا جائے حضور اکرم ﷺ اسے بغیر واسطہ کے خود سماعت فرماتے ہیں اور آپ کا یہ سماعت فرمانا دائمًا ہے اور یہ سماع عندالقبر تعلق حیات بسبب روح سے ہے۔ پس اگر کوئی سماع عندالقبر کو تو تسلیم کرے لیکن اسے دائمًا نہ مانے بلکہ خرق عادت قرار دے یا اس سماع کو تعلق حیات سے تسلیم نہ کرے تو وہ بھی اہل سنت کے نزدیک سماع عندالقبر الشریف کے حقیقی معنوں کا منکر ہے۔

منکر حیات گمراہ

۵...... ہمارے نزدیک اہل السنت والجماعت کے اس عقیدہ حیات کا منکر کافر نہیں گمراہ ہے۔ اس لئے کہ اس عقیدہ کے لئے ثبوت یا دلالت میں کسی ایک اعتبار سے ظنیت ہمارے راستے میں حارج نہ ہوگی جس عقیدہ کے لئے ثبوت ودلالت دونوں کی قطعیت ضروری ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔ جن عقائد کے انکار سے حکم کفر نہیں آتا ان کے لئے ثبوت ودلالت دونوں کی قطعیت لازم نہیں اور اسی وجہ سے بعض ایسے امور کا منکر کافر نہ ہوگا۔ عقائد کی یہ تفصیل اسی طرح کتب کلام میں بھی موجود ہے۔

''ان المسائل الاعتقادية قسمان احدهما ما يكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب وصدق النبی وثانيهما ما يكتفی فيه بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظنی انما لا يجوز فی الاوّل بخلاف الثانی۔'' (نبراس علی شرح العقائد ص ۵۹۸)

حیات بعد الوفات پر قرآنی فیصلہ

کتاب اللہ کی دلیل

''ولا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات بل احياء ولكن لا تشعرون''

استدلال: جب شہداء کے لئے وقوع قتل کے باوجود یہ حیات طیبہ ثابت ہے تو انبیاء کرام کے لئے اس سے بھی ارفع واعلیٰ حیات بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ یہ آیت دلالۃ النص کے اعتبار سے انبیاء کرام کی حیات بعد الوفات پر ایک واضح دلیل ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شہداء کرام کے لئے قرآن عزیز میں جس حیات کا اعلان کیا ہے وہ حیات جسدی ہے یا محض روحانی۔ اس آیت شریفہ پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حیات جسدی ہے جسد یکجا ہو یا اجزاء منتشرہ میں ہو حیات جسدی کے اقرار سے بہرصورت چارہ نہیں، اس پر قرآنی شہادتیں موجود ہیں۔

کتاب اللہ کی پہلی شہادت

اس آیت شریفہ میں اسی وجہ کو مردہ کہنے سے روکا گیا جس پر کہ فعل قتل وارد ہوتا ہے ظاہر ہے کہ قتل جسم پر ہی وارد ہوتا ہے۔ پس زندہ وہی ابدان مقتولہ ہوں گے اور قرآنی حکم کے مطابق ہم انہیں کو زندہ ماننے کے مکلف ہیں "من یقتل" میں ضمیر من کی طرف راجع ہے جو جسم وروح دونوں کا مجموعہ ہے اور مشاہدہ بھی مقتول جسم ہی ہوتا ہے اموات کا مبتداء ہم اور احیاء کا مبتداء ہم (جو مقدر ہیں) یہ ضمیریں اسی من کی طرف راجع ہوں گی جو "من یقتل" میں مذکور ہے اور وہ جسم ہی تھا۔ لہٰذا شہداء کرام کے اجسام ہی وہ ہیں جن کی دائمی موت کا اعتقاد ممنوع اور ان کی دائمی حیات کا اقرار لازم ہے۔

کتاب اللہ کی دوسری شہادت

آیت ہذا میں اموات بتقدیر مبتداء مقولہ ہے یعنی ہم اموات (وہ مردہ ہیں) یہ مقولہ ہے جس سے روکا گیا ہے اور ہم اموات جملہ اسمیہ ہے جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔ حاصل اینکہ شہداء کرام کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہیں ہم اموات یعنی مستمر الموت یا دائم الموت نہ کہا جائے "قتلوا یا ماتوا یا یقتل وغیرہ" (جملہ فعلیہ جو حدوث پر دلالت کرتا ہے) کہنے سے ممانعت نہیں۔ پس موت کا ورود تو حق ہے لیکن وہ موت غیر مستمر اور غیر دائم ہوگی۔ دائمی حقیقت وہی ہے جو ہم احیاء میں بیان کی۔ یہ جملہ جملہ پر معطوف ہے اور ہم احیاء جملہ اسمیہ واستمراریہ اور دوامیہ ہے۔ لہٰذا حیات دائمی ہے۔ خلاصہ المرام اینکہ دوام واستمرار وفات کا قول وظن ممنوع اور دوام حیات کا عقیدہ ماموریہ ہے۔

کتابُ اللہ کی تیسری شہادت

"ولکن لا تشعرون" شعور علم بالحواس کا نام ہے علم بالعقل کا نام نہیں۔ پس اس کا اطلاق اسی جگہ ہی ہوسکتا ہے جو مدرک بالحواس ہو سکے۔ استدراک اور رفع استدراک کا ہم نوع ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا شبہ احساس کا اور جواب احساس نہ ہونے کا ہے اور یہ ایسی چیز سے ہی متعلق ہو سکتے جو قابل احساس ہو۔ پھر اس کا احساس نہ ہو رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ حیات جسدی ہی قابل احساس ہے اور حیات بغیر جسد قابل احساس نہیں وہ صرف قابل علم ہے۔ اگر حیات غیر جسدی کا ذکر شبہ اور رفع شبہ ہوتا تو "ولکن لا تعلمون" ہوتا "لا تشعرون" محسوسیت کی دلیل ہے جو حیات جسدیہ ہی سے متعلق ہو سکتی ہے۔

کتاب اللہ کی چوتھی شہادت

حیات شہداء کا یہ بیان چوتھے پارے سورت آل عمران میں بھی موجود ہے وہاں یہ مضمون بھی ہے

"یرزقون۔ فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم" اس آیت شریفہ میں حیات شہداء کے لئے رزق کا بیان ہے ظاہر ہے کہ رزق کی ضرورت حیات جسد یہ ہی کو ہوتی ہے حیات برزخیہ روحیہ کو نہیں۔ جب حیات شہداء کے لئے یرزقون فرمایا تو حیات جسدی کی تعیین ہوگئی۔

کتاب اللہ کی پانچویں شہادت

شہداء کرام کے لئے جام شہادت نوش کر لینے کے بعد یستبشرون کی صفت بیان فرمائی اور استبشار اصلاً اس خوشی اور مسرت کو کہتے ہیں جس کا اثر انسانی چہرے میں محسوس ہونے لگے۔ بشر لغۃً انسانی کھال ہے "قال اللہ تعالیٰ: لواحۃ للبشر" وراستبشار وہی خوشی ہے جو جسدی طور پر محسوس ہونے لگے۔ پس یستبشرون سے بھی شہداء کی حیات جسدی ہی ثابت ہوئی۔

قرآن عزیز کی یہ پانچ شہادتیں بڑی وضاحت سے یہ دلیل قائم کر رہی ہیں کہ شہداء کرام کی ورود قتل کے بعد کی زندگی حیات جسدی ہے اوران ابدان میں حاصل ہے جن پر کہ فعل قتل وارد ہوا تھا اور انہیں ابدان کا ھم احیاء میں بیان ہے۔ خواہ وہ ابدان یکجا ہوں یا اجزاء منتشرہ میں ہوں وہ بہر حال فائز الحیات ہیں۔ پس جب شہداء کرام کا یہ حال ہے کہ تو انبیاء کرام اپنے اصل اجساد کے ساتھ زندہ کیوں نہ ہوں گے بلکہ انبیاء کرام کی حیات جسد عنصری ان سے بھی ارفع واعلیٰ ہے کہ شہدائے کے ابدان کا یکجا ہونا ضروری نہیں لیکن انبیاء کرام کے ابدان مطہرہ کا یکجا ہونا اور بالکل محفوظ ہونا بھی لازمی ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں "ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین۔" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱ مصری)

توضیحات

شہداء کرام کے ابدان مقتولہ میں جو زندگی ہے وہ ضروری نہیں کہ ارواح کے دخول کامل سے ہی ہو، اگر ان کی ارواح قدسیہ اعلیٰ علیین میں بھی ہوں یا سبز رنگ کے پرندوں کی شکل میں متشکل ہو کر قنادیل عرش میں سیر پذیر ہوں اور وہاں سے وہ ابدان مقتولہ میں نفوذ کر رہی ہوں تو بھی قرآن مجید کی بیان کردہ حیات جسدی عنصری کا مضمون پورا ہو جاتا ہے یعنی حیات شہداء کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ان کی ارواح ان کے ابدان مقتولہ میں داخل ہی ہوں وہ سبز رنگ کے پرندوں کی شکل میں متشکل بھی رہیں تو ایسا ہونا قرآن عزیز کی بیان کردہ حیات جسدی عنصری کی نفی نہیں کرتا۔ اسی طرح انبیاء کرام کی ارواح قدسیہ کا حسب تصریح بعض علماء اعلیٰ علیین میں ہونا ان کے اجساد قبریہ عنصریہ کی حیات کے ہرگز منافی نہیں۔

"ولا یتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فان لروحہ ﷺ اشرافاً علی البدن المبارکۃ المطیبۃ واشر اقاً وتعلیقاً بہ۔" (فتح الملہم ج ۳ ص ۲۱ ۴ ونحوہ فی زاد المعاد ص ۴۹)

جن علماء نے تفریق اجزاء کے مشاہدہ کی وجہ سے یا ارواح شہداء کے جو اصل طیور میں استقرار پذیر ہونے کے باعث شہداء کی حیات روحانی بیان کی ان کا مقصد ظاہر قرآن کی تردید ہرگز نہ تھا۔ محض اس امر مزید کا

بیان تھا جو قرآنی دلالت کے علاوہ روایات کی روشنی میں ملتی ہے اور اگر ہو بھی تو وہ قول مرجوح اور خلاف تحقیق جمہور ہوگا۔ تحقیق کی روشنی میں ارواح شہداء کے علیین میں ہونے یا جواصل طیور میں بطلاقہ راکب بمرکب ہونے سے اصل اجساد مقتولہ کا مردہ ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔ ہاں اس اختلاف تعبیر کی وجہ سے دلالت میں کچھ ظنیت ضرور ہے تاہم قواعد عربیت جمہور کی تحقیق اور محققین کا راجح فیصلہ وہی ہے جو علامہ محمود آلوسی نقل فرماتے ہیں: ''اختلف فی هذه الحياة مذهب كثير من السلف الى انه حقيقة بالروح والجسد ولكن لا ندر كها فی هذه انشاة''

(روح المعانی ج دوم ص ۱۷)

پھر اس کے آگے صاحب روح المعانی اسے ہی مشہور اور راجح قول قرار دیتے ہیں۔

پیش نظر رہے کہ حیات شہداء طیور خضر کی شکل میں ہونا صرف روایات پر موقوف ہے قرآن عزیز نے شہداء کی مطلق حیات جسدی کو بیان کیا ہے اور یہی مطلق حیات جسدی دلالۃ النص سے انبیاء کرام کے لئے ثابت ہوگی۔ حیات جسدی کی جملہ تفاصیل انبیاء کی حیات جسدی کے لئے لازم نہ ہوں گی۔ شہداء کے لئے حیات جسدی اگر طیور خضر کی صورت میں ہے تو انبیاء کرام کی حیات جسدی ان کے اجساد عنصریہ قبریہ میں ہی ہے۔ حدیث صحیح ہے ''الانبياء احياء فی قبورهم يصلون'' شہداء جیسی حیات جسدی کو ہی انبیاء کے لئے لازم کرنا مبنی بر قیاس ہے اور قیاس صحیح حدیث کے سامنے قائم نہیں رہ سکتا۔ قرآنی آیت کی حیات الانبیاء پر دلالت مطلق حیات جسدی میں ہے جس کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی ہوگی۔ شہداء کی حیات کے لئے طیور خضر کی روایات اور انبیاء کے لئے حیات قبریہ کی روایات اس باب میں کافی ووافی ہیں۔ یہ توجیہ محض اس صورت میں ہے کہ حیات شہداء کے روحانی ہونے کے مرجوح قول کو اختیار کیا جائے اور اگر حیاۃ شہداء کے مع الجسد ہونے کے مشہور وراجح اور مختار عند الجمہور قول کا اعتبار کیا جائے تو پھر ارواح شہداء کا طیور خضر کی صورت میں متشکل بھی ہونا ابدان مقتولہ کی حیات کی ہرگز نفی نہیں کرتا۔ اگر ہمیں اس کا ادراک نہیں ہوتا تو یہ امر دیگر ہے جو حقائق پر اثر انداز نہیں۔

۲...... ورود وفات کے بعد زندگی کے لئے ابدان مقتولہ کا یکجا ہونا ضروری نہیں وہ حیات بعد الوفات اجزاء متفرقہ میں بھی رہ سکتی ہے۔ علامہ شامی باب الیمین فی الضرب والقتل میں فرماتے ہیں ''والبنيه ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحياة فی تلك الاجزاء المتفرقة لا يدر كها البصر'' (ج ۳ ص ۱۰۳ مصری)

حیات بعد الوفات پر احادیث شریفہ

حدیث اوّل

''عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الانبياء احياء فی قبورهم يصلون''

(مسند ابی یعلی، جامع الصغیر ص ۱۰۳ مصری، حیات الانبیاء للبیہقی ص ۳ مصری)

تصحیح از محدثین کرام

فتح الباری ص ۱۳ کتاب الانبیاء نمبر ۲۷۸، مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲، فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹، فیض الباری ج ۲

ص ۶۴ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک (جذب القلوب ص ۱۸۰) اس حدیث میں نہ صرف قبر شریف کی حیات طیبہ کا بیان ہے بلکہ ان نفوس قدسیہ کا زندوں جیسے اعمال میں اشتغال بھی ثابت ہے اور یہی اس حدیث کا محط نظر ہے۔

حدیث دوئم

''عن النبی ﷺ قال من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ'' (مشکوۃ ص ۸۷، ابوالشیخ اصفہانی، مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰، ابن حبان، مرقاۃ، ابن ابی شیبہ، شرح شفاء ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۲ مصر، القول البدیع ص ۱۱۶)

تصحیح از محدثین کرام

بسند جید (فتح الباری ص ۱۳)، سندہ جید (القول البدیع السخاوی ص ۱۱۶) بسند جید (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰) سند جید (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۱۳)

پیش نظر رہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ سننا تعلق حیاۃ سے ہے: ''ان الانبیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوۃ من صلّی علیھم۔'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

''قال انّ اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوۃ من القریب و یبلغ ذالک من البعید'' (رسائل ابن تیمیہ الکلام فی المناسک ج ۱۶ ص ۳۹۱)

حدیث سوئم

''ان رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر و ھو قائم یصلی فی قبرہ۔'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۸، نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

دفع اشتباہ

معراج کی رات پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیت المقدس میں ملنا اور پھر آسمانوں پر ملنا، حدیث سوئم کی حیاۃ قبریہ سے ہرگز متصادم نہیں۔ محدثین کرام کہتے ہیں: ''وصلاتھم فی اوقات مختلفۃ و فی اماکن مختلفۃ لا یردہ العقل و قد ثبت بہ النقل فدل ذالک علی حیاتھم'' (فتح الباری ج ۱ ص ۱۳، ۲۷۸)

''وصلاتھم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بھما خبر الصادق و فی کل ذالک دلالۃ علی حیاتھم'' (حیاۃ الانبیاء للبیہقی ص ۸ مصری)

حدیث چہارم

''کیف تعرض صلوتنا علیک و قد ارمت فقال ان اللہ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء''

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۰ اور ۲۱۴، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، ابن ماجہ ص ۷۷ و ۱۱۹، احمد کمافی ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

استدلال

آنحضرت ﷺ کا جواب صرف ارمت سے متعلق نہیں کہ کیف تعرض کے جواب میں ہے یعنی انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہیں کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوسکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ ان اجساد مطہرہ میں

شعور ہے اور وہ اس طرح فائض الحیاۃ ہیں کہ وہ صلوٰۃ وسلام سن سکتے ہیں۔" والجواب بقوله ﷺ ان الله حرم علی الارض اجساد الانبیاء کنایة عن کون الانبیاء احیاء فی قبورهم" (حاشیہ نسائی الشیخ سندھی ص ۱۵۵)

"وکذالک فی المرقاة ج۲ ص ۲۰۹ وفی العینی علی البخاری ج۶ ص ۲۹ وفی بذل المجهود ج۲ ص ۱۶۰ وغیرها"

تصحیح حدیث از محدثین کرام

علی شرط البخاری (تلخیص المستدرک الذهبی ج ۱ ص ۲۷۸) باسانید الصحیحة (کتاب الاذکار للنووی ج ۱ ص ۱۴۸) حدیث صحیح (فتح الباری ص ۲۶ و ۵۶ صح عنه عینی علی البخاری ج ۶ ص ۲۹) صحح هذا الحدیث ابن خزیمه وابن حبان ودار قطنی ونووی (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) من قال انه منکر او غریب بعلة فقد استروح لان الدار قطنی ردها (مرقاة ج ۲ ص ۲۱) من تأمل هذا الاسناد لم یشک فی صحته لثقة رواته۔ (جلاء الافہام لابن القیم ۴۴)

حدیث پنجم

"قال النبی ﷺ لا تخیرونی علی موسٰی فان الناس یصعقون یوم القیامة فاصعق معهم فاکون اول من یفیق فاذا موسٰی باطش جانب العرش فلا ادری کان فمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی الله"
(بخاری ج ۱ ص ۳۲۵، ص ۴۸۱)

استدلال

صعقۂ الاولٰی کے وقت جمیع زندگان ارض وسما (جن پر ابھی تک موت نہ آئی ہوگی) موت کی نیند سو جائیں گے (باستثنٰی من شاء اللہ) اور صعقۂ ثانیہ سے مردگان بھی اور پہلے کے وفات یافتہ لوگ بھی سب کے سب زندہ ہو جائیں گے، اس وقت اس حدیث کے اقتضا کے مطابق انبیاء کرام کو صرف افاقہ ہوگا معلوم ہوا کہ وہ اس صعقہ ثانیہ سے پہلے بھی زندہ ہوں گے۔ نفخہ اولٰی سے صرف ان پر معمولی غشی کی سی حالت طاری ہوئی ہوگی اور یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ غشی کا محل ورود وہی ابدان ہو سکتے ہیں جو پہلے سے زندہ ہوں صرف روح پر غشی کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی مردہ اجساد غشی کا محل ورود ہو سکتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو اپنی اپنی قبور شریفہ میں جو زندگی حاصل ہے وہ نفخہ اولٰی کے وقت بھی ختم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے عالم دنیا سے انتقال کرتے وقت ورود موت کے بنیادی قانون سے عہدہ براء ہو چکے ہوں گے اور پھر قبر میں پہلے سے فائض الحیاۃ ہونے کے باعث نفخہ ثانیہ کے وقت ان کے نئے سرے سے زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے پورے دفتر میں نفخہ ثانیہ کے وقت ان کے زندہ ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ بلکہ احادیث صحیحہ صریحہ کی رو سے انہیں محض افاقہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ افاقہ کا محل ان کے اجساد عنصریہ ہی ہوں گے جیسا کہ حدیث کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ پس اگر وہ نفوس قدسیہ پہلے سے اپنے اپنے

روضات عالیہ میں ابدان عنصریہ سے فائض الحیات نہیں تو قیامت کے دن نفخہ ثانیہ سے جب تمام مردے زندہ ہو رہے ہیں انبیاء کرام کے زندہ ہونے کی بجائے افاقہ پانے کا آخر کیا مطلب ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ یہی استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''وھذا انما یصح علی ان اللہ جل ثناء ردّ الی الانبیاء ارواحھم فافھم احیاء عند ربھم (حیاۃ الانبیاء) اما صعق غیر الانبیاء فموت واما صعق الانبیاء فالاظہر انہ غشی فاذا نفخ فی الصور نفخۃ البعث فمن مات حیّ ومن غشی علیہ افاق . . .

(راجع لہ العینی علی البخاری ج ۶ ص ۶۹)

اس حدیث کی تشریحات جو اور منقول ہیں سب اس کے بعد کی ہیں اوّل وراجح یہی تعبیر ہے۔ نیز ہم نے اسے اپنے مدعا کی تعیین میں نقل احادیث صحیحہ کے ان واضح فیصلوں کے بعد کیا ہے۔ اب سلف صالحین اہل سنت والجماعت کی ان اجماعی شہادتوں کو بھی لیجئے۔

شہادات اجماع

۱...... ''نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حیّ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکلہ الارض والاجماع علی ھذا'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

۲...... ''الاجماع علی انہ ﷺ حیّ فی قبرہ علی الدوام۔ دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین للعلامہ محمد بن علان الشافعی الاشعری اکملی'' (ج ۴ ص ۱۹۲)

۳...... حیات متفق علیہ است کس را دروے خلاف نیست۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

۴...... زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں مخالفت نہیں کہ حیات ان کی وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

۵ قبر کے پاس انبیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۰۰)

تصریحات علماء اعلام از حنفیہ کرام

۱...... ''المعتقد المعتمد انہ ﷺ حیّ فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی حال الدنیوی'' (شرح شفا ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۲)

''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلاۃ من صلّٰی علیھم'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

۲...... ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم''

(شامی باب المغنم وقسمتہ بعد قسمۃ الخمس ج ۲ ص ۲۶۶ ورسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳ الرحیق المختوم)

۳...... ''انھم لایموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ ومذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیاۃ وموتاً فلا بد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء'' (عینی علی البخاری ج ۷ ص ۶۰۰)

۴...... "ولما هو مقرر عند المحققين انه ﷺ حیٌ یرزق متمتع بجمیع الملاء اذو العبادات غیر انه احجب عن العباد القاصرین عن شریف المقامات" (نور الایضاح ص ۱۷۳)

"فانه یسمعها ای ذا کانت منه ﷺ تبلیغ الیه ای یبلغها الملک اذا کان المصلی بعیداً"

(طحاوی ص ۴۰۵ مصر)

تصریحات علماء شافعیہ وحنابلہ ومالکیہ

۱...... "عندنا رسول اللہ ﷺ حیٌ یحسّ ویعلم وتعرض علیه اعمال الامة ویبلغ الصلاة والسلام"

(طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

۲...... "ان حیاته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیاً و الانبیاء احیاء فی قبورهم"

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۲ مصری)

۳...... "قال ابن عقیل من الحنابلة هو ﷺ حیٌ فی قبره یصلی" (الروضۃ البہیہ ص ۱۴ وکذا فی البدائع لابن قیم)

۴...... "قال ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فاخبر انه یسمع الصلوٰۃ من القریب ویبلغ ذالک من البعید" (رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج نمبر ۱۶ ص ۳۹۱)

۵...... "نقل عن الامام مالک انه کان یکفره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموت وهو ﷺ احیاه اللہ تعالیٰ بعد موته حیاة تامة و استمرت تلک الحیاة"

(نور الایمان ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۳، ۴۱۴)

تصریحات حضرات فرقہ اہل حدیث

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ

۱...... "روحه ﷺ لا تفارقه لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم" (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۸)

"ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حیٌ بعد وفاته" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱)

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ

۲...... "والذی نعتقد ان رتبة نبینا ﷺ اعلیٰ مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حیٌ فی قبره حیاة مستقرة ابلغ من حیاة الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذ هو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه" (رسالہ شیخ نجدی مندرجہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب)

علامہ وحید الزمان حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۳...... "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو کوئی میری قبر کے پاس آ کر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے مجھ کو لا کر پہنچاتے ہیں۔"

(لغات الحدیث کتاب نمبر ۴ ص ۴۰ مصنفہ علامہ وحید الزمان اہل حدیث)

مولانا نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ

۴...... حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے وہ سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ)

۵...... ''انہم احیاء فی قبورھم یصلون وقد قال النبی ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ'' (التعلیقات سلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۳۷)

تصریحات اکابر دیوبند رحمہم اللہ

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ

الف: ''ولان النبیین علیہم السلام صلوٰۃ اللہ علیھم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منھم'' (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۲۳ تقریر ترمذی ؒ)

ب: آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ''ونبی اللہ حی یرزق'' (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۹) اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔ (ہدایۃ الشیعہ مصنفہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ)

ج: قبر کے پاس......انبیاء کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج اوّل ص ۹۹)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ

''ان نبی اللہ ﷺ حیٌ فی قبرہ کما کان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم ولا فرق بین ان یکون فوق الارض او تحت حجابھا'' (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

''اوّل بطور مقدمہ کے جاننے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ حدیث میں نص ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ حیٌ یرزق کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔''

(وعظ رأس الرضعین بضمن مجموعہ میلاد النبی شائع کردہ ملتان ص ۵۰۸)

''قال الاستاذ ابو منصور بغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ۔'' (علاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰ مؤلفہ زیر نگرانی حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ

''یرد بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لا الروح فقط'' (تحیۃ السلام ص ۳۶، از حضرت شاہ صاحب)

آخری گزارش

مسلک دیوبند اہل سنت والجماعت اہل حق کا ایک ایسا علمی اور روحانی دائرہ ہے جس کے عقائد ہرگز مشتبہ نہیں

کہ کوئی شخص دیوبندیت کے نام پر جو کچھ چاہے کہتا رہے مسلک دیوبند کے نظریات اکابر دیوبند کی مرکزی علمی دستاویز المہند علی المفند میں قلم بند ہیں جس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے لے کر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تک سب اکابر کے دستخط موجود ہیں۔ پس المہند مسلک دیوبند کی سرکاری ترجمان ہے جس کا تسلیم کرنا دیوبندیت اور جس سے انحراف مسلک دیوبند سے گریز کرنا ہے۔اب آخر میں المہند کا وہ تاریخی فیصلہ نقل کیا جاتا ہے۔

''المہند'' کا تاریخی فیصلہ

''عندنا و عند مشائخنا حضرة الرسالة ﷺ حی فی قبره الشریف و حیاته ﷺ دنیویة من غیر تکلیف وھی مختص به ﷺ و بجمیع الانبیاء... فثبت بھذا ان حیاته دنیویة برزخیة لکونھا فی عالم البرزخ'' (ترجمہ: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے) (از قلمی قائل مولانا محمد علی جالندھری مرحوم)

(حضرت جالندھری رحمہ اللہ و مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ کا تحریر کردہ ثالث حضرات کے نام بیان ختم ہوا: ناشر)

عقیدۂ حیات النبی ﷺ کے متعلق فتاویٰ جات

اب ذیل میں عقیدۂ حیات النبی ﷺ سے متعلق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ اور فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون و جامعہ اشرفیہ لاہور کا مدلل و مفصل فتویٰ ازدیاد بصیرت کے لئے پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ قارئین انہیں بغور ملاحظہ فرمائیں گے۔

فتویٰ مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ

الاستفتاء

یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے آپ ﷺ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی قبر مبارک پر درود و سلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ ﷺ سنتے نہیں، کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا تؤجروا!

الجواب الاول از حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن رحمہ اللہ
سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں، آپ ﷺ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ ﷺ اپنے مزار میں حیات ہیں، مزار مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کا تعلق بجسدہٖ و بروحہٖ ہے جو اس

کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے، یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: اِنَّ اللہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (الحدیث)[1] وعن ابی ھریرۃ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ بَعِیْدٍ اُعْلِمْتُہٗ رَوَاہُ اَبُو الشَّیْخِ (وَسَنَدُہٗ جَیِّدٌ)[2] القول لبدیع ص ۱۱۶، وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِیَاءُ (صَلٰوۃُ اللہِ عَلَیْھِمْ) اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (رواہ ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ والبیھقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرھما)[3] (شفاء السقام ص ۱۳۴)

دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی ہے خارج از اہل سنت والجماعت ہے، غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار کے قریب پڑھنے سے آپ ﷺ سنتے بھی ہیں اور آپ ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں، وَاللہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ا

کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیو بند ۱۳/۵/۷۶ھ

(مہر دار العلوم دیو بند)

اَلْجَوَابُ صَحِیْحٌ   جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ رشوال ۱۳۷۶ھ

اَجَابَ الْمُجِیْبُ وَاَجَادَ   محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ مدرس جامعہ اشرفیہ

اَلْجَوَابُ صَوَابٌ   محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

فتویٰ مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الجواب الثانی از فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون و جامعہ اشرفیہ لاہور

شہداء کو مردہ کہنا حرام ہے

مُبَسْمِلًا وَمُحَمِّدًا لَا مُصَلِّیًا وَمُسَلِّمًا

۱...... آیت شریفہ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (پ ۲) سے معلوم ہوا کہ شہداء کو مردہ یعنی مستمر الموت کہنا جائز نہیں حرام ہے، ورنہ یُقْتَلُ سے موت بیان ہو چکی ہے اَمْوَاتٌ مقولہ ہے جس کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے "ھُمْ اَمْوَاتٌ" جملہ اسمیہ استمرار پر دال ہے تو حرمت یہاں موت مستمر کہنے کی ہے، چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ "مَاتُوْا" کہنا تو جائز ہے مَیِّتٌ، وَمَوْتٰی کہنا جائز نہیں ہے، ایسے ہی اَحْیَاءٌ، یعنی ھُمْ اَحْیَاءٌ، کے معنی یہ کہ وہ مستمر الحیات ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ فی الجمعۃ رواہ ابن ماجۃ ای باسناد جید عن المنذری لہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفۃ (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۳۸)

[2] رواہ البیھقی فی شعب الایمان وفی اشعۃ اللمعات الجدیدۃ (ج ۲ ص ۷۹۸) اخرجہ ابو بکر بن ابی شیبۃ والعقیلی والطبرانی وفی المرقاۃ رواہ ابو الشیخ وابن حبان بسند جید (ج ۳ ص ۳۴۳)

[3] اخرجہ ابو یعلی فی سندہ والبیھقی، انباء الاذکیاء للسیوطی رحمۃ اللہ علیہ

یہ شبہ کہ ہم ان کو زندہ نہیں دیکھتے اس کا استدراک: وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے کر دیا گیا ہے کہ حیات کے لئے دوسروں کا احساس ضروری نہیں ہے وہ حی ہیں مگر تم لوگ محسوس نہیں کر سکتے، شعور احساس کو یعنی ادراک بالحواس کو کہتے ہیں، ان کی آواز سن کر، نبض چھو کر، آنکھ سے دیکھ کر تم محسوس نہیں کر سکتے، صرف وحی سے معلوم ہوگا اور ہو گیا، یہاں محض موت کی نفی نہیں موت مستمر کی نفی اور حرمت ہے ورنہ "يُقْتَلُ" سے خود موت یا مجارحہ ثابت شدہ ہے، روح المعانی ج ۲ ص ۱۹ پر ہے:

"وَلَيْسَ فِي الْاٰيَةِ نَهْيٌ، عَنْ نِسْبَةِ الْمَوْتِ اِلَيْهِمْ بِالْكُلِّيَّةِ بِحَيْثُ اَنَّهُمْ مَاذَاقُوْهُ اَصْلًا وَلَا طَرْفَةَ عَيْنٍ وَالَّا لَقَالَ تَعَالٰى وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَاتُوْا فَحَيْثُ عَدَلَ عَنْهُ اِلٰى مَا تَرٰى عُلِمَ اَنَّهُمْ امْتَازُوْا بَعْدَ اَنْ قُتِلُوْا بِحَيَاةٍ لَا يَقْوٰى بِهِمْ مَا نِعُوْا اَنْ يُّقَالَ فِيْ شَاْنِهِمْ اَمْوَاتٌ."

لہٰذا ایسی حیات ہے کہ مر گئے کہنا گو جائز ہے مگر مردہ کہنا حرام ہے یعنی "ان کی موت مستمر ہے" یہ کہنا حرام ہے بلکہ حیات مستمر ہے گو ان پر موت کا واقع ہو جانا کہنا جائز ہے "يُقْتَلُ" میں یہی فرمایا ہے "بَلْ اَحْيَاءٌ" کا عطف جیسے کہ قرب کا تقاضا ہے "اَمْوَاتٌ" پر ہے، جیسے وہ مقولہ تھا یہ بھی مقولہ ہے، جیسے وہ جملہ استمرار یہ تھا یہ بھی جملہ استمرار یہ ہے اور "بَلْ" نے پہلے سے اعراض کا فائدہ دیا تو یہ معنی ہو گئے" بلکہ یہ کہو کہ حیات مستمر سے زندہ ہیں" نہی کے صیغہ "وَلَا تَقُوْلُوْا" سے اضراب امر بن جائیگا، تو جیسے ان کو مستمر الموت کہنا حرام تھا اب مستمر الحیات کہنا واجب ہوا، یہ تو شہیدوں کے لئے ہوا، اب حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور ﷺ کے لئے بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب وضروری ہوا یا نہیں، اس پر غور کرنا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو زندہ کہنا واجب ہے

الف: سب انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بالا در بالا ہے، جو حکم شہیدوں کے لئے باعث اعزاز و امتیاز بنا ہے ان کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء کا درجہ و مقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ کی ترتیب ذکری نے جو حکمت بالغہ سے خالی نہیں ہو سکتی بتا دیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا درجہ سب سے اول ہے اور سب سے اعظم، لہٰذا ان کو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام شہداء میں شامل ہیں

ب: انبیاء علیہم السلام سب کے سب ہی شہید ہیں جو فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں) تمام مصائب اٹھاتے رہے ہیں اور کچھ قتل بھی ہوئے ہیں اور اگر قتل نہ بھی ہوں تو بھی شہید حکمی، فی سبیل اللہ کی وجہ سے، ضرور ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا قول ہے: وَمَا نَبِيٌّ اِلَّا وَقَدْ جَمَعَ مَعَ النُّبُوَّةِ وَصْفَ الشَّهَادَةِ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸) یعنی حضور ﷺ کو حقیقی شہادت حاصل ہے۔

علامہ رحمہ اللہ کے رسالہ "انباء الاذکیاء" میں ہے، امام احمد وابو یعلیٰ وطبرانی اور مستدرک میں حاکم رحمہ اللہ اور

دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت بیان کی ہے فرمایا: لَاَنْ اَحْلِفَ تِسْعًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قُتِلَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَحْلِفَ وَاحِدَۃً اَنَّہٗ لَمْ یُقْتَلْ وَ ذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہَ اتَّخَذَہٗ نَبِیًّا وَّاتَّخَذَہٗ شَہِیْدًا۔

شہداء کے لیے حیات جاوید

ج: (حوالہ مذکورہ میں) امام بخاری رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے فرماتی ہیں:

"کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ لَمْ اَزَلْ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْتُ بِخَیْبَرَ فَھٰذَا اَوَانُ اِنْقَطَعَ اَبْھَرِیْ مِنْ ذٰلِکَ السَّمِّ"

اور سب جانتے ہیں کہ زہر سے اور پھر رگ پھٹ جانے سے جو موت ہے وہ شہادت ہے اور شہیدوں کی حیات جاوید ثابت ہے ان کو مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے، تو تمام انبیاء حضرات خصوصاً حضور علیہم الصلوۃ والسلام کو مستقل زندہ کہنا واجب ہے اور مستقل مردہ کہنا حرام۔

لاتشعرون کا مفہوم

د: لَاتَشْعُرُوْنَ شعور سے بنا ہوا ہے جو ادراک بالحواس کا نام ہے اور صیغہ مخاطبین کا ہے یعنی تم جن وانس زندہ لوگ حواس سے محسوس نہیں کر سکتے، اب اور کوئی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کشف ورفع حجابات سے معلوم ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یا صرف وحی والہام سے ہی معلوم ہوگا؟ یہ مسئلے بھی یہاں غور طلب ہیں۔

پھر نفی صرف اس بات کی مفید ہو سکتی ہے جو عقلاً وعادۃً ممکن ہو مگر وہ واقع نہ ہوئی ہو، جو چیز عقلاً وعادۃً ناممکن ہو اس کی نفی لغو وعبث ہوتی ہے جو کہ کلام الٰہی میں نہیں ہوگی، کسی کا یہ کہنا کہ میں آسمان پر چھلانگ نہیں لگاتا یا سارا کا سارا سمندر نہیں پی جاتا ایک لغو جملہ ہے اس سے کوئی فائدہ نہیں ملتا، معلوم ہے نہ کر سکتے تھے نہ کیا ہے۔

اس عام قاعدہ سے معلوم ہوا کہ حیات ایسی ہے کہ حواس سے بھی اس کا ادراک ممکن ہے مگر تم لوگوں کو بجز مستثنیٰ کے عام طور سے وہ ادراک حاصل نہیں، اس سے حیات کی نوعیت معلوم ہوگئی کہ وہ ایسی نوع ہے جس کا ادراک حواس سے ہونا ممکن ہو یعنی جسم وروح کے مجموعہ کی حیات نہ کہ صرف روح کی، آگے ان شاء اللہ اس پر دلائل قائم کئے جائیں گے، اور پھر نفی بھی مخاطبین سے کی جارہی ہے کہ تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے گو فی الواقع ممکن ہو، مگر اور مخلوق ادراک کر سکتے ہیں مثلاً فرشتے، جانور وغیرہ۔

اور نفی حواس سے ادراک کرنے کی ہے عقل سے نہیں جس کا یقینی طریقہ وحی الٰہی ہے اور ظنی طریقہ کشف ہے ان کی نفی نہیں اور تخمینی وتوہمی تو کالعدم ہے لہٰذا وحی متلو آیات نے اور وحی غیر متلو احادیث سے اور کشف سے ادراک ممکن ہو بلکہ واقع میں ہو رہا ہے اور غیر ثقلین (جن وانس کے علاوہ) کو حواس سے بھی ہوگا کہ دوسری مخلوقات کو جیسے کہ احادیث میں ہے حواس سے ادراک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ثقلین ثقل والے نہیں رہتے ان کو بھی ادراک ہوتا ہے یہ بھی حدیثوں میں ہے۔

ایسے ہی مجاہدات وریاضات والے عقل سے بالا ہوتے ہیں ان کو گاہ گاہ ادراک ممکن ہے جس کے بہت سے واقعات شاہد ہیں کشف سے بھی، آنکھ سے بھی۔

انبیاء وشہداء کو مردہ گمان کرنا بھی حرام ہے

۲...... آیت کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۴ ع ۸)

حکم بواسطہ حضور ﷺ سب کو ہے یا ایسے ہی ہر مخاطب کو ہے کہ ان کو مستقل مردہ گمان بھی مت کرو کیونکہ اَمْوَاتًا فعل قلب کا مفعول ثانی ہے اور افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں جس سے استمرار کے معنی پیدا ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ کہنا تو کہنا ایسا گمان کرنا بھی حرام ہے اور "اَحْیَاءٌ" بھی "ھُمْ اَحْیَاءٌ" جملہ اسمیہ خبریہ استمراریہ ہے جو حیات مستمرہ ومستقلہ کو ثابت کرتا ہے۔

دونوں آیات سے جب موت مستمر کا قول اور موت دائم کا گمان کرنا حرام معلوم ہو گیا تو اس کی نقیض عدم قول وعدم گمان موت مستمر واجب قرار پائی اور جیسے اوپر کی آیت میں الف، ب، ج، د جاری ہیں یہاں بھی جاری ہوں گے اور حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضور ﷺ افضل الانبیاء میں موت مستمر کا قول اور موت مستقل کا گمان حرام اور حیات مستمر کا قول وگمان واجب قرار پایا۔

"لَا تَحْسَبَنَّ" صیغہ نہی ہے اور نون تاکید ثقیلہ سے اس کی بہت تاکید کر کے موت مستمر کے گمان کرنے کے حرام ہونے کا حکم دیا ہے اور زبان سے کہنا تعبیر ہے ذہنی خیال کی جس کو اصطلاح میں یہ کہتے ہیں کہ قضیہ ملفوظہ حکایت ونقل ہے قضیہ معقولہ کی جیسے کہ وہ واقعہ کی نقل ہے، جب اصل ذہنی تخیل ہی حرام ہے تو زبان اور لفظوں سے نکالنا بھی یقیناً حرام ہے، دونوں خلاف واقع ہیں، کذب ہیں، حرام ہیں۔

قرآن وحدیث سے حیات جسمانی کا ثبوت

اَحْیَاءٌ کے بعد یہاں چند صفتیں بھی ہیں جن سے حیات کی نوعیت کی تشخیص ہو جاتی ہے، لہٰذا اب اس پر غور کرنا ہے کہ جس حیات کا عقلی تخیل اور لفظوں میں بیان واجب ہے وہ کونسی حیات ہے؟

سنئے! حیات کے حقیقی معنی زندگی مراد ہو سکتے ہیں یا مجازی معنی علم یا ایمان یا شہرت ونام مراد ہو، اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں اور ان سے ہٹانے والی کوئی بات نہ ہو مجازی معنی مراد لینا غلط ہے اس لئے یہاں زندگی ہی کے معنی مراد ہوں گے، پھر اس زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں آخرت میں ہونا مراد ہوگا یا قبر میں ہونا مراد ہوگا، پھر قبر میں ہونے والی زندگی کی بھی دو ہی صورتیں ہیں صرف روح کی زندگی یا جسم وروح کی زندگی، عقلاً صرف یہی چار صورتیں بن سکتی ہیں۔

کیونکہ پانچویں صورت کہ صرف جسم بلا روح کی زندگی ہو یہ ناممکن عادی ہے، اب اس حیات سے

آخرت کی حیات مراد لینا تو درست نہیں ہوگا کیونکہ "اَمْوَاتٌ" کہنے کی ممانعت کے بعد "اَحْیَاءٌ" فرمایا ہے یہ کہنے کی ممانعت دنیا ہی میں ہے اور حیات ہونا اسی کی دلیل ہے جو دنیا ہی میں ہو سکنی ضروری ہے۔

پھر بقول امام رازی رحمہ اللہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی ہے شہیدوں کو دنیا ہی میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ احیاء ہیں تو اسی وقت کی حیات مراد ہوگی۔

تیسرے یہ کہ یہاں ان کی عزت اور امتیاز کا بیان ہے آخرت کی ابدی حیات تو سب کو حاصل ہوگی کافروں کو بھی خلود فی النار کی حیات ہوگی تو امتیاز اسی میں ہے کہ ابھی ابھی دنیا میں وقبر میں حیات ہے۔

چوتھے ثواب عذاب سے افضل ہے جب عذاب کے لئے اسی وقت کی حیات ہوگی تو ثواب کے لئے بدرجہ اولی ہوگی، کفار کے لئے ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا "ف" کی تعقیب بتاتی ہے کہ غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوگئے اور عذاب کے لئے حیات ضروری ہے، قیامت سے پہلے غرق ہوتے ہی نار میں داخل ہوئے، تو یہ عذاب قبر اور حیات قبر ہی ہے۔

پانچویں آیت "اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا" صبح وشام کے نار پر پیش کرنے کے لئے جب حیات ہے تو ثواب کے لئے بدرجہ اولی ہے، آگے کی آیت یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ سے معلوم ہوگیا کہ یہ قیامت سے پہلے ہے جو قبر ہی میں ہے، حیات کے ساتھ ہے، ورنہ جمادات کو کیا عذاب؟

چھٹے اگر قیامت کی زندگی مراد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لَا تَحْسَبَنَّ" نہ فرماتے جبکہ تمام مؤمنین کی حیات قیامت میں معلوم تھی۔

ساتویں "یَسْتَبْشِرُوْنَ" آیت میں ان لوگوں کے حال سے بشارت ہے جو ابھی تک ان سے نہیں ملے، یہ دنیا میں ہیں، ان کے حال سے بشارت حاصل کرنا بھی دنیا ہی میں قبل قیامت ہے، اور حدیثوں سے دلیل حاصل ہے (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۸) بلکہ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

"وَالرِّوَایَاتُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ کَاَنَّهَا بَلَغَتْ حَدَّ التَّوَاتُرِ فَکَیْفَ یُمْکِنُ اِنْکَارُهَا"

حیات سے صرف روح کی حیات مراد نہیں

صرف روح کی زندگی مراد نہیں ہوگی کیونکہ یہ اعزاز وامتیاز کا موقع ہے اور وہ تو کافروں کو بھی حاصل ہوگی تو پھر امتیاز کیا ہوا؟

دوسرے ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "لَا تَحْسَبَنَّ" نہ فرمایا جاتا، موت کا عدم گمان حیات کا گمان ہوتا ہے حالانکہ خلود مومن وکافر سے یقینی حیات ہونا معلوم تھا صرف گمان نہ تھا۔

تیسرے پہلی آیت میں "اَحْیَاءٌ" کے بعد "لَا تَشْعُرُوْنَ" ہے اگر صرف روحی حیات ہوتی تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ روحیں سب کی زندہ خلود جنت ودوزخ سے ہوں گی پھر عدم شعور کیسا؟ وہاں تو شعور ہی شعور ہوگا۔

چوتھے اس آیت کا لفظ "یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ" دلیل ہے اس کی، کیونکہ حصول بشارت

جو خاصہ مجموعہ کا ہے زندہ لوگوں کے متعلق ہی کہا جا سکتا ہے کہ بشرہ جسم میں ہی تو ہے بشرہ کھال کو کہتے ہیں ہے استبشار اسی کا کھلولنا ہے، یعنی خوشی ہے۔

پانچویں یُرْزَقُوْنَ فرمایا ہے اور رزق کی ضرورت روح مع الجسم کو ہی ہوتی ہے۔

چھٹے جس قدر آیات واحادیث عذاب قبر کے بارہ میں ہیں اور قبر میں جسم ہی ہوتا ہے مع الروح جمہور کے نزدیک، اور بغیر روح کے عذاب وثواب کا فائدہ ہی نہیں، نہ نقصان ہے، نہ ثواب ہے، نہ عذاب ہے، یہ سب دلیل ہیں کہ یہ حیات مجموعہ روح وجسم کی ہوتی ہے اور یہ مسئلہ تواتر سے ثابت ہے، امام رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اَلْاَخْبَارُ فِیْ ثَوَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِہٖ کَالْمُتَوَاتِرَۃِ۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۳)

آگے کچھ آیات نفس مسئلہ کے متعلق آنے والی ہیں جن سے روح وجسم کے مجموعہ کی حیات بھی ثابت ہوتی ہے بلکہ انبیاء اور حضور ﷺ کی بلکہ مومن کی بھی خصوصیت نہیں کافر تک کو بھی ایک قسم کی حیات جسمی حاصل ہے۔

حیات قبری کا ثبوت

۳...... عینی شرح بخاری جدید ج ۸ ص ۱۴۵ پر ہے کہ:

آیت شریفہ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ میں اللہ تعالیٰ نے دو موتوں کا ذکر فرمایا ہے اور وہ اس طرح متحقق ہو سکتی ہیں کہ قبر کے اندر زندگی ہو اور موت ہو، تاکہ ایک موت تو وہ ہو جو حیات دنیوی کے بعد حاصل ہوئی اور دوسری وہ ہو جو اس حیات قبری کے بعد ہوگی، جب تک حقیقی معنی موت وحیات کے ممکن ہوں مجاز کا کوئی قرینہ نہ ہو مجازی معنی لینا یقیناً درست نہیں، حقیقی دو موتیں اسی طرح ہو سکتی ہیں ایک دنیوی حیات کے بعد ایک قبر کی قبری حیات کے بعد، لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے۔[ل]

ل نمبر ۳ کی عبارت سے مقصود صرف حیات فی القبر کا اثبات ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو اس کے منکر ہیں اور یہ مقصود قرآن کریم کی آیت قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ الْاٰیَۃَ" کی مذکورہ تفسیر اور شرح مواقف کی درج شدہ عبارت سے واضح طور پر ثابت ہے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے بھی اس آیت مبارکہ اور شرح مواقف کی عبارت مذکورہ سے اسی پر استدلال فرمایا ہے جیسا کہ حضرت کی عبارت "لہٰذا اس سے حیات قبری ثابت ہے" سے معلوم ہوا ہے، اب رہا یہ کہ اس سے حیات فی القبر کا اثبات کیسے ہوا ہے؟ تو اس کی تقریر خود حضرت کی عبارت میں صراحۃً موجود ہے جو تقریباً شرح مواقف کی عربی عبارت کا حاصل ترجمہ ہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت قرآنی قَالُوْا رَبَّنَا الْاٰیَۃَ کی تفسیر اور جو تقریر شرح مواقف میں کی گئی ہے اس میں جو دو حیات اور دو موت کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دو موت اور حیات ہیں جو حقیقی ہوں، اور برزخ قبر میں تألم وتلذذ کے لئے میت کو جو حیات حاصل ہوگی وہ من وجہ حیات ہے جو دوسرے دلائل سے ثابت ہے اس آیت میں اصالۃً اس سے تعرض نہیں کیا گیا لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اثبات اس تقریر کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں اس کی نفی نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شے کو یقیناً مستلزم نہیں پھر جبکہ دلائل سے اس کا ثبوت ہو جائے تو اس کا انکار ہرگز صحیح نہیں، بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ بِقَدْرِ مَا یَتَاَلَّمُ وَیَتَلَذَّذُ میت کو جو حیات قبر میں دی جاتی ہے وہ اس تقریر کے خلاف نہیں ہے، فَحِیْنَئِذٍ لَا تَعَارُضَ وَلَا اِشْکَالَ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْمَقَالِ! احقر سید عبدالقدوس ترمذی جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا ۴ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ پر ہے: وَمَا الْمُرَادُ بِالْاِمَاتَتَيْنِ وَالْاِحْيَائَيْنِ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اِلَّا الْاِمَاتَةُ قَبْلَ مَزَارِ الْقُبُوْرِ ثُمَّ الْاِحْيَاءُ فِي الْقَبْرِ ثُمَّ الْاِمَاتَةُ فِيْهِ اَيْضًا بَعْدَ مَسْئَلَةِ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ ثُمَّ الْاِحْيَاءُ لِلْحَشْرِ هٰذَا هُوَ الشَّائِعُ الْمُسْتَفِيْضُ مِنْ اَصْحَابِ التَّفْسِيْرِ۔[1]

عذاب قبر حیات کی دلیل ہے

۴...... عینی میں اس سے اوپر بیان ہے آیت: وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا میں بتایا ہے کہ یہ آیت اس باب میں صریح ہے کہ کافروں کو مرنے کے بعد ہی عذاب ہوگا، عذاب قبر ہوگا، آگے اس پر دلیل دی ہے کہ اس کے بعد جو ہے يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ اس میں عذاب آخرت کا عطف اس پر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کے علاوہ ہے یعنی وہ عذاب جو قبل قیامت ہے عذاب قبر ہے، پھر دلیل کی تکمیل کی ہے کہ جب عذاب دینا ثابت ہے اور زندہ کرنا اور قبر کا سوال وجواب بھی ثابت ہے کیونکہ كُلُّ مَنْ قَالَ بِعَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ بِهِمَا، جب ہر قائل عذاب قائل حیات ہے اور عکس نقیض موجبہ کلیہ کا موجبہ کلیہ لازم ہے۔ یعنی كُلُّ مَنْ لَّمْ يَقُلْ بِهِمَا لَمْ يَقُلْ بِعَذَابِ الْقَبْرِ تو منکر حیات منکر عذاب قبر ہوگا اور عذاب قبر تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک قطعی دلائل سے ثابت ہے آیات سے بھی اور احادیث متواترہ سے بھی، علامہ خود آگے عذاب قبر کی احادیث کے لئے کہتے ہیں: وَلَنَا اَيْضًا اَحَادِيْثُ صَحِيْحَةٌ وَّاَخْبَارٌ مُتَوَاتِرَةٌ پھر احادیث درج ہیں۔

---

[1] ''شرح مواقف'' کی عبارت سے بظاہر حیات قبر کی نفی معلوم ہورہی ہے، اسی اشکال کے جواب میں ایک تحریر سیدی حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے رقم فرمائی، اور ایک احقر نے یہ دونوں تحریریں برائے ملاحظہ پیش خدمت ہیں۔ (احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ)

شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک موت قبر میں جانے سے پہلے ہوتی ہے پھر قبر میں زندہ کیا جاتا ہے مگر یہ زندگی فی الجملہ بِقَدْرِ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ ہوتی ہے، حیات مطلقہ اور کامل حیات نہیں ہوتی، مگر سوال نکیرین کے وقت زیادہ قوی ہوتی ہے اس کے بعد کمزور اور ضعیف کردی جاتی ہے جس سے تعذیب وتنعیم متصور ہوسکے اس تضعیف حیات کو ہی اماتت سے تعبیر کردیا گیا ہے مگر یہ اماتت من کل الوجوہ نہیں ہوتی فی الجملہ ہی ہوتی ہے تعذیب وتنعیم کا احساس باقی رہتا ہے، اس قدر حیات باقی رہتی ہے جس سے یہ احساس ہوسکے، اس کے بعد حشر میں حیات مطلقہ دی جاتی ہے۔ شرح مواقف کی عبارت میں "ثُمَّ الْاِحْيَاءُ فِي الْقَبْرِ ثُمَّ الْاِمَاتَةُ فِيْهِ اَيْضًا بَعْدَ مَسْئَلَةِ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ" حیات وموت فی الجملہ مراد ہے کامل حیات وموت مراد نہیں ہے، البتہ سوال نکیرین کے وقت کچھ زیادہ حیات دی جاتی ہے جس کے بعد کم کردی جاتی ہے اس کو اماتت واحیاء سے تعبیر کردیا گیا ہے اور بعض احادیث میں اس موت بعد السوال کو نوم سے تعبیر فرمایا گیا ہے جیسا کہ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ وارد ہوا ہے۔ اب امید ہے کہ تنعیم وتعذیب فی القبر پر اشکال وارد نہ ہوگا کہ سوال نکیرین کے بعد جب موت واقع کردی گئی تو تنعیم وتعذیب کے وارد ہونے کی کیا صورت ہوگی کیونکہ حیات کے بغیر تو تنعیم وتعذیب غیر متصور ہے، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ!

حاصل یہ ہے کہ موت وحیات کلی مشکک ہے اس کا حسب موقع اطلاق کہیں ضعیف اور کہیں قوی ہوتا ہے سب جگہ یکساں نہیں ہوتا، کلی متواطی نہیں ہے، فقط! هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ الْعَلِيْمِ الْخَبِيْرِ!

عبدہ المذنب السید عبدالشکور الترمذی عفی عنہ

الجامعۃ الحقانیہ ساہیوال سرگودھا۔ ۲/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

صَحِیْحَۃٌ، وَمُتَوَاتِرَۃٌ، کہنے کے بعد کسی حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف کہہ بھی دیا ہو تو تواتر پر تو اس کا اثر ہو ہی نہیں سکتا، علامہ کے صحیح کہنے کے بعد وہ قابل اعتناء ہی نہیں ہوگا لہٰذا کسی کی بھی حیات کا انکار متواتر سے ثابت شدہ عذاب کا انکار ہوگا جس سے اس کے اسلام کو بھی خطرہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ عذاب قبر ایسی چیز کو ہی ہو سکتا ہے جو قبر میں ہے اس لئے روح قبر میں ہونی ضروری ہے یہی تو حیات ہے ورنہ جسم خالی تو جمادات میں سے ہے عناصر اربعہ جامدہ کا مجموعہ ہے اس کو عذاب کے کیا معنی؟ عذاب تو تفعیل کا اسم مصدر بخاصیت سلب ہے "عَذُوْبَۃٌ" یعنی شیرینی حیات کو سلب کرنا، عذوبہ حیات حیات کو ہی تو حاصل ہوگی اسی کا تو سلب عذاب ہے، یہ جمادات میں کیسے ممکن ہے؟ شرح مواقف ج ۸ ص ۳۱۸ پر ہے: وَاَمَّا مَاذَهَبَ اِلَیْهِ الصَّالِحِیُّ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَابْنُ جَرِیْرِ الطَّبَرِیُّ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الْكَرَامِیَّةِ مِنْ تَجْوِیْزِ ذٰلِكَ التَّعْذِیْبِ عَلَى الْمَوْتٰى مِنْ غَیْرِ اِحْیَاءٍ فَخُرُوْجٌ، عَنِ الْمَعْقُوْلِ لِاَنَّ الْجَمَادَ لَاحِسَّ لَهٗ فَكَیْفَ یُتَصَوَّرُ تَعْذِیْبُهٗ.

تواتر سے حیات قبر کا ثبوت

۵...... سورۂ براءت میں کفار و منافقین کے ذکر میں ہی سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِیْمٍ عذاب قیامت سے پہلے دو عذاب ہیں ایک عذاب دنیا کا ایک عذاب قبر کا ہے۔ عینی شرح بخاری ج ۸ جدید ص ۱۹۹ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ فَهٰذَا الْعَذَابُ الْاَوَّلُ حِیْنَ اَخْرَجَهُمْ مِّنَ الْجَسَدِ وَالْعَذَابُ الثَّانِیْ عَذَابُ الْقَبْرِ اور فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۰ پر اس روایت کے بعد حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہی مَرَّتَیْنِ عذاب دنیا و عذاب قبر ہے، اور چونکہ قبر میں جسم موجود ہے اس لئے عذاب قبر جسم کو ہوگا اور جسم میں روح نہ ہو تو عذاب عذاب ہی نہیں رہتا جیسے بالوں اور ناخنوں کو کاٹنا باعث تکلیف نہیں ہے، ایسے ہی بے حیات کی کانٹ چھانٹ بھی عذاب نہیں ہے اس لئے عذاب قبر کی کل آیات و احادیث متواترہ سے ہر انسان میں خواہ وہ کافر ہی ہو حیات قبر ثابت ہو رہی ہے گو نوعیت اس حیات کی کچھ مختلف ہی ہو مگر جب تواتر سے عذاب قبر ثابت ہے تو تواتر سے ہی حیات قبر بھی ثابت ہے، اسی لئے فتح ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَاسْتُدِلَّ بِهَا عَلٰى اَنَّ الْاَرْوَاحَ بَاقِیَةٌ بَعْدَ فِرَاقِ الْاَجْسَادِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ السُّنَّةِ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۰)

بلا حیات عذاب قبر متصور نہیں

۶...... سورۂ انعام میں ہے وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ۔ اَلْیَوْمَ کا عذاب قبل قیامت کا عذاب ہے، عذاب قبر ہے جو بلا حیات نہیں ہوتا، بعض معتزلہ نے بلا حیات عذاب قبر تسلیم کیا ہے اس کے جواب میں علامہ عینی ج ۸ ص ۱۴۸ پر کہتے ہیں: وَهٰذَا خُرُوْجٌ، عَنِ الْمَعْقُوْلِ لِاَنَّ الْجَمَادَ لَاحِسَّ لَهٗ فَكَیْفَ یُتَصَوَّرُ تَعْذِیْبُهٗ یہ اوپر شرح مواقف سے بھی نقل ہے۔

تشریح آیت اور حیات فی القبر کا ثبوت

۷...... یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے: عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقْعِدَ الْمُؤْمِنُ فِیْ قَبْرِہٖ اُتِیَ ثُمَّ شَہِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ اور اس کے بعد ہے حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ بِھٰذَا وَزَادَ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نَزَلَتْ فِیْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم سے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور اس سے اوپر ذکر ہے کہ: ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں لفظ یہ ہیں: اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا شَہِدَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ (ج ۸ ص ۲۰۰) ان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں قبر کا ہی معاملہ ہے اور مسلمانوں کو ثابت وقائم رکھنا قبر میں ہے جو دلیل ہے حیات فی القبر کی۔

یہ حدیثیں اس لئے پیش کی ہیں کہ آیت میں تاویل نہ کی جا سکے، اور تیسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب قبر کے متعلق ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

موت کے بعد روح کا جسم سے تعلق

۸...... اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ یَتَوَفّٰی قبض کرتا ہے، اس کے بذریعہ عطف دو مفعول ہیں ایک نفس (روح) حِیْنَ مَوْتِہَا دوسرے نفس (روح) نوم کے اندر، یہ فعل دونوں پر وارد ہے، ایک ہی فعل کے دونوں معمول ہیں لہٰذا جو بات یہاں ہے وہ وہاں ہے، جو وہاں ہے وہ یہاں ہے اور سب دیکھتے ہیں کہ سونے میں باوجود قبض روح کے روح کو جسم سے اتنا تعلق رہتا ہے کہ پاؤں پر ضرب تک کو محسوس کرتا ہے اس لئے بعد موت بھی گو روح جسم سے باہر ہی ہو جیسے کہ سوتے میں تھی جسم سے اس قدر تعلق رہنا ضروری ہے جس سے ادراک ہو سکے جیسے سونے میں ادراک ہوتا ہے گو کامل تعلق نہ ہو جیسے سونے میں نہیں ہوتا اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ!

اور پھر آیت وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ سے بھی قبض روح معلوم ہوتا ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کمالین علی الجلالین میں لکھا ہے: عَنْ عَلِیٍّ قَالَ یَخْرُجُ الرُّوْحُ عِنْدَ النَّوْمِ وَیَبْقٰی شُعَاعُہٗ فِی الْجَسَدِ فَاِذَا انْتَبَہَ مِنَ النَّوْمِ عَادَ الرُّوْحُ اِلٰی جَسَدِہٖ بِاَسْرَعَ مِنْ لَّحْظَۃٍ، اور حاکم وطبرانی سے حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث بھی روح ہی کے لئے ہے کہ ''روح عرش تک جاتی ہے جو عرش کے قریب جاتی ہے اس کا خواب سچا ہوتا ہے جو عرش سے پیچھے ہو اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے'' اور نفس سے روح ہی مراد ہے، تفسیر روح المعانی ص ۸ ج ۲۴ میں احادیث سے اس کو ثابت کیا ہے کہ بخاری ومسلم کی حدیث میں سونے کے وقت کی دعا میں ہے: اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْھَا اور بخاری وصحاح کی حدیث میں فجر کی قضاء ہونے کی حدیث میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَبَضَ اَرْوَاحَکُمْ حِیْنَ شَاءَ، اس سے معلوم ہوا نفس، روح ایک ہی ہے یہی مقبوض ہو کر بھی تعلق رکھتی ہے لہٰذا ضرور ہے کہ موت کے بعد بھی روح کی شعاعیں جسم سے متصل رہ کر ایک طرح کی حیات ہو، ہر انسان مسلم وکافر تک کو حاصل ہو گو اعمال صالحہ سے اس کی قوت وضعف کا فرق رہے، سب سے اقویٰ انبیاء علیہم السلام کی، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر صالحین، پھر عامۃ المسلمین اور پھر کفار کی ہو،

جو سبب ہوگا تمثیلات و تکلیفات کا جن کی تفصیلات احادیث شریفہ میں اور اشارات آیات میں ہیں، اور جیسے نیند نیند میں فرق ہوتا ہے کہ کوئی ہوشیار، دل سے بیدار، آنکھیں بند، اور کوئی ہوشیار مثل بیدار کے، کوئی کم، کوئی غافل مثل مردہ کے، اسی طرح موت میں روح کے جسم سے تعلق میں درجات ہوں گے ایک مثل حیات کے کہ کھانے پینے، پیشاب پاخانہ، سردی گرمی اور احتیاجات سے پاک ہو، یہ تعلق اعلیٰ قسم کا ہے جس کے احکام اعلیٰ ہیں کہ جسم مٹی پر حرام، عورت بیوہ نہیں، مال ترکہ نہیں یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہے، دوسرا اس سے کم اس کے احکام بھی کم کہ غسل وکفن نہیں باقی سب ہیں یہ شہید میں ہے جو حقیقی ہو، پھر اس سے کم جو شہید حکمی میں ہے، پھر صالح مومن کے لئے پھر سب سے کم کافر کے لئے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جتنا تعلق روح کا جسم سے قوی ہوگا تکلیف نہ ہوگی یا کمتر ہوگی، جتنا ضعیف ہوگا تکلیف زائد ہوگی جیسے کہ قوی کو مرض وضرب سے کم ہے اور ضعیف و مریض، بچے کو زیادہ ہوتی ہے اور سوئے ہوئے عضو کو بہت دوسرے کو کم ہوتی ہے، عذاب قبر کافر کو سخت اور عاصی کو کم، شہداء اور انبیاء کو صفر ہوگا۔

احادیث صحیحہ متواترہ سے حیات حضور ﷺ کی ثابت ہے، عربی میں امام بیہقی رحمہ اللہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ کے اس پر رسائل ہیں اور اردو میں زمانہ حال کے مولانا صفدر صاحب اور مولانا خالد محمود صاحب کے رسالے موجود ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کتاب الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۷ پر لکھتے ہیں: حَیَاۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَبْرِہٖ وَ ھُوَ لِسَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ مَعْلُوْمَۃٌ عِنْدَنَا عِلْمًا قَطْعِیًّا لِمَا قَامَ عِنْدَنَا مِنَ الْاَدِلَّۃِ فِیْ ذٰلِکَ وَ تَوَاتَرَتْ بِہِ الْاَخْبَارُ، اور اس کے بعد بہت سی احادیث نقل کر کے علامہ قرطبی کا قول لکھا ہے: اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِمَّا یَحْصُلُ مِنْ جُمْلَتِہِ الْقَطْعُ بِاَنَّ مَوْتَ الْاَنْبِیَاءِ اِنَّمَا ھُوَ رَاجِعٌ اِلٰی اَنْ غُیِّبُوْا عَنَّا بِحَیْثُ لَا نُدْرِکُھُمْ وَاِنْ کَانُوْا مَوْجُوْدِیْنَ اَحْیَاءً وَذٰلِکَ کَالْحَالِ فِی الْمَلَائِکَۃِ فَاِنَّھُمْ مَوْجُوْدُوْنَ اَحْیَاءٌ وَلَا یَرَاھُمْ اَحَدٌ مِنْ نَوْعِنَا اِلَّا مَنْ خَصَّہُ اللّٰہُ بِکَرَامَتِہٖ مِنْ اَوْلِیَائِہٖ۔

شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۳۱۷: وَالْاَحَادِیْثُ الصَّحِیْحَۃُ الدَّالَّۃُ عَلَیْہِ اَیْ عَذَابِ الْقَبْرِ اَکْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰی بِحَیْثُ تَوَاتَرَ الْقَدْرُ الْمُشْتَرَکُ وَاِنْ کَانَ کُلٌّ وَاحِدٍ مِّنْھَا مِنْ قَبِیْلِ الْاٰحَادِ۔ اور اس کے بعد احادیث درج ہیں اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب "شرح الصدور فی شرح احوال الموتی والقبور" میں ص ۶۳ سے ص ۲۷ تک پچاس احادیث درج ہیں اور پھر کچھ لوگوں کے واقعات بھی درج ہیں۔

حضور ﷺ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بلکہ تمام انسانوں کی حیات احادیث متواترہ سے ثابت شدہ نقل کرنے کے بعد ہم جیسوں کو احادیث نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ کسی راوی کے ضعف وقوت پر نظر کرنے کی گنجائش رہی کہ تواتر اس سے بلند وبالا حجت ہے، اس لئے متواتر احادیث کے حوالے نقل کئے گئے ہیں نقل احادیث کی ضرورت نہیں۔

حیات قبر پر اہل حق کا اجماع ہے

۹...... اجماع اہل حق اسی پر ہے۔

الف: الحاوی للسیوطی رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۴۹ پر شیخ الشافعیہ الاستاذ ابو المنصور عبد القاہر کا قول لکھا ہے: قَالَ

الْمُتَكَلِّمُوْنَ الْمُحَقِّقُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَا اَنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَاَنَّهٗ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ اُمَّتِهٖ وَيَحْزَنُ بِمَعَاصِي الْعُصَاةِ مِنْهُمْ وَاَنَّهٗ تَبْلُغُهٗ صَلَاةُ مَنْ يُّصَلِّيْ عَلَيْهِ مِنْ اُمَّتِهٖ۔

ب: فقہ اکبر مصنفہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول وَاِعَادَةُ الرُّوْحِ اِلَى الْعَبْدِ فِيْ قَبْرِهٖ حَقٌّ، وَضَغْطَةُ الْقَبْرِ حَقٌّ، وَعَذَابُهٗ حَقٌّ، كَائِنٌ لِلْكُفَّارِ كُلِّهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَبَعْضِ الْمُسْلِمِيْنَ کی شرح میں ص ۸۰ پر ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّ اَهْلَ الْحَقِّ اتَّفَقُوْا عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَخْلُقُ فِي الْمَيِّتِ نَوْعَ حَيٰوةٍ فِي الْقَبْرِ قَدْرَ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ وَلٰكِنْ اخْتَلَفُوْا فِيْ اَنَّهٗ هَلْ يُعَادُ الرُّوْحُ اِذْ جَوَابُ الْمَلَكَيْنِ فِعْلٌ اِخْتِيَارِيٌّ، فَلَا يُتَصَوَّرُ بِدُوْنِ الرُّوْحِ وَقِيْلَ يُتَصَوَّرُ اَلَا تَرٰى اَنَّ النَّائِمَ يَخْرُجُ رُوْحُهٗ وَيَكُوْنُ رُوْحُهٗ مُتَّصِلًا بِجَسَدِهٖ حَتّٰى يَتَاَلَّمَ فِي الْمَنَامِ وَيَتَنَعَّمَ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَنَّهٗ سُئِلَ كَيْفَ يُوْجَعُ اللَّحْمُ فِي الْقَبْرِ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِ الرُّوْحُ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَمَا يُوْجَعُ بِسِنِّكَ وَلَيْسَ فِيْهِ الرُّوْحُ۔

حدیث سے معلوم ہوا جیسے روح دانت سے باہر رہ کر بھی اتصال رکھتی ہے اور سخت تکلیف کا سبب بنتی ہے ایسے ہی روح علیین و سجین میں رہتے ہوئے بھی جسم سے اتصال رکھتی ہے اور سخت عذابات کا سبب بنتی ہے، یہی تو حیات قبری ہے۔ اور اسی صفحہ کے آخر میں فرمایا ہے انعام و ایلام قبر کے باب میں ہے: وَاخْتُلِفَ فِيْ اَنَّهٗ بِالرُّوْحِ اَوْ بِالْبَدَنِ اَوْ بِهِمَا وَهُوَ الْاَصَحُّ مِنْهُمَا اِلَّا اَنَّا نُؤْمِنُ بِصِحَّتِهٖ وَلَا نَشْتَغِلُ بِكَيْفِيَّتِهٖ۔

ج: فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸: بَابُ مَا جَاءَ فِيْ عَذَابِ الْقَبْرِ جبکہ عذاب قبر کا ثبوت دلیل ہے روح کے قبر میں ہونے کی کہ جماد عذاب کا اہل نہیں ہے: وَاكْتَفٰى بِاِثْبَاتِ وُجُوْدِهٖ خِلَافًا لِمَنْ نَفَاهُ مُطْلَقًا مِنَ الْخَوَارِجِ وَبَعْضِ الْمُعْتَزِلَةِ كَضَرَارِ بْنِ عَمْرٍو وَبِشْرٍ الْمَرِيْسِيِّ وَمَنْ وَافَقَهُمَا وَخَالَفَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ اَكْثَرُ الْمُعْتَزِلَةِ وَجَمِيْعُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَغَيْرُهُمْ وَاَكْثَرُوْا مِنَ الْاِحْتِجَاجِ لَهٗ۔

اہل سنت والجماعت اور اکثر امت کا عذاب قبر پر اتفاق حیات پر اتفاق ہوا جن میں اکثر معتزلہ بھی آ گئے تو وہ بھی حیات قبر کے قائل ہیں۔

ایضاً: قَوْلُهٗ (اَلْبُخَارِيُّ) وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ الاٰیۃ کے تحت وَاسْتُدِلَّ بِهَا عَلٰى اَنَّ الْاَرْوَاحَ بَاقِيَةٌ بَعْدَ فِرَاقِ الْاَجْسَادِ وَهُوَ قَوْلُ اَهْلِ السُّنَّةِ۔

ایضاً: حدیث عائشہؓ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کے تحت ہے: وَقَدْ اَخَذَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَّجَمَاعَةٌ مِّنَ الْكَرَامِيَّةِ مِنْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ اَنَّ السُّؤَالَ فِي الْقَبْرِ يَقَعُ عَلَى الْبَدَنِ فَقَطْ اِنَّ اللّٰهَ يَخْلُقُ فِيْهِ اِدْرَاكًا بِحَيْثُ يَسْمَعُ وَيَعْلَمُ وَيَلَذُّ وَيَاْلَمُ وَذَهَبَ ابْنُ حَزْمٍ وَّابْنُ هُبَيْرَةَ اَنَّ السُّؤَالَ يَقَعُ عَلَى الرُّوْحِ فَقَطْ مِنْ غَيْرِ عَوْدٍ اِلَى الْجَسَدِ وَخَالَفَهُمُ الْجُمْهُوْرُ فَقَالُوْا تُعَادُ الرُّوْحُ اِلَى الْجَسَدِ اَوْ بَعْضِهٖ كَمَا ثَبَتَ فِي الْحَدِيْثِ۔

آگے ان کے شبہات کے جوابات ہیں اور بخاری شریف کی متعدد حدیثوں سے عذاب والوں کا چلانا اور انس و جن کے علاوہ سب کا سننا وارد ہے جس سے عذاب قبر کا جسد و روح کے مجموعہ پر ہونا اور حیات ہونا ثابت ہے۔

د: عمدۃ القاری للعینی شرح بخاری جدید ج ۸ ص ۱۴۵ پر جوتوں کی آواز سننے پر چیخوں کی آواز کے بعد ہے: فِيْهِ اِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ وَهُوَ مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَاَنْكَرَ ذٰلِكَ ضَرَارُ بْنُ عَمْرٍو وَّبِشْرٌ الْمَرِيْسِيُّ

وَاَكْثَرَ الْمُتَاَخِّرِيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ

ہ: شرح الصدور فی شرح حال الموتی والقبور للسیوطی رحمہ اللہ ص ۷۲: وَمَحَلُّهُ الرُّوْحُ وَالْبَدَنُ جَمِيْعًا بِاِتِّفَاقِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَكَذَا الْقَوْلُ فِي النَّعِيْمِ

و: شرح مواقف مصری ج ۸ ص ۳۱۷: اَلْمَقْصَدُ الْحَادِيْ عَشَرَ اِحْيَاءُ الْمَوْتٰى فِيْ قُبُوْرِهِمْ وَمَسْئَلَةُ مُنْكَرٍ وَّنَكِيْرٍ لَهُمْ وَعَذَابُ الْقَبْرِ لِلْكَافِرِ وَالْفَاسِقِ كُلُّهَا حَقٌّ عِنْدَنَا وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ سَلَفُ الْاُمَّةِ قَبْلَ ظُهُوْرِ الْخِلَافِ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُوْنَ بَعْدَهٗ اَيْ بَعْدَ الْخِلَافِ وَظُهُوْرِهٖ وَاَنْكَرَهٗ مُطْلَقًا ضَرَارُ بْنُ عَمْرٍو وَّبِشْرُ الْمَرِيْسِيُّ وَاَكْثَرُ الْمُتَاَخِّرِيْنَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ

ز: حاشیہ چلپی اسی صفحہ پر ہے: اِتَّفَقَ اَهْلُ الْحَقِّ عَلٰى اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُعِيْدُ اِلَى الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ نَوْعَ حَيٰوةٍ قَدْرَ مَا يَتَاَلَّمُ وَيَتَلَذَّذُ۔

ح: فقہ اکبر ص ۱۹: وَفِي الْمَسْئَلَةِ خِلَافُ الْمُعْتَزِلَةِ وَبَعْضِ الرَّفَضَةِ

ط: شامی جلد ۱ ص ۷۷۳ قبیل العیدین: قَالَ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ. اِلٰى اَنْ قَالَ فَيُعَذَّبُ اللَّحْمُ مُتَّصِلًا بِالرُّوْحِ وَالرُّوْحُ مُتَّصِلًا بِالْجِسْمِ فَيَتَاَلَّمُ الرُّوْحُ وَالْجَسَدُ وَاِنْ كَانَ خَارِجًا عَنْهُ۔

ی: احسن الفتاویٰ ص ۱۷۳: حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ شرح اللمعات میں فرماتے ہیں ''حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست حیات انبیاء حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' اور حیات القلوب میں فرماتے ہیں ''بدانکہ در حیات انبیاء علیہم السلام ثبوت ایں صفت مر ایشاں را و ترتب وآ ثار واحکام آں ہیچ کس را از علماء خلاف نیست۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (طحطاوی ص ۴۴۷) میں ہے: وَمِمَّا هُوَ مُقَرَّرٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ، يُرْزَقُ مُمَتَّعٌ، بِجَمِيْعِ الْمَلَاذِّ وَالْعِبَادَاتِ غَيْرَ اَنَّهٗ حُجِبَ عَنْ اَبْصَارِ الْقَاصِرِيْنَ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ طبع جدید ج ۳ ص ۳۳۸: قَالَ ابْنُ حَجَرٍ وَمَا اَفَادَهٗ مِنْ ثُبُوْتِ حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ حَيٰوةً بِهَا يَتَعَبَّدُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ مَعَ اسْتِغْنَائِهِمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ كَالْمَلَائِكَةِ اَمْرٌ، لَا مِرْيَةَ فِيْهِ

لہٰذا انکار حیات قبری کسی بھی فرد بشر کے لئے معتزلہ اور روافض وخوارج کا قول ہے اہل حق کا قول نہیں ہے، چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام اور سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، اس کا انکار کتنا خطرناک ہے، غور کیا جائے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس سے استدلال

۱۰...... چونکہ حدیث شریف میں ہے وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ اگر حیات نہ ہوگی صلوٰۃ نہ ہو سکے گی قرۃ العین سے محرومی ہوگی یہ ایک عذاب بن جائے گا کہ عذاب ازالہ عذوبت حیات ہی ہوتا ہے (العیاذ باللہ) اس لئے قیاس بھی حیات قبر کی دلیل ہے۔

حیات قبر سے متعلق مختلف اقوال میں تطبیق

۱۱...... غلط فہمی یا شبہ اس لئے ہی پیش آسکتا ہے کہ بعض احادیث وتفاسیر میں بعض سے تعارض معلوم ہوتا ہے اس لئے جمع کی صورتیں بھی پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

الف: مشکوۃ شریف کی حدیث اُكْتُبُوا كِتَابَهٗ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ کے تحت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات جدید ج ۴ ص ۲۵ میں لکھا ہے:

قَالَ الْعَسْقَلَانِيُّ فِيْ فَتَاوِيْهِ: اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَرْوَاحُ الْكُفَّارِ فِيْ سِجِّيْنٍ وَلِكُلِّ رُوْحٍ بِجَسَدِهَا اِتِّصَالٌ مَعْنَوِيٌّ، لَا يُشْبِهُ الْاِتِّصَالَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بَلْ اَشْبَهُ شَيْءٍ بِهٖ حَالُ النَّائِمِ وَاِنْ كَانَ هُوَ اَشَدُّ مِنْ حَالِ النَّائِمِ اِتِّصَالاً وَبِهٰذَا يُجْمَعُ بَيْنَ مَا وَرَدَ اَنَّ مَقَرَّهَا فِيْ عِلِّيِّيْنَ اَوْ سِجِّيْنٍ وَبَيْنَ مَا نَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ عَنِ الْجُمْهُوْرِ اَنَّهَا عِنْدَ اَفْنِيَةِ قُبُوْرِهَا قَالَ وَمَعَ ذٰلِكَ فَهِيَ مَاْذُوْنٌ لَهَا فِي التَّصَرُّفِ وَتَاْوِيْ اِلٰى مَحَلِّهَا مِنْ عِلِّيِّيْنَ اَوْ سِجِّيْنٍ قَالَ وَاِذَا نُقِلَ الْمَيِّتُ مِنْ قَبْرٍ اِلٰى قَبْرٍ فَالْاِتِّصَالُ الْمَذْكُوْرُ مُسْتَمِرٌّ، وَكَذَا لَوْ تَفَرَّقَتِ الْاَجْزَاءُ.

ب: امام شعرانی رحمہ اللہ میزان ج ۱ ص ۱۷۷ پر ایک اختلاف نقل کرکے جواب دے رہے ہیں: وَاَجَابَ الْاَوَّلُ بِاَنَّ الرُّوْحَ مَا خَرَجَتْ مِنْهُ حَقِيْقَةً لٰكِنْ ضَعُفَتْ تَدْبِيْرُهَا لِتَعَلُّقِهَا بِعَالَمِهَا الْعُلْوِيِّ فَقَطْ بِدَلِيْلِ سُؤَالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ وَعَذَابِهَا فِي الْقَبْرِ وَنَعِيْمِهَا وَاِحْسَاسِ الْمَيِّتِ بِذٰلِكَ وَهُنَا اَسْرَارٌ، يَعْرِفُهَا اَهْلُ اللّٰهِ لَا تُسْطَرُ فِيْ كِتَابٍ فَاِنَّ الْكِتَابَ يَقَعُ فِيْ يَدِ اَهْلِهٖ وَغَيْرِ اَهْلِهٖ

یعنی علیین وسجین میں ہونے کے باوجود جسم سے تعلق غیر احتیاجی رہتا ہے مگر دنیوی تعلق سے کچھ ضعیف ہے کہ عالم علوی کی مشغولی میں ہے اور نوم سے قوی ہے، روح حقیقت میں خارج نہیں ہوتی۔

توجہ دوسری طرف ہو جاتی ہے جہاں "رد" کا لفظ ہے وہاں رد توجہ ہی ہے۔

ج: فتح الباری شرح بخاری ج ۳ ص ۱۸۲: وَالْحَامِلُ لِلْقَائِلِيْنَ بِاَنَّ السُّؤَالَ يَقَعُ عَلَى الرُّوْحِ فَقَطْ اَنَّ الْمَيِّتَ قَدْ يُشَاهَدُ فِيْ قَبْرِهٖ حَالَ الْمَسْئَلَةِ لَا اَثَرَ فِيْهِ مِنْ اِقْعَادٍ وَغَيْرِهٖ وَلَا ضِيْقٍ قَبْرِهٖ وَلَا سَعَةٍ وَكَذٰلِكَ غَيْرُ الْمَقْبُوْرِ كَالْمَصْلُوْبِ وَجَوَابُهُمْ اَنَّ ذٰلِكَ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ فِي الْقُدْرَةِ بَلْ لَهٗ نَظِيْرٌ، فِي الْعَادَةِ وَهُوَ النَّائِمُ فَاِنَّهٗ يَجِدُ لَذَّةً وَاَلَمًا لَا يُدْرِكُهٗ جَلِيْسُهٗ بَلِ الْيَقْظَانُ قَدْ يُدْرِكُ اَلَمًا وَلَذَّةً لِمَا يَسْمَعُهٗ اَوْ يُفَكِّرُ فِيْهِ وَلَا يُدْرِكُ ذٰلِكَ جَلِيْسُهٗ وَاِنَّمَا اَتَى الْغَلَطُ مِنْ قِيَاسِ الْغَائِبِ عَلَى الشَّاهِدِ وَاَحْوَالِ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰى مَا قَبْلَهٗ وَالظَّاهِرُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى صَرَفَ اَبْصَارَ الْعِبَادِ وَاَسْمَاعَهُمْ عَنْ مُشَاهَدَةِ ذٰلِكَ وَسَتَرَهٗ عَنْهُمْ اِبْقَاءً عَلَيْهِمْ لِئَلَّا يَتَدَافَنُوْا وَلَيْسَتْ لِلْجَوَارِحِ الدُّنْيَوِيَّةِ قُدْرَةٌ، عَلٰى اِدْرَاكِ اُمُوْرِ الْمَلَكُوْتِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ وَقَدْ ثَبَتَتِ الْاَحَادِيْثُ بِمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ كَقَوْلِهٖ اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ وَقَوْلِهٖ تَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ لِضَمَّةِ الْقَبْرِ وَقَوْلِهٖ يَسْمَعُ صَوْتَهٗ اِذَا ضَرَبَهٗ بِالْمِطْرَاقِ وَقَوْلِهٖ "يُضْرَبُ بَيْنَ اُذُنَيْهِ" وَقَوْلِهٖ "فَيُقْعِدَانِهٖ" وَكُلُّ ذٰلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْاَجْسَادِ۔

د: عذاب قبر اور انواع عذابات کے بعد امام غزالی رحمہ اللہ نے جو تلقین فرمائی ہے وہ غور اور دلنشین کرنے کے قابل ہے: وَاَرْبَابُ الْقُلُوْبِ وَالْبَصَائِرِ لَيُشَاهِدُوْنَ بِنُوْرِ الْبَصِيْرَةِ بِهٰذِهِ الْمُهْلِكَاتِ وَانْشِعَابَ فُرُوْعِهَا اَنَّ مِقْدَارَ عَدَدِهَا لَا يُوْقَفُ عَلَيْهِ اِلَّا بِنُوْرِ النُّبُوَّةِ فَاَمْثَالُ هٰذِهِ الْاَخْبَارِ لَهَا ظَوَاهِرُ، صَحِيْحَةٌ، وَاَسْرَارٌ، خَفِيَّةٌ، وَلٰكِنَّهَا عِنْدَ اَرْبَابِ الْبَصَائِرِ وَاضِحَةٌ، فَمَنْ لَّمْ تَنْكَشِفْ لَهٗ دَقَائِقُهَا فَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّنْكِرَ ظَوَاهِرَهَا بَلْ اَقَلُّ دَرَجَاتِ الْاِيْمَانِ التَّصْدِيْقُ وَالتَّسْلِيْمُ

اس کو غور سے پڑھا جائے اور دیکھا جائے کہ انکار کا کیا درجہ ہے؟

ایک شبہ اور اس کے جوابات

۱۲...... وجہ شبہ اور اس کا حل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو احیاء العلوم میں دیا ہے عبارت مذکورہ کے بعد ہے، ترجمہ یہ ہے:

اگر تم یہ کہو کہ ہم تو کافر کو ایک مدت تک قبر میں دیکھتے ہیں اور نگرانی کرتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں دیکھ پاتے تو مشاہدہ کے خلاف کیسے تصدیق کر لی جائے؟ تو سمجھ لو کہ ایسی باتوں کی تصدیق میں تمہارے لئے تین صورتیں ممکن ہیں:

(۱) جو بہت ظاہر بہت صحیح ہے اور اسلم طریقہ بھی ہے کہ تم اس کی تصدیق کر لو کہ یہ (۹۹ سانپ) موجود ہیں اور مردہ کو ڈستے ہیں، لیکن تم نہیں دیکھتے ہو تو یہ آنکھ عالم ملکوت کے امور کے دیکھ پانے کی اہل ہی نہیں ہے اور امور آخرت سب امور ملکوت ہی ہیں، کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جبرئیل علیہ السلام کے نازل ہونے پر کیسے ایمان لے آتے تھے؟ حالانکہ ان کو دیکھ نہیں پاتے تھے اور اس پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ حضور ﷺ ان کو دیکھتے تھے، تو اگر تم اس پر بھی ایمان نہیں رکھتے تو فرشتوں اور وحی پر اصل ایمان کو صحیح کر لینا ہی ہمارے لئے بڑا اہم کام ہے (اپنا ایمان درست کرو) اور اگر اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز قرار دیتے ہو کہ نبی ﷺ ان چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں جن کا امت مشاہدہ نہیں کر سکتی تو یہ میت کے بارے میں کیوں جائز نہیں رکھتے؟ اور جیسے کہ فرشتہ آدمیوں کے اور جانوروں کے مشابہ نہیں ہوتا تو یہ زندگی اور سانپ بچھو بھی جو قبر میں ڈستے ہیں وہ ہمارے عالم کے سانپوں کی جنس سے نہیں ہیں وہ دوسری جنس ہے جس کو ہم دوسری آنکھ ہی سے دیکھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہ سوتے آدمی کی حالت کو یاد کرو وہ سوتے میں دیکھتا ہے کہ سانپ اس کو ڈس رہا ہے اور وہ اس کی اذیت پاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لیتے ہو کہ وہ نیند میں چلاتا ہے اور اس کی پیشانی پسینہ پسینہ ہو جاتی ہے اور کبھی جگہ سے اٹھ کر بھاگتا ہے، تو یہ سب وہ اپنے اندر ہی محسوس کرتا ہے اور اس سے ایسی اذیت پاتا ہے جیسے بیدار آدمی مشاہدہ کر کے پاتا ہے مگر تم اس کو سکون میں دیکھتے ہو اور اس کے آس پاس کوئی سانپ نہیں دیکھ پاتے ہو، لیکن اس کے حق میں سانپ بھی موجود ہوتا ہے اور تکلیف بھی حاصل ہوتی ہے تو جبکہ اذیت ڈسنے میں ہوتی ہے تو کوئی فرق نہ ہوگا کہ اس کا تخیل ہو یا مشاہدہ ہو (یعنی خواب میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے مشاہدہ میں ڈسنے سے بھی عذاب ہے)

(۳) تم جانتے ہو کہ سانپ خود اذیت نہیں دے سکتا بلکہ وہ زہر اذیت دیتا ہے جو اس سے تم کو پہنچتا ہے، پھر زہر خود بھی اذیت نہیں دیتا بلکہ تمہارے اندر جو زہر سے اثر پیدا ہوتا ہے وہ اذیت ہے تو ایسا ہی اثر اگر زہر کے علاوہ کسی اور شے سے پیدا ہوگا تو اذیت ایسی ہی شدید ترین ہوگی لیکن اس اذیت کی نوعیت کا بیان کرنا ممکن ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس کے سبب کی طرف منسوب کر دیا جائے جو عادۃً اس کو پیدا کر دیتا ہے، مثلاً یہ کہ سانپ کے کاٹے کی اذیت ہے تو سبب کا ثمرہ تو حاصل ہوگا گو صورت نہ ہو اور مقصود و مراد ثمرہ ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے سبب کا ذکر ہوتا ہے نہ کہ خود سبب، فقط!

غرض یہ سب چیزیں مشاہدہ میں نہیں ہیں نہ بیان ہی میں آ سکتی ہیں مگر سب اس کے معتقد ہوتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں عذاب کا عقیدہ نہ ہو اور جیسے اس سے پناہ مانگی جاتی ہے اور بچنے کی کوشش ہوتی ہے ایسے ہی اس سے ہونی ضروری ہے۔

منکر حیات النبی ﷺ کی امامت کا حکم

۱۳...... ایسے عقیدہ والے کے پیچھے نماز کا درست ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا درجہ اسلام میں کیا ہے؟ تو اس کے لئے ہم سب کے دینی جد امجد حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کا فتویٰ پیش ہے گو ذرا سا فرق ہے کہ یہاں سوال میں حضور ﷺ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہ ہونا بیان ہے اور وہاں ہر کس و ناکس کے متعلق سوال اور اس پر مدار فتویٰ کا ہے مگر یہاں تو وہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

فتویٰ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ

سوال: انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی ماند و زائران خود را می شناسد و سلام و کلام ایشاں را می شنود یا نے؟

جواب: انسان را بعد موت ادراک باقی می ماند برایں معنی شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند، اما در شرع شریف پس عذاب قبر و تنعیم القبر بتواتر ثابت است و تفصیل آں دفتر طویل می خواہد در کتاب شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ است و دیگر کتب حدیث باید دید۔ در کتب کلامیہ اثبات عذاب القبر می نمایند حتی کہ بعض اہل کلام منکر آں را کافر میدانند و عذاب و تنعیم بغیر ادراک و شعور نمی تواند شد و نیز در احادیث صحیحہ مشہورہ در باب زیارت قبور و سلام بر موتی و ہم کلامی بآنہا کہ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ، وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ثابت است۔

در بخاری و مسلم موجود است کہ حضور ﷺ با شہداء بدر خطاب فرمودند هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا مردم عرض کردند يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَتَكَلَّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَيْسَ فِيْهَا رُوْحٌ، فرمودند مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ لَا يُجِيْبُوْنَ۔

در قرآن مجید ثابت است وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ، بلکہ از احوال پس آیندگاں خود ہم خوشی و بشارت ثابت است وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن او شبہ نیست۔ واما قواعد فلسفیہ پس بقائے روح بعد از مفارقت و بقاء شعور و ادراک ولذت روحانی مجمع علیہ فلاسفہ است الا جالینوس ولہٰذا او را در فلاسفہ نہ شمردہ اند، پس ظاہر است کہ بدن دائماً در تحلل است و روح در شعور و ادراک دائماً در ترقی است پس مفارقت بدن در سلب ادراک و شعور او چہ قسم تاثیر تواند کرد۔

سوال: اگر ادراک و شعور می ماند بقدر حیات می ماند یا زیادہ و کم می شود؟

جواب: ادراک و شعور اہل قبور بعد موت در بعض امور زیادہ می شود و در بعضے کم، آنچہ تعلق با مور غیب دارد ادراک آنہا زیادہ است و آنچہ تعلق در امور دنیویہ باشد ادراک آنہا کم، سببش آنست کہ التفات و توجہ ایشاں در امور غیبیہ زیادہ است و در امور دنیویہ کم پس بایں جہت تفاوت واقع می شود والا اصل ادراک و شعور یکساں است، بلکہ اگر تامل کردہ شود در دنیا نیز بسبب توجہ و التفات زیادتی و کمی در شعور و ادراک واقع میشود چنانچہ دقائق علیہ

راو کلائے دربار بسیار کم می فہمند ولذائذ طعام ومحاسن نساء وکیفیات نغمات واوتار را امیر زادہ ہا خوب ادراک می کنند وعلماء وفضلاء در ادراک آں چیز ہا بسیار قاصر اند ایں ہمہ بسبب قلت توجہ والتفات است وکثرت آں۔ فقط!

اوپر آیات واحادیث متواترہ واجماع اہل حق وقبول عقل سلیم کے دلائل کے بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ فیصلہ کن ہے۔ آیات کا انکار، احادیث متواترہ کا انکار، اجماع کا انکار یہ سب ایسا تھا کہ اس پر اسلام کا باقی رہنا مشکل تھا مگر بات یہ ہے کہ قطعی الثبوت کے ساتھ قطعی الدلالت ہونا جب تک نہ ہو اس کے انکار کو کفر نہیں کہا جا سکتا چونکہ بعض تاویلات ایسی ممکن ہیں جو قواعد عربیت پر صحیح بن جاتی ہیں گو دوسری آیات واحادیث سے ان پر عمل درست نہ ہو، وَالْحُدُوْدُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ، اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ''اگر کفر نہ باشد'' کیونکہ یہ عقیدہ تمام اہل سنت کے خلاف ہے باطل فرقوں معتزلہ خارجیہ اور رافضیہ کا ہے، اس لئے اس کو بدعت ضرور قرار دیا جائے گا اور نماز کی امامت کے قاعدہ کے تحت آ جائے گا جو فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز کا ہے کہ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا اور جس کو اچھے امام کے پیچھے نماز ملتی ہو پھر اقتداء کرنا بھی امام بنانا ہے اس کی اور امام بنائے رکھنے والوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور جس کو ان دونوں سے یعنی امام بنائے رکھنے یا صحیح مل سکنے سے معذوری ہو اس کے لئے مکروہ تنزیہی ہوگی کہ تنہا سے یہ جماعت افضل ہے جیسے کہ شامی میں بتفصیل احادیث مَنْ وَقَّرَ فَاسِقًا اور مَنْ وَقَّرَ بِدْعِیًّا (الحدیث) اور صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ حدیث سے ماخوذ کر کے بیان ہے، وَاللہُ اَعْلَمُ!

۱۴..... چونکہ انبیاء علیہم السلام اور دوسروں کی حیات بعد الموت میں اہل السنۃ والجماعۃ کی مخالفت سلف کے باطل فرقوں نے کی تھی، کچھ عقلی ونقلی دلائل بھی پیش کئے تھے، بزرگان ملت نے ان کو نقل کر کے ان کا باطل ہونا ظاہر و ثابت کیا ہے، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کیا کیا دلائل تجویز کرتے ہیں تو باطل ہونے کی دلیلیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں، اگرچہ اہل السنۃ والجماعۃ سے معتزلہ وغیرہ کی تقلید کی امید نہیں ہے اس لئے سردست پیش نہیں کی گئیں، وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ!

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اگرچہ ارباب علم وفہم ان مسائل کی شرعی اور کلامی حقیقت کو جانتے اور سمجھتے تھے لیکن ہمارے اکثر طلباء اور عوام یہ دیکھ کر حیران و پریشان ہوتے تھے کہ دونوں طرف کے علماء اپنے کو دیوبندی کہلاتے ہیں اور خود کو دیوبندی مسلک سے وابستہ بتلاتے ہیں اور مسائل متذکرہ بالا میں ان کے تحریری اور تقریری بیانات ایک دوسرے سے مخالف ومتضاد ہیں۔ آخر اکابر علمائے دیوبند کا مسلک ان مسائل میں کیا ہے؟ اس لئے بعض علمائے عصر نے ان مسائل کے بارہ میں نہایت تفصیلی اور تحقیقی کتابیں لکھیں اور مسلک اکابر علمائے دیوبند کی تائید وحمایت بڑی بسط اور تفصیل کے ساتھ فرمائی ہے جن سے اکابر دیوبند کے مسلک کی حقانیت کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں مذہب حقہ اہلسنت والجماعت کے مطابق ثابت ومحقق ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے کی سب سے پہلی تحقیقی کتاب ''مقام حیات'' مؤلفہ علامہ خالد محمود صاحب ایم،اے۔پی،ایچ،ڈی سیالکوٹی ہے جو اپنے خاص ادیبانہ طرز تحریر اور متکلمانہ اسلوب بیان میں انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب طریقہ اعتدال کے ساتھ، مسلک اکابر علمائے دیوبند کو مذہب اہلسنت والجماعت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ، ثابت کرنے کے لئے نہایت ہی مفید اور پراز معلومات ہے۔

اس کے بعد جناب محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی محققانہ تفصیلی کتاب ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور'' منظر عام پر آئی۔ جس میں اپنے خاص لب ولہجہ اور سنجیدہ اور متین انداز بیان سے اہل تحقیق اور تشنگان علم کے لئے قابل رشد مواد جمع کیا گیا ہے اور ان کے لئے باعث تسکین بنی۔ جناب مولانا موصوف نے ملک، حقہ اہل سنت والجماعت کو جس کی تعبیر اور عنوان اس زمانہ میں مسلک دیوبند ہے، دلائل اور حوالوں کے ساتھ دلنشین انداز میں بہت عمدہ طریقے سے واضح اور ثابت کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء!

ہم نے اپنے اس زیر نظر رسالے میں نہ یہ کہ ان دونوں کتابوں پر پورا پورا اعتماد کیا ہے بلکہ ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے ان دونوں کتابوں کی عبارتوں اور حوالوں کو بھی نقل کیا ہے۔

اسی زمانے میں احقر کی کتاب ''ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن'' بھی لکھی گئی اور شائع ہوئی جو طلباء علوم عربیہ کے لئے ان مسائل حاضرہ کے سمجھنے میں مفید ومددگار ثابت ہوئی۔ لیکن اس زمانے میں تفصیلی کتابوں کے مطالعے کا شوق کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور اختصار پسندی کا رجحان غالب ہو رہا ہے، اس لئے اس کی ضرورت سمجھی گئی کہ ان مسائل کے بارہ میں کوئی مختصر جامع رسالہ مرتب کیا جائے۔ جس سے کم شوق اور کم فرصت لوگوں کو بھی استفادہ کرنے کا موقع حاصل ہو سکے اور وہ بھی ان مسائل میں مسلک حقہ اہلسنت والجماعت کو کسی قدر دلائل کے ساتھ سمجھنے کے اہل ہو جائیں۔

اس ضرورت کے پیش نظر احقر نے اس رسالہ کی ترتیب وتالیف میں محنت ومشقت برداشت کی ہے۔ ''ان اریدالا الاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب''

عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت

اسلام میں عقائد کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ عقائد ہیں جن کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور ہر دور میں ان کو تواتر اور شہرت عام کا ایسا درجہ حاصل رہا ہے کہ اس کی وجہ سے ان میں کسی تاویل کی بھی گنجائش نہیں، جیسے توحید ورسالت، قیامت کا عقیدہ قرآن مجید کا کتاب اللہ ہونا، آخرت میں جنت دوزخ کا ہونا، فرشتوں کا وجود، رسول اللہ ﷺ کا آخری رسول ہونا وغیرہ۔ ان میں سے کسی ایک بات کا انکار کرنا اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اگرچہ اس کا یہ انکار کسی تاویل کی آڑ لے کر ہو۔ ایسے عقائد کو ''ضروریات دین'' کا اصطلاحی نام دیا جاتا ہے۔

دوسرے درجے کے عقائد میں عذاب قبر اور شفاعت ورویت باری تعالیٰ کے مسائل ہیں، ان کا ثبوت اگرچہ قابل اطمینان اور پکا ہے۔ لیکن اس درجہ کی قطعیت اور ایسا تواتر ان کو حاصل نہیں جس درجہ کا ضروریات دین کو حاصل ہے۔ اس لئے کسی شبہ یا کسی تاویل کی بناء پر ان میں سے کسی چیز کا انکار اگرچہ سخت درجہ کی گمراہی ہے، لیکن اس کو کفر وارتداد نہیں کہا جا سکتا۔ (ماخوذ از دین وشریعت از مولانا محمد منظور نعمانی)

عقیدہ حیات النبی ﷺ اجماعی عقیدہ ہے

تمام اہل سنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ وارفع ہے۔ علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
''والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع'' (المنحۃ الوہبیہ ص۶)

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اجماع سے ثابت ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر اجماع ہے کسی کو اختلاف نہیں۔ رہا اجماع کے علاوہ احادیث متواترہ سے بھی اس کا ثبوت موجود ہے۔ امت کے تمام طبقات اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ گو اس حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر وتوارث کا شرف اس کو حاصل ہے۔ دوسرے حیات فی القبر کا عقیدہ اہلسنت والجماعت کے متفق علیہ عقائد میں سے ہے جس پر قبر کی تنعیم وتعذیب مبنی ہے۔ اس جہت سے بھی عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اہمیت اور اس کی کلامی حیثیت امت کے کسی دور میں اہلسنت کے نزدیک اختلافی اور نزاعی نہیں رہی۔ اب جو لوگ اس مسئلہ کی اہمیت اور حیثیت کو کم کرنے کے لئے اس کے فروعی ہونے پر زور دیتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ کیا حیات فی القبر کا مسئلہ علماء عقائد نے فروعی سمجھ کر بیان کیا ہے؟

کتاب ''مقام حیات'' کی ایک تحریر

مقصد یہ ہے کہ مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے، اس کے علاوہ کہ ''المہند'' میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور تمام اکابر علمائے دیوبند جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی، شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (رحمہم اللہ) وغیرہ حضرات نے اس پر اپنا اور اپنے مشائخ کا عقیدہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ ''مقام حیات'' میں شائع شدہ حسب ذیل تحریر بھی مفید ہوگی اس کو بھی ملاحظہ کیا جائے: ''صورۃ ما کتبہ اکابر العلماء وجہابذۃ الفضلاء ممن تولی الدرس والافتاء''

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند رحمہم اللہ کا مسلک

اکابر دیوبند رحمہم اللہ کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ:
''وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیاوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔''

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی مستقل

تصنیف حیات انبیاء پر ''آب حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف واہل بصیرت کے لئے کافی ہے اور جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیو بند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔'' واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل''

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی، عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ، مفتی محمد صادق صاحب عفا اللہ عنہ سابق محکمہ امور مذہبیہ بہاول پور، مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دارالعلوم کراچی، ظفر احمد عثانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار، محمد رسول خان عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔ (مقام حیات ص ۲۷۲)

مفتی مہدی حسن صاحب کی رائے

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیو بند کا فتویٰ بھی ''مقام حیات'' میں طبع ہو چکا ہے جس میں تصریح ہے کہ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ وہ بدعتی ہے، خراب عقیدہ والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔'' آگے لکھا ہے'' تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں۔'' (ص ۲۶۷)

اس فتویٰ پر استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم العالیہ وغیرہ حضرات کے دستخط بھی موجود ہیں۔ ان سب حضرات نے مزار مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسدی کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کو اہلسنت والجماعت سے خارج اور خراب عقیدہ والا بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ'' ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔''

مفتی محمد وجیہہ کے فتویٰ کی وضاحت

جناب مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحب دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد کا ایک مجمل فتویٰ مصدقہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اس فتویٰ کی وضاحت اور تفصیل جناب مفتی صاحب موصوف ہی کے قلم حقیقت رقم سے ذیل میں درج ہے اس کو غور سے پڑھا جائے تو ان شاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔

ایک دوسرا تفصیلی فتویٰ مفتی محمد وجیہہ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثانی کا تصدیق شدہ اس کے بعد ملاحظہ کیا جائے۔ اس سے پہلے (ندائے حق جدید ص ۵۹۴) پر درج شدہ فتویٰ کے جواب میں حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ہی کا فتویٰ جو کہ تفصیلی سوال کے جواب میں ہے۔ ناظرین کے استفادہ کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

سوال: بخدمت اقدس حضرت مولانا مفتی وجیہہ صاحب دامت برکاتہم سلام مسنون! رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے پرچہ بابت ماہ اپریل، مئی ۱۹۸۴ء میں آپ کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے کہ جناب نے فرمایا ''جو لوگ حیات النبی ﷺ عنصری کے منکر ہیں ان کے پیچھے نماز کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور ان لوگوں کا مقصود توہین رسول ﷺ نہیں ہے۔''

کیا واقعی ان کے پیچھے نماز بغیر کراہت کے صحیح ہے یا مع الکراہت صحیح ہے۔ اگر مع الکراہت ہے تو کون سی تحریمی یا تنزیہی؟ جواب باصواب سے نوازیں؟ اور اگر توہین مقصود ہو تو پھر ان کا کیا حکم ہے؟

سائل شیر محمد علوی غفرلہ خطیب جامع مسجد نواب دین کرم آباد وحدت روڈ لاہور

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً! چونکہ سوال صرف صحت کا کیا گیا تھا اس لئے جواب میں یہ لکھ دیا گیا تھا کہ نماز صحیح ہو جاتی ہے یعنی فاسد نہیں ہوتی، اس سے مقصود فساد کی نفی ہے کراہت کی نفی مقصود نہیں۔ لہٰذا نماز مکروہ ہوگی۔ نیز کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے چونکہ دلائل ظنیہ کا انکار اگرچہ کفر نہیں مگر فسق ضرور ہے۔ جب کہ جمہور امت حیات جسد عنصری کے قائل ہیں جس کا ثبوت اپنی جگہ پر کیا جا چکا ہے اور احقر نے بھی ایک طویل تحریر اس سلسلہ میں لکھی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

اور اس پر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرہٗ کے دستخط ہیں اور اگر توہین رسول مقصود ہو تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

دستخط محمد وجیہہ غفرلہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار ۸ رشعبان ۱۴۰۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد وجیہہ کا تفصیلی فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ جس شخص کے مندرجہ ذیل عقائد ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو کراہت کے ساتھ جائز ہے یا بلا کراہت جائز ہے؟

۱...... جس عذاب وثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے چونکہ روح بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتی۔ اسی طرح اس پر جو عذاب وثواب واقع ہوتا ہے وہ بھی نظر نہیں آتا اور جس جسم مثالی کے ساتھ رنج وراحت ہوتا ہے ہمیں وہ جسم مثالی بھی نظر نہیں آتا۔ (اقوال مرضیہ ص ۵۲)

۲...... باقی اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے حیات ترکیبی ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں۔ (ص ۵۲)

۳...... ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسد عنصری پر بھی عذاب وثواب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ بندوں کی عبرت ورغبت کے لئے اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔ (ص ۵۵)

۴...... جنہوں نے اس جسم کو کالجماد کہہ کر عذاب وثواب کا انکار کر دیا ہے دراصل وہ حیات بسیط کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ (ص ۵۶)

۵...... اگر بعض معتزلہ اور روافض کو مذکورۃ الصدر تحقیق کا علم ہوتا تو ''انّ المیت جماد لا حیاۃ لہٗ ولا ادراک لہٗ فتعذیبہ محال'' کا قول نہ کرتے اور شرح عقائد والے کو ''انہ یجوز ان یخلق اللّٰہ تعالٰی فی جمیع الاجزاء او بعضھا نوعا من الحیوۃ'' کی تاویل نہ کرنی پڑتی۔ (ص ۶۷)

اقتباسات بالا سے واضح ہے کہ مؤلف کے نزدیک نصوص میں جس عذاب وثواب کا ذکر ہے اس کا محل صرف روح ہے البتہ جسد عنصری کو اگر حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہو تو کچھ بعید نہیں۔ لیکن اس جسد عنصری کے ساتھ روح کا تعلق کچھ نہیں اور یہ عذاب وثواب اس جسد عنصری کو ہوگا تو بغیر تعلق روح ہوگا اور جن لوگوں (معتزلہ وغیرہ) نے اس جسم کو بغیر تعلق کے مثل جماد کہہ کر عذاب وثواب کا انکار دیا ہے وہ حیات بسیط کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔ اسی حقیقت کو نہیں سمجھنے کی وجہ سے متکلمین کو عذاب وثواب کے لئے عالم برزخ میں نوعا من الحیاۃ کے لئے تعلق کا قائل ہونا پڑا۔

مؤلف کے نزدیک بغیر تعلق روح کے جو حیات بسیط حاصل ہے عالم برزخ میں اسی سے ثواب وعذاب ہوسکتا ہے۔ نوعا من الحیاۃ کے خلق کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جسد کو بغیر تعلق روح جماد تسلیم کر کے اس کی تعذیب وتنعیم کو تسلیم کرنا کیا کرامیہ کے قول "انہ جماد یعذب" (ابوبی علی خیالی ص ۱۱۸) کے مانند اور معتزلہ کے اس فرقہ کے مطابق نہیں ہے؟ دوسرے خود مؤلف نے لکھا ہے "دراصل زندہ میں بھی مدرک روح ہی تھی۔ جب آلہ اپنی صورت نوعیہ میں قائم ہی نہیں رہا اور اگر ہے بھی تو روح سے بغیر اس کو ادراک وشعور ہرگز نہیں ہوسکتا۔" (ص ۸۵)

جب روح کے بغیر جسد کو "ادراک وشعور ہرگز نہیں ہوسکتا" تو پھر اس کو عذاب وثواب اس حالت میں حیات بسیط کے ساتھ کیوں کر ہوسکتا ہے؟

۶...... "باقی رہا سلام ودرود کا بلوغ سو اس سے مراد ثواب ہے جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے عند اہل السنۃ والجماعۃ۔" (شفاء الصدور ص ۴۴)

۷...... اور جو لوگ عند قبری کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں وہ بھی سن لیں کہ تین بند دیواروں میں قبر شریف محفوظ ہے، جہاں ہوا کا بھی گزر نہیں ہوسکتا۔ چہ جائے کہ آواز جاسکے۔" (ص ۱۰۶)

"سلف صالحین توحید کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ کو دعا اور سلام کرنا چاہے تو قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے اپنی پیٹھ قبر کی دیوار کی طرف کر کے دعا مانگے۔" (ص ۱۰۰)

نمبر ۶ اور ۷ سے واضح ہے کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ پر پڑھے گئے درود کے نہ بذریعہ ملائکہ پہنچنے کا قائل ہے اور نہ عندالقبر سماع اور سننے کا قائل ہے بلکہ "من صلی علی عند قبری" کے ساتھ اس کا رویہ گستاخانہ اور استہزاء کا ہے اور نمبر ۸ میں تو زائر قبر مبارک کے لئے بوقت سلام بھی قبر مبارک کی طرف پیٹھ پھیر کر کھڑے ہونے کو لکھ دیا ہے۔ حالانکہ عامۃ المؤمنین کی زیارت قبور کے وقت بھی قبور کی طرف منہ کر کے سلام کیا جاتا ہے۔

از راہ کرم ان عبارات پر خصوصی توجہ فرما کر اس شخص کے بارہ میں حکم صادر فرمائیں کہ کیا ایسے عقائد رکھنے والے شخص کی امامت درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے؟

عالم برزخ میں جسد عنصری سے یہ شخص چونکہ روح کے تعلق کی نفی کرتا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک قبر اطہر میں آنحضرت ﷺ کے جسد اقدس میں جو حیات ہے وہ بھی بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ ہو اور بغیر تعلق روح کے چونکہ ادراک وشعور ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اس شخص نے درود شریف کے پہنچنے کی مراد اجماع امت کے خلاف صرف ثواب پہنچنا ایجاد کیا ہے جو ہر وفات شدہ کو پہنچتا ہے۔ مگر اس میں آنحضرت ﷺ کی کیا خصوصیت باقی رہ جاتی ہے؟ فقط الرقوم ۱۸ رصفر ۱۳۸۹ھ

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً! مجموعی طور پر اہل حق اہلسنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ عذاب روح کو جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض نے اس میں جسم مثالی کا توسط مانا ہے اور باوجود جسم مثالی کے جسم عنصری یا اس کے اجزاء سے اس قدر تعلق ہونے میں جس سے تألم وتلذذ ہو سکے کوئی بعد نہیں اور جسم کی ہیئت ترکیبی کا بقاء تعلق روح کے لئے لازم نہیں باوجود ریزہ ریزہ ہونے کے، ہر ہر ذرہ کے ساتھ تعلق ممکن ہے اور ہر جزو اور ذرہ کی قبر وہی ہے جہاں وہ موجود ہے۔ بر ہو یا بحر ہو اور تمام جگہوں کے ذرات سے تعلق پیدا کرنے پر خدا کو قدرت ہے جس سے عذاب وثواب ہوتا ہے جیسا کہ ایک سورج بہت سی جگہوں کو روشن کرتا ہے اور ایک ریڈیو جنکشن کا بہت ریڈیوں سے تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اس کا ادراک بوجہ دوسرے عالم میں ہونے کے ہم کو عامۃً نہیں ہوتا تا کہ ایمان بالغیب باقی رہے۔

بہر حال صحیح مسلک اہل حق کا یہی ہے کہ قبر میں روح مع الجسد کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ گو ہیئت ترکیبی باقی نہ رہے جس پر روایات اور سلفؒ کے اقوال کثیرہ شاہد ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ کہ عذاب وثواب محض روح کو ہو اور جسم یا اس کے اجزاء سے کسی نوع کا تعلق نہ ہو یہ عقیدہ ابن حزم ظاہری اور ابن میسرۃ کا ہے۔ نیز یہ عقیدہ کہ جسد کو بغیر تعلق روح کے عذاب ہو یہ کرامیہ کا مسلک ہے۔ عدم تعلق روح کے قول و مؤلف مذکور فی اقوال اور کرامیہ برابر ہیں۔ رہا حیات بسیط کے ساتھ عذاب کا قائل ہونا یہ مخترع شے ہے اور اس صورت میں تلذذ یا تألم خلاف اجماع ہے۔ کیونکہ پتھر کے توڑنے یا اچھی جگہ پر رکھنے سے تألم یا تلذذ کا کوئی قائل نہیں۔ بہر حال یہ عقیدہ مخترع اور اہل حق کے خلاف ہے۔

نیز حضور اکرم ﷺ کے پاس درود وسلام کے بلوغ سے ثواب کا پہنچنا مراد لینا بدعت جدیدہ ہے اور نمبر ۷ کے الفاظ گستاخی کے موہم اور روایات کے انکار اور سلف کے عقیدہ کی تغلیط پر مبنی ہیں اور خلاف اجماع ہیں۔ نیز اس قائل نے یہ تحریر کر کے اور بھی ظلم کیا ہے کہ درود وسلام کے وقت حضور ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو، جو کھلم کھلا تصریحات فقہاء کے خلاف ہے۔

عالمگیری میں ہے: ''ثم یقف عند وجهه مستدبر القبلة ویصلی علیه'' بہر حال جن خیالات کا اس شخص نے اظہار کیا ہے یہ غلط ہیں اور روایات صحیح اور اقوال سلف صالحین کے خلاف ہیں جس کی تفصیل اپنی جگہ پر کتب میں مسطور ہیں۔ اس وقت تفصیل کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ شخص مبتدعین میں داخل ہے۔ کیونکہ مبتدع ہونے کے لئے بعض امور کا اختراع بھی کافی ہے اور مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

نوٹ: اس سلسلہ کی تصنیفات میں ''تسکین الصدور'' کا مطالعہ مفید ہے۔ مہر ودستخط

کتبہ: محمد وجیہ غفرلہ ۷ / ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد

''الجواب صحیح'' ...... ظفر احمد عثمانی ۲۷ / ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا مصدقہ فتویٰ

اسی مفصل سوال کا جواب مصدقہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع قدس سرہ درج ذیل ہے:

الجواب: مذکورہ بالا بیان اگر صحیح ہے اور پیش امام صاحب کا یہی عقیدہ ہے جو سطور بالا میں تحریر کیا ہے تو

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جب تک وہ اپنے اس عقیدہ سے توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ واللہ اعلم! مہرودستخط

بندہ رفیع اللہ خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

''الجواب صحیح'' ...... بندہ: محمد شفیع ۲۳؍صفر ۱۳۸۹ھ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مرشدی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ عثمانی کے ان مفصل فتاویٰ کے ملاحظہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ ان چالاک لوگوں کی چالاکی کھل کر سامنے آ جائے گی۔ جنہوں نے ہمارے ان دونوں اکابر رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا غلام اللہ خان اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ کے بارہ میں سوال کر کے اپنا مطلب حاصل کرنا چاہا تھا۔ وہ ان مفصل فتاویٰ کو غور سے پڑھیں گے تو طبیعت صاف ہو جائے گی اور دل کے اشکالات وشبہات دور ہو جائیں گے۔ ان دونوں فتاویٰ کی اصل (نہ کہ فوٹو سٹیٹ) احقر کے پاس محفوظ ہے۔ سوال اگر تحقیق حق کے لئے بحوالہ کتب اس طرح کیا جاتا جس طرح ان دونوں فتاویٰ میں کیا گیا ہے۔ پھر تو اس کا جواب ان دونوں حضرات اکابر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے وہی آتا جو اوپر کے تفصیلی سوال کے جواب میں آیا کہ ایسے عقائد والوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یا پھر سوال میں درج شدہ ان عبارتوں کے بارہ میں یہ ثابت کر دیا جاتا کہ وہ ان کتابوں میں نہیں ہیں جن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ مگر ان لوگوں کا مقصد مسئلہ کی تحقیق نہیں تھا صرف عوام کو مغالطہ میں ڈالنا اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے اصل واقعہ کو چھپا کر سوال صرف شخصیات کے نام سے کیا۔ حالانکہ بحث عقائد ونظریات کی تھی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مدرسہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا) میں ایک ناظرہ خوان مدرس قرآن نے اپنے رشتہ دار اختر حسین آزاد کو بھی اپنے ساتھ لگا کر مدرسہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا سے تعلق قائم کیا اور فتویٰ بازی کی یہ مہم جاری کی۔ کبھی اختر حسین آزاد کے نام سے اور کبھی کسی دوسرے کے نام سے یہی سوال کرتا رہا۔ چنانچہ ندائے حق ص ۵۵۶ پر اختر حسین آزاد کے نام سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ شائع کیا گیا اور تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ اپریل و مئی ۱۹۸۴ء میں بھی اختر حسین آزاد، مدرسہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا میں پڑھتا بھی رہا اور اسی مدرسہ میں سفارت بھی کرتا رہا۔ مدرس مذکور نے بھی کچھ عرصہ مدرسہ مذکور بلاک نمبر ۱۸ میں مدرسی کی پھر وہاں سے بھی علیحدہ کر دیا گیا۔ دل کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ مگر وہ لوگوں سے یہی کہتا ہے کہ میرا عقیدہ بلاک ۱۸ سرگودھا والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ فتاویٰ حاصل کرنے کی کارروائی مدرسہ حقانیہ سے علیحدہ ہونے اور اپنے استاذ یعنی احقر کی مخالفت کی وجہ سے کی گئی تھی۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔

پندرہ سال سے زائد عرصہ ہو گیا کہ یہ دونوں فتاویٰ احقر کے پاس محفوظ تھے۔ مگر اب ''ندائے حق'' اور ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی وغیرہ میں فتاویٰ کی اشاعت نے ان دونوں فتاویٰ اور حقیقت واقعہ کی اشاعت کا موقع فراہم کر دیا۔ تعجب ہوتا ہے کہ کیسے کیسے مخلصین اور صادقین کو ''ندائے حق'' اور ''تعلیم القرآن'' میں اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ فالی اللہ المشتکی!

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی جواب بھی اس مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی تائید اور اثبات میں عرصہ ہوا "مقام حیات" میں شائع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں اسی جواب کو حضرت اقدس شیخ رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کی، کے مقدمہ کے ساتھ بنام "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" المکتبہ المدنیہ ۱۷ اباز ارلاہور نے علیحدہ رسالے کی شکل میں شائع کیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نے اپنے اکابر رحمہم اللہ کے عقیدہ کی تائید کے ساتھ خود کو ان حضرات رحمہم اللہ کا جادۂ متبع ہونا لکھا ہے۔ لکھتے ہیں: "بہر حال یہ ناکارہ تو اکابر دیو بند قدس اللہ اسرا ہم کا ہمہ تن متبع ہے اور ان سب حضرات کا متفقہ فیصلہ "المہند" میں بلا کسی اجمال کے تحریر ہے۔"

(رسالہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم از شیخ الحدیث رحمہ اللہ)

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شائع شدہ ایک فتویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے شمارہ بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ ص ۳۸ پر شائع ہوا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "حیات دنیویؒ ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، قرآن کریم کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے جو بھی قائل ہیں حیات برزخی کے قائل ہیں۔"

یہ فتویٰ ۲۲/ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ کا مرقومہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ جب شائع ہوا تو ایک بزرگ عالم نے ایک مفصل استفسار مرتب فرما کر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے اس فتویٰ کی وضاحت طلب فرمائی جس پر حضرت مفتی صاحب نے تفصیلی وضاحتی بیان ارقام فرمایا جس کو ماہنامہ "الصدیق ملتان بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ" میں شائع کر دیا گیا تھا۔

وہ مفصل استفسار اور تفصیلی وضاحتی بیان ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

استفسار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم! ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی (ج ۱۱ شمارہ ۱۱ ماہ ستمبر ۱۹۵۸ء ص ۳۸) میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جناب کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔ اس کے ابہام واجمال کی وجہ سے بہت سے ناظرین کو مغالطہ ہوا یا غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا مؤدبانہ عرض ہے کہ مندرجہ ذیل امور کی تشریح فرما کر مغالطہ اور غلط فہمی کو دور فرمایا جائے۔

۱...... عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہ العنصری حیات دنیوی کی طرح زندہ ہیں، یا روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں۔ گو جسم سلامت مانا جائے، حیات صرف روحانی ہے۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

۲...... عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجسدہ العنصری زندہ اعتقاد کرنا، آیا اکابر دیو بند کا متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ؟

۳...... اگر متفق علیہ مسئلہ ہے تو جو علماء عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی کے منکر ہو کر صرف حیات روحانی کے قائل ہیں اور قائل ہی نہیں بلکہ شب و روز حیات جسمانی کی تردید کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں اور آپ کے محولہ بالا فتویٰ کو (جو لف ہذا ہے) تائید میں پیش کرتے ہیں۔ کیا یہ اس مسئلہ میں دیو بندیت سے ہٹے ہوئے یا بالفاظ دیگر دیو بندیت سے خارج ہیں یا نہیں؟ اور آپ کے فتویٰ کو ان کو تائید میں پیش کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

۴...... اگر تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں تو جناب اپنے فتویٰ کی ایسی مفصل تشریح فرمادیں کہ مغالطہ اور غلط فہمی دور ہوجائے۔ بینوا توجروا

السائل: یکے از خدام علماء دین ملتان ۹ ربیع الثانی ۷۸ ۱۳ھ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا وضاحتی بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومنا المحترم دامت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سوالات کے جواب سے پہلے یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں پہلے بھی میری تحریر کا منشاء کچھ زیادہ مبہم نہ تھا۔ مگر تعمیل ارشاد کے لئے مزید توضیح عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک عوام کا یہ اجمالی عقیدہ کہ حضرت رسول کریم ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ان کے ایمان اور نجات کے لئے کافی ہے۔ ان کے ذہنوں کو اس کی تفصیلات میں الجھانا مناسب نہیں۔ خصوصاً ایسے زمانے میں کہ ہمارے عوام کو اسلام کے ضروری احکام فرائض وواجبات اور حلال وحرام تک کی خبر نہیں اور ان کو کسی واقعی مجبوری یا غفلت کی بناء پر ان ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کی فرصت بھی نہیں۔ ہمارے لئے یہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت نہ ہوگی کہ ہم ان کو ضروری احکام دین بتلانے کی بجائے اس مسئلے کی غیر ضروری تفصیلات میں الجھائیں۔ جس بزرگ یا جس عالم نے عوام میں یہ بحث پیدا کردی ہے، میرے نزدیک کوئی ثواب کا کام نہیں کیا اور آئندہ بھی اگر اس بحث کے کچھ اختلافی پہلو ہیں تو علماء کو چاہئے کہ صرف کسی علمی مجلس میں بیٹھ کر ان کو سلجھائیں۔ عوام میں اس بحث اور اختلاف کی اشاعت تقریراً یا تحریراً کرنا سوائے مفاسد کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ اس لئے پچھلے جواب میں احقر نے قصداً مسئلے کی تفصیل وتنقیح سے گریز کیا تھا۔

اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے آیا اور ایک علمی رنگ میں آیا تو اپنی معلومات پیش کرتا ہوں۔

۲...... جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی حیات برزخی کے کچھ آثار بعض دنیوی احکام میں بھی باقی ہیں۔

مثلاً میراث کا تقسیم نہ ہونا، ان کی ازواج مطہرات سے بعد وفات کسی کا نکاح جائز نہ ہونا، متقدمین میں امام بیہقی کا اور متاخرین میں شیخ جلال الدین سیوطی کا مستقل رسالہ اس مسئلے کی توضیح کے لئے کافی ہے۔ جن میں روایات حدیث پوری تنقیح کے ساتھ درج ہیں۔

بیہقی نے فرمایا: ''والحیاۃ الانبیاء بعد الممات شواھد من الاحادیث الصحیحۃ'' اس میں تصریح ہے کہ موت کے بعد ان کی حیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ موت صرف جسم پر آئی ہے روح پر نہیں۔ اس لئے حیات بعد الموت وہی ہوسکتی ہے جس میں جسم بھی شریک ہو۔ اس حیات کو صرف روحانی کہنے کے کوئی معنی نہیں۔

اور شفاء السقام میں امام حدیث وفقہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نواں باب اسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے لکھا ہے اس میں انبیاء علیہم السلام کے لئے بعد وفات کے حیات جسمانی حقیقی ثابت کرنے کے لئے فرمایا ہے:

''وقد ذکرناہ من جماعۃ من العماء وشھد لہ صلوۃ موسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوۃ یستدعی جسداً حیاً

و کذالک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونھا حقیقۃ ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذالک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد تکون لھا حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیات الحقیقیۃ لھم" (شفاء الاسقام سبکی ص ۱۴۳)

اس کے بعد شہداء کی حیات برزخی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: "فلم یبق الا انھا حیاۃ حقیقۃ الان ان الشہداء احیاء حقیقۃ وھو قول جمھور العلماء لکن ھل ذالک وللروح فقط او للجسم معھا فیہ قولان"

اس کے بعد اس قول ثانی کو ترجیح دی ہے کہ یہ حیات حقیقی صرف روح کے لئے نہیں، بلکہ جسد کے لئے بھی ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ جب عام شہداء امت کے لئے برزخ میں حیات حقیقی جسمانی ثابت ہے تو انبیاء علیہم السلام کی حیات کچھ ان سے اعلیٰ و اقویٰ ہی ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الموت حقیقی جسمانی مثل حیات دنیوی کے ہے۔ جمہور امت کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرا اور سب بزرگان دیوبند کا ہے۔

(۳، ۴) مسئلہ مذکورۃ الصدر کی تحقیق میں یہ بھی آ چکا ہے کہ صرف حیات روحانی کا قول جمہور علماء امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں۔ سلف اور جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیوبندیت ہے۔ جو عقیدہ جمہور اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔

میرے سابقہ فتویٰ سے حیات جسمانی کے انکار پر سند پکڑنا صریح ظلم اور میرے کلام کی تحریف ہے۔ واللہ الموفق للسداد۔

آخر میں پھر عاجزانہ التماس ہے کہ حیات انبیاء کے تفصیل درجات کی خالص علمی بحث کو علمی دائروں میں ہی رکھا جائے۔ عوام میں نفیاً یا اثباتاً اس بحث کو ڈالنا، نہ ان کے لئے کوئی خیر خواہی ہے اور نہ اسلام کی کوئی اچھی خدمت جو بحث کسی طرح سے رسالوں میں یا اشتہاروں کی صورت میں چل چکی ہے اس کو وہی ختم کر کے اگر ہمت کرنا ہے تو کسی علمی مجلس میں مشافہۃً بحث کر لی جائے۔ والسلام

(نشان مہر دارالعلوم کراچی) (دستخط) بندہ محمد شفیع غفرلہ

دارالعلوم کراچی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ

مقام غور

اگر غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے ان دونوں فتوؤں میں حقیقتاً کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ پہلے فتویٰ میں حیات دنیوی کے ساتھ "ظاہری" کی قید موجود ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ قبر اور برزخ کی حیات کو کوئی بھی دنیوی ظاہری نہیں کہتا جو بھی قائل ہے وہ حیات برزخی کا ہی قائل ہے۔ ورنہ تو ایسی "ظاہری" زندگی والے پر دفن وغیرہ کے احکام کیسے مرتب اور جائز ہوتے اور یہ ظاہری زندگی سب کو محسوس ہوتی۔ اس حیات برزخیہ کو اگر بدن دنیوی میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہونی کی وجہ سے حیات دنیوی سے تعبیر کر دیا جائے تو اس میں نہ تو کوئی شرعاً قباحت ہے اور نہ یہ اس کے حیات برزخیہ ہونے کے منافی ہے۔

اور دوسرے فتویٰ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ حیات برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ ہے برزخی صرف روحانی نہیں ہے بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔''

پہلے فتویٰ میں ''ظاہری دنیوی حیات'' کی نفی فرمائی گئی ہے اور دوسرے فتویٰ میں ''برزخ'' میں ''جسمانی حیات مماثل حیات دنیوی'' کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ ان دونوں میں کسی قسم کا قطعاً کوئی تعارض نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہی مضمون ہے جس کی ''المہند'' میں تمام اکابر علماء دیوبند نے تصریح فرمائی ہے۔ (اس کی تفصیل آئندہ آئے گی ان شاء اللہ)

خواہ مخواہ بعض لوگ اپنے سوء فہم سے اکابر علماء کرام کے فتاویٰ اور ان کی عبارات میں تعارض پیدا کر کے عوام کو مغالطہ دینے کی بے جا سعی کر رہے ہیں۔ اس تفصیلی وضاحتی بیان سے چشم پوشی کرنا اور پہلے اجمالی بیان کو ہی بے سوچے سمجھے پیش کرتے رہنا نہ معلوم کس طرح کی دیانت پر مبنی تحقیق ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ دہلوی کے فتویٰ کی وضاحت

بعض سطحی سمجھ کے لوگوں نے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ دہلوی کے اس فتویٰ سے بھی عام لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ آں موصوف نے لکھا ہے کہ:

''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں مگر ان کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔ اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے۔ دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں ''انک میت وانھم میتون'' اس کی صریح دلیل ہے۔'' محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۸)

اس فتویٰ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ''دنیا کے اعتبار سے وہ سب اموات میں داخل ہیں۔'' اس اعتبار سے وہ ''زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی'' ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عالم کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی زندگی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے۔ اب رہا یہ کہ قبر شریف اور عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات روح مبارک کے دنیوی جسد اطہر کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے اور اس اعتبار سے اس کو عالم برزخ میں ہوتے ہوئے بھی، دنیوی جسمانی زندگی کہنا درست ہے۔ اس کی نفی اس فتویٰ میں نہیں فرمائی گئی بلکہ دوسرے فتویٰ میں اس کا اثبات فرمایا گیا ہے اور قبر مبارک میں روح اطہر اور جسم شریف کے ساتھ تعلق سے حیات کو تسلیم فرماتے اور اس کو اہلسنت والجماعت کا مذہب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جواب: ''صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یا رسول و یا حبیب نداء کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے اور آپ تک ہماری نداء اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے...... ہاں اس خیال اور اعتقاد سے نداء کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اوّل یہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجلس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا

باطل ہوتا ہے۔ کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ کہ موجب تعظیم اور اگر مفارقت نہیں ہوتی تو پھر ہر مجلس مولود میں آپ کی موجودگی بدن اور روح کے ساتھ ہوتی ہے یا محض بطور کشف وعلم کے؟ پہلی صورت بداہتاً باطل ہے اور دوسری بے ثبوت اور بعض اعتبار سے موجب شرک ہے۔''الخ ا (کفایت المفتی ج ا ص ۱۵۹،۱۶۰)

فتویٰ سے چند امور کا ثبوت

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس مفصل فتویٰ سے کئی امور واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی اور حیات اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور یہ حیات ایسی ہے جو بدن اطہر کے ساتھ روح کے دائمی تعلق سے قائم ہے اور یہ تعلق موجب حیات ہے۔ اگر روح مبارک کو اس بدن مبارک سے ایک لمحہ کے لئے بھی مفارق اور جدا سمجھ لیا جائے تو قبر مبارک کی اس حیات کا باطل ہونا یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوکر اہلسنت والجماعت کے مذہب کے خلاف ہو جائے گا۔ نیز قبر مبارک میں آپ کے جسد اطہر سے روح مقدسہ کا تعلق نہ ماننا اور بدن مقدس سے مفارقت تسلیم کر کے اس کا مجالس میلاد میں آنا مانا جائے تو یہ بے ثبوت ہونے کے علاوہ باعث توہین بھی ہے۔ کیونکہ اس سے قبر کی حیات کی نفی لازم آتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس تفصیلی فتویٰ کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذہب اہلسنت والجماعت کے خلاف آپ کی قبر مبارک میں ایسی برزخی حیات مانتے ہیں کہ جسم اطہر سے روح مبارک کا کوئی تعلق نہیں اور اس معنی میں اس حیات کے دنیوی ہونے کی نفی فرماتے ہیں کہ روح مبارک کا اسی دنیوی جسد مبارک سے دائمی تعلق قائم ہے تو یہ اس شخص کی غباوت اور سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس تہمت سے بری ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''المہند'' پر تصدیق

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''المہند'' کی تصدیق کرنے والے اکابر علماء دیوبند میں سے ہیں۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف اعتاد علی الاکابر رحمہم اللہ کی وجہ سے بلکہ ''المہند'' کے تمام جوابات کو ملاحظہ فرما کر اس پر اپنی تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارقام فرمایا ہے: ''رأیت الاجوابۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ لا یحوم حول سرادقاتھا شک ولا ریب وھو معتقدی ومعتقد مشائخی وانا العبد الضعیف الراجی رحمۃ مولاہ الموعود بکفایت اللہ الشاھجھانفوری الحنفی المدرس فی المدرسۃ الامینیۃ الدھلویۃ'' (المہند ص ۹۹،۱۰۰)

میں نے تمام جوابات دیکھے پس سب کو ایسا حق صریح پایا کہ اس کے اردگرد بھی شک یا ریب نہیں گھوم سکتا اور یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے مشائخ کا عقیدہ ہے۔

اتنی صراحت اور وضاحت کے ساتھ المہند کے جوابات کی تصدیق کرنے اور ان کو نہ صرف اپنا بلکہ اپنے مشائخ رحمہم اللہ کا بھی عقیدہ بتلانے کے بعد وہ المہند میں درج شدہ اس عقیدہ کے خلاف کیسے لکھ سکتے تھے جس پر سب اکابر دیوبند رحمہم اللہ کی تصدیقات ثبت ہیں اور اس میں تصریح ہے کہ: ''عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم

حیٌ فی قبرہ الشریف و حیوتہ ﷺ دنیویۃ من غیر تکلیف . . . فثبت بھذا ان حیوتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ" ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے...... پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔ (المہند ص ۳۸)

حیات دنیوی کی نفی کا مفہوم

اس تفصیل سے ناظرین کو ثابت ہو گیا ہوگا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ کی عبارات میں جس جگہ قبر کی اس زندگی کے دنیوی ہونے کی نفی کی گئی ہے اس سے ان کا مقصد مطلق دنیوی زندگی کی نفی نہیں ہے بلکہ دنیوی مطلق کی نفی مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ زندگی ہر اعتبار سے دنیوی زندگی نہیں ہے۔ اسی طرح جس فتوئی میں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ: "لیکن حیات دنیوی کہنا خلاف اہلسنت ہے۔" (مسالک العلماء ص ۱۴۸) اس سے بھی یہی مراد ہے کہ وہ دنیوی مطلقہ اور من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے۔ کیونکہ سوال میں لکھا تھا کہ "زید کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں بحیات دنیوی اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں کیا یہ صحیح ہے۔"

اس کا جواب بھی تھا جو اوپر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے نقل ہوا۔ سائل "اس جسد عنصری کے ساتھ زندگی" کے سوال پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ "بحیات دنیوی کی قید کے ساتھ سوال کرتا ہے۔ اپنی قبر میں بحیات دنیوی اس جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہونے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حیات ہر اعتبار سے دنیوی ہو۔ حالانکہ صرف جسد عنصری کے لحاظ سے وہ حیات دنیوی ہے ہر اعتبار سے نہیں۔ اس کی نفی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمادی اور ہر اعتبار سے دنیوی کہنے کو خلاف اہل سنت والجماعت قرار دے دیا۔

شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت سے مغالطہ

فقیہ خبیر اور محدث کبیر حضرت العلام شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ اپنی بے نظیر تصنیف اعلاء السنن میں فرماتے ہیں: "فان قلت ان النبی ﷺ حیٌ فی قبرہ فیکون التضحیۃ عن الحی دون المیت قلنا فتلک حیاۃ اخری لا من جنس الحیاۃ الدنیویہ فھو میت باعتبار ھذہ الحیاۃ الدنیویۃ حی بتلک الحیاۃ البرزخیۃ المغایرۃ لھذہ الحیاۃ" (اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۲۷۲)

اگر تم کہو کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں تو یہ قربانی زندہ کی طرف سے ہوگی نہ کہ میت کی طرف سے تو ہم کہیں گے کہ "کہ وہ زندگی دوسری ہے اس دنیوی زندگی کی جنس سے نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس دنیوی زندگی کے اعتبار سے میت ہیں اور برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو اس زندگی کے مغائر ہے۔"

اس عبارت سے بھی بعض سئی الفہم لوگوں نے دنیوی حیات کا انکار سمجھ لیا ہے حالانکہ اس عبارت میں قبر مبارک کی حیات پر جو زندہ کی طرف سے قربانی ہونے کا شبہ ہوتا تھا اس کو رفع فرمایا گیا ہے کہ وہ حیات دوسری ہے دنیوی حیات کی جنس سے نہیں ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے حیات دوسری جنس کی بھی ہے اور اس دنیوی حیات کے مغائر بھی ہے۔ اس لئے قبر کی اس حیات پر دنیوی حیات کے احکام جاری نہیں

ہوں گے اور حیات قبر کی وجہ سے "تصحیحہ عن الحی" لازم نہیں آئے گا۔ مگر اس حیات کا اس دنیوی جسد اطہر سے تعلق ہونے کی وجہ سے وہ من وجہ دنیوی حیات ہی ہے۔

اس عبارت میں اس کی نفی نہیں کی گئی بلکہ من کل الوجوہ ایسی حیات دنیویہ ہونے کی نفی کی گئی ہے جس سے وہ قربانی زندہ کی طرف سے سمجھی جائے۔ ظاہر ہے کہ عالم برزخ میں من کل الوجوہ دنیوی حیات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے جو بھی قائل ہے وہ بعض وجوہ سے دنیوی حیات کا قائل ہے۔ اس کے حضرت مولانا عثمانی تھانوی قدس سرہ بھی قائل ہیں۔

حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی عقائد علماء دیوبند پر تصدیق

چنانچہ احقر کے رسالہ "عقائد علماء دیوبند" پر تصدیق فرماتے ہوئے ارقام فرمایا ہے: "فقد سرحت النظر فی ھذہ الرسالۃ خطفۃ فوجدتھا صحیحۃ نفساً علقہ قد ذکر المؤلف فیھا عقائد علمائنا و مشائخنا اخذا من المھند وغیرہ من مؤلفات اکابر نامن علماء دیوبند" (ص۱۷۶)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ اس رسالہ کی پرزور الفاظ میں تصحیح فرمارہے ہیں اور المہند وغیرہ میں درج اپنے اکابر و مشائخ علماء دیوبند کے عقائد کا حوالہ دے رہے ہیں۔ نیز "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اکابر دیوبند کا متفقہ اعلان" پر حضرت مولانا رحمہ اللہ کے دستخط ثبت ہیں اور اس میں تصریح ہے کہ "جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔" اس اعلان کے متن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اس اعلان اور اس تصدیق کے ہوتے ہوئے اس میں کیا شک رہ جاتا ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کا عقیدہ اپنے اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کے ساتھ ہے اور وہ اس عقیدہ میں اکابر علماء دیوبند کے ہم نوا ہیں۔

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مسلک اہلسنت والجماعت

"ستفترق امتی علی ثلاثۃ و سبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی" (ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کون سا ہے اے رسول خدا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عقیدے پر میں ہوں اور میرے اصحاب رضی اللہ عنہم اور ایک روایت میں بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہی جماعت ہے "ویداللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار" اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت و جمہور پر ہوتی ہے جو شخص اس سے علیحدہ ہوا وہ دوزخی ہے۔

"اتبعوا السواد الاعظم" (ابن ماجہ) فرمایا کہ تم پیروی کرو بزرگ جماعت کی ورنہ شذوذ کا وبال دوزخ ہے۔

قرآن وحدیث کی نصوص سے جمہور صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کی اتباع کی تاکید ثابت ہوتی ہے اور جمہور سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی مخالفت اور ان کے طریقے سے اعتزال وشذوذ ممنوع اور اس کی سزا دوزخ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر دل وزبان سے ایمان لانے کے بعد ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مذہب اہلسنت والجماعت کو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور عمر بھر عقیدہ اہلسنت والجماعت پر قائم رہے۔ چونکہ اہلسنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔ جیسا کہ احادیث متذکرہ بالا سے واضح ہو رہا ہے۔

شرح حدیث

حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''ماانا علیہ واصحابی'' کی تحقیق میں تحریر فرماتے ہیں: ''صحابہ کا سوال فرقۂ ناجیہ کے متعلق تھا آپ کا صاف جواب ''وانا اصحابی'' ہونا چاہئے تھا یعنی وہ جماعت میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔ بلاشبہ اس وقت فرقۂ ناجیہ کا مصداق یہی جماعت تھی اور اگر اس سے بڑھ کر کوئی آئین کلی بتانا مقصود تھا تو وہ کتاب وسنت ہے۔ بلکہ ''ماانا علیہ واصحابی'' کا حاصل بھی یہی ہے۔ پھر آپ کے اصحاب کا طریقہ آپ کے طریق کے سواء اور طریق نہیں تھا۔ جس کے مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت معلوم ہونی چاہئے۔

''بے شک متبادر یہی تھا کہ جواب ''انا واصحابی'' ہوتا مگر یہاں سائل کا مقصود اس کے زمانے کی جماعت حق کا تعین نہ تھی۔ وہ دور فتن میں حق جماعت کی تعیین کا طالب تھا۔ اگر اسے آپ کتاب وسنت کا ہی معیار بتاتے تو یہ جواب اس دور کے مناسب حال نہ ہوتا۔ جس میں ہر باطل سے باطل فرقے کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہی کتاب وسنت کا حامل ہے۔ اس لئے یہاں آپ نے وہ فیصلہ کن آئین بتانا چاہا ہے جو اس زمانے کے بھی مناسب حال ہو۔ وہ صرف کتاب وسنت نہیں بلکہ اس کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے بطریق اسوہ پیش فرمائی تھی۔ اس لئے یہاں افراد واشخاص کی بحث چھوڑ کر ان اوصاف کو بتا دیا گیا ہے جو فرقۂ ناجیہ کی تعیین کے لئے ہمیشہ کے لئے کارآمد ہوں۔

اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دور فتن میں کچھ ایسا تعصب نمودار ہو جاتا ہے کہ اس زمانے کی کٹ حجتی ختم کرنے کے لئے صرف الفاظ کافی نہیں ہوتے یہاں حقیقت ومجاز عموم وخصوص کے احتمالات پیدا کر دینے کا سہارا باقی رہتا ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کا دوٹوک عمل ہی وہ کھلی ہوئی شریعت ہے جس میں یہ احتمالات نہیں چلتے۔ اسی لئے اس دور فتن کا بنیادی مسئلہ اسی تفصیلی شریعت کا انکار ہوا کرتا ہے۔ قرآن کریم سے زیادہ لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور حدیث سے زیادہ فقہ کا۔

رہا یہ کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی سنت کو یہاں مستقل حیثیت کیوں دی گئی ہے تو اس کی وجہ بظاہر اس کامل اعتماد کا اظہار کرنا ہے جو آپ کو اپنے صحابہ کے فہم پر حاصل تھا...... صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعض اعمال کی صورت گو دور سنت میں ہمیں نظر نہ آئے مگر مقاصد شریعت کے لحاظ سے اس کا عین شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ لیکن دور فتن میں صحابہ کے متعلق یہ حسن ظن رہنا مشکل ہے۔ اس لئے اس بحث کو ختم کرنے کے لئے ان کے طریق کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے...... خود وحی الٰہی کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بار بار تصویب کرنا اس بات کی کھلی ضمانت تھی کہ آئندہ بھی ان کی

اصابت رائے امت کو تسلیم ہونا چاہئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانے میں ہوتے تو موجودہ بے احتیاطیوں کو دیکھ کر عورتوں کا مسجدوں میں آنا بند کر دیتے۔ اس اختلاف صورت اور اتحاد مقصد کے پیش نظر مناسب ہوا کہ "ما انا علیہ" کے ساتھ ساتھ "واصحابی" کا لفظ اور اضافہ کر دیا جائے۔"

حضرت مولانا سید بدر عالم مرحوم فرماتے ہیں "جماعت اور سواد اعظم سے وہی جماعت سواد اعظم مراد ہے جو "ما انا علیہ واصحابی" یعنی کتاب و سنت کی متبع ہے۔ اگر ان ہر سہ الفاظ کا خلاصہ نکالو تو یہ ہوگا کہ اہل حق ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہو اور نہ صرف یہی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے طریق کا بھی احترام کرنے والی ہو اگر کوئی جماعت صرف آپ کے طریقے کا احترام کرتی ہے لیکن صحابہ کے طریق کا احترام نہیں کرتی تو وہ ان الفاظ کے حدود سے باہر ہے۔ دور فتن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے مابین تفریق کا عقیدہ بھی ظاہر ہو چکا۔

اسی اہمیت کے پیش نظر الفاظ بالا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دے دی گئی ہے۔ ورنہ جس طرح رسول کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریق سے علیحدہ نہیں۔ ٹھیک اسی طرح صحابہ کی سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے علیحدہ نہیں۔ اس لئے فرقہ ناجیہ کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریق کی جو بہ حقیقت ایک ہی ہیں۔ اپنے اپنے مرتبے میں بزرگی اور احترام کی قائل ہو۔ بلکہ اس پر گامزن بھی ہو۔ خوارج نے صرف سنت رسول کو لیا صحابہ کی ایک جماعت کو کافر ٹھہرایا۔ یہی ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت تھی اور اسی کی طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے کلام میں اشارہ فرمایا تھا۔" (ترجمان السنۃ ج ۱ ص ۸۵)

اہل سنت کے امتیازات

مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی اہلسنت کی انہیں خصوصیات اور امتیازات کا تذکرہ تفصیل سے فرمایا ہے۔ تغیر و تبدیل کے ساتھ مختصر طور پر ذیل میں ملاحظہ ہو:

اہلسنت کا امتیاز اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ "ما انا علیہ واصحابی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑا ہے۔ وہ اس کے مقابلے میں اپنی عقل و رائے کی اور دنیا کی قیل و قال کی پرواہ نہیں کرتے۔ بہرحال اہلسنت والجماعت اور ان دوسرے فرقوں کے درمیان عقائد اور خیالات میں جتنے بھی اختلافات ہیں وہ سب طرز فکر کے اسی بنیادی فرق کا نتیجہ ہیں۔

دوسرے فرقوں کا حال یہ ہے کہ وہ سنت کو اور جماعت صحابہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ ان فرقوں میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے دو فرقے خوارج اور شیعہ ہیں، شیعوں کی اگرچہ بہت سی شاخیں ہیں۔ لیکن یہ بات قریباً سب میں مشترک ہے کہ دین کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے نزدیک قطعاً قابل اعتماد نہیں۔ بلکہ ان کے اکثر فرقے تو جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ منافق اور مخرب دین سمجھتے اور جو مقام سنت کا ہونا چاہئے۔ وہ ان کے نزدیک ان کے ائمہ کے اقوال و افعال کا ہے۔ بلکہ واقعتاً ان کے سارے مذہب کی بنیاد ان کے ائمہ کی روایات ہی پر ہے۔

اور خوارج کا حال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کا اتباع جس طرح اہلسنت

ضروری سمجھتے ہیں وہ نہیں سمجھتے۔ گویا ان کے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ دین کی کسی حقیقت کو اور قرآن وسنت کی کسی بات کو سمجھنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت یا ان کی بڑی تعداد غلطی کر جائے اور بعد والے اس کو صحیح سمجھیں۔ لیکن اہلسنت اس خیال کو گمراہی بلکہ سینکڑوں گمراہیوں کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ دوسرے تمام فرقوں کے مقابلے میں اہلسنت والجماعت کا امتیاز اور ان کا شعار یہی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماعی مسلک کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں اور ان کا بنیادی اصول یہی ہے کہ دین کی جس حقیقت کو اور کتاب وسنت کی جس بات کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے جس طرح سمجھا اور مانا اور ان کے درمیان اس میں اختلاف رائے نہیں ہوا اس کو اسی طرح سمجھنا اور ماننا ضروری ہے اور کسی کے لئے اس میں اختلاف رائے کی اور نئے سرے سے اس پر غور کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

الغرض اہلسنت والجماعت دین کی کسی حقیقت اور کسی مسئلے پر صحابہ کرام کے اجماع اور اتفاق کو فیصلہ کن چیز سمجھتے ہیں جس سے اختلاف کرنے کی ان کے نزدیک کسی کو گنجائش نہیں۔ اسی لئے ان کو اہلسنت والجماعت کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ کے بعد سنت اور جماعت صحابہ کی دین میں اہمیت تسلیم کر لی ہے اور اپنے کو ان کا اتنا پابند بنا دیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اہلسنت والجماعت کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو دین کی اصل واساس ماننے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی آپ کے ارشادات اور آپ کے طرز عمل کو اس کی شرح اور اس کے اجمال کی تفصیل سمجھتے ہیں اور جو چیزیں قرآن مجید میں بیان نہیں کی گئی ہیں اور سنت میں ان کا بیان ہے۔ ان کے نزدیک وہ بھی واجب الاتباع اور جزو دین ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی یہ حیثیت تسلیم کر لینے کے بعد وہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حیثیت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کا جو منشاء انہوں نے سمجھا اور جن امور پر ان کا اجماع ہو گیا وہ بھی واجب الاتباع ہیں اور کسی مسلمان کو حق نہیں ہے کہ ان کے اجتماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کے خلاف اپنی کوئی رائے رکھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب گرامی میں جس کو ابوداؤد میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اہلسنت کے اس مسلک کی بڑی واضح ترجمانی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں: ''ولئن قلتم لم انزل اللہ اٰیۃ کذا ولم قال کذا؟ لقد قرأوا منہ ما قرأتم وعلموا من تاویلہ ما جھلتم وقالوا بعد ذالک کلہ بکتاب وقدر''

(ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ)

''مطلب یہ ہے کہ اگر تم قرآن مجید کی بعض آیات کو اس کے خلاف پا رہے ہو اور اپنی دانست میں تم ان آیتوں کو مسئلہ تقدیر کے خلاف سمجھتے ہو تو یہ تو سوچو کہ یہ سب آیتیں قرآن مجید میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پڑھی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور آپ کے فیض صحبت سے وہ قرآن کو تم سے بہتر سمجھنے والے تھے۔ اس کے باوجود وہ اس مسئلہ تقدیر کے قائل ہوئے۔ پس اس سے تمہیں خود سمجھ لینا چاہئے کہ تم ان آیتوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کھا رہے ہو۔''

غرضیکہ اہلسنت والجماعت کا مسلک اور ان کا بنیادی اصول یہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے یعنی دین کے بارے میں جماعت صحابہ پر پورا اعتماد کرنا اور ان کے مقابلے میں

اپنے علم وفہم کو ناقص اور نارسا سمجھتے ہوئے ان کے اجماعی مسلک اور اجماعی فیصلوں کی پوری پوری تقلید کرنا، جمہور امت کا مسلک بھی رہا ہے اور یہی وہ صحیح مسلک ہے جس کو حدیث شریف میں "ما انا علیہ واصحابی" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

ایک گمراہ کن مغالطہ

بعض لوگ جن کی نظر میں سلف کی اتباع کی اتنی اہمیت نہیں ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ اصل چیز بس قرآن وحدیث ہے اور دین میں ہم قرآن وحدیث کے سوا کسی چیز کو سند نہیں مانتے؟

یہ بات صحیح ہے کہ اصل چیز دین کے بارے میں قرآن وحدیث ہی ہیں لیکن یہ لوگ اس بات کو غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں اور مغالطہ دیتے ہیں گویا یہ کلمہ حق ارید بہا الباطل کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ سلف صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو ان کے علم وفہم سے زیادہ اپنے علم وفہم پر اعتماد ہے وہ اپنی رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب وسنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اسی کے اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔

پس ہمارے اور ان کے طرز فکر اور طرز عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل سند کتاب وسنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلف صالحین کو۔ بلکہ یہ ہے ہم کتاب وسنت کا منشاء متعین کرنے کے بارے میں سلف صالحین کے فہم وفکر کو زیادہ قابل اعتماد سمجھتے ہیں اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور چاہتے کہ دوسرے لوگ بھی بجائے سلف کے ان کی تقلید کریں۔

خوارج کا قرآنی نعرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ خوارج کے مجمع کو سمجھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ خوارج نے قرآن کا نعرہ لگایا کہ ہم بس کتاب اللہ کو مانیں گے جیسا کہ آج کل کے بہت سے گمراہ فرقے ایسا ہی نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید ہاتھ میں لے کر اس کو اوپر اٹھایا اور فرمایا "ایہا المصحف حدث... ایہا المصحف حدث" یعنی اے قرآن بول یعنی اے قرآن بول، بار بار یہی فرمایا پھر کچھ دیر خاموش رہ کر خوارج سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھ لیا کہ قرآن میرے کہنے سے بھی نہیں بولا۔ گویا اس تدبیر سے انہیں بتلایا کہ قرآن کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ جو قرآن کو سمجھنے والے والے ہیں وہ جو کچھ قرآن سے سمجھ کر بتلائیں۔ اس کی پیروی کی جائے۔ کتاب وسنت بولتے ہوئے انسان تو نہیں ہیں کہ ہم ان سے کوئی سوال کریں اور وہ ہم کو ہماری زبان میں جواب دے دیں۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا احمقوا جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کو اور دین کو حاصل کیا، کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن کو اور دین کو جاننے والے ہو؟ پھر آپ نے ان کے خیالات وشبہات کا تفصیلی رد کیا۔

ہمارے زمانہ کے نئے فرقوں کی ذہنیت

مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں: "اس واقعہ سے مجھے صرف یہ بتلانا تھا کہ ہمارے اس زمانے کے جو لوگ

اور جو نئے فرقے اتباع سلف کے اصول کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف کتاب وسنت کو مانتے ہیں دراصل ان کی ذہنیت بالکل وہی ہے جو ان خوارج کی تھی اور وہ لوگوں کو سلف کے اتباع سے توڑ کر اپنے متبعین میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور جو سادہ لوح ان کی بات مانتے ہیں وہ درحقیقت سلف صالحین کے اتباع سے آزاد ہو کر خود ان کے متبع اور مقتدی بن جاتے ہیں اور اسی سے امت میں نئے نئے فرقے اور نئے نئے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔ بہرحال دین کے بارے میں سلف صالحین پر اعتماد اور ان کے اتباع ہمارے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اسی میں تمام مسلمانوں کے دین اور ایمان کی حفاظت ہے۔'' (دین وشریعت ص ۱۳۶)

ایک استدلال کا جواب

قبر میں عود روح کی وجہ سے حیات کو نص قرآنی کے خلاف سمجھنا بھی سلف صالحین کی اتباع سے آزاد ہو کر اظہار خیال کی ایک مثال ہے، بعض لوگوں نے حافظ ابن حزم کی اتباع میں آیت کریمہ: ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی''

(ترجمہ) اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو قبض کرتا ہے جو نہیں مرتیں ان کی نیند میں سو روک لیتا ہے ان جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔ اس سے ثابت کیا ہے کہ اس نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ تمام ارواح جن کا ذکر ہم نے کیا ہے قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹتیں۔ (کتاب الروح ص ۵۱)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ، علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''فامساکه سبحانه التی قضی علیها الموت لا ینافی ردها الی جسدها المیت فی وقت ما رواعارضاً لا یوجب له الحیوۃ المعهودۃ فی الدنیا واذا کان النائم روحه فی جسده وهو حی وحیاته غیر حیاۃ المستیقظ فان النوم شقیق الموت فهذا المیت اذا اعیدت روحه الی جسده کانت له حال متوسطة بین الحی وبین المیت الذی لم ترد روحه الی بدنه کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتأمل هذا یزیح عنک اشکالات کثیرۃ'' (کتاب الروح ص ۵۳)

اللہ تعالیٰ کا ان جانوں کو روکنا جن پر موت کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے اس کے منافی نہیں کہ ارواح کو بے جان جسم کی طرف کسی وقت عارضی طور پر ایسے طریقہ پر لوٹا دے جس سے دنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو۔ جیسا کہ سونے والا شخص کہ اس کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی حیات بیدار آدمی کی حیات کے غیر ہوتی ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اسی طرح مردہ کا معاملہ ہے کہ جب روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور ایسے مردہ کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو جیسا کہ سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس مثال میں خوب غور کرو اس سے تمہارے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق موت میں ارواح کو روک لینے کا مطلب یہ ہے کہ ارواح ابدان میں تدبر وتصرف نہیں کرتیں اور ان کو تدبیر وتصرف سے روک دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ بدن میں خون کا دوڑنا ہو، سانس چلے، کھانا ہضم ہو، نبضیں چلیں، بدن کا نشوونما ہو۔ مثلاً بال بڑھیں ناخن بڑھیں۔ جیسا کہ دنیا میں یہ کارروائی ہوتی

تھی۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ''اللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ای یقبضھا عن الابدان بان یقطع تعلقھا تعلق التصرف فیھا عنھا الخ''

(ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو ابدان سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ابدان میں ارواح کے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ (روح المعانی ج ۲۴ ص ۷)

اس عبارت میں ''تعلق التصرف فیھا عنھا'' کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کر رہے ہیں کہ موت میں ارواح کا ابدان سے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ جب موت میں امساک ارواح کا مطلب یہ ہے کہ ارواح کو ابدان میں تصرف کرنے سے روک دیا جاتا ہے تو اب تصرف فی الابدان اور دنیا کی حیات معہودہ ثابت کرنے کے لئے عود روح تو امساک کے خلاف ہوگا۔ مگر روح کا اس طرح بدن کی طرف عود کرنا جس سے دنیا کی حیات معہودہ ثابت نہ ہو اور بدن میں تدبیر و تصرف بھی حاصل نہ ہو۔ ایسا عود امساک ارواح کے خلاف نہیں ہے اور قبر میں جو عود روح احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ ایسا ہی ہے جس سے تصرف و تدبیر بدن میں حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ امساک ارواح کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے امساک ارواح کے یہ معنی نہ لئے جائیں اور مفسرین کے بیان کردہ اس مطلب کو تسلیم نہ کیا جائے اور امساک ارواح سے یہ مراد ہو کہ ارواح کو اس طرح روک لیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح سے بھی حرکت وغیرہ نہیں کرتیں اور کسی ایک مقام میں محبوس و بند کر دی جاتی ہیں تو یہ مطلب ان تمام احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگا۔ جن میں ارواح کا موت کے بعد جنت میں چلنا پھرنا، سیر کرنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے اور آیت مبارکہ میں ارسال سے چونکہ ارواح کا دوبارہ ابدان میں آ کر تصرف کرنا مراد ہے اور امساک کا اسی ارسال کے مقابلہ میں بیان فرمایا گیا ہے اس لئے لامحالہ امساک سے ایسے ارسال کی نفی ہوگی جس میں تصرف فی البدن پایا جائے اور فیمسک میں امساک بمقابلہ ارسال مذکور ہونے سے ثابت ہوگیا کہ یہ امساک عود روح فی الجسد اور عالم قبر میں فی الجملہ حیات حاصل ہونے کے مخالف اور معارض نہیں ہے جس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہو رہا ہے۔ بہر حال قرآن کریم کی اس آیت اور عود روح کی احادیث میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے اور نہ ہی یہ آیت اس بارہ میں نص صریح ہے کہ عالم قبر میں روح کا اعادہ کسی قسم کا بھی نہ ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''پھر (اس معطل کرنے کے بعد) ان جانوں کو تو (تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے) روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو (جو کہ نوم میں معطل ہوگئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا) ایک معیاد معین (یعنی مدت عمر) تک کے لئے رہا کر دیتا ہے (کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں)'' (بیان القرآن ج ۱۰ ص ۲۵)

الغرض اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی اس نوع کا رد اور اعادۃ الروح الی الجسد کے اس مفہوم کا ابطال جس کے جمہور مثبت ہیں اور روح کا جسم سے قبر میں ایسا تعلق جس سے دنیوی حیات معہودہ تو ثابت نہ ہو مگر عند القبر سماع اور قبر کی راحت و تکلیف وغیرہ کا ادراک ہو سکے۔ اس آیت سے اس کی نفی کسی طرح بھی نہیں ہوتی۔ مگر آج کل بعض لوگ اس آیت سے عود روح الی الجسد اور حیات فی القبر کی احادیث کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حیات فی القبر کا اس آیت سے انکار ایسے ہی لوگوں

نے کیا ہے جو عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اس زمانہ میں جو لوگ اس آیت سے اعادہ روح کا انکار کر کے حیات فی القبر کا انکار کر رہے ہیں وہ انہیں لوگوں کی روش پر چل رہے ہیں جو عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے مطلب اور معنی سمجھنے اور ان کے مفہوم ومراد کے متعین کرنے میں حضرات سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنا ضروری ہے اس کے بغیر قرآن وسنت کے صحیح معنی اور مراد کو صرف اپنے فہم وعلم کی بنیاد پر سمجھنا درست نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: ''سعادت آثارا آنچہ بر ماوشما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب وسنت بر نہجے کہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب وسنت آں عقائد را فہمیدہ اند واز انجا اخذ کردہ، چہ فہمیدن ماوشما از حیّز اعتبار ساقط است اگر موافق الہام ایں بزرگواراں نباشد زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ خود را از کتاب وسنت فہمد واز اں جا اخذ می نماید والحال انہ لا یغنی من الحق شیئاً''

(مکتوبات دفتر اول حصہ سوم ص ۳۳ مکتوبات نمبر ۱۵۷ طبع امرتسر)

''اے نیک بخت جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ کتاب وسنت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے۔ مگر اس طریقہ پر کہ علمائے اہل حق نے (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو بار آور کرے) کتاب وسنت سے ان کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت ہی سے سمجھتا ہے اور وہیں سے اخذ کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا یہ سمجھنا حق کی کسی چیز سے مستغنی نہیں کرتا۔''

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ بایں ہمہ کمالات علمی وعملی اور علو شان کے صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر علمائے حق کی سمجھ کے مطابق نہ ہو تو وہ اعتبار واعتماد کے ہرگز لائق نہیں تو آج اس زمانے میں کسی اور کا کیا مقام ہے کہ جس کی سمجھ بزرگان سلف کی سمجھ سے زیادہ قابل اعتبار واعتماد ہو سکے۔ دوسری بات حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ واضح ہوئی کہ کسی شخص یا فرقے کا کتاب وسنت سے استدلال کرنا ضروری نہیں کہ وہ قابل اعتبار ہی ہو اور صرف قرآن وسنت کا نعرہ اس کے حق پر ہونے کی ضمانت نہیں ہوتا۔ چونکہ ہر بدعتی اور گمراہ فرقہ اپنے باطل عقائد ونظریات کو بہ زعم خود کتاب وسنت سے ہی سمجھتا اور وہاں ہی سے حاصل کرتا ہے۔ اس لئے سلف صالحین کی تفسیر وتشریح کے خلاف قرآن وسنت سے استدلال ضرور مغالطہ پر مبنی ہوگا اور گمراہ وباطل فرقوں کی پیروی ہوگی۔

علامہ ابن الہادی رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''ولا یجوز احداث تاویل فی اٰیة وسنة لم یکن علی عهد السلف ولا عرفوه ولا بینوه للامة فان هذا یتضمن انهم جهلوا الحق فی هذا وضلّوا عنه واهتدی الیه هذا المعترض المتاخر فکیف اذا کان تاویل یخالف تأویلهم ویناقضه وبطلان هذا التأویل اظهر من ان یطنب فی رده'' (الصارم المنکی ص ۲۴۷ طبع مصر)

جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنی اور تاویل کی جائے جو حضرات سلف کے زمانے میں نہ کی گئی ہو اور نہ انہوں نے وہ تاویل کبھی ہو اور نہ امت کے سامنے بیان کی ہو۔ کیونکہ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ سلف اس میں حق سے جاہل رہے اس سے بہک گئے اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہہ کو پہنچ گیا۔ خصوصاً جب کہ متاخر کی تاویل سلف کی تاویل کے خلاف اور اس کے برعکس ہو۔ پھر کیوں کر وہ قبول کی جاسکتی ہے اور اس تاویل کا وہ بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کے لئے کسی بسط کی بھی ضرورت نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا جو مطلب اور معنی حضرات سلف صالحین نے نہ سمجھا ہو اور نہ کیا ہو اور متاخرین میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مطلب و معنی یقیناً مردود ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ کے واقعات سے استدلال

حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق قرآن کریم کے مضمون سے حضرات سلف صالحین نے سماع موتی کی نفی پر استدلال نہیں کیا۔ اسی طرح اصحاب کہف کے واقعہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ وفات سے بھی سلف صالحین میں سے کسی نے عدم سماع انبیاء علیہم السلام پر استدلال نہیں کیا اور واقعتاً ان واقعات کو عدم سماع موتی، خصوصاً عدم سماع انبیاء علیہم السلام سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ یہ واقعات قرآن کریم میں سلف خلف سب نے پڑھے پڑھائے اور ان آیات کی تفسیریں اور تشریحیں لکھیں۔ مگر کسی نے بھی ان سے انبیاء علیہم السلام کے عدم سماع عند القبر پر استدلال نہیں کیا؟ اب جو شخص ان سے یہ استدلال کرے وہ باطل و مردود ہے اور بقول علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے رد کے لئے کسی بسط کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ان واقعات کے ہوتے ہوئے سبھی حضرات عند القبر سماع انبیاء علیہم السلام کے قائل تھے جس کی تفصیل آرہی ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر اور برزخ کی زندگی میں زمانے کے کم وبیش گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ ویسے بھی عام طور پر اس دنیوی زندگی میں بھی خوشی اور غمی کی حالت میں وقت اور زمانے کی طرف توجہ اور التفات نہیں رہتا اور اس کی صحیح تعیین اور تحدید نہیں ہو پاتی۔ غمی کی حالت کا زمانہ دراز اور خوشی کے وقت کا زمانہ چھوٹا محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے اگر حضرت عزیر علیہ السلام نے برزخ کی خوشی والی سو سالہ حالت کو ایک دن یا اس سے کم سے تعبیر فرمایا ہے تو محل تعجب نہیں ہونا چاہئے اور نہ اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اس حالت میں کسی بات کا سماع حاصل نہیں تھا۔ کیونکہ زمانے کی مدت معلوم نہ ہونے اور عدم سماع میں کوئی ملازمہ نہیں ہے کہ عدم علم عدم سماع کو مستلزم ہو اور تعیین مدت کا علم نہ ہونے سے عدم سماع ثابت ہو جائے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے جواب ''لبثت یوما او بعض یوم'' سے واضح ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو اپنے لبث اور قیام کا علم تھا۔ البتہ مدت لبث کی صحیح تعیین کا احساس نہیں تھا تو پھر اس کا جواب سے مطلقاً نفی علم کو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ عزیر علیہ السلام کو اپنے رہنے کا علم ہی نہیں تھا۔ حالانکہ لبثت فرما کر اپنے رہنے کے علم کو تو وہ ثابت فرما رہے ہیں۔ البتہ وقت کی تعیین اور مدت قیام کا صحیح تخمینہ نہیں ہو سکا اور سو سالہ مدت ان کو ایک دن یا اس سے بھی کم محسوس ہوئی۔ اس لئے کم لبثت سے وقت کی تعیین اور مدت لبثت کے سوال و جواب میں اپنے احساس کے مطابق ''لبثت یوما او بعض یوم'' فرمایا دیا گیا۔ کیونکہ

کم لبثت سے زمانہ کی توقیت وتعیین دریافت فرمائی گئی تھی۔ لبث اور لبثت کا فاعل اگرچہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اور فعل اپنے فاعل کی صفت ہوتا ہے اور اپنی صفات کا علم حضوری ہوتا ہے۔ (الشہاب از قاضی شمس الدین صاحب)

مگر زمانہ اور وقت نہ تو انسان کے ذاتی حالات میں داخل ہے اور نہ صفات میں بلکہ ظرف ہے اور الگ مقولہ ہے۔

لہٰذا لبثت میں ٹھہرنا تو حضرت عزیر کی صفت ہے مگر ٹھہرنے کا زمانہ اور وقت ظرف ہے۔ صفت الگ مقولہ سے ہے اور ظرف الگ مقولہ سے ہے۔ دونوں کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ (الشہاب المبین مولانا سرفراز صاحب)

حاصل یہ ہے کہ لبث اور قیام کا علم تو صفت ہونے کی وجہ سے حضوری تھا اس کو لبثت سے بتلادیا گیا۔ مگر مدت لبث اور وقت قیام کا علم حضوری نہیں تھا۔ اس لئے اس کی تعیین وتوقیت نہیں ہوسکی۔ کیونکہ زمانہ اور وقت صفت نہیں ہے کہ اس کا علم حضوری ہوتا بلکہ ظرف اور الگ مقولہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لبث اور مدت لبث دو الگ الگ مقولہ ہیں۔ مدت لبث کے عدم علم سے علم لبث کی نفی لازم نہیں آتی۔ فافہم ولاتکن من القاصرین!

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ واقعہ عزیر علیہ السلام کے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی۔'' (فوائد قرآن ص ۵۵)

جب اس سوسالہ مدت لبث اور قیام فی البرزخ میں کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا اور نہ ان کی خبر ہوئی تو پھر کسی کلام وسلام کے سماع عند القبر سے اس واقعہ کو کیا تعلق باقی رہا؟

نیز حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''رہی یہ بات کہ جب دوسروں نے دیکھا نہیں تو لوگوں کے لئے نمونہ قدرت کس طرح ہوگا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآئن خارجیہ قطعیہ سے ان کا صدق بیان لوگوں کو بطور علم ضروری کے معلوم ہوجاوے گا۔ جیسا کہ خود ان کو ایسے ہی قرآئن سے نیز اپنا مردہ رہنا مدت طویلہ تک معلوم ہوگیا۔'' واللہ تعالیٰ اعلم! (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۵)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نہ کوئی ان کے پاس گیا اور نہ ان کو کسی نے دیکھا۔

صاحب ''جواہر القرآن'' کے استدلال کا جواب

جواہر القرآن میں اس واقعہ سے جو عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ مؤلف جواہر القرآن لکھتے ہیں: ''یہ محض ان کا اندازہ اور تخمینہ تھا، سوسال کا عرصہ انہیں یک روزہ خواب کی طرح معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ حالت موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ سے بالکل بے خبر تھا۔ اگر انہیں ان چیزوں کا احساس ہوتا تو مدت کا وہ یہ تخمینہ بیان نہ کرتے بلکہ ان کو پوری مدت کا ٹھیک علم ہوتا۔ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ حضرت عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے۔ سوسال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلاف کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی بیرونی آوازیں سنائی دیں۔''

(جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۲۷)

اس واقعہ میں اگر بالفرض یہ ثابت بھی کردیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو بیرونی آوازیں نہیں سنائی دی گئیں تو بھی اس خاص واقعہ کو سماع موتی کی نفی کے لئے بطور قاعدہ کلیہ کے پیش کرنا درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت

عزیر علیہ السلام کی یہ موت ایسی معتاد موت نہیں تھی جو عمر کے پورا ہو جانے کے بعد آیا کرتی ہے اور اس کے بعد دنیا میں دوبارہ زندگی نہیں دی جایا کرتی۔ بلکہ غیر معتاد طریقہ پر عام اموات کے برخلاف ان پر یہ موت وارد کی گئی تھی۔ اس لئے عام موتی کو اس خاص میت پر قیاس کر کے عدم سماع موتی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اور اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ سے بے خبر رہنے کی وجہ سے عدم سماع پر استدلال کرنا تو بالکل ہی غیر متعلق اور غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ امور مسموعات میں سے نہیں۔ جن کے سماع میت میں اختلاف اور گفتگو ہے۔ غیر مسموعات کے عدم علم اور بے خبر رہنے سے مسموعات کے نہ سننے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اس واقعہ سے حضرت عزیر علیہ السلام کے علم غیب کی تو نفی ہوتی ہے کہ ان کو اپنی موت کے بعد اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ کا علم نہیں ہوا اور اس لئے وہ مدت کا تخمینہ صحیح طور پر نہیں کر سکے۔ مگر اس واقعہ سے سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حالت موت میں ان سے سلام کلام اور اس کے نہ سننے کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ برزخ میں رہنے کی مدت کا احساس نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وقت کتنا گزرا۔ جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ کے فوائد میں لکھتے ہیں: ''پانچویں بعد بعثت کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا (الی ان قال) اور پانچویں امر کی نظیر ان کا جواب میں یوماً اور بعض یوم کہنا ہے جیسا کہ بعینہ یہی جواب بعض اہل محشر دیں گے۔'' (بیان القرآن ج ا ص ۱۵۵)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ برزخ کی مدت معلوم نہیں ہوتی۔ اس واقعہ سے متعلق مزید بحث ''ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن'' میں طلباء اور علماء کے لئے قابل ملاحظہ ہے وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے۔

واقعہ اصحاب کہف سے استدلال کی حقیقت

اسی طرح واقعہ اصحاب کہف سے بھی عدم سماع موتی کا مسئلہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس واقعہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ ان کو نیند میں اپنے رہنے کی مدت اور زمانہ معلوم نہ تھا۔ اس سے کس طرح ثابت ہوا کہ وہ سنتے بھی نہیں تھے؟ پھر مردے کا سونے والے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ نیند میں عام طور پر ادراک وشعور ایک گونہ معطل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند کی حالت میں طلاق وعتاق وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا اور قبر میں اعادہ روح کے بعد میت کا معاملہ برعکس ہوتا ہے۔ میت میں ادراک وشعور اور علم باقاعدہ ہوتا ہے اور اسی بنا پر نکیرین سوال کرتے ہیں اور مردہ اس کا جواب دیتا ہے تو اس کے جواب کا اعتبار ہوتا ہے۔ (از سماع موتی، ص ۳۲۲)

زیر نظر رسالہ ایک عرصہ سے لکھا ہوا رکھا تھا، بعض مخلص احباب کی سعی سے اس کے شائع ہونے کے آثار ظاہر ہونے لگے تو اس پر نظر ثانی کی گئی اور اس کے شروع میں ''پیش لفظ'' اور ''مقدمہ'' کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اس کو قبول ونافع فرمائیں۔ احقر اور تمام معاونین ومددگاروں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔ آمین!

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

خادم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

۵ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات اور سماع عند القبر میں علمائے دیوبند کا مسلک

پیشتر اس کے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات اور آپ ﷺ کے سماع عند القبر کے بارے میں ہم مسلک علمائے دیوبند پر اکابر رحمہم اللہ دیوبند کی تصریحات پیش کریں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ مسلک علمائے دیوبند سے ہماری کیا مراد ہے؟

مسلک علمائے دیوبند کی توضیح

معلوم رہے کہ دارالعلوم دیوبند نہ تو کسی اعتقادی یا فقہی مستقل مکتب فکر کا بانی ہے اور نہ ہی کسی مقام، ادارہ یا شخصیت سے تعلق کا نام مسلک علمائے دیوبند ہے۔ اس لئے اس مسلک کی تاریخ بھی قیام دارالعلوم کی تاریخ سے شروع نہیں ہوتی بلکہ جمہور سلف صالحین کے مطابق جو عقائد و افکار قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر سے ''ما انا علیہ و اصحابی'' کی مقدس وراثت کے طور پر منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں، وہی مسلک علمائے دیوبند ہے اور انہیں کی کامل اتباع اور تعلیم و اشاعت دارالعلوم کا طغرائے امتیاز ہے۔

اکابر دیوبند عقائد میں اہلسنت والجماعت کے طریقہ مرضیہ کے پابند اور فروعات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک حنفی پر گامزن ہیں۔ ان کا سلسلۂ سلوک و تصوف بھی عین سنت کے مطابق اور اسوۂ مشائخ سلاسل اربعہ کے تابع ہے۔

اسلام اور اسلامی عقائد و اعمال اور اخلاق کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ مگر سنت اللہ کے موافق چونکہ کتاب کے ساتھ رسولوں کو بھی اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ وہ قول و عمل سے اس کی تفسیر و تشریح کریں۔ اس سنت مستمرہ سے پتہ چلتا ہے کہ دین کو سمجھنے اور سمجھانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کے عملی پیکر بن کر اس کی تفصیل و تشریح کرتے ہیں۔ لہٰذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے کتاب اللہ کو سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں ہی ٹھیک طریقے پر سمجھا جا سکتا ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سمجھنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ نیز دوسرے اکابر دین کے متوارث و متواتر فکر و عمل کی روشنی کی ضرورت ہے۔

سلف صالحین کے خلاف دین کی تعبیر و تشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاتی اور نت نئے فتنوں کو جنم دینے کا سامان فراہم کرتی ہے۔ دین میں جتنے بھی نئے اور گمراہ فرقے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان فرقوں نے کتاب و سنت کے معنی اور مطلب کے سمجھنے میں سلف صالحین کے فہم پر اعتماد کرنے کی بجائے خود اپنے ہی فہم پر اعتماد کر کے سلف صالحین کے خلاف دین کی تعبیر اور تشریح کا طریقہ اختیار کر لیا ہوا ہے۔

دین کے ان سرچشموں میں مراتب کا فرق بھی ملحوظ ہے جو مقام کتاب اللہ کا ہے وہ سنت رسول اللہ کو حاصل نہیں ہوسکتا اور جو مرتبہ نبی ﷺ کا ہے وہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو نہیں مل سکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق وحدود کی رعایت ہی دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے زمانہ میں دوسرے اداروں اور مکاتب فکر سے امتیاز عطاء کیا ہوا ہے اور جس کی بناء پر اس کا مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جو افراط وتفریط سے بچتی ہوئی کتاب وسنت تک پہنچتی ہے۔

مسلک جمہور اہلسنت کے مطابق اس راہ اعتدال اور خصوصی مزاج کا امتیازی نام ''مسلک علمائے دیوبند اور دیوبندیت'' ہے اور مسلک علمائے دیوبند سے بھی ہماری مراد یہی جمہور اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے۔

مقام افسوس

لیکن جس طرح قرآن وسنت کے حاملین اور مسلک اہلسنت والجماعت کے ناشرین کو بدنام کرنے اور ان کی احیائے سنت اور اماتت بدعت کی خدمات پر پانی پھیرنے کے لئے بعض حاسدین اور بدعت پسند لوگوں نے ان کی طرف طرح طرح کے غلط عقائد منسوب کرنے اور بے بنیاد الزامات لگانے کی مہم جاری کی ہوئی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی طرح اس زمانے میں بعض وہ حضرات جو علمائے دیوبند کی شاگردی کا دم بھرتے اور علمائے دیوبند کی طرف اپنے انتساب کو باعث فخر بھی سمجھتے ہیں نہ صرف یہ کہ مسلک علمائے دیوبند سے اختلاف رکھتے ہیں بلکہ دیوبند کے اجماعی مسلک کے خلاف علی الاعلان تقریر وتصنیف میں بھی مصروف ہیں۔ ان میں سے بعض ناتجربہ کاروں اور ناعاقبت اندیشوں کا تو یہ حال ہے کہ وہ حالات حاضرہ اور مقتضیات زمانہ سب کو نظر انداز کر کے اور سب سے ہی قطعی طور پر بے پرواہ ہوکر اس اجماعی مسلک کے خلاف دعوت مناظرہ اور چیلنج بازی تک سے بھی نہیں چوکتے اور وہ اس بات کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں کہ مناظرہ بازی کی اس فضاء سے شر وفساد کا دروازہ کھلتا اور باہمی تعاون اور افہام وتفہیم کا راستہ بند ہوتا ہے۔ نیز ملکی سطح پر بھی اس سے امن وامان کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس افتراق وانتشار کے مضر اثرات کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔ اس سے بھی یہ لوگ کلی طور پر خود کو بے نیاز کر لیتے ہیں۔

ایسے پر خطر دور فساد والحاد اور شرور وفتن سے پر زمانے میں، جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے اور اعتماد سلف کے ساتھ فکر آخرت کا دائرہ بھی سمٹتا چلا جا رہا ہے بلکہ خود مذہب سے بھی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ایک طرف نفس اسلام کے مقابلے میں الحادی قوتیں اپنی متفقہ طاقت کے ساتھ صف آراء ہیں اور دوسری طرف مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہد رفتہ کی رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ جہاں نفس اسلام اور مہمات اسلام کا تحفظ اور اصول دین کی تبلیغ واشاعت زیادہ قابل اہتمام ہو جاتی ہے وہاں اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دینی طبقوں میں جس جگہ بھی اجتماعی مسلک کے خلاف کوئی چنگاری سلگتی نظر آئے اسے اول مرحلے ہی میں بجھا دینے کی پوری جد وجہد کرنا ضروری ہے اور سواد اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی حافظین مذہب کا منصبی فریضہ ہے۔

دینی حکمت اور دانش مندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بیرونی حملے کے وقت بھی داخلی تحفظ کا خاص خیال رکھا جائے اور اس بات پر گہری نظر رکھی جائے کہ دینی حلقوں میں ایسی چنگاریوں کا برداشت ہوتے رہنا کہیں اجتماعی مسلک کو جلا کر خاکستر بنا دینے کا سبب تو نہیں بن رہا؟ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ تقاضۂ وقت کے مطابق مسئلہ حیات النبی ﷺ اور آپ کے سماع عند القبر کے بارے میں علمائے دیوبند کا صحیح مسلک واضح کر دیا جائے۔ مگر مناظرہ بازی سے عوامی فضاء کو مسموم اور حالات کو زیادہ خراب کرنے کی کوشش کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔

اس سے یہ حقیقت اچھی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ بدعت پسند جماعت نے جس طرح اکابر علمائے دیوبند کی طرف غلط عقائد کا انتساب کر کے ان کو بدنام کرنا چاہا ہے۔ اسی طرح مسلک علمائے دیوبند کی جو تصویر اور اس کا جو نقشہ یہ منتسبین دیوبند منبروں اور اسٹیجوں پر پیش کر رہے ہیں، جس سے روز بروز باہمی نزاع اور جدال بڑھتا جا رہا ہے اور آپس کے توحش و تنفر اور کشیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس کو بھی مسلک علمائے دیوبند سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ

جاننا چاہئے کہ سوادِ اعظم اہلسنت والجماعت کا سلف اور خلف سے یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیاوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو دنیا میں آپ کو حاصل تھی اور جس کو روضۂ منورہ میں دفن کیا گیا تھا۔

عالم برزخ میں حضور ﷺ کی ایسی حیات کا جو باعتبار تعلق بالبدن حیات جسمانی ہے آج تک سلف خلف سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جس نے بھی اس مسئلے پر خامہ فرسائی کی اسے اس متوارث مسئلہ کو تسلیم کرنے سے چارہ نہ رہا۔ احناف و شوافع، موالک و حنابلہ محدثین و متکلمین اور فقہاء، ائمہ دین میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی پتہ نہیں چل سکا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر روضۂ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (معاذ اللہ) فقط جمادی حیثیت میں ہے۔ بعض منتسبین دیوبند کا یہ خیال کہ قبور مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام کے اجسام صحیح وسالم اور محفوظ تو ہیں۔ مگر ان کے ارواح طیبات کا ان کے اجسام مبارکہ سے تعلق کچھ نہیں ہے اور وہ قبر مبارک کے پاس سے عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کا سماع بھی نہیں فرماتے۔ مسلک علمائے دیوبند ہی کے نہیں بلکہ جمہور علمائے اہلسنت والجماعت کے اجماع کے بھی خلاف ہے اور پہلے عرض کیا گیا ہے کہ مسلک علمائے دیوبند کوئی نیا مسلک نہیں ہے بلکہ جمہور اہلسنت والجماعت کے مسلک کا نام مسلک علمائے دیوبند ہے۔ اس سے جو خیال مسلک علمائے دیوبند کے خلاف ہوگا وہ جمہور اہلسنت کے بھی خلاف ہوگا۔ اس حقیقت کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہی بعض آزاد مقررین یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم دیوبندی نہیں ہیں اور وہ اپنے دیوبندی ہونے کی نفی کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ اگر ان کی نظر اس حقیقت پر ہوتی کہ دیوبندی ہونے کی نفی کرنے سے اہلسنت ہونے کی نفی بھی ہو جاتی ہے تو وہ اپنے دیوبندی ہونے کی یوں برملا نفی کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

غلط نظریہ

ان لوگوں کا یہ خیال دراصل اس غلط نظریے کا نتیجہ ہے کہ موت کے بعد ثواب وعقاب کا سارا معاملہ صرف

روح سے ہوتا ہے اور اگر بدن یا اجزائے بدن سے اس معاملے کا تعلق ہوتا بھی ہے تو پھر بھی روح کا تعلق ان ابدان عنصر یہ مدفونہ سے نہیں ہوتا۔ بغیر تعلق روح کے ہی یہ بدن یا اجزائے بدن مثاب یا معذب ہوتے ہیں۔

یہ نظریہ جمہور اہلسنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب وعقاب کا معاملہ صرف روح سے نہیں بلکہ اجساد عنصریہ مدفونہ یا اس کے اجزاء بھی جس حالت میں بھی وہ پائے جاتے ہوں اور جس مقام میں بھی وہ ہوں روح کے تعلق سے لذت والم کا ادراک کرتے ہیں اور قبر کے ثواب وعذاب کا معاملہ روح اور بدن دونوں کے مجموعے سے متعلق ہوتا ہے۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد خواہ علیین اور سجین میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں ان کا ایسا تعلق اجساد عنصریہ مدفونہ یا اس کے اجزاء سے ضرور قائم کیا جاتا ہے جس سے لذت والم کا ادراک ہو سکے۔

معتزلہ اور روافض کا نظریہ

اہلسنت والجماعت کے برخلاف معتزلہ اور روافض عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ قبر میں عذاب وثواب کچھ نہیں ان کے نزدیک اجساد مدفونہ محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں اور عالم برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح وبدن میں کلی مفارقت رہتی ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے: ''وانکر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض ''اور بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔ (ص ۷۲)

معتزلہ کی شاخ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ ہیں تو جمادی حیثیت میں، لیکن عذاب وثواب قبر پھر بھی حق ہے۔ حالانکہ جب جماد میں حس ہی نہیں ہے تو اس کی تعذیب وتنعیم اور لذت والم کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ میت کو جماد تسلیم کرتے ہوئے عذاب قبر کا اقرار کرنا محض سفسطہ اور مغالطہ دہی اور در پردہ انکار کی ہی اقرار نما صورت ہے۔ حق یہی ہے جو اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور قرآن وسنت کے سرچشمے اسی عقیدے کی آب یاری کرتے ہیں۔

علامہ خیالی فرماتے ہیں: ''جوّز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطة'' ان میں سے بعض نے بغیر حیات بدن کے معذب ہونے کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نری حماقت ہے۔ (خیالی ص ۱۱۸)

علامہ عبدالحکیم اس کی وجہ میں فرماتے ہیں: ''لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه'' اس لئے کہ جماعت میں (الم ولذت کا) احساس نہیں ہوتا تو اس کی تعذیب کیسے متصور ہوسکتی ہے۔ (حاشیہ عبدالحکیم)

خلاصۃ المرام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو روضۂ منورہ میں ان بعض منتسبین دیوبند کے کہنے کے مطابق محض بے حس وبے شعور اور جماد مطلق تسلیم کرلیا جائے تو معتزلہ اور روافض کے اس اصول کو صحیح تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وفات کے بعد روح وبدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان میں کلی مفارقت رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن وسنت کے پیش نظر یہ اہل حق کا نظریہ نہیں ہوسکتا۔ عقائد اہلسنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح کی گئی ہے اور اس عقیدہ کو ضروریات اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے۔

جو شخص اس کا قائل نہیں وہ معتزلہ اور روافض کے موافق اور اہلسنت کا مخالف ہے اور اگر بتاویل قائل ہے تو اس کے فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔

دعوت فکر

جو حضرات یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ صرف اکرام محفوظ ہیں اور ارواح مطہرہ سے ان کو کلی مفارقت ہے۔ اس لئے وہ حیات النبی ﷺ کے ماننے والوں اور سماع عندالقبر کے قائلین کے خلاف، قرآن کریم کی ان آیات کو بہ کو چسپاں کر کے، جن کو مشرکین کے خلاف پیش کیا جاتا تھا۔ اس عقیدہ کا شرکیہ ہونا ثابت کرنے میں مصروف ہیں اور ایسے عقیدے والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا اعلان کررہے ہیں۔ ان کو اپنی اس روش پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔ اس قدر بے جا شدت اور غلو کے ساتھ جمہور اہلسنت کے عقیدہ سے خلاف کا اظہار کرنا کسی طرح بھی موزوں اور قابل تحمل ہوسکتا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس قدر غالیانہ انداز فکر اور متشددانہ طرز عمل سے اپنے حزبی اور گروہی تعصب کے آشکارا کرنے کے سوا اور کیا حاصل کیا جاسکتا ہے؟

عود روح فی الجسد

جمہور اہلسنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ موت کے بعد قبر میں یا جہاں بھی میت کا جسد عنصری یا اس کے اجزا ہوں روح کا عود ہوتا ہے اور جسد، میت یا اس کے اجزاء میں اس عود روح کی وجہ سے پھر حیات قائم ہو جاتی ہے۔ یہ عود دخول روح در جسد کی صورت میں ہوتا ہو یا اتصال روح بجسد سے ہوتا ہو، بہر حال اتنی بات مجمع علیہ اور یقینی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے کہ بدن مدفون (یا اجزائے بدن) دخول روح یا اس کے تعلق سے فائز الحیات ہو جاتا ہے۔

صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں ہے: "تعاد روحه فی جسده الخ" اس کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۸)

اس حدیث کی سند کے بارے میں حافظ نورالدین الہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح" اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کے سب راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۹)

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ھذا حدیث مشھور مستفیض صححه جماعة من الحفاظ الخ" یہ حدیث مشہور مستفیض ہے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۸، ۵۹)

ایک اور جگہ اس حدیث کو حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بدن کی طرح روح کے لوٹنے کے بارے میں نص صریح قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: "النص الصریح وھو قوله ﷺ فتعاد الروح فی جسده" حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ نص (صحیح) اور صریح ہے۔ (کتاب الروح ص ۵۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو "کما ثبت الحدیث" (فتح الباری ج ۵ ص ۷۴) جیسا کہ یہ حدیث ثابت ہے، کہہ کر صحیح قرار دیا ہے۔

غرضیکہ یہ حدیث اصول حدیث کی رو سے بالکل صحیح اور مذہب اہلسنت والجماعت کی قوی دلیل ہے۔ علامہ ابن قیم نے اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ عود روح کی حدیثیں صحیح اور متواتر ہیں: "قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال" شیخ

الاسلام نے کہا ہے کہ صحیح حدیثیں جو کہ متواتر ہیں بتلا رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔
(کتاب الروح ص ۶۲)

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، ابن حزم رحمہ اللہ اور ابن ہبیرہ رحمہ اللہ کی اس رائے کی کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کے طرف نہیں لوٹائی جاتی، تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وخالفهم الجمهور فقالوا تعادالروح الى الجسد او بعضه كما ثبت فى الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذالك اختصاص'' اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض حصہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اگر اس کا تعلق صرف روح سے ہوتا تو بدن کی اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی۔
(فتح الباری ج ۵ ص ۷۳)

علامہ آلوسی بغدادی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''والجمهور على عود الروح الى الجسد كله او بعضه وقت السوال على وجه لا يحس به اهل الدنيا الا من شاء الله منهم'' جمہور اہلسنت اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹایا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے تو محسوس کرا دے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۷)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۵۰ھ ارشاد فرماتے ہیں: ''واعادة الروح اى ردها او تعلقها الى العبد اى جسده بجميع اجزائه او بعضها مجتمعة او متفرقة فى قبره حق'' اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزائے بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰ ملا علی قاری)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ المتوفی ۲۴۱ھ فرماتے ہیں: ''والايمان بملك الموت بقبض الارواح ثم ترد فى الاجساد فى القبور فيسألون عن الايمان والتوحيد'' ملک الموت کے ارواح کو قبض کرنے پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عود روح الی الجسد کا عقیدہ صرف بعد کے متاخرین حضرات ہی کا اختیار کردہ نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ایک امام اس کو حق اور دوسرے ایمان ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان کے فرمان کی بنیاد صحیح اور صریح حدیثیں ہیں۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

شرح عقائد نسفی کے شارح علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ صاحب نبراس فرماتے ہیں: ''ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح تعاد فى الجسد عند السوال فالجواب بانكار الاعادة غير موجه'' احادیث صحیحہ ناطق ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس لئے اعادے کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں ہے۔
(نبراس ص ۳۳)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کشمیری فرماتے ہیں: ''ثم السوال عندى يكون بالجسد مع

الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ فی الایمان" میرے نزدیک قبر کا سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعے سے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے بھی کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (فیض الباری ص ۱۸۵)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے: "ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامۃ" جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے عام علماء کے قول کے مطابق اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۴۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت بدن عنصری میں روح کا اعادہ کیا جاتا ہے اور بدن مادی یا اس کے اجزاء اور روح دونوں سے یہ سوال وجواب وابستہ ہے۔ جمہور اہلسنت کا مسلک یہی ہے اور بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ احادیث صحیحہ متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

عذاب قبر اور مذہب اہل السنۃ

سوال کی طرح ہی قبر کا ثواب وعذاب بھی بدن یا اجزائے بدن اور روح دونوں کے مجموعہ سے وابستہ ہے۔ بدن یا اجزائے بدن سے، خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں، عذاب وثواب کا یہ تعلق روح واسطہ رہتا ہے اور عذاب وثواب اس بدن مادی عنصری کو روح کے تعلق سے ایک گونا حیات حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

صرف روح یا بدن کے عذاب وثواب یا روح وبدن کے تعلق کے بغیر دونوں کے علیحدہ علیحدہ معذب ومثاب ہونے کا نظریہ جمہور اہل اسلام کے خلاف ہے۔

عقائد اہلسنت کی درسی کتاب الخیالی کے مشہور محشی علامہ ایوبی رحمہ اللہ اس مسئلے میں مذاہب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اعلم ان المذاھب فی ھذا المقام ثلاثۃ الاول المیت حیی فی قبرہ فیعذب وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والحق والثانی انہ جماد لا یعذب ولا یدرک العذاب وھذا ھو مذھب جمھور المعتزلۃ والروافض والثالث انہ جماد یعذب وھو مذاھب الصالحیۃ من المعتزلۃ ومذھب ابن جریر" (الخیالی ص ۱۱۸)

جاننا چاہئے کہ اس مقام میں تین مذاہب ہیں۔ پہلا مذہب اہلسنت اور اہل حق کا ہے وہ یہ کہ میت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب ہوتا ہے، دوسرا جمہور معتزلہ اور روافض کا مذہب ہے وہ یہ کہ میت بالکل جماعت ہوتی ہے نہ تو اس کو عذاب ہوتا ہے نہ ادراک عذاب اور تیسرا مذہب معتزلہ کے فرقہ صالحیہ اور ابن جریر (کرامی) کا ہے وہ یہ کہ میت جماد ہوتی ہے (اس میں روح بالکل نہیں ہوتی اس کے باوجود) اس کو عذاب ہوتا ہے۔

قبر میں صرف روح کے معذب ومثاب ہونے کے علامہ ابن حزم اور ابن میسرہ اور صرف بدن بغیر روح کے معذب ہونے کے، محمد بن جریر کرامی اور ان کے اتباع ہی قائل ہیں۔ مگر اہلسنت اور اہل حق کا مذہب یہی ہے کہ میت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے اور بدن وروح کے مجموعہ پر عذاب وثواب ہوتا ہے۔ بدن پر بغیر روح کے عذاب وثواب کا عقیدہ معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور کرامیہ کا ہے۔ اہلسنت اور اہل حق کے نزدیک روح کے بغیر بدن جماد محض ہے۔ اس لئے اس کی تعذیب اور تثویب غیر معقول ہے اور حیات کے بغیر جماد میں الم ولذت کا احساس غیر متصور ہے۔ جیسا کہ علامہ خیالی اور علامہ عبدالحکیم کی عبارت بالا میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ اہلسنت کے نزدیک قبر کا عذاب وثواب بوجہ اعادۂ روح اور احیاء کے بدن میں حصول حیات سے ہوتا ہے۔

علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: ''ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبدالله بن كرام وطائفة فقالوا لا تشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون في الحي الخ'' پھر اہلسنت کے نزدیک بعینہٖ جسد یا اس کے جزء کی طرف روح کے لوٹائے جانے کے بعد سزا دی جاتی ہے اور اس کا محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک گروہ مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لئے اعادہ روح شرط نہیں ہے لیکن ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ فاسد ہے۔ کیونکہ درد اور اس کا احساس زندہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

علامہ سید محمود الحنفی آلوسی رحمہ اللہ مفتی بغداد فرماتے ہیں: ''وتحقيقه في شرح الشمائل للعلامة ابن حجر رحمہ اللہ ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هي متعلة مشرقة على سائر اجزاء وان تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب ولعل هذا الاشراق على الاجزاء الاصليه لانها التي يقوم بها الانسان من قبره يوم القيامة على ما اختاره جمع'' اس کی تحقیق علامہ ابن حجر کی شرح شمائل میں ہے پھر تو جان لے کہ روح کا بدن کے ساتھ اتصال خاص نہیں ہے کہ کسی ایک جزو کے ساتھ ہو اور دوسرے جز سے نہ ہو۔ بلکہ یہ بدن کے تمام اجزاء کے ساتھ متصل ہے اور اس کا تمام اجزاء پر پرتاؤ ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اور ایک جزو مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہو اور شاید کہ روح کا یہ پرتاؤ اصلی اجزاء پر ہو کیونکہ یہی وہ اجزا ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا جیسا کہ ایک بڑی جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳)

علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ الفاظ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''فيعاد الروح في جسده'' ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا التفات الى قول البعض ولا الى قول ابن حجر الى نصفه فانه لا يصح ان يقال من قبل اعقل بل يحتاج الى صحة النقل'' حدیث کے ظاہر سے ثابت ہو رہا ہے کہ میت کے تمام بدن میں روح کا عود ہوتا ہے اس لئے بعض لوگوں کے اس قول کی طرف التفات نہ کیا جائے کہ بعض بدن کی طرف عود ہوتا ہے اور نہ ابن حجر کے قول کی طرف توجہ کی جائے کہ نصف بدن میں عود ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بات عقل سے نہیں کہی جا سکتی بلکہ صحیح نقل کی محتاج ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''واذا جاز ان يكون المؤمنون تداحيوا في قبورهم قبل يوم القيامة وهم منعمون فيها جاز ان يحي الكفار في قبورهم فيعذبوا'' اور جب یہ جائز ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور وہ قبور میں راحت پاتے ہیں تو جائز ہے کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ کیا جائے اور عذاب دیا جائے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۸)

''احياء الموتى في قبورهم ومسئلة منكر ونكير عذاب القبر للكافر والفاسق كلها حق عندنا واتفق عليه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق عليه الاكثر بعده'' اور منکر نکیر کا سوال اور کافر و فاسق کے لئے عذاب قبر سب مسئلے ہمارے نزدیک حق ہیں اور اختلاف سے پہلے سلف امت اور اختلاف رونما ہونے کے بعد امت کی اکثریت ان کے حق ہونے پر متفق رہی ہے۔ (مواقف مع الشرح ۷۱۵)

مواقف کے شارح علامہ سید شریف الجرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''واذ ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئلة لان کل من قال بعذاب القبر قال بهما'' اور جب میت کا معذب ہونا ثابت ہوا تو اس کا زندہ کرنا اور اس سے سوال بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ جو شخص بھی عذاب قبر کا قائل ہے وہ زندہ کرنے اور سوال کا بھی قائل ہے۔

(شرح مواقف ص ۷۱۶)

ان عبارات سے بھی واضح ہے کہ سلف امت میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہیں تھا کہ مردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو ان کے اجسام میں لوٹایا جاتا ہے اور منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے، بعد میں معتزلہ وغیرہ کا گروہ پیدا ہوا اور اختلاف رونما ہوا۔ مگر جمہور امت، سلف صالحین کے ساتھ ہیں اور احیاء موتی فی القبور کے قائل ہیں اور جو شخص بھی عذاب قبر کا قائل ہے اس کو احیاء موتی فی القبر، قبر میں میت کے زندہ کرنے اور نکیرین کے سوال کا قائل ہونا ضروری ہے۔ احیاء فی القبر کے قائل ہوئے بغیر عذاب قبر کا اقرار کرنا حقیقت میں اس کا انکار کرنا ہے۔

منکرین حیات کا اعتراض اور اس کا جواب

منکرین حیات کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ بعض مردوں کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ بنا کر بہا دیا جاتا ہے اور بعض سولی پر لٹکا دیئے جاتے ہیں تو ان میں حیات کیسے اور کہاں سے آ جاتی ہے؟ جب کہ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے کسی کو ان میں حیات نظر نہیں آتی اور دیکھنے والوں کو میت کا اٹھنا بیٹھنا حس و حرکت چیخ و پکار کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

علمائے اہلسنت نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا ہے کہ جس حیات کا قبر میں سوال نکیرین اور عذاب وثواب کے لئے اثبات کیا جاتا ہے۔ اس سے بعینہٖ ایسی حالت کا صلہ مراد نہیں ہے جیسی کہ دنیا میں تھی یا قیامت میں حاصل ہوگی۔ جس کو دوسرے لوگ بھی محسوس کر سکیں۔ بلکہ ایسی حیات مراد ہے جس میں ایسا ادراک وشعور پیدا کر دیا جائے جس سے میت کو عذاب وراحت اور الم ولذت کا ادراک اور احساس ہو سکے۔ جب اس میں ادراک اور احساس کی ایسی کیفیت پیدا ہوگی تو وہ زندہ کہلائے گا نہ جماد۔

میت کا اٹھنا بیٹھنا وغیرہ اگرچہ ہمیں محسوس نہیں ہوتا۔ مگر اس سے میت پر وارد ہونے والی ان کیفیات کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ میت یا اس کے اجزاء میں جس جگہ بھی وہ ہوں چاہے جانوروں کے پیٹ میں ہوں یا سمندر کی تہہ میں، ادراک وشعور کی کیفیت پیدا کر دے؟ اور کیا اجزائے متفرقہ میں اعادۂ روح اور حیات کا تحقق قدرت خداوندی سے خارج ہے؟

علامہ نووی شافعی رحمہ اللہ شرح مسلم میں اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: ''قال اصحابنا ولا یمنع من ذالک کون المیت قد تفرقت اجزاءه کما نشاهده فی العادة او اکلته السباع او حیتان البحر او نحو ذالک فکما ان اللہ تعالٰی یعیده للحشر وهو سبحانه وتعالٰی قادر علی ذالک فکذا یعید الحیوة الٰی جزء فیه وان اکلته السباع والحیتان'' ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ میت کے اجزاء بکھر

جائیں جیسا کہ عادۃً ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یا اس کو درندے کھا جائیں یا مچھلیاں لقمہ بنالیں یا اسی طرح کی کوئی صورت پیش آجائے تو جیسے اللہ تعالیٰ میدان حشر میں جسم کے لوٹانے پر قادر ہے اسی طرح جسم کے کسی جز میں زندگی لوٹانے پر بھی قادر ہے، اگر چہ اس کو درندے اور مچھلیاں کھا جائیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵، ۳۸۶)

علم کلام کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالشکور سالمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فاذا کان الروح متصلاً بالشخص سواء کان عظماً او لحماً او ترابا فانہ یتالم'' جب روح کا بدن سے تعلق ثابت ہے تو بدن کو الم اور دکھ پہنچے گا عام اس سے کہ بدن ہڈی یا گوشت یا مٹی ہو جائے۔ (تمہید ص ۱۳۵)

علامہ ابن القیم الحنبلی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''فلو اکلتہ السباع او احرق حتی صار رماداً و نسف فی الھواء او ھلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ و بدنہ من العذاب ما یصل الی القبور'' سو اگر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو یہاں تک کہ راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو یا دریا برد ہو چکا ہو۔ بہر کیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ کو حاصل ہوتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۷۱)

علامہ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد علامہ مقدسی رحمہ اللہ اس اعتراض کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: ''ولو سلم اشراطھا جاز ان یحفظ اللہ تعالٰی من الجزاء ما یتاتی بہ الادراک بان یصلح بنیۃ وان کان المیت فی بطون السباع و قعور البحار و غایۃ ما فی الباب ان یکون بطن السبع ونحوہ قبرالہ الا یمتنع ان لا یشاھد الناظر منہ ما یدل علٰی ذالک فان النائم ساکن بظاھرہ وھو مع ذالک لا یدرک من الآلام واللذات ما یحس تاثیرہ عند یقظۃ من منامہ و خروج منی من جماع راہ فی منامہ'' اور اگر اس (ڈھانچے) کا شرط ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ڈھانچے سے ان اجزاء کی حفاظت فرمالیں جس سے عذاب کا ادراک ہو سکے۔ اگر چہ میت درندوں کے پیٹوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں ہو یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ درندے کا وغیرہ کا پیٹ اس کے لئے قبر ہوگا اور اس لئے کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میت عذاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ خوابیدہ شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے پھر وہ تکالیف اور لذت کا اثر محسوس کرتا ہے اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے بعد بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ مار جو اس کو بحالت نیند پڑی ہو اس کا درد اور منی کا خروج کہ بحالت نیند اس نے جماع کیا ہو بیداری کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔ (المسامرہ مع المسایرہ ج ۲ ص ۱۱۷)

اہلسنت والجماعت کے حنفی، شافعی، حنبلی تینوں مسالک کے علمائے کلام منکرین حیات کے اس اعتراض کی تردید میں بہ یک زبان لکھ رہے ہیں کہ قبر کے حالات کا مشاہدہ نہ ہونے کے باوجود اس حیات کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور آگ میں جل جانے یا درندوں کے پیٹ میں ہونے، اسی طرح قعر دریا میں ڈوب جانے سے، حیات قبر کا انکار لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ میت جگہ اور جس حالت میں بھی ہو اسی جگہ اور اسی حالت میں اعادۂ حیات کر کے اس کو عذاب و ثواب میں رکھے۔ اس صورت میں اس زمینی قبر کی بجائے اس کی قبر وہی جگہ ہوگی جس جگہ میت یا اجزائے میت ہوں گے۔ متکلمین اسلام کے اس کہنے اور لکھنے کے باوجود بھی وہی فرسودہ اعتراضات اور اشکالات جو پہلے معتزلہ نے کئے تھے اب بھی کئے جارہے ہیں، جن کا بار بار جواب دیا جا چکا ہے۔

انکار حیات کا منشاء

دراصل منکرین کے انکار حیات کا منشاء یہ ہے کہ وہ قبر اور برزخ کے معاملات کو اپنی عقل نارسا کی ترازو میں تولنا اور اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ قبر و برزخ کے معاملات ماورائے عقل ہوتے ہیں اور وہاں کے حالات کو عام طور پر ہماری مادی نگاہوں سے اوجھل رکھا گیا ہے اور عادتاً عالم برزخ کی چیزیں ہمیں اس دنیا میں نظر نہیں آتی اور ایمان بالغیب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عام طور پر ان کو ہماری ان آنکھوں اور حواس ظاہرہ سے پوشیدہ رکھا جائے۔

عالم برزخ

انسان عالم برزخ میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردے میں ہو جاتا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے ''ومن ورائهم برزخ الٰى يوم يبعثون'' (المؤمن) اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

برزخ ایک ایسا پردہ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں اور اس کی انتہاء قیامت پر ہے۔ ہاں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام کو اس عالم کی بطور خرق عادت کے کبھی سیر کرا دی جاتی ہے۔ یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا اس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرض خفا میں ہے اس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور اپنی عقل نارسا کو دخل نہ دیں اور فوق العقل کو خلاف عقل قرار دے کر منقولات صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قبر اور عالم برزخ میں جسد میت کی طرف روح کا اعادہ ہوتا ہے اور اس سے ایک گونا حیات حاصل ہو کر ثواب و عذاب کے معاملات روح و جسم دونوں سے وابستہ ہیں تو اب سطحی قسم کے عقلی استبعادات کی بناء پر جسم کو معاملات قبر سے علیحدہ کہنا اور صرف روح پر ان کے وارد ہونے کو تسلیم کرنا یا بغیر تعلق روح علیحدہ علیحدہ دونوں کے معذب و مثاب ہونے کا قول کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

صحیح حدیث سے جسم کے معذب ہونے کا ثبوت

صحاح ستہ کی کتابوں میں حضرت ابو سعید خدری، حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں: ''عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال كان رجل يسرف على نفسه فلما حضره الموت قال لبنيه اذا انا مت فاحرقوني ثم اطحنوني ثم ذروني في الريح فوالله لئن قدر الله على ليعذبني عذابا ما عذبه احدا فلما مات فعل به ذالك فامر الله تعالى الارض فقال اجمعي ما فيك منه ففعلت فاذا هو قائم قال ما حملك على ما صنعت قال خشيتك يا رب فغفر له'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا۔ بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے

مجھ پر تنگی کی تو مجھے وہ ایسی سزائیں دیں گے جو اور کسی کو اس نے نہیں دی۔ جب اس کی وفات ہوئی تو اس سے یہی کارروائی کی گئی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گیا تو وہی آدمی کھڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کارروائی تم نے کیوں کی؟ اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار، رسول اللہ نے اسے بخش دیا۔ (الحدیث بخاری ج ۱ ص ۴۹۵)

اور ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا دریا میں بکھیر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۷ و مسلم ج ۲ ص ۳۵۶)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ پروردگار عالم نے میت کی راکھ کو بحر و بر سے جمع فرما کر اسے انسان بنایا اور پھر اس سے سوال فرمایا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اس مسئلے پر بحث فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں، بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے۔ گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں۔ لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلا دیں خواہ ڈوب جائے۔ ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق بالاتر از فہم رہتا ہے۔ اس کی نظیر ایک تار برقی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے۔ ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار کو دنیا کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا مناسب ہے۔ کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۱۲۷، ۱۲۸)

اور فرماتے ہیں: ''جس کے ٹکڑے ٹکڑے اور اجزا الگ الگ ہو کر پراگندہ ہو جاویں خدا قادر مطلق پر نہ مشکل اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزاء میں روح کو پیوست کر دے اور درد و لذت اور دکھ دسکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے۔'' (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۱۱۹)

ہمارا مقصد تمام حوالوں کا استیعاب نہیں ہے بلکہ مختصر طریقے پر یہ بتلانا ہے کہ قبر کے معاملات میں روح کے تعلق کے ساتھ بدن یا اجزائے بدن بھی شریک ہوتے ہیں اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں جو عود روح الی البدن کے ساتھ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے اس کی تائید بخاری اور مسلم کی اس صحیح حدیث سے بھی ہو رہی ہے اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی وضاحت بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔ یہی عقیدہ حق ہے اور جمہور اہلسنت والجماعت کا اسی کے مطابق اعتقاد ہے۔

حضرت مفتی اعظم دیوبند کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند سے سوال ہوا کہ: ''زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کہ مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟ حضرت رحمہ اللہ نے ارقام فرمایا:

الجواب (۱) قبر میں ہی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اسی کا علیین یا سجین ہے۔ (۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۲۶، ۴۲۷)

اور ایک سوال یہ تھا کہ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کردی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا ''جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے۔ فقط'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۲)

حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے ان فتاویٰ سے واضح ہے کہ قبر میں سوال وجواب اور عذاب وثواب جسم سے بہ تعلق روح ہوتا ہے۔ اگرچہ روح کا مستقر اصلی علیین یا سجین ہے۔

منکرین حیات کا ایک اور اعتراض

قبر کی اس حیات پر منکرین نے ایک اور یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کے پیش نظر اس حیات کو تسلیم کرلیا جائے تو یہ قرآن کریم کی نصوص کے خلاف ہوگا۔ مثلاً ایک مقام پر کفار کا قول نقل فرمایا گیا ہے: ''قالوا ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین'' وہ کہیں گے کہ ہمارے رب تو موت دے چکا ہم کو دوبار اور زندگی دے چکا ہم کو دوبارہ۔ (المومن)

اور دوسرے مقام میں ارشاد ہے: ''کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون'' (تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تم بے جان تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو دفعہ کی حیات اور دو دفعہ کی موت ہی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اگر قبر میں حیات تسلیم کرلی جائے تو بجائے دو دفعہ کی حیات کے تین دفعہ کی حیات ثابت ہوگی اور حدیث براء رضی اللہ عنہ سے عود روح الی البدن کے ساتھ چونکہ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے اس لئے یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور تشریحات سلف سے بے نیازی اختیار کرکے بالاستقلال قرآن کریم کی دعوت دینا اور اس کی مراد اور مفہوم کو اپنی رائے سے اپنے مقصد کے مطابق متعین کرکے عوامی سطح پر احادیث کو قرآن کریم سے اس طرح ٹکراتے چلے جانا کہ جس حدیث کو اپنے مقصد کے خلاف پایا، اسی کو قرآن کریم کے خلاف کہہ دیا۔ یہ کس قدر مغالطہ آمیز انکار حدیث کی صورت پیدا کردی گئی ہے۔ جن اکابر رحمہم اللہ اور سلف صالحین نے قبر کی اس حیات کو تسلیم کیا ہے کیا انہوں نے نص قرآنی کی مخالفت کی ہے؟

بات یہ ہے کہ ثم یحییکم سے قطعی طور پر قیامت کے دن کی حیات مراد لینا ہی متعین نہیں ہے بلکہ بعض مفسرین نے معترض کے علی الرغم اس سے قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت کی حیات بھی مراد لی ہے اور اس سے احیاء فی القبر کا اثبات کیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابوالسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثم یحییکم بالنشور یوم ینفخ فی الصور او للسوال فی

القبور '' (تفسیر ابوالسعود ج۱ ص۴۲) پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد قبروں سے تمہیں نکالے گا یا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قبور میں سوال کے لئے تمہیں زندہ کرے گا۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے (ج۱ ص۵۶) پر اور امام رازی رحمہ اللہ نے (تفسیر کبیر ج۱ ص۱۵۱) پر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے (ج۱ ص۶۷) پر اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے (روح المعانی ج۲۴ ص۵۲) پر ''احییتنا اثنتین'' کی تفسیر میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس تفسیر کے لحاظ سے قیامت کے دن کی حیات ''ثم الیہ ترجعون'' سے ثابت ہے۔

اسی طرح دوسری آیت ''احییتنا اثنتین'' میں جن دو حیاتوں کا ذکر ہے ان میں بھی ایک حیات قبر کی شامل ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن سے پہلے ماضی میں دو دفعہ کی حیات جب ہی ثابت ہو سکے گی جب ایک حیات دنیا کی ہو اور اس کے ساتھ دوسری حیات قبر کی شمار کی جائے۔ اس لئے کہ قیامت سے زمانہ ماضی میں یہی دو حیاتیں ہیں جن کی تعبیر ''احییتنا اثنتین'' ماضی کے صیغے سے کی جارہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت سے پہلے یہ دو حیاتیں حاصل ہو چکی ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان آیتوں میں دو دفعہ کی جس حیات کا ذکر ہے وہ حیات مطلقہ حیات کاملہ اور پوری حیات ہے جس میں دن کو فروغ پانے اور جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور اس کی حرکات محسوس و شاہد ہوتی ہیں۔ بلاشک یہ حیات کاملہ یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا پھر قیامت کے دن ہوگی۔ رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں ہے بلکہ فی الجملہ اور نوع من الحیات ہے۔ اس میں بدن عنصری نہ تو دنیاوی خوراک وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے نہ ہی عام طور پر اس کی حرکات کا احساس اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی پہلے زمانے میں معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں نے عذاب قبر اور راحت قبر کے بارے میں بڑے بڑے مغالطے دے کر عوام کے ذہنوں میں الجھنیں پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور آج بھی انہیں کی طرح حیات فی القبر کو نصوص قرآن کے خلاف کہا جارہا ہے۔ حالانکہ اس حیات کے تسلیم کرنے سے قرآن کریم کی کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ اس کو نصوص قرآنیہ کے خلاف سمجھنا کوتاہ فہمی پر مبنی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا جواب سے واضح ہے۔

ایک اور مغالطہ کا ازالہ

اسی طرح منکرین حیات کا یہ مغالطہ بھی اصول اہلسنت سے بے خبری پر مبنی ہے کہ اخبار احاد سے یہ مسئلہ کیوں کر ثابت کیا جاسکتا ہے؟ عقیدہ ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر الاسناد ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اخبار احادیث بھی جو اپنی اپنی جگہ اگرچہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں لیکن وہ سب مل کر اگر کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں تو ان سے ایسے یقین کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے جس پر عقیدے کی بنیاد قائم کی جاسکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اور اتفاق اس کے مسلمہ حقیقت ہونے کی شہادت دے دیں تو یہ بنیاد یقین اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وانما الادلة المعتبرة ههنا المستقراة من جملة ادلة ظنية تظافرت

علی معنی واحد حتی افادت فیه القطع فان للاجتماع من القوة ما لیس للافتراق ولاجله افاد التواتر القطع وهذا نوع منه فاذا حصل من استقراء ادلة المسئلة مجموع یفید العلم فهو الدلیل المطلوب وهو شبیه بالتواتر المعنوی" عام طور پر جو دلائل یہاں پر معتبر ہیں وہ اسی قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگرچہ ظنی ہوں مگر کسی قدر مشترک پر سب کے متفق ہو جانے کی وجہ سے خاص اس مسئلے میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اجتماع کے بعد جو قوت پیدا ہو جاتی ہے وہ انفرادی حیثیت میں نہیں ہو سکتی۔ متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لئے متفرق دلائل جمع ہو جائیں تو ان کے مجموعے سے اس قدر مشترک کے لئے ایک یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔ (الموافقات ج۱ ص۳۶)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واحادیث الاحاد لو ثبت انما تکون ظنیة اللهم اذا تعدد طرقه بحیث صار متواتراً معنویاً فحینئذ قد یکون قطعیاً" اخبار احاد اگر ثابت بھی ہوں تو بھی ظنی ہیں ہاں اگر ایک ہی مضمون متعدد طریقوں سے اس طرح مروی ہو کہ تواتر معنوی پیدا ہو جائے تو اس وقت یہ قدر مشترک بھی قطعی اور یقینی ہو جاتا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۹ طبع مصری)

عذاب قبر کا عقیدہ جن احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ بھی اگرچہ اخبار احاد ہیں اور لفظاً متواتر نہیں مگر قدر مشترک اور معنی کے اعتبار سے متواتر ہیں۔

شرح مواقف میں ہے: "والاحادیث الصحیحة الدالة علیه ای علی عذاب القبر اکثر ان تحصی بحیث تواتر القدر المشترک وان کان کل واحد منها من قبیل الاحاد" عذاب قبر کو اس قدر صحیح حدیثیں ثابت کرتی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے اگرچہ ہر ایک خبر واحد ہے مگر ان کا قدر مشترک متواتر ہے۔ (ص۷۱۶)

شرح عقائد نسفی میں ہے: "وبالجملة الاحادیث فی هذا المعنی وفی کثیر من احوال الاخرة متواترة المعنی" (ص۷۲)

خلاصہ یہ ہے کہ اس مطلب (یعنی عذاب قبر) اور آخرت کے بہت سے حالات میں معنی کے اعتبار سے متواتر حدیثیں ہیں۔

قرآن کریم نے عالم آخرت کی بہت سی تفصیلات پیش کی ہیں مگر آخرت کی پہلی منزل عالم برزخ اور قبر پر اجمال واشارات ہی کی مصلحت کارفرما ہے۔ اس لئے عذاب قبر کا ذکر اجمالی طور پر ہی قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور اس کی تشریح اور تفصیل احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جو لوگ احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھنے کی بجائے محض اپنی نارسا عقل اور مادی طبیعت سے قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کرنے کے عادی ہیں ان کی سمجھ میں وہ تشریحات نہیں آتیں جن کو احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے اور ان کو سلف صالحین نے قبول کیا ہے۔ اس لئے وہ ان تشریحات کو قرآن کریم کے اجمال سے ٹکرا کر ان کے رد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

قبر کا مفہوم

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور اور اس کا مادہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے: "واذا القبور بعثرت، ولا تقم علی

قبرہ, فاماتہ فاقبرہ'' اور احادیث میں تو اس کثرت سے یہ لفظ آیا ہے کہ ان کا آسانی سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ قبر کا لفظ حقیقتاً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور اس کا جسد عنصری اس میں رکھا جاتا ہے۔ مفردات امام راغب (ص ۳۹۰) میں ہے ''البقر مقر المیت'' قبر میت کی قرارگاہ ہے۔

عذاب قبر کی حدیثیں اس کا واضح ثبوت ہے کہ قبر سے مراد یہ زمینی گڑھا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی دو حصے کر کے گاڑی تھی۔ (بخاری ج ا ص ۳۵ و مسلم ج ا ص ۱۴۱) ظاہر ہے کہ وہ بھی حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے اسی طرح قبیلہ بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں ان کے پاس گزرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا خچر بدکا تھا۔ (مسلم ج ا ص ۳۸۶)

وہ بھی یہی ظاہری حسی قبریں تھیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے: ''ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون مدبرین'' میت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے اس سے واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے۔ (الحدیث بخاری ج ا ص ۱۷۸ و مسلم ج ا ص ۳۸۶)

اور دوسری حدیث میں آیا ہے: ''اذا وضعتم موتاکم فی قبورھم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ'' جب تم اپنے مردوں کو قبروں میں رکھنے لگو تو اس وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کے الفاظ پڑھا کرو۔ (مستدرک ج ا ص ۳۶۶)

میت جن قبروں میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے جن قبروں میں اس کو دفن کرتے اور ان سے واپس آتے ہیں وہ یہی حسی قبریں اور ظاہری زمینی گڑھے ہی ہوتے ہیں۔ لغت عرب اور تمام صحیح روایات کی شہادت سے ثابت ہو رہا ہے کہ لفظ قبر اور قبور کا ان حسی اور زمینی گڑھوں پر اطلاق کیا گیا ہے جن میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے جہاں بھی قبر یا قبور کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے حقیقتاً شریعت میں یہی گڑھے مراد ہوں گے جن میں مردے دفن کئے جاتے ہیں۔

غرق شدہ اور سوختہ اور ماکول وغیرہ کی قبر

البتہ جس میت کا جسم محفوظ نہ رہا ہو یا غرق ہو جانے وغیرہ کی وجہ سے اس کے قبر میں دفن کرنے کی نوبت نہ آئی ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ جس مقام پر بھی وہ میت یا اجزائے میت ہوں گے وہی مقام اس کے لئے قبر ہوگا وہیں اس سے سوال ہوگا وہیں اس کو عذاب وثواب بھی ہوگا۔ جیسا کہ مسامرہ کی مذکورہ عبارت کے جملے:

''غایۃ مافی الباب ان یکون بطن السبع ونحوہ قبزلہ'' سے واضح ہو رہا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ وہ مومنین اور کفار جن کی نعشیں کسی قبر میں دفن نہیں ہوئی ہیں جلائی گئیں یا درندوں نے کھالی ہیں یا کسی اور صورت سے تلف اور عدیم الوجود ہوگئی ہیں۔ ان سے نکیرین کا سوال کس مقام پر ہوگا اور عذاب قبر کیسے واقع ہوگا؟ لکھتے ہیں مقدمہ رابعہ تعذیب وتنعیم کی مدرک روح ہے اصالۃً نہ جسد مگر تبعاً ...... جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی روح باقی رہتی ہے اور مقام اس کا برزخ ہوتا ہے اور اسی جگہ اس کو عذاب

وضغطہ ہوتا رہتا ہے۔ خواہ جسد کہیں ہو اور درندوں نے کھالیا ہو یا سوختہ ہو کر متفرق ہو گیا ہو البتہ اجزائے جسد یہ کے ساتھ اس کو کچھ تعلق رہتا ہے اس تعلق کی وجہ سے ان اجزاء میں اس قدر حیات باقی رہے جس سے عذاب وثواب کا اثر جسد پر ہی آ جاے تو کچھ بعید نہیں۔ چنانچہ اخبار کثیرہ سے ثابت ہوا کہ بعض اہل قبور کا عذاب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کی بناوہی تابعیت ہے۔ بحکم مقدمہ رابعہ۔ (امداد الفتاوئی ج ۶ ص ۱۲۸)

ایک غلطی کا ازالہ عالم برزخ اور قبر کی حقیقت

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ایسے ارشادات سے کہ قبر حقیقت میں زمین کے اس ظاہری نشان کا نام نہیں ہے بلکہ وہ عالم برزخ کا نام ہے، اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے بالکل ہی کوئی جدا حقیقت ہے اور اس ظاہری قبر کو عالم برزخ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ظاہری قبر اور زمینی نشان بھی عالم برزخ کا ہی ایک حصہ اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ مکان برزخ کی ابتداء قبر کے اس ظاہری نشان سے ہی ہوتی ہے۔ جس میں علیین اور سجین بھی شامل ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ علیین اور سجین کی ابتداء قبر کے اس زمینی نشان سے ہی ہوتی ہے اور قبر کا یہ نشان علیین اور سجین کی حدود میں داخل اور اس کا نقطہ آغاز ہے اور عالم برزخ اس زمینی نشان اور علیین وسجین سب کو ہی شامل ہے۔

الامام عبدالجلیل بن موسیٰ القصری رحمہ اللہ شعب الایمان میں فرماتے ہیں: ''البرزخ علی ثلاثۃ اقسام مکان وزمان وحال، فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء ومن القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء واما الزمان فھو مدۃ بقاء الحق فیہ من الاول من مات او یموت من الجن والانس الی یوم یبعثون واما الحال فاما منعمۃ واما معذبۃ او محبوسۃ حتی تتخلص بالسوال من الملکین الفتانین'' برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے، مکان، زمان اور حال پھر مکان قبر سے علیین تک ہے جسے نیکوں کی روحیں آباد کرتی ہیں اور قبر سے سجین تک ہے جس میں بدوں کی روحیں رہتی ہیں اور زمان وہ عرصہ ہے جو جن یا انسان کی موت سے شروع ہو کر قیامت تک ہے۔ رہا حال تو یا وہ انعام یافتہ ہوگا یا معذب ہوگا یا محبوس ہوگا یہاں تک کہ سوال وجواب نکیرین سے خلاصی پائے۔ (الحاوی للسیوطی ج ۲ ص ۳۲۷)

الغرض عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے بھی ضرور تعلق ہوتا ہے اور قبر صرف اسی حسی گڑھے اور زمین کے اس ظاہری نشان ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے جس کا ایک پہلو زمینی نشان ہے اور اس کی باقی حدود واطراف اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

کسی میت کے لئے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو اسے تنگی کی آخری حد تک پہنچا دیتے ہیں مگر اس کی تنگی کو ظاہری حواس ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے وہ دیکھنے میں بظاہر اتنا ہی فراخ نظر آتا رہے گا جتنا اس کو بنایا گیا ہے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لئے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے وہ رحیم مطلق جب چاہے تو اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ مگر اس کی یہ فراخی بھی

ظاہری آنکھوں سے مخفی اور مستور رہتی ہے، صرف وہی بندہ خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کبھی اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لیکن صرف محسوس نہ ہونے کے سبب کسی امر کا انکار صریحاً عقل کی بدہضمی ہے۔ قبر کا تنگ یا فراخ ہونا بھی ایک عالم باطن کے اسرار سے ہے جسے اہل کشف صوفی یا اولیاء اللہ لوگ دیدہ باطن سے اس کو دیکھ لیتے ہیں، اہل باطن بسا اوقات کشف قبور کے ذریعے سے مردوں کو قبروں میں معذب یا مثاب دیکھتے ہیں۔'' (المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۱۲۸)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا یا یہ ظاہری قبر عالم برزخ سے بالکل ہی کوئی علیحدہ اور جدا حقیقت ہے کس قدر خلاف واقعہ اور محل حیرت بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم برزخ اور قبر میں عام خاص کی نسبت ہے۔ برزخ عام اور قبر خاص ہے۔ اس لئے ہر قبر تو برزخ ہے مگر ہر برزخ قبر نہیں۔ اس لئے کہ عام اور خاص میں ایک مادہ اجتماعی اور ایک افتراقی ہوتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عذاب قبر سے صرف عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار کرنا ہے۔ کیونکہ ہر عذاب قبر تو عذاب برزخ ہے مگر ہر عذاب برزخ عذاب قبر نہیں ہے۔ حالانکہ تواتر سے جو عذاب ثابت ہوتا ہے وہ عذاب قبر ہے، اس کا انکار تواتر کا انکار ہے۔

اب اگر قبر میں صرف جسم ہو اور روح نہ ہو تو نہ عذاب، عذاب ہے اور نہ ثواب، ثواب۔ کیونکہ اس حالت میں روح کے بغیر الم ولذت کے احساس اور ادراک سے جسم خالی ہوگا اور اگر صرف روح کو عذاب مانا گیا تو وہ قبر میں نہیں ہوگی تو عذاب قبر نہ ہوا اور جسم کے بغیر صرف روح کا قبر میں ہونا ظاہر البطلان ہے۔ ثابت ہوا کہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوگا۔ تب ہی عذاب قبر متحقق ہوگا۔ اس صورت کے بغیر کسی دوسری صورت میں عذاب قبر نہیں ہوسکتا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان تمام شبہات کا منشاء یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے۔ حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے اگر قبر میں دفن کر دیا ہے وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال وجواب اور ثواب وعذاب ہوگا اور اگر بھیڑیے نے یا شیر نے کھا لیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہوں گے اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے۔'' (حیات طیبہ ص ۹)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے واضح ہوا کہ عالم برزخ اگرچہ قبر کے اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے مگر قبر کا یہ گڑھا بھی برزخ ہی ہے برزخ سے بے تعلق اور جدا نہیں ہے اور قبر کے اس گڑھے میں بلکہ جس جگہ بھی میت یا اجزائے میت موجود ہوں گے خواہ وہ کسی جانور کا پیٹ ہو یا وہ غرق شدہ اور جلایا ہوا ہو، اس سے وہاں ہی سوال وجواب اور ثواب وعذاب ہوگا۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ یہ قبر وغیرہ سب عالم برزخ میں داخل اور اس کا حصہ ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ قبر کو عالم برزخ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

بغیر تعلق روح کے جسم کی تعذیب غیر معقول ہے

اس زمانے میں جو تعلق ارواح بابدان کا انکار کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ارواح کے تعلق کے بغیر ہی قبر میں میت کے ساتھ ثواب وعذاب کے معاملات پیش آتے ہیں۔ جیسا کہ ''اقوال المرضیہ[1]'' میں لکھا ہے: ''اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے۔'' (ص ۵۵)

اور ''شفاء الصدور'' مؤلفہ مولانا محمد حسین نیلوی میں ہے: ''لهم اجسام مثالية فی عالم البرزخ لاتعلق لهم بهذه الاجسام الترابيه الارضيه العنصريه المدفونه فی الحفر الارضيه'' اس کا ترجمہ مترجم صاحب نے اس طرح کیا ہے ''اور ان ارواح کو اجسام مثالیہ بھی ملتے ہیں اس جسم عنصری سے ان کا اتصال ثابت نہیں۔''

یہ وہی بغیر احیاء کے تعذیب جماد کا پرانا غیر معقول نظریہ ہے اور مذہب صالحیہ اور کرامیہ کی صدائے بازگشت ہے۔ جس کی علمائے امت اور متکلمین اہل سنت نے واضح طور سے ہمیشہ تردید کی ہے۔ اس لئے کہ بغیر تعلق روح کے میت جماد ہے اور جماد کا تألم وتلذذ غیر معقول اور اس کی تعذیب وتنعیم غیر متصور ہے۔ چونکہ جماد الم ولذت کا احساس ہی نہیں کرسکتا جیسا کہ ''حاشیہ خیالی'' کے حوالے سے پہلے مذکور ہوا اور مواقف اور اس کی شرح میں بھی اس کو غیر معقول قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ''واماماذهب اليه الصالحی من المعتزلة وابن جرير الطبری وطائفة من الكراميه تجويز من ذالك التعذيب علی الموتی من غير احياء فخروج عن المعقول لان الجماد لاحس له فكيف يتصور تعذيبه'' جس مسلک کو معتزلہ کے صالحی اور ابن جریر طبری اور کرامیہ کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے کہ وہ مردہ کو بغیر زندہ کرنے کے عذاب کو جائز قرار دیتے ہیں تو یہ غیر معقول ہے۔ کیونکہ (بغیر زندہ کئے) جماد میں حس نہیں ہوتی تو اس کی سزا کا تصور کیسے ہوسکتا ہے۔ (مواقف مع الشرح ص ۷۱۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ الم اور احساس صرف زندہ میں ہوتا ہے اور اس کے لئے جس طرح کی زندگی کی ضرورت ہے اس سے جماد خالی ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لان الالم والاحساس انما يكون فی الحی'' اس لئے کہ الم اور احساس صرف زندہ ہی میں ہوتا ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

صاحب ''الاقوال المرضیہ'' نے میت کو جماد تسلیم کرتے ہوئے اس کے معذب ومثاب ہونے کی بنیاد حیات بسیط پر جو کہ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ میں پائی جاتی ہے، رکھنی چاہئے ہے۔ یہ بھی ان کا مغالطہ ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ: ''جنہوں نے اس جسم کو کالجماد کہہ کر عذاب وثواب کا انکار کر دیا ہے دراصل وہ حیات بسیط کی حقیقت کو نہیں سمجھے۔'' (ص ۵۶)

---

[1] یہ رسالہ مولانا محمد امیر سابق خطیب جامع مسجد بلاک ۱۸ سرگودھا کا ہے پہلے ایڈیشن میں اس رسالے کا نام اقوال المرضیہ لکھا ہوا ہے یہ نام لفظی اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس میں اقوال نکرہ اور اس کی صفت المرضیہ معرفہ ہے اور معنوی اعتبار سے بھی محل نظر ہے، کیا مؤلف کے نزدیک رسالے میں درج شدہ تمام کے تمام اقوال ہی مرضیہ اور پسندیدہ ہیں؟ اب دوسرے ایڈیشن میں اقوال پر الف، لام داخل کر کے لفظی تصحیح تو کر دی ہے، مگر معنوی اشکال مذکور اب بھی بدستور رہتا ہے۔

اس عبارت سے انکا مطلب یہ ہے کہ روح انسانی کے تعلق کے بغیر میت کو جماد تسلیم کر کے بھی عذاب وثواب ہوتا ہے اور اس کی صورت ان کے نزدیک یہ ہے کہ میت کے لئے بھی دوسرے جمادات کی طرح ایک حیات بسیط حاصل ہے۔ میت کو اسی حیات بسیط کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا ہے، حالانکہ یہ حیات بسیط تنعیم وتعذیب کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے۔ اسی لئے متکلمین نے جماد کی تعذیب کو غیر متصور کہا اور عذاب وثواب قبر کے لئے دوبارہ حیات کے اعادہ اور نوعا من الحیات کے خلق کو تسلیم کیا ہے۔

میت کو جماد تسلیم کر کے اس کے ثواب وعذاب کا قائل ہونا صرف معتزلہ کی شاخ کرامیہ اور صالحیہ کا عقیدہ اور ان کا خصوصی نظریہ ہے۔ اس کے اس نظریہ کی تردید سے علم کلام کی تمام کتابیں بھری پڑی ہیں۔ مگر صاحب ''الاقوال المرضیہ'' کے نزدیک معتزلہ کرامیہ کا مردود نظریہ ہی درست اور مقبول ہے۔ ان کے نزدیک شائد یہ تمام متکلمین بھی جنہوں نے تعذیب جماد کے کرامی نظریہ کا ابطال کیا ہے، حیات بسیط کی اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکے کہ جماد میں بھی ایک حیات بسیط بغیر روح کے ہوتی ہے اور اس حیات کے ساتھ اس کی تعذیب متصور ہے اور کیا اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی کرامیہ کے نظریہ ''انہ جماد'' کو تمام متکلمین نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ جماد کی تعذیب غیر متصور ہے؟

اگر یہ حیات بسیط تعذیب بدن کے لئے کافی ہوتی اور اس میں لذت والم کا ادراک واحساس ہوسکتا تو کرامیہ کے جواب میں متکلمین کا یہ کہنا کیسے درست ہوتا کہ جماد کی تعذیب غیر متصور ہے؟ اس صورت میں تو متکلمین کو کرامیہ کے نظریہ جماد تعذیب کو تسلیم کر لینا چاہئے تھا اور اس کی توجیہ حیات بسیط کے ساتھ کر کے اس کی تصحیح کر دینی چاہئے تھی۔ مگر متکلمین اسلام نے معتزلہ کے اس نظریہ کی بھی تردید کی کہ میت کو جماد کہہ کر اس کے عذاب وثواب کا انکار کیا جائے اور کرامیہ وغیرہ کے اس سفسطہ اور مغالطہ کا بھی رد کیا ہے کہ میت کو جماد ہوتے ہوئے عذاب وثواب ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جماد میں احساس الم ولذت مفقود ہے۔ اس لئے تعذیب وتنعیم غیر متصور اور غیر معقول ہے۔ مگر صاحب ''الاقوال المرضیہ'' تعذیب جماد کا تصور قائم کرانے میں معتزلہ کرامیہ کے ہمنوا ہیں اور ان کے مردہ نظریہ میں جان ڈالنا چاہتے ہیں اور متکلمین اسلام نے جو میت میں تعذیب وتنعیم کے لئے ایک گونہ حیات کے اعادہ اور نوع من الحیات کے خلق کا قول کیا تھا اس کی برملا تردید کر رہے ہیں۔

لکھتے ہیں: ''اگر بعض معتزلہ اور روافض کو مذکورۃ الصدر تحقیق کا علم ہوتا تو ''ان المیت جماد لا حیوۃ لہ ولا ادراک لہ وتعذیبہ محال'' (میت جماد ہے اس میں حیات نہیں اور نہ ادراک ہے اس لئے اس کی تعذیب محال ہے) کا قول نہ کرتے۔''

اور شرح عقائد والے کو ''انہ یجوز ان یخلق اللہ تعالٰی فی جمیع الاجزاء او بعضہا نوعا من الحیوۃ'' (الاقوال المرضیہ ص ۶۷) (جائز ہے کہ اللہ تعالٰی تمام اجزاء یا بعض میں ایک قسم کی حیات پیدا کر دیں) کی تاویل نہ کرنی پڑتی۔''

مؤلف مذکور کا مقصد واضح ہے کہ متکلمین اسلام نے جو میت کے جماد ہونے کی بناء پر اس کی تعذیب کو محال کہا تھا اور تعذیب جماد کے کرامی نظریہ کا ابطال کیا تھا وہ درست نہیں۔ اسی طرح میت کی تعذیب کے لئے ایک گونا حیات کے خلق کا جو قول کیا تھا وہ بھی ان کے نزدیک بے ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ کرامیہ کی طرح میت کو جماد تسلیم

کرتے ہیں اور پھر اس میں حیات وادراک تسلیم کر کے اس کی تعذیب وتنعیم کو متصور قرار دیتے ہیں اور جماد کی تعذیب کو متکلمین نے جو غیر متصور قرار دیا تھا اور اس لئے میت کی تعذیب کے لئے نوع من الحیات کے خلق کی تاویل کی تھی وہ بھی ان کے نزدیک غیر ضروری تھی۔

غرضیکہ تعذیب جماد کے تصور کے نظریے میں مؤلف ''الاقوال المرضیہ'' معتزلہ کی شاخ کرامیہ کے ساتھ ہمنوائی کر کے متکلمین اہلسنت کے نظریہ کا ابطال کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تعذیب جماد کے اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد جماد کی تعذیب متصور ہو کر کرامیہ کے نظریہ کی تائید ہو جاتی ہے اور اس کے محال ہونے کا تصور باطل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ متکلمین اسلام نے اس کو غیر معقول غیر متصور قرار دیا ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے تمام متکلمین اسلام اور بعد کے علماء کرام اس حیات بسیط کی حقیقت سے بے خبر ہی رہے۔ جس سے مؤلف مذکور نے اس چودھویں صدی کے آخر میں سب کو آگاہ کیا ہے۔

تعذیب جماد کے نظریہ کے غیر معقول اور غیر متصور ہونے کے علاوہ میت کی تعذیب وتنعیم کے لئے حیات بسیط کو کافی سمجھ لینے کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اس جسم میت کو قبر کا عذاب وثواب حیات جمادی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ انسان کے تعلق کا تو انکار کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ (الاقوال المرضیہ ص ۵۵) کی عبارت بالا میں اور ''شفاء الصدور'' کی مذکورہ عبارت میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ جب اس تحقیق کی رو سے روح انسانی کا جسم سے کوئی تعلق نہ رہا جس کی وجہ سے جسم، حیات انسانی سے متصف تھا تو بغیر تعلق روح کے جسم میں جو حیات ہوگی ظاہر ہے کہ وہ حیات جمادی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچ کر یہ جسم، انسانی جسم نہیں رہتا۔ نہ اس میں انسانی حیات ہوتی ہے بلکہ یہ جماد بن جاتا ہے اور اس میں حیات بھی جمادی ہی ہوتی ہے۔

مقام غور ہے کہ عالم برزخ کے عذاب وثواب کے بارہ میں قرآن وسنت کی جو نصوص وارد ہیں کیا ان کا تقاضا یہی ہے کہ انسان کو عالم برزخ میں جماد بنا کر بحیثیت جماد کے اس کو عذاب وثواب ہوتا ہے؟

غرضیکہ تعلق روح اور اعادہ حیات کے بغیر میت کی تعذیب وتنعیم کا نظریہ کسی طرح بھی اہلسنت کے عقیدہ کی موافقت نہیں کرتا۔ یہ عقیدہ معتزلہ صالحیہ، کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ میت جماد بھی ہے اور پھر اس کو عذاب بھی ہوتا ہے۔ صاحب ''اقوال المرضیہ'' اور ان کے ہم نوا تو اس عقیدہ میں معتزلہ کرامیہ کے واضح طور پر ساتھ ہیں اور معتزلہ کرامیہ کا دفاع کرتے ہوئے متکلمین اسلام کا رد کر رہے ہیں۔ البتہ جو لوگ اس تعلق ارواح کے مسئلے پر سکوت کا پردہ ڈالنا چاہتے ہیں ان کو غور کرنا چاہئے کہ جمہور اہلسنت کے مسلک کے خلاف وہ کہیں راہ اعتزال پر تو گامزن نہیں ہو رہے اور ان کا قدم کسی غلط سمت میں تو نہیں اٹھ رہا ہے۔

صاحب ''جواہر القرآن'' کا نظریہ اور اس کی تردید

تعلق ارواح کے مسئلہ میں جس انداز بیان کو بڑا محتاط سمجھا جاتا ہے وہ صاحب جواہر القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''باقی رہا ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تو اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اتباع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ارشادات

واقوال میں تعلق روح بجسم عنصری کا کوئی نفیاً یا اثباتاً ذکراذکار ہے۔البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے......اس لئے عالم برزخ میں تعلق ارواح بابدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے۔ کیونکہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکراذکار نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق کا اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں۔ چونکہ متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' (جواہرالقرآن ج ۱ ص ۱۹۴)

جن لوگوں کے نزدیک تعلق ارواح بابدان عنصریہ، عقیدہ شرکیہ قرار پاچکا ہے وہ اس کو شرک سمجھتے ہیں اور اس کے اظہار میں بھی وہ کسی طرح کی مداہنت سے کام نہیں لیتے۔ان کے فتویٰ شرک کی زد سے تو صاحب ''جواہرالقرآن'' اس مسلک ''سکوت واحتیاط'' کے اختیار کرنے کے باوجود بھی نہیں بچ سکے۔ کیونکہ کسی عقیدہ شرکیہ پر سکوت کے احوط ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کسی طرح جائز ہے ایک شرکیہ عقیدہ کی تردید سے سکوت کیا جائے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ دین کے اندر ایسا عقیدہ ایجاد کرنا جس کا ثبوت ان کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے نہیں ملتا۔ بلکہ قرون ثلاثہ بھی اس کے ذکراذکار سے خالی ہیں۔کیا احداث فی الدین اور بدعت فی العقیدہ نہیں ہے؟ پھر اس کا قائل قابل ملامت کیوں نہیں رہا؟

اور صاحب ''جواہرالقرآن'' نے اس کی جو یہ وجہ لکھی ہے کہ: ''متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔'' اس پر غور درکار ہے کہ متقدمین سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا متقدمین کی کثیر تعداد قرون ثلاثہ کے بعد کی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ جس چیز کا ذکراذکار قرون ثلاثہ میں نہیں تھا اور اس کا ثبوت کتاب اللہ وسنت صحیحہ سے بھی نہیں ملتا ایسی چیز کی متقدمین میں ایک کثیر تعداد کیوں قائل رہی؟

قبر میں اعادہ روح کی احادیث کا متواتر ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی اعادة الروح الی العبد حق پر نص فرمادی ہے اور حضرت امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ ثم ترد فی الاجساد فی القبور سے روح کے اعادہ فی القبر کی تصریح فرمارہے ہیں۔

ان نصوص حدیثیہ اور ائمہ مذاہب کی تصریحات کے ہوتے ہوئے صاحب ''جواہرالقرآن'' کا تعلق ارواح بابدان عنصریہ کے بارہ میں سکوت کو احوط قرار دینا سنت صحیحہ سے اس کے ثبوت کا انکار کرنا اور قرون ثلاثہ کو اس کے ذکر سے خالی کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ قرون ثلاثہ کے بعد کی پیداوار ہیں؟ اور کیا انہوں نے کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے برخلاف یہ اعتقادی بدعت ایجاد کی ہے؟ اگر یہ اعتقاد ایسا ہی ہے تو صاحب ''جواہرالقرآن'' کو کم ازکم اس کے بدعت قرار دینے کی ہمت تو ضرور کرنی چاہئے تھی اور اس طرح اس کو سکوت کے پردے میں لپیٹنے کا تکلف نہیں کرنا چاہئے تھا۔

اگرچہ صاحب ''جواہرالقرآن'' نے اس عقیدے کو صاف لفظوں میں بدعت نہیں کہا۔مگر اس کے بدعت ہونے کے تمام دلائل کو انہوں نے اس جگہ جمع کردیا ہے اور ظاہر ہے کہ جس عقیدہ کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے بھی نہ ملتا ہو اور قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر بھی اس کے ذکرواذکار سے خالی ہوں تو ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ عقیدہ بے دلیل اور بدعت ہے، کسی عقیدہ کے بدعت ہونے پر اس سے زیادہ اور کون سے دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں؟

پہلے تو مؤلف ''جواہر القرآن'' تعلق ارواح با بدان کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ: ''سنت صحیحہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ الخ'' پھر لکھتے ہیں کہ ''چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔''

جب مؤلف مذکور کو تسلیم ہے کہ شارحین حدیث نے حدیثوں میں تطبیق کے سلسلہ میں اس تعلق روح بجسد عنصری کا ذکر کیا ہے تو اس تعلق روح کے حدیثوں سے ثبوت میں کیا کلام رہ گیا، پھر اس کے سنت صحیحہ سے ثبوت کی نفی کیوں کی گئی ہے؟ کیا مؤلف مذکور کو بعض حدیثوں میں تطبیق کی ضرورت نہیں ہے؟

عود روح پر احادیث صحیحہ کی دلالت اور ائمہ مذہب کی نص نیز متکلمین کی تصریحات کے برخلاف صاحب ''جواہر القرآن'' کا تعلق ارواح با بدان عنصریہ کے بارہ میں سکوت کو احوط قرار دینا معلوم نہیں احتیاط کی کون سی قسم میں داخل ہے؟

جن حضرات اکابر نے اس تعلق کا اثبات اور ذکر کیا ہے کیا ان سب نے بے احتیاطی سے کام لیا ہے؟ اور جب مؤلف ''جواہر القرآن'' نے یہ تسلیم کیا تھا کہ: ''وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں یہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

تو کیا ایک عقیدہ بدعت اور بے احتیاطی کو اختیار کیا تھا؟

حاصل یہ ہے کہ اگر صرف روح کے معذب ومثاب ہونے کا نظریہ درست ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو میت کے ماکول اور لقمہ ہو جانے کی صورت میں ان کھائے ہوئے اجزاء میں اور وہ بھی دوسرے جانوروں کے پیٹ میں، اگر ایک گونا حیات ثابت کرنے کی متکلمین کو کیا ضرورت تھی؟

بدن مثالی

اسی طرح اگر روح کو بدن مثالی کے ساتھ عذاب وثواب ہوتا اور بدن عنصری کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو بدن مثالی بھی کھانے والے کے پیٹ میں نہیں جاتا۔ اس کے پیٹ میں جس بدن کے اجزاء جاتے ہیں وہ تو جسد عنصری کے ہی اجزاء ہوتے ہیں انہی اجزاء میں متکلمین ایک گونا حیات ثابت کرتے اور اس حیات پر عذاب وثواب کو مرتب کرتے ہیں۔ حیات بسیط اور حیات جمادی کو تعذیب وتنعیم کے لئے نہ صرف یہ کہ کافی نہیں سمجھتے بلکہ جمادکی تعذیب وتنعیم کو غیر متصور وغیر معقول قرار دیتے ہوئے رد کرتے ہیں۔

ایک عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ تمام علمائے عقائد اور متکلمین نے بدن اور اجزائے بدن میں ایک گونہ حیات کے خلق کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر عذاب قبر کے سلسلہ میں بدن اور اجزائے بدن کا واسطہ نہ ہوتا تو متکلمین کو ان میں حیات کے خلق کے قائل ہونے کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ علمائے عقائد اور متکلمین اسلام کے اس قول سے ثابت اور واضح ہو رہا ہے کہ عالم قبر میں راحت وعذاب کا تعلق بدن مادی اور عنصری کے ساتھ بھی ہے اور وہ بھی اس کی ایسی حیات کے بعد کہ اس کو الم ولذت اور احساس وادراک ہو سکے نہ بایں طور کہ وہ جماد کا جماد ہی رہے اور پھر بھی اس پر راحت والم کی کیفیت طاری ہوتی ہو۔ کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا کہ جماد کی

تعذیب و تنعیم غیر معقول اور غیر متصور ہے۔ اس لئے عذاب و ثواب قبر کے لئے اس صورت کو تجویز کرنا درحقیقت اقرار نما انکار کی ہی ایک صورت اور معتزلہ کرامیہ کی صدائے بازگشت ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام اور سماع عندالقبر

تمام اہلسنت والجماعت اس عقیدے پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام قبر اور عالم برزخ میں زندہ ہیں اور ان حضرات کی یہ زندگی تمام مؤمنین بلکہ حضرات شہداء کی حیات سے بھی اعلیٰ و ارفع اور قوی تر ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی ان کی قبور میں زندگی متفق علیہ عقیدہ کی حیثیت سے ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ اکابر اہلسنت میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کا انکار کیا ہو اور قبر مبارک میں آپ کی روح مبارک کے جسد اطہر سے اتصال و تعلق کی نفی کی ہو۔ بلکہ اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ قبر اطہر میں روح مبارک کا جسد اطہر سے ایسا تعلق اور اتصال ثابت ہے جس کے سبب سے جسم مبارک میں حیات اور سماع کی قوت حاصل ہے اور قبر مبارک کے قریب سلام کہنے والوں کا سلام آپ بنفس نفیس خود سماعت فرما لیتے ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلک علمائے دیوبند

زیر عنوان مسئلہ میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک اجمالی طور پر معلوم کرنے کے لئے ''المہند'' کی عربی عبارت کا اکابر کا ہی کیا ہوا اردو ترجمہ ذیل پیش کیا جاتا ہے۔

المہند میں ہے: ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔''

چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ: ''انباء الاذکیاء بحیات الانبیاء'' میں بتصریح لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: ''علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔'' الخ!

پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کہ برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام ''آب حیات'' ہے۔ (المہند ص ۱۴)

المہند کا تعارف

یہ رسالہ علمائے دیوبند کا مسلکی دستاویز کی حیثیت سے فخر العلماء والمتکلمین شیخ الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے مرتب فرمایا تھا اور اس وقت کے تمام اکابر علمائے دیوبند نے اپنے تحقیقی اور مختار مسلک کے طور پر اس کو اپنی تصدیقات سے مزین فرمایا تھا۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم

صاحب رحمہ اللہ رائے پوری، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ دہلوی قائل ذکر ہیں۔

حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح

عقائد علماء دیو بند کی مسلکی دستاویز ''المہند'' کی اس عبارت کی روشنی میں عقیدہ حیات النبی ﷺ کی تفصیل وتشریح پیش خدمت ہے۔

''المہند'' کی عبارت میں ''نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے'' کے بعد اکابر علماء دیو بند کا یہ تحریر فرمانا کہ: ''اس سے ثابت ہوا کہ حضرت محمد ﷺ کی حیات دنیوی ہے۔'' صاف طور پر اس کی دلیل ہے کہ دنیوی حیات سے اکابر رحمہم اللہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حیات اس دنیوی جسم مبارک میں ہے اور نماز جس زندہ جسم کو چاہتی ہے اس سے بھی ان اکابر کی مراد یہی دنیوی جسم مبارک ہے۔ جس کے ساتھ یہ دنیوی حیات حاصل ہے۔ اگر اس جسم سے کوئی دوسرا جسم مراد ہوتا تو اس کو دنیوی حیات پر دلیل بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

نیز اس سے دنیوی حیات کا یہ مفہوم بھی متعین ہوجاتا ہے کہ عالم برزخ میں ہوتے ہوئے چونکہ یہ دنیا والا جسم اطہر ہی نماز وغیرہ بجالاتا ہے۔ اس لئے دنیوی جسم کے مشغول عبادت ہونے کی حیثیت سے یہ حیات دنیوی ہے اور عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے بھی برزخی ہے۔ اس طرح یہ حیات برزخی بھی ہے اور دنیوی بھی ہے۔ حضرات اکابر دیو بند کے اس ارشاد سے کہ اس معنیٰ کو برزخی ہی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے سے واضح ہوگیا کہ ان حضرات کے نزدیک حیات برزخی میں عالم برزخی اس حیات کا ظرف ہے اور اس حیات اور برزخ میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت نہیں۔ یعنی آپ کی یہ حیات طیبہ اگر چہ اسی دنیوی بدن اقدس کے ساتھ ہے۔ مگر حاصل عالم برزرخ میں ہے۔

لیکن اس حیات دنیوی سے اکابر علماء دیو بند کا یہ ہرگز مقصد نہیں ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہونے والی اس جسمانی حیات کے لئے دنیوی حیات کے جملہ لوازمات بھی ثابت ہیں اور جیسے کھانے پینے وغیرہ کی دنیا میں حاجت ہوتی تھی اسی طرح قبر اطہر میں بھی ہوتی ہے۔ بلکہ قبر شریف والی جسمانی حیات میں بھی چونکہ دنیوی حیات کی طرح ادراک اور علم وشعور حاصل ہوتا ہے اس لئے بھی اس حیات کو دنیوی حیات کہہ دیا جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرات اکابر دیو بند نے المہند میں علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ کی جس عبارت کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے الیٰ آخر ما قال کہا ہے۔ اس میں اس کی تصریح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر میں حقیقی حیات ہونے کے باوجود حیات جسمانی کے جملہ لوازمات ثابت نہیں ہے مثلاً کھانے پینے کی جس طرح دنیا میں حاجت ہوتی ہے اس طرح قبر کی اس حیات میں نہیں ہوتی۔ اسی طرح اور بھی کئی احکام میں فرق اور تفاوت ہے۔ البتہ دنیوی حیات کی طرح علم وسماع ان کو حاصل ہے۔

''ولایلزم من کونها حیاة حقیقة ان یکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکشف وغیرذالک فی صفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها حکم آخر فلیس فی العقل ما یمنع فی اثبات الحیوة الحقیقة لهم واما الادراکات

کالعلم والسماع فلا شک ان ذالک ثابت وسند کثبوته لسائر الموتی فکیف بالانبیاء" اوراس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ بدنوں کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کرسکیں اوراس طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دوسرا ہواس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لئے حقیقی حیات ثابت ہورہے اور ادراکات مثل علم وسماع تو ان کے ثبوت میں کوئی شک ہی نہیں یہ تو تمام مردوں کے لئے ثابت ہیں تو انبیاء علیہم السلام کے لئے کیوں ثابت نہ ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ حضرات اکابر نے جسمانی اور ادراکات کی وجہ سے اس کو دنیوی حیات کہا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۳)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ان تلک الحیوة فی القبر وان کانت یترتب علیها بعض ما یترتب علی الحیوة فی الدنیا المعروفة ورد السلام المسموع ونحو ذالک الا انها لا یترتب علیها کل من یمکن ان یترتب علی تلک الحیوة المعروفة" اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز، اذان واقامت اور سنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اوراسی طرح کے کئی اور امور، مگر اس پر وہ سب امور مترتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ "لطائف قاسمیہ" میں ارقام فرماتے ہیں: "انبیاء کرام علیہم السلام کو انہی اجساد کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔" (ص ۳)

اور تحریر فرماتے ہیں: "انبیاء کرام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔" (ص ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر علماء دیوبند نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخ کی حیات کو دنیوی کہا ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حیات اسی دنیا والے جسم اطہر میں ہے اس کو دنیوی حیات کہنے سے ہرگز ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ حیات اس عالم دنیا میں ہے یا بجمیع الوجوہ دنیوی حیات ہے۔

ایک مغالطہ

جب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حیات دنیوی کے مفہوم اوراس کے حدود کو خود واضح فرمادیا ہے کہ وہ اس عالم دنیا میں نہیں ہے اور نہ وہ بعینہا اس دنیا والی حیات ہے۔ بلکہ اس پر حیات دنیوی کا اطلاق ابدان دنیوی میں زندگی ہونے کے اعتبار سے ہے تو پھر کس قدر مغالطہ دہی ہے کہ اس حیات دنیوی کے ابطال کے لئے ان آیات اور روایات کا سہارا لیا جاتا ہے جن میں اس عالم دنیا کی حیات کے مطلوب اور محبوب نہ ہونے اور حیات اخروی کے مرغوب ومحبوب ہونے کا بیان ہے یا ان اکابر کے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی عالم دنیا میں زندہ سمجھتے ہیں اور وہ انتقال من دار الی دار کے قائل نہیں ہیں۔

ان اکابر کی طرف ایسی خلاف حقیقت بات کے منسوب کرتے وقت اپنی آخرت اور وہاں کی جواب دہی کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر وفات شریفہ کا ورود

حضرت انبیاء کرام علیہم السلام پر وفات شریفہ کا ورود ایک قطعی اور حتمی امر ہے۔ عموماً اس کا اعتقاد رکھنا ضروری

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام پر حسب فرمان خدوندی ''کل نفس ذائقة الموت'' موارد ہوئی اور خصوصاً آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر قبل از وقوع ''انک میت'' اور ''افان مات'' آیات میں دی گئی اور وقوع وفات کی خبر بھی متعدد احادیث میں دی گئی ہے۔ ''توفی النبی قبض النبی ﷺ'' اور خطبہ صدیقیہ کے صریح الفاظ ''ان محمدا قد مات'' اس پر نص ہیں نیز آپ کی تجہیز و تکفین اور دفن وقبر مبارک وغیرہ کا ذکر احادیث میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی وفات شریفہ ایک مسلم اور ثابت شدہ حقیقت ہے اور کوئی شخص اس کا منکر نہیں ہے ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ وارد ہوئی ''کل نفس ذائقة الموت'' کا وعدہ پورا ہوا اور آپ نے عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ یہ تمام امت کا اجماعی مسلمہ عقیدہ ہے۔

امت کے اس مسلمہ عقیدہ کو موضوع بحث بنا کر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے آنحضرت ﷺ کی وفات کو ثابت کرنے کے درپے ہونا خلط مبحث ہونے کے علاوہ اکابر علماء پر اس الزام تراشی اور تہمت لگانے کے بھی مترادف ہے کہ یہ حضرات اکابر قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ کے برخلاف آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ کے قائل نہیں ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضرات اکابر رحمہم اللہ کی کھلم کھلا توہین کرنے اور ان کو نصوص قطعیہ کے انکار کا برملا مجرم ٹھہرانے کے مترادف نہیں ہے؟

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: حسب ہدایت ''کل نفس ذائقة الموت'' اور ''انک میت و انهم میتون'' ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضروری ہے۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۴)

یہ عبارت نص ہے اس عقیدہ کے ضروری ہونے پر کہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ ہو چکی ہے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس عقیدہ کو ضروری قرار دینے کے باوجود ان پر اس تہمت کے لگانے کی کیا کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ وفات شریفہ کے ورود کے قائل نہیں ہیں؟

الحاصل حضرات انبیاء علیہم السلام پر ورود موت کا عقیدہ ایک حتمی اور قطعی منصوص عقیدہ ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا ایسے ضروری عقائد میں سے ہے جن پر امت مسلمہ کا اتفاق اور اجماع ہے۔ مگر اس سے حیات النبی ﷺ کے عقیدہ اور حیات بعد الوفات کے مسئلہ کو کچھ تصادم نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حیات وعدۂ الٰہی کے پورا ہونے اور ورود موت کے بعد قبر اور عالم برزخ میں حاصل ہے اور یہ حیات بھی ثابت اور اہلسنت کا متفق علیہ اجماعی عقیدہ ہے۔

شرائط تناقض

تناقض کے لئے وحدت زمان اور وحدت مکان کی شرط کا پایا جانا بھی ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عالم برزخ کی اس حیات بعد الوفات میں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ جس زمانے میں عالم دنیا کی موت نصوص سے ثابت ہے وہ زمانہ عالم برزخ کی حیات کے مغائر ہے۔ اسی طرح عالم اور مکان بھی موت وحیات کا مختلف ہے۔ اس لئے حیات فی البرزخ ان نصوص کے کسی طرح معارض ومخالف نہیں جن سے عالم دنیا کی موت ثابت ہو رہی ہے۔ ورنہ تو پھر عالم قیامت میں بھی حیات کا حصول ایسی نصوص کے مخالف ہوگا۔ حالانکہ عالم قیامت کی حیات بھی نصوص سے ثابت ہے اور یقینی بات ہے کہ خدائے صادق کے کلام میں، تعارض، نقص اور عیب ہونے کی وجہ سے محال ہے۔

حیات جسمانی

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جسم کی حیات عادتاً روح کے تعلق کے بغیر متحقق نہیں ہوتی اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ فقط روح کے زندہ ہونے سے ہی بغیر تعلق روح کے کسی شخص کو زندہ نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ روح تو ہر شخص کی ہر وقت زندہ رہتی ہے۔ اگر صرف روح کی زندگی سے ہی جسم کو زندہ کہا جایا کرتا تو پھر تو جسم پر میت کا اطلاق کرنا کسی وقت بھی درست نہ ہوتا۔ کیونکہ روح تو ورود موت اور انفصال عن الجسد کے وقت بھی زندہ ہوتی ہے۔ اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی شخص کے زندہ ہونے یا زندہ نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی جسم زندگی اور موت کا محل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس وقت کسی شخص کے جسم میں روح یا حیات ہو اس وقت وہ شخص زندہ ہے اور جس وقت اس کی روح یا حیات اس کے جسم سے منقطع ہو اس وقت مردہ ہے، روح کے انقطاع کے بعد وہ زندہ نہیں رہا۔ غرضیکہ جسم کی حیثیت اس بارے میں مستقر اور محل کی ہے۔ حیّ اس جسم کو کہیں گے جس کے ساتھ روح کا تعلق موجود ہو اور میت اس جسم کو کہتے ہیں جو روح سے خالی اور بے تعلق ہو۔

تمام اہلسنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی صرف روح کی زندگی نہیں ہے بلکہ جسمانی زندگی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح مطہرہ کے تعلق کے ساتھ ان کے ابدان مقدسہ بھی زندہ اور فائز الحیات ہیں، اس لئے اس کی ضرورت تو نہیں تھی کہ اہلسنت کے اس متفق علیہ اور اجماعی عقیدہ کو دلائل سے ثابت کیا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس مسئلہ پر علماء عصر کثر اللہ فینا امثالھم نے مسلک اہلسنت کی تائید وحمایت میں کتاب وسنت کے دلائل کا بہت بڑا ذخیرہ پہلے ہی جمع کر دیا ہے۔ جو ایک حق کے متلاشی اور انصاف پسند شخص کی راہ نمائی کے لئے کافی سے زائد ہے۔ مگر چونکہ اس زمانے میں ایک طرف تو علمی استعداد کے انحطاط کے باعث مبسوط اور مفصل کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بہت ہی معطل ہو رہا ہے۔

دوسری طرف مسلک اہلسنت کے اس متفقہ عقیدہ کے خلاف نہ صرف یہ کہ برملا اسٹیجوں پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر حاملین مسلک کو چیلنج اور دعوت مناظرہ دے کر فضاء کو مکدر کرنے کی بھی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اس لئے مبارزت طلبی کے جواب میں میدان مناظرہ گرم کر کے جوابی کارروائی کے ذریعے مزید تلخی پیدا کرنے کی بجائے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اس عقیدہ کے بارے میں مسلک علمائے دیوبند کو واضح کر دیا جائے اور اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب وسنت سے ان کے استدلال واستناد کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے اور اس مسلک پر متکلمین اسلام اور محققین علمائے امت کی عبارات کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بعض ایسے مغالطات اور شبہات کے ازالہ اور دفعیہ کا بھی خیال رکھا جائے جن کو عوامی طرز پر پھیلا کر لوگوں کو غلط فہمی کا شکار کیا جا رہا ہے۔

مؤیدات مسلک علمائے دیوبند

قرآن کریم

نوع انسانی کے طبقہ شہداء کے لئے خالق کائنات کا یہ حکم ناطق ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں،

یعنی طریان موت کے بعد وہ زندہ کر دیئے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون'' اور تم ان کو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں ہے۔

اس تسلیم شدہ حقیقت کے پیش نظر جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہداء کے اجساد میں ان کی ارواح موجود ہوتی ہیں اور روح کے موجود ہونے کی وجہ سے ان کا جسم زندہ اور ان کو جسمانی حیات حاصل ہے۔ اس لئے کہ قتل فعل حسی ہے اس کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اس لئے جو جسم قتل کا محل ہے وہی جسم حیات کا بھی محل ہوگا اور جسم کی حیات روح کے تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔

دلالۃ النص

قرآن کریم کے الفاظ اور عبارت النص کے لحاظ سے تو یہ حکم شہداء کے لئے ہی ثابت ہے۔ مگر یہی حکم دلالۃ النص کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی بطریق اولیٰ ثابت ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ پانی پتی کی ''تفسیر مظہری'' کے ان لفظوں سے بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

''لفظ فی سبیل اللہ عام یشتمل من مات فی شئ من امور الخیر غیر ان لفظ القتل لا یشملہ عبارۃ لکن بدلالۃ النص یدخل فیہ بالطریق الاولی'' فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو بھی نیک کام میں فوت ہو جائے اس کو شامل ہے مگر یہ کہ لفظ قتل عبارت میں اس کو شامل نہیں۔ البتہ دلالۃ النص کے اعتبار سے بطریق اولیٰ اس میں داخل ہے۔ (مظہری ج ۲ ص ۱۶۶)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''الموت لیس بعدم محض وانما الانتقال من حال الی حال ویدل علی ذالک ان الشھداء بعد قتلھم وموتھم احیاء عند ربھم یرزقون وھذا صفۃ الاحیاء فی الدنیا واذا کان ھذا فی الشھداء فالانبیاء احق واولی بذلک ونصوص العلماء فی حیوۃ الانبیاء کثیرۃ'' موت عدم محض نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ شہدائے کرام اپنے قتل و موت کے بعد زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور یہ صفت ہے زندہ کی دنیا میں جب یہ صفت شہداء کی ہے تو انبیاء علیہم السلام اس کے بدرجہ اولیٰ حقدار ہیں اور حیات انبیاء میں علماء کی عبارتیں بہت ہیں۔ (قرطبی)

انبیاء علیہم السلام کی شہداء پر افضلیت اور اولیت سب کے نزدیک مسلم ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے: ''لان منازل الانبیاء فوق منازل الشھداء'' انبیاء علیہم السلام کے درجات شہداء کے مدارج سے بلند و بالا ہیں۔ (کبیر ج ۳ ص ۱۴۳)

اور ظاہر ہے کہ فرد ادنیٰ شہداء کے لئے جس حکم کا ثبوت نص قرآنی سے ہو رہا ہے اس حکم کے فرد اعلیٰ یعنی انبیاء علیہم السلام کے لئے علیٰ وجہ الکمال اور بدرجہ اتم ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اس نص قرآنی سے بطور دلالۃ النص کے انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حیات انبیاء پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''واذا ثبت انھم احیاء من حیث النقل فانہ یقویہ من حیث النظر کون الشھداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشھداء'' اور

جب نقل کے لحاظ سے انکا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نص قرآنی کی رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (تو بطریق اولی ان کو حیات حاصل ہوگی) (فتح الباری ج۶ ص۳۷۹)

امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فاخبر سبحانه ان الشهداء احياء عند ربهم فالانبياء اولى بذالک لتقاصر رتبة الكافة عن درجة النبوة'' (اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بطریق اولی زندہ ہیں کیونکہ سب کا درجہ نبوت کے مرتبہ سے قاصر ہے۔ (الرسائل القشیریہ ص۱۰)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''والانبياء اولى بذلک فهم اجل واعظم'' انبیاء علیہم السلام اس کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ ان سے زیادہ بزرگ تر اور برتر ہیں اور فرماتے ہیں: ''فاذا كان في الشهيد فالانبياء احق بذلک واولى'' جب یہ صفت شہید کے حق میں آئی ہے تو انبیاء اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ (انباء الاذکیا)

اور تفسیر مظہری میں ہے: ''والحق عندى عدم اختصاصها (اى الحيوة) بهم (اى الشهداء) بل حياة الانبياء اقوىٰ منهم واشد ظهور آثارها في الخارج'' میرے نزدیک حق یہ ہے کہ یہ حیات شہداء کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ انبیاء کی حیات ان سے زیادہ قوی ہے اور اس کے آثار خارج میں زیادہ ظاہر ہیں۔ (مظہری ج۱ ص۱۴۱)

انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت

اب اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا اور ہم انہیں عبادات کرتے ہوئے محسوس نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری ان آنکھوں میں وہ قوت نہیں ہے کہ ہمیں ان کی زندگی یا ان کے معروف عبادت ہونے کا ادراک ہوسکے۔ کیونکہ پردۂ برزخ اس ادراک میں حائل ہوتا ہے۔ مگر ہمارے محسوس نہ کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ ذوات مقدسہ اپنی قبور میں زندہ نہیں یا وہ معطل عن الافعال ہیں۔

حق یہی ہے کہ شہداء کے لئے حیات نص قرآنی سے ثابت ہے اور وہ حیات جسمانی ہے اور یہی جسمانی حیات انبیاء علیہم السلام کے لئے بطریق اولی ثابت ہے۔

علامہ عبدالحق مکی ''اکیل شرح مدارک التنزیل'' میں لکھتے ہیں: ''فذهب كثير من السلف الى انها حيات حقيقة بالروح والجسد ولكنا لا ندرک ولانعلم حقيقتها لانهامن احوال البرزخ التى لا يطلع عليها'' بہت سے سلف اس طرف گئے ہیں کہ وہ حیات حقیقی ہے روح اور جسد کے ساتھ لیکن ہم اس کو سمجھتے نہیں اور نہ اس کی حقیقت جانتے ہیں اس لئے کہ وہ برزخ کے ان حالات میں سے ہے جن پر اطلاع نہیں دی گئی۔ (اکیل ج۲ ص۲۹)

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''واختلف في هذه الحيوة فذهب كثير من السلف الى انها حقيقة بالروح والجسد ولكنا لا ندركها في هذه النشاة'' اور اس حیات کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے اور بلاشبہ بہت سے سلف صالحین اس طرف گئے ہیں کہ یہ حقیقتاً حیات ہے جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دور اور حالت میں اس کا ادراک نہیں کرسکتے۔ (روح المعانی ج۲ ص۲۰)

قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان

الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین'' حق شہداء میں نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے تو پھر انبیاء مرسلین کی حیات اطہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

مفسرین کرام نے ''احوال البرزخ التی لا یطلع علیھا'' سے اس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ حیات عالم برزخ میں ہونے کی وجہ سے ہماری ان آنکھوں سے مشاہد اور محسوس نہیں ہوتی۔ مگر ایسی عبادات کو اس حیات کے روحانی ہونے سے کچھ تعلق نہیں۔ اس لئے کہ وہ حیات جسمانی ہوتے ہوئے بھی عالم برزخ اور پردہ غیب میں ہونے کی وجہ سے غیر مشاہد اور غیر مدرک ہے اور ''ولکن لا تعلمون'' کی بجائے ''لا تشعرون'' سے شعور کی نفی فرمانے کی بھی شاید یہی وجہ ہو۔ کیونکہ شعور اس احساس کو کہتے ہیں جو حواس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے تو اب ''لا تشعرون'' کا مفہوم یہ ہوا کہ شہداء کی اس حیات کا احساس اور مشاہدہ حواس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابوحیان کا قول ایسا ہی نقل فرمایا ہے: ''وذھب آخرون الی ان الشھید حی مع الجسد والروح ولایقدح فی ذالک عدم شعورنا بہ فنحن نراھم علی صفۃ الاموات وھم احیاء... ولذلک قال تعالٰی بل احیاء ولٰکن لا تشعرون فنبہ بقولہ ذالک خطابا للمؤمنین علی انھم لا یدرکون ھذہ الحیاۃ بالمشاھدۃ والحس'' اور دوسرے اس طرف گئے ہیں کہ شہید جسد اور روح سمیت زندہ ہیں اور ہمارا عدم شعور اس بات میں قادح نہیں کیونکہ ہم ان کو صفت اموات پر دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ زندہ ہیں اس واسطے اللہ تعالٰی نے بل احیاء ولٰکن لا تشعرون فرمایا ہے۔ پس اس ارشاد سے مومنین کو خطاب کر کے متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اس زندگی کو مشاہدہ اور حواس سے نہیں معلوم کر سکتے۔ (شرح الصدور ص ۸۵)

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو شہداء کی حیات کو دوسری عام اموات کی حیات سے حیات جسدی کی وجہ سے ہی امتیاز اور اختصاص حاصل ہوتا ہے ورنہ روحانی حیات تو سب کو ہی حاصل ہوتی ہے اور شہداء کو یہ حیات جسدی چونکہ عام مومنین کی حیات سے قوی تھی۔ اس لئے اس کے محسوس و مشاہد ہونے کا مظنہ تھا اور پھر اس کے محسوس و مشاہد نہ ہونے کی وجہ سے انکار حیات محتمل تھا۔ غالباً اسی وجہ سے ''لا تشعرون'' فرما کر اس کا غیر مشاہد اور غیر محسوس بالمشاعر ہونا بتلایا گیا ہے کہ کہیں اس کے محسوس بالحواس نہ ہونے کی وجہ سے اس کے جسمانی ہونے کی ہی نفی نہ کر دی جائے اور چونکہ ادراک بالحواس اور شعور کا تصور حیات جسدی میں ہی ممکن ہے روح کی حیات کا ادراک واحساس تو مشاعر سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا تو امکان اور تصور ہی نہیں ہے کہ کوئی شخص روح کی حیات کو حواس کے ذریعہ معلوم کر سکے۔ اس لئے ارشاد باری تعالٰی ''لا تشعرون'' بھی شہداء کی حیات جسدی ہی کی طرف مشعر ہے۔

جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وبھذا یتمیز الشھید عن غیرہ ولو کان المراد حیاۃ الروح فقط لم یحصل لہ تمیز عن غیرہ لمشارکۃ سائر الاموات لہ فی ذالک ولعلم المؤمنین باسرھم حیاۃ کل الارواح فلم یکن لقولہ ولٰکن لا تشعرون معنیً'' اور اس سے شہید کو دوسروں سے امتیاز ہوتا ہے اور اگر فقط روح کی حیات مراد ہوتی تو دوسروں سے امتیاز نہ ہوتا بوجہ اس کے کہ تمام اموات اس میں شریک ہیں اور مومنین کو سب کو تمام ارواح کی حیات کا علم بھی ہے تو پھر ''ولٰکن لا تشعرون'' کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ (شرح الصدور ص ۸۵)

انبیاء علیہم السلام کی حیات، شہداء کی حیات سے اعلیٰ ہے

مفسرین کرام اور ائمہ عظام کی ان تصریحات سے جہاں یہ واضح ہو رہا ہے کہ نص قرآنی کی دلالت سے انبیاء علیہم السلام کی قبر اور برزخ میں حیات ثابت ہے، وہاں یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات بلحاظ اولیت مقام اور افضلیت درجہ شہداء کی حیات سے اقویٰ اور کامل تر ہے۔ پھر چونکہ جمہور مفسرین اور اکابر علماء متقدمین کی تصریحات کے مطابق شہداء کو حیات جسدی حاصل ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کو بدرجہ اولیٰ اس سے بھی اقویٰ اور کامل تر یعنی حیات جسدی حقیقی حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ''المہند'' کی عبارت مذکورہ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر کے ساتھ شہداء کی حیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تطبیق بین الروایات

اوپر احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ قبر میں جسد کی طرف روح کو لوٹایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ ''تعاد الروح فی جسدہ'' سے ثابت ہو چکا ہے اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ شہیدوں اور مومنین کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اسی طرح احادیث صحیحہ میں ارواح انبیاء علیہم السلام کے رفیق اعلیٰ یا اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ بظاہر ان مختلف احادیث میں تعارف معلوم ہوتا ہے اور غیر بالغ نظریں ان میں جمع اور تطبیق کی صورت تجویز کرنے کی بجائے ٹکراؤ اور تصادم کا راستہ اختیار کر کے رد و انکار کی راہیں تلاش کرتی رہتی ہیں۔ حالانکہ علمائے امت ہمیشہ سے ان میں جمع اور تطبیق کی صورت اختیار کرتے آئے ہیں۔

چنانچہ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ پانی پتی نے اس مسئلے پر محدثانہ اور فقیہانہ انداز سے بحث کرتے ہوئے ان روایات کی تطبیق کی یہ صورت تجویز فرمائی ہے: ''وجہ التطبیق مقر ارواح المؤمنین فی علیین او فی السماء السابعة کما مر ومقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذالک لکل روح منها اتصال بجسدہ فی قبرہ لا یدرک کنهه الا اللہ تعالٰی وبذالک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنة والنار ویحس اللذة والالم ویسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذالک مما ثبت بالکتاب والسنة'' تطبیق اس طور پر ہے کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گزر چکا اور کفار کی ارواح کا ٹھکانہ سجین ہے لیکن بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے۔ جس کی حقیقت بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم و روح دونوں کا مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ پیش کیا جائے اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سنے اور منکر نکیر کو جواب دے اور اس کی مانند اور امور جن کا کتاب وسنت سے ثبوت ہو چکا ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۵ ص ۲۲۵)

اس عبارت سے واضح ہے کہ ارواح کا مستقر علیین یا سجین میں ہونا قبر میں حیات حاصل ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ علیین اور سجین میں ارواح کا استقرار ہوتے ہوئے بھی فی الجملہ ان کا تعلق و اتصال قبروں میں اپنے اپنے اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو لذت وکلفت کا احساس و ادراک بھی ہوتا ہے اور وہ منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتے اور عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''فالروح هناک لها اتصال بالبدن في القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد عليه سلام من سلم وهي في الرفيق الاعلى'' روح وہاں ہے وہیں سے روضہ منورہ میں موجود جسم اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے روح مبارک اور بدن اطہر کا ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۵۴)

نیز علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب زاد المعاد میں بھی اسی طرح کی عبارت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں: ''وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق راى موسى قائماً يصلي في قبره'' اور وفات کے بعد رفیق اعلیٰ میں ارواح انبیاء کے ساتھ آپ کی روح نے قرار پکڑا اس کے باوجود اس کا بدن مبارک کی طرف توجہ اور ایسا تعلق ہے کہ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں اور اسی تعلق کی بناء پر آپ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

خلاصہ یہ ہے کہ عالم برزخ میں منتقل ہو جانے کے بعد ارواح مبارکہ کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیق اعلیٰ میں ان کے استقرار کے باوجود قبور شریفہ میں موجود اجسام مطہرہ کے ساتھ بھی ان کو اتصال حاصل ہوتا ہے اور اسی اتصال اور تعلق کی وجہ سے ان کو حیات حاصل ہے اور وہ اسی تعلق کی وجہ سے اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ''انما نسمة المؤمن طير تعلق في شجر الجنة حتى يرجعه الله في جسده يوم يبعثه رواه مالک والنسائي والبيهقي كذا في المشكوة'' مومن کی روح پرندے کی شکل میں جنت کے درخت سے کھاتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو بعث کے دن اس کے جسد میں لوٹائے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ یوم بعث تک روح مومن کا مستقر شجر جنت ہے۔ پس یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اوّل یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو اور یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار فی الجنۃ مختلف حیثیتوں سے ایک وقت میں مجتمع ہو جاتے ہوں یعنی اصل قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ وہ جسد اصلی حالت پر یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو کہ جس سے ادراک نعیم والم کا ہو سکے۔ جیسا اب اصل تعلق قرار کا جسد سے ہے اور ساتھ ہی عالم مثال وارواح سے بھی تعلق ہے۔ جس سے گاہ گاہ اس عالم کا انکشاف بھی ہوتا ہے اور گاہ گاہ اس سے تاثر بھی ہوتا ہے خصوصی حالت نوم میں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱۹)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی ان عبارات میں تطبیق بین الروایات کا ایسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس سے روایات مختلفہ جمع ہو کر حیات انبیاء علیہم السلام اور قبر کے پاس سے صلوٰۃ وسلام کے سننے کا ثبوت ہو جاتا ہے نہ معلوم آج کل کے بعض منتسبین دیوبند تعلق ارواح کے مسئلے کا کیوں انکار کر رہے ہیں اور ان اکابر علماء کی تحقیق وتطبیق سے انحراف کر کے ارواح کا ابدان عنصریہ کے ساتھ تعلق کے بارے میں سکوت کا پردہ کیوں ڈالنا چاہتے ہیں اور ان کو اکابر کی یہ تطبیق وتحقیق کیوں پسند نہیں آتی؟

مسلک دیوبند کی ایک حدیث مبارکہ ﷺ سے تائید

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه قبض وفیه النفخة وفیه الصعقة فاکثر واعلیّ من الصلٰوة فیه فان صلٰوتکم معروضة علیّ قال قالوا یارسول اللہ کیف تعرض صلٰوتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' بے شک ہمارے افضل ترین ایام میں سے جمعے کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولی ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا سو تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰ والدارمی ص ۱۹۵ والنسائی ج ۱ ص ۱۵۴ وابن ماجہ ص ۷۷ وسنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹)

نیز امام حاکم نے (مستدرک ج ۱ ص ۵۶۰) میں بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہاں امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ دونوں نے اس کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''تو اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فعلی هذا یکون الحدیث الذی رواه حسین الجعفی عن ابن جابر عن ابی الاشعث عن اوس حدیثاً صحیحاً لان رواته کلهم مشهورون بالصدق والامانة والثقة والعدالة وبذلک صححه جماعة من الحفاظ کابی حاتم بن حبان والحافظ عبدالغنی المقدسی وابن دحیه وغیرهم ولم یات من تکلم فیه وعلله لحجة بینة'' یہ حدیث جس کو حسین الجعفی نے ابن جابر سے اور اس نے ابوالاشعث سے اس نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس کے سب راوی صدق وامانت اور ثقاہت وعدالت میں مشہور ہیں اسی واسطے حفاظ حدیث میں ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔ مثلاً ابوحاتم ابن حبان، حافظ عبدالغنی مقدسی اور ابن دحیہ وغیرہم اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اس حدیث پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو۔ (الصارم ص ۱۷۴)

اس صحیح حدیث سے امور ذیل کا ثبوت حاصل ہوتا ہے:

۱...... آنحضرت ﷺ پر زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا۔ چنانچہ آپ کے یہ الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتے ہیں: ''فان صلٰوتکم معروضة علیّ'' تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

۲...... زندگی مبارک میں درود شریف کے پیش ہونے پر کوئی اشکال پیش نہیں آیا۔ لیکن وفات شریفہ کے بعد درود شریف کیوں کر پیش ہوگا۔ آیا صرف روح مبارک پر پیش ہوگا یا روح مبارک یا جسد اقدس کے مجموعے پر یہ عرض ہوگی؟

عقلی طور پر اس کی کئی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ اس سوال وجواب سے واضح ہو رہا ہے کہ عرض صلوٰۃ میں روح مبارک کے ساتھ جسد اقدس کو بھی ضرور دخل ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال ''کیف تعرض صلٰوتنا علیک

وقد ارمت'' کے جواب میں ارشاد نبوی ﷺ ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' کا منشاء صاف واضح ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ اس پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے اور وفات سے پہلے اور وفات کے بعد عرض صلوٰۃ کی کیفیت بھی برابر ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ وفات سے پہلے جب یہ عرض صلوٰۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے شعور وادراک کے ساتھ ہوتا ہے تو وفات کے بعد بھی صلوٰۃ وسلام کی یہ پیشی روح مع الجسد پر ہی پورے شعور وادراک کے ساتھ ہوگی۔

اس سوال وجواب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد مطہر اس طرح محفوظ ہو کہ اس کو صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے کا ادراک اور شعور بھی ہوتا ہو۔ اگر اجساد محفوظہ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہی نہ ہوتا ہو یا انہیں اس صلوٰۃ وسلام کا بالکل شعور وادراک نہ ہوتا ہو تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر محض بے حس و بے شعور اکراماً محفوظ نہ ہو۔ بلکہ اس میں ایسی حیات اور شعور بھی ہو کہ اس پر پیش ہونے والے صلوٰۃ وسلام کا آپ کو شعور وسماع بھی ہو ورنہ تو محض بے حس و بے شعور جسم پر درود پیش کئے جانے کا کوئی معنی نہیں ہیں۔

اسی حدیث پر حاشیہ ابوداؤد شریف میں ہے: ''ان الصحابة سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقادهم بانه کائن لا محاله لقول الصادق دفعاً لاشتباه ان العرض هل علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد ان جسد النبی کجسد کل احد فکفی فی الجواب ماقاله علی وجه الصواب'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ ﷺ پر پیش کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ ﷺ یہ ارشاد فرما چکے تھے۔ پس ان کا سوال پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عرض ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا جواب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے۔ اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔ (حاشیہ ص ۱۵۷)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورهم فیمکن لهم سماع صلوٰۃ من صلّی علیهم'' جواب کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

نیز ارشاد فرماتے ہیں: ''فیه اشارة الی ان العرض علی مجموع الروح والجسد منهم'' اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود کی پیشی انبیاء علیہم السلام کے ارواح اور اجسام کے مجموعہ پر ہوتی ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲)

۳...... آنحضرت ﷺ کا یہ جواب گرامی صرف ارمت کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ کیف تعرض صلوٰتنا علیک کے جواب میں بھی ہے یعنی منشاء نبوت صرف یہی نہیں ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ کے محفوظ ہونے کی خبر دی جائے بلکہ ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے ورنہ بنائے سوال وجواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ کا محفوظ ہونا اور وفات کے بعد بھی وفات سے پہلے کی طرح ہی روح منور اور جسد مقدس کے مجموعہ پر صلوٰۃ وسلام کا پیش ہوتے رہنا اس پر دلیل ناطق اور شاہد صادق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات عموماً اور آنحضرت ﷺ کی حیات خصوصاً بعد از وفات جسمانی ہے۔

اس سے بڑھ کر حیات جسمانی کی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

دوسری حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: ''الانبیاء احیاء فی قبورهم

یصلون۔ مسند ابو یعلی ''حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔
(جامع صغیر ص ۱۰۳ مجمع الفوائد ج ۲ ص ۱۷۶)

امام ابو یعلیٰ کے طریق سے اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔
محدیث کبیر علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رجال ابی یعلی ثقات'' ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں۔''
(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۱۱)

علامہ عزیزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وھو حدیث صحیح'' یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وصححه البیهقی'' اس حدیث کی بیہقی نے تصحیح کی ہے۔''
(فتح الباری ج ۱ ص ۳۵۲)

اور علامہ حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ووافقه الحافظ فی المجلد السادس'' بیہقی کی تصحیح پر حافظ ابن حجر نے اتفاق کیا ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورهم'' انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲)

غرضیکہ جمہور محدثین کرام نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، صحیح ہے۔'' (فضائل درود ص ۳۴)

کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول روایت کی رو سے اس سے زیادہ کون سی دلیل ہوگی کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں۔ چنانچہ حافظ ابو یعلیٰ کے سلسلہ اسناد میں اس حدیث کے سب راوی معروف اور قابل اعتماد ہیں۔

اس حدیث میں حیات انبیاء کی قبور شریفہ سے صریح نسبت کے بعد اس وسوسے کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ انبیاء علیہم السلام صرف رفیق اعلیٰ اور اعلی علیین میں فائز الحیات ہیں اور ان کی حیات شریفہ کو اجسام قبریہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر پر حاشیہ نسائی زہر الربی للعلامۃ السیوطی سے منقول ہے: ''قال الشیخ بدر الدین بن الصاحب هذا صریح فی اثبات الحیاة لموسیٰ علیہ السلام فی قبره فانه وصفه بالصلوٰة وانه قائم ومثل ذالک لا یوصف به الروح وانما یوصف به الجسد وفی تخصیصه بالقبر دلیل علیٰ هذا فانه لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصه بالقبر وقال الشیخ تقی الدین السبکی فی هذا الحدیث الصلوٰة تستدعی جسدا احیاء'' شیخ بدر الدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں زندہ ہونے پر صریح دلیل ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز سے موصوف بتلایا ہے اور یہ کہ وہ کھڑے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے محض روح موصوف نہیں ہوتی نماز جیسے عمل سے متصف ہونا تو جسم کا کام ہے روح کا نہیں۔ نیز اس عمل کے قبر سے متعلق ہونے میں بھی حیات فی القبر پر دلیل ہے۔ اگر یہ عمل صلوٰۃ روح کی صفت ہوتی تو اس کی تخصیص قبر سے بالکل نہ ہوتی۔ شیخ تقی الدین سبکی بھی اس حدیث کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔ (نسائی شریف ص ۲۴۲، ۲۴۳)

حاشیہ سندھی للعلامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی الحنفی سندھی میں یہی عبارت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث حیاۃ انبیاء میں صرف ''الانبیاء احیاء'' نہیں فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ''فی قبورھم'' کی قید بھی لگائی ہے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اس لئے ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے اس پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ یہاں محل حیات وہی جسم اطہر ہے جسے قبر میں رکھا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد عنصریہ ہی بعد از وفات قبور میں اتارے جاتے ہیں، اس لئے انبیاء کی حیات کا بیان ان کی قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں ہے بلکہ ان کے اجسام مدفونہ فی القبور میں بھی حیات حاصل ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حیات انبیاء علیہم السلام کی وضاحت ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے فرمائی ہے بلکہ آپ نے ''یصلون'' فرما کر یہ بھی واضح فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ قبر والی حیات مقصد حیات سے خالی نہیں ہے کہ اجسام مبارکہ میں حیات وشعور تو ہو مگر ان سے ایسے افعال جو مقصد حیات ہیں، اس زندگی میں بالکل صادر نہ ہوتے ہوں، مقصد یہ ہے کہ یصلون سے ایسی با مقصد حیات فی القبر کا اثبات مقصود ہے جس میں اعمال طیبہ سے تعطل نہ ہو اور ان اشخاص کریمہ کا اس زندگی میں زندوں جیسے کاموں میں اشتغال پایا جاتا ہو۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کلام میں آخری قید محط کلام ہوتی ہے۔ لہٰذا ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' میں مقصود کلام صلوٰۃ اور عبادت فی القبر کا بیان کرنا ہے۔ اصل حیات مفروغ عنہ ہے۔ ''یصلون'' سے پہلے حیات کا ذکر محض تمہید کے لئے ہے اور مقصود یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مطہرہ اگرچہ اس عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہو گئے ہیں۔ لیکن وہی اجسام حسب سابق مشغول عبادت ہیں اور اعمال حیات اور اشغال زندگی بدستور جاری ہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۲۸۰)

اکابر علمائے امت کا اجماع

قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اکابر علمائے امت، متکلمین اسلام، اور فقہائے مذاہب اربعہ نے اس مسئلہ حیات النبی ﷺ پر جس طرح اتفاق واجماع فرمایا ہے۔ مختصر طریقے پر ذیل میں اس کا تذکرہ ملاحظہ کیا جائے۔

الامام الاستاذ ابومنصور طاہر الشافعی البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ فرماتے ہیں: ''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ'' ہمارے اصحاب محقق متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱)

حضرات متکلمین نے حیات النبی ﷺ کے اس عقیدہ کو اپنے امام ابوالحسن الاشعری المتوفی ۳۳۰ھ کا عقیدہ بتلایا ہے اور فرقہ کرامیہ نے جو ان کی طرف غلط عقیدہ منسوب کر دیا تھا، اس کی سختی سے تردید کی ہے۔

چنانچہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں: ''فاما ما حکی عنہ وعن اصحابنا یقولون ان محمداً ﷺ لیس نبی فی قبرہ ولا رسول بعد موتہ فبہتان عظیم وکذب محض لم ینطق بہ منہم احد ولا سمع فی مجلس مناظرۃ ذالک عنہم ولا وجد فی کتاب لہم وکیف یصح ذالک وعندہم محمد صلوات اللہ علیہ حی فی قبرہ'' جو بات امام ابوالحسن الاشعری اور ان کے اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قبر میں نبی نہیں ہیں اور نہ وفات کے بعد رسول ہیں تو یہ بہتان عظیم اور خالص جھوٹ ہے

ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی مجلس مناظرہ میں ان سے سنی گئی اور نہ آپ کی کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے اور یہ بات ان سے نعوذ باللہ کیسے ثابت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (الرسائل القشیریہ ص ۱۰)

عقیدہ انکار حیات کا تاریخی پس منظر

معتزلہ کرامیہ کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول ہیں اور حقیقی اعتبار سے آپ نبی اور رسول نہیں رہے۔ زوال نبوت کے اس عقیدہ کے لئے انہوں نے اس طرح استدلال کیا کہ نبوت کے لئے شعور لازم ہے۔ علم واحساس کے بغیر اس کا پایا جانا ممکن نہیں۔ لہٰذا جب بھی اس شعور کا انتفاء ہوگا نبوت منتفی ہوگی۔ کرامیہ نے وفات نبی ﷺ پر انتفاء نبوت کی بناء کے لئے روضۂ منورہ میں حیات جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور کلی طور پر حیات النبی کا انکار کر دیا اور کہا کہ: ''آنحضرت ﷺ وفات پانے کے بعد جب قبر کے پردے میں گئے تو وہاں احساس وشعور کلی طور پر منتفی ہیں جسم اطہر محض بے جان ہے صرف اکراماً محفوظ ہے اور حیات جسدی کی نفی کو لازم ہے کہ آپ نبی نہیں رہے۔'' نعوذ باللہ منہ!

کرامیہ کا یہ کس قدر فریب اور دھوکہ ہے کہ وہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہلسنت کی طرف کر رہے ہیں اور حیات النبی ﷺ کے انکار کو اہلسنت کا عقیدہ بتلا رہے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض گمراہ فرقوں کے نزدیک اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔

چنانچہ حاشیہ شرح نخبہ میں ہے: ''المراد باعتقاد حل الکذب ھو اعتقاد حلہ لمصلحتہ دینیۃ وترویج مذھبہ'' جھوٹ حلال ہونے کے اعتقاد سے مراد یہ ہے کہ دین کی مصلحت کی خاطر اور اپنے مذہب کو رواج دینے کے لئے جھوٹ کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھے۔ (ص ۷۸)

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت ہی فتنہ پرداز شخص بیکندی نام کا گزرا ہے یہ شخص لطائف الحیل سے سلجوقی دربار حکومت میں منصب وزارت پر آ گیا تھا، اس کے عقائد رفض واعتزال کا امتزاج تھے۔ ۴۴۵ھ کے قریب اس نے وفات النبی ﷺ اور جسد اطہر کے روضہ منورہ میں نعوذ باللہ بے حس وبے شعور ہونے کے عقیدہ کو انعزال نبوت اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وفات قطعاً رسول نہ ہونے کے لئے بطور زینے کے استعمال کیا اور صرف یہی نہیں کیا بلکہ اپنے خود ساختہ اس نظریے کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے بطور افتراء کے امام اہلسنت حضرت ابوالحسن الاشعری کی طرف منسوب کر دیا۔

روضۂ منورہ میں حیات کے انکار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے جوار رسول میں ہونے اور روضۂ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شان امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس انکار حیات سے اس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو اور ظاہر ہے کہ وفات کے بعد روح بدن کی کلی مفارقت کے اس نظریے سے عذاب قبر کا انکار قریب الیقین ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کے اعتزال کو قوت مل رہی تھی۔

اس وقت امام حدیث امام احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم القشیری رحمہ اللہ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے اس فرقہ کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے وہ یہی تھی کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں محض بے جان ہیں (معاذ اللہ) ان بزرگوں نے یہ

جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے رسالہ ''حیات الانبیاء'' لکھا اور علامہ قشیری رحمہ اللہ نے ''شکایۃ اھل السنۃ فیما نالھم من المحنۃ'' میں ان افتراءات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کی تفصیل حافظ ابن عساکر کی کتاب تبیین کذب المفتری اور طبقات الشافعیہ زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری ملاحظہ کیجئے۔

اہلسنت کا عقیدہ اور اکابر کی تصریحات

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبدالحسن المشہور بابی عذبہ لکھتے ہیں: ''قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ انہ رسول الآن حقیقۃ وقال الکرامیہ لا'' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں۔ (ص ۳ طبع حیدرآباد)

''وھو ﷺ بعد موتہ باق علی رسالہ و نبوتہ حقیقۃ کما یبقی وصف الایمان للمؤمن بعد موتہ وذالک الوصف باق بالروح و الجسد معاً لان الجسد لا تاکلہ الارض... انہ ﷺ حی فی قبرہ رسولاً الی الابد حقیقۃ لا مجازاً'' حضور اکرم ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد بھی صفت ایمان سے متصف رہتا ہے اور حضور ﷺ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور جسد انور کے ساتھ ہے...... آپ ﷺ اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لئے رسول ہیں حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔ (الروضۃ البہیہ ص ۵)

''ان الاشعری و اصحابہ قائلون بان النبی ﷺ فی القبر حی یحس و یعلم'' امام اشعری اور ان کے سب اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور انور ﷺ اب قبر شریف میں زندہ ہیں اور ان کو علم و احساس بھی حاصل ہے۔ (الروضۃ البہیہ ص ۱۵)

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان اللہ عزوجل ثناہ رد الی الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء'' بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔ (حیات الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶)

علامہ ابن عقیل الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ص ۵۱۳) کا ارشاد ہے: ''قال ابن عقیل من الحنابلہ و ھو ﷺ حیّ فی قبرہ'' علامہ ابن عقیل حنبلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ (الروضۃ البہیہ ص ۱۴)

امام بدرالدین بعلی الحنبلی رحمہ اللہ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کا اختصار کیا ہے لکھتے ہیں: ''والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون'' حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز پڑھتے ہیں۔ (مختصر الفتاویٰ ص ۱۷۰)

امام علی بن عبدالکافی رحمہ اللہ السبکی لکھتے ہیں: ''اما حیوۃ الانبیاء اعلی و اکمل و اتم من الجمیع لانھا للروح والجسد علی الدوام علی ما کان فی الدنیا'' انبیاء علیہم السلام کی حیات سب سے زیادہ اعلیٰ کامل اور تام ہے اس لئے کہ یہ دائمی طور پر جسد اور روح کے لئے ہے جس طرح دنیا میں تھی۔ (شفاء السقام ص ۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان حیاتہ ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیاً

والانبیاء احیاء فی قبورھم" آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں ایسی زندگی ہے جس پر موت نہیں آتی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی رحمہ اللہ المتوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں: "نحن نؤمن ونصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتأکلہ الارض والاجماع علی ھذا" ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھاتی اور اس پر اجماع منعقد ہے۔ (القول البدیع ص ۱۴۵)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حیات فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علماً قطعیا لما قام عندنا من الادلۃ فی ذالک وتواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذالک" آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر میں اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (فتاویٰ اور انبیاء الاذکیاء ص ۲)

علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کے متواتر کہنے میں امام سیوطی رحمہ اللہ کی تائید کی ہے۔ (المنحۃ الوہبیہ ص ۱۱)

علامہ سمہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واما ادلۃ حیات الانبیاء فمقتضاھا حیات الابدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء" بہرکیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی خوراک سے استغناء کے ساتھ۔ (وفاء الوفاء ص ۱۳۵۵)

حضرت ملا علی قاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں: "المعتقد المعتمد انہ ﷺ حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقاً بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون باعتبار القالب فرشیون" قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا۔ اس لئے وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم سے فرشی ہیں۔ (شرح شفاء ج ۲ ص ۴۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔" حیات انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے (اور یہ حیات) حیات جسمانی دنیوی حقیقی ہے نہ کہ حیات معنوی روحانی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۷۳)

علامہ نورالحق دہلوی رحمہ اللہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم السلام بعد از ذوق موت زندہ زند بحیات دنیوی۔" قول مختار اور جمہور کے نزدیک یہی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہو جاتے ہیں۔ (تیسیر القاری ج ۳ ص ۲۶۲)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمہ اللہ ترجمہ مشکوٰۃ شریف میں لکھتے ہیں: "زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔" (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۳)

واضح رہے کہ مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کے اس ترجمہ مشکوٰۃ شریف کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس کی تصدیق حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے۔ (مظاہر حق ص ۲)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمی ص ۳)

حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ''آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، نبی اللہ حی یرزق، اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ ''آب حیات'' میں بما لا مزید علیہ ثابت کیا ہے۔'' (ہدایۃ الشیعہ ص ۱۸)

نیز فرماتے ہیں: ''ولان النبیین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء فلا معنی لتوریث الاحیاء منھم'' جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں تو ان کی وراثت زندوں کو ملنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۲۳)

حضرت شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ شارح ابوداؤد فرماتے ہیں: ''ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

۱...... ''آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص ۴۳۶)

۲...... بیہقی وغیرہ نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ کذا فی المواہب! (النشر الطیب ص ۳۵۷)

۳...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ خود حضور یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں، صحابہ کا بھی اعتقاد ہے۔ (اشرف الجواب ج ۲ ص ۱۶۰)

۴...... غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقین اور مخالفین کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع الروح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے۔ (نفخ الصدور ص ۱۵۲)

قابل غور بات یہ ہے کہ قبر اطہر کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے متصل ہے، باجماع امت کعبہ شریف بلکہ عرش معلی سے بھی افضل ہے تو کیا یہ فضیلت (نعوذ باللہ) صرف ایسے بے جان جسد اطہر کی ہے جس کے ساتھ روح انور کا تعلق کبھی رہ چکا ہے مگر اب نہیں ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو پھر موئے مبارک جو جسد اطہر سے جدا ہو چکے ہیں اور کسی وقت جسد اطہر سے متصل تھے ان کا بھی یہی حال ہوتا بلکہ لباس مبارک جو کبھی جسد اطہر پر پڑ چکا ہے اس کا بھی یہی حکم ہوتا وغیرہ وغیرہ کہ ان چیزوں کو بھی جسد اطہر کے ساتھ اتصال یا تلبس کا تعلق حاصل رہا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے کعبہ شریف سے افضل ہونے کا قول کسی نے نقل نہیں کیا۔ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ قبر مبارک میں جسد اطہر مع تعلق روح کے محفوظ و موجود ہے اور جسد اطہر مع الروح کے تلبس و اتصال کی وجہ سے قبر مبارک کو فضیلت حاصل ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ صرف بے جان جسد اطہر کی وجہ سے کی وجہ سے قبر مبارک کو یہ فضیلت ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقرأۃ القرآن عند الترمذی الخ'' بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہیں جیسا کہ دارمی کی روایت ہے اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے تلاوت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۴۳)

۲...... ''ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم'' انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، شاید اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی۔

(تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

۳...... ''تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لا اصلھا او اراد مع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض'' یہ احادیث صرف حیات کا بیان نہیں کرتیں بلکہ افعال حیات (زندوں والے کاموں کو) بھی ثابت کرتی ہیں یا یہ مراد ہو کہ حیات اجسام کے ساتھ ہے کیونکہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

اور ظاہر ہے کہ جن اجساد مطہرہ کو مٹی پر حرام کیا گیا ہے وہ یہی اجساد عنصریہ ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ان کے اجساد عنصریہ کے ساتھ مع اعمال وافعال کے ثابت ہے۔ صرف بقاء روح کی حیات مراد نہیں ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ شارح مسلم فرماتے ہیں: ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۱۹)

۲...... ''ولا یتوھم من ھذا انکار حیاتہ فی قبرہ الشریف فانہ لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرافاً علی البدن المبارک المطیب واشرافاً وتعلقا بہ'' اس سے آپ کی اپنی قبر شریف میں زندگی کے انکار کا وہم نہ کیا جائے کیونکہ آپ کی روح مقدس بدن مبارک پر اپنا اثر ڈال رہی ہے اور اس کی اس پر روشنی پڑ رہی ہے اور اس کا بدن اطہر کے ساتھ تعلق قائم ہے۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۶۱)

فرقہ نجدیہ کے عقائد

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''الشہاب الثاقب'' میں نجدی اور ان کے فرقہ کا عقیدہ بیان فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: ''بعض ان کے حفظ جسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں مگر بلا علاقہ روح۔'' (ص ۴۵)

آگے تحریر فرماتے ہیں ''اب غور فرمایئے کہ ان کے رسائل اور اعتقادات بالکل اس کے مخالف ہیں۔''

(ص ۴۵)

۲...... اپنی خود نوشت سوانح میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''وہ عقائد واقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز بین اہل السنۃ وبینہم ہیں۔ ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل

اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ ''آب حیات'' نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے۔'' (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳)

حضرت مدنی قدس سرہ نے بغیر تعلق روح فقط جسم نبوی ﷺ کے محفوظ ہونے کا قائل مجدی فرقے کو قرار دیا ہے اور حضرات اکابر علمائے دیو بند کو نہ صرف انبیاء علیہم کی حیات جسمانی اور روح وجسم کے درمیان تعلق کا قائل بتلایا ہے بلکہ ان حضرات کو اس کا ثابت کرنے والا اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرنے والا فرمایا ہے۔

اب جو علماء روح مبارک اور جسم اطہر کے درمیان اس تعلق اور حیات جسمانی کا انکار کر رہے ہیں یا اپنے اس انکار پر سکوت کا پردہ ڈالنے کی کوشش میں ہیں، وہ غور فرمائیں کہ وہ کس راستے پر گامزن ہیں؟

جمہور اہل السنۃ کا عقیدہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سابق صدر مفتی دار العلوم دیو بند تحریر فرماتے ہیں: ''جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلے میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی حیات برزخی روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے جو حیات دنیوی کے مماثل ہے بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں...... صرف حیات روحانی کا قول جمہور علمائے امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیو بندیت کو مستقل مذہب نہیں جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام دیو بندیت ہے جو عقیدہ جمہور اہلسنت کے خلاف ہے وہ دیو بندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (الصدیق ملتان جمادی الاولی ۱۳۷۸ھ)

مخدوم العلماء حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دار العلوم تحریر فرماتے ہیں: ''احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند میں باتفصیل مرقوم ہے یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء بجسد عنصری زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیو بند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔'' (الصدیق مذکور)

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ سابق مفتی دار العلوم دیو بند ارقام فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ اپنی مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑا ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔'' (الصدیق مذکور)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور فرماتے ہیں: ''تمام اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عام مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔''

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۷۸)

آگے فرماتے ہیں: ''غرض یہ کہ حضرات انبیاء علیہم کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں'' (ج ۳ ص ۲۸۰)

اور آگے چل کر تصریح فرماتے ہیں: ''یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم کی حیات جسمانی اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے۔'' (سیرۃ ج ۳ ص ۲۸۴)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک دونوں پر پیش ہوتا ہے۔'' (تبلیغی نصاب، فضائل درود شریف ص ۲۷)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب حدیث الا رد اللہ علی روحی کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء علیہم السلام کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے ردروح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح مبارک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں معروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات علماء مذاہب کے بیانات اور متکلمین اسلام کی تصریحات اس حقیقت پر واضح شہادات ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کے جسمانی اور دنیا والے جسم اطہر سے قائم ہونے پر تمام اہلسنت کا اجماع اسلام کے ہر دور میں رہا ہے اور ملت اسلامیہ کے مختلف ادوار میں انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور کا مسئلہ اس کثرت سے بیان ہوتا رہا اور اتنے شدومد سے سامنے آتا رہا ہے کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور تمام دلائل کا احصاء قریب ناممکن ہے۔

بعض ائمہ دین اور اکابر ملت کا اس کو صراحۃً بیان کرنا اور سواد اعظم اہلسنت کے ہر فقہی اور کلامی مسلک کا اس کو تسلیم کرتے چلے آنا اور اس نقطہ حیات سے کسی کا اختلاف منقول نہ ہونا حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متفق علیہ اور اجماعی مسئلہ ہونے کی واضح دلیل ہے اور قرآن وسنت کے دلائل کے علاوہ خود امت مسلمہ کا اتفاق واجماع بھی اس کے اثبات کے لئے ایک مستقل اور وزنی دلیل کی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس حیات سے جس پر امت کا اجماع ہے محض روح کی حیات مراد نہیں ہے اگر محض کی حیات مراد ہوتی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں قبور کا لفظ معاذ اللہ بیکار ہو جاتا ہے اور عبارات اکابر رحمہم اللہ میں بھی قبر کے لفظ سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوتا۔

اس حدیث شریف اور عبارات اکابر سے واضح ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور قبور میں حیات کا مفہوم اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق قائم ہو کر جسم اطہر میں حیات حاصل ہے۔

حیات دنیوی کا مفہوم

جن اعیان امت اور اکابر ملت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم برزخی کی اس حیات جسمانی کو ''دنیوی'' کہا ہے جیسا کہ علامہ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر کی عبارات میں اوپر گزرا ہے اور نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں ''دنیا کی سی'' کا لفظ موجود ہے۔ نیز مسلک علمائے دیوبند کی اجتماعی دستاویز ''المہند'' میں بھی بعینہٖ یہی لفظ مذکور ہے، اس دنیوی حیات کا مفہوم صرف یہ ہے کہ عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی جسد اقدس فائز الحیات ہے جو

پہلے اس عالم دنیا میں متصف بالحیات تھا اور آپ کی روح مبارک کا آپ کے دنیوی بدن مقدس سے تعلق ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے علم وسمع اور ادراکات بھی ثابت ہے۔

حضرات اکابر رحمہم اللہ کے نزدیک حیات دنیوی کا یہ مفہوم ہرگز مراد نہیں ہے کہ عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم آپ کے لئے وہاں ثابت ہیں اور عالم برزخ کی یہ حیات تمام احکام میں حیات دنیوی کی طرح ہے۔ وفاء الوفاء کی عبارت میں اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے اور عبارات ذیل کے ملاحظہ سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ولا یلزم من کونھا حیوۃ حقیقیۃ ان یکون الابدان کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب... واما الادراکات کاالعلم والسماع فلاشک فیہ ان ذالک ثابت'' اس کے حیات حقیقی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں بھی ابدان اسی طرح کھانے پینے کے محتاج ہوں جس طرح کہ اس دنیا میں تھے اور ادراکات مثلاً علم وسماع تو ان کے ثبوت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۴۳)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ قدس سرہ نے بھی اس حیات دنیوی کا مفہوم اور اس کی حدود و قیود یہی بیان فرمائی ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام کو ان ہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۳)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ بھی اس طرح ارقام فرماتے ہیں: ''ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف وجوانب سے سمٹ آتی ہے۔ اس لئے حیات جسمانی کو نسبت سابق سے اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہو جانے کو ہو۔ بہرحال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آجاتی ہے اور مثل چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات وموت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔'' (المصالح العقلیہ ج ۲ ص ۲۱۲)

معلوم ہوا کہ جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبور مبارکہ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو اس عالم دنیا کی خوراک کی حاجت نہیں ہوتی۔ البتہ قبور مبارکہ میں دنیوی حیات کی طرح ان حضرات کو ادراک اور علم وشعور حاصل ہوتا ہے اور انہی اہم امور کی وجہ سے اس حیات کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نواب قطب الدین صاحب رحمہ اللہ نے مظاہر حق میں اور علمائے دیوبند نے اپنی مسلکی دستاویز ''المہند'' میں ''دنیا کی سی'' کا جملہ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے تحریر کیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے بلکہ ادراک وعلم اور شعور وغیرہ بعض وجوہ سے یہ حیات دنیا کی سی ہے۔

باقی رہا یہ کہ: ''الشئ اذا ثبت، ثبت بلوازمہ'' کے قاعدہ کی رو سے دنیوی حیات کے تمام لوازم اسی عالم برزخ کی حیات پر کیوں مرتب نہیں ہوتے؟

اوّل تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حیات من کل الوجوہ حیات نہیں ہے تو اس پر من کل الوجوہ حیات کے لوازم کیسے مرتب ہو سکتے ہیں؟ جب یہ حیات فی الجملہ ہے تو اس کے لوازم بھی فی الجملہ ہی ثابت ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ محل حیات اور موطن بدل گیا ہے، پہلے عالم دنیا اور اس موطن میں حیات حاصل تھی۔ اب عالم برزخ اور دوسرے موطن میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے عالم کے بدلنے سے لوازم کا انتفاء لازم آ گیا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

آسمان پر اسی دنیوی حیات حقیقی جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔ مگر ان کی اس وقت کی آسمانی حیات جسمانی سے، حیات جسدی دنیوی کے لوازم، طعام، شراب کی احتیاج، دنیوی موطن اور عالم کے بدلنے کی وجہ سے، بالاتفاق منتفی ہیں۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از موطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد احوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشد" برزخ صغریٰ ایک جہت سے موطن دنیوی بھی کہلا سکتا ہے اور اس اعتبار سے اس برزخی حالت میں بھی ترقی کی گنجائش ہے۔ اس موطن کے حالات مختلف لوگوں کے حالات کے مناسب مختلف ہوتے ہیں۔ انبیاء اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہ حدیث آپ نے سنی ہوگی۔ (مکتوبات ج ۲ نمبر ۱۶ ص ۲۹)

مطلب یہ ہے کہ برزخی زندگی کے ان افعال میں بھی ترقی کرنے اور قرب الٰہی میں بڑھتے چلے جانے کی گنجائش ہے اور اس جہت سے اسے اس موطن کو دنیوی بھی سمجھا اور کہا جا سکتا ہے۔

تفسیر قرطبی سے بھی اس طرف اشارہ سمجھا جا سکتا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے: "والحیاۃ التی تکون فی القبر علی ھذا التاویل فی حکم حیاۃ الدنیا" وہ زندگی جو قبر میں ہوتی ہے اس تاویل کی رو سے وہ دنیوی زندگی کے حکم میں ہے۔ (قرطبی ج ۱ ص ۲۴۹)

غرضیکہ عالم برزخ کو ایک جہت سے عالم دنیا سے تعلق ہے اور ایک جہت سے عالم آخرت کے ساتھ بھی اس کو تعلق ہے، اسی لئے اس میں حاصل ہونے والی یہ حیات بھی من وجہ دنیوی اور من وجہ اخروی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ظرف یعنی عالم کے لئے دو جہتیں دنیوی اور اخروی حاصل ہیں تو ضروری ہے کہ مظروف یعنی حیات کے لئے بھی علاقہ ظرفیت کی وجہ سے یہی دونوں جہتیں دنیوی اور اخروی، حاصل ہوں اور ایک جہت سے یہ حیات، دنیوی اور دوسری جہت سے اخروی کہلاتی ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ میں جو زندگی حاصل ہے، علاوہ اس کے کہ وہ عالم من وجہ دنیوی اور من وجہ اخروی ہے اور اس لئے وہاں کی زندگی من وجہ دنیوی اور من وجہ اخروی ہے۔ باعتبار ابدان کے بھی وہ زندگی دنیوی ہے۔ نیز علم و شعور وغیرہ اور ادراکات میں بھی وہ زندگی دنیوی زندگی کی طرح ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر جہت سے یہ زندگی دنیوی ہے اور دنیوی زندگی کے تمام لوازم اس زندگی کے لئے ثابت ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی اپنے مضمون "مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھتے ہیں: "ان حضرات کی ایسی عبارت کا یہ مطلب قرار دینا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد نہیں ہوئی اور ان کو اپنی قبروں میں بعینہٖ دنیا والی حیات حاصل ہے۔ ایسا سمجھنے والوں کی خوش فہمی کے علاوہ ان بزرگوں پر تہمت بھی ہے۔ اسی طرح ہمارے بزرگوں کی تحریروں میں مثلاً: "التصدیقات" میں انبیاء علیہم السلام کی قبر والی حیات کو "حیاۃ دنیویہ" کہا گیا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے یعنی مع الجسد ہے صرف روحانی نہیں ہے جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں۔ "التصدیقات" کے اردو ترجمہ ہی میں غور کرنے سے یہ مطلب خود واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان بزرگوں کی ایسی عبارتوں کا یہ مطلب بیان کرنا اور ان کا یہ مسلک بتانا کہ انبیاء علیہم السلام پر موت وارد ہی نہیں ہوئی اور قبروں میں وہ بعینہٖ دنیا والی ناسوتی حیات کے ساتھ موجود ہیں۔ صریحاً ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ اس مسئلہ میں ان کی رائے قرآن و حدیث کے صریح نصوص و بینات اور اجماع صحابہ اور اجماع امت کے خلاف

ہے، میں نہیں یقین کرتا کہ ہمارے علماء میں سے کسی نے ایسی لغو بات کہی ہو۔ "سبحانک هذا بهتان عظيم"
(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۳۹ نومبر و دسمبر ۱۹۵۸ء)

چونکہ عالم برزخ کی یہ زندگی کسی جہت سے دنیوی اور کسی جہت سے اخروی ہوتی ہے، اس لئے اگر اکابر کی کسی عبارت سے اس زندگی کے ناسوتی یا مماثل حیات دنیا ہونے کی نفی ہوتی ہو تو اس سے ان کی مراد یہی ہوگی کہ یہ زندگی دنیویہ محضہ اور تمام احکام میں احکام دنیا کے مماثل نہیں ہے۔ اس طرح تمام عبارات میں تطبیق حاصل ہو سکتی ہے۔ خواہ مخواہ عبارات میں تعارض پیدا کرتے رہنا اور ایک عبارت کو دوسری عبارت سے ٹکراتے چلے جانا کوئی علم کی بات نہیں ہے۔

مسئلہ سماع انبیاء علیہم السلام عند القبر

آنحضرت ﷺ کے سماع عند القبر پر تمام اہلسنت والجماعت کا اتفاق اور اجماع ہے اور اہلسنت میں کوئی معتبر شخص ایسا نہیں گزرا جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت ﷺ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔

البتہ جن لوگوں نے حضور ﷺ کی عالم برزخ کی اس زندگی کا اس طرح تصور قائم کیا ہے کہ (نعوذ باللہ) جسم اقدس قبر اطہر میں بے حس و بے شعور صرف اکراماً محفوظ ہے اور ان لوگوں نے سرور عالم ﷺ کی حیات فی القبر کے ساتھ سماع عند القبر کا بھی انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ حتذکرہ حدیث حفظ اجساد انبیاء علیہم السلام سے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کا تحفظ اور عرض صلوٰۃ کی کیفیت کا بیان مقصود ہے، اسی طرح اس حدیث سے ایسی حیات جسمانی کا ثبوت بھی ہو رہا ہے۔ جس سے ان کی قبور مبارکہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ وسلام کو وہ بنفس نفیس خود سماعت فرما لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت علامہ قاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "فمحصل الجواب ان الانبياء احياء فى قبورهم فيمكن لهم سماع صلوة من صلى عليهم" حاصل جواب یہ ہے کہ بے شک انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھے اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

اس لئے کہ جسد اقدس میں شعور و ادراک اور سماع صلوٰۃ وسلام کی قوت کے حاصل ہوئے بغیر محض بے حس و بے شعور جسد کے محفوظ رہنے کی خبر دینے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال "كيف تعرض صلوتنا عليك وقد ارمت" کا جواب کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اجساد مقدسہ کو تو محفوظ تسلیم کرنا اور اس میں حیات اور سماع صلوٰۃ وسلام کی قوت اور شعور و ادراک کا انکار کرنا، جواب مبارک کو سوال کے غیر مطابق قرار دے کر سوال و جواب میں بے ربطی اور عدم مطابقت پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وعلى هذا فقولهم وقد ارمت كناية عن الموت والجواب بقوله ﷺ ان الله حرم الخ كناية عن كون الانبياء احياء فى قبورهم" صحابہ کا وقد ارمت، کہنا موت سے کنایہ ہے اور آنحضرت ﷺ کا اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوتے ہیں۔ (حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۱۵۵)

علامہ سندھی کے اشارہ سے واضح ہو گیا کہ جن لوگوں نے ان اللہ حرم الخ کو صرف قد ارمت کے ظاہر کا جواب قرار دیا ہے وہ منشاء حدیث کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں، کیونکہ علامہ سندھی کے ارشاد مذکور پر قد ارمت موت سے اور ان اللہ حرم الخ حیات فی القبر سے کنایہ قرار پاتا ہے تو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سوال کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد ہمارا درود شریف آپ پر کس طرح عرض کیا جائے گا؟ اور آنحضرت ﷺ کے جواب کا

حاصل وہ ہوا جس کا ذکر علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کی "مرقات شرح مشکوٰۃ" کے حوالہ سے اوپر گزرا کہ انبیاء علیہم السلام کی قبور میں اس طرح کی زندگی ہوتی ہے جس سے وہ صلوٰۃ وسلام کو سن سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کے جواب میں اجساد مقدسہ کے اس طرح محفوظ ہونے کی خبر دینا کہ ان میں عرض صلوٰۃ وسلام کی صلاحیت ہی نہ ہو اور (نعوذ باللہ) وہ بے حس و بے شعور جماد محض ہوں، کیسے درست ہوسکتا ہے اور یہ اس سوال کا جواب کیسے بن سکتا ہے؟

اس لئے لازماً مقصد حدیث محفوظیت اجساد مطہرہ کی خبر دینے کے ساتھ ان اجساد مقدسہ میں ایسی حیات کا اثبات بھی ہے جس سے عرض صلوٰۃ وسلام کا شعور وسماع بھی ہوتا ہو۔

اسی طرح یہ حدیث حفظ اجساد بھی وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام پر عرض صلوٰۃ کے ساتھ ان کے سماع کی بھی دلیل ہے۔

دوسری حدیث

"عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال من صلّى علىّ عند قبری سمعته و من صلّى علىّ نائياً ابلغته رواه البيهقی فی شعب الایمان و ابن حبان فی كتاب الاعمال بسند جيد" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود بھیجے گا تو اس (کے درود) کو میں خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود بھیجے گا تو اس کا وہ درود مجھ تک پہنچایا جائے گا (کہ ملائکہ سیاحین پہنچائیں گے) (مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات)

شارحین حدیث نے اس سمعتہ سے براہ راست خود سننا ہی مراد لیا ہے، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"من صلّى علىّ عند قبری سمعته ای سماعا حقيقيا بلا واسطة" جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا اس کو میں سنوں گا یعنی حقیقی طور پر بغیر واسطے کے سماعت ہوگی۔ (مرقات ج ۲ ص ۱۰)

اس حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس پر صاف طور پر دلالت ہے کہ روضہ اقدس پر آپ کو درود وسلام کا سماع ہوتا ہے اور اس کو آپ قریب سے بلا واسطہ خود سماعت فرماتے ہیں۔ البتہ دور سے پڑھا ہوا درود شریف فرشتوں کے ذریعہ آپ کو روضۂ اقدس میں پہنچایا جاتا ہے۔

تحقیق حدیث

اس حدیث کی ابوالشیخ والی سند کے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ رواه ابوالشيخ بسند جيد" اس کو ابوالشیخ نے اچھی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔" (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

اس حدیث کی ابوالشیخ والی سند یہ ہے: "حافظ ابوالشیخ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے عبدالرحمن الاعرج رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن صباح رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "من صلّى علىّ عند قبری سمعته و من صلّى علىّ من بعيد اعلمته"

جلاء الافہام لحافظ ابن القیم (ص ۱۹) وقال غریب جداً (از تسکین الصدور ص ۳۱۸ و ص ۳۱۹) اس سند کے تمام راوی ثقہ اور معروف ہیں ان راویوں کی تعدیل وتوثیق کی مکمل اور تفصیلی تحقیق کے لئے تسکین الصدور کے مذکورہ صفحات دیکھے جائیں۔ اکابر محدثین کے نزدیک اس حدیث کی یہ سند صحیح اور جید ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند پر جید ہونے کا حکم لگایا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

اسی طرح علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے (القول البدیع ص۱۱۶) پر اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے (مرقات ج۲ ص۱۰) پر اور علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے (فتح الملہم ج۱ ص۳۳۰) پر اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ بعض محدثین کے نزدیک تو جید اور صحیح میں کچھ فرق نہیں ہوتا صحیح کو ہی جید کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان ابن الصلاح یری السویة بین الجید والصحیح ولذا قال البلقینی بعد ان نقل ذالک من ذالک یعلم ان الجودة تعبر بہا عن الصحة'' امام ابن صلاح جید اور صحیح کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور اس لئے بلقینی نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے معلوم ہو کہ صحت کی تعبیر جودۃ سے کی جاسکتی ہے۔ (تدریب الراوی ج۱ ص۲۰۸)

اور جن حضرات نے صحیح اور جید میں فرق ملحوظ رکھا ہے ان کے نزدیک بھی جید کو حسن لذاتہ سے اونچا مقام حاصل ہے اور جمہور محدثین کے نزدیک حسن بھی حجت اور قابل استدلال ہے تو پھر جید جس کا مرتبہ حسن سے بھی اونچا ہے وہ بدرجہ اولی حجت اور قابل استدلال ہوگی۔

غرضیکہ حدیث مذکور کی ابوالشیخ والی سند کا قابل اعتبار ولائق استناد ہونا محدثین کرام اور ابن حجر رحمہ اللہ جیسے امام جرح وتعدیل کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے اور ابوالشیخ کی اسی سند سے امت کا استدلال ہے۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق اس حدیث کی جس سند میں محمد بن مروان سدی مجروح راوی آیا ہے۔ اس محمد بن مروان سدی والی مجروح سند سے جمہور کا استدلال نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''حیات الانبیاء'' میں اس روایت کا سلسلہ اسناد اس طرح بیان کیا ہے:

''اخبرنا علی بن محمد بنی نشران انبأ ابو جعفر الرازی ثنا عیسٰی بن عبداللہ الطیالسی ثنا العلاء بن عمرو الحنفی ثنا ابو عبدالرحمن عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیاً ابلغتہ'' خبر دی ہے ہم کو علی بن محمد بنی نشران نے خبر دی ابوجعفر رازی نے، حدیث بیان کی عیسیٰ بن عبداللہ الطیالسی نے بیان کیا العلاء بن عمرو الحنفی نے، بیان کیا ابوعبدالرحمن نے اعمش سے انہوں نے ابن صالح سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جس شخص نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا (میں اس کو سنتا ہوں اور جو) دور سے درود پڑھا وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے۔

اس سند میں ابوعبدالرحمن راوی کون ہے؟ اس کا نام اور ولدیت یہاں مذکور نہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ وہ محمد بن مروان سدی صغیر ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی میزان الاعتدال میں سدی کے ترجمہ میں حدیث مذکور نقل کرنے میں بیہقی رحمہ اللہ کی متابعت کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابو عبدالرحمن ھذا ھو محمد بن مروان السدی فیما اری وفیہ نظر'' (حیات الانبیاء ص۱۷)

امام بیہقی رحمہ اللہ کی رائے میں یہ راوی سدی صغیر ہے جو کہ مجروح راوی ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس حدیث کو ساقط الاعتبار قرار نہیں دیتے بلکہ اس سے پہلی ذکر کردہ روایات کو اس کی تاکید قرار دے کر اس کو قبول کررہے ہیں۔ جیسا کہ وفیہ نظر کے بعد متصل ہی ''وقد معنی مایو کدہ'' اس حدیث کے مضمون کی تائید وتقویت گزشتہ احادیث سے ہوتی ہے۔'' فرمانے سے واضح ہے کہ امام بیہقی کے نزدیک اگرچہ راوی منکور فیہ ہے مگر یہ روایت مقبول ہے، متروک نہیں ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ کی نظر وجرح کو تو بیان کرنا اور اس کی تاکید کے بیان کرنے اور اس روایت کے قبول

کرنے سے صرف نظر کرنا نہ معلوم تحقیق کی کون سی قسم ہے؟ نیز اس حدیث کے مطابق تمام امت کا اجماعی عقیدہ اور عمل اور امت کی تلقی بالقبول بھی اس حدیث کی صحت پر شاہد عدل ہے۔

علامہ طاہر بن صالح الجزائری، حافظ ابن حزم الظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''اذا ورد حدیث مرسل او فی احد ناقلیہ ضعف فوجدنا ذالک الحدیث مجمعاً علی اخذہ والقول بہ علمنا یقیناً انہ حدیث صحیح لاشک فیہ'' اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (توجیہ النظر ص ۵۰)

اس لئے اس حدیث کی دوسری سند میں محمد بن مروان سدی کے آنے سے امت کا اجماعی عقیدہ اور عمل متاثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ امت کے عقیدہ اور عمل کی بنیاد اس حدیث کی ابوالشیخ والی جید سند اور دوسری احادیث حفظ اجساد انبیاء وغیرہ پر استوار ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس حدیث کے بارہ میں ''غریب قطعاً'' کہا ہے تو یہ حدیث کے صحیح ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ ان میں کہیں راوی متفرد ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ضعیف ہیں اور صحیح نہیں ہیں اور ترمذی شریف میں کئی جگہ آتا ہے حسن صحیح غریب، اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو حسن اور صحیح کے ساتھ ہرگز جمع نہ ہوتی۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''انہ الغرابۃ لاتنافی الصحۃ ویجوز ان یکون الحدیث صحیحاً غریباً'' بلاشک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو۔ (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۶)

غرضیکہ غرابت کی وجہ سے اس صحیح حدیث کو رد کر دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات جو شرک و بدعات کے معاملہ میں بڑے حساس واقع ہوئے ہیں بلکہ ان کی اس نزاکت حس نے ان کو بعض امور میں سخت گیری اور تشدد کی حد تک پہنچا دیا ہے کہ کسی بات سے ان کو شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا نظر آتا ہو تو وہ اس کا سدباب نہایت سختی سے کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سماع عند القبر میں امت کے اجماعی مسلک کے ساتھ ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: ''فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک من البعید'' آپ نے فرمایا کہ قریب سے پڑھے ہوئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا پہنچایا جاتا ہے۔

(رسائل ابن تیمیہ ص ۳۹۱)

اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ومع ھذا فلما اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلم علیہ'' مع ہذا بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے اس انداز سے تعلق ہے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (زادالمعاد ج ۲ ص ۴۹)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قد روی ابن شیبہ والدار قطنی عنہ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیاً ابلغتہ وفی اسنادہ لین لکن لہ شواھد ثابتۃ فان ابلاغ الصلوٰۃ والسلام علیہ من البعید قد

رواہ اھل السنن من غیر وجہ الخ'' ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس صلوٰۃ وسلام کہا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ پہنچایا جاتا ہے اس کی سند میں نرمی ہے لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں چونکہ دور سے آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچانے کی روایت متعدد طریق سے اہل السنن نے بیان کی ہے۔　(فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۳۶۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگرچہ یہ روایت سند کے لحاظ سے کمزور ہے مگر چونکہ اس کی تائید دوسری روایات اور شواہد ثابتہ سے ہو رہی ہے اس لئے علامہ کے نزدیک بھی یہ روایت قابل اعتبار ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور شاگرد علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فاما ذلک الحدیث وان کان معناہ صحیحاً فاسنادہ لا یحتج بہ انما ثبت معناہ باحادیث اخر'' اس حدیث کے اگرچہ معنی صحیح ہیں لیکن اس کی سند قابل احتجاج نہیں البتہ اس کے معنی دوسری روایت کی روشنی میں ثابت ہیں۔

(الصارم المنکی ص ۱۳۱)

علامہ ابن عبدالہادی بھی اس حدیث کو دوسری احادیث کی روشنی میں معنی کے لحاظ سے صحیح کہتے اور تسلیم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: ''وھو ﷺ یسمع السلام من القبر وتبلغہ الملائکۃ الصلوٰۃ والسلام من بعد'' آنحضرت ﷺ قبر کے پاس سے سلام خود سنتے اور دور سے فرشتے آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔　(ص ۲۸۲)

علامہ ابن عبدالہادی تصریح فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر کے پاس سے صلوٰۃ وسلام صرف سنتے ہی نہیں بلکہ جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ''وامامن سلّم علیہ عند قبرہ فانہ یرد علیہ وذالک کالسلام علی سائر المؤمنین لیس من خصائصہ'' قبر کے پاس سے جس نے آپ پر سلام کہا تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں اور یہ ایسا ہی جیسا کہ سب مؤمنین سلام کا جواب دیتے ہیں یہ صرف آپ ﷺ کی خصوصیت نہیں ہے۔　(الصارم ص ۱۳۱)

ارواح انبیاء علیہم السلام کا مستقر رفیق اعلیٰ اور اعلیٰ علیین بتلاتے ہوئے علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اوپر کی عبارت میں ارواح طیبہ کا قبروں میں ابدان مبارکہ سے ایسا اتصال اور تعلق تسلیم فرمایا ہے جس کی وجہ سے ایسی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ سلام کہنے والوں کا سلام بنفس نفیس خود سنتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عقلی استبعاد کو کہ جب روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے تو پھر قبر مبارک میں روح مبارک کے اتصال سے جسم اطہر میں حیات کیسے حاصل ہوتی ہے؟ سورج کی مثال دے کر اس طرح رفع فرمایا ہے: ''ومن کشف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ھذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلھا وتعلقھا وتاثیرھا فی الارض وحیات الحیوان والنبات بھالہ'' اور جس شخص کا ادراک کثیف اور اس کی طبیعت اس کے سمجھنے سے منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہئے کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن مع ہذا اس کا تعلق اور تاثیر زمین پر ظاہر ہے اور نباتات وحیوان کی حیات اور نشوونما وابستہ ہے۔　(فتح الملہم ج ۳ ص ۴۲۱)

اگر سورج اس رفعت وبلندی کے باوجود زمین اور اس کے اجزاء پر اثر انداز ہے اور عالم اسباب میں نباتات وغیرہ کی نشوونما کا ذریعہ بن رہا ہے اور سورج کی روشنی زمین پر انداز ہو سکتی ہے تو روح مبارک کے قبر شریف میں جسم اطہر پر فیضان حیات میں کیا استبعاد رہ جاتا ہے؟

اس طرح کی عبارات سے اس نظریہ کی تردید بھی ہو جاتی ہے کہ "ارواح مبارکہ کو ان کے ابدان مطہرہ سے تعلق، اشراف واشراق تو ہے مگر یہ تعلق اتصال ابدان مطہرہ میں اضافہ حیات کے لئے نہیں ہے اور نہ اس اتصال کے سبب ابدان مطہرہ فائز الحیات ہوتے ہیں۔" کیونکہ اس تعلق واتصال کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کا اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنا اور سلام کا جواب عنایت فرمانا اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ تعلق واتصال ابدان مبارکہ میں ایسی حالت کے فیضان کے لئے ہے جس سے افعال مذکورہ صادر ہو سکیں۔

اور ان ہی عبارات سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اتصال وتعلق کی یہ کیفیت دائمی طور پر ہمیشہ کے لئے ثابت ہے جیسا کہ: "فلها اشراف علی البدن واشراق وتعلق به" کے جملہ اسمیہ ہونے سے واضح ہے جو کہ استمرار ودوام پر دلالت کرتا ہے۔ جب یہ کیفیت دائمی اور ہمہ وقتی ہے تو روضہ مبارکہ پر سلام عرض کرنے والے کے سلام کا سماع اور اس کا جواب مرحمت فرمانا بھی دائمی طور پر ہی ثابت ہوگا اور یہی تمام اکابر علماء دیوبند اور علماء امت کا عقیدہ ہے۔

سماع صلوٰۃ وسلام دائمی ہے

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "انبیاء علیہم السلام کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے سماع (سننے) میں کسی کو اختلاف نہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۲)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری شارح ابوداؤد فرماتے ہیں: "والا فهي دائماً تعرض عليه بواسطة الملك الاعند روضة فيسمعها بحضرته بذل المجهود" ورنہ تو فرشتہ کے واسطے سے آپ پر ہمیشہ درود شریف پیش کیا جاتا ہے لیکن روضہ منورہ کے پاس حاضری کے وقت خود سنتے ہیں۔ (ص ۲۹۷)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: "سلام سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ دائماً ثابت ہے۔" (نشر الطیب ص ۲۹۷)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی اوپر کی عبارت سے واضح ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمہ اللہ اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عرض اور سماع عند القبر کا ثبوت دائمی طور پر تسلیم کر رہے ہیں۔

تیسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ليهبطن عيسى ابن مريم حكماً اماماً مقسطاً وليسلكن فجاً حاجاً اومعتمراً وليأتين قبري حتى يسلم علىّ ولاردن عليه" البتہ ضرور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے منصف اور امام عادل ہوں گے اور وہ فج (جگہ کا نام) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لئے آئیں گے اور یقیناً وہ میری قبر پر آئیں گے یہاں تک کہ وہ مجھے سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا ضرور جواب دوں گا۔ وقال صحیح (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ سماع سلام کے بغیر جواب کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام سنتے بھی ہیں اور جواب

بھی عنایت فرماتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ عرض صلوٰۃ وسلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع روح کا نام ہے، صرف جسم یا تنہا روح کا یہ کام نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سماع کو خصوصیت اور اعجاز پر بھی محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اول تو پہلی حدیثوں کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ عندالقبر ہر سلام کا سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں۔ دوسری خصوصیت کا ثبوت بغیر کسی دلیل کے نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو اس کا دعویٰ ہو تو وہ اس کی دلیل پیش کرے؟ بغیر دلیل کے دعویٰ غیر مسموع ہے۔ پھر اعجاز کے طور پر سلام سننے اور اس کا جواب عطا فرمانے میں سوال یہ ہے کہ یہ اعجاز کس کی طرف سے ہے؟ اگر اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعجاز کہا جائے تو یہ بات آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس اور شان عالی کے کسی طرح مناسب نہیں کہ آپ کی ذات گرامی کسی نبی کے لئے محل تصرف و اعجاز بنے۔ اس لئے اس کے تسلیم کر لینے کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ عندالقبر ہر سلام کرنے والے کے سلام کو سنتے اور اس کا جواب عطا فرماتے ہیں، جیسا کہ دوسری احادیث کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور مسئلہ سماع موتیٰ

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تو ہر میت کے لئے نہ صرف سماع سلام کو ثابت مانتے ہیں بلکہ قرآۃ کے سننے کو بھی حق کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''وسماع المیت للاصوات من الاسلام والقرأۃ حق'' میت کا سلام وقرآۃ کی آواز سننا حق ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱)

حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''فان سائر الاموات ایضاً یسمعون السلام والکلام'' بے شک تمام مردے بھی سلام وکلام سنتے ہیں۔ (مرقات ج ۲ ص ۲۱۰)

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ہر میت کے لئے جواب سلام کو تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی روشنی میں فرمایا ہے جس کو جامع صغیر میں روایت کیا گیا ہے اور امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ، علامہ عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ، قاضی شوکانی رحمہ اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ وغیرہ سب نے صحیح کہا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: ''من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ ما من رجل یمر بقبر اخیہ المومن کان یعرفہ فلیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام'' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور ان کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(کتاب الروح ص ۱۳، الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۱، الصارم المنکی ص ۶۵ و ۱۸۶، اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷، نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۱۴)

اس حدیث کو نقل فرما کر علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ''فھذا نص فی انہ یعرف بعینہ و یرد علیہ السلام'' یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ میت سلام کہنے والوں کو بعینہ پہچانتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۲)

علامہ عزیزی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''ولا مانع من خلق ھذا الادراک برد الروح فی بعض بدنہ قال المناوی وقولہ یعرفہ یفھم منہ انہ اذا لم یعرفہ لا یرد وھو غیر مراد لقد اخرجہ ابن ابی الدنیا وزاد وان لم

یعرفہ رد علیہ السلام'' اس ادراک کے تعلق سے کوئی چیز مانع نہیں ہے بعض بدن میں روح لوٹانے کے ساتھ مناوی نے کہا ہے کہ یعرفہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر میت اس کو نہ پہچانتی ہو تو سلام کا جواب نہ دے گی حالانکہ یہ مراد نہیں ہے۔ ابن ابی الدنیا نے اس کو روایت کیا ہے اس میں یہ لفظ زیادہ کیا ہے وان لم یعرفہ رد علیہ السلام کہ اگر چہ اس کو نہ پہچانتی ہو سلام کا جواب دیتی ہے۔ (عزیزی شرح جامع ج ۳ ص ۲۸۶)

علامہ نے اس پر لکھا ہے: ''(قولہ کان یعرفہ) لا مفہوم لہ ففی روایۃ اخری عرفہ او لم یعرفہ'' اس کا مفہوم معتبر نہیں ہے دوسری روایت میں تعمیم ہے پہچانتی ہو یا نہ پہچانتی ہو۔ (شرح جامع صغیر ج ۳ ص ۲۸۶)

یہی حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں لکھتے ہیں:

وھذا ورد نبینا للتسلیم من یاتی بتسلیم مع الاحسان
ما ذاک مختصاً بہ ایضاً کما قد قالہ المبعوث بالقرآن

(ترجمہ) یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ اس ذات گرامی نے فرمایا ہے جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا۔

من زار قبر اخ لہ فاتی بتسلیم علیہ وھو ذوالایمان

جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اسے سلام کیا۔

دالاً لہ علیہ حقا روحہ حتی یرد علیہ رد بیان

(النونیہ ص ۱۴۵)

تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ سماع موتی کی احادیث کے تواتر کے قائل ہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اقول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر'' میں کہتا ہوں کہ مردوں کے سماع کی حدیثیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''قال العبدالضعیف عفااللہ عنہ والذی تحصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الصحیحۃ الکثیرۃ'' بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعہ احادیث سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوب جانتا ہے یہ ہے کہ سماع موتی فی الجملہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

عندالجمہور سماع موتی راجح ہے

عام سماع موتی کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے اور اس میں راجح اور مرجوح کا اختلاف ہے مگر مالکی، شافعی، حنبلی، میت کے سماع کے قائل ہیں اور احناف کی بھی اکثریت جن میں اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ بھی شامل ہیں، سماع موتی کے قائل ہیں، اگر سماع موتی کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا یا منجر الی شرک ہوتا تو یہ اکابر علماء اسلام کبھی سماع کا اقرار نہ کرے، خاص طور پر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کا سختی کے ساتھ سدباب کرتے ہیں، مگر سماع موتی کا مسئلہ اتنا صاف اور

بے غبار معلوم ہوتا ہے کہ ایسے محتاط حضرات بھی نہ صرف اس کے قائل بلکہ پرزور حامی وناصر ہیں جیسا کہ اوپر ان کی عبارات سے واضح ہو رہا ہے۔

بعض لوگوں نے "لایسمعوا دعاء کم" اور "فھم عن دعائھم غافلون" وغیرہ سے بھی عدم سماع عندالقبر پر استدلال کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ ان آیات کو سماع موتی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی حضرات سلف رحمہم اللہ میں سے کسی نے ان آیات سے یہ استدلال کیا ہے۔

البتہ "انک لاتسمع الموتی" اور "وما انت بمسمع من فی القبور" سے بعض سلف نے عدم سماع پر استدلال کیا ہے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیش پیش ہیں مگر جمہور نے اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جمہور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ ہیں جو سماع موتی کی روایت کے راوی ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "والصحیح عندالعلماء روایۃ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما لمالھا من الشواھد علی صحتھا من وجوہ کثیرۃ" اور صحیح علماء کرام کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کیونکہ اس کی صحت پر گوناگوں شواہد دلالت کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

علامہ ابن حجر شرح بخاری میں لکھتے ہیں: "وھذا مصیر عن عائشۃ رضی اللہ عنہا الی رد روایۃ ابن عمر المذکورۃ وقد خالفھا الجمھور فی ذالک وقبلوا حدیث ابن عمر لموافقۃ من رواہ غیرہ علیہ" حضرت عائشہ اپنی اس تاویل میں "انہ قال انھم الان یعلمون ان ما کنت اقول لھم حق" اس طرف جارہی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت مردود ہے، لیکن جمہور اس بارہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ دوسرے حضرات کی روایتیں ان کے موافق ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷)

نیز علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کتاب المغازی میں فرماتے ہیں: "ولم ینفرد عمر ولا ابنہ بحکایۃ ذالک بل وافقھا ابو طلحۃ رضی اللہ عنہ کما تقدم وللطبرانی من حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مثلہ باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ" اس روایت اور حکایت کے بیان کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے ابن عمر ہی منفرد نہیں ہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے موافق ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اور طبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن سیدان سے بھی اس مضمون کی روایت ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۵)

معلوم ہوا کہ سماع موتی کی روایت بیان کرنے میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزند عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی منفرد نہیں بلکہ حضرت ابوطلحہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن سیدان (رضی اللہ عنہم) بھی اس قصہ کے بیان کرنے میں ان کی تائید اور تصدیق کر رہے ہیں۔ اس لئے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاویل کو تسلیم نہیں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت (مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوطلحہ (رضی اللہ عنہم) کی روایت (بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۸۷) ملاحظہ کی جائے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رجوع

بلکہ مغازی ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت ثابت ہوگئیں تو انہوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کرلیا اور جمہور کی ہمنواء

ہو گئیں ہوں جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں: ''ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحاق روایة یونس بن بکر باسناد جید عن عائشة رضی اللہ عنہا مثل حدیث ابی طلحه فیرنه ما انتم باسمع لما اقول منهم واجد احمد باسناد حسن فان کان محفوظاً فانها رجعت من الانکار لما ثبت عندها من روایات هؤلاء الصحابة لکونها لم تشهد'' اور بڑی نرالی بات ہے کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے مغازی میں یونس بن بکیر کے طریق سے جید اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح روایت ہے جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں ''ما انتم بمسمع لما اقول منهم'' کے الفاظ موجود ہیں اور امام احمد رحمہ اللہ نے بھی جس اسناد کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے۔ سو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں تو گویا یہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (سماع موتی کے) انکار سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایتیں ثابت ہو گئیں (جو موقع پر موجود تھے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود موقع پر موجود نہ تھیں۔　　(فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۶)

بہر حال جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سماع موتی میں جو موقف پہلے تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور تاویل سن کر بھی وہی رہا کسی نے بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں کی اور تمام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمنوا تو کیا ہوتے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بقول حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ انکار سماع موتی سے رجوع کر کے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہو گئیں۔

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی عمدة الرعایہ حاشیہ شرح الوقایہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''واما رد عائشة رضی اللہ عنہا بعض تلک الاهادیث فلم یعتدبه جمهور الصحابة رضی اللہ عنہم ومن بعدهم'' بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان بعض احادیث کا رد کرنا تو جمہور صحابہ اور ان کے بعد کے حضرات نے اس رد کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ (عمدة الرعایہ ج ۲ ص ۲۵۴)

ان تصریحات اکابر علماء کرام کے ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ اس زمانہ میں عدم سماع موتی کو اجماعی مسئلہ بنانے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اتفاق ثابت کرنے کی فکر میں ہیں جو کہ بلا دلیل ہی نہیں بلکہ خلاف دلیل بھی ہے۔

اوپر کی تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اتفاق نہیں فرمایا اور ان کی تاویل رد فرما دی، بعد کے جن علماء کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدلال سے اختلاف فرمایا ہے ان کا یہ اختلاف محض اپنے اجتہاد سے نہیں ہے جس کو یہ کہہ کر رد کرنا درست ہو کہ بعد کے ان حضرات سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فہم اور علمی مقام بہت بلند ہے۔ کیونکہ ان حضرات کو بھی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تابعیت اور موافقت حاصل ہے اور انہوں نے جمہور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موافقت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ اختلاف کیا ہے اور اگر ان سے مغازی ابن اسحاق والی روایت ثابت اور محفوظ ہے (اور اس کی سند حسن اور جید ہے تو اس کے محفوظ ہونے میں کیا شک ہے) تو پھر تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے سابقہ موقف عدم سماع سے رجوع اور ان کی موافقت بھی جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔

منکرین سماع کا آیات سے استدلال اور ان کا جواب

منکرین سماع موتی آیت ''انک لاتسمع الموتی'' سے استدلال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ

مردوں کے نہ سننے پر آیت حجت قطعیہ ہے اور کہتے ہیں کہ آیت میں اگرچہ اسماع کی نفی ہے۔ مگر سماع چونکہ اس کا مطاوع ہے تو اسماع کی نفی سے لازماً سماع کی نفی ہو جاتی ہے؟

اس آیت کی دو تفسیریں مشہور ہیں:

آیت کی پہلی تفسیر

پہلی تفسیر یہ ہے کہ اس میں سماع نافع کی نفی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ای لاتسمعهم شيئاً ينفعهم'' یعنی آپ ان کو ایسی چیز نہیں سنا سکتے جو ان کو نفع دے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۴)

مطلب واضح ہے کہ آیات مبارکہ میں مطلق اسماع وسماع کی نفی نہیں بلکہ اسماع وسماع ومفید ونافع کی نفی ہے، حاصل جواب یہ ہے کہ آیت میں اسماع مفید کی نفی ہے۔ اس لئے سماع بھی مفید بھی منفی ہوگا اور اسماع مفید کا مطاوع سماع مفید ہی ہوگا مطلق سماع کیسے ہوگا؟

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری فرماتے ہیں: ''واما استدلالها بقوله تعالى انك لا تسمع الموتى فقالوا معناها لا تسمع سماعاً ينفعهم او لا تسمعهم الا ان يشاء الله تعالى'' رہا ان کا استدلال ''انک لا تسمع الموتى'' سے تو جمہور نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تو ان کو اس طرح نہیں سنا سکتا جس سے ان کو نفع ہو یا ان کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں سنا سکتا۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اس آیت مبارکہ سے ایسے سماع کی نفی ہو رہی ہے جو نافع اور مفید ہو یا یہ مطلب ہے کہ آپ ان کو نہیں سنا سکتے یعنی آپ کو سنانے پر قدرت نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''والنص الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم مقدم على تاويل من اصحابه وغيره وليس في القرآن ما ينفي ذالك فان قوله انك لاتسمع الموتى انما اراد به السماع المعتاد الذي ينفع صاحبه فان هذا مثل ضرب الكفار والكفار اللغاد تسمع الصوت ولكن لاتسمع سماع قبول بفهم واتباع'' وہ نص صحیح جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے وہ اس تاویل پر جو آپ کے بعض صحابہ وغیرہم نے کی ہے مقدم ہے، اور قرآن کریم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی نفی کرتی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اس سے مراد وہ معتاد سماع ہے جو سامع کو نفع دے۔ بلاشبہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے بیان فرمائی ہے اور کفار آواز سنتے ہیں لیکن سمجھ اور پیروی کے جذبہ سے سماع قبول ان کو حاصل نہیں ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۹۸)

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وانما شبهوا بالموتى بعدم انتفاعهم باستماع ما يتلى عليهم كما شبهوا بالصم في قوله تعالى ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرين فان اسماعهم في هذه الحالة ابعد'' ان زندہ کافروں کو مردوں کے ساتھ اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اس چیز کو جو ان پر پڑھی جاتی ہے سن کر نفع نہیں حاصل کرتے جیسا کہ ان کو ولا تسمع الصم الدعا اذا ولوا مدبرین کے ارشاد میں بہروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ان کا سننا بعید تر ہے۔ (تفسیر بیضاوی مصری ص ۳۱۱)

معلوم ہوا کہ زندہ کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ اس امر میں نہیں دی گئی کہ وہ سرے سے سنتے ہی نہیں بلکہ تشبیہ اس عدم سماع میں ہے جو موجب انتفاع ہو۔

(تفسیر جلالین ۳۴۷ اور تفسیر السراج المنیر ج ۳ ص ۱۲۱ اور تفسیر مظہری ج ۷ ص ۱۳۰) پر یہی مضمون ہے کہ کفار کو بہروں کے ساتھ تشبیہ اس بات میں دی گئی ہے کہ ان پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے "شبہهم بهم فی علم الانتفاع بما یتلی علیهم" (جلالین) اللہ تعالیٰ نے کفار کو بہروں کے ساتھ اس امر میں تشبیہ دی ہے کہ ان پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس سے وہ نفع نہیں اٹھاتے۔ یہ عبارت واضح ہے کہ وجہ تشبیہ عدم انتفاع ہے نہ کہ عدم سماع۔

آیت کی دوسری تفسیر

ایسی آیات کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ "آپ کے اختیار اور قدرت میں یہ بات نہیں ہے کہ آپ مردوں کو سنائیں۔ یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اسی طرح دوسری اس آیت کا مطلب یہی ہوگا۔

"ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور" بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سناتا قبروں میں پڑے ہوؤں کو۔　(الفاطر: ۲۲، امام محمد ابن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ)

اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "کما لا تقدر ان یسمع من فی القبور کتاب اللہ فیه بهم به الی سبیل الرشاد فکذلک لا یقدر ان ینفع بمواعظ اللہ وبیان حججه من کان میت القلب من احیاء عباده عن معرفة اللہ وفهم کتابه وتنزیله وواضح حججه" جس طرح اہل قبور کو اللہ کی کتاب سن کر ان کو راہ سنت پر لانے کی قدرت کسی کو نہیں، اسی طرح یہ قدرت بھی کسی کو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں اور اس کی واضح دلیلیں بیان کر کے ان مردوں کو نفع پہنچایا اور زندہ کیا جائے جو اس کے بندوں میں سے اس کی معرفت اس کی کتاب کے فہم اس کے انشراح اور اس کی واضح دلیلوں کی معرفت سے بے خبر اور مردہ دل ہیں۔　(ج ۲۲ ص ۱۲۹)

نیز وہ لکھتے ہیں: "وقوله انک لا تسمع الموتی یقول یا محمد لا تقدر ان تفهم الحق من طبع اللہ علی قلبه فاماته لان اللہ قد ختم علیه ان لا یفهم" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا یعنی اے محمد ﷺ تو اس پر قادر نہیں کہ اس شخص کو سمجھا دے جس کے دل پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور اس کو مردہ کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہر لگا دی ہے کہ وہ حق کو نہ سمجھے۔　(ج ۲۰ ص ۱۲)

اس تفسیر کی رو سے نفی سماع کی نہیں بلکہ نفی اس کی ہے کہ بجز پروردگار کے کسی کو سنانے کی قدرت نہیں ہے تو نفی اس سماع کی ہے جو انسان کی قدرت میں ہے اور ان اللہ یسمع من یشاء میں اس سماع کا اثبات ہے جو مردوں کے لئے ثابت ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انک لا تهدی من احببت ولکن اللہ یهدی من یشآء وهو اعلم بالمهتدین" بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس سے تو محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت پانے والے ہیں۔　(القصص: ۵۶)

اس کا یہ مطلب تو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت ﷺ سے کسی فرد کو ہدایت حاصل نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہدایت دینے پر قدرت نہیں ہے۔ آپ صرف رہنمائی کرتے ہیں اور راہ بتلاتے ہیں۔ اس معنی میں آپ یقیناً ہادی برحق بھی ہیں اور اسی کا ذکر "انک لتهدی الی صراط مستقیم" میں فرمایا گیا ہے۔ لیکن ہدایت دینے کے معنی میں ہادی صرف حق تعالیٰ ہیں اور آپ ﷺ سے اسی معنی میں ہدایت کی نفی اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "یقول تعالیٰ کانک لیس فی قدرتک ان تسمع الاموات فی اجداثہا ولا تبلغ کلامک انہم الذین لا یسمعون وھم مع ذلک مدبرون عنک کذالک لا تقدر علی ھدایتہ العمیان عن الحق وردھم عن ضلالتھم بل ذالک الی اللہ تعالیٰ فانہ تعالیٰ بقدرتہ یسمع الاموات الاحیاء اذا شاء یھدی من یشاء ویضل من یشاء ولیس کذالک لاحد سواہ" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے تیرے بس میں یہ نہیں کہ تو مردوں کو ان کی قبروں میں سنائے اور نہ یہ کہ تیرا کلام ان بہروں تک پہنچ سکے جو سنتے نہیں جب کہ انہوں نے تیری طرف اپنی پیٹھ ہی پھیر دی ہو۔ اسی طرح تو حق سے اندھوں کو ہدایت دینے پر اور ان کو گمراہی سے ہٹانے پر قادر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ مردوں کو اپنی قدرت سے جب چاہتا ہے زندوں کی آوازیں سنا دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قلت اذا صح عن النبی ﷺ ان الموتی تسمع کلام الحی فمعنی قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتی باختیارک وقدرتک کما انت تسمع الحی علی ما جری بہ عادۃ اللہ تعالیٰ لکن اللہ تعالیٰ یسمع الموتی کلام الاحیاء اذا شاء او انک لا تسمع الموتی سماعا یترتب علیہ الفائدہ" میں کہتا ہوں جب آنحضرت ﷺ سے یہ صحیح طور پر ثابت ہو گیا کہ مردے زندہ کے کلام کو سنتے ہیں تو انک لا تسمع الموتی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تو اپنے اختیار سے اور قدرت سے مردوں کو نہیں سنا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کے مطابق تو زندہ کو سنا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہی زندوں کا کلام مردوں کو جب چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور یا اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ تو مردوں کو ایسے طریقہ پر نہیں سنا سکتا جس پر (قبول کرنے کا) فائدہ مرتب ہو۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳)

حافظ بدرالدین محمود العینی الحنفی رحمہ اللہ اپنی شرح بخاری میں فرماتے ہیں: "واجیب عن الآیۃ بان الذی یسمعہما ھو اللہ تعالیٰ والمعنی انہ ﷺ لا یسمعھم ولکن اللہ تعالیٰ احیاءھم حتی سمعوا کما قال قتادۃ" اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو سناتا ہے اور معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہیں سنا سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے سن لیا۔ جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے۔ (ج ۱۷ ص ۹۳)

حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ "فانک لا تسمع الموتی" کے تحت اپنی مختصر تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں: "یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جب کہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سودمند نہیں، یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور سننے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے کہ ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارآمد نہیں۔ ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو، یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے ہی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں، پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔

اور "ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا فھم مسلمون" کے تحت لکھتے ہیں:

"یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں اور اثر قبول کرنا یہ ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرمانبردار بنیں۔" (ص ۴۹۷، سورہ نمل: ۴۹۷)

سورۂ نمل کے اس مقام کی تفسیر میں حضرت علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے سماع نافع کی نفی کو اختیار فرمایا ہے اور سیاق آیت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ آخر آیت "ان تسمع الا من یومن بآیتنا" میں نفی اثبات سے جس سماع کو مومن بالآیات میں محصور فرمایا گیا ہے اس سے بھی سماع نافع ہی مراد ہے ورنہ ظاہری طور پر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف انہی لوگوں کو سناتے تھے جو ایمان لاتے تھے دوسروں کو آپ نہیں سناتے تھے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آپ سب کو سناتے اور نصیحت کرتے تھے۔ مگر چونکہ کافروں نے سنانے کا اثر قبول نہیں کیا تو گویا انہوں نے سنا ہی نہیں۔

شیخ معین الدین اپنی تفسیر جامع البیان میں فرماتے ہیں: "ان تسمع سماع انتفاع الا من یومن" تم نہیں سنا سکتے سماع انتفاع مگر صرف ان کو جو ایمان لائیں۔ (ص ۳۲۴)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ علامہ سیوطی کے کلام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ان هولاء الكفار كالموتى فلا تنفع هدايتك منهم لان نفعهما انما كان في حياتهم وقد معنى وقتها كذالك هولاء وان كانوا احياء الا ان هدايتك غير نافعة لهم لكونهم مثل الاموات في عدم الانتفاع فليس الغرض نفي السماع بل نفي الانتفاع" بے شک یہ کافر مردوں کی طرح ہیں تیری رہنمائی ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ اس ہدایت اور رہنمائی کا فائدہ ان کو زندگی میں ہوسکتا تھا اور اب اس کا وقت جا چکا ہے۔ اسی طرح یہ کافر اگرچہ زندہ ہیں مگر تیری ہدایت ان کو فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ عدم انتفاع میں مردوں کی طرح ہیں تو اس میں غرض نفی سماع نہیں بلکہ نفی انتفاع ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

اور سورۂ روم میں اسی آیت "انک لا تسمع الموتى" کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: "یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کردے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات سنوا سکو یا بہروں کو سنا دو یا اندھوں کو دکھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ ہی نہ کریں۔ بس آپ ان کے کفر و ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں، آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں، کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے۔ آپ کی بات وہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خو اختیار کرتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی ص ۵۳۱)

آنحضرت ﷺ کو جو کفار کے ایمان قبول نہ کرنے سے رنج و غم ہوتا تھا اور اپنی دعوت و تبلیغ کے بے اثر اور غیر مفید ہونے کا افسوس ہوتا تھا اس آیت مبارکہ میں اس پر تسلی دلائی جارہی ہے اور بتلایا جارہا ہے کہ ایمان لانا اور دعوت کو قبول کرنا یہ آپ کے اختیار کی بات نہیں ہے، مردوں کو زندہ کرنا اور ان سے اپنی بات کا منوانا یہ تو سب اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے اس سے اوپر کی آیت: "ان ذالک لمحی الموتى وهو على كل شيء قدير" سے اس آیت کا ربط بھی یہی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "و مراد سماع عدم اجابت است حق را دلیل آں کہ ایں در آیت نازل شدہ در دعوت کفار بایمان و عدم اجابت ایشان مرحق را" سماع سے مراد یہ ہے کہ حق کو قبول نہیں کرتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دو آیتیں کفار کو ایمان کی دعوت دینے میں نازل ہوئی ہیں اور اس بارہ میں کہ انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰)

تفسیر عثمانی میں اس مقام کی تفسیر میں قدرت کی نفی کی گئی ہے۔ ''انک لاتسمع الموتیٰ'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولواور اپنی آواز مردوں کو سنادو، کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔'' یہ عبارت صاف دلالت کر رہی ہے کہ: ''لاتسمع الموتیٰ'' میں اللہ کے سوا دوسروں سے قدرت کی نفی کی گئی ہے سماع کی نفی نہیں کی گئی۔

جواہر القرآن میں لکھا ہے: ''مشرکین کے عناد و مکابرہ کا ذکر کرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود مشرکین انکار و تکذیب سے باز نہیں آرہے۔ آپ کے انذار و تبلیغ میں کوئی قصور نہیں ان کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اب وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے آپ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔''

پھر آگے لکھا ہے: ''حاصل یہ ہے کہ آپ کا کام تبلیغ و انذار ہے۔ یہ معاندین جو مہر جباریت کی وجہ سے اپنے دل کی حیات اور سمع و بصر کھو چکے ہیں ان کو راہ راست پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے۔'' (ص ۹۰۱)

بات بالکل واضح ہے کہ الموتیٰ سے حقیقی موتیٰ مراد نہیں بلکہ ایسے مشرکین مراد ہیں جن کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اور مہر جباریت کی وجہ سے وہ اپنے دلوں کی حیات اور سمع و بصر کھو چکے ہیں۔ ان کو راہ راست پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں تو اس سے مقصود ایسے مشرکین کی ہدایت پر قدرت و اختیار کی نفی ہوئی جو مردہ دل ہیں۔ اگلے جملہ ''یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے۔'' میں تصریح ہے کہ لاتسمع میں سماع قبول منفی ہے، مطلق سماع کی نفی نہیں کی گئی۔ اسی لئے آگے ''ان لاتسمع الامن'' کی تفسیر میں لکھا ہے ''البتہ آپ کی بات صرف وہی لوگ سنیں گے اور اس سے اثر قبول کریں گے جو ہماری آیتوں کو سن کر ان پر یقین کرتے اور ان کے سامنے تسلیم و انقیاد کا جذبہ رکھتے ہوں۔'' (جواہر القرآن ص ۹۰۱)

اس تفسیر میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے کہ مومن میں جو سماع نفی اور اثبات سے محصور کیا گیا ہے وہ سماع قبول ہے تو کفار سے بھی سماع قبول ہی منفی ہوگا۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ''بلغتہ الحیوان'' میں تحت آیت ''وما انت بمسمع من فی القبور''

فرماتے ہیں: ''یعنی بسبب مہر جباریت کے مرے ہو گئے ہیں قبول کرنے ایمان کے سے ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا۔'' (ص ۲۷۹)

سماع نافع کی نفی میں یہ عبارت سے یہ بھی واضح ہے کہ من فی القبور سے مردہ دل کفار مراد ہیں عرفی مردہ مراد نہیں ہیں۔

''و نیز گفتہ اند کہ مراد بموتی موتی القلوب اند و قبور اجساد ایشاں کہ دردے دلہائے مردی افتادہ است''

علماء نے کہا ہے کہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے جسم گویا ان کی روحوں کی قبریں ہیں جن میں ان کے مردہ دل پڑے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۰)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنی بے نظیر تفسیر بیان القرآن میں اس مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے

ارقام فرماتے ہیں: ''لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ سے نہ کہ بعید سے وارد ہے۔ اس لئے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے اور قرینہ اس کا علاوہ دفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا پس مردوں سے بھی وہی منفی ہے۔'' (ج ۸ ص ۹۴)

حضرت تھانوی قدس سرہ کے ملفوظ ذیل سے سماع نافع کے منفی ہونے کی دلیل کا علم ہوتا ہے حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدیث میں وقوع سماع مصرح ہے اور اس آیت سے نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ یہاں پر حق تعالیٰ نے کفار کو موتی سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ میں ایک مشبہ ہوتا ہے اور ایک مشبہ بہ اور ایک وجہ تشبیہ جو دونوں میں مشترک ہوتی ہے تو یہاں وہ عدم سماع مراد ہے جو موتی اور کفار میں مشترک ہے اور اموات کا سماع اور عدم سماع تو معلوم نہیں (کیونکہ اس کا مشاہدہ نہیں ہے) مگر کفار کا تو معلوم ہے کہ قرآن وحدیث کو سنتے ہیں، مگر وہ سماع نافع نہیں اور یہ معلوم ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ میں تماثل ہوتا ہے۔ پس کفار سے جو سماع منفی ہے یعنی سماع نافع ویسا ہی سماع اموات سے منفی ہوگا نہ کہ مطلق سماع۔'' (اضافات الیومیہ ج ۵ ص ۴۵)

اور التکشف میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نافین نے اس کا جواب دیا ہے کہ گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ میں تو حقیقی معنی کا تحقق ضروری ہے پس موتی بالمعنی الحقیقی کے لئے عدم سماع ثابت ہو گیا۔ مثبتین نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتی پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہونا چاہئے۔ اس سے لاتسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اس میں مجاز اطلاق المطلق علی المقید ہے اور سماع سے مراد سماع نافع ہے پس معنی یہ ہیں کہ موتی بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے۔ ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصوص ہے اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ ہے نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا۔'' (ص ۴۲۷)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ آیت میں بطور اطلاق المطلق علی المقید سماع منفی سے سماع نافع کی نفی مراد ہے اور اسی عدم سماع نافع میں کفار کو موتی سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

استعارہ کی نفیس بحث

(اس بحث میں ہم نے مولانا سرفراز خان صاحب کی مفید کتاب ''الشہاب المبین'' سے استفادہ کیا ہے تفصیل کے لئے اس کا ملاحظہ مفید ہے)

استعارہ کے چار ارکان ہوتے ہیں، مشبہ، مشبہ بہ، وجہ الشبہ، اور ادات، حرف التشبیہ۔ اس مقام میں مشبہ کفار اور مشبہ بہ الموتی اور صم ہیں۔ نزاع اس میں ہے کہ وجہ شبہ کیا ہے؟ وجہ شبہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حقیقۃً یا خیالی طور پر شریک ہوں۔

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ای وجہ التشبیہ ھو المعنی الذی قصد اشتراک الطرفین فیہ تحقیقاً او تخیلاً الی قولہ وھذا قال الشیخ عبدالقاھر التشبیہ الدلالۃ علی اشتراک شیئین فی وصف ھذا من اوصاف الشیٔ فی نفسہ خاصۃ کالشجاعۃ فی الاسد والنور فی الشمس'' وجہ شبہ وہ معنی ہیں جس میں مشبہ اور مشبہ دونوں کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہو حقیقۃً یا خیالی طور پر (پھر آگے کہا ہے) اور اسی لئے شیخ عبدالقاہر رحمہ اللہ نے

فرمایا ہے کہ تشبیہ کا مطلب کسی چیز کی ذاتی اور خاص اوصاف میں سے کسی وصف کا دو چیزوں میں اشتراک پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ شیر میں وصف شجاعت ہے اور سورج میں نور۔ (مختصر المعانی ص ۲۰۰)

اس عبارت سے بالکل واضح ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ ایک ہی ہونی چاہئے۔ اب اگر مشبہ یعنی کفار میں وجہ شبہ عدم انتفاع ہے تو تعیین چاہئے کہ مشبہ بہ الموتی اور الصم میں بھی یہی معنی متعین ہے اور اگر مشبہ بہ (الموتی اور الصم ہیں حقیقۃً عدم سماع ہے تو استعارہ کے مذکورہ قاعدہ کے موافق مشبہ کفار میں بھی حقیقۃً عدم سماع ہی ہونا چاہئے۔ مگر ان کفار میں حقیقۃً عدم سماع کو تسلیم کرنا مشاہدہ اور بداہت کے خلاف ہے۔ اس لئے وجہ شبہ عدم انتفاع کو ماننا پڑے گا جو مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں موجود ہے۔ مشبہ بہ (الموتی اور صم) میں یہ عدم انتفاع حقیقۃً ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ الموتی میں یہ وجہ شبہ عدم انتفاع باوجود سماع کے ہے اور الصم میں بوجہ عدم سماع کے۔ مگر دونوں میں عدم انتفاع ہے اور مشبہ (کفار) میں ادعا ہے کہ وہ سن کر بھی نفع نہیں اٹھاتے۔ کئی حضرات مفسر علماء کرام نے بھی عدم انتفاع کو وجہ شبہ قرار دیا ہے۔ کئی حوالے اوپر گزر چکے ہیں۔ مگر کسی معتبر مفسر کا حوالہ نظر سے نہیں گزرا جس نے تصریح کی ہو کہ اس استعارہ میں وجہ شبہ عدم سماع ہے۔

حاصل یہ ہے کہ زندہ کفار کا سماع اور الصم کا عدم سماع مشاہدہ اور بداہت سے ثابت ہے۔ اب اگر الموتی میں بھی عدم سماع کو تسلیم کیا جائے اور عدم سماع کو وجہ تشبیہ قرار دیا جائے تو چونکہ یہ وجہ تشبیہ مشبہ کفار میں نہیں پائی جاتی، اس لئے مشبہ اور مشبہ بہ میں اشتراک نہیں رہے گا۔ حالانکہ اصول استعارہ کی رو سے دونوں کا وجہ تشبیہ میں اشتراک ضروری ہے اور عدم انتفاع میں دونوں مشترک ہیں اس لئے اس کو وجہ تشبیہ قرار دیا جانا ضروری ہے۔

امام فن امام عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ نے استعارہ کا موضوع اور اس کا قاعدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "ان موضوعها على ذالك تثبت بها معنى لا يعرف السامع ذالك المعنى من اللفظ ولكنه يعرفه من معنى اللفظ بيان ذالك انا نعلمهم انك لا تقول رأيت اسدا الا وغرضك ان تثبت للرجل انه مساو للاسد فى شجاعة وشدة بطشه واقدامه الى قوله فاعرف هذه الجملة واحسن تاملها" (دلائل الاعجاز ص ۲۳۰ بحوالہ الشہاب المبین)

استعارہ کی وضع اس لئے ہے کہ تو اس کے ساتھ وہ معنی ثابت کرے جس معنی کو سامع لفظ سے نہ سمجھے بلکہ اس لفظ کے معنی سے سمجھے بیان اس کا یہ ہے کہ بلا شبہ ہم یہ جانتے ہیں کہ تو جب (بہادر شخص کو دیکھ کر) کہے میں نے شیر دیکھا ہے تو تیری غرض یہی ہے تو اس شخص کے لئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ شیر کے ساتھ اس کی شجاعت، سخت گیری اور جرأت میں مساوی ہے (آگے فرمایا ہے) تو اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس پر خوب غور کر۔

اس قاعدہ سے واضح ہے کہ وجہ تشبیہ کو سامع لفظوں سے نہیں سمجھ سکتا بلکہ الفاظ کے معانی سے سمجھتا ہے۔ اب اگر لاتسمع الموتی میں وجہ شبہ عدم سماع کو تسلیم کر لیا جائے اور ترجمہ اس طرح کیا جائے کہ "مردے نہیں سنتے" جیسا کہ نفی سماع کرنے والے آج کل یہی ترجمہ کیا کرتے ہیں تو اس وجہ شبہ کو تو سامع لفظوں سے سمجھتا ہے، پھر یہ استعارہ کیسے ہوا؟ اور عدم سماع وجہ شبہ کیسے قرار پائی؟

پھر استعارہ میں قاعدہ کے لحاظ سے یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ حکم خبری (یعنی لاتسمع الموتی اور وجہ شبہ، جو بقول نفی سماع کرنے والوں کے عدم سماع ہے) ایک ہی ہو اور لاتسمع الموتی میں جس عدم سماع کی خبر دی گئی ہے، وہی عدم سماع وجہ شبہ ہی ہے۔ اس لئے حسب تصریحات ائمہ فن شیخ عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ اور علامہ سعد الدین تفتازانی

وغیرہ اصول استعارہ کی رو سے وجہ شبہ عدم سماع قطعاً اور یقیناً نہیں بن سکتی، بلکہ عدم انتفاع ہی وجہ شبہ ہے جو مشبہ اور مشبہ دونوں میں مشترک ہے، مردوں اور الصم میں یہ عدم انتفاع حقیقۃً ہے اور کفار میں ادّعاء اور مبالغۃً کہ وہ فائدہ نہیں اٹھاتے اور سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔

اب جو حضرات مشبہ بہ الموتی اور الصم میں تو وجہ شبہ عدم سماع بتلاتے ہیں اور مشبہ کفار میں عدم انتفاع اور معنی یہ کرتے ہیں کہ مردے اور بہرے نہ سنتے ہیں اور نہ نفع اٹھاتے ہیں اور زندہ کفار سنتے ہیں مگر نفع نہیں اٹھاتے۔

ان حضرات نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ استعارہ کے قانون کی رو سے وجہ تشبیہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک ہی ہوتی ہے اور اسے الفاظ سے نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ عقلاء اسے معانی سمجھتے ہیں۔ غلط فہمی یہ ہو رہی ہے کہ وجہ تشبیہ کو مرکب سمجھ لیا گیا ہے اس لئے مشبہ بہ میں تو عدم سماع مراد لیتے ہیں اور مشبہ کفار میں عدم انتفاع حالانکہ وجہ تشبیہ مفرد ہے اور وہ ہے عدم انتفاع یہ وجہ مشبہ بہ الصم میں حقیقۃً ہے کہ چونکہ سنا نہیں۔ اس لئے فائدہ نہیں اٹھایا اور مردوں میں بھی حقیقۃً ہے کہ ان کے انتفاع کا عالم ہی نہیں اور کفار میں جو مشبہ ہیں ادّعا ہے کہ سن کر بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بہر حال مشبہ اور مشبہ بہ سب میں وجہ تشبیہ ایک ہی ہے اور وہ ہے عدم انتفاع جو کہ قانون استعارہ کے مطابق معنی مشترک ہے اور مشبہ بہ میں حقیقی طور پر پایا جاتا ہے اور یہ معنی درست نہیں کہ "مردے تو سرے سے سنتے ہی نہیں اور کفار سنتے ہیں اور نفع نہیں اٹھاتے" اس لئے کہ عدم سماع معنی مشترک نہیں ہے اور وجہ شبہ کے لئے مشترک ہونا ضروری ہے۔ اس لئے وجہ تشبیہ میں عدم سماع قطعاً شامل نہیں ہے اور وجہ تشبیہ صرف عدم انتفاع ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لاتسمع الموتی کے مضمون کی تینوں آیات کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں:

"ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں یہ نہیں فرمایا کہ مردے نہیں سن سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ: "آپ نہیں سنا سکتے" تینوں میں اس تعبیر وعنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار ان کو نہیں سنا سکتے۔" (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۹۰)

سورۂ نمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اس لئے آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع موتی کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت مبارکہ ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟ (معارف القرآن ج ۶ ص)

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ واں بھچراں بلغۃ الحیران میں زیر آیت: "وما انت بمسمع من فی القبور" فرماتے ہیں: "یعنی بسبب مہر جباریت کے مردے ہو گئے ہیں قبول کرنے ایمان کے سے، ان کو سنانا فائدہ نہیں دیتا۔" (ص ۲۷۹)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ من فی القبور سے مراد کفار ہیں جو ایمان کے قبول کرنے سے مردے ہو گئے ہیں اور سماع منفی سے اسماع نافع کی نفی مراد ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ "انک لاتسمع الموتی" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ف: اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے، ہر چند کہ مردوں سے یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ جب ہی درست ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں۔ لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ (سے) نہ کہ بعید سے وارد ہے۔ اس لئے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع

ہے اور قرینہ اس کا علاوہ رفع تعارض حدیث کے یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا۔ پس مردوں سے بھی یہی منفی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی مردوں کو نصیحت کرے، بیکار ہے کیونکہ وہ دارالعمل نہیں اور ثواب سے نفع ہونا یا تلاوت قرآن سے انس ہونا یہ دوسری بات ہے، مقصود مواعظ کا نافع نہ ہونا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ مردے میں مردہ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سن سکتا مگر اس سے (سماع) روح کی نفی لازم نہیں آتی اور علماء مانعین نے حدیثوں میں کچھ مناسب تاویلیں کر کے تعارض کو رفع کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم! (تفسیر بیان القرآن ج ۸ ص ۹۸)

اس تفسیر سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ شروع میں جو تشبیہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ تشبیہ جبھی درست ہوگی جب مردے نہ سنتے ہوں، یہ ان بعض علماء مانعین کے استدلال کی تقریر ہے، جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک احادیث کی روشنی میں مردوں کا قریب جگہ سے سننا ثابت ہے۔ اس لئے حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک آیت میں جن علماء نے سماع منفی سے سماع نافع مراد لیا ہے اس سے آیت اور حدیث کا تعارض رفع ہو کر دونوں میں تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جن علماء نے وجہ تشبیہ عدم سماع کو قرار دیا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ کفار سے مطلق سماع کا منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ وجہ تشبیہ نہیں بن سکتا۔ البتہ کفار سے سماع نافع ضرور منفی تھا۔ اس لئے سماع نافع وجہ تشبیہ ہے جو کفار اور مردوں دونوں میں مشترک ہے۔ اس لئے مردوں سے بھی یہی سماع نافع منفی ہے۔

اور بعض نے آیت کے معنی میں جو یہ کہا ہے کہ مردے میں مردہ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سن سکتا تو ان کے نزدیک بھی ارواح کا سننا ثابت ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''حدیث میں ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو وہ سنتے ہیں اور بہت جگہ مردے کو خطاب کیا گیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سن سکتا۔'' (تفسیر موضح القرآن)

واقعی قبر میں پڑا ہوا دھڑ بغیر تعلق روح کے نہیں سن سکتا کیونکہ سننا اصل میں کام ہے روح کا، جسم اس کے تابع ہے اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہو چکا کہ قبر میں ارواح کا تعلق اجساد کے ساتھ قائم رہتا ہے جس کی وجہ سے وہاں تنعیم و تعذیب کا معاملہ میت کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے جمہور کے نزدیک روح اور جسم دونوں کے تعلق سے سماع ہوتا ہے روح بالذات اور جسم تابع ہو کر سنتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام میں جسم کے بالذات سننے کی نفی مراد ہے کہ بغیر تعلق روح کے خالی جسم نہیں سن سکتا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تو پھر روح کیسے سنتی ہے جب کہ وہ علیین اور سجین میں ہوتی ہے؟ حالانکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ روح کے سننے کی تصریح فرما رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ روح کے جسم سے تعلق کو تسلیم فرماتے ہیں ورنہ روح کے سننے کو تسلیم نہ فرماتے۔

الحاصل ''انک لاتسمع الموتیٰ'' سے سماع مفید اور نافع کی نفی مراد ہو یا یہ مطلب ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار سے یہ خارج ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کوئی بھی تفسیر اور مطلب لیا جائے موتیٰ کے مطلق سماع کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ جب عام موتیٰ کے مطلق سماع کی نفی اس سے نہیں ہوتی تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع عندالقبر کی نفی پر یہ آیت کیوں کر دلیل بن سکتی ہے؟

اگر بالفرض اس سے عام موتی کے سماع کی نفی ہو بھی رہی ہو تو پھر بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع اس سے خارج ہے اس مضمون کی آیات حضرات سلف صالحین کے سامنے ہی تھیں۔ مگر کسی نے اس مضمون کی آیات سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سماع عند القبور کی نفی پر استدلال واحتجاج نہیں کیا بلکہ ان کا اجماع اس کے خلاف منعقد ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ استعانت کے معنی پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے۔ پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ و ۱۰۰)

معلوم ہوا کہ عام موتی کے سماع عند القبر کا مسئلہ اختلافی ہے اور دلائل دونوں طرف ہیں کہ اب اس کا فیصلہ کرنا محال ہے اور دلائل کی روشنی میں کسی جانب کو ترجیح تو دی جا سکتی ہے مگر قطعی طور پر دوسری جانب کو بالکل باطل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی دیوبند بھی فرماتے ہیں: ''غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں۔'' (فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۳۶۱)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سماع عند القبر اجماعی مسئلہ ہے فقہاء کرام کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ ان کے سماع میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سماع انبیاء علیہم السلام کا انکار اجماع فقہاء کا انکار ہے اور اجماعی مسئلہ کا انکار موجب گناہ ہے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کا کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا اجماعی مسئلہ اہلسنت کا ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۲)

مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا استدلال

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے باوجودیکہ عام موتی کے عدم سماع کے قائل ہیں مگر انہوں نے اپنی خود نوشت تالیفات تحریرات حدیث کے (ص ۲۱۰ و ۲۱۱) پر دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ جن سے صلوٰۃ وسلام عند القبر کے سماع پر استدلال کیا گیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

پہلی حدیث

''عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال ما منکم من احد یسلم علی الا رد الله علی روحی حتی ارد علیه السلام'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر توجہ لوٹا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (تحریرات حدیث ص ۲۱۰)

دوسری حدیث

''عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلّی عند قبری سمعته و من صلّی نائیاً ابلغته۔ رواه

البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ص ۱۵۲)'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔ (تحریرات حدیث ص ۲۱۱)

حضرت مولانا مرحوم نے یہ حدیثیں پیش کی ہیں اور ان سے با قاعدہ استدلال کیا ہے جس سے صاف طور پر عیاں ہے کہ حضرت مرحوم عندالقبر سماع صلوٰۃ وسلام کے قائل ہیں۔

تحقیق حدیث

دوسری حدیث کی تحقیق تو گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ البتہ پہلی حدیث: ''مامنکم الخ'' کے بارہ میں مختصر طریقہ پر ضروری تحقیق پیش خدمت ناظرین ہے۔ اس حدیث کے الفاظ ابوداؤد شریف میں اس طرح ہیں: ''مامن احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام'' کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

(ابوداؤد ص ۲۷۹ و مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواتہ ثقات'' (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹) اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اسنادہ حسن'' (السراج المنیر ج ۴ ص ۲۷۹) اس کی سند حسن ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صححہ النووی فی الاذکار'' (ج ۳ ص ۵۱۴) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اذکار میں اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''واتفق الائمۃ علی انہ لمسلم عند زیارتہ وعلی صاحبہ کما فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن رجل یسلّم علیّ الا رد اللہ تعالیٰ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام وھو حدیث جید'' (فتاویٰ ج ۴ ص ۳۶۱)

''حضرات ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی (قبور کی) زیارت کے وقت سلام کہنا چاہئے۔ کیونکہ سنن (ابوداؤد) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح (توجہ) لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواتہ ثقات'' (عقیدۃ الاسلام ص ۵۲، فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) اصول حدیث کی رو سے یہ حدیث بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اس پر جو اعتراض کئے گئے ہیں اس کی ایک ایک شق باطل ہے۔

ابن قدامہ الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت میں ''یسلم'' کے جملہ کے بعد ''عند قبری'' کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ (مغنی ج ۳ ص ۵۸۸) اس حدیث سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں ایسی حیات ثابت ہوتی ہے کہ روح مبارک جسد اطہر کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

مولانا محمد منظور احمد نعمانی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اتنی بات سب کے نزدیک مسلمہ اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا

یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بنا پر اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بس اس روحانی توجہ اور التفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۲۷۸)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ ایک اعتراض کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں: "اگر لفظ الیٰ روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا ہے الیٰ اور علیٰ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علیٰ استعلاء کے لئے اور الیٰ نہایت طرف کے لئے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اس سے جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۲۲۷، ۲۲۸)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: "اس حیات میں شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت وجبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہوکر سلام کی طرف متوجہ ہوجاتا ہوں۔ اس کو رد روح سے تعبیر فرمایا۔ کذا فی اللمعات۔"

(نشر الطیب ص ۲۱۱)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ اس حدیث پر طویل بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو توجہ محبوبیت ونسبت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش عطا فرمادیتا ہے یعنی مبداء انکشاف نبوی ﷺ کو جو انبساط الی اللہ سے حاصل تھا۔ مبدل بالقبض ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے توجہ علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات وصفات اور جملہ کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہوجاتی ہے۔ سو چونکہ سلام اتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اس سے مطلع ہوکر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔" (آب حیات ص ۱۷۵)

ایک اشکال کا جواب

اس حدیث میں ایک اشکال تو یہی ہوتا ہے کہ رد روح سے کیا مراد ہے؟ اس کا صحیح مطلب معلوم ہوجانے کے بعد اس اشکال کا جواب بھی حاصل ہوجاتا ہے کہ بار بار روح کا واپس ہونا اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کے موقع پر عود روح کا سلسلہ قائم ہونا سمجھ سے بالاتر اور بظاہر حیات فی القبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عود روح کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پہلے جسم سے روح مفارق اور جدا ہوئی ہو۔ حالانکہ یہ بات آپ کی قبر مبارک میں حیات مستمرہ کے خلاف ہے؟ اس اشکال اور پھر اس کے متعدد جوابات دیتے ہوئے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنی شرح بخاری میں اس طرح کا جواب ارقام فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: "وجہ اشکال فیہ ان ظاہرہ ان عود الروح الی الجسد یقتضی انفصالها عنه وهو الموت وقد اجاب العلماء عن ذالک باجوبة... الخامس انه یستغرق

فی امور الملاء الاعلی فاذا سلم علیه رجع الیه فهم لیجیب من سلم علیه" اس میں اشکال کی وجہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف عود اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم سے الگ ہوا اور یہی موت ہے علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں...... پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے مقامات میں مستغرق رہتے ہیں سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے تا کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں۔

حدیث کا جو مطلب اکابر علماء دیوبند رحمہ اللہ کی عبارات میں اوپر پیش کیا گیا ہے حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ذکر فرما کر عود روح پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دیا ہے اور انفصال روح عن الجسد کا جو شبہ ظاہر حدیث سے ہو رہا تھا اس کو رد فرما دیا۔ پہلے حوالہ گزر چکا ہے جس میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت رسالت پناہ ﷺ کی قبر میں زندگی کو اہلسنت والجماعت کا مذہب قرار دیا ہے اور بدن اطہر سے روح مبارک کی مفارقت ماننے سے آپ کی حیات فی القبر کا باطل ہونا فرمایا ہے۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری کی اس مفصل عبارت کو اپنی (فتح الملہم شرح مسلم ج ۱ ص ۳۳۰) میں مکمل طور پر نقل فرمایا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب

دوسرا اشکال اس حدیث میں یہ کیا جاتا ہے جس کو آج کل عامیانہ بلکہ گستاخانہ انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ آپ پر سلام اس کثرت سے پڑھا جاتا ہے جس کا شمار نہیں ہو سکتا تو آپ اس کا جواب کیسے دیتے ہوں گے؟ اور کیا اس سے آپ کو تکلیف نہ ہوتی ہوگی؟

حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس اعتراض اور جواب کو ان لفظوں میں ذکر فرمایا ہے:"وقد یتشکل ذلک من جهة اخری وهو انه یستلزم استغراق الزمان کله فی ذالک لاتصال الصلوة والسلام فی اقطار الارض لمن لا هی کثرة اجیب بان امور للآخرة لاتدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبه باحوال الآخره" اور اس حدیث میں ایک اور وجہ سے اشکال کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا سارا وقت ہی سلام کے جواب لوٹانے میں صرف ہو جائے، کیونکہ زمین کے بیشتر اطراف سے صلوٰۃ وسلام اس کثرت سے آپ کو پہنچتا ہے جو احصاء وشمار سے باہر ہے اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے نہیں پہچانے جا سکتے اور برزخ کے معاملات احوال آخرت سے مشابہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

عقلی استبعادات

درحقیقت حضرت علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے برزخ کے معاملات کو سمجھنے کے لئے نہایت ہی عجیب وغریب بنیادی اصول بتلایا ہے کہ احوال برزخ احوال آخرت کے مشابہ ہیں جس طرح احوال آخرت کو عقل محض سے نہیں پہچانا جا سکتا اسی طرح معاملات برزخ ثواب وعذاب اور سلام اور اس کا جواب بھی عقل نارسا کے ذریعہ سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ معتزلہ وغیرہ فرقوں نے ان امور کو اپنی فہم وعقل سے سمجھنا چاہا اور عقل مادی کو ان امور کے سمجھنے کے لئے معیار قرار دیا۔ پھر جب ان کی عقل میں یہ امور نہ آ سکے تو انہوں نے ان کا انکار شروع کر دیا۔ آج کل بھی بہت لوگوں نے

معتزلہ کا بھی طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ اپنی عقل نارسا اور فہم ناقص کے ذریعہ معاملات برزخ کا ادراک کرنا چاہتے ہیں اور جو بات ان کی عقل وفہم سے اونچی ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ اس کا ادراک نہیں کر سکتے اس کو وہ جرأت اور بے باکی سے رد کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ماورائے عقل امور کے اثبات کے لئے صرف عقل کافی نہیں ہو سکتی۔ اس کے اثبات کے لئے تو عقل سے آگے وحی کے نور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے وحی اور نص کے مقابلہ میں قیاس وعقل کے تقاضوں کو یکسر چھوڑ دیا جاتا ہے اور وحی اور نص کا اتباع کیا جاتا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی صحیح اور صریح حدیثوں سے آپ کا قبر مبارک کے پاس سے سماع ثابت ہے اور اس کا جواب بھی تو اب ان حدیثوں کے مقابلہ میں عقلی قیاسات اور خیالی شکوک وشبہات کی کیا وقعت وحیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ جن کو نفی سماع پر اس زمانہ میں عوامی طرز پر پیش کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ جب آپ دنیا میں دروازہ کے باہر کی آوازیں نہیں سنا کرتے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی آواز بھی دروازہ سے نہیں سنی تھی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کس طرح سنتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ!

یہ سب باتیں اور قیاسات نص حدیث کے سامنے ناقابل قبول اور مردود ہیں؟ حضرات سلف اور اکابر نے ان کا قطعاً لحاظ نہیں فرمایا اور کسی نے بھی اس طرح باطل قیاس سے سماع عند القبر کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کے قبر کے پاس سے سلام کو سننے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اگر آپ کی حیات ہماری زندگی کی طرح ہوتی یا آپ کو سماع ہوتا تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسئلہ خلافت وغیرہ امور میں نزاع کا فیصلہ آپ سے کیوں نہیں کرایا؟

یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اوّل تو اس حیات اور سماع کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے کہ وہ بعینہ بالکل اسی ظاہری حیات کی طرح ہے اور بالکل اسی طرح سماعت فرما کر فیصلہ فرمائیں گے پھر وہ فیصلہ اس دنیا میں مسموع اور واجب العمل ہوگا، احادیث سے آنحضرت ﷺ کا سماع تو ثابت ہے مگر آپ کے جواب کا سماع تو احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

دوسرے نزاعات اور اختلافات کا فیصلہ آپ اپنی تکلیفی زندگی میں فرماتے رہے اور آپ کی یہ حیات تکلیفی نہیں ہے۔ اس لئے اب آپ کی یہ ذمہ داری نہیں رہی بلکہ ان اختلافات کا رفع کرنا امت کی ذمہ داری ہے اور ہی اس کی مکلف بھی ہے اور ایسے اجتہادی امور میں اجتہاد صحیح کے ذریعہ حق کو پالینے میں اجر وثواب کا استحقاق بھی ہوتا ہے۔ اگر ہر بات کا فیصلہ نص سے ہی کرایا جاتا تو امت اجتہاد اور حق کی طلب میں امکانی سعی کے اجر وثواب سے محروم ہی رہتی۔

مگر یہ اجتہاد مقررہ قواعد وضوابط کی حدود میں رہ کر نصوص کے دلالات واشارات کی روشنی میں ہوتا ہے تمام مسلمہ قواعد وضوابط کی حدود کو توڑ کر اور ان سے آزاد ہو کر نہیں ہوتا جیسا کہ اس زمانہ میں احادیث سماع کے مقابلہ میں اس طرح کے باطل قیاسات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ نص کے سامنے قیاس بالکل باطل اور مردود ہوتا ہے۔

غیر متعلق آیات سے استدلال کا مدلل جواب

بعض لوگوں نے ایسی آیات سے بھی عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے جن میں غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور ان کی عبادت کرنا اور ان کو پکارنا پھر ان کا اس عبادت اور پکار سے غافل اور بے خبر رہنا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیت کریمہ: ”ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ“ اور وہ عبادت کرتے

ہیں اللہ تعالیٰ کے ورے اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو اور نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس۔ (یونس)

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں کے نزدیک عندالقبر استشفاع اور علی الخصوص آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوکر مغفرت کی سفارش طلب کرنا ممنوع ثابت ہو رہا ہے۔ اگر آیت مبارکہ میں من دون اللہ سے اصنام واوثان کے علاوہ فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ حضرات بھی مراد ہوں جیسا کہ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۸۸) میں اس کی تصریح ہے تو بھی اس آیت کریمہ سے استشفاع کا ممنوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آیت میں ایسی سفارش مراد ہے جو غائبانہ حاجات میں ہو۔

عندالقبر استشفاع ممنوع نہیں

قبر کے پاس سے سفارش کی درخواست والتجاء کرنا یہ سفارش ممنوع میں داخل نہیں ہے۔ ورنہ تو زندہ بزرگ سے بھی دعا کی التجاء کرنا ممنوع ہوگا۔ حالانکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اور امت مسلمہ کا تعامل بھی اس پر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ دعا کی درخواست لے کر آتے تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۸۸۴) میں روایت ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ کے پاس ام زفر الاسدیہ آئیں آپ سے مرگی کے دورہ کا شکوہ کیا اور عرض کیا فادع اللہ حضرت آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو بس بیماری پر صبر کر اور اللہ تعالیٰ تجھے صبر پر جنت مرحمت فرمائے گا اور اگر تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ وہ تجھے عافیت بخشے، وہ بی بی کہنے لگیں تو میں صبر کرتی ہوں۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اسی طرح قبر کے پاس سے میت کو دعا کے لئے سفارشی بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ توسل واستمداد کے بیان میں لکھتے ہیں: ''یا ندا کند آں بندہ مقرب ومکرم را کہ اے بندہ خدا و ولی وے شفاعت کن مراد بخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیاں مگر وسیلہ وقادر ومعطی ومسئول پروردگار راست تعالیٰ شانہٗ و دروے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ آں چناں است کہ توسل وطلب دعا از صالحان و دوستاں خدا و در حالت حیات کند و آں جائز است بالاتفاق پاس آں چرا جائز نباشد۔ یا یوں صدا بلند کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے ولی میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کے پورا کرنے کی التجاء کرتا کہ وہ میری حاجت کو پورا کردے۔ سو اس صورت میں بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے قادر دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جس طرح منکر کا وہم ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیک بندوں سے ان کی زندگی میں کوئی توسل کرے اور دعا کی درخواست کرے اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔'' (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۰۸)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے وہ سوال وجواب مختصراً ملاحظہ کیا جائے۔

سوال: انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و شہداء عظام و صلحاء عالی مقام بعد موت شان استمداد بایں طور کہ یا فلاں از حق تبارک وتعالیٰ حاجت مرا بخواہ و شفیع من شو و دعا برائے من بخواہ درست است یا نے؟

جواب: استمداد از اصوات خواہ نزد قبور باشد یا غائبانہ بے شبہ بدعت ست در زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نبود لیکن اختلاف است دراں کہ بدعت سیئہ است یا حسنہ نیز حکم مختلف می شود باختلاف طریق استمداد اگر استمداد بایں طریق است کہ در سوال مذکور است پس ظاہراً جواز است زیرا کہ دریں صورت شرک نمی آید و آئندا استمداد از صلحاء بدعا و التجا در حالت حیات الخ۔ (فتاویٰ عزیزی ج۱ ص ۸۸)

استمداد کا جو طریقہ دعا کی درخواست کرنا سوال میں مذکور ہے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اس طریقہ سے میت سے دعا کرانے کو بھی زندہ بزرگ کی طرح جائز قرار دیتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ارشاد

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحب قبر اس طرح میرا کام کردے تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے اور یہ بات کہ تم میرے واسطے دعا کرو تو اس بات میں اختلاف ہے، منکرین سماع موتی اس کو لغو ناجائز کہتے ہیں اور مجوزین سماع جائز جانتے ہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص ۲۳)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ کی عبارات سے واضح ہے کہ قبر کے پاس دعا کی درخواست کرنی اور دعا کے لئے زندگی میں یا وفات کے بعد کسی کو سفارشی بنانا جائز ہے اور شفعاءنا عنداللہ کے زمرہ میں داخل نہیں ہے۔ البتہ غائبانہ طور پر کسی کو سفارشی بنانا اسی زمرہ میں داخل ہے۔ کیونکہ اس سے علم غیب وغیرہ شرکیہ عقیدے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر یہ طلب دعاء اس آیت کا مصداق ہوتا اور شفاعت شرکیہ کے زمرہ میں داخل ہوتا تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ عندالقبر شفاعت اور توسل کی کسی طرح اجازت نہ دیتے، حالانکہ تمام فقہاء کرام اور ائمہ عظام نورالایضاح سے لے کر فتاویٰ عالمگیری تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر طلب شفاعت اور دعا مغفرت کے جواز کے مقر ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نزدیک سے طلب سفارش اور دعا کرانا اس آیت کے مفہوم میں ہرگز شامل نہیں ہے اور نہ وہ شفاعت شرکیہ ہے۔ اگر اس استشفاع میں کسی بھی آیت سے تعارض ہوتا تو حضرات فقہاء کرام اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔

ایک واقعہ سے استدلال کا جواب

حضرات فقہاء کرام کے اس متفقہ فتویٰ کی بنیاد اس واقعہ پر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا ایک گاؤں کے رہنے والے جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ حضرت آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسائیں۔" (وفاء الوفاء ج۲ ص ۱۳۷۱، البدایہ والنہایہ ج۷ ص ۱۷)

ان کتابوں کے علاوہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب (تحریرات حدیث میں ص ۲۵۵) پر اس کو نقل کیا ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری ج۳ ص ۱۴۸) میں اس واقعہ کی سند کو صحیح فرمایا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے بھی آ رہی ہے۔

(شاید یہ وہی بزرگ صحابی ہوں جنہوں نے خطبہ کے وقت آنحضرت ﷺ سے دعاء باراں کی درخواست کی تھی) بہرحال اس واقعہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے کہ ان صحابی نے زندگی اور وفات میں فرق نہیں کیا بلکہ زندگی کی طرح ہی وفات کے بعد بھی دعا کی درخواست پیش کرنے کو جائز سمجھا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیز دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تصویب فرمائی اور اس کو بلا نکیر جائز رکھا تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ کسی نص اور شرعی قاعدہ کے خلاف نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس کو قرآن کریم کی کسی نص کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ یقیناً غلطی پر ہے۔ کیونکہ جس طرح کی قرآن کریم کی سمجھ ان حضرات کو تھی وہ بعد میں آنے والوں کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔

ایک دوسری آیت سے استدلال کا جواب

اس آیت کریمہ سے بھی عدم سماع موتی پر استدلال کیا جاتا ہے۔

''ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون'' اور اس سے بہکا کون ہے؟ جو پکارے اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کی پکار کو دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے پکارنے کی۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ ''وھم دعائھم غافلون'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''لانھا اما جمادات واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم'' اس لئے کہ وہ یا تو جمادات (بت) ہیں اور یا تابع فرمان بندے ہیں جو اپنے احوال میں معروف و مشغول ہیں۔ (تفسیر بیضاوی ص ۳۴۳)

اس سے واضح ہوا کہ جن کو پکارا جاتا ہے یا تو وہ جماد ہیں ان میں سننے کی صلاحیت ہی نہیں یا وہ اگر فرمانبردار بندے ہیں تو ان کی غفلت اور عدم سماع اس لئے نہیں کہ وہ سنتے نہیں اور ان میں سننے کی اہلیت نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس لئے پکارنے والوں کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مشغول ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ اور التفات بھی نہیں تو ان کا نہ سننا بوجہ عدم توجہ اور بے التفاتی کی وجہ سے ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ بھی اسی طرح فرماتے ہیں: ''لانھا اما جمادات لا یسمع ولا یعقل واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم کعیسیٰ عزیر والملائکۃ'' یا تو وہ جمادات ہیں اس لئے نہ تو وہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور یا وہ فرمانبردار بندے ہیں جو اپنے حالات میں مشغول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہم السلام اور فرشتے۔ (ج ۸ ص ۳۹۴)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''جمادات تو بوجہ عدم قوت سامعہ کے اور ذوات الارواح میں بایں معنی کہ جیسی چیز کے کفار معتقد تھے کہ سماع لازم ودائم اور مفید ہے وہ منفی ہے۔'' (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۳)

علامہ آلوسی بغدادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''لا یسمعون ولا یدرون اما ان کان المدعو جماداً فظاھر واما ان کان من ذوی العقول فان کان من المقبولین المقربین عند اللہ تعالیٰ فلاشتغالہ عن ذالک بما ھو خیرہ من الخیر او کونہ فی محل لیس من شانہ الذی فیہ ان یسمع دعاء الداعی للبعد کعیسیٰ علیہ السلام الیوم او لان اللہ تعالیٰ یصون سمعہ عن سماع ذالک لانہ لکونہ مما لا یرضی اللہ تعالیٰ یولمہ لو سمعہ وان کان من اعداء اللہ تعالیٰ کشیاطین الجن والانس الذین عبروا من دون اللہ فان کان میتاً فلا شتغالہ بما ھو فیہ من

الشر و قيل لان الميت ليس من شانه السماع و لا يتحقق منه سماع الا معجزة لسماع اهل القليب فى هذا الكلام تقدم بعضه و ان كان حياً فان كان بعيداً مثلاً فالامر ظاهر و ان كان قريباً يصلم الحاشه فقيل الكلام بالنسبة البعد بعد تاويل لغفلة بعدم السماع على التغليب لندرة هذا الصنف'' (تفسیر روح المعانی ج ۲۶ ص ۷)

نہ وہ سنتے ہیں نہ وہ جانتے ہیں، اس کہ اگر وہ جماد ہیں تو ظاہر ہے اور اگر ذوی العقول ہیں تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مقرب ہیں تو وہ آرام وراحت میں معروف ہونے کی وجہ سے اس کارروائی سے بے خبر ہیں اور یا وہ ایسی جگہ ہیں جس میں ہونے کی وجہ سے اس میں رہنے والے کی شان یہ ہے کہ پکارنے والے کی پکار کو دوری کی وجہ سے وہ نہیں سنتے جیسے آج کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کانوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا ہے کہ اس ناپسندیدہ بات سے ان کو دکھ پہنچائے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہیں مثلاً شیاطین الانس والجن جن کو من دون اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے تو اگر وہ مردہ ہیں تو وہ اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں (لہٰذا غافل ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لئے غافل ہیں کہ میت کی شان ہی سے سماع نہیں اور اس سے سماع متحقق نہیں ہوسکتا۔ مگر معجزہ کے طور پر جیسا کہ قلیب بدر والوں کا سماع اور اس میں کلام ہے ان کا بعض حصہ پہلے گزر چکا اور اگر وہ زندہ ہیں اگر وہ مثلاً دور ہیں تو معاملہ بالکل واضح ہے اور اگر وہ قریب ہوں تو کہا گیا ہے کہ ان کی نسبت یہ کلام بعد اس کے کہ غفلت سے مراد عدم سماع ہو تغلیب پر ہے کیونکہ یہ قسم بالکل نادر ہے۔''

اگر مدعو قریب ہو اور اس کے حواس بھی صحیح وسالم ہوں اور غافلون کے معنی بھی عدم سماع لئے جائیں تو چونکہ بقیہ اقسام کے مقابلہ میں یہ قسم کم اور نادر ہے تو بقیہ اقسام (جماد، مقبول الٰہی ہو کر خوشی میں مشغول اور دور رہنے والے اور برے ہو کر اپنی تکلیف میں مبتلا ہونے والے وغیرہ) کے لحاظ سے تغلیباً یہ ارشاد ہوا ہے کہ سب غافل اور بے خبر ہیں، حالانکہ ان قریب والوں کو خبر ہوتی ہے مگر تغلیباً ان سے بھی نفی کر دی گئی۔

اسی طرح ''من لا يستجيب له'' میں بھی تغلیب ہے ذوالعقول کی غیر ذوی العقول پر کیونکہ من لا یستجیب میں ذوی العقول کے ساتھ غیر ذوی العقول جماد بھی شریک ہیں اس کے باوجود من کا استعمال تغلیباً کیا گیا ہے جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔

آدمی قریب ہو اور اپنی کسی معروفیت اور فکر میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سنتا، قریب سے بھی بات سننے کے لئے توجہ اور التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔

دعا اور پکار کی تفصیل

دعا اور پکارنا وغیرہ الفاظ تفصیل طلب ہیں، اگر ان الفاظ سے کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ صاحب قبر یا زندہ شخص ہماری حاجت اور مراد کو پوری کرتا ہے تو یہ دعا اور پکار ممنوع اور شرک ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص زندہ بزرگ یا وفات یافتہ سے اولاد صحت یا ایسی چیز طلب کرے جو عالم اسباب میں اس کے اختیار میں نہیں ہے تو یہ شرک ہے۔ غرضیکہ جو چیز شرک ہے وہ زندگی میں بھی شرک ہے اور وفات کے بعد بھی شرک ہے اور شرک اسی صورت میں ہے جب کہ اس زندہ یا وفات یافتہ سے اپنی حاجت برآری اور اپنی مراد کو طلب کرے جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد

صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ”قبور سے اس طور دعا کرنا کہ اے صاحب قبر میرا کام کر دے میرا کام کرے تو یہ حرام اور شرک بالاتفاق ہے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۲۳)

اور فرمایا: ”دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے تم میرا یہ کام کردو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس سے کہے یا خواہ قبر سے دور کہے۔“ (فتاویٰ رشدیہ ج ۱ ص ۹۹)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”دعا ازاں خواستن حرام است۔“ دعا ان سے کرانی حرام ہے۔ (مالا بدمنہ ص ۸۱)

اور حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ”وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت نزدیک سے پکارتے ہیں وہ مشرک ہیں۔“ (تفسیر بے نظیر ص ۴۸)

اس دعا سے بھی یہی مشرکانہ دعا مراد ہے جس کا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ان حضرات سے اپنی مراد اور حاجت برآری کے لئے عرض کیا جائے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ بھی اس طرح کی پکار اور دعا کو صریح ضلالت فرماتے ہیں لکھتے ہیں: ”البتہ عوام کا سا اعتقاد اثبات کہ اس کو حاضر وناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں صریح ضلالت ہے۔“ (التکشف ص ۴۲۷)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ توسل کے مسئلہ میں کلام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجاء کرنا جیسا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے۔“ (بوادر النوادر ص)

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں: ”مگر چونکہ محتاج اور مستغنی محتاج الیہ کا پکارنا جدا جدا ہوتا ہے اور عوام اپنے خیال خام میں اولیاء کو قادر اور متصرف بمعنی غنی اور محتاج الیہ سمجھتے ہیں۔ الخ“ (جمال قاسمی ص ۱۰)

بہر حال اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی بھی شخص کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھ کر اس کو پکارنا کہ دور دراز سے بھی وہ ہماری پکار سنتا اور ہماری حاجت روائی کرتا ہے ممنوع اور شرک ہے۔

اور یہی وہ دعا ہے جو مشرکین کا طریقہ تھا اس دعا کی قرآن کریم کی آیات میں ممانعت آئی ہے اور ان کی اسی دعاء خاص سے غفلت اور بے خبری کا بیان ”وھم عن دعائھم غافلون“ میں فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح آیت: ”ویوم نحشرھم جمیعاً“ میں ”ان کنا عن عبادتکم لغافلین“ کا مطلب بھی یہی ہوگا کہ ان کی اس خاص عبادت سے غفلت اور بے خبری تھی اور ظاہر ہے کہ سجدہ کرنے، طواف کرنے، نذر و نیاز دینے یا دور دراز سے غائبانہ پکارنے کی ان کو کیا خبر ہوتی؟

اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے کہ وہ مدعوکیوں غافل اور بے خبر ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ”ان کنا عن عبادتکم لغافلین“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں اور ان کا غافل ہونا ان کی عبادت سے ظاہر ہے اس واسطے کہ بتوں کو ایسا شعور ظاہر ہے کہ یہاں نہیں ہے اور اگر معبودین مثل ملائکہ وغیرہم کو بھی عام لیا جائے تو بھی غافل ہونا صحیح ہے۔ کیونکہ علم ملائکہ وغیرہم کا محیط نہیں ہے اور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔“ (بیان القرآن ج ۳ ص ۱۱)

ان آیات کا مفہوم تفاسیر مذکورہ کی روشنی میں یہ ہوا کہ جیسی پکار اور جس طرح کی خبر کے کفار معتقد تھے وہ منفی

ہے۔اسی طرح آیت ذیل کا مطلب ہوگا: ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم ولو سمعوا مااستجابوا لکم الایۃ'' اگر تم ان کو پکارو تو وہ سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو تمہارے کام پر نہ پہنچ سکیں (اور نہ تمہارا کام کر سکیں)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ان تدعوھم تقضا حاجاتکم لا یسمعوا دعاء کم لانھا جمادات ولو سمعوا علی سبیل الفرض او علی تقدیر کون بعضھم ذا شعور کابلیس ماستجابو الکم لعدم قدرتھم علی الانفاع او لبترتھم وعما تدعون لھم من الالوھیۃ کعیسیٰ وعزیر والملائکۃ'' اگر تم ان کو پکارو اپنی حاجت برآری کے لئے تو نہ سنیں وہ تمہاری پکار کیونکہ وہ جمادات ہیں اور اگر وہ تمہاری پکار سن لیں یعنی فرضی طور پر یا اس صورت میں کہ ان میں سے بعض ابلیس کی طرح شعور والے ہیں نہ پہنچ سکیں تمہارے کام پر کیونکہ ان کو نفع پہنچانے کی قدرت نہیں اور یا اس لئے کہ وہ تم سے اور تمہاری اس کارروائی سے کہ تم ان کے لئے الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو بیزار ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے علیہم السلام۔ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۵۰)

اس تفسیر سے ثابت اور واضح ہے کہ دعاء اور پکار کے سننے کی نفی اس آیت کریمہ میں ''لا یسمعوا'' سے کی گئی ہے۔اس سے مراد وہ دعا اور پکار ہے جو اپنی حاجت برآری کے لئے ہو، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ بالفرض اگر وہ اس کو سن بھی لیں تو بھی تمہارے کام کو انجام نہ دے سکیں گے۔یعنی نفع پہنچانے پر قدرت نہ ہونے یا تمہارے دعویٰ الوہیت سے بیزار ہونے کی وجہ سے تمہاری مراد کو پورا نہیں کریں گے۔

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ''العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد'' کے قاعدہ سے آیت میں تدعو کا مخاطب عام ہے اور بوجہ آیت کے مکی ہونے کے مشرکین مکہ ہی میں مخاطب کو منحصر نہ کیا جائے اور مدعو میں بھی بت اور غیر بت سب کا عموم مراد لیا جائے تو بھی دعا سے مراد خاص دعا ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو اور اپنی جس حاجت برآری کے لئے ان کو پکارتے ہو تمہاری اس خاص دعاء اور پکار کو نہیں سن سکتے اور تمہاری حاجت کو پوری نہیں کر سکتے شاید اس لئے دعا کی مطلقاً نفی نہیں فرمائی اور مثلاً یوں نہیں فرمایا ''لا یسمعوا الدعاء'' بلکہ دعاء کو کم ضمیر مخاطب کے ساتھ مقید فرما کر دعاء مقید کی نفی فرمائی گئی ہے اور قاعدہ ہے کہ نفی خاص نفی عام کو مستلزم نہیں ہوتی۔اس لئے اس سماع خاص اور مقید کی نفی سے سماع عام اور مطلق کی نفی لازم نہیں آتی۔

مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی بے نظیر تالیف ''احکام القرآن'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یستدل به علی عدم سماع الموتی علی احتمال ان یکون الخطاب مع عبدۃ الملائکۃ وعیسی وعزیر علیہم السلام فانه تعالیٰ یقول (لا یسمعوا دعائکم) والحق ان الآیۃ لا تنفی مطلق سماع الموتی بل اسماع الخاص من الافراد مخصوصۃ وھو سماع دعاء المشرکین من الذین عبدوھم وانت تعلم ان نفی الخاص لا یستلزم نفی العام فبقیت مسئلۃ نفس سماع الموتی محتملۃ لوجھین''

اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اسی آیت ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعائکم الایۃ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''یعنی یہ بت یا بعض انبیاء یا فرشتے جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو، اگر مصیبت کے وقت پکارو گے تو اوّلاً یہ تمہاری بات سن ہی نہ سکیں گے۔کیونکہ بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے، مگر وہ نہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں۔''

آگے فرمایا: ''اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں

گے۔ کیونکہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔'' (ج ۶ ص ۳۲۹)

معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں مصیبت کے وقت کی ایسی پکار کے سماع کی نفی کی گئی ہے جو غیر اللہ کے ہر جگہ موجود ہونے کے عقیدہ پر مبنی ہو اور وہ اپنی مصیبت کے دفع کرانے کی غرض سے ہو۔ یہی غائبانہ پکار مشرکوں کا طریقہ تھا، اسی دعا کو ''والذین تدعون من دون اللہ مایملکون من قطمیر...'' وغیرہ آیات میں منع فرمایا گیا ہے۔

اور ''ان تدعوھم لا یسمعوا دعاء کم'' کو اسی دعا کے سننے کی نفی فرمائی گئی ہے، ایسی آیات میں نہ تو مطلقاً دعا اور پکار کو منع فرمایا گیا ہے اور نہ ہی مطلقاً دعا کے سننے کی نفی فرمائی گئی ہے۔

خلاصہ بحث

قبر کے پاس سے عام موتی کے سننے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہی اختلاف چلا آ رہا ہے۔ البتہ سماع انبیاء علیہم السلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور کے پاس سے سنتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے، اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد ترجیح کی جانب اگر کوئی میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔''

بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: ''الحاصل راجح مذہب عدم سماع کا ہے، حسب قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔ ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے۔'' (لطائف رشیدیہ ص ۹۷۸)

السلام علیکم یا اھل القبور کی تفسیر میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے ظاہر سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جو سماع موتی کے قائل ہیں، ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کا استدلال اور روایات سے بھی ہے۔'' (الکوکب الدری ج ۱ ص ۳۱۹)

اور جو حضرات سماع موتی کا انکار کرتے ہیں ان میں حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں: ''سماع موتی کا مسئلہ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت سے مختلف فیہ ہے۔ سلام کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا بہر حال یہ مسئلہ مختلفہ ہے۔ اس میں بحث مناسب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم!'' رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۹، ۱۰۰)

اور استعانت کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں اختلاف علماء کا ہے، مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں، سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کہا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے، پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۹، ۱۰۰)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس سوال کے جواب میں کہ جب سماع موتی کے حضرت امام صاحب قائل ہیں پھر فقہاء حنفیہ تلقین میت کو کیوں تحریر فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں: ''مسئلہ سماع میں حنفیہ باہم مختلف ہیں اور روایات سے ہر دو مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ پس تلقین اسی مذہب پر مبنی ہے کیونکہ اول زمانہ قریب دفن کے بہت روایات اثبات سماع کرتی ہیں اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب رحمہ اللہ سے آئی ہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص)

دارالعلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی سوالوں کے جواب میں جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے کسی شخص کی قبر پر اہل قبر سے کچھ عرض معروض کرتے دیکھا اور فرمایا کہ تو ایسے سے التجاء کرتا ہے جو سن بھی نہیں سکتا۔ فرماتے ہیں: ''سماع موتی میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے، بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارہ میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت: ''انک لا تسمع الموتی'' وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث: ''ماانت بمسمع منهم الخ'' اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور آیت مذکور کا ''جواب دیتے ہیں کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے۔ جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جب کہ سماع موتی میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگان دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے یہ بھی مختلف فیہ ہوگا۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما۔'' (فتاویٰ دارالعلوم ج ۵ ص ۳۶۱)

حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''باب قول المیت و هو علی الجنازة قدمونی واعلم ان مسئلة کلام المیت وسماع واحدة وانکرها حنفیة العصر وفی رسالة غیر مطبوعة لعلی القاری رحمۃ اللہ علیہ ان احداً من ائمتنا لم یذهب الی انکارها وانما استبطوها من مسئلة فی باب الایمان وهی حلف رجل ان لایکلم فلاناً فکلمه بعد ما دفن لا یحنث قال القاری ولا دلیل فیهما علی ما قالوا فان مبنی الایمان علی العرف وهم لا یسمعونه کلاما'' باب اس میں کہ مردہ چارپائی پر ہوتا ہوا کہتا ہے مجھے آگے لے چلو جاننا چاہئے کہ میت کے کلام کرنے اور اس کے سماع کا مسئلہ ایک ہی ہے اور اس وقت حنفیوں نے اس کا انکار کیا ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم میں سے کوئی بھی انکار سماع کے مسئلہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ فقہاء نے باب الایمان کے ایک مسئلہ سے عدم سماع موتی کا استنباط کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا پھر اس نے اس سے اس کے دفن ہونے کے بعد کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے عدم سماع موتی ثابت نہیں ہوتا جب کہ ان حضرات نے کہا ہے چونکہ قسموں کا دارومدار عرف پر ہے اور اہل عرف اس کو کلام نہیں کہتے۔ الخ

پھر آگے فرماتے ہیں: ''فالانکار فی غیر محله سیما اذا لم ینقل عن احد من ائمتنا رحمۃ اللہ علیہم فلابد بالالتزام السماع فی الجملة'' پس سماع موتی کا انکار بے موقع ہے خاص طور پر جب کہ ہمارے ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے کہ فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸)

ان حضرات کی عبارات بالا سے واضح ہو رہا ہے کہ سماع موتی (غیر انبیاء علیہم السلام) کا مسئلہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اب تک اختلافی چلا آ رہا ہے۔ اب اس کو اجماعی قرار دینا ہرگز درست نہیں، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کے موافق ہمارے ائمہ احناف سے اس بارہ میں کچھ منقول نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو

روایت منقول وہ شاذ ہے اس لئے فتاویٰ غریب کے جس حوالہ کو منکرین سماع موتی حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب اس بحث سماع موتی کو حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی ایک عبارت پر ختم کر دیا جائے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سورۂ نمل میں ''انک لاتسمع الموتی'' کی تفسیر میں یہ لکھنے کے بعد کہ اس سماع سے سماع نافع مراد ہے یعنی نفی سماع نافع کی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں: ''اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن نہیں سکتے۔ اس لئے سماع موتی کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے، یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کا کلام سن سکتے ہیں یا نہیں۔''

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں، ان مسائل میں سے ہے جن میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہم اختلاف رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں۔ اس لئے دوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے، بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے الخ۔ (تفسیر معارف القرآن ج ٦ ص ٥٩٠)

استشفاع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں، جائز اور درست ہے اس کا ثبوت خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گونہ اجماع سے ہوتا ہے۔

''وقد یکون التوسل بہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ بمعنی طلب ان یدعو کما کان فی حیاۃ وذالک فیما روی البیہقی من طریق الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار رواہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح عن مالک الدار قال اصحاب الناس قحط فی زمان عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ استسق اللہ تعالی لامتک فانہم قد ہلکوا فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال ائت عمر رضی اللہ عنہ فاقرأہ السلام واخبرہ انہم مسقون الخ روی سیف فی الفتوح ان الذی رأی المنام المذکور بلال بن الحارث المزنی احد الصحابۃ رضی اللہ عنہم ومحل الاستشہاد وطلب الاستسقاء منہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو فی البرزخ ودعانہ فی ہذہ الحالۃ غیر ممتنع وعلیہ بسوال من یسألہ قدورد فلامانع من سوال الاستسقاء وغیرہ منہ کما کان فی الدنیا''

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۱)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے جیسا کہ آپ کی حیات میں تھا اور یہ جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بطریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار روایت کی ہے! ور ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ مالک الدار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ سے اپنے امتیوں کے لئے بارش طلب فرمائیں وہ ہلاک ہو چکے ہیں تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو عمر رضی اللہ عنہ

کے پاس جا اور اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ ان پر بارش نازل کی جائے گی...... علامہ سیف نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور ان سے استدلال یوں ہے کہ آپ برزخ میں تھے کہ آپ سے بارش کی طلب کرنے کی دعا کی التجا کی گئی اور اس حالت میں آپ کا رب تعالیٰ سے دعا کرنا کوئی ممتنع امر نہیں اور سوال کرنے والے کے سوال کے علم کے بارہ میں دلیل وارد ہوئی ہے لہٰذا آپ سے بارش وغیرہ کے طلب کرنے کے سوال میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ آپ سے دنیا میں ایسا سوال کیا جاتا تھا'' حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری سند کے ساتھ نقل کر کے لکھا ہے ''وھذا السند صحیح'' یہ سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روا ہ ابن شیبہ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان الھجری۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کا ذکر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیا اور فرمایا کہ: ''فان بلال بن الحارث یزعم ذریہ وذریہ فقالوا اصدق بلال رضی اللہ عنہ'' کہ بلاشبہ بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ ایسا اور ایسا خیال کرتا ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سچ کہتا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۹)

یہ واقعہ حسب روایت امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر ۱۷ ھ کے آخر یا ۱۸ ھ کی ابتداء کا ہے۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱) تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ یہ واقعہ ۱۸ ھ۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۰ ھ کا ہے اور تاریخ طبری اور تاریخ البدایہ والنہایہ میں سند صحیح کے ساتھ مروی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ابن ابی شیبہ کی اسناد پر فتح الباری میں صحیح ہونے کا حکم لگا رہے ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے تسکین الصدور ص ۳۳۸ ملاحظہ کریں)

صحیح سند کے ساتھ ثابت شدہ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر استشفاع کیا اور دعا طلب کی اور خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیز دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید اور تصویب اس کو حاصل ہے تو اب استشفاع عند القبر کے جواز واستحباب میں کیا کلام رہ گیا؟

یہ واقعہ اس عمل کے جواز واستحباب پر کافی دلیل ہے اسی لئے فقہاء کرام نے مناسک حج آداب زیارت مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے استشفاع اور طلب دعاء کا بیان کیا ہے۔ یہ مسئلہ تقریباً فقہ کی ہر کتاب میں ملے گا۔ ان میں سے چند کتابوں کی عبارتوں کا حوالہ آگے آ رہا ہے۔

اس واقعہ کا تذکرہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ''تحریرات حدیث'' میں اس طرح فرمایا ہے: ''وروی البیھقی وابن ابی شیبہ ان بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ جاء الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال یارسول اللہ استسق لامتک فانھم ھلکوا فاتاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام واخبرہ انھم مسقون'' امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یارسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں۔ کیونکہ وہ ہلاک ہو چکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کہ بارش ہوگی۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۵)

واضح رہے کہ اس واقعہ میں علامہ سمہودی رحمہ اللہ کے ارشاد مذکورہ کے موافق محل استشہاد اور بنیاد واستدلال حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب استسقاء اور بارش کے لئے دعا کی درخواست فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اس پر کسی صحابی کا نکیر نہ کرنا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی تائید اور تصویب کرنا یہ بھی اس عمل کے جواز اور استحباب کی کافی دلیل اور قوی حجت ہے۔ حضرات فقہاء کرام کا اس کو جائز اور مستحب کہنا بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر ہی مبنی ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید حاصل تھی۔

غرضیکہ حاضری روضۂ اقدس کے وقت قبر مبارک کے پاس سے شفاعت کی درخواست پیش کرنا بھی اس پر مبنی ہے کہ قبر شریف میں آپ زندہ ہیں اور شفاعت کی درخواست بنفس نفیس آپ خود سنتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۱۲)

ہر مکتب فکر کے علماء عظام اور عامہ فقہاء کرام کا روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت درخواست شفاعت پیش کرنے کی تعلیم دینا اور ہر مسلک کے اکابر علماء کا دربارہ مناسک حج اپنی معتبر و مستند کتابوں میں اس کو بیان کرتے چلے آنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع عند القبر پر فقہاء کے اجماع کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سماع انبیاء علیہم السلام کو اجماعی مسئلہ قرار دے رہے ہیں اور ارشاد فرمار ہے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ)

معلوم ہوا کہ علماء کا جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف غیر انبیاء کے سننے میں ہے، محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ آداب زیارت روضۂ اطہر بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ثم یسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الشفاعة فیقول یا رسول اللہ اسألک الشفاعة یارسول اللہ اسالک الشفاعةو اتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق'' پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے پس کہے اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں یا رسول میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں آرزو یہ ہے کہ بحالت اسلام آپ کی ملت اور سنت پر مروں اور ہر چیز کا ذکر کرے جو شفقت وترحم کے قبیل سے ہو۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۸)

نورالایضاح کے جملہ ''الشفاعة'' کی شرح میں علامہ السید احمد طحطاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ای نطلب منک الشفاعة'' ہم آپ سے شفاعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ (طحطاوی ص ۴۰)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ زبدۃ المناسک میں بھی اسی طرح ارقام فرماتے ہیں: ''پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے، کہے۔''

''یارسول اللہ اسئلک الشفاعة واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتک وسنتک'' اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں بحالت اسلام آپ کی ملت اور سنت پر مروں۔ (زبدۃ المناسک)

غرضیکہ فقہائے امت کے ایسے ارشادات سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک سے شفاعت کی درخواست کرنا جائز اور اس درخواست کرنے نیز سماع عند القبر کے مسئلے پر فقہاء کا اجماع اور اتفاق ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں۔

صاحب ''جواہر القرآن'' کا مؤقف اجماع کے خلاف ہے

لیکن مؤلف ''جواہر القرآن'' اجماع امت اور تمام فقہاء کی تصریحات کے خلاف آیت ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک الایۃ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''اس آیت کا تعلق حضور علیہ السلام کے زندگی کے اسی واقعہ سے ہے اور اب آپ کی قبر سے استمداد اور استشفاع جائز نہیں۔'' (تفسیر جواہر القرآن ج: ص ۲۲۷)

حالانکہ اکابر علماء دیو بند بھی اس آیت کے حکم کو عام اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قبر مبارک پر حاضری کے وقت درخواست شفاعت پیش خدمت اقدس کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم'' لکھ کر تحریر فرماتے ہیں: ''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیوں کر ہو آپ کا وجود تربیت عام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں۔'' (آب حیات ص ۴۰)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان اپنی معتبر اور مستند تفسیر ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں: ''یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔'' (تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۸)

حضرت شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر کتاب ''اعلاء السنن'' میں ارقام فرماتے ہیں: ''فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاتہ ﷺ'' پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔'' (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مواہب کے حوالے سے محمد بن حرب ہلالی کے واقعہ کو نقل کرتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن حرب ہلالی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما'' اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے۔ الخ!

پھر اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی..... غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔'' (نشر الطیب ص ۲۵۴)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن

کریم کی اس آیت کے عموم سے ثابت ہے اور علماء امت نے اس آیت کریمہ سے آنحضرت ﷺ کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں عموم سمجھ کر آپ کی قبر مبارک پر اس کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور اس آیت کا تعلق حضور ﷺ کی مبارک زندگی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ ''مؤلف جواہر القرآن'' نے سب اکابر کے خلاف سمجھ لیا ہے۔ علامہ سمہودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''والعلماء فهموا من الأية العموم بحالتى الموت والحيوة واستحبوا لمن اتى القبر ان يتلوها ويستغفر الله الخ'' علماء نے اس آیت کریمہ سے آپ ﷺ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی قبر مبارک پر جائے وہ اس کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱)

بلوغ صلوٰۃ وسلام سے مراد

صلوٰۃ وسلام کے پہنچنے سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں فرشتے صلوٰۃ وسلام کی اطلاع دیتے ہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے: ''ان لله ملائكة سياحين فى الارض يبلغونى من امتى السلام'' بے شک اللہ کے فرشتے زمین پر سیاحت کرتے پھرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۸۶)

اس حدیث کے بارہ میں علامہ عزیزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حديث صحيح'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۸) یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رواه البزار ورجاله رجال صحيح'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴) محدث بزار رحمہ اللہ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے تمام روای صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رواه احمد والنسائى والدارمى وابونعيم والبيهقى والخلعى وابن حبان والحاكم فى صحيحها وقال صحيح الاسناد'' (القول البدیع ص ۱۱۵) امام احمد رحمہ اللہ، نسائی، داری رحمہ اللہ، ابونعیم، خلعی، ابن حبان رحمہ اللہ اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے اور صرف حاکم رحمہ اللہ ہی نہیں بلکہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: ''نزد احمد رحمہ اللہ ونسائی رحمہ اللہ ہر آئینہ خدائے را فرشتگانند سیر کنندگان در زمین میرسانند مرا از امت من سلام را وبتواتر رسیدہ ایں معنی الخ۔'' احمد رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون تو تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔'' (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلام زائراں را بنفس شریف بواسطہ سماع کند ودرود سلام کند وبر دیگراں بواسطہ ملائکہ سیاحین بود چنانکہ از حدیث ابی ہریرہ در فصل ثالث ظاہر میگردد۔'' سلام زیارت کرنے والوں کا بے واسطہ ملائکہ کے سنتے ہیں اور اوروں کا بواسطہ ملائکہ کے جیسا کہ حدیث ابوہریرہ سے کہ تیسری فصل میں ہے ظاہر ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۰۷)

پہلے گزر چکا ہے کہ: ''مظاہر حق کا یہ ترجمہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا تصدیق شدہ ہے۔'' اس سے واضح ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ زیارت کرنے والوں کا سلام بے بواسطہ ملائکہ کے خود سنتے ہیں۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ حدیث: ''من صلی علی نائیا ابلغتہ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ای اخبرت بہ من احد من الملائکۃ'' یعنی فرشتے کے ذریعے مجھے اس کی خبر دی جاتی ہے۔ (فیض القدیر ج ۶ ص ۱۷۰)

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''(قولہ و تبلغ الیہ) ای یبلغ الملک الیہ اذا کان المصلی بعیداً'' یعنی فرشتہ پہنچاتا ہے جب کہ درود پڑھنے والا دور ہو۔ (طحطاوی ص ۳۴۸)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ حدیث ابوداؤد شریف ''حتی ارد علیہ السلام'' کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں: ''ای اقول و علیک السلام'' یعنی میں کہوں گا وعلیک السلام۔
(بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۷)

اور براہین قاطعہ میں فرماتے ہیں: ''صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں۔'' (براہین ص ۲۰۰)

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل صلوٰۃ وسلام بذریعہ فرشتوں کے پہنچنے کا بھی انکار کیا جارہا ہے اور اس کی مراد یہ بتلائی جارہی ہے کہ: ''صلوٰۃ وسلام کا ثواب آپ ﷺ کو پہنچ جاتا ہے۔'' جیسا کہ شفاء الصدور کے مؤلف اور اس کے مترجم نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ثم اعلم ان المراد ببلوغ الصلوۃ والسلام انما ہو بلوغ ثوابہ و ہو یعم لکل متوفی عندنا اہل السنۃ والجماعۃ خلافاً للمعتزلۃ'' باقی رہا سلام درود کا بلوغ سو اس سے مراد ثواب ہے جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے عندنا اہلسنت والجماعت۔ (شفاء الصدور ص ۴۴)

بلوغ صلوٰۃ وسلام کی یہ مراد بتلانا شارحین احادیث اور فقہاء امت کے فیصلوں کے خلاف ہونے کے ساتھ خود ان احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہے جن میں سلام امت کے پہنچانے کے لئے فرشتوں کی جماعت کے تقرر کی خبر دی گئی ہے۔ اگر صلوٰۃ وسلام کے پہنچنے سے ''ثواب کا پہنچنا مراد ہوتا جو ہر وفات شدہ کو ملتا ہے'' تو اس کے لئے نہ تو فرشتوں کے تقرر کی ضرورت تھی اور نہ ہی عام مسلمانوں کی نسبت سے ان میں کوئی خصوصیت اور فضیلت آنحضرت ﷺ کی باقی رہتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص سلف صالحین اور اجماع فقہاء کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے پر اصرار کرتا اور اسی کو حرف آخر سمجھتا ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسلام اور اکابر امت سے کٹ جانے کے بعد اپنی ذہنی اختراع وایجاد پر اپنے عقیدہ اور عمل کی بنیاد قائم کر رہا ہے اور اجماع سلف کے خلاف ایک نیا مسلک بنا رہا ہے۔ سلف صالح کے عمل میں اس کے لئے کوئی نمونہ اور اسوۂ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ سلف میں سے کسی نے بھی سماع عند قبر النبی ﷺ کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے فرشتوں کے ذریعے درود وسلام کے پہنچنے کا انکار کیا ہے، بلکہ سب سلف صالح قریب سے صلوٰۃ وسلام کے سماع اور دور سے بذریعہ ملائکہ پہنچائے جانے کے معتقد اور قائل رہے ہیں اور یہی حق ہے اور یہی صواب ہے۔

''والحق احق ان یتبع فماذا بعد الحق الا الضلال''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلاف کرام کی اتباع میں ہمیشہ حق پر قائم رکھیں۔ آمین!

قد وقع الفراغ عن تحریر ہذہ العجالہ و تبییض ہذہ المقالۃ یوم الجمعۃ وقت الاشراق اول یوم من شہر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا

مطبوعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت











